



ڈاکٹر زکیر حسین لائبریری

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY

JAMIA MILLIA ISLAMIA

JAMIA NAGAR

NEW DELHI

Please examine the books before
taking it out. You will be responsible
for damages to the book disco-
vered while returning it.

DUE DATE

Acc No

Late Fine **Rs 1.00** per day for first 15 days

Rs. 2.00 per day after 15 days of the due date

تاریخ صحافتِ اردو

جلد پنجم
جسمیت

۱۹۱۱ء سے ۱۹۴۰ء تک کے اخبارات و رسائل
ان کے ایڈیٹروں کے حالات زندگی، اور اس دور
کے تاریخی، سیاسی، تمدنی، معاشی، تعلیمی، سماجی اور
ادبی نادر واقعات درج ہیں۔

ابدو صابری

ناشر :- اکرم قادری کونسل کوچہ پنڈت لال کنواں، دہلی

103378

20 10 84

دل :- ریتیر پے

قیمت ششم دوم :- پچیس روپے

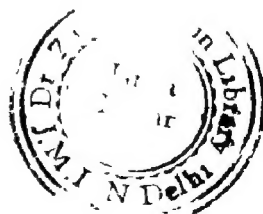
مجموعہ :- جمال پریس دہلی

کاتب :- سید غیاث الحسن مظاہری

ملنے کا پتہ :- امداد صابری، چوڑیوالان، دہلی

۱۹۸۳ء

سن اشاعت :-



تاریخ صحافت اردو کی

پانچویں جلد کو میں حضرت مولانا ظفر علی صاحب

کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔

حضرت مولانا ظفر علی خاں صاحب
کی وہ پاک و مقدس مٹی تھی حبیبہ، نگہ بزیوں کا ظلم و ستم بام و بزم
پر تھا اور ہر منہ و نسانی کے دل و دماغ پر اس کا رعب و دبدبہ
چھ یا ہوا تھا۔

آپ نے غلام میں شعور و بیداری پیدا کی اور انگریزوں کا
خون و پراس دکاں کر ایک نڈر سیاحت بنا دیا۔
نصف صدی تک بازمی گاہ سیاست تیں ایک کامیاب شہسوار
میں اک جبر و آتش طرازی فی، متحدہ بیاں مقرر اور انقلابوں کو جنم
دینے والے شاعر کی حیثیت سے ملک کی آزادی و سرملہ کی فکر
ظلم کی آندھریوں، استبداد کے طوفانوں، ملکیت کے طوفانوں انگینہ
سیدوں، طریق و سلاسل کی جھجکاؤں اور زنداں کی کوشنوں

کی تاریکیوں کا مقابلہ کیا۔ اور منبدستان کی لب طہیست
میں اپنا سجدہ جمایا، اور قلم کی جہلانہیوں کو اخبارِ زمیں کے
ذریعہ اور زبان کی ردائیوں سے وقت کے دھاروں کو
موزا۔

مولانا کی لہکار نے انگریزوں کے نصرِ منبدا کی
بنیادیں کو متزلزل کر دیا تھا۔ جینے سچے ان قربانیوں
کی بدولت ملک کو آزادی نصیب ہوئی۔

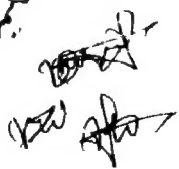
مولانا ظفر علی خاں جسی ہسپتال منبدستان اور
پاکستان میں کم بیداموں کی۔

اگر منبدستان میں کو ملک اور قوم سے محبت ہے تو
ان کے اور ان جیسے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی
کوشش کریں۔

امداد صابری

چرواہا لان، دہلی

یکم جنوری ۱۹۷۷ء



مولانا ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں نے ۱۹۰۷ء میں جنجوعہ راجپوت تھے کئی صدیوں سے
 یہ کہ بہانہ دار پیدا ہوئے تھے۔ جب سکھوں نے پنجاب کے مختلف
 اضلاع کو برباد کرنا شروع کیا تو مولانا کے پردادا محمد حسن خاں ساکوٹ
 کے ساتھ گڑھاں میں پناہ گزین ہو گئے۔ محمد حسن خاں کے صاحبزادے
 زرم خاں نے تھانہ ڈوڑ گا میں ساکوٹ کا ارادہ کیا تو کامیابی
 کے لئے منہ چوما اور دیوان کے مشن اسکول میں ہمدرد مدرس ہو گئے۔ ان کو اردو
 تہذیبی رہائش میں بڑا ملکہ حاصل تھا اور ان کی فارسی دانائی کی بڑی دھوم
 مچتی تھی۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن مولانا کرم الہی صاحب سے ایک
 بنگالی نوجوان نے جو ان کے مانتے میں اسی اسکول میں پتھر پھینکا ان سے خوش
 ظاہر کی کہ وہ ان کو فارسی اور اردو پڑھائیں اور وہ ان کے بیٹے سراج الدین
 کو انگریزی پڑھا دیا کرے گا۔

مولانا کرم الہی صاحب کو تانچہ لٹالنے میں کمال حاصل تھا

جانبچہ انھوں نے اپنے لئے کاتاریخی نام "ظفر علی" رکھا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب کی ذالذہ کمرہ نے ان کا نام خداداد رکھا تھا۔
 مولانا کریم الہی صاحب بیکلوٹ سے منتقل ہو کر دیر آباد چلے گئے۔
 جہاں ٹیبر سے دوسل سے فاصلہ پر موضع و بچہ والی نے قریب کرم آباد کی بنیاد رکھی اور اس کو آباد کیا۔

مولانا کریم الہی خاں صاحب کے صاحبزادے مولانا سراج الدین خاں صاحب تھے جب آپ تعلیم سے فارغ ہو گئے تو اس وقت ان کے والد کریم الہی صاحب کی معاشی حالات اچھے نہیں تھے جس کی وجہ سے روزانہ ان کے ہاں دال پختی تھی، مولانا سراج الدین خاں کو کھاتے کھاتے تنگ آ گئے تو انھوں نے ایک روز اپنے والد سے احتجاج کے طور پر کہا کہ روزانہ دال اچھی نہیں ملتی تھی روز تو گوشت پاک جایا کرے والد نے سنا تو فرمایا میں یہاں تو دال ہی پیئے گی۔ گوشت کھانا چاہتے ہو تو خود اس کا انتظام کر لو۔ سراج الدین احمد صاحب بہ جواب سن کر گھر سے گھڑاوالہ چلے گئے اور وہاں ملازمت کرنی۔ بہ ملازمت زیادہ دن نہیں چلی سبکدوش کر دئے گئے۔

مولانا سراج الدین صاحب بیکار بیٹھے ہوئے تھے کہ مولانا کریم الہی صاحب سے پوچھ کے کسی دوست نے ذکر کیا کہ راہہ مولیٰ سنگھ کو اسناد کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اپنے بیٹے سراج الدین احمد کا نام تجویز کیا جو تئیس روپے ماہانہ پر انالیتی مقرر ہو کر پوچھ چلے گئے یہ ملازمت بھی زیادہ دن نہیں چلی۔ علیحدہ ہونا پڑا اس لیے بعد مولوی سراج الدین احمد صاحب نے ملازمت حاصل کر لی کوشش کی، تو

لوہک کے محلہ میں ملازمت مل گئی۔ کمی شہروں اور قصبوں میں پوسٹ
 اسٹر کی تہت سے کام کیا۔ ان دنوں رہاست کشمیر میں ڈاک کا نظام
 انہالی ناقص تھا۔ ہمارا جدولات ہاجکا تھا اور اس کے تین سٹیوں
 کی جالینسی کا مسئلہ حلوانف کے زیر غور تھا۔ اگر بڑی پڈنٹ کی
 نگرانی میں مسہرئی ڈولسل کے سپرد رہاست کا نظم و نسق تھا۔ دور کا
 مہر دتھے نیڈت سورج نرائن کوں اور رائے بہادر سہگت رام اور ایک
 سہات جان براہ: سح غلام علی الدین تھا، جن کے سپرد ڈاک کا محکمہ تھا
 انھوں نے پوسٹ ماسٹر جنرل سے مولوی صاحب کی خدمات متعارف
 مولوی صاحب نے چار روپے ڈاک کے نظم و نسق کو نہ صرف سجال کیا
 بلکہ مربوط و مضبوط بنایا، اس پر لارڈ لینڈٹون واکسٹریسٹ نے خوش
 مزور مولوی صاحب کو انعام میں ایک حقیر سی عطا کی جس کے تقریبی دسے
 پران کا نام منقش تھا۔

مولوی سراج الدین احمد صاحب نے یوں زندگی خود داری کے ساتھ
 گزاری۔ ملازمت میں بھی یہ انداز قائم رہا۔ کسی افسر کی غیر متعلقیت
 میں مانی۔ اصل گھر سے راجپوت تھے۔ ایک دفعہ ڈاک کے فوجی کمپ
 ہٹی ڈیوٹی پر تھے۔ اگر بڑی سپرمنڈنٹ نے کسی بات پر ناراض ہو کر کہا
 "اؤ تو آؤ آپ کو نا گوار گزارا" فوراً ہی گھبرایا استغفری لکھنا خراسانی
 کے ہاتھ سنبھال دیا۔ سپرمنڈنٹ نے استغفری دیکھتے ہی بلا بھیجا۔ تباہ
 کیا بات ہے آپ تو کرن کیوں چھوڑتا ہے۔
 صاحب ہم نے بے عزت ہونے سے لے کر نہیں کی آپ نے
 ہمیں گال دی ہے۔ صاحب ہونیا رہا، فوراً ہی بات کا سہتے ہوئے بڑا

بابویم نے گالی نہیں دی آپ کو، اچھا ہم اولو بلکہ الو کا بچہ جاؤ
اپنے کہیں پس نہ۔

دوسرا دفعہ اس سے بھی زیادہ دل چپ ہے۔ مولوی صاحب
کسوں کے پاس ڈگڑائی میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ انوار کا دل تھا
ڈاک خانہ بند تھا۔ ایک گورنر سارجنٹ ان کے پاس آگیا۔ اصرار کرنے لگا
بابویم دسپری کرانا مانگتا ہے۔ مولوی صاحب نے پر خند گورے سارجنٹ
کو سمجھایا کہ انوار کو ڈاک خانہ نہیں کھلتا اور نہ رجسٹری ہوتی ہے لیکن
وہ لفٹ رہا۔ جب دیکھا کہ مولوی صاحب پر اس کی باتوں کا اثر نہیں ہوتا
تو حاکم تہ انداز میں انتہی یو ڈیم کہہ ڈالا، مولوی صاحب کو سخت
غصہ آیا۔ حیراسبوں سے کہا۔ اچھا ڈاک خانہ کھولو، سارجنٹ سمجھا کہ
شاہد میرٹ نہ پر بیٹھا ہے۔ لورڈ ہی کمرہ میں داخل ہو گیا۔ مولوی صاحب
نے حیراسبوں کو نشانہ کب زدہ سامنے دو دروں پڑے میں ان سے ذرا
بٹس کے حصہ اسفل کی تواضع کر دو، دو حیراسبوں نے تعین حکم کی۔ اب
مولوی صاحب نے سارجنٹ سے مخاطب ہو کر کہا "یو ڈیم گٹ آؤٹ"
تمہاری رجسٹری ہو گئی ہے۔ دوسرے دن مولوی صاحب سڑک پر جا رہے
تھے۔ سارجنٹ کا آنا سامنا ہو گیا۔

مولوی صاحب کو دیکھتے ہی بولا "میلو ماسٹر صاحب آؤم دوست
میں جائیں" مولوی صاحب نے ہاتھ بڑھایا وہ مصافحہ کر کے منکراتا
ہوا آگئے دخل گیا۔

کشمیر کے مسلمانوں پر ملازمت کے دروازے بند تھے، مولوی سراج الدین
 احمد نے اہل ہمار کی، مسلمانوں سے جبراً بیکار لینے کا جو رواج عام
 تھا اس کے خلاف ایسا ذہن پیدا کیا کہ بیکار کا بڑی حد تک خاتمہ
 ہو گیا، یہاں بظاہر یہ ذکر ہے محل نہ ہو گا کہ کثیر منہدستان بھر میں
 واحد خط تھا۔ جہاں ان دنوں ریاست بھر میں اردو تار بھیجے جاتے
 تھے مولوی صاحب کتبر میں پانچ چھ برس رہے جب پٹنہ راجہ ریسر سنگھ
 کے بن بیوں پر تاج سنگھ ارام سنگھ، اور اہل سنگھ میں جانشینی کا مسئلہ
 طے ہو گیا، یعنی سب سے بڑے بیٹے پر تاج سنگھ کو گدی کا دارالت
 سادہ کیا تو قدرتی طور پر داخلی سیاست نے پیدا کیا یا خال بہادر شیخ
 غلام محی الدین کو ملازمت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ نتیجتاً مولوی سراج الدین
 احمد کی مستعار خدمات بھی ختم ہو گئیں، مولوی صاحب میڈائن میں لاہور
 واپس آ گئے۔ یہاں آپ کو اپنے درجے اور خدمات کے پیش نظر
 بغیر تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہوں گے کیس میں عدول
 اور سہولتوں میں جنگ کا جو ذہن بلوغت یا جیک تھا ماتع انگیا، مٹرنٹن
 پورٹ ماسٹر جنرل کے ایک منہد سپرنٹنڈنٹ رائے بہادر دولت نام
 کے اثر میں تھے اس لئے رائے صاحب کو جو والہ کے ضلع میں ڈاک
 خانوں کے انسپکٹ بنائے گئے آپ نے نا انصافی کے خلاف احتجاج
 کیا۔ آخر محکمہ کی سفارش پر آپ کو چھ درجہ نہری زمین آسان مشغول
 پر مل گئی۔

سلسلہ ۴ میں مولوی سراج الدین صاحب ملازمت سے
 رہا کر ہو گئے اور آئندہ کالائیکٹل سوچنے لگے آپ سرسید احمد خاں

کے والدہ تھے اور تہذیب الافلاق میں مضامین بھی لکھتے رہتے تھے۔ بعض دوستوں کے مشورے سے ہفتہ وار زمبیدار کی سلسلہء میں مرغیل ڈالی، پلاٹنارہ لاہور سے ہی لگا لگیا وہاں موری دروازہ کے اندر بڑے نواب صاحب کے ساتھ ایک گلی میں دفتر قائم کیا۔ لیکن چند دنوں کے بعد بعض معاشی دشواریوں کی وجہ سے کرم آباد چلے گئے۔

زمبیدار کا مقصد زمبیداروں میں اصلاح الرسوم کی تحریک پیدا کرنے کے علاوہ ان شکایات کے ازالہ میں سعی میں تھا اور کئی دفعہ کاتھارنوں کی اصلاح و جہود کے لئے کام کرنا تھا جن کا تعلق مزارعت کے تحت مختلف مرد و خواتین سے تھا۔ چودھری شہاب الدین صاحب کے بروہی سران الدین سے دوستانہ مراسم تھے۔ اسی زمانہ میں چودھری صاحب نے اپنی مشہور نظم بازار لکھی۔ چچہ ہی سمیال اویس جٹ کے عنوان سے زمیندار میں چھپی۔ جس سے بیانی کنوئیں میں ایکٹ نمبر ۳ کے خلاف ایک جوش دہقان پیدا ہو گیا، مولانا عبدطریق گڑٹ لاہور اور چانیرالہ آباد نے اس نظم کے انگریزی ترجمے شائع کئے جس پر لاڈ کرزن نے پنجاب کے گورنر ڈنلزل ایلین کو ایکٹ کی منسوخی کے لئے ہدایات جاری کیں اور ایکٹ منسوخ ہو گیا جس کو زمبیدار نے اپنی جیت سے بھر کیا۔

اسی ایکٹ کے خلاف اسمبلی میں سن کر نے کئی یادداشتیں لالہ لاجپت رائے پہلی دفعہ مانڈے جلاوطن کئے گئے۔ مرداراجپت سنگھ گرفتاری سے بچنے کے لئے سرحد عبور کر کے ایران چلے گئے وہاں سے اٹلی روانہ ہوئے پھر مدۃ العمر مختلف یورپین ممالک میں گھومتے پھر بے سندستان کی آزاکی سے ایک آدھ سال قبل آپ کو سندستان واپس آنے کی اجازت ملی

تیب رہند سرزنش لاپور کے چھوڑ دے درود اور سھکت ننگے کے چھانسنے ۵
 نازی سراج الدین صاحب شاعر تھے۔ قنفوی گلارنسیم کو فارسی میں
 منظم تصنیف شروع کیا۔ تسکین ادھورا چھوڑ دیا، آپ کی اردو فارسی میں
 کمی غزلیں بنتی ہیں جو آج سے ساٹھ برس پہلے کی شاعری کا نمونہ ہیں۔
 ایک روز مولوی سراج الدین احمد صاحب نکرشہر میں سفر کرتے
 ان کے والد مولوی کریم الدین صاحب آئے اور جب جاپ تھوڑے دیکھتے
 رہے۔ آخر صاحبزادے کی محویت کو سمجھوڑا، پوچھا کیا کر رہے ہو، رضی کیا
 محمد انیسیم کا فارسی ترجمہ کر رہا ہوں۔ والد سکرانے اور فرمایا
 میان کسی دھندے میں پڑ گئے، شاعری آدمی کو یہ کیا کر دیتی ہے،
 نازی سراج الدین احمد صاحب لاپور میں بیمار ہوئے تو کریم آباد ان کو لے
 جایا گیا۔ ڈاکٹر بیلی رام سنانج تھے سنانج کا کوئی اثر نہیں ملا۔ ۹ نومبر
 وفات ہوئی۔

مولوی سراج الدین احمد صاحب نے دو نکاح کئے تھے پہلی اہلیہ
 چار بیٹے مولانا ظفر علی خاں، چودھری غلام حیدر خاں، چودھری غلام قادر
 خاں اور چودھری اکبر خاں ہوئے جن میں محمد اکبر خاں سلمہ ۹ کو عثمان
 شہاب میں فوت ہو گئے۔ دوسری اہلیہ سے محمود احمد خاں، حمید احمد خاں اور حامد
 علی خاں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔

مولانا ظفر علی خاں کے پوتے فائدان بھائی لکھنؤ کے ادب و شاعری
 تعلیم انیسیم میں خاص شہرت حاصل کی چودھری غلام حیدر خاں بدولت کلکتہ

مفت دارا خاں ترمذی اور صداقت نکالتے ہے اور آپ اردو کے کامیاب مترجم مانے گئے، سب سے بڑی ہمشیرہ حمید بیگم ایک نغمہ گوینہ عروہ ہیں، اکثر رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوا۔ ان کے بڑے فرزند راجہ مہدی علی خاں شہدائے افسانہ نگار اور ڈرامہ نویس ہیں، حمید احمد خاں اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی زبان کے پروفیسر اور دوادیات کے نقاد ہیں، حامد علی خاں مذکورہ پہلوؤں کے ادیب ہیں، الجملہ رشتہ لکالا۔ ان کی ادبی تعمیری صلاحیتوں کا اعتراف ہر گوشہ میں کیا جاتا ہے، محمد احمد خاں صاحب پہلے عثمانیہ یونیورسٹی میں استاد تھے بعد میں اسلامیہ کالج لاہور میں فزکس کے پروفیسر مقرر ہوئے۔

مولانا ظفر علی خاں صاحب پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں کوٹ مہتر متصل ریلوے اسٹیشن سوہدرہ تحصیل وزیر آباد ضلع پاکوٹ میں ۱۲۹ھ مطابق ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے، شروع میں ان کا نام خداداد خاں رکھا گیا جسے بعد میں ظفر علی خاں کے تاریخی نام سے بدل دیا گیا ہے۔ مولانا نے ہوش بنگھڑا تو خاندان کی روایات کے مطابق فارسی اور عربی کی تعلیم اپنے دادا اکرم علی خاں سے حاصل کی اور پرائمری کی تعلیم وزیر آباد مینشن ہائی اسکول سے پانچویں چھٹی علی گڑھ سے۔ اور آٹھویں مینشن ہائی اسکول وزیر آباد سے پائی اس کے بعد لوہی جماعت کا امتحان پیشہ ہند کالج سے دیا۔

مولانا جب اس کالج میں زیر تعلیم تھے تو آپ کے ایک استاد انجینیئر

اں کا نام سکھن لال تھا۔ بڑے رکھن مزاج آدمی تھے انہیں کی چکی لگانے کے بعد زندگی میں اگر عجیب و غریب باتیں کرنے لگتے تھے ایک دن کہنے لگے میں ایک مصرعہ کہتا ہوں جو لا کا اس پر گرہ لگائے گا اسے ایک چکی معاف کر دی جائے گی، مصرعہ یہ تھا ۵

داہ رے نے نظر سکھن لال کہا زبان میں تیری طاقت ہے۔
مصرعہ سن کر سب را کے خاموش ہو گئے۔ لیکن مولانا سے رہا نہ گیا انہوں نے فوراً گھر لگائی ۵

اثر یاں بھی ہیں تیری لمبی سی، تنگہ یوں میں بھی تیری طاقت ہے
تو تو ہونا کہیں کا چہرہ اسی، یاں پڑھا نا تیری حماقت ہے
سکھن لال نے شہرت نو مولانا پر لیں بڑے اور ان کی خوب مرمت کی۔
نیرکان سے نکل چکا تھا، یہ شعر را کوں سے لوک زبان ہو گیا تھا، اسے جب سکھن لال کو دیکھتے تو اس شعر کو گنگنا نے لگتے تھے سکھن لال کا نال میں دم آ گیا تھا، وہ کئی دن تک اسکول میں نہیں آئے، اس شعر کا ایک نندہ طرور ہوا کہ سکھن لال را کوں سے جو انہیں منگاتے تھے اس سے را کوں کو نہات مل گئی۔

مولانا یحییٰ سے ہی پابند صوم و صلوة تھے، مذہبی کاموں میں بڑی دل چسپی لیتے تھے۔ پیٹالہ کے ہندو کالج میں جمعہ کی نماز کے چھٹی نہیں دی جاتی تھی، آپ نے اس نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائی اور مسلمان طالب علموں کی رہنمائی کی۔ آپ نے کالج کے ریشیں کو مجبور کر دیا کہ وہ مسلمان طلباء کے مذہبی جذبات کا احترام کرے اور جمعہ کی نماز کے مستقل طور پر مسلمان طلباء کو چھٹی دے، مولانا اپنی محنتوں میں اکثر فرما با کرتے تھے کہ یہ میرا

ایچی ٹینن تھا جس میں مجھ کو ایک لیڈر کی حیثیت سے حصہ لینا پڑا اور
مجھے اس میں کامیابی ہوئی ہے

اسی نماز کے لئے مولانا نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس
کراچی میں آواز اٹھائی، اس وقت گاندھی جی کسی سنجیدہ سرپرست پر
تھے، عصر کا وقت ہو گیا، فوراً ہی اسٹو کھڑے ہوئے۔ فرمایا نماز کے
لئے اجلاس ملتوی کر دیا جائے۔ گاندھی جی نے کہا جو سچائی نماز پڑھنا
چاہتے ہیں وہ جاسکتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا جی نہیں اجلاس ملتوی
ہونا چاہیئے۔ اس پر سربونگ مچ گئی۔ کئی مسئلوں نے آوازے کئے
مولانا کو غصہ آ گیا، ٹوپی سر پر رکھ کر جھڑی ہاتھ میں لے رانہ کاٹتے
ہوئے باہر نکل آئے مولانا نے لاہور پہنچ کر ایک نظم لکھی، جس کا ایک
نثر یہ تھا ہے

گند کا گریں میں آج گونج رہی ہے یہ ہوا

میشنر ٹپے وہی ضد ہو جسے نماز سے

اس کے بعد مولانا کانگریس کے اجلاس میں شریک نہیں ہوئے اور نہ
کبھی گاندھی جی یا کانگریس کے کسی لیڈر سے ملاقات ملی البتہ کانگریسی
زمین ۱۹۳۷ء تک رہا۔ لیکن کانگریس کو ۱۹۳۲ء میں خیر باد کہہ دیا تھا
مولانا ظفر علی خاں صاحب نے میٹرک کا امتحان بھی ہندو کالج
سے پاس کیا، میٹرک کرنے کے بعد آپ اپنے والد ماجد مولوی سراج الدین
صاحب کے پاس محنت پر چلے گئے جو ان دنوں محکمہ ڈاک میں ناظم اعلیٰ

کے منصب پر سرفراز تھے، باپ نے بیٹے کو سبھی ڈاک میں ملازمت دلا دی
اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ مولانا گلدرگ کے ڈاک خانہ کے احاطہ میں
ایک مین پر بیٹھے تھے کہ ایک انگریز کپتان گھوڑے پر سوار ڈاک خانہ میں
آیا۔ ان انگریزوں کی رعوت پر ڈے نواب پر بھی وہ مندوبانہ
توجہ دینا لیل کی لگا سبوں سے دیکھتے تھے اور ان کو جانور سے ہڈر
سمجھتے تھے پورے نوجو بھی حمران طبقہ ہوتا ہے اس کا دماغی توازن
درست نہیں ہوتا لیکن انگریزوں کی فنیس میں رعوت صراحت
پر جاتی تھی۔ وہ مندوبانہ کی یہ بات پر مضحکہ کرتے تھے اور ٹھوکر
تک لگانے سے باز نہیں آتے تھے خواہ وہ مندوبانہ فی رئیس و امیر
و دہمند ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کپتان ڈاک خانہ سے مانے گھوڑے سے
اٹھا اور مولانا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

ہے جھوکر! اس گھوڑے کا لگام پکڑو، ہم ابھی آتا ہے۔
مولانا نے اس انگریز کپتان کا تذلیل کن رویہ کو دیکھا تو سن کر کہا
میں تمہارا بارگبر نہیں جو تمہارے گھوڑے کی لگام پکڑ کر حقاروں
انگریز کپتان بہ نواب سن کر بہت لال بیلا ہوا۔ اہ کہنے لگا۔
ایک مندوبانہ فی جھوکرے کی یہ جرات و ہمت کہ حمران قوم کے
ایک فرد کے حکم کے ٹھکرا دے اور اس کی اس طرح تذلیل تو ہین کرے
اس انگریز کپتان نے اس واقعہ کی شکایت ریاست کے انگریز
ریزیڈنٹ سے کی کہ پوسٹ ماسٹر کے جھوکرے فخر علی خان نے میری
توہین کی ہے اس نے کہا کہ یہ میری توہین نہیں کہ ہے بلکہ پوری انگریز
حکمران قوم کی توہین کی ہے اگر اسے سزا نہیں دی گئی تو مندوبانہ

کی بہت بڑھ جائے گی اور وہ بڑے سے بڑے انگریزوں کی توہین کرنے سے نہیں چوکیں گے۔

ریڈنڈنٹ نے یہ باتیں سنیں تو مولوی سراج الدین صاحب کو طلب کیا، مولوی سراج الدین نے بڑی مشکل سے سنت سمجھ کر سب بات کو ختم کر لیا۔

انگریزوں کی فرعونیت ختم کرنے اور ان کے گھمنڈ کو توڑنے کے لئے کئی مرتبہ مولانا نے انگریزوں کی مرمت کی۔ ان کے تین چار واقعے تحریر کئے جاتے ہیں۔

پہلی جنگِ غلیم کے زمانے میں ایک انگریز فوجی موٹر سائیکل پر سائیکلوٹ سے وزیر آباد چار پانچ اتفاق سے کرم آباد کی سڑک پر ایک گھٹا راستہ کاٹ رہا تھا۔ دونوں ٹکرا گئے، ایک طرف موٹر سائیکل اور دوسری طرف سوار جا پڑا۔ کچھ جوئیں آئیں اٹھا اور لنگڑا بنا ہوا گاؤں کے کنارے چلا گیا۔ مولانا کا ملازم تھڑا تھا، اس نے اس کو لٹاڑنا شروع کر دیا۔ کہ نمبردار کہاں ہے ملازم گھبرا گیا۔ مولانا لنگی اور ملل کا کرتا پہنے کھینٹوں میں بھر پے تھے۔ گورنر نے تو اس حالت میں دیکھا تو دوڑ کر اس سے پاس آئے اس نے کچھ جانے بغیر لوڈیم نمبردار کو دھڑکا، ہنکڑا مٹا دیا، مولانا خاموش ہو گئے، اس نے ایک اور گالی لٹھکا دی اب مولانا کو غصہ آگیا۔ پیسے تو اس کے زمانے کا تھپڑ رسید کیا، بھرنوں سے کہا کہ اس کی جوتوں سے مرمت کرو، چودھری غلام حیدر خاں کا بیان ہے کہ جوتوں کی جھڑپوں ہی سے اس کے مزاج درست ہو گئے تو معذرت کرنے لگا، ادویں گھیک تم بہت اچھا اسکی

معدت پر مولانا اسے اپنے مکان کے برآمدے میں لے گئے۔ چائے تیار کر دیا۔ اٹلے اور بکٹ اس کو دئے اور اپنی گاڑی میں سوار کر کے وزیر آباد تک پہنچا دیا۔

ایک دفعہ الہ آباد ریلوے اسٹیشن پر ایک گندے سے نکواریو گئی۔ وہ ریل کے ڈبہ کا دروازہ اور کھڑکیاں بند کر کے تنہا بیٹھا ہوا تھا، مولانا نے اس کو ہٹل سمجھا یا، لیکن وہ ڈھیٹ بنا بیٹھا رہا۔ دروازہ کھول کر مولانا کھڑکی توڑ کر اندر گھس گئے۔ اس نے بدتمیزی کی لہجہ بکھاری تھی۔ مولانا کوتاہ آگیا۔ اڑ گئے پر لا کر ایسی پٹنی دی کہ خود طبق روشن ہو گئے۔

اسی طرح امرنتر کے پلیٹ فارم پر ایک انگریز فوجی سامیٹو مولانا لے بیٹ ڈالا۔ اس نے باکسنگ کے جوہر دکھانے چاہے مولانا کجاں تھے وہ بے تحاشہ آواز میں چاروں شانے چیت کر دیا اور چچاتی پر بڑھ گئے۔ گھوٹے پر گھوٹے رہے۔ اس نے میں تمناقی جیتے ہو گئے، کسی نے مولانا کو بھون کیا۔ اس نے کہا "مولانا ظفر علی خاں" ہجوم نے کہا زندہ باد اب تمام پلیٹ فارم زندہ باد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔

ایک دفعہ سکاٹ ڈیپٹی انسپکٹر جنرل پولس کو اس کی تزکحرامی ریسٹ ڈانٹ دی۔ تشدد گونج کی تحریک کے زمانے میں مسٹر سیرٹ انسپکٹر جنرل پولس سے تو کھڑکی ہو گئی۔ اس کے منہ سے کہیں نکل گیا، مسلمان تشراتی میں رکھنے والے نہیں تھے فوراً جواب دیا۔ انگریزوں سے کم وہ غصہ سے کہنے لگا۔ لیکن ڈپٹی انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی نے اس کے

کان میں کہا۔ مولانا ظفر علی خاں ہیں۔ فوراً ہی منہ سمجھ کر چلا گیا، مولانا نے اس کے جاتے وقت ایک آواز کہس دیا۔ مسٹر میں میں، نینسیر سیرنڈٹ پوس لاسور نے چمکنا دیا۔ لیکن اس پر بھی ایک اب فقرہ حسرت کیا کہ انا سامہ لیکر رہ گیا۔

اسی محکمہ ڈاک سے ملازمت کے زمانہ میں ان کے والد کا ایک اسٹنٹ تھا جس کا نام شمس الدین تھا۔ یہ قوم کاناکا کی تھا ڈاک خانہ سے کلرک، ڈاک کے اور جیسا اس کے ملکوں سے بہت نالاں تھے، مولانا ظفر علی خاں سے بھی کسی بات پر اس کی ٹھن گئی۔ مولانا اس کی فوراً، جو کلمہ ڈالی جس کے چند اشعار یہ تھے۔

ڈال کسوت کو گلے میں، باتھ میں لے آسترا
خط بنا جا کر کسی کا، نتیجہ کو خط کہنے سے کیا
بن گیا دست سے سیرنڈٹ کا تو میڈ کلرک
ورنہ مان ناتن سخی، تراپاپ شعا کن میسیا
نام تیرا شمس ہے جڑے کہ شمس الدین ہے

کوئی اس کو سے یہ پوچھے تو از بہر جہدا

شمس الدین نے جب یہ اشعار سنے تو روتا بیٹنا مولوی سراج الدین صاحب کے پاس پہنچا اور شکایت کی، باپ نے بیٹے کو بلا کر ڈانٹا اور محتاط طور سے کسی ہدایت کی، مولانا ملازمت سے دل برداشتہ تھے فوراً استعفیٰ دے کر چل کر چلے گئے۔ اس زمانہ میں علامہ شبلی، آرٹلڈ اور مارلسن جیسے ماہرین تعلیم آپ کے اتد تھے، مولانا ظفر علی خاں کے ہم جماعتوں میں منبہستان کے مشہور پاضنی داں ڈاکٹر ضیاء الدین، سیر محفوظ علی بدایونی شامل تھے

مولانا شرف علی آپ سے ایک جماعت آگے تھے اور مولانا محمد علی قرمچیک
جو عنہ مجھے تھے۔ آپ کا شمار مولانا کالج کے ذمین ترین طلباء میں ہوتا تھا
آپ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی اسی زمانہ میں کالج میں سر سید علی
خان کی مددیت میں ایک غریب طلبہ مولانا جس میں مولانا طغری علی خان نے فارسی
میں سر سید احمد خان کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔ حاضرین نے بڑی
وازدی۔ یہ سید احمد خان نے ان کو گلے سے لگایا اس نصب و کے چند
اشعار تھے ۵

مغرور قطعتم کثرت را در بیانی را
بر دام آرد و طبعم حید و خشی معانی را
بہیں آں پیدا احمد کمر از بہشت محکم
کہ ماہر بہت بجہرہ چارہ مدونہ بی را
ریاض قوم آب از اشک ہائے خیم او مایہ
فلک خیم نو گاہے دیدہ است این باغبانی را

مولانا نے کالج کی اکثر تقریبات میں فارسی اور اردو میں نظمیں پڑھنی شروع
کیں۔ یہ نظمیں کالج کی ضروریات اور قوم کی حالات کے مطابق ہوا کرتی تھیں
علامہ شبلی کو سنسکرت میں خطاب ملا تو کالج میں ایک بڑا جلسہ ہوا، اس
جلسہ میں مولانا نے اپنے استاد کے حضور میں سجدہ یہ عقیدت کے طور پر
ایک فارسی قصیدہ پڑھا جو بقول علامہ سید سلیمان ندوی صاحب ان کا
نبدائی کلام ہے ۵

سائے کہ نکو است از بہرش پیدا است
وانا نماندہ کی مگرانی میں کالج میں علمی و ادبی و فضا قائم تھی علم و لادیک

فردیہ کے لئے کالج میں دو اچھیں قائم تھیں۔ ایک انجمن احوال الصفا
 تھی جس کے سکریٹری پروفیسر آرنلڈ تھے مولانا اس کے رکن تھے، دوسری
 انجمن کھیتہ الادب تھی جو عربی زبان میں تفریح و تحریر کی شوق کرنے کے لئے
 قائم کی گئی تھی مولانا اس کے بھی رکن تھے۔

تاریخ صبح مورخہ حکیم دسمبر ۱۹۷۷ء میں مولانا طفر علی خاں کے
 تاثرات کا ذکر ہے۔

یادش غیر پروفیسر آرنلڈ جس زمانہ میں بدھتہ العلوم کی شاندار
 روایات کو اپنی سیمینٹری سے ایک نئی زندگی بخش رہے تھے انھوں نے
 اس دور العلوم کو مشرق کا سب سے زیادہ سر بہ آورد ہر ملامت
 بنادیا ہے تو آپ وقتاً فوقتاً اپنے ناکردوں کو ایسی قیمتی نصیحتیں فرما
 رہے تھے جو آپ ہی کے وسیع تجربے اور صحیح ذوق علمی کا حصہ
 ہیں مثلاً ایک نظمیف نکتہ ایک مکتوب پر آپ نے بہ اہتاد فرمایا تھا کہ
 ہر طالب علم کو چاہئے کہ کسی موضوع پر کوئی سی ایک نئی کتاب خواہ بغرض
 سطح کم ہو یا بہ طور نقض طبع دیکھنا شروع کرے اور ایک مہفتہ میں
 اسے غم کر کے رسیں محصورہ اس کے تمام مضامین کا ایک علمی صحبت
 میں آکر عادیہ کر دیا کرے گویا کہ یہ اس کتاب کا ایک جامع رپورٹ ہو
 جس سے نہ صرف خود متصرہ خواں کو مستفید ہونے بلکہ حضار محفل کے مصوبات
 میں بھی جدید اضافہ کی صورت نکل سکے اور اس طریقے سے ہر مہفتہ کی
 علمی صحبت میں متعدد قابل دید کتب پیش نظر ہو جایا کر اس اقتاد مذاق
 کے لحاظ سے طبائع مختلف ہوتے ہیں پروفیسر آرنلڈ کی گراں مایہ
 عظمت ان کے جن تلامذہ کا آؤ پرہہ گوشت ہوئی ان کی تعداد اگر یہ

تعلیم نفسی سب سے پہلے خواجه غلام الشکین مرحوم کی طرح جن اہل بصیرت
نوجوانوں نے اس پر عمل کیا وہ آگے چل کر اپنے ملک اور قوم کے لئے
بہت ہی مفید ثابت ہوئے۔ کاش سرودہ نوجوان جو اعلیٰ تعلیم کے حصول
کی دھڑ میں جراثیم خیم فسی سے لڑ رہا ہے اس سرودہ پر عمل کر سکے
مگر جس طرح ہر شخص جو علی سینا نہیں پرست اس کی طرح ہر شخص کو درس
ات مائت و شفا چھنے کی صلاحیت نہیں دی گئی۔

دیتے ہیں بادہ طرب و ندرت خوار و کجک
اس علمی اور ادبی ماحول میں مولانا ظفر علی خاں کی فطری صلاحیتیں اچاگر
ہوئے۔ گلیب جبرہات انمول نے استعارہ خواجه غلام الشکین کے بارے
میں کہا ہے وہ خود ان پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ ان کی بعد
کی تعلیمی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ علی گڑھ کی نقض نے ان کو
رودے عمل کی جی ورت کی چاشنی بخشنی۔ انگریزی علم و ادب کے مطالعہ نے
ان کے طرز نگارش میں مغرب کے ثقافت و صف کو اچاگر کیا عربی نے ان
کی تحریر میں زور پیدا کیا اور فارسی نے ثقافت و خیال اور نزاکت بیان
مولانا ظفر علی خاں کو کھیل کے میدان میں بھی انتہائی حیثیت حاصل
سہرہ حیات تک کا بلج میں ہے۔ کالج سیکرین کے ادارت کے فرائض انجام

کاش تو شہر ادبوں کا گڑھ ہوتا ہے کوئی بھی طالب علم ایسا نہیں ہوگا
جس نے دالچ میں شلوات نہ کی ہو۔ حب مولانا سے دریافت کیا گیا کہ آج

طالب علی کے زمانے میں کوئی شرارت کی تھی، شرارت کا لفظ سن کر مولانا مسکرائے اور فرمایا ہاں ایک دفعہ ہم دربار جماعتی علی گڑھ سے آگے جا رہے تھے کہ بائیس ڈھبے میں ایک ناروا ڈی سیٹھ سوار ہو گیا۔ رات کا وقت تھا اور سکی سیٹ پر چڑھ کر سو گیا خراٹے پنے لگا تو مجھے دھشت ہوئی جی میں آئی کہ جو گا دیں دیکھا کہ ایک ٹوکرے جس میں لڈو ہیں اس کی برتنہ سے نیچے کی طرف لنگ رہی تھی اس کی نیچے کی برتنہ پر میرا ستر تھا شوکت علی اور میں نے ہاتھ بڑھا کر لڈو نکالنے شروع کئے خواجہ غلام الثقلین، میر محضو علی بدایونی ہم چار تھے۔ آج واحد میں ٹوکرے کی جٹ کر دی اور سو گئے دن چارھے آگے آگیا، سیٹھ جی ابھی تک برتنہ پر دراز تھے۔ ہم نے حلدی حلدی سامان لپیٹا اور لمبے لمبے قدم بھرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ کئی دفعہ پیچھے مڑا کر دیکھا کہ سیٹھ ثعالب تو نہیں کر رہا۔ لیکن خیر گزر گئی جب بھی شوکت علی ملتے۔ اس واقعہ کی یاد دلاتے، اور کہتے

سہا فی ظفر علی خاں لڈو کھا دے گا۔

مولانا ظفر علی خاں نے مسلم کالج علی گڑھ سے بی اے کا امتحان فرسٹ ڈیویژن میں منسلک ۱۹۱۷ء میں پاس کیا اور یہی چلے گئے۔ ان دنوں نواب محسن الملک حیدر آباد کی ملازمت سے سبکدش ہو کر بمبئی میں مقیم تھے اس وقت نواب صاحب کے پرائیویٹ سکریٹری خواجہ غلام الثقلین صاحب مستحق پر چکے تھے نواب صاحب کو پرائیویٹ سکریٹری کی ضرورت تھی۔ علامہ شبلی نعمانی کی سفارش سے اس جگہ مولانا کا تقرر ہوا وہ نواب صاحب کو انگریزی خط و کتابت کے جواب دینے کے علاوہ ان کی اہم، پر فلسفے کے مضامین اور کتابوں وغیرہ کا ترجمہ کرتے تھے تقریباً ایک سال

مولانا نواب صاحب کے ستر ٹریٹ ہے۔
 اسی دوران علامہ شبلی دوبارہ لمبی تشریف لائے۔ اس مرتبہ
 ان کے اور محسن افلک کے کہنے پر مولانا طفر علی خاں حمید آباد وکن گئے اور
 نواب اضر الملک سہ سالہ انوار نواح نظام کے ماتحت نوح میں ملازم ہوئے
 سرورنگارا اور ورزنش کائنات مولانا کو مسترد ہی سے نکھا۔ فوجی زندگی
 اختیار کرنے کے بعد اس شوق کو اور جلا ملی۔ فنون حرب اور شہسواری
 وغیرہ بازی میں بھی مولانا نے بہت جلد نام پیدا کر لیا تھا۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک روز نواب اضر الملک فوجی حوالن کی
 غیرہ بازی اور شہسواری کے جوہر دیکھ رہے تھے مولانا طفر علی خاں بھی
 بس یہی گھوڑے تھے فوجی حوالن کو بیخ اکھاڑنے کے مقابلے میں مصروف
 دیکھا تو طبیعت میں گئی۔ دل میں حوالن کے دلوں نے انگڑائی لی
 آگے بڑھے اور اضر الملک سے اس میں حصہ لینے کی خواہش کی
 اضر الملک مسکراتے فوراً نیزہ اور گھوڑا حاضر ہوا۔ اور مولانا سے مخاطب
 ہو کر کہا: "میں مہدان دھیں گو" مولانا بلا تاہل گھوڑے کی بلکہ
 پر سرور نیزہ تانے آگے بڑھے گھوڑے کو ڈیڑھ دھکی دیا پہلی تکی
 طرح جگا۔ سنا کی طرح آگے بڑھا اور مولانا کا نیزہ بلند ہوا، جھکا اور
 تان کی آن میں بیخ اکھاڑ لایا۔

مولانا بڑے نڈر اور تیز و خلاق تھے کسی کی معیبت درپن فی بردہ
 نہیں کر سکتے تھے۔ جان کو جو جھوٹ میں ڈال کر معیبت میں کام آنے لگے
 حمید آباد کا یہی ذکر ہے کہ ہوم ڈپارٹمنٹ کے انسپکٹ سیکریٹری
 لی کے بیٹے نے والدین سے ناراض ہو کر کھلی سے ملتی کنوینیر

چھہنگ لگادی، سڑی مکان پر نہیں تھے ان کی یکم نے شور مچایا۔
 مولانا آواز سن کر ادا کو پہنچے، رستہ منگوا یا اور اس کے نہایت
 کنوس میں اترے۔ جسے کہتے تھے کٹ کر ٹوٹ گیا، آپ دھڑام سے
 نیچے گر پڑے تو رجاگم بھاگ دوسرا رستہ لائے اور کنوس میں
 لٹکا یا۔ مولانا نے اس رستہ کے ذریعے پہلے اس راکے کو لٹکا لا اور
 پھر خود لٹکے زخموں کی وجہ سے کئی دن چار پائی پر پڑے رہے۔

مولانا ظفر علی خاں ایک ادبی، صحافی اور سیاسی شخصیت تھیں
 اس کے افسر الملک سے کچھ زیادہ دن بھاد نہیں ہوا وہ فوج سے
 علیحدہ ہو گئے۔ ان دنوں ذواب عزیز احمد مرزا حیدر آباد کے محکمہ داخلہ کے
 معتمد اعلیٰ تھے آپ کی صلاہتیوں کو دیکھ کر انھوں نے ان کو اپنے محکمہ میں
 ملا لیا اور دارالترجمہ سے وابستہ کر دیا۔ اس زمانہ میں ہی آپ نے سرور
 ندیب دسانس کا ترجمہ کیا، ہندوستان کے گوند جزل لارڈ کرزن کی کتاب
 ”خیابان فارس“ کے نام سے ترجمہ کیا جسے لارڈ کرزن نے بے حد پسند کیا
 اور انعام میں ایک طلائی رستہ کی جھڑی دی، سرور ندیب دسانس پر
 پنجاب یونیورسٹی نے بھی مولانا ظفر علی خاں کو پانچ سو روپے انعام دیا
 مولانا ظفر علی خاں نے ان ہی دنوں ”علیہ روم“ نامی کتاب لکھی، اس
 سے پہلے مولانا سیر فلماں، فتنہ لندن اور شہری گھونگا کا ترجمہ
 کر چکے تھے۔ اسی دوران آپ نے علامہ شبلی کی شہرہ آفاق کتاب
 انصاف روق کا انگریزی میں ترجمہ ”عمروں گریٹ“ کے نام سے کیا۔

لیکن اس کی طرف ایک جلد شائع ہوئی، کچھ عرصہ بعد وہ لیمپلیئر کونسل کے
رہنما رہے ہوئے۔ اس منصب کی تنخواہ ۲۵۰ روپے ماہوار تھی، مولانا
نے اس منصب کے فرائض اس خوش اسلوبی سے انجام دئے کہ کچھ عرصہ
کے لئے انھیں اسسٹنٹ ہوم سیکری کے منصب پر فائز کر دیا جس کی
تنخواہ یا پانچ سو روپے ماہوار تھی۔

مولانا تقی علی خاں کچھ عرصہ دلی عہد سلطنت برصغیر میں علی خاں
کے اتالیق بھی رہے۔ اسی زمانہ میں دکن میں رودربوسی کی طغیانی ایک حادثہ
غیر معمولی جس نے حیدرآباد میں حشر برپا کر دیا تھا۔ خاں بہادر لوگوں کے
کے شہر میں مختلف امدادی مرکز قائم کئے گئے تھے افضل گنج سہلادت
کا انتظام تھا۔ تقریباً سراسر ترابہ حال ان لوگوں کے کھانے پینے
اور رہائش کا سامان ہینا گیا تھا۔ مولانا کے سپرد ہوا۔ انھوں نے
نبات ہمدردی کے ساتھ مسلسل اسٹاروہ دن تک شب و روز یہ کار خیر انجام
دیا۔ اس قیامت خیز طغیانی کے باوجود میں مولانا نے ایک نظم "تورختر"
کے عنوان سے لکھی جسے مولود کی تعداد میں چھاپا گیا۔ اور اس کی آمدنی
رودربوسی کے سیلاب زدوں کے لئے وقف کر دی تھی۔ یہ نظم آپ نے
ایک ضخیم کتاب "عبد" میں بھی شائع کی۔ جس میں حیدرآباد کے امرار بھی موجود
تھے۔ مسندتان سحر کے ادبی حلقوں میں اس نظم کا بڑا شہرہ ہوا یہ نظم
دکن ریویو سورفہ جنوری ۱۹۰۵ء میں "رودربوسی" کے نام سے چھپی تو
شخص الملک مولانا اللہ ت حسین خاں نے امرارچ ۱۹۰۵ء کو آپ کے نام

حسب ذیل خط ارسال کیا۔

عزیزی۔ جنوری کا دکن روہو سامنے رکھا ہوا تھا۔ سرے
 ہی برائے کی نظم جو روہو موسیٰ پر لکھی گئی تھی نظر پڑی، ازل سے آخر تک
 بڑے غور سے اور بڑے شوق سے اسے پڑھی میرا حال اب یہ ہو گیا ہے
 کہ بڑا ہی طرز کی تعجب تو مانتا ہوں، اس لئے دیکھنے کو جی نہیں چاہتا کہ
 ان میں کوئی بات نئی دیکھنے میں نہیں آتی اور سی طرح کی نظموں میں اگر
 مضامین نئے نئے ہوتے ہیں مگر وہ چیز جس کو شاعری کی جان کہنا چاہیے
 اور جس کو وجد کے سوا اور کسی لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا کہیں نظر
 نہیں آتی لیکن اس نظم کو دیکھ کر میں متحیر ہو گیا، مرثیہ دیکھ کر بھی
 مجھے اب تحیر ہوا تھا لیکن اس وقت آپ کے دل کو لگی ہوئی شاعری
 اور اب کلام جو دل کے جوش پر مبنی ہوتا ہے خواہی خواہی مؤثر اور
 دل کش ہوتا ہے لیکن "روہو موسیٰ" پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے
 یہ محض زور طبع اور شاعری کی خدا داد قابلیت سے لکھا ہے اگر آپ
 جیسے دو چار آدمی ملک میں پیدا ہو جائیں تو کچھ امید پڑتی ہے کہ نئی
 شاعری چل سکے، مجھے تو مسئلہ دل کے دکھڑے نے اتنی ہمت ہی نہیں
 دی کہ ہجر کے مفاد پر کچھ طبع آزمائی کرتا، مولوی اسماعیل مہر سٹڈنٹ
 بھی اب بیماری طرح پاؤں رکاب میں۔ صرف پنجاب میں آپ جیسے چند
 لوگوں کی صورتیں نظر آتی ہیں بشرطیکہ آپ کو فکر معاش دم لینے دے
 اور یہ حیلہ بھی دل کو لگی ہے۔

مولانا ظفر علی خاں نے حیدرآباد میں ستمبر ۱۹۰۷ء میں لیک ہا ہا نہ رسالہ
 اف نہ جاری کیا جو علمی و ادبی لور تاریخی تھا۔

مروئی عزیز مرزا کا تبادلہ حیثیت ڈی کشنر گفبرگہ میں ہو گیا
 تو ان کی جگہ نواب سر بلند جگہ موتم سکرری مقرر ہوئے۔ نواب
 صاحب میں تیزی و بد دماغی تھی اور چڑ چڑے مزاج کے تھے مولانا
 نے ساتھ سخی تیزی سے پیش آئے یہ کہاں برداشت کرنے والے تھے
 انھوں نے قلم و جنش دی اور ان کی بھولکھ ماری، سر بلند جنگ کو س
 بھو کی خبر ہو گئی تو مولانا جھست لے کر اپنے دوست ممبر محفوظ علی
 مد ابولی نے پاس پروردہ صومالی لینڈ چلے گئے میر صاحب اس زمانے
 میں صومالی لینڈ افریقہ میں جی کے تھے یہاں پر تھے میر صاحب بھی
 ملازمت سے ہزار تھے۔ دونوں دوستوں نے مل کر بمبئی میں امپورٹ اور
 بک پورٹ کا دفتر کھولا جس کے لئے ایک مکان کراہ پر گیا اور شیل کرش
 اچینی کے نام سے ایک تجارتی ادارہ کھولا، جاپان سے ریشم اور افریقہ
 سے پاشمی و امت کا سامان منگایا مگر اس میں کاسباب نہیں ہوئے
 دس ادبی تھا تجارتی نہیں تھا، میر محفوظ دل شکستہ ہو کر بدایوں
 چلے گئے اور مولانا بمبئی تشریف لے گئے اتنے میں عزیز مرزا دوبارہ
 موتم سکرری ہو کر آئے۔ ساتھوں نے چارن لینے ہی مولانا کو طلب کیا
 مولانا بمبئی سے سیدھے حمید آباد دکن پہنچے انھوں نے ان کی پہلی جگہ
 پر مقرر کیا، حمید آباد کے علمی ماحول اور آبائی فضا میں مولانا ظفر علی خان
 کے ادبی ذوق کو جلا ملی۔ ان کی بعض درسگاہ کا ذکر کرتے ہوئے مدہ پنجاب
 ریویو میں لکھتے ہیں۔

”حمید وستان کا وہ اسلامی تمدن جس کے بھرے بیٹے مغربی تہذیب
 کی آمد آمد کے ساتھ بھڑنے لگے تھے اگرچہ اب آفتاب لب با ہے

لیکن اس آفتاب کی شعاعوں میں بھی ہمیں کربا و اخلاق اور فلسفیانہ
تجربہ کی ایسی ایسی نشانیں نظر آتی ہیں جس سے دہلی و بغداد اور بخارا
و اندلس کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ ہم لوگوں کے لئے جن کی نگاہیں
نئی روشنی کی خوشگوار پہلی ہیں اس سے زیادہ غرا اس سے زیادہ نازش
کے مقام کیا ہو سکتا ہے کہ ہم نے سید احمد جیسے مجدد وقت کا زمانہ
دیکھا ہے۔ محسن الملک کی جاوید بانی کے مولیٰ حبیب و داماد میں
سجڑے میں داغ جیسے قادر الکلام ناع کے فیض صحبت سے
اشفاق و شفا ہے، غنئی جیسے وحید العصر و بخت کے رمن کے حسن
فیض سے خوشہ چینی کر رہے ہیں اور حانی کی عدیم النظیر سنجوی
و سخن سنجی سے مذاقی تسلیم کو بھر انداز بنا ہے میں ۵

انگریزوں نے جنگ آزادی عظیمہ کی ناکامی کے بعد
مہندستان میں برصغیر عالم ڈھائے تھے اور کچھ دنہا کہا تھا اس
سے مہندستان میں کئے قلوب میں ماسور ہو گئے تھے۔ چنانچہ نولہ نوزہیں انگریزوں
کی غلامی برداشت نہیں تھی ان کا دل آزادی کے لئے تڑپا تھا انھوں
نے انگریزوں کی ملازمت کے بجائے سلطنت آصفیہ کی ملازمت کو
ترجیح دی۔ جب تک حیدر آباد میں ہے اس کی ترقی و تقویت کے لئے
کوئی شال ہے وہ میر عثمان علی خان کے استاد مقرر ہوئے وہ برابر اس
کو شش میں رہے کہ ولی عہد سلطنت کو صحیح ملکی لائسنس پر تیار کریں تاکہ
اگر کبھی آپ وقت آجائے کہ ملک کی آزادی اور سلطنت آصفیہ کی مکمل
مکمل آزادی کے لئے عوام اٹھ کھڑے ہوں تو میر عثمان علی خان
اس جدوجہد میں ایک بہادر مہندستان کی طرح مرکزی کردار ادا

از تفسیر

سپرینٹنڈنٹ میں سیمیناریشن کا لفٹنس کا سالانہ اجلاس ڈھاکہ میں ہوا نواب حسن الملک اور نواب دتار الملک اور دوسرے مسلمان رہنماؤں نے سلیم اللہ ہال میں مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا، مولوی عزیز مرزا اور مولانا ظفر علی خاں اور ان کے نوجوان ساتھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ ڈھاکہ سے واپسی پر ان کی سیاسی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ ان ہی دنوں ایک برطانوی رقص پارٹی مندرستان کے رٹے رٹے تھوڑے تھوڑے لہجے میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہوئی حیدر آباد پہنچی، سرکاری طور پر رقص کا انتظام کیا گیا جب رقص ختم ہوا، تو حکومت آصفیہ کی طرف سے مولانا ظفر علی خاں کو شکریہ ادا کرنے کے لیے کیا گیا۔ مولانا نے اس موقع پر شکریہ ادا کرنے کے لئے سجائے شہر کی اندھیری تہذیب کا سوانحہ شروع کر دیا اور شہر کی تہذیب کو بے حیائی اور برہنگی کا منظر قرار دے کر جواب دیا۔ آپ نے کہا۔

”یہ نیم برہنہ رقص، یہ بے حیائی اور بے غیرتی کا کھلا مظاہرہ (انگریزی تہذیب میں تو برداشت کیا جاسکتا ہے اور اسے برطانیہ تہذیب کا طغیانی اعتبار قرار دیا جاسکتا ہے لیکن اسلام اور اس کی تہذیب و تمدن ایسے برہنہ رقص کی شمول نہیں ہو سکتی، اسلام تو غیر محرم عورتوں کو دیکھنے کی ممانعت کرتا ہے چہ جائیکہ ہم برہنہ رقص دیکھکر

خوشی سے نہیں سمجھیں اور اس بے حیائی کا مظاہرہ کرنے والوں
 کا شکریہ ادا کریں کہ انھوں نے ہر منہ زخم کر کے مائے
 معاشرہ کی دیواروں میں شکاوت کرنے کی سعی کی ہے
 شرم و حیا پر مشرقیوں کی متاعِ عزیز ہے۔ اگر ہمارا
 یہ متاعِ عزیز لٹتی شراب چوڑی ہو تو پھر قوم کی بے عزتی
 اور بے حیائی میں کوئی کسر باقی نہ رہے گی
 سرانیکل اور ڈوڈا نے جو ان دنوں ریاست میں ریڈیو
 تھا یہ تقریبی تو چرائے ہو گیا۔

دوسرا الزام مولانا پر یہ تھا کہ مولانا میر عثمان علی خاں کو انگریزوں
 کے خلاف اکٹھے ہیں، یہ الزامات ایسے تھے جنہوں نے سرانیکل
 کے دلوں میں مولانا کے متعلق نفرت و عناد کا جذبہ پیدا کر دیا۔
 اس آگ میں دوسرے نڈ لوگوں کی رشتہ داریوں نے تیل کا کام نہیں
 کیا۔ مولانا ظفر علی خاں، مولوی عزیز مرزا، مولانا عبدالحلیم شرر۔ اور
 حبیب الدین کو برطانوی حکومت اور حکام وقت نواب میر محبوب علی خاں
 کے خلاف دی ہمد سے مل کر سازش کرنے سے الزام میں ریاست کے
 حدود سے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر نکل جانے کا حکم مل گیا۔ اور
 مولانا ظفر علی خاں اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ ریاست سے رخصت
 ہو گئے۔ مولانا لاہور پہنچے یہ سب کچھ انگریز ریڈیو نے سیکل انڈیا
 کے ذریعے تحت کھلا گیا تھا۔ نظام دین میر محبوب علی خاں اچھی
 طرح جانتے تھے کہ مولانا ظفر علی خاں اور ان کے ساتھی بے نقور نہیں
 رہیں گے۔ مبینہ سازش قطعی نہیں کی تھی چنانچہ آپ نے ان

محمیوں کو حراج کا حکم دینے کے ساتھ یہ عداوت جاری کی کہ ان کے نام دہلیہ جاری رہے گا۔ مولانا نے حمید آباد کی نام نہاد سازش پر دہشت گردانہ ہونے پر فرمایا تھا۔

”پہلے اسے صبر سے شرف جوئے بغیر یہ علانیہ رہا ہوں کہ میں کسی سازش میں شامل نہیں تھا اور نہ کسی قسم کی سازش کا کوئی وجود تھا، ہاں یہاں یہ جرم ضرور تھا کہ ہم حمید آباد سے محنت کرنے سے ہم چاہتے تھے کہ حمید آباد کے حیدر آباد کو ہرجسٹی کا خطاب دے کر ایک خود مختار حکمراں تسلیم کر لیا جائے اور انگریزی نظام حمید آباد سے متاثر نہ ہو سکے۔ اگر یہ سازش ہے۔ اگر یہ جرم ہے تو حمید آباد کا ہر مسلمان اس جرم کا مرتکب ہے۔“

مولانا فخر علی خاں صاحب حمید آباد کے حراج کے بعد لاہور سے کر آم آ رہے تھے تو آپ کے والد مولوی سراج الدین علیل تھے، حالت نازک تھی۔ انہوں نے مولانا کو قریب بلا کر فرمایا۔

”میں نے زمیندار کو اپنے وطن سے سنبھا ہے میری یہ سبت ہے کہ میرے بعد اس پورے کے تم مالی بنو اور ان کی تجدیداشت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ رو۔“

”مولانا لاہور سے ہونے کے بعد یہ خیال تھا کہ لاہور سے ایک دہلیہ رکالیں گے۔ لیکن والد صاحب کی وصیت کے بعد اپنے حوالہ نہ دیا اور زمیندار کے انتظام میں مصروف و مشغول

ان دنوں لاہور سے کئی ہفتہ دار اخبار نکلے تھے جن میں میر
 اخبار "انتخاب لاجواب" زیر ادارت مولوی محبوب عالم، وطن، زیر
 ادارت مولوی الش راہد خاں، اخبار عام زیر ادارت نیدت
 گوپی چند، ہندوستان زیر ادارت لالہ دیانا ناتھ اور کشمیری میگزین
 زیر ادارت مفتی محمد دین نوری،

مولانا ظفر علی خاں صاحب نے زمیندار کی ادارت سنبھالنے
 پہ اس میں زندگی کی نئی روح پھونک دی، اس میں نئی نئی چیزیں
 پیدا کیں اور اس نیم سیاسی اخبار کو جلد ہی ایک سیاسی اخبار بنا دیا۔
 اسی دوران میں مولانا نے مختلف مقامات پر اردو زبان
 و ادب کے مسائل اور مسلمانوں کے سیاسی و معاشرتی حالات پر تقریریں
 کیں۔ ایک ادیب و شاعر و صحافی کی حیثیت سے علمی حلقوں میں
 وہ پہلے ہی سے متعارف تھے اب عوامی لوگوں میں ان کی شہرت
 ہونے لگی۔

لانا ایک دن کسی کام سے لاہور چلے گئے چودھری شہاب الدین
 جو ان کے والد کے دوست تھے ان سے ملے انھوں نے ان کو
 متورہ دیا کہ زمیندار لاہور سے لگا لو جو اخبار یہاں سے نکلے
 میں وہ کامیاب ہیں۔ اس تہذیبی مرکز میں ہر شخص اپنے مستقبل کو
 درخشاں بنا دے۔ مولانا نے یہ متورہ قبول کیا اور زمیندار لاہور کے
 آگے نکال دیا۔ دروازے کے ایک مکان کڑی امیر چند میں نئی تلاش
 سے نکلتے ہوئے لگا، یہاں پہنچ کر ان کے احباب کا حلقہ بنا۔ جن
 میں علامہ اقبال، شیخ عبدالقادر اور چودھری شہاب الدین تھے جو

اس زمانے میں لامپور کی تلفیقی ماحول کے رواج روال تھے۔

لامپور میں زمیندار آنے کے بعد تھوڑے دنوں میں مقبول ہو گیا اور اس کی ات غت دور دراز تک پھیلی۔ اسی زمانہ میں اطالیہ نے ہر میں پر حملہ کیا جنگ نے تیزی اختیار کر لی مولانا نے ۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے زمیندار کا دروازہ بند کر دیا اس میں جنگ کی خبریں اور ملے دو سالہ کے بائے میں سولہ ماہ اور دس ماہ میں اپنے دل حسب میلے میں جھینے شروع ہوئے کہ اجاڑ کی مانگ روز بروز بڑھنے لگی زمیندار خوب خیمہ اور بلقان کی جنگ میں تو زمیندار کہ طوطی سارے صد سال میں نہیں بولے لگا، زمیندار پیدا اخبار نسخا جس نے اپنے رخصتے ان کو جنگ طرامس و بلقان کی تاریخ بتا رہا جس پر حیرت کیا کرنے کے لئے ریور کا بھی انتظام کیا تھا۔

زمیندار جس کے سرورق پر یہ لکھا ہوتا تھا تم خبر دے دو دولتِ بڑا بہ رموت اب زو نہیں رہا تھا ایک باغی اخبار تھا، ایک ایسا اخبار جس نے نہ صرف پنجاب میں بلکہ ہندوستان بھر میں برطانوی استبداد کے خلاف محرم کے مذہب عقیدہ نفرت و حقارت کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا مولانا ظفر علی خان نے قلم لے لیا سکوت تھا اور ایڈورڈ گرے کے بیانات کی وجہ سے فضیلت آسمانی میں اس طرح پھیل رہی کہ لامپور سے لندن تک قصور تھا رہا نہ میں راز نہ آگیا تھا کہ میں لامپور مولانا کی شکل و لہجہ کی وجہ سے آتش ملائی بنا ہوا تھا، اور زمیندار پیرا دل کی تو وہ میں تاج مہوتا تھا

دھرمنا نطفعلی خاں ہوتی دروازے کے باہر مردوں میں چپس نہرا رہا
مسلمانوں کے اجتماع میں انگریزوں کی گندی دھنیت اور سامراجیت کے
بجائے ادھر رہے تھے وہ تقریر کرتے تو ان کے منہ سے شعلے برستے
زیریں میں سمجھے ہوئے تیر نکلتے تھے اور جلسے مظلوموں کے لئے امداد
کی دہلی کرنے لگتے۔ چاروں طرف سے روپے کی بارش ہوتی تھی چنانچہ
ایک سال کے عرصہ میں چار لاکھ روپے حیدر جمع کر کے ترکی بھیجا۔
اور جلسوں اور مظاہر کی جگہ سے دوران مولانا کی تقریریں دہلی سے
عام لوگوں کے جذبات پر ابھرتی ہوئی تھیں اور حکومت اس صورت حال
کو نشوونما کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔

اسی دوران مولانا کے حیدر آبادی کر مفرام سرائیکل اور ڈاکٹر منیب
کے لفٹنگ گورنرین آئے۔ صدر حکومت میں کاسم لیاپنارلی سے
مولانا کو پابجواں کرنے کے لئے روپے سمجھے کہ مولانا نطفعلی خاں
دسمبر ۱۹۴۷ء میں خاموشی سے لاہور سے بمبئی پہنچے اور وہاں سے خاموشی
کے ساتھ انگلستان روانہ ہو گئے۔ مولانا کے لندن پہنچنے ہی اسکاٹ
لینڈ کی طرف سے آپ کی نگرانی شروع ہو گئی۔ مندرستان سے اسی
آئی، ڈی اسٹاف کے بعض سینئر افسروں کو لندن بلا کر مولانا کی نگرانی
پر مقرر کر دیا گیا۔ لندن میں مولانا نطفعلی خاں نے تقریریں کیں، انگریزی
زبان میں آپ کی تقریروں کی دھاک سائے برطانیہ میں پھیل گئی آپ
نے پریس ایکٹ کے خلاف انگریزی زبان میں سو قطعے کا ایک کتابچہ
نشانے کیا۔ جس میں بڑے سچے ہوئے انداز میں پریس ایکٹ کی بے حریت
کشی اور آزادی تقریر کے مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی تھی، برطانوی پارلیمنٹ

کے ماکین کے سامنے بھی انھوں نے انڈین پریس ایکٹ کی مضرتوں
 اس ایکٹ کے اندھا دھند استعمال پر بڑی مدلل تقریر کی جسے
 برل اخبارات نے پسند کیا، مولانا ظفر علی خاں کی یہ انگریزی تقریریں
 بھی بن زبان سے خراج تحسین وصول کئے بغیر نہ رہ سکیں، مولانا ظفر علی
 خاں نے ہمراہ مولانا محمد علی ایڈیٹر کامریڈ اور سید ذریح حسن سکریٹری مسلم لیگ
 بھی نئے خیانتی اخبار مسمان امرتسر نے اپنے شمارے، "ارخوری مسئلہ"
 میں ان حضرات کے الگٹھیل جانے کا ذکر کیا ہے۔

سر محمد علی ایڈیٹر کامریڈ اور سید ذریح حسن سکریٹری مسلم لیگ دلائی
 سے مہندستان دلیس آئے لیکن ان کے دوست مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر
 زمیندار اسماعیل ندوی میں مضمر ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ دلائی میں مضمر نے سے ان کی
 غرض پریس ایکٹ کی منسوخی کے لئے کوشش کرنا ہے سر محمد علی نے اپنے
 قیام انگلستان کے دوران برل پریس ایکٹ کی منسوخی کی کوشش کی تھی۔ لیکن
 حالات سے مجبور ہو کر انھیں مہندستان آنا پڑا اور اس کام کی تکمیل ان کے

دوست مولوی ظفر علی خاں نے اپنے ذمہ لی ہے۔ دلائی اخبارات میں پریس
 ایکٹ کے خلاف مولوی صاحب کے مضمون نکلنے شروع ہو گئے اور یہی مضمون
 میں انھوں نے اپنی داستان ظلمت کی کہ کس طرح ان کے پریس کی ضمانت
 دینا اور دیے حسبہ کئے گئے اور دس ہزار روپے نئی ضمانت کے طور پر
 لئے گئے۔ دلائی اخبار اور دلائی پریس سے یزور اپیل کی ہے کہ وہ مہندستان کی
 اخبارات کو اس قانون سے نجات دلا دیں۔ بینش کا انگریز اور مسلم لیگ اگر
 کے جلسوں میں اس ایکٹ کی سختیوں کے خلاف مارا فنگ کی آواز بلند نہ
 ہو چکی ہے ۵

مولانا نے لندن سے فراغت پاتے ہی ترکی بابت تختِ اقتبول پہنچے اور سلطان محمد خامس کی خدمت میں جانشین ہوئے مولانا نے زمیندار کا بلقان، بصرہ، گنگا، دیر، کاخ، سندھ، ایک فکری فتنی میں لگا کر سلطان کی مذکور کیا اس کے علاوہ ایک مضبوط فارسی زبان میں مارگا اور سلطان کی پسین کیا جو اعلیٰ درجہ کی انتہائی سرت سے نکل فرمایا اور ہندوستان کے عوام کو بہت شکر بھیجا۔ اس عقیدے کے بہادر و شہسوار تھے۔

پیام الفت از بلبل بہ اقتبول آورد
 نشان بوی کی سیم کہ بردوش صبا باشد
 حذر اے دشمنان ملت بیچاران ساعت

جب بلقان میں اندلڑتوں کو شکست ہوئی، مقدمہ البانیہ اور اچیر باغیوں کی فکری فتنوں سے لکھ گیا۔ اس وقت مصطفیٰ کاملی ملازمین نہایت ذلیل شرائط پر مصالحت کے آمادہ ہو گئے جس سے ترکی میں گناہ برپا ہو گیا۔ اور پانچا طرابلس سے ترکی پہنچے۔ انھوں نے انجمن اتحاد و ترقی کے محضدے تلے چیدہ رفقار کو جمع کر کے ایران وزارت پر مدعا و اصول دیا اور مصطفیٰ کاملی کی وزارت کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور انور پاشا نے عمان کی حکومت سنبھال کر بلقان میں پانچوں پر مسلط کر دیا۔

انور پاشا کی اسکیم تھی کہ اسلامی سلطنتوں کو ان کی مدد کرنی چاہیے اور ہندوستان میں علی زدا علوان کا لگے کی تحریک کی امداد کرنی چاہیے اس کے ساتھ خفیہ یوسا سٹیاں ہونی چاہیں جن کو اسلامی فراہم کیا جائے طلعت پاشا نے مولانا طفر علی خاں سے اس سلسلہ میں تہا رتہ خیال کیا

اس کے بعد مولانا ظفر علی خاں، جنرل جمال پاشا، غازی انور پاشا اور طلعت پاشا نے دربار میں ایک عریض لکھواتے ہوئے جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ترکی کی انجمن اتحاد و ترقی کی بنیادوں پر ایک نئی ریاست بنائی جائے۔ مولانا نے اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی نے ہم روز رکھا۔ انہوں نے مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان بھیج دیا۔ مولانا ظفر علی خاں اس نثر کیسے کے سربراہان میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں لندن سے اجلاس منعقد کروا کر مضامین بھیج کر تھے۔ ان کے اہل تصوف مولانا نے روانہ کیا جو بڑے انتہام سے شائع کیا گیا۔

چند روز اسے تحفہ لندن

نمبر، خبر، روزنامہ دُرّان

نمبر غازی نے اس نثر کی وجہ سے زمیندار سے اس نثر کو دیے۔ ان حضرات نے اس کی تین ہزار خبریں لکھ کر ان کا نمبر عالم مراد آباد اس نمبر کو سماعت کی وجہ سے نشر نہیں دینا بلکہ وہ لکھتا ہے ایک مقالہ بعنوان "دورانے برطانیہ" زمیندار میں چھپا تھا جس کی وجہ سے اس نثر کو دیے۔ اس میں صنفی ہوئی، نمبر عالم کی عبارت یہ ہے۔

زمیندار کی سابقہ زمیندار کی صفت صنفی ہو کر اس نثر کی خوشی و غمناک خیمہ قبل مانگی گئی تھی اس خبر کو صنفی لکھی گئی۔ اس خبر پورس ایک سرکاری ڈارنٹ لے کر زمیندار کے دربار میں آئی اور اس نثر کو دیے کی جمع شدہ صنفی صنفی ہو جانے کا حکم سامنے سے علاوہ سارا زمیندار پریس

جی میں سامان متعلقہ کاغذات مطبوعہ بطور ضبط شدہ
 فوراً تحویل میں لے لیا۔ یہ آفت زمیندار پر ایک مضمون
 متعلقہ "وزیر اے برطانیہ" کی وجہ سے آئی، ۲۰ نومبر ۱۹۱۳ء
 کے پرچہ میں بطور لیڈ لگ آؤٹ کیل لکھا گیا تھا جو قابل اعتراض
 ثابت ہوا۔"

مولانا ظفر علی خاں کو لندن میں جب یہ خبر ملی تو انہوں نے ایک
 بیان میں دستخط پرپریس کو روانہ کیا جو ۲۳ جنوری ۱۹۱۴ء کے کامریڈ اخبار میں
 شائع ہوا۔

"زمیندار کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ پریس کی ضبطی
 اس کی موت کا سبب نہ بنے گی اس سے دو نمائشیں پہلے مانگی
 جا چکی ہیں ایک سے قومی جذبہ سے سرشار قوم نے حمیدہ جمع
 کر کے زمیندار کو زندہ رکھا ہے مجھے امید ہے کہ اس دفعہ
 جی زمیندار کو قلم روپیہ دے گی اور یہ زندہ رہے گا۔"

فوری طور پر اخبار زمیندار کے لئے حمایت کا روپیہ جمع نہ کر سکا تو ۲۳
 جنوری ۱۹۱۴ء کے خبر عالم مراد آباد نے زمیندار کی زندگی کے خاتمہ کی خبر
 شائع کی۔

"مذاہب جس طرح یہ افوس ناک خبر سچکا ہے کہ ۱۲ برسوں متعلقہ کو
 زمیندار پریس گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے ضبط کر لیا گیا ہے اور اس کی چار
 نمائشیں ایک اسٹین اور کلی سامان متعلقہ سرکار کی حفاظت میں لے لیا گیا ہے
 اور اس کی سہ ماہیہ دو ہزار روپیہ ضمانت کی طرف ستمبر کی دوبارہ مدخلہ
 اس ہمارے کی ضمانت سبھی سبھی سرکار ضبط ہوئی جس سے غمناک نہیں نمائش

نہایت پرکاشی نفعان بھی غلام قادر خاں مالک بریس کو برداشت کرنا پڑا
ساتھ ہی زندہ رہی زندگی کا بھی فائدہ ہو گیا۔

صورت کی مسئلہ کے بعد مرادنا طفر علی خاں نے لندن سے چودھری کے
غلام جب۔ خاں کو حرمینہ کے بیوی سے بدانتہائی۔ کہ حکومت کی اس کارروائی
کے خلاف عدالت عاریہ میں اسل وارنٹی چائے اور اس سلسلہ میں ملکیت
کے مسئلہ پر پٹر مسٹر نارٹن کی خدمات حاصل کی جائیں لیکن مسٹر نارٹن نے
بے حد مصروفیت کی بنا پر معذرت کر دی اس پر لاہور کے سربراہ درودہ
وکلانے خود اسل وارنٹی کر دی۔ اگرچہ انہوں نے وکالت کا پورا حق
ادا کر دیا تھا لیکن بریس ایکٹ کی سمہ گئی کے سامنے جج بھی مجبور
تھے اس لئے اپنی بھی کامیاب نہیں ہوئی، اس دوران میں جہد بھی جمع
ہو گیا اور ضمانت کے داخل کرنے سے بعد زمیندار بھی زندہ ہو گیا اور اس
نے پھر بے باک مزاحمت کوئی کے ساتھ ملت اسلامیہ کی ترجمانی اور وکالت کے
فرائض ادا کر کے سرورع کر گئے۔

چنانچہ ۲۲ روز کے بعد اسی غیر عالم مراد آباد نے ۲۵ روز درعی علامہ کے
نہایت میں زمیندار کے دوبارہ لکھنے کی تشریف لے گئی۔

”انصار زمیندار غلام نور کے پریٹر بلشر نے زمیندار کے پھر
جاری کرنے کا انتظام کر لیا۔ ستم مارچ سے لکھنا شروع
ہو گیا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے عدلیہ کی ضمانت پر زمیندار
بریس جاری کرنے کی اجازت دیدی

۱۹۱۷ء میں جبکہ مولانا لہند گئے ہوئے تھے نرکی کونسل جنرل لاہور
 لایا جو تمام ہندوستان میں کھو یا سچرا۔ تالیف شدہ المسلمین کی طرف سے ایک
 خط تحریر تھا جس میں بادشاہی مسجد کے لئے بطور تحفہ لایا تھا چند مفتے کے
 لکھ لے کر آئے۔ دو ٹکڑے بھی ملازبان منہ کا شکر یہ ادا کرنے کے
 لئے یہ وفد دفتر میں آگئی تھی، مولانا کی غیور ضروری میں
 علامہ حیدر خاں نے وفد کا استقبال کیا۔

رہا تو حکومت کی یہی تھی کہ ہندوستان میں مولانا طوفان علی خاں کا
 وجود برطانوی اقتدار کے لئے ایک متحمل مصیبت کی حیثیت رکھتا ہے
 چنانچہ برطانیہ میں اس امر کا فیصلہ ہوا کہ جتنا کہ مولانا جیسے ہی سب حل
 ہندوستان پر قدم رکھیں ان کے خلاف کارروائی کے لئے نظر بند کر دیا جائے تاکہ مولانا
 نرکی سے جو پروگرام لے کر ہندوستان آئے ہیں ان کو اس کی تشریفات
 کا سونپ نہ مل سکے۔ انہوں نے واپسی پر مولانا نے مصر میں اترنے کی کوشش
 کی لیکن برطانوی اقتدار نے جو مصر پر مسلط تھا، مولانا کو مصر میں داخل ہونے
 کی اجازت نہ دی، مولانا ماحول ہندوستان پر پہنچے تو آپ کی طبیعت
 شروع ہو گئی، دہلی اور لاہور میں مولانا کا فقید المتئال استقبال کیا گیا،
 دہلی میں جو آپ کا حلوس نکال لایا اس میں تین جہاز لاکھ ادنیٰ تا مل سے
 لوگوں نے مولانا کی گارڈی اپنے ہاتھوں سے چھٹی، آپ کی گارڈی سے آگے
 دو بچے آکر کھیلے گئے ایک بچہ ایک بڑھیا کا اگھوتا تھا جو پیچوم میں دب کر
 مر گیا تھا اس بڑے جھل سے اعلان کیا اگلاس کے دس بیٹے نے
 اور اس طرح مولانا پر قربان ہو جانے تو اسے کوئی ملال نہ ہوتا۔ مولانا
 دہلی سے لاہور پہنچے تو یہاں تقریباً ایک لاکھ لوگوں نے آپ کا استقبال کیا

مولانا ظفر علی خاں کے چند دستاویز آئے برشمول العمار مولانا ارمغان حسین
خاں نے زمیندار کے اسٹنٹ اینڈ پٹر بولی، جاہل جنین جھنجھلائی کو ایک
خط لکھتے ہوئے طور پر اور ذیل کے اشعار بھیجے تھے وہ خط اور نظم درج ذیل ہیں۔



جواب مولوی وجاہت حسین صاحب
مرد سوزی ظفر علی صاحب کا شعر عرب سے مع الخیر
فرمایا آپ کو اور ہم سمجھا کہ مبارک ہو۔ جب وہ مغرب
موسے اور تھے میں نے جناب سے ان کی باتیں لکھی تھیں
کہ جب وہ روانہ ہو گئے تو وہ نظم نام نہاد لکھی گئی کہ تمام دھنسی
بے بات ہے ان کو تا رہ گیا تھا کہ لاہور جاتے ہوئے تھوڑی
بیرہیا سا بھی تمام فرمایا اور وہ تھا کہ یہ نظم میں خود ان کے
سنے پڑھوں پڑتار کا جواب غالباً نہیں آتا اور ہمارے
جواب نے تعلیم سے فرمایا بالالامہ کو نہ اندہ ہو گئے، لہذا ابھی
میل سے صاحب نے کہے فلم سے اب نہیں لکھا جا سکتا
دست میں جیسا رہا، یہ ماحیرا بیات زمیندار میں
ماکر خاں کو فہم نہ ہوا۔ زیادہ نیاز

خاک را اطفال جنین خالی از پانی پت

اے نازش تو م و فخر اقتراں	سند ار
اے چشم و حیران بزم انخواں	نہ بیع اجباب
اے نصرت حق میں تیغ عریاں	اس میں جانناز
اے شیر دل اے ظفر علی خاں	ما کی زندہ تصویر
جب تک وہ ہے نظر سے پہنچاں	ہم تجھ میں جو گن

نویت و برتری پر تیری
 بر نویت کی تاک میں برآبر
 بے قیال و طرابلس میں ناگاہ
 محمد علی خاں دیں نے آخر
 جہدیت پر صبر کا سہا سر
 بھیلے وہ نیکل سبیل آتش
 ڈالا تیری دیکار نے غسل
 جو دل غم قوم سے تھے بے حس
 وہ بن گئے آپ اپنے رہن
 اسلام کی سمجھے اب حقیقت
 پاں! اس سے نہیں مسالو کچھ
 ماراں ہے وہ درس کا ہتھ پر
 کاش! ایسے جیسے سزا دہ خورند
 سر زخم، دین حق سے جن کے
 جو ملک و وطن کے یوں فدا کی
 مشرقی میں یوں درد دل سے بے چین
 پنجاب کو سمجھ پہ ہے اگر مختصر
 قلم کوئی موسکی نہ بڑھاں
 مہم تری گین رسی تھی ٹھہریاں
 اٹھا ستم و جفا کا طوفان
 جو ہر ترے کردے مہیاں
 دامن ہوا چاک تا گریباں
 دل میں ترے خوش رہے مینہاں
 جی اٹھے وہ مرے جو تھے بیباں
 جیسے لکس ان لوں یہ جھریاں
 جو مال کے اپنے تھے ٹھہریاں
 جو نام کے تھے نقطہ مستیاں
 سنتا بھی ہے اے طفر علی خاں
 تعلیم پر جس کی تو ہے نازاں
 جو قوم کے درد کے یوں درماں
 سینے یوں کباب، دل یوں بریاں
 جو قوم کے نام پر یوں قربان
 مغرب میں جو سنیں رنج اخواں
 ہے اس کو یہ فخر دناز شاہاں

زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت

یوں زندہ دل ایسے جس میں انسان

مولانا طفر علی خاں کا جنگ طرابلس و بے قیال میں حکومت برطانیہ
 کے وزیر اعظم کے خلاف شدید شتم یعنی کرنا لندن اور استنبول جا کر حکومت

رطاب کے صاف پردہ بگینہ کرنا اور ان کے خلاف سازش کرنا اور
 خلیفۃ المسلمین کا وفد رینڈستان آنا اور نوے ملک میں دوڑے
 کرنا اور رینڈ کے دفتر میں آنا یہ وہ باتیں تھیں جو نیابت کے حکم اں
 طبقہ کو قحطی تھیں اور مولانا کا زہی اور لہ پور میں جو بے مثال استقلال
 ہوا اس سے بھی دو خلاف ہو گئی تھی۔ اگست ۱۹۱۷ء میں جنگ عظیم کا
 آئینہ راجھوٹ رٹا اور دلفین آف انڈیا نا فذ کر دیا گیا پائے کی تکر
 سز قدہ ماسخ کیا گیا۔ چنانچہ اس نے مولانا طفر علی خاں کو نا اقتنام جنگ
 کرم آباد میں، رینڈ رینڈ کے کو نظر بند کر دیا۔

رینڈ رینڈ بھی نا فذ کر دیا گیا تھا جس سے حکومت کے
 اختیار پر کافی رٹہ لگے تھے احبابان کے خلاف جو چاہے کر سکتی تھی
 رینڈ رینڈ ایک رینڈ اور رینڈ محتاط رہ کر عقیدہ رکھا لیکن ایک مرتبہ
 کچھ ایسی جنگ کی خبریں چھپ گئیں جن میں مبیدہ طور پر اسٹامپالڈ
 تھا کہ یوگنوں میں سحر سے قاتل اس پیدا سونے دگا تھا۔ اندیشہ ہو گیا تھا
 اس نے حکومت نے حکم دیا کہ رینڈ جنگ کی کوئی خبر نہ چھپائے چنانچہ
 اس پر مبدی کے خلاف احتجاج کے طور پر رینڈ رینڈ کے غور رینڈ خود
 بند ہو چکا۔

مولانا طفر علی خاں کرم آباد میں بیٹھے بیٹھے برہنہ ہو گئے تھے تو انھوں نے
 علی دین متاغل جاری کرنے کے لئے ایک دائرۃ المعارف بنانے کا منصوبہ
 بنایا تو انھوں نے سرمایہ کی کراس امریکی درخواست بھیجی جو رد کر دی گئی۔
 لیکن مولانا نے اپنی کوشش برابر جاری رکھی حتیٰ کہ حکومت نے ان کو
 ۱۹۱۷ء کے آخر میں سزۃ دوز سزۃ صبح اور ایک اتالیقی ادارہ

قائم کرنے کی اچھا نیت دیدی کہ وہ اس میں مسیحا کی مسائل زیر بحث نہ لائیں
 مولانا نے اس کو بھی غنیمت جانا اور علم و ادب کے میدان میں اپنی جوں کی تو
 دکھانے لگے۔ یکم جنوری ۱۹۱۷ء کے ستارہ صبح کے شمارہ میں لکھنؤ میں
 بنایا ہوا دارہ ہم نے لیا معارف کا
 محال ہے کہ ہمارا کوئی ادارہ نہ ہو

ستارہ صبح کے ادارہ میں مولانا عبداللہ العمدی، مولانا وحید الدین
 سلیم یا پتی جیسے مشہور نامی صحافی منسلک ہو گئے۔ ستارہ صبح کا ہر مضمون
 چھپنے سے پہلے سنسر ہوتا تھا، یہ اعتبار جو جمعہ تک آج کے حالات
 رہا، پھر لا سوبر چلا گیا، پچھتہ دار سے روزنامہ ہو گیا سب سے پہلے
 پچھڑ نہیں سکتا تھا، شہر شروع ہوتا تھا، شروع شروع میں دوڑے جبر و تحمل
 سے علمی و ادبی تاریخی، اصلاحی اور مذہبی موضوعات پر مضمون لکھتے، رشتہ
 رشتہ سے اساتذہ کا دروازہ کھینچ لیا۔ پہلے قادیان والے، پھر لاہور والے، پھر
 حاکم سب، پھر آغا علی کے موصوفیوں اور پیروں کے خدمات، ہم جلد ہی یہ دلچسپی
 شہناجی کے افراد و خاندان میں برطانوی سلطنت کے ساتھ کیا پایہ توکل
 الی سمجھے تھے، ان بزرگوں کی کاسہ لسی کا منتہا ہے، ہاں یہ تھا کہ انہوں
 نے سرمایہ کھل اور دار کو بھیا نوالہ باغ کے قتل عام میں لیا، یہ پیش
 کیا اور جنگ عظیم میں خلافت اسلامیہ کی بیخ کنی کر کے اپنے نعروں کی راہ
 کا نتیجہ کیا۔ ان کے نزدیک ترک کا فرسے جن کی گولیاں ان سے
 تعویذوں کی برکت سے رطوبتی سپایوں پر کوئی اثر نہ کر سکتی تھی، انہی
 سخت حال الیوت، مولانا کی ایک مشہور نظم ہے جس کا نام
 پر زہیدار کا زہر ضحمت دس ہزار صلیب لیا گیا تھا۔

کہتے ہیں یہ صوفی کہ ہے فردوس حق اس کا
 جس پر ہو شکر بھیج کی دیوار کا سا یہ
 لیکن ہے ہمیشہ کا بہ ارشاد کہ جنت
 ملتی ہے جسے جس پر ہو تلوار کا سا یہ
 صوفی ہے وہی جس کو خدا سے ہو سرور کار
 صوفی وہ نہیں جس پر ہو سرکار کا سا یہ
 اے گویا ہائے میرا نہ ڈر دار درمن سے
 جب خود تیرے تصور پہ ہے دار کا سا بہ
 اللہ کا سا بہ ہے زعبدار کے سر پر
 پیجاں کے سر پر ہے زعبدار کا سا یہ

کہوں تھیں دفا کوڑیوں کے سہاؤ نہ بہل جائے
 جب گرم ہو پیجاں میں بار بار رطریقت
 تو آں میں اولی الامر کے معنی ہیں نصاری
 میروں سے کوئی بوجھ لے "منکم" کی حقیقت
 لیکن میں نے تاب نہ لا کر ملک کے صوفی دسب وہ نشیں طبقہ مولانا
 نے زرا آیا۔ انہوں نے مولانا کے خلاف آیات مہوریل تیار
 و خواہت کر کے حکومت پیجاں کو پیش کیا جس میں استدعا
 کا منہ بند کیا جائے اس میورندم کا نتیجہ یہ نکلا کہ
 حیرٹا نا پڑا۔ اور مجھ عہد کے لئے حیدر آباد میں میر
 کے دامن میں پناہ لینی پڑی وہاں بھی مخالفوں نے

آسیا کا پچھلا نہیں چھوڑا، ان کی رائیہ دونوں کی وجہ سے جو میں گھنٹے
کے نوٹس پر دوسری باجید آباد سے نکلتا پڑا، ماہانہ فیشن بھی بسند
کر دی گئی۔ ان پریشان کن حالات پر مولانا ظفر علی خاں صاحب نے روشنی
ڈالی ہے۔

”سرمائیکل اور ڈائریکٹ گورنریاں کی ستم بینہ ملکیت نے زمیندار
کو سفید در کھلا رکھا تھا اور مجھے نیم نظر سیدی کی حالت میں آبادی شرق
پورا کرنے کے لئے روزنامہ ستارہ صبح، کی ادارت کے ذرائع کی اسخام
دی کی اجازت دے رکھی تھی، سیاست ان ایام میں سحر منورہ کا حکم
رکھتی تھی اور ستارہ صبح کے ادراک صرف عبرت سی مضامین کے لئے
دقف مونس پر مجبور تھے۔ تاریخ، فلسفہ، معاشرت، مذہب
ادراک لطیف وہ موضوع تھے جن سے میں آبادی پر حاکم رکت تھا
میں نے ان کو بھی غنیمت سمجھا اور باب ذوق سلیم کے لئے علم و حکمت کی
آبدی بستی بسادی جس کے نام و در کتاب دست کی روشنی میں جگتا اٹھے
تقی بنو قبل اور جھوٹے بیروں کا پول ستارہ صبح میں کچھ اس طرح
تھوڑا گیا کہ دہائے طریقت سے جو غلط رو نایج اٹھے، چنانچہ میرے خلاف
ان بزرگوں نے ایک وسیع پیمانہ پر سازش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح
میں ان کے راستہ سے ہٹ جاؤں پہلے تو لاہور میں ایک دھوم دھام کا
حلب کیا جس میں مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا یا گیا جواب تک دائیں نہیں لبا گیا
اس پر بے اختیار میرے منہ سے نکلا ہے

کوئی ٹپنی لے گیا اور کوئی ایراں لے گیا
کوئی دمن لے گیا، کوئی گریباں لے گیا

وہ گیا تھا نام باقی اک فقط اسلام کا

وہ بھی تم سے چھین کر حاضر خاں لے گیا

اس کے بعد ایک میوہیل تیار کیا گیا، جس پر طول و عرض مندر کے میروں،
مردموں اور سیاہ نشیمنوں کے رنخط ثبت تھے اس میوہیل میں حکومت
پنجاب سے استدعا کی گئی ہے کہ کسی طرح مبرا منہ بند کیا جائے۔ یہ اسی
میوہیل کا نتیجہ تھا کہ مجھے پنجاب چھوڑنا پڑا اور کچھ عرصہ کے لئے حیدرآباد
جا کر حضرت میر عثمان علی خاں کے دامن دولت میں پناہ لینی پڑی اگرچہ
جہاں رہا میں سچی حریفوں نے سچا نہ چھوڑا اور مجھے اس گوشہ عافیت
کو بھی چھوڑ کر پنجاب کا رخ کرنا پڑا جہاں نئی باتیں میرے استقبال
کو موجود تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا ظفر علی خاں پہلی جنگ عظیم سے پہلے
عوام میں جس قدر مقبول ہو گئے تھے اور عوام کے دلوں میں انھوں نے اپنے
جگہ بنائی تھی اس کو زایل کرنے کے لئے حکومت پنجاب نے اپنے حواریوں
کے ذریعہ وہ شرمناک ہتھکنڈے کھیلے اور عوام میں مولانا کے فطرت وہ بد
پھیلانے کی کوشش کی جو عوامی رہنماؤں کیلئے تھکنگ ہوتی ہیں لیکن مولانا نے ان کے
سامنے سپر نہیں ڈالی بلکہ ان کا مردانہ دارمقابلہ کیا۔

اتفاق کی بات یہ ہے کہ مولانا کی نظر بندی کے دوران کسی بات
سننے کا ٹکڑا نہ آیا۔ آپ کے علاج کے لئے دلیوزی لے جایا گیا مولانا سے
سیاسی حریفوں نے اس بات کو غلط فہم کیا بلکہ یہ منتشر کر دیا کہ مولانا نے
نظر بندی سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ ڈرامہ کھیلنا ہے بعض مخالف
نے تو آپ پر یہاں تک الزام لگایا کہ ۱۹۱۹ء میں آپ حکومت کو اندر لے گئے

دے کر رہا ہوئے ہیں۔ لیکن جب اس الزام کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور رہا ہونے کے بعد مولانا کی بہادرانہ کردار اور بیباک سرگرمیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ الزام بے بنیاد اور غلط نظر آتا ہے۔

مولانا رہا ہونے ہی سمجھ نہیں رہے بلکہ آل انڈیا کانگریس کے اجلاس اترکسر میں شرکت کے لئے نئے جنس کی صدارت نیت موتی لال نہرو کو رہے تھے۔ انڈر ٹیکنگ پر دستک دہ کی وجہ سے مولانا کا استقبال ان کی شان کے مطابق نہیں ہوا بلکہ آپ کی تقریر کے دوران کچھ آوازے بھی کئے گئے لیکن مولانا کا داس پاک تھا آپ نے ان تمام الزامات و اعتراضات کا جواب دیا۔ آپ نے کہا۔

”میرا مقصد یہ ہے اور میرا دامن بے داغ، میلعل اور میری سرگرمیاں عوام پر موجود ثابت کر دیں گی کہ ان کی طرف سے مجھ پر جو الزام لگایا جا رہا ہے وہ بے بنیاد اور جھوٹا ہے کذب و افتراء پر مشتمل ہے اگر برصغیر کے نزدیک میں ہمیشہ فارک کی طرف توجہ رکھتا رہا جس نے ہمیشہ مجھے خرمین استعمارِ برطانیہ کے لئے برقی سمجھا ہے اس کا ظلم و تشدد جب مجھے حب وطن کے مقدس راستے سے ہٹانے میں ناکام رہا تو اس نے مجھے عوام کی فطرتوں میں گرانے کے لئے یہ ذلیل طریق اختیار کیا اور عوام میں پوری طاقت سے یہ تصور کرنے کی کوشش کی کہ میں نے برطانوی استبداد کے سامنے گردن جھکا دی ہے میں نے انگریز کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔ میں نے برطانوی اقتدارِ عالمی سے معافی مانگ لی ہے

اس آرام کے سلسلہ میں کوئی صفائی پیش کرنا نہیں جانتا لیکن صرف اتنا کہنا جانتا ہوں کہ جو گردن خدا کے حضور میں بیٹھنے کی عادی ہے وہ برطانوی اقتدار کی دہلیز پر کبھی طے نہ ہو سکتی جس میں نیاز پر تجوید کی ہر نسبت پر حکی ہے وہ جہیں انگیزے آستانہ جلال پر کسی جھک نہیں سکتی، میری زندگی وطن کی آزادی کے لئے وقف ہے میرا یہ مقصد حیات ہے کہ یہ گوری جیڑی دا لے ہند ڈاکو میری زندگی میں سرزمین مہاشون سے برابر بسنے لپیٹ کر جس سرزمین سے آئے وہیں چلے جائے۔
 مولانا ظفر علی خاں کی یہ تقریر اس قدر مؤثر تھی کہ لوگوں کے دلوں میں اتر گئی، مخالفین تک نہ نل ہوئے اور ظفر علی خاں زندہ باد کے نعرہ سے سامراجیوں کو گھٹا اٹھا۔

نظر بندی سے رہا ہونے کے بعد مولانا ظفر علی خاں صاحب نے اپریل ۱۹۴۷ء کو اخبار زمیendar از سر نو جاری کیا، اس وقت مولانا ظفر علی خاں اور مولانا اختر علی خاں کو خبر آباد سے تراجیم کے سلسلہ میں سات سرحدیے مامور ملتے تھے۔ زمیندار کے جاری ہونے کے بعد یہ رقم بند ہو گئی، زمیندار سے فائزوں کی طلبی اور ضبطی کا لائقابی سلسلہ شروع ہو گیا سلاسلہ سے ۱۹۴۷ء تک ۳۸ سال کے عرصہ میں شاید ہی کوئی ایسا خوش نصیب سال گزرا ہوگا جب اس اخبار کی ضمانت ضبط نہ ہوئی ہو۔

اس مرتبہ دوبارہ اخبار جاری ہوا تو دہنار روپے کی ضمانت ادا کی لیکن شکر کہ خلافت کے آغاز میں یہ رقم بھی ضبط ہو گئی خرید یا پھر

روپے بطور ضمانت طلب کیا گیا۔

ایکہنگر ڈی آئی جی پریس سٹرونگ کے خلاف یہاں فیروز الدین کو روڈ آپ سٹے جانے کی خبر بھی تو مونگو نے سرٹیکل لوڈنگ کے مشورہ سے زمیندار کے خلاف آزاد حیثیت سے فی کا دعویٰ دائر کیا اسے پندرہ ہزار روپے کی ہنگری ملی، یہ تمام روپیہ ادا کرنا پڑا۔ ۱۹۲۱ء میں مسلم پریسنگ پریس بھی ضبط کر لیا گیا۔ اس دوران میں زمیندار سے ایک درجن ایکڑ زمین سٹے چھوڑ دی اور دو ہزار پانچ ہزار اور دس ہزار کی زمین چھوڑ دی دفعہ دفعہ سے ضبط ہوئی گئیں ۱۹۲۱ء میں زمیندار کے ایکڑ زمینداروں بادشاہ کو مستقلیند و ضرر گزارا کی اشاعت سے ایک سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا، اور اخبار سے پانچ ہزار کی ضمانت مانگ لی گئی جو اچھاں کی دیدہ دہنی سے قصبہ میں ضبط ہوئی اس پر مزید دس ہزار روپے ضمانت طلب کی گئی جو سائن فیشن کی آمد کے بعد پر ۳۱ فروری ۱۹۲۸ء کو سبکی سرکار صاف ہو گئی، مزید دو ہزار روپے طلب کئے گئے جو ۱۹۳۱ء کی تحریک کانگریس میں ضبط ہو گئے۔ تین ہزار روپے مزید مانگے گئے مولانا ظفر علی خان ۱۱ الف میں تین سال کے لئے قید کر دئے گئے یہ تین ہزار روپے کی رقم بھی تحریک کشمیر میں ضبط ہو گئی، اس تحریک میں حکومت نے بیکہ بعد دیگرے زمیندار کے بارہ ہزار روپے ضبط کئے اور بارہ ہزار ہزار اور دس ہزار کی دو ضمانتیں علی الترتیب ضبط کیں، آخر کار منصور الشیم پریس بھی ضبط کر لیا گیا۔ تنہید گنج کی تحریک میں دس ہزار روپے کی ایک ضمانت ضبط کی گئی اور سرسریٹ ایمر لین گورنریاب حکم سے اخبار بند کیا گیا پھر ۱۹۳۱ء میں زمیندار سے تین ہزار کی ایک ضمانت

ہنگی گئی جو پریس کی دو ہزار ضمانت سمیت سلسلہ ۱۹ میں ضبط کر لی گئی۔ مزید پانچ ہزار روپے طلب کئے گئے۔ لیکن سلسلہ ۱۶ میں انگریزوں نے جلتے جانے اس رقم کو بھی ضبط کر لیا۔

یہ بھی حیرت کا دیا، جلاد نے ہالتے ہالتے۔

مولانا ظفر علی خاں نے مصر و قلیج کس پور میں ایک باغیانہ و انقلابی تقریر ہم اراکت سلسلہ ۱۶ کو کی تھی، ۲۵ ستمبر سلسلہ ۱۶ کو مولانا مرکزی خلافت کمیٹی کی پادشہ پر حبیب اللہ فہید کے مقدمہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے کلمت سے الہ آباد ہوئے ہوئے کوہ میری جاسے تھے کہ لاہور کے دیوے اسٹیشن پر ایک پور میں ڈیپٹی سپرنٹنڈنٹ نے ان کو قانون تحفظ منہ کے ماتحت گرفتار کر لیا۔ ۲۵ ستمبر سلسلہ ۱۶ کو سٹر چل اسٹیشن بمبرٹ کی عدالت میں مقدمہ کی پہلی پیشی تھی مولانا سے عدالت میں ایک نئے ورنٹ زبردفعہ ۲۴ الف کی تعمیل کرائی گئی۔ حکومت کی طرف سے سردار متاب سنگھ دکیل پیر دی کرپے تھے اور استغاثہ سٹر اکرم الحق ڈی، ایس، پی نے پیش کیا، جس میں مولانا پر حسب ذیل الزامات تھے۔

۱۔ ایم وہ گمان میں جنہوں نے مکہ معظمہ میں آگ لگا کی ہمارے لوگوں کو دس گیارہ درجے کی خاطر قتل کیا اور مقامات مقدسہ و عبادتوں کی خاطر متوجہ کیا۔

۲۔ پریس آف دلا آپس میں اگر حکومت برطانیہ چاہتی ہے کہ ہم ان کا تاجہ مقدم کریں تو اس کا خرمن ہے کہ وہ۔

غریب خلافت میں مداخلت نہ کرے، کہہ حنظل مدینہ سنوڑہ

سیت المقدس اور بغداد وغیرہ کو خالی کر دے اور ترکیہ کی حفاظت و امن کا اعلان کرے، ریشل لائر کا نصف ذرا کیا جائے، رد لٹ ایکٹ منسوخ کر دیا جائے، سلی لوں سے حدود عدے کئے گئے ان کا ایفاء کیا جائے اور نہ حکومت تباہ ہو جائے گی۔

۳۔ بغداد پر قبضہ کر لیا گیا اور کنواری لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مظالم بھر سوز تھے۔

۴۔ یمن معاہدہ ترکی کو کاغذ کا پرزہ سمجھتے ہیں ہم اسے پامال کر دینگے۔
۵۔ اب کیا کرنا چاہیے سلی لوں پر ہجرت فرض اور لازم ہے۔

۶۔ بچوں کو سرکاری مدارس میں داخل نہ کیا جائے۔

۷۔ فوج میں پیرگز بھرتی نہ دی جائے۔

۸۔ ذلیلدار، لمبردار اپنے عہدے چھوڑیں، چھ ماہ تک صبر کرو اگر یہ سہارہ مٹا دے گا تو فیلڈ کریں تو فہارہ نہ پھر یہ ذلیلدار کا فرہیں ان کو برادری سے خارج کر دیا جائے۔

۹۔ سنا ہے کہ بغداد میں ایک شخص اور اس کا بیٹا فوج میں ترکوں کے خلاف مصروف ہو گیا ہے۔ لا کا جنگ میں کام آیا، باپ اس کی نعش کو اٹھا کر بغداد لے گیا، راستہ میں دیکھا کہ بیٹے کا منہ سوز کا ہو گیا ہے اب تم علی الاطلاق کیسو کہ ہم فوج میں داخل نہیں ہوں گے۔

۱۰۔ منیدوستان دارالمحب ہے، مذہبی آزادی سلب کر لی گئی ہے۔

استغاثہ کا بیان تھا کہ مولانا ظفر علی خاں نے کئی نیرہ کے مجمع میں کہا

باد رکھو تمہاری حکومت تباہ ہو جائے گی، تم فوج میں بھرتی نہیں ہونگے
 یہ الفاظ چونکہ ۱۲۳ الف اور ۱۵۳ تے تحت آتے ہیں اس لئے مولانا
 کو سرا دی جائے۔

مولانا نے اپنے مقدمہ کی پیروی کے لئے کوئی کھیل مقرر نہیں کیا
 تھا انتفاض کے گواہوں پر مولانا نے جرح کرنے سے انکار کر دیا تھا
 گواہوں نے وہی کیا جو پولیس نے ان کو طے کی طرح دہا رکھا تھا
 مولانا جب عدالت میں آتے تھے تو پہلے درپے الٹا کمرے لوہوں
 کے کھیری کا کمرہ گورج اٹھاتا تھا، جب انتفاض کی شہادت ختم ہو گئی تو مولانا
 نیا نیا بیان پڑھ کر سنا با۔

”تقد شدت حیدرآل سے اس ملک کے حکام کا یہ دستور ہو گیا ہے کہ
 وہ آہستہ آہستہ کو خواہ وہ کتنی پراسن اور مضبوط و درست کیوں نہ ہو
 اور ہر قسم کی سختہ یعنی کو خواہ وہ کتنی ہی انصاف پر مبنی اور ترین دانش و
 عقل کیوں نہ ہو بنیاد پر خراب کرتے ہیں اور بنیاد میں تو گھسالی جاتی ہیں
 تاکہ ان تشدد آمیز کا ورد آئیموں کے نفاذ کا بہانہ مل سکے اور جو کسی طرح
 سے جائز نہ ہو سکتی تھیں یہی وجہ تھی کہ اس ناز بیابان کوک پر جو مجھ سے
 یکھا گیا ہے مجھے حیرت نہ ہوئی، میں نے فوراً تاہل لیا نہ مجھ کو بحیثیت
 سرگرم خادم خلافت اور مشرق وسطیٰ میں موجودہ برطانوی حکومت کی طاقت
 علی پر زور دست معترفی و شکہ چین ہونے کی وجہ سے نیباب بھر میں
 صرف اسی خیال پر چن لیا گیا کہ مجھے نہایت آسانی کے ساتھ باغی و طاغی
 قرار دیا جائے گا اور تحریک خلافت اور نہایت اس لینڈ ان عدم اتحاد
 کی تحریک کو بلیا میٹ کر دینے اور دبا دینے کے لئے ہمت انگیز سزا

دی جائے گی۔ مجھے احساس ہے کہ جہاں تک مجھنا چیز کا تعلق ہے غالباً یہ امر آرمیل سر ایڈورڈ سیکلی کننگہم کی طاقت سے باہر ہے کہ اس حکم کو مسترد کر سکیں جو حکام بالا کی طرف سے میرے لئے تجویز کیا جا چکا ہے اور جہاں تک مجھے شعور و اہانت معلوم ہے ضبط تحریر میں آچکا ہے اور اسی روز سنایا جائے گا۔ جس بعد سماعت مقدمہ کی بہ تمام ضابطہ کی کاروائیاں پوری ہو جائیں گی۔

جب بول ما اس فقرے پر پہنچے تو عدالت نے کہا آپ عدالت کی توہین و تحقیر کر رہے ہیں اس لئے آپ اس حصہ کو نہ پڑھیں۔ مولانا، یہ عدالت کا حکم ہے یا اچھے مذاق و خیال کا معاملہ ہے۔ مشربعلی۔ یہ عدالت کا حکم ہے۔

چنانچہ مولانا نے وہ حصہ پڑھنا شروع کر دیا جس میں ان کے سیاسی عقیدہ کا ذکر تھا۔

”میں اپنے اللہ پر ایمان رکھتا ہوں جو احکم الحاکمین اور خالق ارض و سما ہے وہی وہ ذات پاک ہے جو مطلقاً عدل و پرستش کے قابل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عقیدہ و یقین کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی اور کوئی دنیوی قانون جو اس اصول کے خلاف ہو جس کا ذکر خداوند تعالیٰ کے اس آخری پیام میں آچکا ہے جو ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدیہ سے دنیا تک پہنچا ہے

”میری رائے میں ہندوستان سے برطانوی حکومت کا قیام برطانوی حکومت کی گیندوں اور آلات حرب نہیں ہے بلکہ اس ملک کے باشندوں

کی رضا جتنی پر ہے اور خیر سگالی کا اندازہ زیادہ تر ان تعلقات سے ہو سکتا ہے جو حکومتِ برطانیہ اور خلیفۃ المسلمین کے مابین پائے جاتے ہیں اور میں خلیفۃ المسلمین سے ایسی روحانی عقیدت رکھتا ہوں جو تمام دنیاوی تعلقات و خیالات سے برادر و بالا ہے، برطانیہ علی موجودہ کابینہ اور وزارت کی ہلکے حکمت عملی نے خلافت کی دھجیاں اڑائی ہیں اور اس کی حکمت عملی سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خدوستان میں برطانوی عظمت و اقتدار کی بنیاد کو تھک کر دے گی جو کچھ حکمت کے بارہ بارہ کر دے جانے سے صرف خدوستان کے کرداروں باشندہ کی عقیدت و خیر سگالی پر اثر نہیں پڑا بلکہ تمام مشرق وسطیٰ تک برطانوی شہنشاہیت کی جوع الارض سے خلافت شہیر کجف آمادہ پیکار ہو گیا ہے۔

لیکن میں بے دست و پا بے بس و بے کس اس عظیم الشان قومی سلطنت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جس کے پاس بے حد فوجی و راجح ہر وقت موجود ہیں، اگر کوئی طریق استعمال کر سکتا ہوں تو وہ خاص طریقہ ہیں جن کو جہاد بانفس پر امن عام قیادون اور سمیت نفس میں ترک وطن کہا جاتا ہے، ان مرد طریقوں پر کار بند ہونے سے میرا مدعا یہ ہے کہ میرا کار برطانیہ کے خدوستان کے اسلام کش اور ترک آزار، وہ کے خلافت پر زور احتجاج روں تاکہ بالآخر عظیم الشان برطانیہ حکومت اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے جو ملک خدوستان کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہے اور ان وزراء کو مجبور کر دے کہ وہ اس بلا انگیز و طوفان خیز حکمت عملی کو بدل ڈالیں۔

مولانا ظفر علی خاں صاحب نے پہلے مسکین الزام کو تسلیم کیا اور کہا یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم مسلمانوں نے مذکورہ کو آگ لگائی۔ ہم کا اطلاق بقول راولڈ نے ترکی فوج پر ہو سکتا ہے لیکن اردو مسلمانوں کا اپنا یہ ہے کہ ہم سے مراد وہ خدا ربانہ عرب میں جن کو برطانوی حکومت نے سپاہی دئے دیوہ دیا اور سامان حرب گولہ بارود پہنچایا، اسی طرح ہندوستانی مسلمان سپاہیوں نے زرد مال کی طبع پر اپنے مسلمان بھائیوں کو فلسطین، عراق عرب میں گولیوں کا نشانہ بنایا اور بیت المقدس اور بغداد کو فتح کر کے ان کو حکومت برطانیہ کے حوالے کیا۔

مولانا نے تسلیم کیا کہ میں نے بچوں کو سرکاری مدارس میں بھیجے اور فوجوں کو ریگورٹ بھیجا کہ ان کی مخالفت کی ہے۔ لیکن میں اسے حکومت کے فعل پر اظہار تالیف دیدگی جائزہ ذریعہ سمجھتا ہوں، اس وقت پر مولانا نے تفصیل سے بتایا کہ اسلامی ممالک میں برطانوی فوجوں کا طرز عمل کس طرح استتال انگیز اور قابل اعتراض رہا۔

آپ نے یہ بھی تسلیم کیا کہ میں نے ذیل اردوں اور نمبر داروں سے کہا ہے کہ وہ احتجاج کے طور پر اپنی آسامیاں چھوڑ دیں، آپ نے کہا جب حکومت اپنی رعایا کو وعدہ خلائی کے لئے مسکینہ قانون میں جبراً لگاتی ہے تو یقیناً رعایا کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ حکومت سے جواب طلبی کرے حکومتوں کے پاس قانونی دستور مل ہوتے ہیں جن کی آخری منظوری مادی طاقت و قوت سے ہوتی ہے رعایا کے پاس اپنا جیسا من عدم تعاون کا حق ملتا ہے۔

نوب الزام کے متعلق مولانا نے فرمایا کہ

یہ حکایت ہر ایک ایسے ان پڑھ شخص کی زبان پر ہے جو عراق سے
واپس آیا ہے مگر مستغنیث نے وہ اعلیٰ نتیجہ ظاہر نہیں کیا، میں اخذ
کرنا چاہتا ہوں، میرا مقصد اس واقعہ کے بیان سے یہ تھا کہ حکومت
کو عقل و دانش سے کام لیتے ہوئے غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کو محالاً اسلامیہ
میں سمجھتے وقت ان کی باطنی قوت کا بھی خیال رکھنا چاہیے علیہ
مولانا نے کہا، میں نے ہندوستان کو دارالحرب کہا ہے، درست کہا
ہے، ہماری مذہبی آزادی چھین لی گئی ہے، چنانچہ اسی لئے فرزند ان
توحید ہزاروں علی تعداد میں ہجرت کر رہے ہیں۔

آخر میں مولانا ظفر علی خاں پر الزام لگایا گیا ہے کہ انھوں نے
سامعین سے کہا: یاد رکھو تمہاری حکومت تباہ ہو جائے گی۔
مولانا نے جواباً کہا تھا، میں نے آخر میں کہا تھا، ایسے پاس
بزرگ و برتر خدا تو اپنے دین کو دشمنوں میں اتاری ڈال اور انھیں
بیخ دین سے اکھاڑ پھینک۔

مولانا نے تقریر کرتے ہوئے سامعین سے یہ پرچھا تھا کہ وہ دفعتاً
طوبہ بر صہرتی ہونے کے تیار ہیں، اس پر سچا جس نہرا آواز
بلند ہوئی، ”حب تک خلافت کے متعلق ہماری دل جوئی نہیں ہوتی
ہم خوشی سے صہرتی نہیں ہوں گے۔“

۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مولانا پر فرد جرم عائد کی گئی اور مقدمہ
کا فیصلہ سنایا، ایک مقدمہ میں پانچ سال قید با مشقت کی سزا

اور ایک ہزار روپے جرمانہ، عدم ادائیگی کی شکل میں چھ ماہ قید
 یا مشقت، دوسرے مقدمہ میں دو سال قید یا مشقت کی سزا سنائی
 گئی اور یہ بھی حکم دیا کہ یہ دونوں سزائیں ایک ساتھ شروع ہوں گی
 مولانا نے اپنی آخری پانچ سالہ قید کا بیشتر حصہ شکاری سے
 احاطہ میں بسر کیا تھا، جو ہولناک سناٹا یہاں نظر آنا تھا، اس کا
 بیان ممکن نہیں ہے۔ اس کے وسط میں مولانا اپنی پانچ سالہ قید
 کاٹ کر رہ گئے۔ لامبور کے لوگوں نے جس جوش و خروش سے مولانا
 کا استقبال کیا اور جو بے نظیر جلوس نکالا وہ پھر کسی رہنما کو نصیب نہیں ہوا
 تمام شہر نے آنکھیں پھا دیں، سارا راستہ نوجوانوں نے گھوڑا تھکاری تقبلی
 حتیٰ کہ خفیس کالج کے طلباء نے ان نوجوانوں کا ہاتھ بٹایا، تمام بازار دھنوں
 کی طرح بجے ہوئے تھے اور لوگ بلباب کی طرح اٹھ آئے تھے، رات بھر
 جلوس گھومتا پھیلا، ام تر کے لوگوں نے بھی آپ کو مدعو کیا اور آپ جلوس
 نکالا کہ درو دیوار عش عش کر اٹھے۔

۱۹۳۰ء میں نمک قانون کو توڑنے کی تحریک شروع ہوئی، تو
 کانگریسوں نے جگہ جگہ نمک بنا کر قانون کی خلاف ورزی کرنے کا فیصلہ کیا
 نمک بنانے کے لئے جلوس نکالے گئے اور پورے ہندوستان میں عزت پارلیمنٹ
 کا سلسلہ شروع ہو گیا، مولانا ظفر علی خاں کو بھی دوسرے کانگریسیوں کی
 طرح گرفتار کر لیا گیا، مولانا پر مطلع حالندھر کے ایک جلیب میں مانگیا نہ تقریر
 کرنے کا الزام میں زیر دفعہ ۱۲۴، تعزیرات ہند مقدمہ جلا با گیا، آپ
 نے مقدمہ میں کسی قسم کی پیروی نہیں کی، عدالت نے آپ کو مین سال
 قید یا مشقت کی سزا دی۔ ایک سال کے بعد گاندھی اردن پیکٹ ہوا

تمام ہندوستان کے لوگ جو یہاں تک پہنچے رہا ہوئے تو اس میں مولانا
ظفر علی خاں بھی تھے مولانا نے یہ ایک سال گجرات جیل میں گزارا
اس جیل میں آپ کے ہمراہ ہندوستان کے چوٹی کے لیڈر نڈت
سورئی لال ہندو، مولانا عارف مسوی، مسٹر آصف علی، مسٹر تقی احمد
دہلوی، ڈاکٹر محمد عالم، ڈاکٹر منتہی پال، سردار سردول سنگھ کولہٹر،
سردار منگل سنگھ، ڈاکٹر مگنی جید نارنگ، نڈت سری رام، مولانا
احمد سعید، مفتی اعظم محمد کفایت اللہ، مولانا سید عطار اللہ شاہ بخاری
شیخ مسام الدین اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی تھے۔

مولانا ظفر علی خاں کے مولف عطا انصاف جو مولانا ظفر علی خاں
صاحب کے ساتھ گجرات جیل میں تھے اپنے تبادلہ اور تجویز کی بنا پر
پرکھتے ہیں۔

۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں مولانا ظفر علی خاں صاحب کی
زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ اسیری کے ایام میں
مجھے اپنی قوم کے بعض دوسرے رہنماؤں اور قومی کارکنوں کے ساتھ رہنے
کا اتفاق بھی ہوا میں نے نہایت عمیق نگاہ سے ان لوگوں کی سیرتوں
کا مطالعہ کیا ہے جن کے ہاتھوں میں ہمارے قومی امور کی عنان اور
جن کی زبانوں پر اس قوم کی قسمت کا اتار چڑھاؤ تھا، یہ خوش آمد
لحاظ اور یاد دہانی نہیں کہ میں نے مولانا ظفر علی خاں کی طبیعت
کی بلندی اور سیرت کی پختگی کو ان کے دوسرے صحابہ کی نسبت بہت
اربع اور مت زدیجھا، جس طرح جیل کی چار دیواری کے باہر مولانا
ظفر علی خاں کی زندگی کا ادھت، سمجھنا، علم و ادب، سیاست

اور موردِ ملی کا انہماک تھا، اسی طرح جیل کے اندر بھی ان کو شہانہ روزِ گفتگو کے موضوعات یہی تھے جس طرح جیل کے باہر ان کی خود دار طبیعت کی آزادیاتِ نا جائزہ باد کو خاطر میں نہ لائے کی عادی تھیں، اسی طرح زندان کی زندگی میں بھی ان کی آزادی اور خودداری برابر قائم تھی۔ جیل میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جیل کے باہر جہدِ دستار رکھنے والے بڑے بڑے نام اور کام کے مدعی موفقیو یا ناکام کام بعض مواقع پر اتنا کھیل کھیلنے میں کر ان کی محفل پر عام بازواری اٹھیں کہ وہی چوڑی کاٹھن ہوئے لگتے ہیں لیکن مولانا ظفر علی خاں کی زندگی کا کوئی لمحہ مجھے ایسا نظر نہیں آیا، جس میں عقل کے پاسبان نے ان کے دل کا ساتھ چھوڑا ہو، اور ان سے کوئی ایسی لغو حرکت سرزد ہوئی جس پر انھیں یاد رکھنے والوں کو ندامت یا کراہت محسوس کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو مولانا ظفر علی خاں کی سیرت کی عظمت کا ثبوت میرے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ زندان کی چار دیواری نے ان کی طبیعت پر کبھی کسی قسم کا حوصلہ فرسا اثر نہیں ڈالا۔ ظفر علی خاں زندان میں بھی وہی نظر آیا جسے میں نے مڈوں زہیدار میں قومی جلسوں میں اور جلسوں میں احباب کی صحبتوں، اور محفلوں میں دیکھا تھا، اگر ان کی سیرت میں خود نمائی یا ریاکاری کی کوئی نقاب ہوتی تو زندان میں اس کا الٹ جانا یقینی امر تھا میں نے اخلاق کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی کے معاملے سے دو آدمیوں کا درجہ بہت بلند دیکھا، ان میں سے ایک مولانا ظفر علی خاں

اور دوسرے مولانا مفتی محمد کفایت اللہ مدد جمعیتہ علمائے ہند تھے۔
 ۱۹۳۳ء میں مولانا کو ایک ماہ کی قید ہوئی تو سنٹرل جیل
 کے دروازہ پر لٹے گئے کہ بڑا دروازہ کھولو، میں چھوٹے دروازے
 سے داخل نہیں ہوں گا، چھوٹے دروازے میں سر جھکتا ہے
 اور یہ صرٹ اللہ کے سامنے جھکنے کے لئے بنا ہے جیلر کو
 مجبوراً دوسرا بڑا دروازہ کھولنا پڑا۔

مولانا طفعلی خاں نے ۸۴ برس کی عمر باقی ان کی مجموعی قید
 تقریباً چودہ برس ہوتی ہے پہلی دفعہ پانچ برس نظر بند رہے، پھر
 پانچ سال قید کا کی تیسری دفعہ ڈیڑھ سال جیل میں رہے مزید ۱۹۳۵ء
 تک کوئی چھ ماہ مختلف گرفتاریوں کی صورت میں قید و بند کی گذر گئی
 شہین گنج کی پاداش میں تقریباً دو سال کرم آباد میں نظر بند رہے
 مگر باوجود عمر کا چھٹا حصہ جیل خانہ میں بسر کیا، سہفتہ کے ساتھ دلوں
 میں ایک دل اور چار چھٹے۔

سنہ ۱۹۵۲ء میں مولانا طفعلی خاں جیل سے آئے تو ملک کا
 نقشہ ہی بدلا ہوا تھا، فرقہ وارانہ کشیدگی نے نازک صورت اختیار
 کر لی تھی اس جیل ہی میں تھے کہ شہر بھی اور سنگھن کی دل آزار
 تحریک فروع موہتی تھی جس کے نتیجے میں کئی شہر دل میں فسادات کی
 آگ لگ سکتی تھی۔ کانگرس کے اندر بھی دگر دہی بن چکے
 تھے، موروثی اور ترک برالائی، خلافت کی تباہی ہو چکی تھی اور
 مسلمان لیڈر مسئلہ حبز پر دگر دہیوں میں بٹ چکے تھے، پنجاب
 کی خلافت پارٹی مولانا سنی سرکردگی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی سے

علمیہ ہو گئی تھی اور اس طرح مولانا اور علی برادران میں افسوسناک
 ستارہ شروع ہو گیا۔ غرض یہ کہ کئی محاذ قائم ہو گئے تھے، اور
 مذہبستانی مختلف العقیدہ ہائندے سامراج کو شکست دینے
 کے بجائے آپس میں برسرِ بیکار تھے۔ اس حالت میں بھی مولانا
 کھانگڑوں کے حامی تھے۔ انھوں نے آزادی وطن کی ہر تحریک کا
 ساتھ دیا۔ سائنس کمیشن کے تقاضوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا
 نمک قانون تے ڈرنے کی تحریک میں گرفتار ہوئے۔ نیپاب کی
 خلافِ وقت کمیٹی نے بعد میں مجلس احرار کا روپ دھارنا۔ اور تحریک
 آزادی کشمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۳۵ء میں سید شہید گنج پر
 مولانا کا مجلس احرار سے سنوٹ اختلاف ہوا انھوں نے مجلس احرار
 ملت قائم کر لی ۱۹۳۷ء میں قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ میں جہالت
 نو کی راج پھونکی تو مولانا طغی خاں نے ان کی آواز پر لبیک
 کہتے ہوئے مجلس اتحاد ملت کو مسلم لیگ میں مدغم کر دیا اور اپنے
 آپ کو مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے وقف کر دیا ۱۹۳۹ء میں ایک ضمنی
 انتخاب میں حلقہ لاہور سے مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ۱۹۴۶ء
 اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کو فعال اور عوامی جماعت بنانے
 میں مولانا طغی خاں کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں اسی لئے قائد اعظم

دنیا چڑھتے ہوئے سورج کی پریشانی کرتی ہے دڈتے ہوئے
آفتاب کو کون پریشان ہے اور ہم دڈتے ہوئے تارے کی طرح دنیا
پر نظر ڈال رہے ہیں پھر سورج کے مقابلے میں ہمیں کب فکے ملے
گئی۔ ہاں ہم سبھی ہم سبھی رزم کا ہستی میں مصروف تیار تھے، ہم
نے بھی اس فائنل میں دنیا میں امنگائے کی روح پیو کی تھی۔ عہد حاضر
کے نقش و نگار میں کچھ ہمارے قلم کا حصہ ہے اس گلستاں کے
خیز سیریلوں نے ہمارے حور سے بھی سرخی حاصل کی ہوگی۔ اس
صحرائے منگامہ آرائی میں ہمارا جنوں بھی کار فرما ہے۔ اس نے اگر
ہم کچھ ہیں تو عزرائیل ملک پرانے زمانہ کے راجہ کی نہ سمجھیں ٹوٹے
ہوئے ساز کا الجھاؤ اٹھ جائے بحریں اور پھر یہ کھڑکالوں میں انگلیاں
نہ ٹھونس لیں کہ ہے

اگلے دن توڑ کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو

جوئے دلف سے کو اندوہ رہا کہ ہے ہیں۔

پاکستان کے قیام کے بعد مولانا ظفر علی خان لاہور میں رہے
اس وقت ان کی کیا حالت تھی وہ مولانا غلام حسین ذوالفقار
سولت ظفر علی خان دایب دشتا کی قلم سے سنے۔

”راقم نے ایک موقع پر ہمارے نیلا گنبد میں انہیں دیکھا، بدن
میں رعشہ، زمان میں لکنت، حافظ تقریباً جواب دے چکا تھا
انتہائی لاغر و نحیف ہو چکے تھے، تقریر کے چند فقرے کہے، ایک
آدھ اپنا شہر بھی پڑھا لیکن پڑھتے ہوئے سہول گئے، چند
ایک بار باغ خان میں منگور کلب کے سامنے والی سڑک پر تیز خام

سیر کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ کرم آباد چلے گئے اور بسترِ ملائت
 یزید گئی کی آخری رات طے کر لے کر ۸ جنوری ۱۹۵۵ء
 دسلاہ طفر علی خاں کی ۸۲ ویں سالگرہ کرم آباد میں منائی گئی۔
 اختر علی خاں کی دعوت پر لاہور کے چند ادیبوں اور شاخروں کے ہمراہ
 رفیم کبیری کرم آباد جانے کا موقع ملا اور اس بطلِ حریت کو آخری
 بار دیکھنے اور ملنے کی سعادت نصیب ہوئی اس موقع کے تاثرات
 یہاں پیش کرتے ہیں۔

حلب گاہ میں اختر علی خاں ابھی بہانوں کا استقبال ہی کر رہے
 تھے۔ مولانا طفر علی خاں دو آدمیوں کے ساتھ اپنی فبا گاہ سے
 ہر اٹھ لائے۔ عبد المجید بٹا کو دیکھ کر آنکھوں میں جھک پیدا
 ہوئی اور جہدِ منتہم ہوا۔ بیٹ پر لڑ کر اسٹیں بٹھا گیا۔ عبد المجید بٹا
 کی صدارت میں حلب شروع ہوا جس شخص کی ۳۸ دیر سالگرہ پر
 دلولہ انگیز تقریریں ہو رہی تھیں وہ خود دنیا و مافیہا سے بے نیاز
 نہ جانے کس عالم میں ٹھوٹھا، اس کی آنکھیں مھلی تھیں اور کبھی کبھار
 ان قلیوں کی گردش یہ بھی تہہ دہی تھیں کہ وہ ماحول کو دیکھ رہا ہے
 رکوئی نہیں تھا سکت، یہ پیچھے حلب و مشاعرہ ختم ہوا، الوداعی سلام
 سننے پر چند احباب مولانا طفر علی خاں کی قیام گاہ پر گئے، مولانا کبلیں
 میں لیٹے ہوئے کرسی پر بے حس و حرکت بیٹھے تھے، سارے دن میں
 میرے کان ان کے منہ سے بہرہ ایک لفظ سن سکے اور وہ لفظ بھی
 "زنا" ہوا جلدی سے ہوا میں کھلبلی ہو گیا مبادا کوئی سن لے وہ لفظ
 سننا دعا، الوداعی مہمانہ کرتے وقت مولانا نے حسبِ حوالہ کرم جوشتی

سے ہاتھ دبایا میں نے محسوس کیا۔ مولانا ابھی اپنی یہ عادت نہیں بھولے
 اگرچہ باقی سب کچھ قصہ یار نبیہ بن حیکمے۔
 آخر، دسمبر ۱۹۷۹ء کی صبح مولانا ظفر علی خاں اس
 دنیا سے فانی ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ظفر علی خاں صاحب کی سیاست اچھا فٹ اخطا بہت
 وادب و نشاط کی بنیاد پر محکم ان کی انگریز دشمنی کا جذبہ نصف
 وہ انگریزوں کی غلامی کو کسی طرح برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں
 تھے انگریزوں کے دشمن ان کے دوست تھے۔ مہمان وطن، اور
 جان نثاران وطن کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

بھگت سنگھ اور راج گوردے ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۱ء تک
 شمالی ہندوستان میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان دونوں نے مرزا آسپی
 کے اجلاس میں بم پھینکا اور لاہور میں ایک گولہ سارحٹ کو گولی کا
 نشانہ بنایا۔ اس مقدمہ کی سماعت کے لئے مسٹر ل گورنمنٹ نے
 آئی اے ایٹیل ٹریبونل مقرر کی، ڈیڑھ برس تک مقدمہ کی کارروائی چلی
 نوجوان بھارت بھگت نے مقدمہ کو بڑی اہمیت دی تمام ملک میں دہشت
 پسندی کو تیز کر دیا گیا۔ اکثر جگہ بم پھینکے۔ گاڑیوں کو لوٹا کیا، نوجوانوں
 اور لڑکیوں نے بعض عدالتوں میں تپتول چلائے اور مجسٹریٹوں کو
 گولیوں سے داغا۔ شیر جنگ نے ٹرین روک کر سرکاری خزانہ کو
 لوٹا۔ گرفتار ہوئے اور عمر قید کی سزا ہوئی، بعض ملک میں دہشت
 پسندی پھیلنے لگی۔ ایک روز بھگت سنگھ اور ان کے دونوں ساتھیوں
 کی موت کی سزا کے خلاف سوری دروازہ کے باہر پھلک جلبہ تنہا

اس عہد کی صدارت مولانا ظفر علی خاں صاحب فرما رہے تھے۔ صدارتی
تقریر ختم کر چکے تو شور مچ گیا، شر پڑھے، شر پڑھے، مولانا نے پھر
رسی سجائی اور آپ نے اپنی ایک نظم سنائی جو حسب ذیل ہے۔

نہیں ان وطن سے خونِ ناحق کا جو است نکلے
تو اس کے درہِ درمے بھگت لگے اور دت نکلے
چڑھا، ایران میں منصور انا الحق کہہ کر سولی پر

مزاج ہے کہ تار منڈے ایسی ہی گت نکلے
مسلمانوں نے کتنے نوجوان اب تک کئے پمید

جو آراء دیئے گوارے میں پا کر تربیت نکلے
خدا حافظ مسلمانوں کے اقبال اور دولت کا

خدا کے شہر بھی نکلے تو شیر آغا صفت نکلے
حقائقِ مسلمین کے کچھ بھی نکلے چلے گئے لندن

مگر وہ بھی پرستارِ ان کیش کا نیت نکلے
شہر اس دہِ عالم سوز پر سو جان سے ہے محفل

کہ جس کو چاہے میں جا لکے حریفِ مصلحت نکلے
رسول اللہ کا سم کاڑیں خندا ہمالہ پر

پاکستانِ بزرگ میں گریڈ لائٹس نکلے

سجکت لگے، راج گرو اور سکھ یو کو سٹڈس کی قتل کی یادداشت
میں موت کی سنڈ کا حکم محسوس دے چکا تھا اس مقدمہ کی تمام
مندرسدان میں دھوم مچ گئی تھی، گاندھی اردن سمجھوتہ ہوا تو تمام
کانگریسی قیدی رہا کر دیئے گئے۔ لیکن جو نوجوان کشد کے الزام

میں گرفتار ہوئے تھے اور جس کا تعلق کانگریس کی سنیہ گروہ سے نہیں
 تھا۔ اور جو لوگ اس کے نظریہ کی تسلیم نہیں کرتے تھے وہ اس
 سے دور رہنے سے محروم رہ گئے۔ اور ان کو یہ نہیں کیا۔ ان کی رہائی
 کے لئے نوجوان بھارت سبھا کے اہلکاروں نے کام کیا۔ دیا۔
 جلد ہی منظر پر آئے۔ ان تینوں نوجوانوں کو اور سسرال
 جیل میں بھیج دیا گیا۔ دن چڑھے حکومت نے اعلان کیا
 ان تینوں نوجوانوں کی لاشیں سرج کے کمرے سے ان کی مذہبی رسوم کے
 مطابق جلد کی گئی ہیں لیکن اس واقعہ کی ذمہ داری کسی دن تھلائی۔ ان
 تینوں لاشوں کو سسرال جیل لاہور کی دیوار بیٹھ کر رکھا۔ راتوں رات
 گورہ سپاہیوں کے پہرہ میں ہلچل فیروز پور گنڈا گنڈہ دانا کے مقام
 پر پہنچا یا گیا۔ جہاں سرج کے کمرے سے لاشوں کو منظر کے سامنے
 منظر کے سامنے رکھ دیا گیا۔ سرج کے کمرے کی پہن امر کو
 نے مخبر کی فٹ لڈ کی پرتنا تب کیا اور پرتنا کے منظر کے سامنے
 لاشوں کی چھٹی لگائی، کچھ کٹے مارو، اور کچھ جسم کے اعضا ریلے۔ ان
 کو لاہور میں لے جا کر لاشوں کو دیا گیا۔ یہ ہو کر نکلا۔ جو شہر کے
 مختلف محلوں سے ہوتا ہوا منظر پارک کے راز میں ختم ہوا،
 جہاں میں کسی لاش کا منظر تھا۔ لاشوں کے اس منظر کے منظر پر
 بڑی جوشیلی تقریر کی، سارا جذبہ ارتقاء، زندہ باد کے نعروں
 سے گونج رہا تھا۔ مولانا نے سب میں سب کو ملین نظم پڑھی۔ جو
 فی البدیہہ کبھی اور غور کم کو سنائی۔

توانا توں کے بس میں سے سر پائے تھارت سے
 کروڑوں ناتوانوں کی تنہاؤں کو سٹ کرانا
 دبا دیا کسی منظم مکتی آہوں پر سنبھلے ہیں
 کسی کے آئین کو ساری عمر آئینوں کے زلزلے
 ہے جس سے دل میں آزادی کی دھن ان نوجوانوں کو
 وطن سے عورت کی یادیں میں سولی پر لٹکانا
 بہرہ دین کسی کی راکھ کو سنبھالنے میں
 کسی کی لاشیں رگڑنے کے پار خاک و خون میں ڈھاننا
 مکتب پر پڑھنے کے لئے بہت کچھ آساں ہے
 گرو دشوار ہے قتل و خون فطرت کا بدل جانا
 اردو اس سسٹنٹ کو کبھی نہیں سنبھالنے سے
 خود اپنی ہی رعایا سے بڑا ہے جس کو چمکاتا
 مکان پر عمل کر دو غافل میں تو شہر میں
 یاد کا کام تھا آئندہ اور بد کا آن تو سمجھنا
 زخم پر پھرتے ہیں موزا نے تفریق شہر کی اور اس میں
 آپ نے فرمایا۔ انگریز خدمت نے جس کی جہت قربان سے
 انصاف کی جہت سمجھنے کے لئے رخصت ہو چکی ہے اس سبکدوش
 راجہ راجہ کو تین دنوں پر نہیں لٹکایا ہے بلکہ اپنے
 رشتہ کی لاش جیسا کہ پڑا دسی ہے اس کا عروج اب دھندلتا
 ہوا سایہ ہے۔

مولانا کا سیاست میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ

انھوں نے عوام کے دلوں سے رطاب نوری خوف نکال دیا تھا اور جو لوگ
انگریزوں کے پشتینی دغا دہی کے رشتے میں بندھے ہوئے تھے ان
پر اس بے حجری سے حملے کے رطلکی میاسیات میں انھیں ایک گالی
سنا ڈالا۔

مولانا طغیانی کا سانہ فدا گداز رنگ مجھ رہا بن تھا۔
آنکھیں روشن اور شکر تھیں۔ ان کی بعض عادتیں جیتے ہوئے فطرت
بن چکی تھیں مثلاً صبح کی سیر آپ کا دوا دہہ کا مول تھا۔ آپ ان
خند لوگوں میں تھے جو لاہور میں لارنس کی سیر کو نوردی سمجھتے تھے آپ
زنتر زبیدار سے علی الصباح نکلتے مچھڑی کھاتے ہوئے لارنس
گارڈن یا نہر تک خراماں خراماں چلے جاتے تھے۔ مچھڑی نماز نماز
نہر کے کنارے یا لارنس گارڈن کے سبرے پر پڑھتے۔ چلتے بہت
تیز تھے کبھی بہت سویرے نکل دے تو سبرے کے لان پر
دوڑتے، ڈنڈ پیٹتے اور ٹکڑھلانے لگتے۔ لباس اور خوراک کے
معاملہ میں مولانا بڑے انھیں بطبع اور خوش ذہنی تھے نہر عید انگریزی
وضع کا لباس پہنا بعد میں قومی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے
مشرقی وضع کا لباس شہر داتی پہنتے، یہ خوراک کم کھاتے لیکن
کھانا عمدہ اور لذیذ پسند کرنے تھے چار اور حقہ ان کی زندگی کے
دور رفتی خاص تھے، سفر میں ہوتے تو ملازم اور حقہ ساتھ رکھتے
اور چارہ کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔

زندگانی کے لطف و دہی تو ہمیں
صبح کی چار، شام کا حقہ

کہاں سے لاؤں مضامین غیب کی مٹری
 فلی العیاج اگر چائے کا غرارہ نہ ہو
 اور یہی چائے اور حقہ ان کے احساسِ جمال کو بیدار کرتے اور تخلیقی
 عمل میں مدد و معاون ہوئے بقول چراغ حسن حسرت "ادھر
 حقہ کی لے منہ میں آئی ادھر انگوٹھا انگشت شہادت پر پہنچا
 بینائی پر بل پڑے دھواں ہوا میں منتشر ہوا اور کھٹکتے سے
 شہر سامنے آگیا۔ اب بدنیں پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کلو
 کا بنا ہوا شعر ہے ہاتھ کا بنا ہوا نہیں۔ مولانا عقیدے کے
 اعتبار سے حقیقی شعر۔ لیکن اتنی واسطی کے یہ نصوص حامی تھے
 ان کی آمد لغت کا مشہور شعر ہے۔ ۵

میں کرتیں آید یہی سنبل کی بوسہ و عمر عثمان و ملی
 یوم مرتبہ میں یار ان نبی کجھ فرقی نہیں ان چاروں میں
 مولانا شعر علی خاں کسی کی مصیبت برداشت نہیں کر سکتے تھے
 کوئی مصیبت زدہ اور خستہ حال ان کے پاس آیا اور اس نے
 ان کے سامنے اپنی پریشانی بیان کی فوراً اس کی امداد کے لئے
 تیار ہو جائے تھے خواہ وہ مصیبت زدہ بناوٹی اور ذہنی کہوں نہ ہو۔
 ابہر مرتبہ آئیں جو ان ان کے پاس آیا ہاتھوں کو بوسہ
 اور کمرے کے دروازے پر اس نے عرض کیا، مولانا میں سخت
 بیمار ہوں، ابا جان مر چکے ہیں، مری امی دوسرے کے کپڑے
 پہن رہی ہیں، بھائی اور بہن کا پیٹ پالتی ہیں، بلکہ میرے
 ہاتھ کسی برداشت کرتی ہیں، نفیس تو معاف ہو گئی ہے لیکن

انہوں نے کہہ دیا غلہ کی فیس معاف نہیں ہوئی ہے وہ داخل کرنی ہے
 آئی سارے آپ داخلہ کی فیس کا انتظام فرما دیجئے۔ مولانا نے
 نوجوان کا چہرہ غور سے دیکھا واقعی بول اور فکر مند نظر آیا۔
 بیس سے مڑھ لگا لاجو کچھ اس میں تھا کہ لوسبائی، لوجوان تم
 کے لئے یہ دیکھا ہو سکتا ہے، دوسلوں کو ساتھ لیا اور نیکم دکھانے میں
 لے گیا۔ اس قسم کے یلپیدوں واقعات آتے دن پتہ آتے تھے
 مولانا ظفر علی خان صاحب بڑے حاضر جواب شخص کسی نے

کہی تھو دیا یا طنز یہ بات کہی فوراً اسی انداز کا جواب مل جاتا تھا
 اور زہیدار سے آئے دن غائبیت لے جاتی تھیں اور صفحہ کی حاتی
 تھیں سے ڈیکٹر لٹین چل گئے جاتے تھے۔ ایک شخص کے نام
 پر ڈیکٹر لٹین لیا گیا تو وہ بالکل ان پڑھ تھا۔ مقدمہ کی سماعت
 شروع ہوئی تو بڑا ہیٹ نے مولانا سے سوال کیا۔

”ایک بار سے ظاہر سے کہ اعتبار زہیدار سے کہ ڈیکٹر لٹین جس
 شخص کے نام سے وہ بالکل ان پڑھ ہے۔ آپ تباہ کر ان پڑھ
 آدمی اعتبار کی لکھو ان کی کس طرح کر سکتا ہے۔“

مولانا ظفر علی خان نے جسٹس کو جواب دیا۔
 ”جس طرح رنجیت سنگھ کا بڑا بیٹا رہتا تھا۔
 مسیحہ شہید گج کی تحریک کا زمانہ تھا۔ حکومت نے تحریک انصاف
 کی روک تھام کے سلسلہ میں اخبارات پر یہ پابندی لگائی کہ وہ لینڈ
 آرٹیکل شائع کرنے سے قبل متعلقہ حکام کو دیکھا جائے اور اس کی
 باقاعدہ منظوری لیں۔ شیخ فضل الہی ان دنوں محکمہ انفا و مشن کے

ڈانڈ کر رہے۔ منبر کے اس انتظام کی نگرانی انھیں کے سپرد تھی
 اخبار زینبدار کو بھی یہ ہدایت موصول ہوئی۔ چونکہ مولانا ظفر علی خاں کے
 بیٹاں قلم سے حکومت کو سب سے زیادہ خوف تھا۔ ہدایت کے مطابق
 مولانا ظفر علی خاں نے زینبدار کا لیڈر کلمے کے بعد شیخ فضل الہی کو بھیجا دیا
 اخبار پر روز باقاعدگی سے شائع ہوتا تھا۔ ادھر حکام کی جانب سے
 لیڈر کی منتظر کی یہ ناخبر ہوئی، مولانا کی خدا داد دہانت نے یہ موقع
 ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ انھوں نے اس بات مانع کرتے ہوئے
 ادھر یہ کام مکمل خالی رکھا۔ البتہ اس کے درمیان یہ شعر
 اکھنڈ ہوا۔

یہ ہے اس لیڈر یہ ہے فضل الہی کس قدر
 شہر شہر نشہ نقطہ نقطہ نذر منبر ہو گیا

حسن روز میں اس کی پوری سرکار نے مولانا کا پرہیز صنف کر کے ان کو
 حیل میں ڈال دیا تھا۔ اس زیادتی نے مولانا کو زیادہ پر جوش
 اور میاں بنا دیا تھا۔ حق گوئی کے حاملہ میر، ان کا کردار نونہا کی طرح
 بے نیکی تھا۔ انھوں نے اس زمانہ میں قبل میں آہٹ نظم کہی اور اسے
 جس سے باہر بھیجا دیا۔ شاہی محل میں بعد از اس کے ایک
 خوشحال جوان نے یہ نظم پڑھ کر سنائی۔ جس کے دو اشعار
 یہ ہیں۔
 دوا اپنے دل کے اندر اک یہاں موجود یا تاہوں
 اسی کی سلطنت اچھی، اسی پہ اختیار اچھا
 مری روزنہ کی قرق اس نے مری سرکشی پر بھی
 خداوندان لندن سے مرا پروردگار اچھا

مولانا ظفر علی خاں کا انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی میں ترجمہ کرنے کا کوئی مد مقابل نہیں تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا مشہور اور تاریخی اجلاس منسٹر پارک میں ہوا تھا۔ جس میں تزار داد پاننان مسطور کی نعتی، قائد اعظم کی صدارت میں اس اجلاس کا آغاز ہوا۔ قائد اعظم نے انگریزی زبان میں سولہ آلا را خطبہ صدارت پڑھا جس کے ترجمے کی خدمت مولانا ظفر علی خاں کو تفویض ہوئی۔ صدارتی خطبہ ختم ہوتے ہی مولانا اسے اور قائد اعظم کی انگریزی تقریر کا ترجمہ اس قدر شگفتگی اور روانی کے ساتھ کیا کہ سامعین حیران رہ گئے کہ اس برسی میں مولانا کا حافظہ قابلِ داد تھا کہ ان سے طویل خطبہ کو انہوں نے یاد رکھا اور پھر اپنی خدا داد ذہانت کی بناء پر اردو ترجمہ کی کلیائی چمکا دیں۔

مولانا ظفر علی خاں نہا جب جب کنک کانگولس میں رہتے توجوانوں کے ساتھ ہے۔ ان کا ذہن حقیقتاً باقی تھا، ہمتیہ چاہا کہ انگریز حکومت کوئی ہنگامہ لیا جائے توجوان سرکف نکلیں برطانوی تابوت میں آخری بچ ٹھک جائے۔ لیگ میں گئے تو اسی ذہن سے گئے۔ عمل کڑھ کے طلباء نے مینا جی سہاش خیر بوس کی گرفتاری کے خلاف مڑتال میں حصہ لیا، تو پولی سے گورنر نے برا بھلا کیا۔ اس وقت کانج کے دانش چانسلر سر ضیاء الدین سے انہوں نے بیان جاری کیا، طلبہ کا مڑتال میں حصہ لینے کا سوالی ہی پیدا نہیں ہوتا، سر سے مڑتال ہی نہیں ہوئی، مولانا لیگ کے جبر تھے۔ انہوں نے سر ضیاء الدین کی اس حرکت کو جھٹ پندی

اور کلسہ لمبی کی اجھوٹی مانجی تزار دیا۔ اور ایک نظم کہ دالی، ہر کیف مولانا کا گھوٹ میں گئے تھے تو حق گوئی سے باز نہیں آئے۔ مسلم لیگ میں متورلین کی تو دیاں بھی یہی روش اختیار کی۔ خوش آمد اور قلم سے کبھی واسطہ نہیں رکھا، آزادانہ روش پر ہمیشہ قائم ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کی ابتدا اعلیٰ گزھ میں طالب علمی کے زمانہ میں ہوئی دیاں سے حیدر آباد، کن گئے جہاں شعور سخن کی مجلسیں گرم تھیں استاد داغ اور مولانا شبلی نعمانی وغیرہ تھے اس ادبی ماحول میں مولانا کی تخلیقی صلاحیتیں کام آئیں۔ حیدر آباد سے پنجاب آئے اخبار۔ زمیندار کی ایڈیٹری سنبھالی، پنجاب ریلوے جاری کیا۔ علامہ اقبال اور دیگر نشا عروں اور ادیبوں کی صحبت میں بیٹھے، مصحف کے ساتھ ساتھ سیاہی سرگرمیاں بھی تیز ہوئیں، طرابلس اور بلقان کی جنگوں کے جذبات، میں انفعال پیدا ہوا۔ تو جنگی واقعات پر جذبات انگیز نظمیں لکھی جانے لگیں، جو اخبار کی زینت بنی گئیں، ان جنگی نظموں میں کبھی کبھی ایسی نظم بھی تخلیق ہو جاتی تھی جسے موضوع اور طرز فکر کے لحاظ سے مستقل قدر کا حامل کہا جاسکتا ہے۔ اس دور کی طویل نظمیں سمندر کی رودانی اور تنہا کی جلائی اور لندن، اور سوانہ گلستان کی یاد گار ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران میں مولانا کو نظر بند دیا گیا۔ اسی زمانہ میں شاہ رفیع قار کی کیا۔ اس اخبار کی بیشتر نظموں میں اسلامی تاریخ کے درخشاں واقعات پر طبع آزمائی کی اور مولانا اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا ان نظموں کے ذریعہ اجاگر کیا۔

اسلام کی نوریت کا اثر نہ تاپا ہوا کیا اصل حقیقت یہ ہے داد و سندر کی

نبی ام سر لایا، پھر صبح کا سیارہ

خورشید کے حمزہ سے پھر جا در شب سر کی

جب ستارہ صبح مہفتہ دار کے قبی نے روزانہ نکلنے لگا تو شہری
موسموعات بھی بدلنے لگے۔ صوبہ بکرم اور قادیانوں سے سڑک آرائی
شروع ہوئی۔ توبہ شہر کا گولہ بارود کام آنے لگا، ایسی جنگ عظیم کے ختم ہونے
کے بعد ملک میں خلافت ترک مولانا کی تحریک شروع ہو گئی تو مولانا کی
قوی ایسا ہی ستارہ عری اپنے عروج پر پہنچی اور مولانا کے جیل سے لے کے بعد
ملک بھر سے اور مولانا کی نعرہ کا ایک نیا طرز یہ در شروع ہوا، جریدہ تر
جنگ کا جی و جذباتی تھا۔ صحت شکن تبلیغ و تنظیم، مسلحانہ سازش
کمیٹیں، محکم کی تحریک، تحریک کثیر، محاسب احرار، شہید ٹیچر، کانگریس
اور مسلم لیگی مناقشات، اور اسی قسم کے ہمدما فتنوں نے سراٹھایا۔
مولانا کی اس زبانہ کی نعرہ اس دور کی منظوم ڈار کی حیثیت رکھتی
ہے۔ مولانا نے اپنے معاشرہ میں کوئی بھی نہیں سخت۔ وہ مولانا کی
نیا عری کا انت نہ بنے۔ مولانا نے وطنی شاعری میں اپنا سناؤ اور
ظہر ایسا دیکھا، ایسا ہی نعرہ کے سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہرم
رہن تحریک کے لبرل رجحان کے بعد وہ ان انقلابی رجحانات کے
نمائندے تھے جو تحریک خلافت اور ترک مولانا میں پیدا ہوئے۔
پہلی جنگ عظیم چھڑی تو دیرینہ روایت کے مطابق دس لاکھ فوج
میںہ کو انگریزی شہنشاہیت کے بچانے کے لئے حرب و یکار کی جھی میں
جھڑک دیا۔ لیکن ان سب دنیا داروں کا حملہ کیا ملا۔ رولٹ بیٹ
طوق و سلاسل، جلیا نوالہ باغ، مارشل لا، یہ تھا محکوم مہد رستانیوں

انکی آرزو دن کا حاصل، اس تمام لیس منظر کو مولانا کی ایک مختصر سی نظم "ڈیڑھ سو سال کی دفا دہری کا قصہ" میں ملاحظہ فرمائے۔

میر کی کوشش یہ انتہائی تھی	ہر کسی طرح مجھ سے خوش انگیز
اس کی دھلیز پر چھبکائی تھی	میں نے اپنے غور کی گردن
یہ بھی اک نشان کبریا کی تھی	میں جو حاکم تھا خود بنا محکوم
باپ دادا کی جو کھائی تھی	اس کے قدموں میں ڈال دی لاکر
اپنی تو قہر خود کھٹائی تھی	تاکہ بڑھ جائے آباد اس کی
کون سی ایسی وہ برائی تھی	اس کی خاطر نہ کی جو اپنوں سے
کہ اسی تک مری رسائی تھی	آج میں مریں اور اس کی ٹھوکر ہے
اپنی منیاں آپ ڈھالی تھی	آج نہ مانہوں کہ کیوں میں سے
اس سے کی میں نے کیوں بھلائی تھی	میں سے اپنے لئے کا بھیل پایا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی	کہہ گئے خوب مرزا غالب

ہندگی میں سب اس بھلا نہ ہوا

نمرود کی خدائی کو ختم کرنے کے لئے مولانا ظفر علی خاں صاحب مندرستہ نمبروں کو وطن کی عظمت کا احساس دلاتے ہیں اور سامراجی نئے سیمہ استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لئے انھیں "دعوتِ عمل"

دینے لیا ہے

تو باطل کے آگے نہ گردن جھکاؤ	اکرم! تم سے ہے کچھ سچی لگاؤ
اب اپنے مقصد کو بھی آڑ مار	خدا صفت کو تم نے لپیٹا آڑ ما
چھپے ہیں جو اس میں وہ جو مرد کھاد	جو تم میں ہے وہ ہے جان بند
زمین پر اس انداز سے جھکے گاؤ	نیک ہر مرد: ہر پڑ جائیں ماند

بہا بہی آجائے گروہ میں
 تو ٹھکرائے آگئے سے اس کو مٹاؤ
 آئے تم سے گنگا بھی گربے مرغی
 لیٹ کر الٹ دو تم اس کا بہاؤ
 زمانے میں روشن کرد، نام ہند
 ہر اک ملک کا ہاتھ میرے کئے اول
 تسبیح گرسے مندریں کا جہاں
 رہا ہ تم مسئلہ اول کا خون بہاؤ
 زمین ہو جب اس خون سے لانا
 تو اس پر رب و اخوت کھھاؤ
 یہ لانا میرا دختر کی اقتدار
 سمجھ لو اب اس کا بھی ہے چل چلاؤ
 کسی روز خود غرق ہو جائے گی

بہت بہہ چکی ہے یہ کاغذ کی نادر

مولانا ظفر علی خاں اور مندرستان کے دوسرے رہنماؤں کی دعوت
 جہاد پر ہندوستان میں نئے کل کب۔ آزادی ہند کے لئے قربانیاں
 دیے کا مسئلہ فریضہ کر دیا۔ جیلوں کی دیواروں کو چریا۔ وہاں کی شہنشاہ
 اور مصائب کو بخوبی برداشت کیا۔ مولانا نے بھی جیل میں زندگی نہائی
 اس وقت کی جیلوں کا نقشہ مولانا کھینچے میں سے
 پیٹے ہیں جیل میں چکی، اسیران فرنگ

آجائے گروہ میں دوراں ہے زمانہ ان فرنگ
 پاؤں میں بڑی گلے میں تھی اور ہاتھوں میں داغ

امت مرحوم پر کیا کیا ہیں احسان فرنگ
 صبح کو گھر بھی سے دھنسل تمام کو رملی سر

ہم ہے اس نشان سے رسول کی مہمان فرنگ
 ہم یہ بختوں کو مدین بھی ملا سیاہ ہو کر
 کیوں کر ہے روغن کی زردی حصہ خزانہ

انگریز سروسٹن سے پر قدم پر اختیار کرتا تھا اور ان کو حفاظت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ لوگوں میں عدالتوں میں سروسٹائیوں کی تو میں نہ تھا۔ سروسٹن میں کوئی سروسٹائی سفر نہیں کر سکتا تھا۔ انگریزی جوتی پہن کر عدالت میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ جیلوں میں بھی کسی امتیازی سموت اڈا یا سروسٹن صاحب کا مولانا ظفر علی خان نے پرزہ فائن کیا ہے۔

آج جس کی خطا سے کرنا کا۔ لے میں
 بی بی سے میں ان کا بہا جیل سے رکھوا لے میں
 کبھی بی بی کوئی شہرت، کبھی جیل کا مذاق
 میں سے ہاتھوں میں سبھاؤں کے پڑے چھائے ہیں
 وہ بے بھی ہیں چوری میں، مگر ان کے سے
 جیل سرکار سے۔ گلزار بنا ڈا لے میں
 لے فرق پہ خوف ہے قانون فرنگ
 یوں نکلے ہی تہذیب کے دیوالے ہیں
 اے خدایوں نہیں مظلوم کی سنت فریاد
 پڑتے کیا ترے دربار میں بھی تالے ہیں
 سرج پوشوں کی زبانوں پہ ہے نکیر کا شور
 درجنوں میں دے، تم سبھی لے میں
 تمہارے تری امت کو نہ کہیں بھی ملے
 ڈی والوں کو اڑھائے گئے دشتالے ہیں
 نشہ ہو جائے گا دولت کا بہت جلد مرن
 ہمدان سے جو اس نشہ کے متوالے ہیں

مولانا ظفر علی خاں صاحب فرنگیوں کی ریادتیاں دیکھتے ہیں۔ ان کی
عدالتیں جاننا اور میں۔ ان میں نہ کوئی عدل و انصاف نظر آتا ہے
نہ ان کے نزدیک کسی دلیل کی وقعت ہے نہ ان کو کسی نظیر کی پرواہ
اس دور میں اسلئے معنی پر کر رہ گئی تھی، اس کی وجہ وہ صرف
اب بتاتے ہیں اور ان کو ایک ہی رنج ہے کہ ہم غیر ملک کے لوگوں کے
مقام میں،

تجھے کیا نادر میں ہم نشین، مرے غم کا قصہ طویل ہے
مرے گھر کی لٹ لٹا آبرو، بوجہ سے خبر خیل ہے
میں ہی روش کی عدالتیں میں زارے ڈھنگ کے فیصلے
نہ نظیر ہے، نہ دلیل ہے، نہ دلیل ہے، نہ اپیل ہے
ہیں کسی کے پاؤں میں بیڑیاں تو کسی کے گھڑی قرین
گتہ عذاب رنگ کا جسے دیکھے وہ قاتل ہے
ابھی وہ دہاؤ نہیں پڑا۔ جو ڈوبے باپ کی ناز کو
انہیں جاکے کسمداسی نے کہیں دی گئی ڈھیل ہے
انگریزوں نے دیکھا کہ ہندوستان، کچھ پارسی متی ہو کر غلامی کے خزان
میدان جنگ میں کود گئے ہیں۔ ان کا شیر دشکر مونا سماے اقتدار
کے خاتمہ کا باعث بنے گا۔ تو اس نے ہندوستانیوں میں مذہب
کے نام پر سیوٹ ڈھلائی، خدھی سنگھن کا سلسلہ شروع کر دیا، تبلیغ
دین کا نعرہ بلند ہوا ۱۹۲۱ء میں ہندو مسلم اختلافات ختم ہوا اور دارانہ ڈھانچہ
میں ڈھلنے لگے۔ تو مولانا آزاد کی ہندوستان کے بریتان خواہ کی
تفسیر فسادات کی رنگا رنگ سوجوں میں اس طرح دیکھتے ہیں

کشمیر بے کہیں، تو کہیں کانپور ہے،
 پیدا ہوا ایک گوشہ سے یوم نشور ہے
 ہے تار تار پیرا ہن امن دعا نیت،
 زخموں سے جسم بے گنہی چرچور ہے
 زینت ہے اس زمانے میں لیاں کے طاق کی
 وہ مسکدِ قدیم جو خیر المامور ہے
 ہے شہنشاہ کا دماغ، تو وزن سے بے نیاز
 اور برہمن کے عقل کے اندر فتور ہے
 لکھی ہوئی ہیں، سر پہ غلامی کی لہنتیں
 ہے ست سخن کہیں تو کہیں جی حضور ہے
 آ بس کی سپوٹ کر کے رہے گی ہمیں تنہا
 سمجھیں یہ نکتہ کب ہمیں اتنا شعور ہے
 لندن کی گول میز کو ماریوں نے جالب
 لکھنؤ بہ تانہ اندر ابھی دلی سے دُور ہے
 اس وقت بھی اگر نہیں آزاد ہو سکے
 ہندوستان خود یہ ترابی تصور ہے
 سولہ ماہ فظ علی خاں اسی زمانہ میں دم ست قلندر دھر دھر گڑا، جیسی
 نظم کہنے سے نہیں جو کہے، ایسے وقت، یہ مصروفیت یا سیاست کو بالائے
 شان رکھ دیتے تھے۔

احساں کا منہ بڑا ہاتھ میں لے ایمان کا حنفیہ ہاتھ میں لے
 اسلام کا دُور بڑا ہاتھ میں لے دم ست قلندر دھر دھر گڑا

پڑتا ہو جہاں گھسان کا رن جھنڈے کو کلیبا دل میں اڑا
 گرزندہ غیب کی رسم کہن دم مست قلندر دھر رہا
 ڈرنا ہے تو ایکہ اللہ ہے ڈر مڑنا ہے تو اس کی راہ پر مڑ
 اس نقطہ کو رکھ لے عین شعر دم مست قلندر دھر رہا
 خیروں میں نہ مل، انہوں کو کٹ ان کو نہ بڑھا، اند آپ نہ کھٹ
 زرقوں میں نہ بٹ، ہرگز سے نہ بٹ دم مست قلندر دھر رہا
 ست جہول کفن بردوش ہے تو لہجے کے جہول کا جوش ہے تو
 اس جوش میں گردِ موش ہے تو دم مست قلندر دھر رہا
 مولانا کا کوئی سمجھ راہ نہیں ہو گا جس کی انہوں نے تشریف نہ کی ہو گی
 اور نجد میں اس کی ہجو کہتے ہیں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی ہو، ہجو کہتے
 ہیں وہ قصاب کے تبرے کی طرح انہر بجز ملا ڈالتے تھے اور افسدال
 کار راستہ قطعاً پسند نہیں کرتے تھے ان کی ہجو جن موتوں پر لکھی گئیں
 یہ ہنردری نہیں کہ ان کی ہر ہجو کو حق بجانب قرار دیا جائے، جب
 مولانا کا مذہبی کئے ہم خیال تھے تو یہ تشریف دے توصیف کی ہے
 گماندگی نے آج جھنڈ کا اعلان کر دیا
 باطل سے حق کو دست درمیان کر دیا
 منہ درستان میں بیک نئی روح پہونک کر
 آزادی حیات کا سا مان کر دیا
 من من کیا تار خلافت کے نام پر
 سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا

پروردگار نے کردہ ہے منزلت تناس
 گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کر دیا
 جب گاندھی جی سے بھڑکے تو یہ ڈھب اختیار کیا ہے
 بھارت میں بلا میں دوسری تو میں اک سادہ کرکس گاندھی ہے
 اک جھوٹ کا چلتا تھکا ہے ہنس مکر کی اسٹھنی آندھی ہے
 اے سامری ذقت کہ گاندھی ہے تیرا نام
 تجھے ہیں نصاریٰ کا تجھے بندہ بے دام
 میند کوسلاں سے لڑانا ہے ترا کام
 ہم کو نظر آتا ہے جو ہو گا ترا سبام
 اے دشمن اسلام
 تقدیرِ وطن کی اسی دن سے ہوئی کھوئی
 جب شیخ کے تہمت سے ملی تری لنگوٹی
 اور چادر تہذیبِ عرب ہو گئی چھوٹی
 ہم قاتلِ الہام ہیں، تو مائی ادھام
 اے دشمنِ اسلام
 جب لڑانا ابوالکلام آزاد کے سینہ تھے زور دیا ہے
 جہاں اجتہاد میں سلف کی راہ گم ہو گئی
 ہے تہجد کو اس کی جستجو پوچھا ابوالکلام سے
 جب ان کے اختلاف ہو گیا اور راستہ مختلف ہو گیا، تو قلم نے بہ جولانی
 دکھائی ہے
 ابوالکلام آزاد سے پوچھتے ہیں دل جلے

آج کل تم پیشوائے امت مرحوم ہو
 کٹ کے انہوں سے ملے ہو جا کے تم اعیان سے
 سیرہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو
 عداۃ اقبال جب دنیا سے سدھار گئے تو اس وقت مولانا ظفر علی خاں
 نے ان کا مرقبہ تحریر فرمایا ہے

محرمِ محرم بھی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا
 اسلام کے سر پہ ہے قیامت کا گزرنہ
 لکھتے و کابل میں بھی بیعتِ ماتم
 اس غم میں سیاہ پوش ہیں جلد و ثمرنا
 تھا اس کے تخیل کا فنوں جس نے نکھایا
 مہ سال کے سوئے ہوئے جذبات کو ابھارا
 پروردگار اس لئے مسلمانوں کو پی در پس

مرگزنہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا
 ملت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
 لیکن نہیں اس بات کا اشتراک کرنا
 اور زندگی میں چھوڑا جاؤ تپسی

ماگ کر احباب سے رجعت پسندی کی کہ ال
 قبر زادئی کی کھودی کس نے سر اقبال
 کہہ رہے تھے ہوا کٹر عالم یہ افضل حق سے آج
 قہر کی لٹیا کو بودی کس نے سر اقبال نے
 عداۃ محمد علی جب فوت ہوئے تو اس انداز سے اظہارِ غم کیا ہے

دلکش نفاذِ دین کی محمد علی سے تھی
 رنگینی اس جہن کی محمد علی سے تھی

ذوقِ سلیم جس کے مزے سہولت نہیں
 شیرینی اس سخن کی محمد علی سے تھی

میں زندہ جس سے عہد کہن کی روایتیں
 روایتِ اس سخن کی محمد علی سے تھی

اب تک لگی ہوئی جو کروڑوں دلوں میں
 اور تانت اس رس کی محمد علی سے تھی

زندان کو جس نے مطیع الوداع کر دیا
 تابانی اس کرن کی محمد علی سے تھی

اغیار کی گرفت سے اسیدِ مخلصی
 تیغ اور برہمن کی محمد علی سے تھی

توحید سے اصول کی حرمت کے ساتھ
 مذلتِ ہر اک و تن کی محمد علی سے تھی

حضرت مولانا محمد علی سولانا ظفر علی خاں صاحب کے ہم جماعت تھے
 طالبِ علمی کے زمانے سے دوستی تھی۔ لیکن جب وطنِ بھارت کی توالی
 آنکھیں پھیریں کہ تم کون لاریم کون وہ موکہ آرائی ہوئی کہ دنیا
 حیرت میں پڑ گئی۔

یاد ہیں ہم کو وہ دن بھی کہ رئیس الاحرار
 پابِ زنجیر نظر آتے تھے زندانوں میں
 آج وہ دن ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں ان کو

نائب السلطنۃ حید کے ایوانوں میں
 بخت برگشتہ ملتان انھیں لے ہی پہنچا
 لارڈ اردن کی حکومت کے تنازعاتوں میں

چائے کی ایک پیالی یہ دہ سچیں ہم کو ،
 یہ بھی اک فصل ہے اسلام کے افانوں میں
 مولانا طفیل علی خاں صاحب مجلس احرار اسلام کے ہانپوں میں تھے
 اند اس جماعت کے رہنماؤں میں شمار ہوتا تھا جب اس کے
 رہنماؤں سے اختلاف پیدا ہوا تو زندگی بھر جاری رہا احرار کو اس
 بیدردی سے کھچلا جس کی وجہ سے کئی حادثے پیش آئے اور ایسی
 جلی کٹی گئی کہ پناہ بخدا ، احرار پر جس برس کی ہے اور لگاتار
 حملے کئے میں وہ تاریخی سانحہ ہے ۔

مہم دوں سے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے
 گنگہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے
 جو بوند مرے خون کی مہاجن سے بچی تھی
 پنجاب کے احرار ستم پیشہ نے چوسی
 اللہ کے قانون کی پہچان سے مبزار
 کافر سے موالات ، مسلمان سے بنزار
 اس پر ہے یہ دعویٰ کہ ہیں اسلام کے احرار
 احرار کہاں کے یہ ہیں ، اسلام کے غدار
 بے گانہ ہیں بد بخت ، یہ تہذیب عرب سے
 دُرتے نہیں ، اللہ تعالیٰ کے غضب سے

مل جائے حکومت کی وزارت کسی ڈھب سے
سرکار مدینہ سے نہیں ان کو سرکار
نجات کے احرار

مولانا ظفر علی خاں کی نظر و نظر سے غضب آلود ہو کر کسی ہائے نے
گم گم خط میں مولانا کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ اس پر مولانا نے جو
نظم لکھی اس کے چند شعر یہ تھے ۵

اے کفر کے خیر نکھار اپنی کمین سے
مرگت میں حاضر ہوں مجھے متوق سے رقت
بیری بیری پیر کی طرح سے یہ تمنا

مولانا رہا رہا کے ادھر زندہ ادھر قتل
سجارت کی فضا گونجے گی اسلام کی جے سے
جس دن خبر آئی کہ ہوا آج ظفر قتل

مولانا ظفر علی خاں صاحب خوشامدیوں امداد بن الوقت لوگوں کے
سنت مخالف تھے اس قماش کے لوگ آپ کی فلم کی زد میں آتے رہتے
تھے۔ چنانچہ ملک عمر حیات خاں ڈوانہ جو انگریزوں کے بڑے حامی تھے
ان کے ہاٹے میں کھستے ہیں ۵

ملتی رہی جن کو ہاٹے لہو کی بھینٹ
ہیں اس صدمہ کدے کے صدمہ سر عمر حیات
انگریز ہی نے غم سے نہ جب لے لے نجات

کیا کھائیں اپنی قوم کا غم سر عمر حیات
مرتبہ اس ذلیل خوش بد کا چھوڑ دیں

ہم پر کریں بڑا ہی کرم سر عمر حیات
 نادر اور اچھوتے قافیے لڑنے اور ان کی بر خستگی کے ساتھ
 کلام میں کھپانے میں مولانا ظفر علی خاں کو مدد ملتی تھی مولانا کی
 میدان میں جا بلکہ دست شہسوار تھے اسٹوں نے مشکل سے مشکل
 قافیوں پر طویل تعلیم کی تھی قافیے تنگ کر کے مولانا کو اپنے اس فن
 پر منحصر اور نادر تھا ہے

نوا سبجان دہلی کو صلائے عام (دنیا ہوں)،
 کرواد فکروں میں ان قافیوں میں ان ردیفوں میں
 اچھوتے اور نادر قوافی مولانا کس طرح استعمال کرتے تھے ملاحظہ ہو
 ساقی من کے ساتھ ڈھائی من کا قافیہ
 سوا گت ہے زرا لا سا گن کا
 چٹا آئے ہی گول لڑھائی من کا
 اکبر الہ آبادی نے سہولہ میں ردیف کہے تھے جس کا مطلع یہ تھا
 پکالیں میں کر دور دنیاں تھوڑے سے جو لانا
 ہمارے کیا ہے بھائی ہم نہ سڑ ہیں نہ مولانا
 اس زمین میں مولانا ظفر علی خاں صاحب نے فوشر کی نظم کی ہر قافیہ
 اپنی سنگینی اور معنی آخری کی شہادت دے رہا ہے
 زمین مگلاخ اکبر نے کیسی ملتنب کی ہے
 کہ مشکل پر کیا اس میں قوافی تو بنو لانا
 جلی لندن سے اک آندھی چین میرا اڑانے کو
 غضب ہے اس میں رزن کا بھولا بن کے بولانا

چڑھا کر مری کا باری تو اپنے ممبر پر
 کیاں میں آپ مولانا جو تھے بالفصل مولانا
 بھائی اگر اس بت نے حلقہ کاری کی چھٹی
 اور اس پر ہم سے کہتا ہے وفا دہی کی بولانا
 بھائی اگر کو جس نے جس وفا ناک کی صورت
 اسی دریا کی ہاں اے نا خدا سچراک نہ لانا
 حرم مصطفیٰ کے بام و در جس سے دروازاں میں
 مرے احوالے قبیل میں اسی شعل کی ہولانا
 صلح الدین نے فصل صلیبی جس سے کافی نسی
 درانتی اسی پلاں لڑکی منہ کام درو لانا
 کہیں میں جا حد دے نوے سیم کو نہ لڑا دل
 یہاں نوں گرم ہے پہلے ہی اور اس کو نہ کھولانا

یہاں طوماروں کی سیاسی دادی نوک جھونک اور یاد گار کے
 سب سے سب سے صبر مند و اخبارات کے مالک و ایڈیٹر دن جہان
 نہایت بہت بہت خوش حال چند ملاپ ، لالہ لاجپت رائے نے
 دلی لکھنؤ دہلی دیر سہارن وغیرہ سے ہوئے ، مولانا
 نے سب ایڈیٹر نامک چند نام کے کلام پر اعتراض کرتے ، کبھی
 بیان نکالتے ، نامہ صاحب اس کا جواب دیتے اور مولانا کی
 علم و طبع آنا کی کرتے اور منگلاخ تانیوں پر کہنے کی
 آتے تھے لیکن مولانا کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے ، نامک چند نام

نے ایک نظم کہی جس کا ایک شعر تھا ہے
زمیندار آدھے لگایا سے قافے جن کر
کہ جیتے قافے تھے اس زمین میں آگئے آئے
مولانا نے نازہا جب کے جواب میں ایک طویل نظم کہی جس کا ایک شعر
یہ بھی تھا ہے

ہاں نہ ناز کی تان نوا سخی کے میں صدے
بھلایا اپنے گھر کا قافیہ ہی شری ت نے
نازہا جب خاموش نہیں بہت بہاں تک کہ وہ بھی صحت سے سخاوت
پیرائے تو مولانا کو بھی ناز آگیا۔ کہتے ہیں۔
ناز کی دھوٹی اب آئی زینہ اہلی جون میں
حور اس کا کھل گیا نازنگ کی تیلون میں
مولانا نے غزلیں نہ ہونے کے برابر کہی ہیں۔ اس نے کہ مولانا
کو عشق و محبت کی وادیوں سے گزرنا نہیں پڑا اور ان کا ردِ قی
لطیف عشق و محبت سے آشتیا نہ ہوا۔

ایک مرتبہ مولانا سے نورش کا تمبیری نے دریافت کیا۔
مولانا آپ نے کبھی عشق بھی کیا ہے تو مولانا کھل کھلا کر منہ
پڑے سورش نے جب یہ سوال دھرایا تو مولانا دے سنجیدہ ہوئے
اور جواب دیا، لا حول دلا قوتہ یہ بھی کوئی سوال ہے۔
سورش :- ہم ناز عود کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی ناز عری اکی
طرح پردان چڑھتی ہے۔
مولانا پھر بے اور زمیندارے درق لٹنے ہوئے فرمایا۔

مضیٰ کو اس ہے، چھوڑ دیا خرافات ہے، بیٹے ہر عشق کیا
 اور حسن کیا۔ وہ دل کی خرابی، یہ نظر کی رنجوری،
 مولانا کی اس طبیعت و خلعت کے بعد عقیدت عریٰ کیسے ہو سکتی
 ہے خیالِ نمونہ مولانا نے انداز میں سات آٹھ غزلیں کہیں حمد کا انداز و
 طرز ہے۔

بڑھا ہے آگے کو روزِ روشن، ہٹی ہے پیچھے کو راتِ کالی
 سحر گیا آسمان کا سید، یونی سناروں سے بزمِ خالی
 لب سے سبیل کو زبردیا، جگائے سورج کو چاند رو دیا
 یہ تعنت تہی ہے اعتدالی، کہیں حسبِ دل کہیں مہمانی
 خدا ہے معصوم اپنا اپنا، الگ ہے تقدیر اپنی اپنی
 باپ ہے اس نوح و نسل نے کہی کو بوسہ کسی گھگھالی
 دکھا کیا طبعِ نکتہ رس نے میرے قلم کو سنوڑی (میں)
 جہاں اوروں کا، جہاں اچھوڑا، زمین نیچے اور روشِ زمالی
 مولانا طغی علی خان کے کٹر دشمن بھی مولانا کے خلوص، نیک نیتی، اسلام
 دوستی اور حب الوطنی سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ شاعرِ شرقِ علامہ تہاں
 دربانے ہیں۔
 علامہ علی خان "تے قلم میں مصطفیٰ کمال کی تلوار کا بانگین ہے انھوں نے
 مولاناؒ کی بجا بگویند سے چھوڑنے میں بڑے بڑے سرسے سرسے
 میں
 حصر۔ علامہ مولانا سید تہاں ندوی کا ارشاد ہے۔

ازاد ادب نے تین کامل الفن استاد پیدا کئے ہیں،
محمد رفیع سودا، اقبال آبادی، طفیل خان۔

امداد صابری

چوڑی دالان، دہلی
۳۰ نومبر ۱۹۸۲ء

تالیف کی وقتیں

میر نے جب سبھی اپنی کسی کتاب کی طباعت کا خیال کیا، تو اس وقت پیسے کے اعتبار سے اپنی جیب کو خالی پایا۔ جن مشکلات میں میری کتابیں چھپی ہیں، وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ میری کتابوں کی طباعت میں خداوند رب العزت کی ہر باتیاں اور عنایتیں داخل ہوتی ہیں۔ جب سبھی کوئی کتاب طبع ہوتی ہے، تو خداوند رب العزت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

تاریخ صیفت اردو جلد چہارم کی جس زمانہ میں کتابتِ طباعت شروع ہوئی وہ بڑا پریشان کن زمانہ تھا۔ کاغذ بے پناہ دھنگا تھا آفسٹ کی چھپائی کی وجہ سے لپیٹ کے کاغذوں کا کال تھا جو کتاب ملا انتہائی غیر ذمہ دار اور گھٹیا ملا۔ چنانچہ اس عہد کا کاغذ انتہائی خراب تھا اور کتابت بھی انتہائی سولی درجہ کی ہوئی لیکن جب طبع ہوئی تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوا کہ اس

نے اتنی بڑی ضخیم کتاب چھپوا دی۔

میرے کرمفرما خباب تنویر علوی صاحب کی عنایتیں ناقابل فراموش ہیں، اسی طرح سعید خاں صاحب کی ہمت، اعزائی بھی میری تصنیف و تالیف میں عمدتاً ثابت ہوتی ہیں، یہ دونوں حضرات امری تصانیف کو قدردانیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دوسروں سے بھی قدردانیت کرتے رہے ہیں، خباب تارخ صاف اردو کی جلد چھپا کر رسم کی رسم اجراء کئے، ایک ٹیم کی تشکیل کی۔ جس کے ارکان حسب ذیل حضرات تھے۔

ڈاکٹر غلطی انجم، خباب ذہین نقوی صاحب، خباب مصلحی راہی صاحب، خباب سائغر نظامی صاحب، خباب تنویر علوی صاحب، خباب بہار برنی صاحب، خباب افغان نجیب آبادی صاحب، خباب حمید احمد صدیقی صاحب، خباب قمر نقوی صاحب اور خباب حسن ثانی صاحب، اس کمیٹی کے کنوینر خباب تنویر علوی صاحب مقرر ہوئے۔ اس کمیٹی کی میٹنگ ہوتی جس میں تاریخ صاف اردو کی جلد چھپا کر رسم اجراء کی تاریخ سوور سنہ ۱۳۷۱ء مقرر کی، اور تمام اجراء نائب اکبری لہجی حضرت نظام الدین ادلیہ انتی دہلی تجویز کیا، اور استقبالیہ کمیٹی کی تشکیل کی، جس کا صدر خباب گل دیب نیر صاحب کو بنایا گیا۔ کتاب کی رسم اجراء کے ساتھ یہ بھی طے کیا گیا کہ میرے پاس اردو کے جو قدیمی اردو کے اخبارات درمائل ہیں اس کی بھی تلاش کی جائے، تلاش کے اقتراح کے لئے خباب ایل کے ایڈوانس صاحب دیر نشر و اشاعت تاریخ صاف اردو کی رسم اجراء خباب بیم دتی منڈن جھوگٹا مرکزی وزیر

میرا دلچسپ اور اجلاس کی صدارت بھی جناب فضل الرحمن صاحب مقرر ہوئے اور مقررین میں جناب ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر قمر بٹیس، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر تنویر علوی، سید ضمیر حسن اور ادا دھاری تجویز ہوئے۔

چنانچہ اس رسم اجراء کی اشاعت و اطلاع دی گئی۔ جناب ڈاکٹر تنویر احمد علی کنوینی نے حسب ذیل ابتدائی سرکلر مندرجہ ذیل کے اراکینوں اور صحافیوں کو روانہ کیا۔

مولانا ادا دھاری کے علمی کاموں کا اعتراف کرنے والوں اور ان کے مددگاروں کی یہ تجویز ہے کہ مولانا موصوف کے گراں قدر علمی کاموں کا تادیق و تصحیف اور دو کی چوتھی جلد کی اشاعت کے لئے کوئی جامع مجلس بنائی جائے۔ اس مجلس کے ایک نمائندہ بن جائے۔ اس مجلس کے تارخی کردار پر سینار منعقد کیا جائے۔ اس مجلس کے تارخی کردار پر سینار منعقد کیا جائے۔ اس مجلس کے تارخی کردار پر سینار منعقد کیا جائے۔

اس نمائندہ کا مقصد اردو پریس اور ملیت کی ان تاریخی روشتوں میں لانا ہے جو اس نے ہماری سماجی، اقتصادی، سیاسی زندگی میں انجام دی ہیں، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہم نے قوم کی آزادی کی خاطر اپنی عزیز جانیں قربان کر دی ہیں۔ مولانا محمد باقر مدظلہ اعلیٰ اردو اخبار انٹرنیشنل

میں سے ایک ہیں جنہوں نے ۱۹۴۷ء میں قومی باغیوں کا ساتھ
 دیا اور بہادر شہداء کی طرح شہادت کی اور اس کی یاد اس
 میں شہادت حاصل کی۔ اردو صحافیوں کی ایک بڑی تعداد آزادی
 کی قومی جنگ سر فزوشن وطن کے ساتھ شریک رہی اور انگریز
 حکمرانوں کے ہاتھوں سخت سزائیں پائیں اور ان میں سے کئی
 اردو صحافی نیت ہماری پھیل ڈیڑھ صدی کی قومی تاریخ کے
 نہایت اہم اور مستند ماخذ میں سے ہے۔ مختلف طبقات، اور
 مختلف خیالات کی رُخساری اس کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ اردو
 اخبارات کے مطالعہ کے بغیر قومی جدوجہد کی کوئی تاریخ مرتب
 نہیں کی جاسکتی اور آزادی وطن کی تحریک کے مراحل کو نہیں سمجھا جاسکتا
 مولانا امجد علی جالپوری جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ ایک عوام دوست
 ایک انقلاب پسند اور ایک سیاسی رہنما ہی نہیں بلکہ ایک مفتوحہ
 عالم اور ممتاز مصنف ہیں۔ اسٹون نے خدمت اور خلوص کے گہرے
 جذبات کے ساتھ برسہا برس تک اردو زبان و ادب کی خدمت کی
 ہے، اپنے دل و دماغ کی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ مختلف
 محاذوں پر کام کیا ہے۔ وہ جانتے کتابوں کے مصنف ہیں۔
 تاریخ صحافت اردو ایران کا تاریخی کام ان کی ادبیات میں سے
 ہے۔ جس نے بڑے پیمانہ پر ہمارے نفاذ اور تحقیقی کام
 کرنے والوں پر ایسا اثر چھوڑا ہے، اس موقع پر اس کتاب
 تاریخ صحافت اردو، جلد چہارم کی رسم اجرا بھی عمل میں آئے گی،
 تفصیل پر مدگرام پیش کیا جائے گا۔ نوری احمد علوی، کنویر اجرائی
 تاریخ صحافت جلد چہارم

۲۴ ستمبر کا دن آگیا۔ پہاں بھی آنے شروع ہو گئے، دقت سے پہلے غالب انبیہی ہال سمجھنا شروع ہو گیا۔

لیجے ایڈوائی صاحب بھی آ گئے۔ لال ریشمی فیسے کو کاٹ کر اسموں نے اردو کے قدیم اخبارات و رسائل کی نمائش کا افتتاح کیا، ان کے ساتھ سب سے آگے راتم الحدوت امداد صابری اور مخزن بن شہر تھے، میں نے اخبارات و رسائل کو منعطف لایا کہ یہ اخبار کس سن میں جاری ہوا، اور اس کی پلمبی کیا تھی، اخبارات و رسائل کی نمائش کے بعد لوگ آرڈینس ہالی میں پہنچ گئے۔

شرکار علیہ میں حرب دہل حضرت تھے۔

جناب کلیدیہ نیر صاحب، جناب ایل کے ایڈوائی صاحب، جناب سیم دی ندی تبوگنا صاحب، جناب فضل الرحمن صاحب، ڈاکٹر محمد حسن صاحب، ریڈر شعبہ اردو، حو، براہاں نہرو یونیورسٹی، دہلی دیرمین یوپی اردو ایڈیٹری لکچر، ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب، ریڈر شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، جناب ڈاکٹر یوسف حسن خان صاحب دانش چاند سلم یونیورسٹی علی گڑھ، جناب قمر علی صاحب ریڈر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، جناب فلیق انجم صاحب جزل سکریٹری کل ہند انجمن ترقی اردو، جناب عارف بیگ صاحب مرکز وزیر کامرس، جناب عمران چستی صاحب ریڈر جاسو ملیہ کالج دہلی جناب ظہیر محمد صاحب صدیقی ریڈر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، جناب حمید صدیقی صاحب لکچر دہلی یونیورسٹی، جناب راجندر کارگپتا سر دہلی میونسپل کارپوریشن جناب ست

رازن سبیل حیرین اسفند نگار دلی میونسپل کارپوریشن، جناب
 ایم گوپال کھنجر میونسپل کارپوریشن دلی، جناب سید احمد صاحب نائب
 امام جامع مسجد دلی، ناخدا محی صاحب جناب عبدالوحید صدیقی
 صاحب مدیر نئی دنیا، جناب شریف فیضی صاحب ایڈیٹر دین دنیا دلی
 جناب عطی راہی صاحب مدیر ڈاکٹر صاحب دلی، جناب سلامت بندی
 صاحب ایڈیٹر عوام دلی، جناب ناز انصاری صاحب ایڈیٹر الجمعیۃ
 دلی، جناب بہار برکی صاحب ایڈیٹر شہر الجمعیۃ دلی جناب سید باسقم
 رضا بادی صاحب مدیر اخبار قومی، شکیلہ راہپور، جناب عثمان زایدی
 صاحب ایڈیٹر سیاست جدید کانپور، جناب رحمت میر صاحب مدیر
 روٹی دلی، جناب پردہ و دولتی صاحب نائب مدیر میزبان دلی
 جناب وجاہت حسین صاحب نمائندہ پرتاب دلی، جناب گوپال منٹل
 صاحب ایڈیٹر سرکیک دلی جناب سادات صاحب مدیر نادی دلی
 جناب گلانا اخلاقی حسین صاحب جزل سکریٹری تہیہ علماء ہند صدر دلی
 جناب گلزار لکشی صاحب جناب الگن نجیب آبادی صاحب جناب
 رفعت سرور، جناب ذہین نقوی صاحب جزل سکریٹری غالب
 اکیدی دلی اندروسین سنگھ قبر میرو پورٹین کونسل دلی جناب سعید
 خاں صاحب کونسلر، جناب آرم قاری صاحب کونسلر جناب
 قیام الدین صاحب کونسلر، جناب مولانا فقیہ الدین صاحب کونسلر
 جناب رفیقیت دتہ صاحب کونسلر، جناب میر ہادی سنگھ صاحب کونسلر
 جناب داہد سہری صاحب جناب عزیز انوار سہری صاحب جناب الیس
 الیس اشرف مدیر محراب دلی جناب قاری محمد سائیں صاحب ایڈیٹر غریب دلی

دلی صاحب علی محمد صاحب شیر سوات تنولی درگاہ حضرت شاہ ولی اللہ
رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ

بال سہرا ہوا تھا، اسٹیج سکرٹری کے خزانے والے تنویر علی
صاحب کے سپرد کئے گئے تھے۔ سچے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے
شورہ کر کے پرچرام بنایا۔

اسٹیج کو سیریلوں اور گلدستوں سے سجا گیا تھا، اسٹیج کے
سرخی پردے پر تارخ صحت اردو دھچپا م مصنف مولانا
امداد صاحب کا بڑا شیر لگا ہوا تھا۔

حلیہ کی کارردانی شروع ہو گئی، قرآن مجید کی تلاوت سے
بعد ایڈوانسی صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر سنوائی جو حسب ذیل
تھی۔

صدر صاحب، مہاراج صاحب، اکلید صاحب اور بھائیو۔
میں جب ممبر دیونیشن کونسل کا چیرمین تھا اس وقت سے لیکر
اب تک مولانا امداد صاحب سے میری واقفیت و تعلقات ہیں
لیکن میں اس بات کی شکایت کروں گا کہ اس بات کا مجھے کبھی علم نہیں
رہا کہ ان کے پاس اتنا بڑا خزانہ ہے جتنا کہ میں نے آج دیکھا
ہے کیونکہ واقعی یہ خزانہ ہے جو میں نے ابھی یہاں پر تلاش
کے روپ میں دیکھا ہے اور جس کام میں نے افتتاح کیا ہے۔ میں
نہیں سمجھتا ہوں کہ کوئی اکیلا آدمی اتنی پرانی چیزوں کو اتنی
حفاظت سے رکھ سکتا ہے۔ اگر میں یہاں نہ آتا تو اس بات کا
اندازہ نہ ہوتا کہ اردو کے اخبارات اتنے پرانے ہیں۔ ان پرانے

اخبارات کی نمائش کی کارروائی اخبارات میں آتی تو میں سمجھتا ہوں کہ
بڑھ چکی ہے۔ لیکن اخبارات میں پڑھنے سے وہ اندازہ نہیں
ہو سکتا جو خود دیکھنے سے ہوتا۔

میں مولانا صاحب کو اس بات کی بددھائی دینا چاہوں گا
اور اس کا ان کو ابھی لندن کرنا چاہوں گا کہ اسٹور نے اتنی محنت
— سے یہ خزانہ اپنے پاس رکھا جو اردو کے اخبارات کی تاریخ کو
ہمارے سامنے اس روپ میں رکھا ہے کہ اردو اخبارات کی تاریخ
یہی ہے اور کافی پوری ہے۔

آج بھی شاید ہم میں سے کچھ لوگوں کو جانکاری نہ ہوگی کہ
اردو کے اخباروں کا نمبر مندی کے اردو انگریزی کے بعد سب سے زیادہ
سب سے زیادہ شاید ۳۲۰۰ اخبار مندی میں چھپتے ہیں تقریباً
۲۵۰۰ اخبار انگریزی میں طبع ہوتے ہیں اور تقریباً ایک ہزار
اخبار اردو میں اشاعت پاتے ہیں۔ جبکہ باقی زبانوں کے اخبارات
اپنے اپنے صوبوں میں شائع ہوتے ہیں، ان تینوں زبانوں کے
اخبارات کی ذمہ داری سنٹرل گورنمنٹ پر ہے کہ وہ باقی زبانوں
کے جو اخبارات ہیں ان کے بارے میں ضرورت کی جو سرکاریں ہیں
وہ کچھ فکر کر سکتی ہیں۔ لیکن جہاں تک مندی کے اخبار ہیں اور
جہاں تک انگریزی کے اخبار ہیں، اور جہاں تک اردو کے اخبار ہیں
جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے بارے میں جوابدہی
پوری سرکاری ہے اور میری فہمی کی ہے۔

میں مولانا انداد صابری صاحب کو آخر میں اس بات پر بھی

بدعاشی دیتا ہوں کہ وہ پہلے شخص میں جنہوں نے اردو کے اخبارات
کی تاریخ لکھی ہے اردو آج اس کی چوتھی صدی ریلیز ہو رہی ہے
پہلی صدی صاحب کے طلبہ گاہ سے رخصت ہونے لگے
بعد میں دلی ندن جو گونا گونا صاحب ردنی اردو ہوئے۔ آپ کا
شمار تو بڑا دور کے اردو کے بڑے حامیوں اور پرستاروں میں
مختار ہے۔ کلد ب نیز صاحب بھی اس سلسلے پر آ رہے ہیں۔ آئی کل
انکو دیکھنا اور محبوبت پسند میں انہوں میں کلد ب نیز کو
دور کا دور ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے وہ انٹیکس میں
صیغہ کے سربراہ رہ چکے ہیں اور آج کل
کے اخبار۔ سب آپ کا تعلق ہے ایسی صاف گوئی کی
میں آج کے زمانہ میں نظر نہ دے گئے اور مستوجب سزا
میں آج کے زمانہ میں نظر نہ دے گئے اور مستوجب سزا
میں آج کے زمانہ میں نظر نہ دے گئے اور مستوجب سزا

کے مختلف زمانوں میں جس طرح مختلف قومیں اور
کارموتی رہتی ہیں، اسی طرح زمانوں کو بھی
بنا دیتا ہے۔ آج ہم جس زبان کے ایک
بھی کی کو خراج تحسین پیش کرنے یہاں جمع
ہیں ان کی چند مظلوم زبانوں میں سے ایک
ہوئے ہیں وہ دور بھی اس کی

دلش کی سب زیادہ بولی اور سمجھی

جہاں والی اور ملک میں نسیم سحر سے زیادہ لطیف اور مال کی شفقت سے زیادہ پیاری اردو آج ہر طرف سر پرستی کے لئے ایسا سر جو نکار رہی ہے وہ کسی کی حریف اور مد مقابل نہیں ہے وہ صرف اس بات کی آرزو مند ہے کہ اسے اپنے ملک اور اپنے سماج میں خدمت کا بھرپور موقع دیا جائے۔ وہ یہ خدمت براہِ سبب ہی دیتی رہی ہے، ادب کی کوئی صنف اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں اس نے اپنی خدمت کا فریضہ ادا نہ کیا ہو۔ نسیم، فنونِ لطیفہ، سائنس، تکنک، لوجی، شعر و ادب، سیاحت، عسکریت، صحافت، غرض ہر صنف اور ہر شعبہ میں اردو کی خدمت کا ایک فوہل سلسلہ پایا جاتا ہے۔ آزادی کی لڑائی میں جتنی خدمت اس زبان نے کی ہے اور جو قربانیاں اس کے صفا قبول ادبیر اور شاعرین نے دیں وہ اپنی جگہ ایک روشن حقیقت ہیں۔ پانِ آزادی کے بعد تعبیر کے دور میں اس زبان کو اپنا حق ادا کرنے کا موقع ضرور بغیب نہیں ہوا۔ اور یہی اس ملک اور اس زبان کی بڑی مظلومیتوں میں سے ایک ہے۔

میدانِ ستار کی ترکیب، آوازِ ادب اور یہانی فی اردو صحافت کا چربی دان کا ساتھ پہلے اور میر سے درست بولانا امداد دھاری صاحبِ مہم سب کی طرف سے خراجِ تحسین سے مستحق ہیں کہ انھوں کی اردو صحافت کی تاریخ جیسے اہم موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کر دی ہے۔ آج اسی کی چوتھی جلد کا رسمِ اجرا ادا کر کے ہم ایک عظیم کوشش کی نقاب کشائی کر رہے ہیں، میرِ خیال ہے

کہ یہ اس لئے برصغیر میں اپنی نوعیت کی دوسری اور اپنی جامعیت اور ہمہ گیرگی کے لحاظ سے پہلی اور ہندوستان میں تو لیفٹ پہلی کو خوش کی ہے کتاب کا موضوع اتنا ہمہ گیر ہے کہ اس کے لئے دراصل ایک اکہڈی کی ضرورت تھی اور انجمن ترقی اردو، اردو بورڈ سیے اداروں کا کام تھا کہ وہ اس موضوع کو ہاتھ میں لیتی بہر حال سولانا صابری ہم سب اہل ملک کی طرف سے شک بہ کئے متفق ہیں کہ انہوں نے اس مشکل موضوع کا انتخاب کیا اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی، ان کی یہ کوشش یقیناً حریف کی طرف سے سراہی جاتے گی اور ان کا یہ جمع کیا ہوا مواد زندہ کئے لئے قیمتی حوالے کا کام دے گا۔

میں اس امر کو بھی اردو زبان کی جو مری توانائی اور صلاحیت کی ایک در علامت سمجھتا ہوں کہ اس کے پکڑنے سے دور میں اس میں جو لفظ پھر پیدا ہوا اور جگہ جگہ ادب عالیہ کے جوشہ پائے تیار ہوئے وہ شاید ان حالات میں ہی اردو زبان میں مشکل ہی سے دستیاب ہوں گے۔ کاش اس زبان کی اپنی سرزمین سے اجنبیت کے دائرے کے کچھ اور کم ہو جائیں تو ہمارے ملک محسوس کرنے پر مجبور ہو گا کہ اس زندہ زبان کی خدمت سے محروم رہ کر ہم سب نے میں سال تک اپنی ہی نقصان کیا تھا۔

مرحمت کے دلی، پوری وغیرہ میں اسے بہت پہلے سکاری حیثیت دے کر روزگار سے جوڑ دیا جانا چاہئے تھا جو کہ اس کی بقا اور ترقی اور نشوونما کے لئے ضروری تھا، اب

جبکہ نئے حالات میں اور جو بہت مشکل لازم کا ایک صبح بقدر اسرار
ہے ارد گرد کم سے کم یوپی اور دلی میں دوسری سرکاری زبان کا
درجہ دیا جانا چاہیے۔

میں آپ حضرات کا ذاتی طور پر شکریہ ادا کر رہا ہوں کہ آج اپنے
اس مفید تجربی کو تشش کو خراج تحسین ادا کرنے کے لئے یہاں
تکلیف دہائی اور میں متوقع ہوں کہ مولانا امداد علی بھٹائی
کی اس محنت سے نئے مصنفین کی کافی حوصلہ افزائی ہوگی۔

کلمہ بے نبرہ صاحب کی اس تقریر کے بعد جناب سہوگنا
صاحب نے خود اپنی خواہش کا یہ اظہار فرمایا کہ انھیں دوسرے
مقروءوں سے پہلے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا جائے
اس لئے کہ انھیں جلد آدر کمیں جانا ہے چنانچہ ان کی اس خواہش
کا احترام کیا گیا۔

اسٹون نے جب ذیل تقریر فرمائی۔

ماتاؤں، بہنوں اور دوستو!

میں آپ کا انتہائی مشکور اور ممنون ہوں کہ بہت خاص موقع
پر ارداد ادب کے ایک بہت بڑے علمبردار کی حق میں ہونے والے
اس جلسہ کے سلسلہ میں آپ نے مجھے چند الفاظ کہنے کا موقع دیا
مولانا کی ادبی دنیا کی حیثیت میں سمجھ کر کہنا شروع کر دیا
دکھانے کی طرح ہے، اس لئے اس سلسلہ میں میں کچھ زیادہ کہنے کی
ضرورت سمجھ نہیں سکتا، بڑے ادب کے انسان ہیں۔ ایمان
پر ڈٹے رہنے والے انسان ہیں، ایسے عرصہ سے قوم اور دلیں کی

خدمت کرتے آئے ہیں۔ ادبی دنیا میں ان کا اپنا ایک زبردست مقام ہے اور ان کی زندگی کی ساری روشنی گناہوں کی سرخی، گناہوں کے تیروں میں سپاہی سے سجھائی ہوئی ایک مسلسل لمبی کہانی ہے۔ اس کے سلسلہ میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ اردو ادب کا اتنا بڑا ذخیرہ اتنا بڑا سلسلہ دار بہت کچھ قلمبند سادگی حیرتیں بولنا کے پاس اور ایک دھڑ سے ان کے خاندان میں چلی آئی ہیں وہ باعث فخر ہیں نہ صرف ان کے لئے، ان کے حامیان کے لئے، دلی کے لئے بلکہ سادہ سادہ اردو ادب کے لئے اور ان سب کے لئے جنہیں اردو ادب سے پیار ہے اور محبت ہے۔

میں اس موقع کو استعمال کیا چاہتا ہوں صرف دو جملے باتیں اردو کے سلسلہ میں کہنے کے لئے ایک عرصہ پہلے حب از پر دلش کا ذکر اعلیٰ تھا تب ایک بار ایک صاحب نے بونی اکبری کے اندر ایوان کے اندر میرے سلسلہ سے یہ کہا کہ آپ اردو کے پیرو کلام ہیں اردو کے سوالی کو کھڑا کر کے از پر دلش کے لئے ایک بھیدہ حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بہت لوگ ہیں، خاص کر جاے جہاں ہندی زبان بولی جاتی ہے۔ اس علاقہ میں زبان کے لوگوں کو بڑا ڈر ہے کہ اردو مقابلہ کی زبان ہے ہندی کے اور جو توہی زبان کا درجہ حاصل ہے ہندی کو۔ اس کے ساتھ اردو کا جھگڑا ہے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اردو کا جھگڑا ہندی کے ساتھ نہیں ہے، اردو کا جھگڑا انگریزی کے ساتھ ہے۔ اردو کا جھگڑا اسی ادب سے نہیں ہے اردو کوئی ادب اردو کو دبا سکی نہیں کتا ہے۔ اردو کی خصوصیت یہ ہے کہ سلسلہء کے بعد فاضل کسودراج سے بدلتا رہتا رہتا اس علاقہ میں اردو کا پڑھنا پڑھنا لکھنا لکھنا

بند کر دیا گیا ہے۔ جب ہم پڑھتے تھے، جب ہماری عمر چھوٹی سی تھی
 ہمیں پتا نہ تھا کہ اٹھویں درجہ تک پندی والے کو اردو، ادر اردو والے
 کو ہندی سائے اور پردیس میں پڑھائی جاتی تھی اور بیٹا کی چوٹیوں
 میں بھی جو اسکول تھے وہاں بھی یہ پڑھائی جاتی تھی لیکن سوراہے کے
 بعد یہ بند ہو گیا۔

ایک اور بات، جب کچھ اردو کی طرف سے پردی کرنے والے
 لوگوں نے اتر پردیش کی سرکار کے اس دفت کے تعینم کے وزیر ڈاکٹر
 سپہر ناندھن کی میں بڑی عزت کرتا ہوں اور سب معاملات میں جن
 کے ساتھ میری رائے بہت ملتی تھی جب ان کو ایک خط لکھا اردو کے
 سلسلہ میں کہ آپ جو کر رہے ہیں، اس کے معنی تو یہ ہیں کہ پندرہ یا بیس
 سال کے بعد اردو نسبت دبا ہو رہا ہے گی نام ہی مارا جانے لگا، تو
 سپہر ناندھن جی نے جواب تو ایسا نڈاری کا دیا، چوتھ میں اس بات کو
 ٹھیک سمجھا ہوں کہ سرکار کے من میں جو ہے وہ صاف صاف کہے
 یہ بات بہت غلط ہے کہ کہے کچھ اور کر۔ کچھ تو سپہر ناندھن جی نے
 جواب لکھا کہ جی ہاں آپ بالکل ٹھیک کہے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ
 ہندی بالکل پھیل جائے اور اردو کو لوگ بالکل بھول جائیں، اس
 نے ہم نئی پٹری کو اردو کے قریب جانے نہیں دینا چاہتے لیکن
 اردو کو کوئی ترازو پر نہ کیجئے، سوراہے کے بعد تو میں کہہ سکتا ہوں کہ
 سال ۱۹۶۵ سے پہلے ہندوستان میں جتنے اخبار ڈیلی، رات لے اور
 اردو کے سلسلہ کا اثر یہ ہے سوانح کی لڑائی جیتنے کے بعد ہندوستان کے
 اندر اور وہ صرف اردو ادب کے ماننے والوں کی سمت اور مسجد اری کہو جہ کر ہے

شاید سرکار کی مخالفت کے بعد کوئی رمان ممکن نہیں ہو سکتی، لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اردو کے ثابت کردیا ہے کہ اگر زبان میں طاقت ہے، اس کا انداز اور غضب کا انداز، قوم اور ملت کے لئے مناسب ہے، اس کے لئے مناسب ہے، اور کوئی دبا نہیں سکتا اور اردو اس بات کا ثبوت ہے۔ مہرستان میں آج حجاز و موجود ہے، اس بات کا ثبوت ہے کہ نہایت جلد ہاں ہے جس کو سرکار کی دینی اور دینی نہ فائدہ کر سکتی ہے نہ نقصان کر سکتی ہے۔ سرکار نے یہ باتی رہی چاہیے۔

دوسری بات جو سرکار کو سمجھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اگر بدلتی میں اگر دوزبان میں جو عصب ہو جائے گا۔ بار میں اگر دوزبان میں جو عصب ہو جائے گا۔ سرکار نے اتنا چھوٹا سا ہے جس کی آبادی دنی سے بھی کم ہے، وہاں دریچ بھی ہے، جس میں بھی ہے اور سوشل بھی ہے اور وہ تو برباد نہیں ہوا۔ انساں جو اتر پردیش اور بہار صرف دونوں کے بلکہ جو سے برباد ہو جائے گا، سمجھداری کا دیوارہ ہے، میں تو ایسا مانتا ہوں کہ اردو مہرستان میں رمان ہے اور جو کوئی اس بات کے نیچے اردو کے سلسلے سے صاف بات نہیں کرتا اور یہ ہیں مانتا کہ بہار میں اتر پردیش میں، مہرستان میں، پنجاب میں اور پنجاب کے بہت سے سبھی یہاں پہنچتے ہیں ان سے بہت ادب سے کہنا چاہتا ہوں، ہریانہ اور پنجاب دونوں کے دونوں اردو سے دوستی نہ رکھیں تو بڑا افسوس احسن ان کو حکمانا اردو کا ہے۔ جب پنجابی صوبہ بنائے گا سچا سچا اردو پرانہ کو الگ بنانے کا چلہ تو ساری لڑائی آپ کی اردو نے لڑی

لائی جتنے کے بعد خادم کو سونے والا نامعلوم مالک ہوتا ہے، صوبہ
 بنا ماچا پتے تھے خیالی کا، صوبہ بنا ماچا پتے تھے حیدر کی کا، لڑائی رہی اردو
 اور جب بن گئے صوبے تو کھو گئی اردو، اور رہ گئے آپ اور ہم تو خدا کے
 لئے سجدائی ان نیت کے لئے اس دنیا کی ادب کے لئے اور اس دنیا
 کی سجدائی کے لئے، اور اس دلیس کے تمدن کے لئے

اردو ایک سنگم ہے۔ جس سنگم سے آپ ہندوستان کی ہمت
 کو عرب ملکوں میں بھی سنوار سکتے ہیں۔ اردو میں بڑی عجیب طاقت ہے
 اس میں عربک بھی ہے، پرچین بھی ہے جس نے حال میں کہا ہے ایران
 کے لوگ آئے تھے ان سے بھی ادعویٰ کیا تھا۔ وہاں بھی کہا۔ جب
 ہندوستان کے ساتھ اس کا بل جڑی ہوا تو ایسی طاقتور چیز بن گئی،
 جسے وہ خود نہ بند کھے ہماری ہندوستان کی جبکہ آزادی کا سب سے بڑا
 نعرہ اور مراد می کا نعرہ انقلاب زندہ باد ہے، یہ عربک اور پرچین کی تادی
 ہندوستان کے میدان میں ہو گئی۔

یہی نہیں ہمارے ملک میں یہ جو اردو ہے اس کا جنم ہندوستان میں
 ہوا کسی علاقہ میں ہوا۔ اس کو اگر مایہ سے بے گھر کر گیا ایسے وطن سے
 اگر بے گھر ہو گئی اردو کے ساتھ ٹری ریڈیاتی ہو گئی اور کوئی اسے کر نہیں
 سکست یا یہ تو پچھلے قیس سال کی بات ثابت ہو چکی کچھ لوگ اب سچی
 کوتاہی میں جو لوگ دن کو دن کہنا نہیں چاہتے جو دن میں دیکھنا نہیں
 چاہتے تو ان سے میری کوئی امید ہی نہیں ہے اردو میں سمجھا ہوا ان
 سے کوئی جھگڑا لکھنے کی ضرورت ہے جو دن میں نہ دیکھے اس سے ملنے
 کے لئے، اور جانور نہ ملے ہیں جو اڑتے ہیں، اس لئے اردو کے

سلسلہ سے جنتا پارلی کو سبھی دماغ صاف کرنا پڑے گا، کچھ لوگ مجھے یہ کہتے ہیں جنتا پارلی میں کئی رائے ہیں ہاں، یہ بات صحیح ہے، کئی دماغ نہیں کئی رائے ہیں۔ لیکن میرے کندھے پر میرا سر ہے میں نے نہ تو لٹکا لٹکا دیا ہے نہ نماز کو قبول کیا کہ اس کا سر اور میل کا ندھا اندھا اب قبول کرتا ہوں کہ کسی لٹکا سر اور میرا کا ندھا، تو میں نے اپنے سر پر اپنے کا ندھے کو رکھ رکھا، دوا دے اس بڑے خادم کو جس کو آپ نے عزت دی ہے ال کو اب مانتا ہوں کہ اس بزرگ کی تلم اند ان کی مدد کو شیش لٹکا ساری محنت سے اردو ادب کو چار جا ند لکھ گئے احمد ان کا ذخیرہ اردو اور ہندوستان دونوں کی عزت کو اونچا کرنے میں مددگار ہو گا۔ ان لفظوں کے ساتھ میں مولانا کو ان کے کام کے لئے بہت بہت مدد عطا دیتا ہوں، مبارک باد دیتا ہوں۔ لٹکا آپ صاحبان کا شکریہ کہ آپ صاحبان نے مجھے موقع دیا میرے خیالات کو اُجاگر کرنے کا۔

جو محسن صاحب کے بعد فضل الرحمن جیلنے تقریر شروع کی آپ نے میرے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

میں مولانا ادا دھاری کا شکریہ ادا کرتا ہوں بہ میرے پرانے دوست ہیں۔ انھوں نے نیتاجی سو سہا ش چندر بوس پر چار پانچ کتابیں تالیف کی ہیں ان کے علاوہ انھوں نے جو خدمت اردو ادب کے ذریعہ ملک اند قوم کی کی ہے اس کو کوئی سہلا نہیں سکتا میں اس پر کڑنا ہوں کہ مولانا دھاری تعریف و تالیف کے کام کو آخری دم تک جاری رکھیں گے، تاریخ صحافت کی یہ ضخیم جلدیں ان کو زندہ یادیں

رکھیں گی اور یہ ان کا تاریخی کارنامہ کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔
 ڈاکٹر حلیق انجم جنہوں نے اس تقویٰ کو کامیاب کرنے کے
 لئے کافی دل چسپی لی تھی آپ مائدہ بر آئے اپنے خیالات کا اظہار
 کرتے ہوئے کہا۔

”میں مولانا صاحب کی علمی خدمات سے ہمیشہ
 غیر معمولی طور پر متاثر رہا ہوں، مولانا صاحب کے علمی کام
 کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ مجھ کو خاص طور پر
 اس وقت ہوا جب غالب کے مکتوبات کے سلسلہ میں یکم
 کر رہا تھا بعض شخصیتوں سے متعلق تفصیلی معلومات مجھ کو
 مولانا صاحب کی تصانیف سے ملیں جن کی تلاش و تجسس
 میں کافی دنوں سے پریشان رہا۔

ڈاکٹر محمد قمر صاحب نے اپنی تقریر میں کہا۔

علمی کاموں کے لئے جیسا لگن، جس لگاؤ جس جذبہ
 اور خلوص کی ضرورت نہ ہوتی ہے اور جس کے بغیر نابد کوئی
 بڑا اعلیٰ کام انجام نہیں پاسکتا، اس عہد میں مولانا امداد
 کی شخصیت کو اس کا مثالی نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

جناب ڈاکٹر محمد حسن صاحب نے تاریخ ادب اردو کی علمی ادبی
 اور تحقیقی گوئشوں کی تکمیل کے لئے اخبارات و رسائل کی علمی
 اہمیت پر روشنی ڈالی، اور اس ضمن میں مولانا امداد صاحب کی
 کی مگر ان قدر خدمات کا اعتراف کیا جس سے ہندوستان
 دیاکتان کے اہل علم فائدہ اٹھا رہے ہیں اس سے وہ لوگ

مولانا کو صرف ایک سیاسی لیڈر اور قومی رہنما کی حیثیت سے جانتے ہیں وہ فی الحقیقت اس سے واقف ہوئے کہ جو علم و ادب کی دنیا میں مولانا کے کام کا کیا مقام اور درجہ ہے۔

ڈاکٹر تنویر علوی صاحب نے مولانا امداد حارثی کی سیاسی ادبی اور تاریخی کاموں پر دو ضخیم ڈیوانی اور ان کی تصنیفات تاریخ جرم و سزا، ترجمحیول کا جہل تاریخ صیانت اردو تاریخ صیانت، ۱۸۵۴ء کے جہل و شہوار دہلی کی یادگار، مہتیاں، دہلی کے قدیم مدارس و مدرسے، دہلی صہتی برادری کی شہتیس، حماد مقدس کے اردو شہوار، جنوبی افریقہ کے اردو شہوار اور داستان شرف کا ذکر کیا، کہ مولانا نے ان کو کسے موضوع پر اپنا وقت صرف کیا ہے یہ ان کی خصوصیت ہے کہ ان کو موضوع پر قدم اٹھانے میں جس پر کسی نے کام نہیں کیا۔

اس اجلاس کی کارروائی میں درستان پاکستان کے اخبارات نے اپنی اور تاریخ صیانت اردو کے کام کو سراہا، میں درستان کے شہر میں دفاتر انتشارات اخبار سیاست جدید کا منیور بورڈ ۲۲ ستمبر ۱۹۵۴ء کو منعقد ہوا، اس موقع پر ملی سات کالمی سرخیاں لگا کر شہر کے ہر گھر کی درگاہ کی عظمت اور اس کی جادوئی اس تلخ حقیقت سے ہمیں برسات تک جارحانہ حملوں کی تاب رکھنا آج بھی زندہ ہے وجود کا لوہا سنار ہی ہے (سجوگن کا اظہار خیال)

دوسری سرخی -

کوڑھل لوگوں کے قلب و نظر میں لمبی ہوئی اس شیریں زبان
کو پورے شہابی منہ کی دوسری سرکاری زبان قرار دیا جائے۔
قبیری سرخی -

شہابی منہ میں اردو کو جان بوجھ کر اس کا جائز مقام نہیں دیا گیا
اردو کے حقوق کے لئے وسیع میدان پر منظم تحریک شروع کی جائے
(کلیدیں پتھر)
چوتھی سرخی :-

اردو ملک کی قبیری سب سے بڑی اور قبول عام نہاں ہے
وزیر لشکر و شہادت ایڈوائی کا اعتراف
پانچویں سرخی :- اردو مہانت کی جلد جہاز کے اجراء کے موقع پر تقاریر،
دہلی ۱-۲۴ ستمبر گذشتہ روز غالب آبادی دہلی میں اردو زمان کے
محدث معنی مولانا امداد صابری ڈپٹی میئر دہلی، اکیڈمک گارنٹینٹ
تاریخ مہانت اردو جلد جہاز کی رسم اجرائی اس موقع پر ڈیڑھ
سوسال قبل کے نادر و نایاب اخبارات و رسائل کی تلاش کا افتتاح
مرکزی وزیر لشکر و شہادت مسٹر ایڈوائی کے ہاتھوں ہوا۔
"تاریخ مہانت اردو جلد جہاز کا اجراء مسٹر میمورٹی لندن
سجوان نے کرتے ہوئے فرمایا کہ انتہائی انوس کی بات ہے کہ آزادی
کے بعد اردو کو نقصان پہنچا کر سبھی منہ کا کوڑھ دے بنے کا صمیم مقام
محل نہیں ہوا۔ اردو ایک زندہ جادید اور لافانی زبان ہے۔ حکومت
اردو سیاست والوں کے سخت حملوں کے بعد بھی یہ زبان آج بھی

زندہ ہے اور اس کا وجود قائم ہے مگر جو گناہے اردو کو یکوا از م
 اور سوشلزم کی ایک زندہ جاوید علامت اور حقیقت بتاتے ہوئے
 اتر پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر سمپوزنا ند کے درمیان سنہ ۱۹۶۷ء
 کے آس پاس ہونے والی خود و کتابت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر
 سمپوزنا ند نے اپنے ایک خط میں اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا کہ
 اتر پردیش حکومت اردو زبان کو دلجو رکھا کر منیدی زبان کو سرفراز و بلند
 کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

مگر جو گناہے اردو زبان کی مقبولیت اور اس کی سہولت جانی کا
 تذکرہ کرتے ہوئے کہا اردو کے ساتھ ہونیوالی نا انصافی اور حملوں کے
 باوجود اردو کو کوئی ختم نہیں ہو سکا، محبت اور پیاری درس دینے والی یہ
 شیریں زبان آج بھی زندہ ہے اور تاباں زندہ رہے گی، خواہ اس
 پر کبھی ہی حملے کیوں نہ ہوتے رہیں، مگر جو گناہے پورے شعبہ کی
 منہ دستان میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے،
 تسلیم کئے جانے کے بغیر دی اسباب کو ثابت کرنے ہوئے اسے
 زبان اور دوسری سرکاری زبان کا مرتبہ دئے جانے کا مطالبہ
 کیا کہ یہ زبان اس علاقہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

”اس موقع پر منعقد کی گئی نا درونا باب اخبارات و رسائل کی
 نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات
 مسٹر لال کرشن ایدوا نے فرمایا کہ وہ سرکاری اخبارات کے لئے
 جانے کے سلسلہ میں اردو اخبارات کے ساتھ کئے جانے والے کسی امتیاز کا
 برتاؤ کو برداشت نہیں کریں گے، مگر ایدوا نے کہا کہ کیا

شائع ہونے والے اخبارات و رسائل میں اردو زبان کے اخبارات اور
 رسائل کو تیسرا مقام حاصل ہے جس سے اس زبان کی مقبولیت
 کا اندازہ بہ آسانی ہو سکتا ہے انھوں نے بتایا کہ ملک میں ہندی
 زبان میں تین ہزار دو سو اخبارات و رسائل شائع ہونے میں انگریزی
 زبان میں ڈھائی ہزار اور اردو زبان میں ایک ہزار اخبارات و رسائل کی
 انتہائی کمی ہے۔ سٹراٹھوانی نے بتایا انگریزی و ہندی کی طرح اردو زبان
 بھی مقبول عام زبان ہے اور ملک کے کافی علاقوں میں بولی جاتی ہے
 انھوں نے یقین دلایا حکومت کی یا کسی کے تحت اردو اخبارات و رسائل
 کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔ اور ان کے ساتھ کسی قسم کا سوتیلہ
 پن نہیں ہونے دیا جائے گا اور ایسے مواقع نہیں آنے دئے
 جائیں گے کہ انھیں کسی طرح سے فظ انداز کیا جاسکے۔
 مرکزی دزیرا اطلاعات و نشریات نے ڈیڑھ سو سال قبل
 کے نادرونا یا ب اردو اخبارات کو محفوظ رکھنے کے لئے مولانا لہداد
 صاحب کو زبردست مبارک باد پیش کی۔

گلدیپ پیر :-

صدر مجلس امت قبالیہ گلدیپ پیر نے اردو کے جائز مقام کے
 حصول کے لئے منظم اور وسیع پیمانہ پر تحریک چلانے اور احتجاج
 کی ضرورت پر زور دیا۔

وزیر فائرس عارف بیگ، میردلی خواجہ حسن ثانی، ڈاکٹر محمد حسن
 ڈاکٹر تنویر علوی، ڈاکٹر ظہیر صدیقی، سٹڈنٹ ہین نقوی اور مولانا
 امداد صابری نے بھی تقریریں کیں۔

رامپور کے قومی جہند اخبار نے بھی ۲۲ ستمبر ۱۹۷۷ء کو نمائے
میں پہلے صفحہ پر سات نامی سرخیوں لگا کر اس اجلاس کی کل رودانی
پھیلائی۔

پہلی سرخی :-

اردو اتنی جاندار زبان ہے کہ اسے سرکاری سطح پر بھی سنانے
کی کوشش نہ کام رہی اور آئندہ بھی ایسی کوشش نہ کام رہے گی، (جھوٹا)
دوسری سرخی :-

اردو اخبارات کی تعداد یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ زبان ریاستی اور
علاقائی حدود سے لیکر کر پورے ملک میں پروں عزیز ہے (ایڈیٹری)
تیسری سرخی :-

عوام آئندہ اس کے درمیان اردو کا مسئلہ اب اس منزل پر آگیا ہے
کہ اردو کے خلاف اور بے حیثیت کا حق استعمال کرنا پڑے گا۔
(کلیدیہ پیئر)

چوتھی سرخی :-

انجمن ترقی و تہذیب نے جو فیصلہ کرنا اور اخباری کی قلمی نگارشات پر
نامی ہے، اس کے خلاف

نامی :- ہم اس کے خلاف تہذیباً گتیا ہے کہ یہاں اردو دوستوں اور
ان کے خلاف انہیں کو خطاب کرتے ہوئے مرکز کے
عنوان پر سیمینار منعقد کرنے کا کہنا کہ اردو ایک ایسی جاندار
زبان ہے۔ اگر اس کو سرکاری سطح پر بھی ختم کرنے اور
دانش کی طرف سے آج بھی قائم اور زندہ ہے۔ بلکہ

میں تو یہ کہوں گا کہ جس قدر اس کی مخالفت کی گئی اسی قدر یہ زبان

انجی ہر دلی غریزی میں افسانہ کرتی ہی ہے

تھری سچو گتہ نے جنت یارنی کا نام لے کر کہا کہ کبھی یارنی یا فرد کی

تہ سچی سیاست یا مصلحت ہو لیکن میں اپنے جیور پر نحواریا سر

رکھتا ہوں اور اپنے ہی ذہن سے کسی سوانہ میں فیصلہ کرتا ہوں

لہذا کل دن یہ تو اپنے ذہنی فیصلوں میں مجھے شرمیتی انداز گا نہ بھی

کا داخل قبول کیا نہ تھا، لہذا نہ آج کسی کا داخل منظور کروں گا، لہذا

اردو کے مسئلہ میں میرا مکتبہ سے ایک دہن رہا ہے اردو یہ کہ

یہ زبان کسی ایک مذہب، مگر ایک فرد، یا کسی ایک صوبہ کی نہیں ہے

بلکہ یہ زبان خود ہمارے اپنے دلچسپ سند سے بنی پیداوار ہے اور

اس زبان کو اس ملک میں سچے سچے آگے بڑھنے اور ہر سطح

سے اپنا حق مانگنے کا اختیار ہے۔

مرکزی وزیر نشر و اشاعت شہری کے ایل لیڈروانی نے اس

اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں وزیر اطلاعات و نشریات ہونے

کے باعث یہ جانتا ہوں کہ ہندی اور انگریزی کے بعد ہندوستان

میں تیسرے نمبر پر اردو کے اخبارات و رسائل میں یہ اردو اخبارات دیا

ان کی اشاعت کسی ایک علاقہ یا صوبہ تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ تعداد

علاقہ اور صوبائی حدود سے نکلی کر پورے ملک میں جگہ جگہ سے

کساح ہوتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو پڑھنے والوں

کی تعداد پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے اور اس طرح پر

اردو زبان کو ملک کی تیسری سب سے بڑی زبان ثابت کیا جاسکتا

ہے۔
یہ تقریب برصغیر کے ایک عظیم صحافی اور مصنف مولانا امداد صابری
کی تصنیف تاریخ صحافت اردو نامی چوتھی جلد کے اجراء کی غرض
سے مولانا صابری صاحب کے مداحوں اور عقیدتمندوں کی جانب
سے منعقد ہوتی تھی۔

اس تقریب کی مجالس انتقالیہ تھیں ہند اور عالمی سطح کے
عظیم انگریزی اخبار نویس شہری کلدیپ پیرجنکی اخبار نویس کی اتحاد
رود اخبار نویس سے ہوتی تھی۔ انہوں نے اس موقع پر اپنے
خطبہ انتقالیہ میں یہ فرمایا۔

آج ہیں تو کل پہر حال یہ مات لیلیم کرنا پڑے گی اور میں
ماننا پڑے گا کہ اردو ایک ایسی دلکش زبان ہے جو
ختم کرنے کے باوجود ملک میں باقی ہے گی۔

مرکزی سرکار کے ریاستی وزیر خباب فضل الرحمن صاحب، جو
اس اجتماع کے صدر تھے انہوں نے اردو کے تاریخی پس منظر
اس کی اہمیت، مقبولیت اور مردل غزیری پر ایک طویل تقریر
فرماتے ہوئے کہا کہ کسی زبان کے لئے حکومت اور سرکار کی سرپرستی
ضروری نہیں ہوتی۔ جبکہ خود زبان میں انہی طاقت ہوتی ہے کہ وہ اپنے
پھیلاؤ اور مردل غزیری کے باعث قائم اور زندہ رہتی ہے جس
طرح اردو، تہذیب و تمدن کی اور مخالفت کے باوجود زندہ اور قائم ہے
اور یہ سبب اسی طرح آگے بڑھتی ہے گی۔

ان تقریب کے اصل روح اور اردو صحافت کے عظیم مکار

جن کی تعلیمی نگارشات اور صحافی خدمات کو خزانہ تحسین پیش کرنے کے لئے یہ اجتماع ہوا تھا، مولانا امداد صابری نے اجتماع کے افتتاح پر تقریر کرتے ہوئے کہا، اردو کو ٹھانے والے خود بستے میں اور بستے میں گئے۔ لیکن اردو ہر حال میں اردو درود میں رہی اور رہے گی۔ واللہ! یہ ہمارے ملک کا، ہمارے سماج کا اور ہمارے معاشرے کا ایک عظیم سرا ہے۔

بعد ازاں کہا کہ اس تقریب کے تمام معزز مقررین، مرکز کے ڈائریکٹر، ڈیپٹی سیکرٹری، سیمینار کی سب سے زیادہ اہمیت والی ریاستی ڈائریکٹریات، جناب مصلح الرحمن صاحب، انگریز کا رور نامہ انڈین ایکسپریس کے نگران انجلی تری، ہمدید سیر، دیگر مقررین نے مولانا امداد صابری ڈپٹی سیر، دہلی میں کارپوریٹر جو چارلس سے زیادہ اردو کتابوں کے مصنف ہیں اور برصغیر میں اردو صنعت کی تاریخ کی جو سچی جلد لکھ کر نے کے بعد پانچویں جلد کی تعریف میں بھرپور ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے ان تمام لائق وزرا اور محترم مقررین نے ان کی شخصیت اور ان کی خدمات جلیلہ کو ملک کا ایک عظیم سرا یا پہلا اور ان کی تعلیمی کادشوں کو طرح طرح سے خراج تحسین پیش کیا۔

یہ سب بتلایا گیا ہے کہ مولانا امداد صابری کے پاس قدم اردو اخبارات اور حد یہ ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں چھپنے والا پہلا اخبار سے اب تک کے اخبارات کا جو نادر ذرا باب و تجربہ ہے اسے اس موقع پر غالب آئیڈی میں حلیہ گاہ سے منسلک ایک حصہ میں نمائش

کے طور پر عوام کو دکھلائے گئے ایک جگہ جمع کیا گیا تھا جس کا نام
 کا افتتاح اسی موقع پر مرکز کے ذریعہ اطلاعات و نشریات نثری
 اہل کے اہل دانی نے کیا، اور یہ فرمایا کہ انہوں نے آج تک اردو
 اخبارات کے ایسے نایاب اور قدیمی شمارے نہیں دیکھے جس کا اس
 احتیاط سے محفوظ رکھنا اور نئی نسلیں کو قدیم اردو صحافت سے
 اس طرح نہ صرف کرانا دراصل مولانا ادا ادا صاحب کی ایسی خدمات
 جلدی میں کہ جس کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ مثلاً یا گویا
 ہے کہ غالب اکبر می کے وسیع مال میں نہایت دلالت و دل کے اس
 اخبار میں مختلف ادبی، علمی اور سماجی اداروں کی جانب سے
 مولانا ادا ادا صاحب کی اردو ادب کی خدمات کے صلہ میں گلی پوٹھی لکھی
 ہندوستان و پاکستان کے اردو اخبارات نے اس اجلاس
 کی کارروائی شائع کی تھی، جن کی کٹنگ ممبر سے پاس محفوظ ہے، ان
 کے شائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جو تقریریں آپ نے مقررین
 کی پر صحت میں دی، ان اخبارات میں ہیں، اس لئے اخبارات سے
 جدید کانپور اور اخبار قومی جنگ راہپور کی خبروں پر اکتفا کیا گیا
 تاریخ صحافت اردو و جلد پنجم کی تیاری میں نے جلد چہارم کے
 چھپنے سے پہلے کر دی تھی، اپنے والد ماجد حضرت علامہ مولانا
 شرف الحق صدیقی صاحب کے کتب خانہ کے اخبارات و رسائل
 پر لکھنا شروع کر دیا تھا، جن کا تعلق جلد پنجم سے تھا۔
 خیرا پور کی امید دار کی حمایت کے سلسلہ میں جلسوں میں
 تقریر کرنے کے لئے میں ۷۰۰ روپیہ کا تحفہ کو حیدر آباد دکن گیا

چھ سات روزہ دہاں رہا۔ علمی داد بی و صفائی لوگوں سے سبھی ملاقات کی ۱۳ فروری کو اطرح ادبیات اردو کی لائبریری کی کتابیں دیکھنے کے لئے گیا۔ اس میں پڑانے اردو کے اخبارات، مخطوطات، قدیم طرز کے ادب، ہاں تعلیم کے فرمان بھی تھے ان کو دیکھا اور جناب محمود پنا صاحب سے بھی ملاقات کی انھوں نے اپنے دولت کہہ پیر میری دعوت کی اور اپنی لائبریری کی کتابیں بھی دکھائیں، اس میں سے مجھ کو حسب ذیل رسائل پسند آئے وہ انھوں نے مجھ کو عنایت فرمائے۔

۱۔ تبکیر۔ دہلی، مارچ اگست ۱۹۲۲ء

۲۔ سوز و ساز دہلی۔ جنوری و فروری ۱۹۲۲ء

۳۔ جادو، ڈھاکہ، جنوری تا دسمبر ۱۹۲۲ء

۴۔ نظر اگرہ۔ جنوری تا مئی ۱۹۲۳ء

تاریخ صحافت جلد پنجم کو میں نے حضرت مولانا ظفر علی خاں کے نام نامی سے منوں کرنے کے فیصلہ کیا تھا، اس جلد کے لئے مجھ کو حضرت مولانا ظفر علی خاں صاحب کے حالات زندگی درکار تھے، میں ان کے حالات زندگی کے حاصل کرنے کے لئے اپنے والد ماجد حضرت علامہ مولانا شرف الحق صدیقی قادری کے کتب خانہ کی کتابوں کی فہرست دیکھی۔ مذہب لائبریری دہلی، بارڈنگ لائبریری دہلی، دہلی کالج لائبریری اور مسجد قلیوڑی لائبریری دہلی کی کتابوں کی فہرستوں کا معائنہ کیا۔ دہلی کے علمی داد بی حلقے سے لوگوں سے دریافت کیا۔ کسی کے پاس بھی مولانا ظفر علی خاں صاحب کے متعلق کوئی معلومات نہیں تھی سب نے

ہائی میں جواب دیا۔ جناب عبداللہ فاروقی صاحب مدبر خاتون شریفی
دہلی نے حضرت مولانا ظفر علی خاں کی شاعری پر ایک مقالہ لکھا تھا
وہ انھوں نے محکمہ کتبائیت کیا۔ اس سے میری تشفی نہیں ہوئی، جو
معلومات میں جاتا تھا وہ اس میں نہیں تھی۔

خاص طور پر میں اس کام کے لئے اور اپنے عزیز و اقارب
سے ملنے کے لئے فارغ ہوئی ۸، ۱۹۷۰ء کو لاہور و کراچی گئے تھے۔ ہندو
ریل روانہ ہوا ۱۵ جولائی ۱۹۷۰ء کو مال روڈ پر فیروز سنٹر کے ہاں سے
سرگزشت (سالک) مولانا ظفر علی خاں بولٹ محمد اشرف عطا اللہ تاج ادب
غربی تین کتابیں خریدیں اور ادارہ ادبیات انارکلی سے مولانا ظفر علی
خاں بولٹ ڈاکٹر غلام حسین بھی خریدی

۵۔ ۶ جولائی ۱۹۷۰ء کو دودن احسان دانش صاحب لے ہاں
رہا۔ ان کے پاس رسائل کا اچھا خاصہ ذخیرہ تھا اگرچہ پرانے رسائل
نہیں تھے ان میں کے کچھ رسائل کے نام یاد رہ گئے وہ یہ تھے۔

۱۔ تہذیب و اخلاق امرتسر جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ

۲۔ شوق لاہور ۱۹۱۳ء

۳۔ تاج حیدر آباد دکن جنوری ۱۹۱۳ء

۴۔ مصحفیہ اہل حدیث صدر بازار دہلی جنوری ۱۹۲۶ء

۵۔ انوار الصوفیہ لاہور جنوری ۱۹۱۳ء

۶۔ مخزن الفوائد، حیدر آباد دکن (جمادی الاول ۱۳۹۱ھ)

۷۔ کبکٹ لاہور، جنوری ۱۹۱۹ء

۸۔ المنظریہ، لکھنؤ، فروری ۱۹۱۳ء

- ۹۔ حسن نظیر آباد، اکتوبر ۱۹۱۰ء
 - ۱۰۔ جام جمشید لاہور مارچ ۱۹۳۰ء
 - ۱۱۔ ہائیول لاہور مارچ ۱۹۲۸ء
 - ۱۲۔ مذاقی سخن دہلی فروری ۱۹۲۸ء
 - ۱۳۔ ارغمان دہلی جون ۱۹۳۰ء
 - ۱۴۔ زمانہ کپور ستمبر ۱۹۲۹ء
 - ۱۵۔ رسالہ اردو اورنگ آباد جولائی ۱۹۲۶ء
 - ۱۶۔ دور بیدار غزن لاہور مارچ ۱۹۲۸ء
- احسان دانش صاحب کے ہائی دور و زندگیاں سے زائد رسائل سے اسلاف کا اور تاریخ صحت، اردو جلد پنجم کے لئے ان سے افذ کیا آئندہ لاہور کے لئے بعد از آزادی کے لئے کوکراچی کے لئے روانہ ہو گیا۔
- کراچی میں جناب ایوب قادری صاحب، شفیق خواجہ صاحب ابوسلمان شاہجہاں پوری، یوسف نجاری صاحب اور مولانا حامد علی فرشتی صاحب وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔
- ۲۴ جولائی ۱۹۲۸ء کو مولانا حامد علی فرشتی صاحب کے دفتر انجمن حیات الاسلام نیو ماڈن میں پہلی اجلاس منعقد ہوئی، جس میں وہاں سے چلے لگاؤ مولانا فرشتی صاحب نے مجھ کو پاکستان کی حسب ذیل مطبوعہ کتاب میں غنائت فرمائیں۔
- ۱۔ ترجمہ علماء حدیث تہذیب، مولفہ ابوسلمی امام خاں نوشہری
 - ۲۔ یاد ایام، مولفہ مولانا

- ۳۔ حیدرآبادی، مولفہ جو جمیل احمد صاحب
 - ۴۔ یاد رفتگان، مولفہ علامہ سیال ندوی صاحب
 - ۵۔ حیات طیبہ مولفہ مرزا حیرت دہلوی
 - ۶۔ انجمن مولفہ سید وحید الدین صاحب
 - ۷۔ اردو میں نعتیہ شاعری، مولفہ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشتقاق
 - ۸۔ رسالہ بلاغ امرتسر مارچ ۱۹۷۶ء
 - ۹۔ تاریخ مدینہ مولفہ مولانا عبدالمعبود صاحب
- حیدرآبادی انجمن میں حضرت مولانا ظفر علی خاں صاحب کے حالات درج تھے ان سے اور رسالہ بلاغ امرتسر سے بتایا گیا تھا کہ صحافت اردو جلد پنجم کے لئے ضروری معلومات نقل کیں اور مولانا ظفر علی خاں صاحب کے حالات زندگی تحریر کئے۔
- ۲۶۔ حوالہ ۱۹۷۶ء کو جناب ایوب قادری صاحب رسالہ سودمند بدایوں فردی ۱۹۷۳ء نمبر ۱۰ میں لکھے گئے تھے اس میں رسائل و اخبارات پر تبصرہ چھپا تھا ان کو نقل کیا۔
- ۲۷۔ حوالہ ۱۹۷۶ء کو غالب لاہوری میں گیا، اس کے سکرٹری مرزا ظفر الحسن صاحب سے ملاقات ہوئی، اس لاہوری کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مختلف مشہور شخصیتوں کے نمبر اور رسائل کے مخصوص نمبر ہیں، اس میں مخزن لہ ہور زمانہ کانپور وغیرہ کے بھی قائل ہیں، میں وہاں دو ڈھائی گھنٹے رکا اور تاریخ صحافت اردو جلد پنجم کے لئے معلومات نقل کیں۔
- میرے عزیز الحاج حافظ منظر علی صاحب صدیقی مالک جنرل بوٹ

ہاؤس کراچی کی سبھی مختصر سی اچھی لائبریری ہے ان کو مطالعہ کتب کا شوق ہے جناب خواجہ حسن نظامی صاحب سے ان کے مراسم تھے انھوں نے ان کو خوش منظر "کا خطاب دیا تھا، منظر صاحب کو علی مسمومات کافی ہے۔ ان کی لائبریری کی کتابوں کو میں نے دیکھا تھا تو اس میں حسب ذیل رساں تھے۔

- ۱۔ فتوح چوڑیولان دہلی، ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ
 - ۲۔ اہلال دہلی مارچ ۱۹۲۳ء تا نومبر ۱۹۲۳ء
 - ۳۔ شمع اگرہ۔ جنوری ۱۹۲۵ء
 - ۴۔ گل کدہ، بریلی، اپریل ۱۹۲۵ء
 - ۵۔ خطیب، دہلی، مارچ ۱۹۲۱ء
 - ۶۔ بہارستان لاہور جون ۱۹۲۶ء تا نومبر ۱۹۲۶ء
 - ۷۔ رسالہ شاعر، فرخ آباد، فروری ۱۹۳۱ء تا نومبر ۱۹۳۱ء
- میں نے ان رساں کا دو تین روز تک مطالعہ کیا، واپس کرنے لگا تو اسوں نے واپس نہیں لئے۔ بلکہ محمد کو یہ کہہ کر دے کہ یہ آپ کے مطلب کے ہیں ان لئے آپ کی نذر ہیں، میں نے شکریہ کے ساتھ وصول کر لئے۔

مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صوفیہ مکہ معظمہ کے حالات زندگی میں حضرت علامہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیراٹوی کے مناظرہ مابین پادری فخر کی روداد اسعد الاخبار اگرہ سے نقل کرنے کے لئے ۸ دسمبر ۱۹۳۱ء آگرہ گیا۔ تنبیہ کالج کی لائبریری میں کچھ سال ہوئے اسعد الاخبار اگرہ کے نکل میں نے دیکھے تھے۔

تشیعہ کالج کی لائبریری کو دیکھ کر انتہائی رنج و افسوس ہوا، اس میں بڑا غلطی خزانہ ہے، بائبل مقدسہ باری کی وجہ سے بہ نوبت یہ بیچ گئی کہ اس کی کتابوں کو دکھانے والا کوئی لائبریرین نہیں ہے نہ دن میں کسی وقت کھلتی ہے، بے توجہی کی وجہ سے پرانے اجناسات دکن میں دیک کی نذر ہو گئیں۔ ماسٹر سلیم صاحب کے پاس اس لائبریری کی چابیاں رہتی ہیں، کوئی کتابیں دیکھنے کے لئے آتا ہے تو ان کو بلا یا جاتا ہے اور یہ لائبریری کھول کے کتابیں دکھاتے ہیں۔ چنانچہ میں بھی ۱۰ اربسمبر ۱۹۲۵ء کو امنرجہالی صاحب کے ساتھ تشیعہ کالج گیا۔ ماسٹر سلیم صاحب کو بلوایا گیا ان کے ہمراہ میں بھی لائبریری پہنچا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ میں حسب ذیل رسائل کا مطالعہ کیا اور مفید مطلب کی عبارتیں نقل کیں۔

۱۔ آمینہ، الہ آباد اگست ۱۹۲۲ء

۲۔ عندلیب، خورجہ فروری ۱۹۲۵ء

۳۔ حرور، کلکتہ جون ۱۹۲۲ء

۴۔ سہلی لاہور، اپریل ۱۹۲۳ء

۵۔ بچوں کا اخبار جنوری ۱۹۲۲ء

۶۔ چاند۔ الہ آباد جنوری ۱۹۲۳ء

جب کبھی کسی کتاب یا اخبارات درمائل کے دیکھنے کی محکوم ضرورت ہوتی تو میں مذکور یہ لائبریری پہاڑی سبوجہلہ دہلی میں چلا جاتا تھا جب سے اس لائبریری میں بدانتظامی شروع ہو گئی، کوئی آدمی کتابیں دکھانے والا نہیں رہا تو میں نے وہاں جانا بند کر دیا۔ اور فتحپوری پبلک

برجاء نشر دے کر دیا۔ اس میں پرانی کتابوں کے علاوہ میرا نے اخبارات
درمائی بھی ہیں۔

- پس ۲۶ دسمبر ۱۹۳۵ء کو دن کے ۵ بجے فقیہ پری پبلک لائبریری
گئی۔ اس میں میں اخبارات و رسائل کا مطالعہ کیا وہ یہ تھے۔
- ۱۔ تعارف و اعظم گرامہ، جون کی ۱۹۳۵ء تا دسمبر ۱۹۳۵ء ۶ سال تک
 - ۲۔ نگار آگرہ، لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۵ء تا مارچ ۱۹۳۵ء ۶
 - ۳۔ نیرنگ خیال لاہور جنوری ۱۹۳۵ء تا اکتوبر ۱۹۳۵ء ۶
 - ۴۔ چاندیوں، لاہور، اپریل ۱۹۳۵ء تا جنوری ۱۹۳۵ء ۶
 - ۵۔ الحاد الاسلام، پاکوٹ، مئی ۱۹۳۵ء تا اپریل ۱۹۳۵ء ۶
 - ۶۔ زمانہ کانپور، جنوری ۱۹۳۵ء تا دسمبر ۱۹۳۵ء ۶
 - ۷۔ مانی، دہلی، جنوری ۱۹۳۵ء تا جنوری ۱۹۳۵ء ۶
 - ۸۔ انبیاء، قصہ، خرم، ۱۹۳۵ء تا بیچ اگست ۱۹۳۵ء ۶
 - ۹۔ عزیز لاہور، دہلی، ۱۹۳۵ء تا اپریل ۱۹۳۵ء ۶
 - ۱۰۔ صدائے عام، دہلی، جنوری ۱۹۳۵ء تا فروری ۱۹۳۵ء ۶
 - ۱۱۔ علی گڑھ، بیگزین علی گڑھ، مئی، جون ۱۹۳۵ء ۶
 - ۱۲۔ اندوہ، لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۵ء تا دسمبر ۱۹۳۵ء ۶
 - ۱۳۔ رسالہ سہیل امرتسر، جنوری ۱۹۳۵ء تا دسمبر ۱۹۳۵ء ۶
 - ۱۴۔ رسالہ جامعہ دہلی، اپریل ۱۹۳۵ء تا دسمبر ۱۹۳۵ء ۶
 - ۱۵۔ پیشوا دہلی ستمبر ۱۹۳۵ء تا ستمبر ۱۹۳۵ء ۶
 - ۱۶۔ ادبی دنیا لاہور، فروری ۱۹۳۵ء تا جون ۱۹۳۵ء ۶
 - ۱۷۔ رسالہ حقیقت لاہور، دسمبر ۱۹۳۵ء ۶

- ۸۔ سورسہ، جہاں اول جنوری ۱۹۲۷ء تا جولائی ۱۹۲۷ء
 ۹۔ رسالہ نیرنگ دلی، اپریل ۱۹۳۱ء
 ۱۰۔ ضیاء القزیش امرتسر جنوری ۱۹۳۱ء تا اگست ۱۹۳۱ء
 ۱۱۔ رسالہ نسیم آگرہ، اپریل، مئی، جون ۱۹۳۱ء
 ۱۲۔ اسلامی دنیا دلی جون ۱۹۲۷ء تا مارچ ۱۹۲۸ء
 ۱۳۔ سرحدش لاہور، مئی ۱۹۲۷ء تا جنوری ۱۹۲۸ء
 ان رسائل سے میں نے تاریخ صحت اردو حلقہ پنجم کے لئے
 معلومات اخذ کیں۔

تاریخ صحت اردو کی حلقہ پنجم کی تالیف تو تیار ہو گئی، اب
 دوسرا مرحلہ ہے اس کی کتب و طباعت کا، اس منگائی کے زمانہ
 میں اتنا لنگھا کا غد کس طرح خریدا جائے گا۔ کاتب صاحب کس قسم کے
 ملتے ہیں، صحیح قیمت سے کرونت پر کتابت فرما بھی دیں گے۔ یا کھر
 کے چکر ٹھوٹھیں ستھیں، پر پس دا لے جیسے ملتے ہیں، دیا نندار، یا
 بددیانت، کا عذ تو غائب نہیں کر دیں گے، بدلتا تو معمولی مات ہے
 اگر پریت نہاں ہیں آجی تو حرف آخر میں ان کا ذکر یہ کر دیا جائیگا کہ
 ہم بے سولف و مسنف جہاں ہی تالیفات خود چھپوانے میں
 ان کی نکاسی سچی کرنی پڑتی ہے کم ہوں گے بعض ایسے بھی اللہ
 کے بندے میں جو شوق میں اگر اپنی تعریف چھپواتے ہیں زرخفت
 کیسے ہوا کتاب کیسے نکلے، اس کی کوئی صورت نہیں نکلتی تو مسفت ہی
 تقسیم زمانے لگتے ہیں۔

مگر الحمد للہ صلی احسانہ میں ان مصنفوں میں سے نہیں ہوں

میری کتابوں کی مانگ ہے اور اچھے دلوں میں فروخت ہوتی ہے
کسی رسالہ یا اخبار میں میں اپنی کتاب کا انتہائی نہیں چھپواتا، اور
نہ کسی سالہ یا اخبار کو ریویو دیکھنے کے لئے اپنی کتاب بھیجتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا کرم اور ہر بانی ہے، جیسے کے دو تین مہینے کے
بعد پاکستان دہندوستان کے علمی و ادبی حلقوں میں خود بخود میری
کتابوں کی شہرت ہو جاتی ہے۔ اور ہر درہندوستان یقیناً بک سیرڈل
سے طلب کرتے ہیں، وہ مجھ سے منگواتے ہیں۔

میری دو کتابیں نہیں بلکہ تین کتابیں ایسی تھیں جن کے بارے
میں مجھ کو فکری کہ جیسے کے بعد فروخت ہو گئیں یا نہیں؟
وہ کتابیں دہلی کی یادگار ہستیاں، حجاز مقدس کے اردو شاعر
اور جنوبی افریقہ کے اردو شاعر تھیں۔

”حجاز مقدس کے اردو شاعر“ تو اتنی مقبول ہوئی کہ دو تین
مہینے میں پاکستان میں آدمی سے زیادہ فروخت ہو گئیں۔ اور
ایک ہی سال میں ایک ہزار کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا، دوسرے سال اضافہ
کے ساتھ دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

یہی حالت دہلی کی یادگار ہستیاں کی کم و بیش ہوئی، اسی
صورت سے۔ ہندوستان پاکستان میں تیسری کے ساتھ فروخت
ہوئی، کافی عرصہ پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے اب دوسرا ایڈیشن
غالب جناب علامہ الدین خالد صاحب مالک سندھ اردو اکیڈمی
کراچی چھاپیں گے، جنوبی افریقہ کے اردو شاعر کی مانگ جیسے کے
دوسرے سال ہی جنوبی افریقہ سے ہوئی، ساڑھے تین سو کتابیں

دہاں گئیں۔ ڈیڑھ سو کے قریب ہیں ڈیڑھ مہینے میں خیرستان
اور فیصلی اذلق میں نصف کے قریب فروخت ہو گئیں۔

تاریخ صحافت اردو جلد پنجم کی تالیف کے سلسلہ میں میں
اپنے اصحاب جناب تنویر علوی صاحب، پروفیسر ایوب قادری، مشتق
خواجہ صاحب مولانا حامد علی قریشی صاحب، بہار برنی صاحب، ناز
الضاری صاحب مولانا محمد شمیم صاحب مہتمم مدرسہ مولتیہ کیمپلہ
مولانا عبداللہ مدنی صاحب کالج مدرسہ دکن گزرموں کے
اعمالوں نے اپنے قیمتی شعور سے مجھے اور سائل و اخبارات ہمت میں
عنایت فرمائی، درمیت افزائی کی۔

تاریخ صحافت اردو جلد پنجم کے لئے جن کتابوں اخبارات
در سائل سے اخذ کیا گئے وہ حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ مولانا ظفر علی خان، مولف اشرف عطار
- ۲۔ مولانا ظفر علی خان، مولف ڈاکٹر غلام حسین
- ۳۔ ظفر علی خان، مولف شورش کاشمیری
- ۴۔ چند یادیں، مولف خواجہ جمیل احمد
- ۵۔ انجمن

- ۶۔ اخبار رولہرلے، مولف منشی محمد امین فوقی
- ۷۔ جدید شعراء اردو

- ۸۔ صحافت پاکستان، منہ میں مولف عبدالسلام خورشید
- ۹۔ دہلی کی یادگار ہستیاں، مولف امداد صابری
- ۱۰۔ مولانا محمد امین نانوتوی، مولف ایوب قادری

- ۱۱۔ تاریخ صہانت اردو مولفہ امدادھاری
- ۱۲۔ میرے زمانہ کی دینی مولفہ ملااحمدی
- ۱۳۔ غنیمت رفتہ مولفہ ضیاء الدین رنی
- ۱۴۔ رشتہ بن خطیبہ مولفہ ملااحمدی
- ۱۵۔ آزاد و بندہ رشتہ، راجی فردری سنہ ۱۹۵۵ء
- ۱۶۔ رہنما مراد آباد مئی سنہ ۱۹۱۹ء
- ۱۷۔ سیف اللہ اردو مولفہ ناصر نذیر فرات دہلوی
- ۱۸۔ دکن میں اردو ادبیہ مولفہ نصیر الدین پاشی
- ۱۹۔ سنہ رائی دکن مولفہ سید سکینہ بخاری
- ۲۰۔ نیاز نگر پاکستان ابریں سنہ ۱۹۵۵ء
- ۲۱۔ مولوی عبداللہ الحق خزانوی
- ۲۲۔ نمبر عہدہ کراچی علامہ راسخونجی
- ۲۳۔ ادیب اللہ آباد مئی سنہ ۱۹۱۲ء
- ۲۴۔ میر اس میں اردو مولفہ مولانا نصیر الدین پاشی
- ۲۵۔ خزان لاسور نمبر نومبر سنہ ۱۹۵۵ء
- ۲۶۔ برکت اللہ سجویالی
- ۲۷۔ مرصع، آگرہ، مارچ سنہ ۱۹۱۲ء
- ۲۸۔ بستی میں اردو، مولفہ ڈاکٹر میمنہ دہلوی
- ۲۹۔ شہرہ آگرہ جولائی سنہ ۱۹۵۵ء
- ۳۰۔ شاعر، آگرہ جون جولائی سنہ ۱۹۳۶ء
- ۳۱۔ شاہد حسن، حیدر آباد دکن فردری سنہ ۱۹۵۵ء

- ۳۲ نجم خانہ جاوید مولفہ نثار سری رام دہلوی
- ۳۳ آبِ حیات ، خواجہ حسن نظامی
- ۳۴ جائزہ زمان اردو ، انجمن ترقی اردو کل ممبئہ
- ۳۵ تذکرہ شعراء پنج پور ، مولفہ مولیٰ اعجاز الدین
- ۳۶ تذکرۃ التخلیل مولفہ مولانا عاشق الہی
- ۳۷ تذکرۃ الرشید
- ۳۸ بہترین جہیز
- ۳۹ سرگزشت مولفہ سائیکہ
- ۴۰ بزم سخن گیب مارچ سنہ ۱۹۱۶ء
- ۴۱ منیدہاں میں اردو ، مولفہ رفیقہ مارہروی
- ۴۲ رباعی نظم لکھنؤ ، اگست سنہ ۱۹۱۶ء
- ۴۳ ہجر میں اردو مولفہ محمد سعید
- ۴۴ سری حیات بے ثبات مولفہ
- ۴۵ سیرت مولانا محمد علی مونگیری مولفہ
- ۴۶ داستان ادب حیدرآباد مولفہ سید محی الدین ندوی
- ۴۷ دھواں بجیل مولفہ
- ۴۸ روح مصافحت مولفہ امداد صاحبزادی
- ۴۹ بادوں کی برسات مولفہ جونس ملیح آبادی
- ۵۰ سوغات دہلی مئی سنہ ۱۹۱۶ء
- ۵۱ اردو کے جاہل نامائے مولفہ امیر حسن نورانی
- ۵۲ غنیمت زمر اردو مولفہ آغا محمد باقر

- ۵۶ نقوش لامبور شخصیات نمبر
 ۵۵ نقوش لامبور نمبر
 ۵۶ رفیق التحلیم لامبور جون ۱۹۱۷ء
 ۵۷ ریاست ممبور میں اردو کی نشوونما مولف ڈاکٹر حبیب النصار
 ۵۸ حیدر آباد کے ادیب مولفہ زینب ساجدہ
 ۵۹ علم و آگہی کے اچی نمبر ۱۹۱۷ء
 ۶۰ سلسلہ شہر بہار مولفہ حکیمہ اشہ ندوی
 ۶۱ سنن شہزادہ مولفہ سوئی عبد الغفور خان
 ۶۲ امنیہ لامبور ج ۱۹۱۷ء
 ۶۳ احسن القصص مولفہ نواب خواجہ احسن اللہ
 ۶۴ تاریخ ڈھاکہ، مولفہ طہش بہانگر نگری
 ۶۵ جادو ڈھاکہ مارچ ۱۹۱۷ء
 ۶۶ تذکرۃ المعاصرین
 ۶۷ تاریخ دالان مقدس فارسی
 ۶۸ تاریخ نصرت خٹک فارسی
 ۶۹ دن دینی ٹموسٹس آف ڈھاکہ (انگریزی)
 ۷۰ اسلامی بنیاد ڈھاکہ مطبوعہ ۱۹۱۷ء

امداد صابری محلہ چوڑا لال ہلی
 یکم اپریل ۱۹۱۷ء

سلسلہ ۱۹۱۱ء

دہلی تولا باہرام جاں سے جنوری ۱۹۱۱ء کو یہ مابانہ
احمدی رسالہ نمودار ہوا، یہ رسالہ مولانا تارا شہ کے ایشیاء
 اہل حدیث امرتسر کے جواب میں امد اس کی مخالفت کئے جانے کیا
 تھا۔ جس کے بانی دسر رست حکم محمد الدین صاحب تھے، جب اس
 رسالہ کے تین نمبر اخبار اہل حدیث کے دفتر میں پہنچ گئے اور محفلانہ
 میں یہ نشان پائی تو اس رسالہ کا مختصر سا تعارف کرانے کے بعد
 اس کی مخالفت نہ کرتوتوں اور تحریروں کا جواب ۱۴ مارچ ۱۹۱۱ء
 کے اہل حدیث میں شائع ہوا۔

”حکیم محمد الدین صاحب خلیفہ تادیان نے ایک نیا رسالہ مسمی
 ”احمدی“ جاری کرایا ہے جس میں خصوصیت سے نقابات کے جواب
 دینے کا اعلان کیا گیا ہے حکیم صاحب نے علامہ خلیفہ مومن کے
 اس رسالہ کی سرپرستی منظور کی ہے بلکہ ایک رقم حاصل اس کی امداد کو
 جب فاضل سے عطا فرمائی ہے اس لئے ہمارا حق ہے کہ ہم اس رسالہ
 کو ہم صاحب ہی کا سمجھا کریں کیونکہ
 رشک رائے کا روئے دریدہ کہ دھقان نادان کہ سنگ پر دیند

” اس رسالہ میں اہل حدیث کے جوابات کہاں تک دئے گئے ہیں اس کا اندازہ تو خود حکیم صاحب ہی کر سکتے ہیں، ہاں اس بات کا اظہار کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ گالیاں بڑے مزے کی دی جاتی ہیں یہی ہنر اس کا ایک بڑا تر کسی وجہ سے اس فن میں خاص ملکہ رکھتا ہے جس کا مقابلہ ہم نہیں کر سکتے اور اس کا ہمیں خود اعتراف ہے۔“

رسالے کے تین نمبر شائع ہو چکے ہیں پہلے نمبر میں اس نے مسیحین مرزا پر ہودی بنایا اور جس قدر آیات و احادیث یہودیوں کے متعلق ہیں وہ سب مسیحی یقین مرزا مسلمانوں کے حق میں لکھی ہیں۔ حالانکہ اس کا دھن یہ تھا کہ پہلے مسیح پر ہود کی حقیقت ثابت کر لیت پھر اس کے مخالفوں کی نسبت جو چاہتا تھا کہتا۔ لیکن اب کرنا تو کاسے دارد، اس نے حکیم صاحب نے تمام زور ایک نظم پر نکالا جس کا نام رکھا ”ناصی زہ نظم“ جس کے خیر اندازہ و راجح دلیل میں ہے

نت براقتہ اگر تجھ میں ہے کچھ شرم و حیا باقی
تو بول اٹھ اب تری ذلت میں ہے کیا رہ گیا باقی
جو تجھ میں آدمیت تھی وہ مدت سے گئی گزر
سوئے اک یہودیت کے ہے اب تجھ میں کیا باقی
کہاں کی افضلیت، بر لویت ہے لئے پھر تا
یہودیوں میں نہ تجھ جیسے بہت تھے پارسا باقی
نہ کچھ باقی رہا علم و فضل و عقل و دانش سے
نہ لواپاں کی تجھ میں نہ زہد و اتقا باقی
جری اللہ کی ننگہ پیسے ثابت کیا تو نے

کہ دشمن اہلادوں کا ہے نویں اک رہا باقی
 بہت نزدیک ہے زے غافل اب نقد رہا باقی
 نہ دس ہی رہیں گے در نہ ان کے افر باقی
 خدا کا ہاتھ آکر خود کرے کافیلہ نسیرا
 میں گئے ک تلک نہ بے سجدہ ورجا باقی
 نصیحت مان لے صبح کی اس لہ تیری نادال
 اگر اسلام کی تیرے بدن سے رہا باقی
 فتنی بولا بخش گشتہ اور تیری بے جہم صاحب نام اس نظم کے
 جواں میں نظم لکھی ہے جو رزق دہلی ہے
 تاوتلچ پیل لے مرید، اب سے کہا باقی
 نہ سازگی تھی مانی ہے نہ اب سے میرزا باقی
 کچھ وہ دن تھا سہمے کیا رہا نہ لہ لہوں کو
 وہ داغ فتنی بنے یہ رہا نہ کئے سوا باقی
 نجات آسمانی لے ہوئے اہام کو لاکھوں
 لمحہ میں حسرت راصل آہ لے گیا باقی
 اگر لے ہی مرسل غنقار اور مفری ہوئے
 بجز انما دو و میرت کے پھر تو کچھ نہ تھا باقی
 نہ بڑی ہوگی بین گوئی آج نکتہ گوئی
 مگر ف سٹوٹھائی ہے برابر ادا باقی
 سہا بنوں عبدالمعتی سے تھا اور ڈاکٹر جی سے
 تبار وہاں ہیا زندہ یا کہ ہے اب میرزا باقی

دقت کو نکالا ہے، جب جدید اسکیٹ پریس کی بدولت بہت سے پرانے اخبارات بند ہو گئے اور ہوتے جا رہے ہیں مگر آپ کو پھر بھی دقت کی کامیابی کی امید ہے، اس کی لکھائی چھپائی کا غنہ مضامین وغیرہ ہر طرح لائق پسند ہیں۔

تمدن | محمد چوڑا والا دہلی سے اپریل ۱۹۵۷ء کو یہ مانیہ نامہ شروع ہو کر آج تک دو صد میں آیا۔ ۲۷ صفحات پر لکھنا تھا ایڈیٹر شیخ محمد اکرام اور محمد عبدالرشید الخیری سے سالانہ خیمہ قسم اول ساڑھے تین روپے اور قسم دوم ڈھائی روپے تھا قیمت فی پرچہ ساڑھے چار آنے تھی، تمدن پریس میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ سائنس، ادبی، فلسفی، اخلاقی، تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن تھا اور معروف تھا۔ تمدن کے مقاصد میں زبان اردو کی فہمیت کے علاوہ سب سے بڑا مقصد حقوق نسواں کی آواززدوں کے کالوں تک پہنچانا اور تمدن میں نشر و نظم میں ایسے مضامین درج کرنا جو خواتین کے مطالبہ سے گزر سکیں۔

تمدن کے پندرہ شمارہ اپریل ۱۹۵۷ء کے مضامین حسب ذیل تھے۔

- ۱۔ التقرب۔ شمس العلما ڈاکٹر بروی حافظ ندیر احمد صاحب
- ۲۔ فقیر کی صدا۔ مولوی احمد علی صاحب شوق قدوائی لکھنؤی
- ۳۔ قند و ازدواج، شیخ محمد اکرام۔
- ۴۔ قند پارسی، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم، اے، پی ایچ، ڈی
- ۵۔ تمدن کا احسا۔ (ایڈیٹر)
- ۶۔ حیات مہمات، سید شریعت دہلوی۔

- ۷۔ اسلام - مولوی سید محمد مستحسن صاحب زیدی بی، اے کیمرج
 - ۸۔ بجاتی کا خط بہن کے نام - سید سلطان حیدر جوش علیگ
 - ۹۔ حبیب ابن مظاہر، سید اشراقاں بہادر مولانا شاہ صاحب
 - ۱۰۔ سزا درس الیٹ کراہیل -
 - ۱۱۔ عصر جدید - مولوی مرزا محمد مادی صاحب وزیر
 - ۱۲۔ مرزا مائے کے سورخ، مولوی نیا محمد دہلوی مولف فرنگ آصفیہ
 - ۱۳۔ نذر مسرت، مولوی محمد مدیف الدین نقاب
 - ۱۴۔ خمیرہ - محمد عبدالرشید انجیری
- شمس العلام مولانا نذیر احمد صاحب کا ۱۹۱۷ء میں جیل جلاؤ کا وقت تھا، صاحب فرانس رہنے گئے تھے، علامہ راشد انجیری صاحب رسالہ تمدن کے لئے مولانا نذیر احمد صاحب سے صفحہ کی فرمائش کے لئے ۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو پینچے دوستوں نے فرمایا۔
- ”ہاں اب جیل جلاؤ کا وقت ہے جو کرنا تھا وہ کر لیا اور جو لکھنا تھا وہ لکھ چکے، شب و روز کی غذا چند چمچے دودھ کے رہ گئے ہیں“
- چنانچہ شمس العلام صاحب نے اپنے پیچھے کے اصرار پر ایک صفحہ تقریب دیا جو رسالہ تمدن کے پہلے شمارے اپریل ۱۹۱۷ء میں چھپا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں -
- ”مولوی عبدالرشید کے دادا میرے خسر تھے چونکہ میں خانہ درآمد تھا مجھ کو ان کی کتابوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو کوئی کتاب عربی، فارسی اردو کی نہ تھی، جس پر مولوی عبدالغنی کا تحشہ نہ تھا

یہاں تک کہ فتویٰ بدر منیر جس سے مولوی صاحب کی وصحف معلومات کا ثبوت
 کافی ملتا ہے اور اس بات کا کہ اگلے بزرگ علم کو علم کے لئے یکجہتے تھے
 اسی طرح مولوی عبدالرشید نے جو کچھ سیکھا اپنے سے سیکھا، کیا ایسے شخص کا
 رسالہ تمدنِ جودہ جاری کرنے والے میں تقویٰ کی قابلیت نہیں رہتی؟
 ہائے خاندان میں ایک وقت وہ بھی تھا کہ میں صنّاع اورائی میں
 بندوبست کا ڈیٹی کلکٹر تھا، چھٹی لے کر گھر آتا تو پہلے سے گھر میں خط
 لکھو بھیجتا تھا کہ میرے پرانے لیٹرے پڑے ہوں تو اسٹیشن پر
 سیدھا کران کو ہین کر میں ریل پر سے اتر دوں گا، یہ وہی تقصیر
 تھا جس نے مولوی عبدالرشید کو وقتی تعلیم سبقاً سبقاً حاصل کرنے
 دی۔ مگر ان میں خدا داد مادہ تھا کہ انھوں نے انگریزی بھی سیکھ لی۔
 تمدن جاری ہوا تھا۔ تو اس کا اپنا پریس تھا، پانچ سو روپے
 ضمانت کے سرکاری خزانے میں داخل کر دے گئے جو پہلے سال ہی
 ضبط ہو گئے، اس زمانہ میں ترکوں سے اٹلی جنگ کر رہا تھا اور علامہ
 راشد الغیری کے کئی مضمون ترکوں کی حمایت میں شائع ہوئے تھے
 جس مضمون پر ضمانت ضبط کی گئی تھی اس کا عنوان تھا "طرابلس کی
 ایک صدا" اس کی ابتدا اس طرح ہوتی تھی :-

بے حیثی تو شاید مگر بے ایمانی یقیناً ہوگی اگر ہم اس موقع پر
 اس کیفیت کا اظہار نہ کریں جو واقعات طرابلس سے دل پر گزری
 اور گزر رہی ہے جس دنیا دلی سے یورپ نے طرابلس میں اپنی بے ایمانی

دغا بازی اور سکاری کا ثبوت دیا ہے اس کی داد نہ دینا ستم ہے
 مہلے مقدس نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے والے اٹالیہ
 والوں نے یہ صرف ہم کو بلکہ تمام دنیا کو یقین دلایا کہ یورپ میں آج
 بھی وہی وحشی بس ہے ہیں جو آج سے ہزاروں برس پہلے آباد تھے
 اور جو صلیب تاریخ پر جانوروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے جنگ
 طرابلس نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ یہ تہذیب و تمدن کے مدعی انسان
 دنیا کے واسطے اتنے سود مند ہیں کہ اپنی غیرتم خواہین کو سر راہ بگاڑ
 پر سجا کر لوگوں کو آوارگی کی طوف مائل کر رہے ہیں۔
 جو انسانیت کا سچا زیور ہے ان میں نام کو نہیں ہے۔

پانچ سو روپے ضبط ہوئے کے بعد مزید پانچ سو روپے
 درض کرنے کا حکم ہوا، چنانچہ آپ نے اپنی والدہ کے دورِ مکان
 پانچ سو روپے میں رہن رکھے اور ضمانت داخل کی، یہ دین سود پر تھا
 چنانچہ سو روپے بڑھتے بڑھتے فرض کی رقم سے دگنا ہو گیا جب اصل
 رقم اور سود کی رقم کی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو بالآخر
 مکان فروخت کرنے پڑے، جس کا ذکر مارچ ۱۹۱۷ء کے
 تمدن میں ہے۔

”یہ تمام مصیبت اس شخص پر گزر رہی تھی جس کے دوست تو
 درکن رہاں پیمان بھی معدودے چند ہی تھے نظرِ غور سے دیکھا
 تو کچھ بے جا نہ تھا، صورت انسان سے کوسوں دور بھاگنے والا وحشی
 اس سزا کا مستحق تھا۔ تعلقات کے محدود دائرہ نے نکلنے کے سے
 بل نکال دئے، واقعات نے ثابت کر دیا کہ کامیاب وہی ہیں جو

فضائے عالم میں شہرت کے پردوں سے اڑیں، جھوٹے سچے دوست
 اچھے بُرے معتقد جان کے ساتھ ہوں عمر کا بڑا حصہ ملتانوں میں
 بسر ہوا، دل میں ادھر زبان پر نعرہ مذہب وہ اصول ہے جو موجودہ
 عالم، اسلام کو ختمِ زون میں مسخر کرے، تفکرات کا سلسلہ کسی طرح منقطع
 نہ ہو رہا تھا۔ کہ تمدن کا زیرِ ضمانت جس کا انھوں نے آج اظہار ہوتا ہے، فرض
 تنہا قریب پہنچا، یہ مطالبہ اس سنت تھا جس نے امیدوں کا فخر کر دیا۔
 مگر زبان سے نکلے ہوئے الفاظ دلیں نہ آئیں گے اور یہ داغ قبر تک
 ساتھ رہے گا، المختصر تمدن کی زندگی باقی تھی اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے
 کہ آج اس کو لہر امن سے پاک اور نقائص سے دور پاتا ہوں۔ البتہ ناظرین
 تمدن یہ سن کر ہزور درمچیدہ ہوں گے کہ ایک ایسی عزیز نشے جو بزرگوں کی
 نشانی تھی تمدن پر قربان ہو گئی۔ مگر داغ جب تک کام کے ذیل ہے
 اپنے خبط میں منہمک رہے گا اور اس سے پہلے کہ موت ان ارمانوں
 کو پورا کرے اگر کان یہ سن لیں گے کہ تمدن بھی زیادہ نے ایک عورت
 کی سچی زندگی سنواری تو عمر سب کی محنت ٹھکانے لگی اور وہ یادگار
 اعداد جو قربان ہو چکی وصال ہو گئی، کا بیابی معلوم، مگر دل اس خیال
 سے باغ باغ ہے کہ ایک ذلت ہزور آئے گا کہ بہ خون رنگ لائے
 یہ بیج بار آور ہوں اور ہماری مظلوم بیویاں اپنے تمھوں میں سچ مح کی ملک
 ہوں۔“

ضمانت کے رد پے مضبوط ہونے اور رکانات کے فروخت ہونے
 کے بعد مہرکتِ تنہا کہ تمدن میں پھر کوئی ایسا مضمون نہ آئے نہ ہوتا
 جو انگریزی حکومت کو ذرا بھی ٹھکتا مگر اب نہیں ہوا، طرابلس سے

بعد جنگ بلقان شروع ہوئی اور یورپ کی چار عیسائی طاقتوں نے
 ملی کر سلطنت عثمانیہ پر حملہ کیا اور ترکوں عربوں پر بے پناہ مظالم
 ڈھائے اس وقت تک کہ نہ تھا کہ علامہ کا دلی جو اسلام کے مدد
 میں ڈوبا ہوا تھا تازہ ہوتا ایک عرب سیدی مدفعہ اظہریر، ازکمن ماما
 دو آسمانی برف شہید طرابلس جیسے پڑتا تھا اور دروازہ انگریزوں نے
 اور مضامین تمدن میں شائع ہوئے اور سن ۱۹۰۳ء میں کتابی صورت
 میں چھپ بیعتان تمہید عرب اور مدفعہ اظہریر کی چند سطریں ملاحظہ
 کتنی اسلام کے ماحول غیب کیوں کی متفقہ طاقت اسلام پر حملہ آور
 ہے اور ترک صرف اس نے مدفعہ اظہریر کے محافل میں اپنی جائیں رکھتے
 ہیں، اے وہ مقدس روح (روحی فلا) جس نے اعلیٰ علیہ السلام کی
 تلقین ڈنکے کی جھوٹ دی۔ اے وہ پاک رسول جس نے سحر سے
 مجھے میں حاتم کی اڑکی کو اپنی جامہ اڑھا کر ماحول نظروں سے بچایا، آج
 تیری امت کی بیانی ہوئی غوث قب اور کساری اڑکیاں ہر نہ کی جاتی
 ہیں، ظالم بادار بلند لیکار رہے ہیں کہ کعبۃ اللہ اور مدنیہ منورہ تاج
 کرتے ہیں، ایسی دنیا ان کے ارادوں پر مرجھا رہی ہے اور اس وقت
 کی منتظر ہے کہ اسلام روئے زمین سے نیست دنا ہو دسوا جائے۔
 سلام سے تمدن کی اشاعت میں بے قاعدگی ہونے لگی
 نھی اور ہر ماہ اس سے نقصان ہو رہا تھا، تمدن حقوق سوال پر
 زور دے رہا تھا اسی قدر اشاعت گری ہوئی تھی ۱۹۰۱ء میں خریدار سات
 سو کے قریب تھے ۱۹۰۵ء میں تین سو سے بھی کم، سوا چار سال جاری
 رہا کہ تمدن بند کیا گیا بلکہ علامہ نے ایسے بچپن کے دوست

تہدی عباس حسین صاحب کو دیدیا، چنانچہ قاری صاحب نے نومبر ۱۹۱۵ء کا ہلال شریعت لکھا۔ سارہ وہ نکاحی سال تک لکھنؤ سے شائع کرتے رہے۔ تمدن نو دیتے وقت علامہ نے فرمایا تھا۔

”تمدن ہلال پرچہ تھا جس نے حقوق نسواں کی حمایت میں آواز بلند کی اس وقت کوئی مردانہ پرچہ حقوق نسواں کا حامی قوم میں موجود نہ تھا اور مجھے یقین کامل ہے آئندہ بھی دس بیس برس تک موجود نہ ہوگا۔“

یہ رسالہ لکھنؤ سے دہلی آگیا دسمبر ۱۹۲۲ء تک تو جناب قاری محمد عباس حسین صاحب لکھاتے رہے چنانچہ اس رسالے نے اردو کو ترقی دینے کے لئے جو کتا بھی چھپوائیں اس کا ذکر دسمبر ۱۹۲۳ء کے پرچے میں ہے۔

”اس موقع پر یہ عرض کر دینا غالباً بے فائدہ نہ ہوگا، کہ سال گذشتہ تمدن کے ذریعہ حوارد کی خدمت کی گئی اس کے علاوہ دفتر رسالہ تمدن نے حسب ذیل کتب شائع کی ہیں۔

تھانیف جناب قاری محمد سرساز حسین صاحب، شاہد رضا سعید، سعادت، منزائے عیش، انجم عیش، سراب عیش، انیس الفربا، احیاء ملت، دل کا عجب تاب خانہ، لطف زندگی، اول الفکر، حیوت میں قاری صاحب کے وہ افلاقی ناول ہیں جن کی تالیف ہندوستان کے شاہیر نے کی ہے جناب قاری صاحب کی تصنیف کے علاوہ دفتر رسالہ تمدن نے اسی سال ملک کے مشہور مصنف مقبول غم علامہ اشد الغری کی دو تصانیف کے جدید ایڈیشن شائع کئے یعنی نوہ زندگی اور غم و شہو

تہذیب کے ذریعہ سے ایک قابل اہل قلم جناب ضیاء المصاحبہ کا ادبی دنیا میں امتداد ہوا۔ ہم نے آپ کے قلم سے عین تین بیس انجام زندگی، ازبک زندگی اور مرآۃ زندگی شائع کیں۔

تاریخ اسلام ایڈیٹر مٹھی غلام قادر فصیح تھے۔ ہم صفحات پڑ نکلتا تھا جو نیدہ روزہ تھا، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ شمیریں بگڑیں لاہور نے اپنے شمارے اگست ۱۹۷۷ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا تھا۔

.. حضرت حمایت علی قناہ صاحب صوفی کی رائے سے تاریخ اسلام ایک نیدرہ روزہ اسلامی رسالہ مٹھی غلام قادر فصیح کی ایڈیٹری میں یا کوٹ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کے دو ابتدائی نمبر حقیر کے ملاحظہ سے نکلے، تاریخ اسلام کے دل چاہ و افہام نہایت جوش کے ساتھ سُر پیرائے میں درج کئے گئے ہیں طرز بیان سے ایڈیٹر صاحب کی یا قناہ و تاریخ دانی کا یہ جلتا ہے فی الواقع یہ رسالہ اگر سب طرخیوں سے بہتر کیا جائے تو بہترین طرخیوں میں سے ایک ضرور ہے۔ عبارت نہایت ہمدان ہے اگر ابتدائی طالب علم سے لے کر بڑے سے بڑے عالم تک اس سے یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ایڈیٹر صاحب کی محنت اور عرق ریزی قابل شک یہ ہے جنہوں نے موجودہ اسلامی دنیا میں باہم از کم اسلامی مہندستان میں ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے۔ غرض یہ رسالہ ہر پہلو سے قابل قدر ہے۔

ادیب الاطفال | محلہ دارالافتا حیدرآباد دکن سے اگست ۱۹۱۱ء کو یہ رسالہ وجود میں آیا، ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا ایڈیٹر مرزا محمد شمس الہ آبادی نے اس کا قلمی نام "ادیب الاطفال" رکھا ہے۔ اس میں طبع ہوتا تھا، سالانہ چند ایک روپیہ چودہ آنہ تھا، بچوں کے لئے یہ رسالہ جاری کیا گیا تھا۔

ہندو | لاہور سے اکتوبر ۱۹۱۱ء میں یہ اخبار مہفتہ وار نمودار ہوا، ایڈیٹر نیڈٹ بری لال شرما تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا، صبح پریس میں چھپائی جوتی تھی۔

اس اخبار کا پہلا پرچہ دو نمبر چھپا گیا تھا اس کی ۱۹۱۲ء میں ڈھائی ہزار اشاعت تھی ۱۹۱۱ء میں ہی اس اخبار نے رام نمبر بڑی شان سے نکالا، ملک کے لاکھوں قابل فہم مسلمانوں نے شہر و قلعہ میں مضامین لکھے، یہ نمبر ملک میں بے حد مقبول ہوا، ۱۹۱۲ء میں کرشن نمبر بھی شائع کیا جس میں کرشن جی کے حالات تھے۔ لیکن رام نمبر مضامین کی عمدگی کی وجہ سے بہت بلند تھا۔

طالب دیدار | گزری بازار میرٹھ سے یہ ماہنامہ گلستانہ نومبر ۱۹۱۱ء سے جلوہ افروز ہوا، ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا ہر انگریزی ہینے کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا تھا، سرپرست جناب صوفی خواجہ شمس محمد اکبر خاں دارانی، ایڈیٹر ملک جناب شمس الدین احمد صاحب شمس میرٹھی تھے، سالانہ چندہ سو روپیہ تھا، طبع شمس اللہ خان میرٹھ میں چھپتا تھا، اس رسالہ کے سرورق پر ایک اردو اور ایک فارسی کا شعر درج ہوتا تھا۔

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب

آؤ نہ ہم سب سیر کریں کوہ طور کی

حاجی بروکعبہ دمن طالب دیدار

اد خانہ بھی جو بد دمن صاحب خانہ

جنوری ۱۹۱۷ء کے شمارہ میں جن شعرا کی غزلیں شائع ہوئی ہیں

ان کے قلمبہ اعتبار ملاحظہ فرمائیں۔

جناب مفتی محمد اکبر خاں اکبر دار تلی سجوری تم الیرٹھی ۷

صدقہ آنکھوں کا چھکاٹے پیرے خانہ ہمیں

رے ترے قرباں پے مانہ یہ پیسا نہ ہمیں

تم نے بدلے میں وفاؤں کے حفا میں ہم پہ کیس

ہم نے پیسا نا تھیں، تم نے نہ پیسا نا ہمیں

جب سے اکبر میں شبہ الفقر مخبری کے گدا

خال سے بہتر ہے یہ رقی فقیرانہ ہمیں

جناب مفتی محمد رمضان صاحب اختر برہانپوری، تلمیذہ جناب صاحب برہانپوری

لکھتو دل کھانے میں ہم خون جگر پیٹے ہیں ہم

یہ غذا تیں ملتی ہیں وقت میں روزانہ ہمیں

ابتداءے عشق میں ہم کو ملا ہے یہ لقب

اس نے محفل میں دکھا رکھہ کے دیوانہ ہمیں

داستان عشق اب اٹھو سنائیں ان کو آپ

وہ جو کہتے ہیں ساڈ، کوئی اف نہ ہمیں

جناب مفتی پیا سے لال صاحب پدیر تلہری تلمیذہ حضرت ہجر شاہجہان پدی

اپنے غم کی خبر دیدے برے خاندان ہمیں
 ایک بوقت، ایک ساغر، ایک پیسا نہ ہمیں
 اپنے دیوانہ کو وہ بھی جانتے بول گئے غرور
 اک زمانہ جانتا ہے ان کا دیوانہ ہمیں
 عاشقی ہم سے نہ چھوڑے گی نہ چھوڑے پیر
 شوق سے کہنے وہ کہتے ہیں جو دیوانہ ہمیں
 خانباشی شیخ عبدالقادر صاحب رافد ایکٹ پوری شہر گرد حضرت
 خلق بناوی ۷

ہم تہوں کے چائے والے ہیں اس شیخ حرم
 تجھ کو کعبہ ہو مبارک اور بت خانہ ہمیں
 جس کے دیوانے میں ایسی بھاگتی اس کی گلی
 کوئی بستی سی پسند آتی نہ دیرانہ ہمیں
 خانباشی مالک رام مالک شہر ہاری غازی پوری شہر گرد حضرت شہزادہ لکھنوی
 کہتے ہیں وہ دل میں آکر ہم بے تیس گئے اسے
 میر تقی میر طرہ آیا یہ دیرانہ ہمیں
 کیوں نہ سوئیں ہیں سے بعد فنا ہم گود میں
 مل گیا راحت فنا کیا یہ کاشانہ ہمیں
 عشق جانناں میں کبھی راحت نہیں آتی ہے اس
 اب صیبت ہی سے کر لیا سے بارانہ ہمیں
 لاہور سے نومبر ۱۱۱۱ھ کو یہ ماہانہ مکتبہ جاری ہوا
 نادریٹ | ایڈیٹر غلام قادر فصیح سے ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا

سالانہ جینہ تین روپے تھا۔ کشتی میگزین لاہور کے شمارے نومبر ۱۹۱۱ء میں اس سالہ پر نو چھپا تھا۔

گلشن نظم و نثر کا یہ دل چاہ گلدستہ نومبر ۱۹۱۱ء سے مر مٹنے تا نقین کے مشام جان کو محسوس کیا کرتا ہے، چھوٹی چھوٹی سطور بیاں کھاتی ہیں اور پھر طبعی رسالہ کی دل چاہی و پر دل عزیزی کا بین تبوت ہیں۔ ہر رسالہ میں تین چار مکمل کہانیوں کے علاوہ ایک مسلسل ناول بھی ہوتا ہے۔ کاغذ لکھائی، چھپائی دیدہ زیب ہے، غرض سالانہ ظاہری و باطنی شکل و صورت میں نہایت دل نریب ہے، اہمیت سالانہ تین روپے ہے جو ایسے مفید اور فرح بخش لٹریچر مہیا کرنے والے رسالہ کے لئے ہرگز زیادہ نہیں ہے۔“

غلام قادر فصیح | فصیح صاحب پرانے اخبار نویس اور بڑے شائق تفریح تھے، کچھ عرصہ امپریل سپر کے ایڈیٹر بنے کے بعد انھوں نے یا لکوٹ سے پنجاب گزٹ نامی ایک اخبار نکالا۔ جو کئی سال تک جاری رہا، عرصہ تک ایک ماہوار رسالہ جرنلٹ نکالتے تھے اب آخر میں تاریخ الاسلام کے نام سے ایک سلسلہ کتب شروع کیا ہے، اندرہ سال تک یا لکوٹ پرنسپل کیٹی کے ممبر سے ایک کے کاموں میں دل چسپی لیتے تھے ۱۹۱۲ء (اپریل) میں فوت ہوئے۔

ادورڈ | نومبر ۱۹۱۱ء کو متوکا پور سے یہ ماہنامہ ظہور پذیر ہوا، ۱۲ صفحات پر مشتمل تھا، مرتب نیام سندرگم

تھے، سالانہ چنہ ڈیڑھ روپیہ اور ۲ سارے فی پرچہ قیمت تھی پی لگم
پریس کا پندرہ میں طبع ہوتا تھا۔

اردو | یہ ماہنامہ رسالہ دسمبر ۱۹۱۱ء کوٹ اچھی جالندھر سے
نمودار ہوا، مرتبہ و مالک فتح محمد خان جالندھری
تھے، ۶ صفحات پر نکلتا تھا، روز ہزار اسٹیم پریس امرتسر میں چھپتا
تھا، سردرق پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا۔

مطبوعہ دل پیرو جواں ہے اردو
نورِ نظر اہل زبان سے اردو
ہے منیدگی جاں لیکن از روئے عدل
کہہ سکتے ہیں ہم جانِ جہاں ہے اردو
مولانا حسرت موہانی نے رسالہ اردو کے معنی علی گڑھ خنوی ۱۹۱۲ء
میں اس رسالہ پر دیوید کیا تھا۔

دسمبر ۱۹۱۱ء سے اردو زبان کا یہ ایک نیا اور مفید رسالہ شہر
جالندھر سے نکلتا شروع ہوا ہے اس کے ایڈیٹر مولوی فتح محمد صاحب
جالندھری کا نام مصنف صباح القواعد اردو کی حیثیت سے دنیا کے
ادب میں پہلے ہی مشہور ہے۔ اس رسالہ کے اجراء سے آپ کا مقصد
ادب اردو کی ترقی و توسیع اور زبان کی تصحیح اور ملک میں صحیح علمی مذاق
پیدا کرنا ہے۔

دربار | محلہ نولہ لکھنؤ سے یہ ماہوار رسالہ ۲ دسمبر ۱۹۱۱ء
کو نمودار ہوا، ۶ صفحات پر نکلتا تھا، ایڈیٹر منشی
رام سہاسی تھے سالانہ چنہ دو روپے تھا اردو پریس

میں گنج لکھنؤ میں طبع ہوتا تھا۔

رسالہ کے سرورق پر یہ قلمدوسع ہوتا تھا۔

دربار ہے کہ بزم شان و وقار یہ ہے ،

ہمارے سمجھنے کی تازہ بہار یہ ہے

قد اس کی اے تمنا مول سے ہے مناسب

دربار ہوتا چوشتی کی یاد محار یہ ہے

یہ رسالہ طبائع کے لئے لکھا لگتا تھا ، جس میں تاریخی ، ادبی ، معلوماتی

اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے تھے ، اودھ اخبار لکھنؤ کے پرچے

یکم فردی علاقہ میں اس رسالہ پر دیو دیو جی ہے ۔

یہ ماہوار رسالہ محلہ نوبتہ لکھنؤ سے نکلتا شروع ہوا ہے اس

کے ایڈیٹر منشی مہم سہائے تناسلی ڈپٹی انسپکٹر اس میں جو علاوہ صاحب

تھانیت کثیر مرتبے کے فن قرائع نگاری میں بھی شہرہ آفاق ہیں ۔ اس

رسالہ کے دو نمبر شائع ہو چکے ہیں اور دونوں محلہ اور دل چسپ مضامین

نظم و نثر کے لحاظ سے نہایت قابل قدر ہیں ۔ جنوری کا رسالہ اس وقت

ہمارے زیر نظر ہے اس میں اکثر تاریخی اور اخلاقی مضامین میں جن

سے طلباء خاص طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں ، ہمارے خیال میں اردو علم و

ادب میں یہ رسالہ ایک جدید اضافہ ہے ۔

سجواں سے یہ بندہ روزہ جریہ ۱۹۱۱ء کو نمودار

الحجاب ماہوار صفحوں پر نکلتا تھا ، سید محمد یوسف قیصر اس

کے ایڈیٹر تھے ، پانچ روپیہ سالانہ چندہ تھا ، ادبی رنگ غالب تھا ۔

افتخار جادو سے یہ رسالہ ۱۸۲۲ء میں پیر مارچ ۱۸۱۹ء کو وجود میں آیا۔ ایڈیٹر جناب بیڈل تھے، نگار کی چھٹی عمدہ نسخہ، طرحی غزلیات زیادہ تر مہرئی تھیں۔

عروج خیال مدراس ہونٹ روڈ، کوچہ تولیت خاں عقبہ مسجد دلاہی مکان ۱۸ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۸۱۹ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا، منشی محمد احمد منشی الدین شہرت دہلوی ایڈیٹر منشی محمد اسعد اللہ صاحب دہلوی مالک تھے، سالانہ چہندہ دد روپیہ تھا۔ سہ ماہیہ رسالہ ۱۸۱۹ء میں جلوه افروز ہوا، منشی محمد جعفر صاحب مہتمم تھے ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا، سالانہ چہندہ سوار روپیہ تھا، اس میں اخلاقی مضامین کے علاوہ غیر طرحی غزلیات درباغیات سمجھنی تھیں ادھر آخر کے چار صفحات پر بالفاظ طائل پختا تھا۔

ایڈورڈ گزٹ ایسٹ آباد سے یہ مفتہ دائرہ ۱۸۱۹ء میں نمودار ہوا، ۱۲۸ صفحات پر مشتمل تھا، منشی قلندر خاں ایڈیٹر تھے سالانہ چہندہ چار روپیہ تھا۔

رسالہ کشمیری میگزین لایور نے جون ۱۸۱۹ء کے پرچے میں اس پر رپورٹ کیا ہے۔

”انجمن اہل کادو در حقیقت کسی ملک یا قوم کے زندہ ہونے کی ایک علامت ہے۔ علاوہ سرحد شمال میں سبھی انجمنات رفتہ رفتہ جاری ہو رہے ہیں ایڈورڈ گزٹ جو حال ہی میں جاری ہوا ہے ایک اچھا اندکار آمدن خاں رہے خصوصاً سرحد اور خلیج ایسٹ کے لئے“

ایک نعمت ہے، ایڈیٹر منشی محمد قلندر خاں صاحب میں۔
 لاہور پاپڑ سنڈی سے سلاسلہ میں یہ رسالہ
 پرنسز گار دجہ میں آیا، ایڈیٹر سٹرلین سہائے آزاد تھے
 ۴۴ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا فیض عام پریس لاہور
 میں چھپتا تھا، یہ رسالہ ٹمبرنس بیڈ آف جوب لاہور کا آرگن تھا۔
 اس رسالہ پر کشمیری میگزین لاہور نے اپنے شمارے جن سلسلہ
 کو یہ قصہ کیا ہے۔

” لاہور کا رسالہ آزاد اردو علم و ادب کے رسالوں میں بہت اچھا
 ہے اس کے ایڈیٹر سٹرلین سہائے آزاد نے ٹمبرنس سوسائٹی لاہور
 کی سرپرستی میں پرنسز گار کے نام سے لیک نیا رسالہ جاری کیا ہے
 جس میں اچھے اچھے مضامین نظم و نثر کے درج ہوتے ہیں اس رسالہ
 کا بہت بڑا مقصد ٹمبرنس پر جا ہے ہر شخص بلاسی ظلم و سب
 و ملت اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔“

نہال سخن | بریلی، متصل کوٹوالی سے یہ ماہانہ گلستانہ سلاسلہ
 کو دور میں آیا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا، منشی مفتی
 عمار الحسن محو اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا، اس
 کے منیر حکیم محمد نصیح الزماں آخر تھے

نور الدین سلاسلہ کے شمارے کے شوار کا قنوب کلام گوش گزار ہوا
 حساب احسن خاں صاحب احسن پھولوں ضلع مراد آباد
 صحت گئی رندوں پہ ساری پارسائی سبب کی
 رات نینچانے میں تم کے خم چڑھا کر رہ گیا

گور میں رکھ کر عزا زدا آشتی رخصت ہوئے
 آج میں تنہا کفن میں منہ چھپا کر رہ گیا
 جناب سہ بندہ علی صاحب آلم قعب اجماع صلح تبریزی ہے
 یا اہلی اس کے در سے جھک بھی کچھ ہاتھ آئے
 ہاتھ اٹھا کر جس کے در پر ہر تو نگر رہ گیا
 تو نے اپنے رنگ میں یارب آلم کو یوں رنگا
 سب تو چھوڑا اس نے وہ تیرا ہی ہو کر رہ گیا
 جناب منشی نانک چند ادج بریلوی تلمیذ حضرت حسن مرحوم ہے
 کیا طلسم کارخانہ، آئینہ خانہ نہیں ہے
 جو گیا وہ نقش بردوار ہو کر رہ گیا،
 کیا تباؤں آدج کیا دیکھا دم دیدار بار
 آنکھ حیراں رہ گئی، دل سو تڑپتا رہ گیا
 جناب تاضی حاجی حافظ خلیل الدین حسن حافظ آفریدی بمبئی پٹی سیتی ہے
 کون سبھو کا دید کار و منہ کے باہر رہ گیا
 آپ کا پروردہ بندہ، بندہ پروردہ رہ گیا
 جا کے روضہ میں خبر حافظ کی یوں دنیا صبا
 آپ پر جو مر رہا تھا آج مر کر رہ گیا
 جناب بابو ہائیک لال صاحب عسرت بریلوی تلمیذ رائے گوری شنکر
 صاحب عسرت لکھنؤی ہے
 آتے آتے میرے گھر پر وہ ماہ سپکر رہ گیا
 میرا اقبال اے گردن چمک کر رہ گیا

یار کا نام را دم توڑنا وقتِ سحر
 جس نے دیکھا کہہ کے وہ اللہ اکبر رہ گیا
 رسالہ شاہ سمن حیدر آباد دکن کے شمارے فروری ۱۹۱۱ء میں
 اس رسالہ پر ریو یو بھی تھا۔

”نہال سمن ایک ماسولہ کی گلدستہ ہے چشمہ ربلی سے منشی
 مفتی محمد الحسن صاحب محو کی زیر اہل بڑی شائع ہوتا ہے، اس
 میں ہندوستان کے مستند شعراء کا طبعی کلام قابل دیدن ہے کاغذ
 کفائی چھپائی عمدہ، حجم سوٹا ٹائپل ۳۲ صفحے، چند سالانہ
 معمول ڈاک اپنی شہر سے ڈیڑھ روپیہ بیرونجات سے دور دیے،
 میرٹھ سے یہ مفت دارا اخبار ۱۹۱۱ء میں شائع
 تاجر | ہوا، مولانا دیر احمد غنجدی اس کے ایڈیٹر مالک
 تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

ممبر عالم را دآباد کے ہار اگست ۱۹۱۱ء کے شمارے میں اس
 اخبار کا یہ اہتمام شائع ہوا۔

”مفت حاصل کرد، اور ایک ردیہ کا انعام، کیونکہ صرف
 پانچ خریداروں سے سالانہ قیمت دفتر میں سمجھا دو، پھر کیا ہوگا اسلامی
 ڈوٹیکمیشن ایک ننگ (۱۲ آرائے) اکبر الفنون قیمتی ہمراہ انجمن تاجر
 سال سمجھت مفت ملے گا۔ کیا تاجر میں کوئی خاص بات ہے۔ ہاں
 مسلمانوں کے لئے۔ وہ کیا؟ مسلمان حلال روزی حاصل کرنے
 کا بہترین ذریعہ، تجارت کے فوائد، اصول و قواعد، تیرہ اور لطیف
 زبان میں تاجر نے خبریں معلوم کرنا چاہیں تو تاجر ضرور خریدیں،

اگر مسلمان مذہبی اعتبار سے دنیا میں اقتدار قائم کرنا چاہیں تو تاجر کے اسلامی آرٹیکل پر مبنی طور پر غنا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے، قیمت سالانہ صرف تین روپے ہے۔

ایک دوسرا رعایتی اعلان ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۲ء کے خبر عالم مراد آباد میں چھپا۔

”سال گذشتہ ہم نے ایک زبردست رعایت عید الفطر کے موقع پر دی تھی، جس سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا، اسال یہ موقع نہ پانے کے سبب سے بعض حضرات بتا کید و اصرار اس پر توجہ دلا ہے ہیں، اگرچہ اس میں دفتر کا نقصان مزید ہے۔ تاہم ناظرین کی دلدی کو مد نظر رکھ کر غیر انفعالی کے لئے حسب ذیل انعام جو بڑھتے ہیں جمعہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو درخواست کرتے والے اصحاب کو سال بھر کامل اخبار تاجر بجائے تین روپے کے نصف قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے پر ملے گا۔ ایسی درخواستیں صرف دوسو کی تعداد میں لی جائیں گی۔“

میدیکل ڈائریکٹر | امرتسر سے یہ پندرہ روزہ طبی رسالہ ۱۹۷۲ء میں نمودار ہوا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا

ایڈیٹر ریڈیو، ایس بی نغمہ اینٹیلٹ تھے، سالانہ چندہ ایک ہجیر تھا۔ سائنس دھرم انیم پر لیں امرتسر میں چھپتا تھا، سرورق پر یہ شہر درج ہوتا تھا۔ بظاہر دیکھنے میں گو بہت ہی سبوتاھا لگتا تھا۔ نگاہ غور سے دیکھتے تو میں سب سے زالا ہوں

المبشرۃ | مواد آباء سے اکتوبر ۱۹۱۱ء کو یہ مفتہ دلاز خبہ
 طہر پذیر ہوا۔ جس میں خبروں اور مضامین کے
 علامہ مولانا اشرف علی صاحب کے قنادی بھی درج ہوئے تھے۔
 آفتاب اردو | لدھیانہ سے یہ ماہنامہ سالہ ۱۹۱۱ء کو جاری ہوا۔
 مالک ڈاکٹر مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب
 آبادی تھے۔

مولانا احسان اللہ خاں تاجور | مولانا نجیب آباد ضلع مجبور کے پنے دے
 تھے درآنی پٹھانوں کے خاندان سے
 تعلق رکھتے تھے، والد کا نام محبت اللہ خاں تھا ۱۹۱۱ء میں
 نئی تال میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دیوبند سے
 فارغ التحصیل ہوئے ۱۹۱۱ء میں لاہور آکر آڈیشن کالج سے
 سولری حاصل اور نیشنل حاصل کئے امتحانات پاس کئے پہلے دیال سنگھ
 ہائی اسکول میں آڈیشنیل میٹر لکے کچھ عرصہ کے بعد دیال سنگھ
 کالج میں پروفیسر ہو گئے۔

مولانا شاعر اور ادیب اور صحافی کی حیثیت سے بہت مشہور
 تھے ماہنامہ آفتاب نکالنے کے بعد ۱۹۱۱ء میں تاج الکلام نجیب آباد
 سے نکالا۔ اور پانچ سال تک مخزن کی ادارت کی ۱۹۲۲ء میں
 ہمایوں کے ایڈیٹر مقرر ہوئے کچھ عرصہ کے بعد پھول کے لئے
 پریم جاری کیا ۱۹۲۹ء میں رسالہ ادبی دنیا نکالا ۱۹۳۳ء میں
 رسالہ قلم کار جاری کیا جو بڑا بلند پایہ رسالہ تھا میسر عطر حید
 کپور ایڈیٹر کے تعاون سے اردو مرکز قائم کر کے اردو نظم و نثر

کامترین انتہا ہاتھ میں لٹاق کبار۔ انجن ارباب علم نے
 سال ۱۹۵۶ء میں بلخ الملک کا خطاب دیا مگورنٹ نے علی دہلی
 خدمات کے جملہ میں ۱۹۵۶ء میں شمس العلماء کا خطاب عطا کیا
 علامہ لاہور میں آمد سے قبل آفتاب اردو اور تاج الکلام کے
 علاوہ رسالہ نالہ لیل کے ایڈیٹر بھی رہ چکے تھے۔

علامہ نے پنجاب میں اردو شاعری، اردو ادب اور ادبی ترقی کا
 کچھ اس نثر سے صورتوں کا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے خواہش
 جذبات بیدار ہو گئے۔ لکھنؤ اور دہلی میں ادیبوں کی تحریر کا
 جو رنگ تھا اس کے سانچے میں پنجاب کی ادیبوں کی تحریریں
 ڈھلنے لگیں، رسائل اور اخبارات کی زبان میں جو پیکان تھا
 رفتہ رفتہ اس کی جگہ ہانپن نے لے لی، بیگمات اُدھکی ہسالی
 زبان کی چھاپ جب پنجاب کی اردو پر پڑی تو زبان کا لطف
 دہ بالا ہو گیا۔

علامہ صاحب نے آخری زندگی درس تدریس میں
 گزاری اور ۳۰ جنوری ۱۹۵۶ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔

سوداگر | یہ تجارتی ماہنامہ میرٹھ سے ۱۹۵۶ء میں ظہور
 پذیر ہوا۔ ۲۰ صفحات پر لکھتا تھا اس سے
 ایڈیٹر لال کیدار ناتھ تھے سالانہ خیرہ سوار دیہ تھا۔ مبلغ رام
 نشین پریس میرٹھ میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ عبارت تحریر ہوتی تھی
 ”اس کے اجراء کی غرض تہافت کو فروغ دینا ہے۔“

اس رسالہ کے ضوابط حسب ذیل تھے۔

- ۱۔ ممبرانہ کی ۱۵ ارب تاریخ کو نتائج حوا کرے گا۔
- ۲۔ حجم رسالہ ۲۴ صفحہ سے ۴۰ صفحہ تک بشرط ضرورت حوا کرے گا۔
- ۳۔ سوار دیہ سالانہ جمعہ امداد کے واسطے لکھا ہے تاکہ غلام الناس اس سے مستفیض ہو سکیں۔

۴۔ ہر خریدار رسالہ کو سوار دیہ کی قیمتی کتب مفت نذر ہو سکتی ، ہر خریدار کو لازم ہے کہ فہرست کتب میں سے جو ماہ فروری کے رسالہ کے ہمراہ ہوگی سوار دیہ کے کتابوں کے نام لکھ کر بھیج دیں تاکہ رسالہ کے دہائی کے ساتھ روانہ کر دی جا سکیں۔

۵۔ جو صاحب رسالہ کے لئے عمدہ مضامین مرحمت فرمائیں گے ، وہ شکریہ کے ساتھ طبع کئے جائیں گے اور قابل ذرا نفع نگاران کی خدمت میں بلا قیمت رسالہ بھیجا جائے گا ، لہذا جو صاحب اپنے مضامین نظم و نثر روانہ کریں وہ اخلاقی یا صنعت و حرفت سے متعلق ہوں۔

۶۔ جو صاحب اس کے پانچ خریدار بہم پہنچا کر پیشگی قیمت خریداروں سے سبوا دیں گے مفت رسالہ ملتا ہے گا۔

رسالہ کی کتابت ، طباعت اور کاغذ عمدہ تھا ، مضامین بھی اچھے ہوتے تھے ۔

س ۱۴ ۱۶

المُعِين | امرِ تر سے یہ ہفتہ دار اخبار ۱۰ فروری ۱۹۱۲ء کو عالمِ وجود میں آیا۔ پہلے پندرہ روزہ تھا یکم جولائی ۱۹۱۲ء سے ہفتہ دار نکلتے لگا، سردار محمد اسلم خاں اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ دور دیے تھے۔ اس اخبار کی پالیسی آزادانہ تھی خوشامد سے احتراز کرتا تھا اسلامی معاملات میں بیابکانہ رائے دیتا تھا۔ بحیثیت مندوستانی ان کی خواہش تھی اور اخبار کی پالیسی تھی کہ ہندوستان کو آسٹریلیا اور کنیڈا کی طرح حکومتِ خود اختیاری حاصل ہو، اخبار کے مقاصد اور اسلم صاحب کے ارادے کیا تھے اس کے متعلق اسلم صاحب تحریر کرتے ہیں۔

”اصل میں میرا مقصد بلوچی علاقہ جات، ملک بلوچستان و سندھ اور ضلع ڈیرہ غازی خان وغیرہ میں بلوچی قوم کی قلمی و تمدنی ترقی

کے لئے سمجھ توئی ہائی اسکول امپک بلوچ کالج کے قائم کرنے کا
 ہے جس کے لئے پہلے یہ ضروری ہے کہ ایک بلوچ ایجوکیشنل کانفرنس
 قائم کی جائے اور اس مدعا کو مد نظر رکھ کر اس وقت جبکہ حرب
 فشا کوئی اسسٹنٹ ایڈیٹر مہیا کروں گا۔ بلوچی علاقہ جات میں
 قومی و بنگالی تحریک کے لئے دورے کروں گا، اس کے علاوہ خاص
 اپنے محاذوں سوکڑ میں ایک بلوچی ہائی اسکول کی سکیم تیار کی ہے اور ایک
 لاکھ روپے فراہم کر کے ملک میں ایک ڈیوٹیشن لے جاؤں گا۔ وہ خیالات
 میں جن کو میں اپنی سیاست لاکھ قوم کی اصلاح و ترقی کی خاطر مناسب
 حالات ہوتے پر عملی صورت میں لانے والا ہوں۔ ڈیپٹی کمشنر نے
 اخبار المبین سے ضمانت طلب کی جس کی خبر سمان لہر تشر روز ۲۹ اکتوبر
 ۱۹۴۷ء میں چھاپی اور اس کے ایڈیٹر سوئی تارا اللہ نے اس اخبار کے
 فنڈ میں حصہ دینے کی اپیل کی۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ڈیپٹی کمشنر نے المبین اخبار سے
 بنیادہ سرور دے پے کی ضمانت طلب کی اور تا اودخل ضمانت اخبار بند کر دیا
 اخبار دوبارہ جاری کرنے کو المبین کا امدادی فنڈ کھولا گیا۔ اگر المبین
 کو جاری رکھنا قومی پہلو سے مفید سمجھتے ہو تو دل کھول کر اس کی اعانت
 کریں۔ فنڈ کے اعلان سے پیشتر عمل طور پر مولوی ظفر علی خاں بی اے
 ایڈیٹر زخیر نے پیاس روپے دئے تھے۔

تبدیل تنکاف کے قدا علم سرور و تنک خاں کثیر لکھ لکھ
 سردار محمد اسلم خاں ا ستے جن کی علمہ علمہ تانہیں متانی اور مشکافی کی
 شہد میر۔ قوم ملغانی جو سرور کے بیٹے ملغانی خاں کے نام سے

غشتر ہو گیا، اس کے بعد آپ نے اخبار المعین جاری کیا، آپ کو شعرو
شاعری سے بھی دل چسپی تھی اور اپنے قلم کو بیدار کرنے کے لئے
قلمیں کہتے تھے۔

تعمیر کئی بیدار کوئی ارماں بیدار تو اے بے حس طوطی قوم کچھ علمیاں بیدار
تے از لولہ قلموں جھلنے فاقہ منی من تو ان کو سیر کرنے کا کوئی سامان بیدار
زبان حال سے بچتی ہے حدت اہل نور بستی نئے اسباب بیدار کرنے کا ماہان بیدار
فلک پر نشتری قضاں بوزیرہ و جدیدیں آئے
سرود قومیت میں کوئی ایسی تان پیدا کر

اشاعت الحکمت | خیر انوار دروازہ لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ فوری ۱۹۱۲ء
کو نکلتا ہے ہوا۔ مرزا عبد الحمید بیگ اس کے ایڈیٹر تھے
سالانہ چندہ ڈیڑھ سو روپیہ تھا۔

کثیریری بگزین لاہور کے ... ماہانہ ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس
رسالہ میں ریڈیو چھپا ہے۔

حکیم مرزا عبد الحمید بیگ ایک عرصہ کی خاموشی کے بعد اخباری میدان
میں آئے ہیں آٹھ نو سال کا عرصہ ہوا کہ وہ رسالہ کامل اور ایک اور
رسالہ کے ایڈیٹر تھے اب انھوں نے صرف طبابت کے متعلق ماسوا
رسالہ جاری کیا ہے، فوری کا رسالہ پہلا رسالہ ہے بلحاظ مضمون
وغیرہ ایک بہتر رسالہ ہے۔

النسان | امرتسر سے یہ رسالہ اپریل ۱۹۱۲ء ع کو جاری ہوا
اس کے ایڈیٹر منشی غلام تیر فرخ تھے سالانہ چندہ
ڈیڑھ سو روپیہ تھا۔ اس رسالہ کا مقصد اخلاقی، تاریخی اور علمی ریڈیو پر

تلاش کرنا تھا، اس کا پہلا مرحلہ یاغ سوچنا تھا جو زیادہ تر نمونہ کے طور پر سمجھا گیا۔ سلاسلہ غائب اس کی انشائیہ تقریباً یاغ سرشتی۔

دلائل اور الکلام آزاد مصر سے نیدرستان آئے۔

الہلال

دلہاں انہوں نے سرزمین خراغہ پر ترقی آزادی کی دل فریب چہرہ کی جھلک دیکھ لی تھی اور وہ یہ بھی دیکھ آئے تھے کہ بعض اسلامی اور مشرقی ملکوں میں کس طرح مذہبی رات کے بعد آزادی حریت کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے آپ نے مصری صحافت کے نمایاں رجحانات کا بھی جائزہ لیا تھا جس سے آپ متاثر ہوئے۔

سلاسلہ کی مدد رائیں جو موسم سرما میں گزری تھیں انہیں امرتسر کے مدد ان قیام مولانا کی چشم بیداری نے یہ خواب دیکھا کہ ایک عظیم انعید کا اجر تیرے ہاتھوں سے ہونا ہے۔ کامل چھ برس اس خواب کی جستجو میں صرف ہوئے، بہت فاکے بنائے، پروگرام بنے امیدوں کی غلطی اور دوڑوں کی سورش نے ہمیشہ مضطرب رکھا یہاں تک کہ وہ مبارک سلاسلہ کا سال آج میں اس خواب کی تعبیر ملی اور مصری صحافت کے جو نقشے دیکھتے تھے اس کی تکمیل کے دن آئے۔

سارا جولا کی سلاسلہ کو الہلال کے سیکڑوڈ کلکتہ سے منفقہ دار حلوہ افروز ہوا پہلے سو صفحات پر لکھا لیکن اس کے بعد صفحات کی قید نہیں رہی قزندت کے مطابق صفحات متواتر ہو جاتے تھے، سرورق کی ابتدا لاکھنؤ دلائل جزو ادانتھا لاکھنؤ ان کمشنر مومنین کی آیت سے ہوئی تھی سرورق کے ہر حصہ

الحمد للہ کا نام تحریر ہوتا تھا۔ اس کے نیچے دائیں طرف پہلے بیگراف
ایڈریس لیغون ۶۸ بعد میں مقام افاعت ۱/۱۱ نکالارڈ ڈائریکٹ
کلیکت اور ہان میں ایک ہیفتہ وار مہرور سالہ مدیر مٹول و محرر خصوصی
احمد المکی بانی الکلام الدہلوی اور آؤ میں قیمت سالانہ آٹھ روپے
اور ششماہی مہرور پے وارہ آنے لکھے جاتے تھے، اس کے بعد لیون
تاریخ، سنہ اور جلد تحریر ہوتی تھی، بقایا صفحہ پر کسی شخصیت کا
نور ہوتا تھا اور سب سے آؤ میں قیمت فی پرچہ ساڑھے تین آنہ
تحریر ہوتا تھا۔ دوسرے صفحہ پر اقتضات پیچھے تھے اور تیسرے
صفحہ پر تبدل میں الہلال کا نام، مدیر کا نام، سالانہ چندہ اندہ تاریخ
افاعت چھپتا تھا، اس کے نیچے ایک طرف فہرست مضامین اور دوسری
طرف مختصر کی خبریں ملتے ہوئی تھیں۔

یوں کہ اس زمانہ میں کافی اخبارات درمائل نکلتے تھے، مولانا
آزاد ان اخبارات سے غلجہ ہو کر ایک زرائعی وضع اور انوکھی شکل
کا انتہائی اعلیٰ پایہ اور عیاری اخبار نکالنا چاہتے تھے عام طور پر
اس زمانہ میں جو شخص اخبار جاری کرتا تھا وہ ایک کاسٹ کا دیسی پریس
چار تھوڑے کر اور ایک سستے سے کاتب کی مدد سے اخبار نکالتا تھا
لیکن مولانا آزاد زرائعی لکیر کے فقیر نہیں تھے اس سلسلہ میں انھوں
نے اپنی نئی راہ اختیار کی۔ انھوں نے الہلال کو بانیہ چھاپا جس
میں تھاریر بھی چھپ سکی جس کا بیڑ علمی و تاریخی ہو اور مقصد بھی
عظیم ہو، اس راہ کو اختیار کرنے کے بعد مولانا آزاد کو کئی وقتوں کا
سانا کرنا پڑا ہو گا۔ وہ دی لکھ جانتے میں جو ایرانی راہوں سے

علمیہ جو کتنی راہ اختیار کرتے ہیں۔
 اہل ہلال میں مذہب، سیاست، معاشیات، جغرافیہ، تاریخ
 حکمرانیاں، سوانح، ادب اور حالات حاضرہ پر اعلیٰ سیار کے مضامین
 دستاویزے چھپتے تھے اور نئی کتابوں، رسالوں اور اخبارات پر تبصرے
 بھی شائع ہوتے تھے۔

مولانا آزاد سیاست اور مذہب کو علمہ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ
 دونوں کو ایک جان دو قالب قرار دیتے تھے ان کا نظریہ تھا کہ نہ تو
 گورنمنٹ پر اعتماد کیجئے اور نہ غیر اللہ کی اطاعت کیجئے۔ ان کے نزدیک
 اسلام کے نہائے ہوئے اصول توحید پر ایمان، خیر لام مومنوں کا
 احساس، عدل و اعتدال، صلح و امن، نیکی کی حفاظت، فساد کی
 رد کی تمام کے لئے سعی کرنی چاہیے۔ اور شیعہ اقتدار کو قطعاً تسلیم
 کرنا نہیں چاہیے وہ اعلان رکالتہ الحق پر کار بند مومنوں کی تلقین کرتے
 تھے اور جبروتی و فرعونی طاقت و قوت کے سامنے جھکنے کو اسلام
 کے خلاف سمجھتے تھے حق و صداقت کے لئے جہاد کرنا، ظلم و استبداد
 کے خلاف آواز اٹھانے کو عین اسلام قرار دیتے تھے اور اس کے لئے
 علما و اعلان تبلیغ کرتے تھے اور سلاطین کی مداخلت کے لئے احکام
 اپنی کی احست کو دہن نشین کراتے تھے، مولانا آزاد پر اس بات کی
 مخالفت کرتے تھے جو ظالم و جابر حکومت کے زیر پرستی ہو، جو شخص
 حکومت کی بے جا حمایت کر لیا تھا اور ملک و ملت کے مفاد کو اپنے
 مفاد پر قربان کرتا تھا اس کو ان نیت مذہب اور قوم و ملت
 کا بدترین دشمن سمجھتے تھے، اہل ہلال میں مولانا آزاد نے اپنے ان ہی

انقلابی خیالات کا اظہار کیا۔ اہل ل کی ہر سطر اور ہر لفظ انقلاب کی دعوت میتا ہے۔

ملت اسلامیہ کی روح غفلت میں سو رہی تھی اہل ل کی تحریک و دعوت پر بلاخرہ جدوجہد کے میدان میں اٹھ کھڑی ہوئی یہ جدوجہد اب سفرِ ترقی جس کی بندھی ہوئی منزلیں تھیں ٹھہرائی ہوئی رسم و رواج تھی، مولانا نے اہل ل کے ذریعہ ملت اسلامیہ کو بے شمار کادڑوں کی نشاندہی کی اور ناگزیر مشکلات کے مقابلہ کی ہمت اور برداشت کی تکانی پیدا کی، اہل ل درحقیقت نادر جس شعلہ آگ آئے تھے اور کارواں جلتا گیا۔

عین لوگوں نے اہل ل کا مطالعہ کیا ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکے کہ انگریزوں کی عائد کردہ سنسز اور تمام پابندیوں کے باوجود ان تھے جنہوں نے انہیں مدد میں تھا اور شاید وہ کاغذ اخبارِ ستارہ جس نے اپنے بڑے بھائیوں کو بین الاقوامی سیاست اور خاص طور پر اسلامی ممالک کے جنگی حالات کی ادنیٰ بچ سے واقف کر دیا اور ان واقعات کو صحیح پس منظر میں پیش کیا۔

اہل ل ہندوستان کی آزادی کا نقیب تھا۔ اس کے تمام بڑی نامہ نگاروں کی رپورٹوں سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح مختلف ملکوں سے آتی ہوئی رپورٹوں کو ایک دوسری میں پرکھیں کیا تھا تاہم پڑھنے والوں کو اندازہ ہو کہ عالمگیر شبث بہت بڑے عالم پر کون سی حال چل رہی ہے اسے احساس کا جواب دینے کے لئے اقوامِ عالم کیا قدم اٹھا رہی ہے مرنے والا آزادی کی ادلت میں اہل ل نے ہندوستان کے

عوام کو انگلیزوں کے خلاف جدوجہد کی ہی دعوت نہیں دی تھی، بلکہ انھیں یہ بھی بتایا کہ انگلیز سامراج کے خلاف ان کی جدوجہد تمام آزاد پسند اقوام کی جدوجہد کا ایک جزو ہے اس طرح اہللال نے ہندوستان کے مجاہدین آزادی کے ذہنی ارتقا کو وسعت بخشی اور ان کے عزم و ہمدردی کو شکست دے گی۔

اہللال اس وقت جاری ہوا ہے جبکہ طرابلس و لبنان شروع ہو چکی تھی، اس نے ہندوستان میں سب سے پہلے ترکی سے جنگ کی خبریں براہ راست منگوائیں اس کا باب "قتول عثمانیہ" ترکی کے حالات جنگ کے صحیح واقعات معلوم کرنے کا مخصوص ذریعہ تھا۔ "نامہ روز غزوہ طرابلس و لبنان" اس کی ہاتھویر سرنی تھی جس کے تحت وہ مجیبہ و غریب و نرادر خاص ذرائع سے معلومات حاصل کئے جاتے تھے، مقالات، مذاکرہ علیہ، حقائق و ذرائع، المراسلہ و المناظرہ اور اسلئے واجب تھا اس کے دیگر عنوانات و مضامین تھے اہللال نے اپنے آپ کو اس جنگ کے لئے اس قدر وقف کر دیا تھا کہ آٹھ روپیہ سالانہ جینہ میں ساڑھے سات روپے مظلوم و ستم رسیدہ برادران ترکی کے فائدہ میں جمع کیجئے تھے اور آٹھ آنے اہللال کے اخراجات پر خرچ ہوتے تھے چنانچہ ۱۸ مئی ۱۹۱۵ء کے پرچے میں یہ اعلان شائع ہوا۔

"آج یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ دفتر اہللال، جدید رابر اہللال کے پرچے ایک ایک سال کے لئے اس فرض سے پیش کرتا ہے آج کی تاریخ سے ۳۰ جون تک جو صاحب آٹھ روپیہ قیمت سالانہ اہللال

کے دفتر میں سیدیں گئے ان کے مدیر میں سے صرف آٹھ آنے ضروری
 اخراجات خط و کتابت کے لئے دفعہ کر کے باقی ساڑھے سات سوپے
 اس فنڈ میں داخل کر دیا جائے گا اور ایک سال کے لئے اخبار ان کے
 نام جاری کر دیا جائے گا، اگر ساڑھے سات سوپے وہ اپنے مظلوم و
 ستم رسیدہ برادران عثمانہ کو دیں گے، اس کا اجر عظیم اللہ سے
 حاصل کرتی تھیں اور صرف آٹھ آنے میں سال بھر کے لئے اہل
 بھین کے نام جاری ہو جائے گا اس طرح چار ہزار روپیہ اردن کی قیمت
 سے ۳۰ ہزار روپیہ فراہم ہو سکتا ہے اور دفتر اہلال سے خود
 نائدہ اٹھائے گئے جبکہ اس کار خیر کے لئے وقفہ دیتا ہے۔

اہلال نے جب لیکچر کی مدت پوری کر لی تو وہ ناآزاد
 نے اہلال کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور ایک سال کی خدمات
 کا ذکر بھی ۲۰ جمعہ کی سلاطین کے شمارے میں کیا۔

اہلال کو شک ہے جو تے کامل ایک سال کا زمانہ ہو گیا، مگر آج تک
 اس کے اغراض و مقاصد کے عنوان سے کوئی مستقل مضمون نہیں لکھا
 گیا، نہ اس لئے کہ اس ضروری مضمون سے پہلو تپتی کی گئی بلکہ اس لئے
 کہ اعزاز امت سے بے کراں وقت تک اس کی ہر تحریر اور اس کا ہر
 جھوٹا سا نوٹ سبھی اس طرح اس کے اغراض و مقاصد کا لالہ حال اور
 ترجمان منہر تھا کہ کسی مستقل مضمون کی اس لئے ضرورت ہی نہیں پڑتی
 اس عرصہ میں تقریباً ہر مضمون دربر رنگ کے مضامین اس میں نکلے
 اس کے مخصوص طرز کے مضامین کے علاوہ تمام سیاسی حالات پر بحث
 کی گئی، واقعات و حوادث پر نظر ڈالی گئی، سوالات کے جوابات دیے

کے ارفاعی دینی اور فاعی ادبی مقالات بھی شائع ہوئے، اشذات
کے کالم میں اس کا دائرہ بحث عام تھا۔ مقالات اقتصادی میں عموماً
کوئی سیاسی یا دینی معنوں میں نہ تھا۔ تاہم قرآن حکیم اور تعلیمات اسلامیہ
کے متعلق کوئی بحث ہوتی تھی، مقالات کے تحت میں تراجم اور اقتباسات
ہوتے تھے یا کوئی مستقل عنوان بحث کا زرارہ اہل بیت و اہل بیتان
میں ہرگز نہ تھا۔ وچوال گرم ہوتا تھا اور جنگ کے کسی فاض منظر
شے دکھانے کی کوشش کی جاتی تھی جو صدیوں سے عالم اسلام
زائوش کرتا چلا ہے، تذکرہ علمیہ کا باب بہت کم رہا تاہم دو چار
معنوں شائع ہو سکے اسلئے اجمہا اور مراسلہ و مناظرہ میں عام
استعارات کے جوابات ہوتے تھے اور یہ مختلف امور و مباحث
سے تعلق رکھتے تھے، غور کیجئے قرآن میں سے ہر باب دوسرے
باب سے آپے سے موضوع و اطراف بحث میں مختلف ہوتا تھا اور
مختلف منہم کی نظریوں کی اس کے لئے ضرورت ہوتی تھی تاہم احباب
کرام اس سے متفق ہوں گے کہ ان تمام مختلف خطہ ہائے بحث
و نظریں الہلال کا مقصد فاض ہر جگہ موجود تھا اور اس کی دعوت
حقیقی اپنی اصلی صورت کے ساتھ ہر محبت میں بے نقاب ہوتی
تھی خواہ کتنی میدان ہو لیکن اس نے اپنا ہاتھ جس دلیل راہ کے
ہاتھوں میں دید یا تھا اس سے وہ کسی علمدہ نہیں ہوتا تھا، اس کا
مقصد وحید ہر جگہ نمایاں تھا اس کی آواز ہر گوشہ سے اٹھ
ری تھی اس کی صورت کسی محاب سے بھی ستورہ خوب نہیں ہو سکتی تھی
وہ کوئی انسانی جمال عام و تفعل نہ تھا جس پر کوئی انسانی ہاتھ پیرہ

لڑا لڑکتا، وہ تعلیم الہی کے نور جس کا بجلی کا گاہ تھا اس سے اس کی شمعیں اپنی دیواروں سے بھی ستور نہیں ہو سکتی تھیں، اس نے دوز ادل ہی سے اپنے لئے صرف ایک راہ اختیار کر لی ہے پس اس کو اپنے اغراض و مقاصد کے لئے کسی لمبی چوڑی فرست کی ضرورت نہ تھی جیسے کہ بہت سے لوگوں کو ہوا کرتی ہے وہ ٹیلی، ٹیڈنی، اخلاقی، سماجی، ادبی، اصلاحی و کذا و کذا، کو اپنے لوح پر لکھوانے کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے الہلال کی لوح کی بجائے صرف اپنے لوح دل پر ایک ہی مقصد لکھ دیا تھا یعنی ”دعوۃ الی القرآن“ یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ اور یہ ایک ایسا چراغ ہدایت اے میرا گیا تھا جس سے اصلاح و دعوت کی سرشاخ کودہ دقن کر سکتا تھا پس اس کے لئے ”مدن مابشرت“ علم، اخلاق اور سیاست کے لحاظ بالکل بے کار تھے کیونکہ اس کے پاس وہ تھا جس سے وہ اپنے عقیدہ میں سب کچھ حاصل کر سکتا ہے پر جن کے پاس وہ نہیں ہے انہیں گھر گھر کی گھر کریں کھانی پڑیں لودہ و ردوزے و ردوزے و ردوزہ مگری کرنی پڑتی ہے۔ وھن لھ یجعل اللہ لک لودہ اھمالہ وھن لودہ

جنگ عرابوں و بطنان زیادہ نہیں چل سکی، پوری ٹیلیٹی طاقتیں اور حکومتیں لکھا اسلامی حکومت ترکی کے خلاف پوری قوت کے ساتھ میدان میں اتر آئی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی کو شکست ہوئی اس کے اسباب کیا تھے اور کبوں ترکی حکومت کو شکست ہوئی، اس سلسلہ میں جناب عثمانی نظامی پاشا ممبر صلیح کانفرنس نے اخبار پانیر

کے ایک اور در کو مان دیا ہے اس سے پوری جنگ کی حقیقت اور
 نشیمنی حکومتوں کی تازش و رنج بھاتی ہے، یہ بیان سرائی و جواب کی
 منتقلی میں ہرزردی سلاسلہ کے اہلال میں چھپا ہے۔
 رپورٹ لکھتا ہے۔

.. عثمان پاشا اوسط عمر کے آدمی ہیں ان کا سن ۵۵ء سے
 زیادہ نہیں اسٹوں نے ملای کالج سے نکل کر قسطنطنیہ کے اسٹاف کالج
 میں شرکت کی اور اس طرح بحیثیت لفٹنٹ کرنل اور سلطان کے ایڈجیٹنٹ
 کے فوج میں داخل ہوئے وہ مشرقی اور مغربی دونوں زبان بیکان
 فصاحت سے بولتے ہیں اور زبان انگریزی میں ان کو اسی قدر مہارت ہے
 جس قدر ترکی میں ہے، ترکی دکنلا کانفرنس میں صرف وہی انگریزی
 زبان سمجھتے ہیں میں نے ان کو کارٹنر برٹل میں خفیہ خطوط پڑھتے سنے
 مشغول پایا لیکن مجھے یہ جان کر اسٹوں نے فوراً اپنے کام سے ہاتھ دھوا
 اور چونکہ خبریں وہ دے سکتے تھے تیار نے برخواستی سے آمادہ ہو گئے
 قدرۃ تمیز پہلا سوال یہ تھا کہ ترکی فوج اس طرح میدان میں کمزور
 کیوں ثابت ہوئی۔ اس کے جواب میں اسٹوں نے یہ بتایا:

”افسوس! آپ ہرزرداب دریافت کریں گے اور میں اس کے
 وجہ جہاں بتا جاتا ہوں عرض کر دوں گا، ہم جنگ کے لئے مطلق طیار
 نہ بننے اور یہ لڑائی ہم پر نہایت بزدلانہ ترکیب سے ڈال دی گئی ہے
 گذشتہ سال ہم لوگ اپنی افواج کے ساتھ اپنے لیت پرائیڈ سے
 جنگ لڑے تھے اپنی بحری طاقت کی خرابی سے ہم طرابلس میں کوئی
 ٹھکانہ نہ کر سکے، تاہم کسی طور پر ہم نے ترکی سپاہیوں کی ایک

بڑی تعداد اور کئی ہزار بہترین جوان لہروں کو روانہ کر دیا تھا تاکہ عربوں
 کو مرہانہ حفاظت وطن کی جنگ میں تربیت و تنظیم کی مدد دیں اس
 کے بعد میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ سردار لودویگ فریڈریش نے اسلحہ جنگ
 درست کر رہے ہیں اور اس خبر کے موصول ہونے ہی یہ نریب آمیز
 جنگ شروع ہو گئی۔ انھوں نے ہم پر یہ تہمت لگا کر اس
 کے انتقام کی صدا بلند کی کہ ہمارے فوج نے ان کے مواضعات پر
 حملے کئے ہیں، ماسی بکروں نے بھی فوراً ان کی تلقین کی، ہم اپنی آئندہ
 دقتوں کو سمجھ گئے اور اپنی انواع کو نقل و حرکت کا حکم دینا چاہا
 مگر سر جریڈ وٹھر سفیر آرمستان متعین قسطنطنیہ اور دیگر سفراء
 نے یہ استدعا کی کہ ہم کو کسی ایسی حرکت نہ کریں جو اشتعال دینے
 والی تصدد کی جائے۔ کیونکہ انھوں نے ہم کو صرف لفظوں میں
 سمجھایا کہ دولہا اورپ اس پر مستعد ہیں کہ جنگ ہو گز نہ ہونے دیں
 اور اس دقت تک نہ گزوں کہ کسی مخالفانہ حملہ کا اندیشہ کرنے کی ضرورت
 نہیں جب تک خود ان کا طرف سے کوئی جنگی طیارہ اور ہتھیار نہ ہوگی
 بہت خوب ہم لوگوں نے فوراً اپنی فوج کو بلر جانے کا حکم دیدیا، اور
 کوئی انتظام شروع نہ کر سکے مگر بلقان لیگ کا مخالفانہ انداز در بروز
 بڑھتا گیا، یہاں تک کہ خود دولہا اورپ نے عام طور پر اعلان کر دیا کہ اگر
 جنگ شروع ہو گئی تو دونوں فریق میں سے کسی کو اجازت نہ ہوگی کہ اس جنگ
 سے کوئی ملکی یا مالی نفع اٹھائے اس دھمکی کو یورپ کی پارلیمنٹوں نے
 یوں مفید ٹھہرایا تھا کہ جب کسی فریق کو جنگ سے فائدہ کی امید نہ ہوگی
 پھر بلقان لیگ کا اہلیت ہوا انھوں نے ٹھنڈا پڑ جائے گا لیکن دولہا

مڈی دل ایڈیٹری کی راہیں سعد کرنا چاہتا تھا، مختد پات
 کو مجبوراً حملہ کرنا پڑا، اس حملہ میں ذہب پاپی شریک تھے جن کو
 تین تباہہ روز سے کوئی غذا نہیں کی تھی۔ سب کے سب بالکل
 کمزور ہو چکے تھے اور ان کے پاس سامان جنگ بھی نہ تھا۔ ٹریکس
 اپنی خوب نصیبی سے کہ گھوڑے کچھڑ میں پھنس چکے تھے، اور
 بندھنیں زمیں میں گر گئی تھیں۔ وہ دھوکے کر کے سچی ان کا
 آگے بڑھانا ممکن معلوم ہوتا تھا اور پیدل سپاہی تو گرسنگی کی وجہ
 سے اس قدم مخفی ہو گئے تھے کہ ان سے کسی مدد کی امید بے کار
 تھی۔ روٹی کی تلاش میں مقتد سپاہی منتشر ہو گئے۔ عین اسی حالت
 میں دشمنوں کی فوجیں خود ار بھر گئیں اور ترکی سپاہیوں میں کھل بلی
 پھیل گئی۔ محمود مختار نے فوج کو مرتب کرنا چاہا اور اس کی کوشش
 میں اپنے لوگوں کو گولی سے مار بھی ڈالا مگر جوگ کی شدت نے لوگوں
 کو یوش و حواس ہی میں کب رکھا تھا۔ کردہ حالت کی نزاکت محسوس
 کرتے، نتیجہ یہ ہوا کہ مختار پاشا اپنی فوج کو اس فقت آرا سنہ
 کر سکے جب اس جنگ بولی برغاس میں اپنے متحد دہترین سپاہیوں
 کو خود اپنے ہاتھ سے شہید کر چکے تھے۔

الہول نے عثمان پاشا سے اس بیان پر تبصرہ کیا کہ کس طرح
 تہلیتی حکومتوں نے دھوکہ دے کر ترکی پر جنگ سلوئی۔

”ان انتہا ہات کو پڑھو اور غور کرو، بلقان میں اسلحہ
 فراہم کئے جاتے ہیں مگر کوئی نہیں بدکتا، اس کے بعد ڈیوینیک
 جنگ کا آغاز ہوتا ہے اس پر ترکی کچھ تہیہ ہوتی ہے اور وہ بھی

بغیر من حفظہ مقدم جنگی تیاری کرنا چاہتی ہے مگر مردِ سخن (جب کہ ادا کیا جاتا ہے) انگلستان، بلقانوں کا کل گسترِ روس اور شملت کا مشترک فرائض کے سفرِ سفیر ترکی سے ملتے ہیں۔ علیٰ اقصیٰ انگلستان کا سفیر طفلِ نسلی دیتا ہے کہ جنگ وہ خود حملہ کی محرک نہ ہوگی اس وقت تک کسی علانیہ جنگ کا اسے خوف نہ کرنا چاہیے اور سہرا اسی برس نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو مجبور کیا جاتا ہے کہ تدارکِ حفظہ مقدم کو چھوڑ دے ترکی کی نا عاقبت اندیش وزارتِ ظالمی کے تلخ تجویز کے باوجود سہرا بھی اعتدالِ دہل کا نشانہ بنتی ہے اور جنگی تیاری تک ظلم و قوت کر دیتی ہے غلوت میں منافقین سیاست کی طرف سے ایک طرف اٹلی کو ابھارنا ہے کہ تمام قوانین جنگ و انسیت کو بالائے طاق رکھ کر بیرت پر حملہ کرے تاکہ ترکی مجبور ہو کر اپنی فوج کا اعلیٰ حصہ قسطنطنیہ سے دھڑ بھجھ کر دوسری طرف راست باز انگلستان کا راست باز سفیر جنگی تیاری سے روکتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ جنگ بزرگ شروع نہ ہوگی لیکن سہرا دقتِ جنگ چھیڑ دی جاتی ہے۔ ترکی اپنے کو دیکھتا ہے تو فوج ہے نہ اسلحہ سیاسی میں نہ سہرا، سرکشی خراب ہیں اور بدقسمتی سے مڑکوں کے ہاتھ موسم بھی خراب ہے، تربیت یافتہ افراد کی قلت کی تلافی نا ممکن، قلتِ سہرا کی تدارک ممکن مگر خزانہ خالی، مجبوراً سپاہیوں کی کمی دھڑکوں سے پوری کی جاتی ہے جو بندو قوں کو بھرنے بھی نہیں جانتے پھر یہ فوج ایک ایسی فوج سے مرکب آ رہی ہے، جو تیس برس سے تیار کی جا رہی تھی اور یورپ کی بہترین افواجوں سے مقدمہ اشکارِ میدان میں نکلی تھی

ایسی حالت میں ناکامی لازمی پیش آئی۔

ان کمزوریوں کے باوجود سہا ہدین ترکی نے دشمن سے بڑی بے ہنگری سے مظاہرہ کیا لہذا کافی سے زیادہ اس جنگ میں بہادارانہ کارنامہ انجام دے جس میں کالک کا تاریخی کارنامہ عثمانی جنگی جہاز باربردس اور اس کے کپتان غیری بک کا تھا۔ دشمن چاہتا تھا کہ ڈیڈن کی ہاڑیوں کو عبور کر کے مغربی جانب سے چلبا لائن کے ابتدائی خطوط کو سہاگرد سے ناکہ ترکی قلعہ راصل کی آبادی اور ساحلی پٹے کو سخت نقصان پہنچے ان ناپاک ارادوں کو کس طرح سے ناکام کیا گیا اس کی تفصیل ۲۶ زورری سلسلہء خاکے شمارہ میں ہے۔

۲۸ زورری کی رات بوت دیا کفن کی ایک عظیم الشان رات تھی، جو برقی سرعت سے چھوٹنے والی دشمنی گن کے گولوں، ٹگولوں کی سیم پاش اور دس ہزار آہن پوش انسانوں کے فیصلہ کی عزم کے ساتھ نمودار ہو رہی تھی، یہ ایک بلغاری حملہ تھا جو ڈیڈن کی ہاڑیوں کو عبور کر کے مغربی جانب سے چلبا لائن کے ابتدائی خطوط کو مسترد کر دینا چاہتا تھا، یہ حملہ بالکل اچھا کیا گیا، اور بلغاری اندروں نے پورا عزم کر لیا تھا کہ کسی طرح چلبا لائن کو ایک خفیہ سا نقصان بھی پہنچا کر اپنی فتوحات کے خزانہ کو وسیع کر لیں، خبری ہاڑیوں تک دشمن کا بیج جانا بہت خطرناک تھا۔ زیادہ تر اس لئے کہ یہاں ساحل کے عثمانی تیرے کی زد بہ آسانی نہیں پہنچ سکتے تھے لیکن ساحل کے لئے یہاں کے دشمن نے بہت خوفناک تھے، بلغاری حملے کے نمودار ہوتے ہی ترکی قلعہ کی برتری نے جواب دینا شروع کر دیا، مگر اب یہ مؤثر کارروائی نہ تھی، کیونکہ دشمن مغربی حصہ تک بڑھ آیا تھا

اور قلعہ کی تو یہ اس کے لئے صحیح نشانہ نہیں ہو سکتی تھی یقیناً یہ حالت
 نازک تھی، دشمن آگے تو بڑھ نہیں سکتا تھا لیکن اگر وہاں زیادہ عرصہ
 تک قائم و قابض رہ جائے گا تو ترکی قلعہ، ساحل کی آبادی اور خود ساحل
 بڑے کوشش و نقصان پہنچانا اس کے اختیار میں ہو گا وہ قلعہ، اور
 سامنے کے پہاڑ کے درمیانی پل کا حصہ اپنی گولہ باری سے نیکو کرے گا
 جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ترکی فوج اپنے حملے کے لیے بہترین راستہ کو کھولے گی
 و ذلت نازک اور فرصت قبل تھی صرف ایک ہی ممانعت باقی رہ گئی تھی اور وہ
 ساحل کے جنگی بیڑے کے ہاتھ تھا۔ یعنی بغیر ایک لمحہ کے خارج کئے
 فوج کا ایک حصہ سے توپ خانہ کے ساحل پر اتار دیا جائے اور وہ پل کو
 عبور کر کے دامن کوہ میں پہنچ جائے اس ترکیب سے دشمن کے گولوں کا
 جواب نکلن ہو جائے گا مگر آپ کیونکہ سو جنگ آگ اور دھومیں کھیل
 ہی کین سپر پلٹی ہوئی آگ میں تو گرتی ان کو دھنس جاتا جو فوج، اور
 ساحل پر اترے گی، اس کے سر دہل پر گولوں کی بارش ہوگی، جو
 منڈیوں کے زخمیہ کے حساب سے چھوٹا ہے میں، چار دہل طوت پٹنے
 والے گولوں کے جھلک آلات چوں گے جو آگ اور دھومیں کی نفع
 کے علاوہ سب سے بڑی زندگی کی علامات زمین سے خردم کر رہے ہیں۔
 ساحل کی زمین بحیرہ موتہ ہلاکت ہے، پھر روح اور خون رکھنے والا کون
 ان ہے جو اپنے تئیں اس کی آغوش میں سپرد کر دے گا۔

اس زمین کا مرتفعہ اپنے قلب گا دل سے قربانی چاہتا ہے
 عثمان اول کونسل نے نہیں معلوم آٹھ برس کے اندر زندگی اور خون کی
 کتنی قربانیاں کر کے ان دروں کو پیدا ہے، آج بھی اس کی مٹی ہم

سے دی مانگتی ہے جو مہنت سے مانگتی رہی ہے، سہر کی ہے کوئی اسلام
کا کرژم، جو اس کا جواب دے یہ جو سن آمد خود رنگی کا ایک فعل
تھا جو غفلتوں کی صورت میں برابر باربردس کے کپتان خیری بک کی
زبان سے نکلا تھا اور مارمرائی فدا ہے، ایک میں قوی قریابی اور
قوی ارضی کی ایک نئی روشنی مودار ہوئی وہ اس کے بالائی سمت پر
کھڑا تھا، جہاز کی تہ روشنی لگی رہی گئی تھی تاکہ دھنوں کو ان کی
نقل و حرکت معلوم نہ ہو سکے، کہیں بھی کسی ساحل پر جیسے دالے
گولہ سے روشنی پیدا ہو کر خیرین بک سے جہاز کو خود مکرر روشنی تھی
آیہ وہ سنت، الجھننا، کچی میں دھنوں کے گولوں کے اندر سے آگ نکلتی
تھی تو اس کا دل بھی ایک آتش کدہ تھا مگر جو قبیلے اس کے منہ سے
نکل رہے تھے اس کے دل میں خاموشی تھی، ایک جگہ اس نے
جہاز پر رشتہ دار کی اس کے ساتھ سے سپاہیوں کی صفیں خاموش
کھڑی تھیں۔ اس نے کہا۔

”دشمن سامنے کا تھا۔ یوں پر ہنچ چکا ہے۔ اگر دو گھنٹے اس
کو اور حملت دی گئی تو اس پر وہ پورے طرح قابض ہو جائے گا
ربان اس کے نوپ خانے قائم ہو جائیں گے اور سیر نہیں معلوم اس
کو وہاں سے شانے کے لئے کتنی بڑی قربانیوں کی ہیں ضرورت ہو
نہیں معلوم سیر کتنی ترک عہدوں کو جوہر ہونا پڑے، کتنے شیر خوار بچوں
کو داغ بیتی ہونا پڑے، کتنے لاشیں پل نہائی جائیں اور کتنے خون کے
سیلاب ہیں، کہیں اس وقت صرف چند مقدس لاشوں کی ہیں ضرورت
ہے جو قوم کو زندہ کرنے کے لئے مرنا تو لڑا کر لیں اور ایک سخت آبیروں

ہاکٹ سے اپنے ساتھیوں کو محفوظ کر دیں۔ صرف ایک ٹوپ اور سو
آدمی یہی چیز ہے جو آٹھ سو برس کی تاریخ غنہالی "آج ہم سے
مانگتی ہے۔ اگر ہم کبھی طرح ساحل پر اتر کر ان کی توہوں کا جواب
دیے گئے تو یقین ہے کہ وہاں قائم نہ رہ سکیں گے اور پھر ان کو کسی
بڑے حملے کی بربادی ہماری نوج کی طور پر نہیں کرنی پڑے گی۔

سب سے پہلے میں خود اپنا نام ملتے کرنا ہوں گے
ایک لاکھ ہزار برس "کہ ایک نعیف سی جیش ہوئی اور فوراً کشتیاں سمندر
میں ڈال دی گئیں۔ سو آدمیوں کی یہ ایک مختصر جماعت تھی جس نے ساحل
کی طرف بڑھا شروع کر دیا سامنے سے گولوں کی لگاتار بارش ہو رہی
تھی اور بیٹھے والے گولوں کی آتش فشاہوں سے تمام ساحل ایک
فضا سے آتشیں ہو رہا تھا مگر کشتیاں بے خوف و خطر جاری تھیں، پھر
کب ان کشتیوں میں ان ن نہیں تھے، ان تو تھے مگر وہ انسان جن کو
اپنی زندگی سے بڑھ کر قوم و ملت کی زندگی عزیز ہے پس وہ جانتے
تھے کہ خود مر جائیں لیکن اپنی قوم و ملت کی عزت کو زندہ کر دیں۔
لیکن صرف تین کشتیاں ساحل تک نہیں اڑیں ۵۵، سیاحوں نے اتر کر
بل کو مہر کرنا چاہا ۵۶، راہ میں گولوں سے اڑ گئے اب صرف ساٹھ
آدمیاں باقی تھے، انہوں نے داسن کوہ کے قریب پہنچتے ہی ایک
زلزلہ کیخیز نعرہ بج کر بلند کیا اور سبکی کی سرعت سے پہاڑ پر چڑھا
نعرہ دے کر دیا، الجھاری اس عیاں میں تھے کہ ترکوں کی ہتھیاری سے
پہلے ہو اور پہنچ چکے ہیں اور اسبلان کا مہر ٹکنا محال ہے لیکن
اس ناگہانی آواز نے ان کے ہوش و حواس پر گہرا گہرا کر کے اور ہر شخص

یہ سمجھ کر بے اختیار سو گیا کہ ترکی فوج ہمارے تک آگئی ہے ۱۶۰ آدمیوں میں سے صرف ۱۱ آدمی اور ہر ایک پیوچ کے انھوں نے تمام ہماروں کو قتل کر کے خالی پایا کیونکہ ان کے پیوچنے سے پہلے وہ دو تین چار ہزار چھپے چھپے صبح کو خیر کا بک کو چیلے کے قربی ترغا خانے میں پہنچا دیا گیا کیونکہ اس کا تمام جسم زخموں سے چور تھا وہ زندہ رہا لیکن اگر وہ زندہ نہ ہو تو یہ ضرورتاً جب بھی وہ زندہ تھا۔

اس جنگ کے ہمارے میں الیال کا نظریہ یہ تھا کہ اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت برطانیہ پر ہے بہ دوست نما دشمن ہی اسلام کو تباہ کرنے کے دریغ ہے، اس سے خوشامد نہ لہجہ اختیار کرنا نہیں چاہیے۔ عمل الامکان اس کو تنبیہ کرنی چاہیے۔ چنانچہ ہر ایری میں سلاخ کے نشانے میں انگلیں ان ادا سدا م کے لئے عنوان سے سرٹ لٹ کا ایک مضمون چھپا ہے اس کے آخری حصہ میں انگریزوں کی نقاب کشائی کی ہے اور انگریزوں سے کس انداز سے گفتگو کرنی چاہیے، اس کا طریقہ بتایا ہے۔

”ہم ایجنٹ کے سدا ن ناظرین سے خواہ وہ مصر میں ہوں، یا روم میں یا ہندوستان میں اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس لہر کی نسبت دھوکا نہ کھائیں کہ اسلام کو جس خطرے کا اس وقت مقابلہ ہے اس کی حقیقت اور اس کی اصلیت کیا ہے، واقف یہ ہے کہ اسلام ہماری نام نہاد برل انگلش گورنمنٹ کے ہاتھوں تباہ ویرا ویرا رہا ہے انسانوں کو چاہیے کہ اس برقعہ پر جمال ان کے مذہب کا تعلق ہو اور جس جگہ باقی ماندہ آزاد اسلامی حکومتیں بھیدری پیش نظر ہو لفظ ”لبرنیم“ آزاد خیالی سے

ادھ کا نہ کھائیں، آزاد خیال انگلستان کو مسلمانوں کی ترقی سے ذرہ بھر سہرا کی نہیں ہے۔ انگلستان ان کی ترقی سے خائف اور لڑاؤ ہے اور یہی وہی اس کا سر کھینچ رہا ہے، ایسے علم و فہم کا اس وقت گورنمنٹ کے آگے منت سماجت کے ساتھ درخواست کرنا بھی سراسر بے کور ہے یا حاشا ولیم کے اٹھ گئے ہیں۔ انگریزی عدالت تحت بی باہریت لہندی کی دھاتی سے کئی کام نہیں نکلے گا۔ اس قسم کی عبارتیں اور چھی نصو کی جاتی ہیں اور کچھ سی وقت نہیں رکھتیں۔ اگر انگریزوں کے دونوں برہان پختہ مسلمانوں کے معاملات سے ان کا تعلق ہے کسی دلیل کا کوئی اثر ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ ان ہی اقتدار کو عہدہ پہنچنے کا خوف دیا جائے اور مل الا اعلان صاف کہہ جائے کہ جس وقت تک انگریزوں کی شرفیت، فرائض، دین، اہلیہ اور دیگر اسلام کی دشمن مصلحتوں کی کارروائیوں میں جاری ہے اس وقت تک حکومت برطانیہ مسلمانوں کے کرداروں مسلمانوں کو اپنے دل سے وفادار، عایا شمار نہ کرے اور جب بھی ہندوستان میں انگریزوں کے لئے معیت کا دن نمودار ہو تو ان کرداروں میں سے ایک سے بھی دشمنی بالبداد کی توقع نہ رکھے۔

نبیلانی، بریدی اور غوثا علیہ السلام دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں
 ۱۷۷۷ء کے قریب جنوب زمانہ میں ایک ذمہ دار افسر عوام کے خون
 سے ہونے پہلے کا ذمہ دار تھا۔ لیکن مسلم زعمار اور صلحہ اس کی چوکھٹ
 کے چکر دھانے سے اور اس کی توفیق میں رطب اللسان کہتے تھے
 دعوتیں کھاتے تھے اور گاندھی جی سے ان کی اچھائیوں

بیان کرتے تھے۔ یہی صورت مولانا آزاد کو پیش آئی، یونان کا بارنشاہ
 جس نے ترکی کے خلاف جنگ میں اسلام کو مٹانے کے لئے نمایاں
 حصہ لیا تھا اور خلافت اسلامی کو مٹانے کے لئے اسی کی تسبیح اور
 عین اس جنگ کے زمانہ میں مرنا تھا، اس کے قتل کی خبر پر بعض
 مسلمان اخبارات نے تعزیت اور ماتم گزاری کے منہا میں لکھے تھے
 ایسے اخبارات کے بارے میں مولانا آزاد سے معلوم کیا، اس کا جواب
 ۹ اپریل ۱۹۲۱ء کے شمارے میں اسوں نے یہ تحریر کیا تھا۔
 ”آج جن لوگوں نے اسلامی آئینہ دیکھ کر ہلے گئے ہیں، انہوں
 مسلمانوں کو ان کے محمدوں سے لگا لیا ہے، عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو
 یتیم کر دیا ہے اور تختِ اسلام کو الٹ دینے کے لئے اپنے منہ میں
 تو اے شیطانہ کو کام میں لا رہے ہیں اور پھر اور جن قوموں، اور
 حکومتوں نے ان کی کسی عورت میں بھی اعانت کی ہے یا اس کے
 برخلاف سازش میں شرکت کی ہے وہ سب بوجہ ان بھڑوں قرار دیا
 اور احکامِ شریعتِ حقہ، اسلام کے ایک لمحہ اور کیفِ ذبیحہ کے لئے
 بھی اس کے ستم نہیں کہ ہم ان کے ساتھ رسمِ درہِ دوستی اور طریق
 مودت و ولایت کو کام میں لائیں یا ان کے ساتھ قری و محبت
 اور شفقت و راحت کا سلوک کریں اور اگر کریں تو پھر اللہ
 اس کے ملائکہ بقرین اور رسلِ مبشرین و نذیرین کی نظروں میں
 بارگشاہ بھی ان ہی دشمنانِ خدا کے ساتھ ہے۔“ جب اس بارے
 میں تعلیمِ اسلامی کا یہ حال ہے تو پھر آپ خود ہی فیصلہ کر لیں، کہ ان میں
 سے ایک قبیلہ ترین رکھ (اتحاد سبھی آدمیوں میں) ہدایت پرستی

یعنی شاہ یونان کے قتل ہونے پر ہمارے لئے عین ایام جنگ میں صعب
تقریب سمجھانے اور سچی ماتم میں برادرانہ و عزیزانہ شرکت کرنے کے لئے
کیا کم ہو سکتا ہے۔ شاہ یونان وہ شخص تھا جس کے اندر سب سے پہلے
صلیب کے شیطانی لعین نے طویل کر کے ہمارے جہاد دی تھی۔ لہذا آغاز
جنگ ہی میں اس جنگ کو اسلام کے برخلات جنگ مقدس قرار دیا تھا
پس میں تو ایک سیدھا سادہ مسلمان ہوں، اپنے دلی اعتقاد کے
اخفا پر قائم رہیں، میں تو صاف صاف کہتا ہوں کہ اس شریر
انسان کے قتل کے واقعہ پر میری زبان اس کے سوا کچھ نہیں دے
سکتی کہ اس پر اس نے عاقبتوں پر اور شریکوں پر اور اس کی فوج و
سامان لشکر پر اللہ کی اس نے لعنت کی اور چالیس کروڑ پروردانِ دین
الہی کی لعنت لگے۔ پھر ہمارے پروردگار پر جو اس کے نقش قدم پر چلے
اور اسلام کے برخلات، مسیحی جہاد کا اعلان کرے یا درپردہ اس کے
ساتھ ساز باز رکھتا ہو اُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَلِلّٰهِ جَهَنَّمُ
وَاللّٰهُ مَا فَاحِشٌ جَهَنَّمُ وَلَئِنْ جِدْتُمْ عَلَیْهَا حَیْضًا ۚ یہ ہیں جن
کا آخری ٹھکانا درزع ہے اور وہاں سے پھر نکلنے کی ان کے لئے کوئی
راہ نہیں۔

جب یونان میں حکومت برطانیہ وغیرہ نے ترکی حکومت کی کمزور
پوزیشن سے جہاں ناجائز فائدہ اٹھایا اور جنگ میں سچا لٹاؤ والے ان
مخالف حکومتوں نے وزارتِ ترکیہ میں ایسا سازشی جال پھیلا رکھا
تھا، جس میں وزیرِ اعظم کامل پاشا دشمنانِ ترکی سے ساز باز رکھتا
تھا، ترکی کے مہمانِ اوطان اس سازش سے عرصہ سے واقف تھے

اور ضلوعوں نے دشمنوں کی سازش کو ناکام کرنے اور کامل پابندی کی ذلالت کا خاتمہ کرنے کے لئے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی جس کا نام انجمن اتحاد و ترقی تھا یہ انجمن اپنا کام خاموشی کے ساتھ انجام دے رہی تھی، کامل پابندی اس کا علم بھی تھا۔ وہ اس تنظیم کو سمجھنے کی کوشش کرنا تھا لیکن اس جنگ کے دوران جبکہ دشمنوں نے ترکی حکومت کو اپنی سازشیں پھیلنے دینے کی جگہ معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا، اس وقت یہ انجمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی اور کامل پابندی کی ذلالت کا خاتمہ پلٹ دیا اس انقلاب کی سرگزشت ۹ ارزوری سلسلہ ۶ کے اہل دل میں بھی یہ ملاحظہ ہو۔

دو گونہ منت کو افراد کی طرف سے بار بار آگاہ کر دیا گیا تھا کہ نوح بلا کسی سبب اسے جبکہ دوبارہ جاری رکھنا چاہتی ہے اور وہ ان کے لئے سخت مضطرب ہے، نیز انجمن اتحاد و ترقی کے مدبرین بھی برابر اسی پر زور دے جا رہے ہیں مگر کامل پابندی اس کا سخت مخالف تھا ان کا خیال تھا کہ وہ خطرات جو دشمنوں کو سامنے نظر آتے ہیں اس کے سامنے بالکل سچ ہیں، اس کو ناظم پابندی پر زور بھر دیا تھا اور اس نے ان خطرات کی کچھ بھی پیش بندی نہیں کی تھی اس پر لے دے انقلاب کی بیج کو طلعت نکالنے کا پابندی سے ملاقات کی اور آگاہ گفنگو میں صاف طور سے ظاہر کر دیا یا تو باب عالی اس موقع پر دلی کی یادداشت کو منظور کرنے سے انکار کر دے یا پھر ایک سخت خوں ریزی کے لئے مستعد ہو جائے۔ اس مبارک دن کی رات پہر ڈھل چکی تھی، تین بجے کا وقت تھا خاموشی اور سکون کے

خلاف کئی بات نہیں ہوئی تھی کہ رکامک آنے والے حادثہ کا پہلا نشان
 ظاہر ہوا، اجمدیکہ والے کے اندر ایک گھوڑے پر سوار نظر آئے جن سے سب سے
 پانچ سوڑا اور تھے، جوں ہی انھوں نے باب عالی کی طرف جانے کے لئے
 اپنے گھوڑے کی لگام موڑی تو بارہ آدمیوں کی ایک جماعت زریب کے
 قلعہ خانہ سے نکلتی ہوئی نظر آئی اور سڑک پر پہنچے ہی انھوں نے فضل
 سے سرخ و سفید رنگ کی حبیب باں لکالیں اور ان کو متنبہ کر کے کھول دیا۔
 یہ عجیب بڑا سردار حبیب باں تھیں، جن پر قرآن کریم کی آیات یاد ہو ہی
 کام سے کھتی ہوئی تھیں اور غار میں دسائیں فضا سے منبر و متحرک و مستلجم
 کرنے میں آمینہ قابل فہم فلسفی اثر رکھتی تھیں، اس جماعت نے جارحانہ
 قدم بڑھانا شروع کر دیا۔ ایک ایک دوسری راہ سے ۱۲ حبیب سے ٹوڑا
 ہوئے ان کے نیچے بھی ۱۲ یا ۱۵ آدمیوں سے زبردہ قہر و نہ تھی، چید
 لموں کے بعد ایک دوسرے راستے سے ایسی ہی جماعت نکلی، اور
 پھر قیسری چوٹی لہ پانچویں طرف سے پہلی جماعت اپنی سرخ و سفید
 حبیب بول کو لئے ہوئے جوں جوں بڑھتی جاتی تھی، لگتی جاتی
 پورے سکون اور خاموشی سے آ کر ملتی جاتی تھیں۔ نیدرہ بیس منٹ
 کے اندر شہر کا کوئی راستہ جو باب عالی تک جاتا ہے بڑا سردار
 ۱۲ والی جماعت سے خالی نہیں رہا اور غیر کسی شہر و شہر گامہ کے باب عالی
 تک پہنچنے پہنچے ایک بڑی جماعت فراہم ہو گئی۔ جوں ہی یہ مردہ باب عالی
 کے بڑے سچا تک پر پہنچا ایک جانب سب کی نگاہیں اٹھ گئیں
 سب نے دیکھا کہ غارتی آواز بے ایک گھوڑے پر سوار چلے آ رہے
 ہیں، اب ایک پوری باقاعدہ جماعت تھی جس کی قہر و سوسے قریب تھی

غازی انور بے کے بعد سب سے زیادہ قابل ذکر نیازی ملک اور طاعت
 بے ہیں، جو سب سے آگے تھے، ان کے علاوہ انجن اسی و
 ترقی کے رہنما اور فدائی مجاہدوں کی جماعت تھی صدر دروازے بڑھتے
 ہی جماعت نے سب سے پہلے نعرہ لگا یا "حکومت سے دستبردار
 ہو جاؤ ہم ملک کو سنبھالیں گے" اس نعرہ کے ساتھ ہی پوری جماعت
 نے باب عالی کے اندر داخل ہونا چاہا جو محافظ دستہ فوج دہاں
 پر چڑھنا اس نے کسی طرح کی مداخلت نہیں کی، عمومی جماعت کا
 باب عالی کے سامنے نمودار ہونا اور سیرنگ کا ایک اندر داخل ہونا
 اس فوجی طور میں آیا کہ تمام واقعہ ایک قسم معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل
 اس واقعہ پر کچھ سچی تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ تعجب کا اصل مرکز اتحاد
 ترقی کے پُر اسرار اعمال ہیں جس نے یہ عجیب تماثل دنیا کو دکھانا چاہا
 تھا، فی الحقیقت یہ ایک پوری کل لہر تھا قاعدہ ملے شدہ کارروائی تھی
 جس کے تمام اجباب و لوازم بدستور سے قائم کئے گئے تھے باب عالی
 کی محفوظہ جو جسے کچھ تو معنی نہیں کیا لیکن کیوں کرتی جیدہ خود اسی و
 ترقی کے حال شارح محفوظہ دستے کی جگہ (ادشک بلٹن) کے سپاہی شعیب
 کئے گئے تھے، یہ انجن کی خاص مددگار جماعت تھی انجن کو اس کا ردائی
 کا متعہ کیونکر ملا، اس باب عالی کے محفوظہ فوج کیوں کہ بدل دی
 گئی کہ اس کی اطلاع دفتر جنگ، دوزار اور پولس کو نہیں ہوئی، یقیناً ایک
 سر ہے جس کا اصل کرنا سر دست مشکل ہے تمام اس سے اندازہ کیا
 جا سکتا ہے کہ انجن اپنے اس سوت ترین دور نصیبت میں سچی جید دنیا
 یقین کرتی تھی کہ اس کی زندگی کے آخری دن ہیں اپنے اندر کمی عجیب

ادا مجبورہ خیز قوت انقلابہ کھتی ہے ادا اس کی تدابیر مخفیہ کس درجہ
 چمکتا ادا اس کے نشانے کس درجہ بے خطا ہیں، جماعت آگے
 بڑھ کے چند لمحوں کے لئے رکی اور خاموش رہیوں کے دستے کے
 سامنے نبازی بے بے باکوں اس طرح جیسے کوئی خمیر میں پارٹ
 کرتے ہوئے کہتا ہے جتا کر کہتا میں اپنے آبا کی ملک کی عزت چلنے
 آیا ہوں، جس کے حق پر دلیل کرنے لگتا ہے اور رو دے جانے میں
 خاتن گورنمنٹ نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اگر تیار ہی مرسی ہی ہے
 تو دفتر میں بھی راہنی ہوں محو کارڈ والو، سرے پہنے کوٹھڑیوں سے
 چھپتی کر دے، مہاجرے مانتے تکیہ تذبذب و تحقیق نہیں دیکھوں گا زندگی
 میں یہ سننے سے مرنے سے بد سننا سترے کوڑکی کے لئے اب دنیا
 میں عزت نہیں۔ اب اس نھڑکا کا آخرن ایکٹ باقی تھا۔ غازی
 اور بے غلیل بے اور ہمال مکہ آئے بڑے ان کے پیچھے طلعت بے
 عمرے، نیازی بے اور مدحت بک شے، یہ تمام لوگ وزارت اعظم
 کے دفتر میں جہاں اس وقت دُور درسی مجلس یادداشت کا جواب لکھنے کے
 لئے منعقد تھی اپنے مولیٰ پڑوس میں بے باکانہ داخل ہو گئے، اصلی
 نشست کے ہال کا دروازہ چند دعوں کے فاصلہ پر تھا کہ سب سے پہلے
 کامل پاش کا اڑی کا گنگ نافذ بے نکلا اور دیوالیہ کے بیو کے وسط
 راہ میں راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن سنا ایک گولی چلی اور وہ
 زمین پر ڈھیر تھا۔ اس کی شایعہ نام پاش کے ایک خفیہ انسپکٹ
 اور اڑی کا گنگ تو فیت بک نے کی۔ لیکن اس کو بھی صحت نہیں ملی اسب
 کے آخر میں خود تاںم پاش باہر نکلا ادا الحمد بے کو دیکھ کر کہا کہ یہ کیسا

مختاخی ہے، ایک پرائے اسٹریٹ میں نجیب نے کہا کہ تختہ کتانی
 تم کر رہے ہو اساتو ہی فکر کر دیا اور متواتر تین گولیاں اس کے جسم
 سے لٹکی گئیں، کامل پاشا کے صاحب نام پاشا کے قاتل کو مار ڈالا
 لیکن خود بھی زخمی ہو گیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ کسی بدلتی لڑکی
 لگوئی اس کے حصہ میں آئی بعض اس کے ذاتی کو ایک فوجی افسر تلبہ تے
 میں، گولیوں کے چھوٹنے کی آواز سن کر، فظ دستہ فوج میں
 ایک بندوق پیدا ہوئی، ایک دوپائیوں نے اقد بے کی طرف بندھ
 کی مانی بھی کر دی۔ لیکن اس نے کسی بات پر توجہ نہیں کی، وہ
 اپنے ارادوں میں سہک اور گریا کسی نئے جذبہ غصے کے مطابق لٹیک کے
 بعد ایک منزل سے گزر رہا تھا۔ وہ سیدھا ہال کے اندر چلا گیا۔ اور
 کامل پاشا کے سر پر کھڑے ہو کر فاکٹری میں بغیر کسی تباہی کے کہا
 "میں حکم دیتا ہوں کہ تیرا زانی جاری رکھنے کی قسم کھاؤ اور با
 اس کسی کو چھوڑ دو اگر تم نے کدرا بھاہیں۔ میں کب باور رکھو
 کہ اسی وقت یہ تمام فضا خون آلود ہو جائے گی" کامل پاشا
 جو اس وقت یاں سرور پر گیا تھا ڈرنے ڈرنے جواب دیا
 میرا خیال جنگ جاری رکھنے کے خلاف ہے میں استعفیٰ دست
 ہوں۔ انور نے صرٹ دے دی کو کافی نہیں تھا بلکہ اسی ذلت استعفیٰ کا
 معنوں کا غڈ پر لکھک پیٹ کر دیا اور کامل نے بلا کسی وقفہ کے خط کئے
 استعفیٰ جیب میں رکھ کر اس نے ہال کے چاروں طرف نظر ڈالی
 اور تمام سابق دزدار سے کہا براہ عنایت آپ تمام حضرات اپنے
 آپ کو نظر بند یقین کریں، یہاں تک کہ نئی مذارت قائم ہو جائے۔"

کوشش شروع کر دی۔ جن کے مجرم اور منہگامہ سے ایک مختصر جوش و
 خروش بہا تھا۔ کمیٹی کے ممبر بدلی میں یہ کام تقسیم کر دیا گیا کیونکہ
 اب ان کے لیے پریکٹک کو کوئی خاص حق نہیں کر سکتا تھا اس کے ساتھ
 یہی اتحاد و شریک کے مخالفین و معاندین کی گرفت رہاں بھی شروع ہو گئیں
 وہ یہ خارجہ کے سفار نے مغربیوں کے لئے محفوظ مقامات جیسا
 کئے اور اس طرح سعید پاشا لبر کا مل یا شاخنتا لبر پیر شیخ الاسلام
 اور محل کے ماتحت سکڑی رسید پاشا نے فرزا جاگ کر سفار
 کے یہاں پناہ لی، اب دیکھنا یہ ہے کہ انجن کا سفر اپنے دشمنوں کے
 ساتھ کیا رہتا ہے، وہ دشمن جن سے انتقام لینے کی اسے
 پوری طاقت حاصل ہے، کیا انجن ان کو سخت سزا دیں دینا پسند
 کرے گی۔ لہذا ہر سازش کنندہ کی قدر و بہت قلیل تھی وقت اور
 فرصت اس سے بھی کم، تمام انہوں نے جس سعی، چارہ کی اور حیرت
 انگیز سرعت کے ساتھ ایک غلطی ان انقلاب پورا کر دیا۔ وہ محنت
 ناقابل فراموش رہے گا۔ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے ذریعہ تمام تارکات ڈالے
 گئے تھے جو باب عالی محل مصطفیٰ لہد دفتر جنگ میں باہم محاربہ کا ذریعہ
 ہر حرکت تھا۔ اسماعیل آفندی آبدیشامی اتحادی ہے جو کمیٹی کے ماتحت
 خفیہ پولیس کا افسر تھا، اس کے ماتحت سپاہیوں کا ایک گروہ اور
 خفیہ پولیس کے آدمی دیدئے گئے تھے تاکہ تمام اخبارات کے دفاتر
 کی نگرانی کریں، نیز ان کے دروازوں پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا
 تھا کہ نہ کوئی شخص اندر سے نکل سکے اور نہ باہر کا کوئی شخص اندر
 جاسکے۔ انقلاب کے ظہور کے ساتھ گورنمنٹ کے تمام ممبروں کی

ہندوستان میں بھی عجیب و غریب قوت کا اظہار کیا گیا۔ ہر نئی
لوگ نہیں بلکہ یہ لید میں اختتام تک گرفتار کر کے رکھے گئے تھے جن سے
انجن کرشمی طرح کا قحطہ تھا۔ انڈیا ریلوے کا ڈائریکٹر ایم کلن
جوین، قنصل خانے کا مترجم ہرود میراڈ ایک انگریز سرنگم نامی،
جونیئل بنک کا مینجر تھا، اسی وقت گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اور
پانچ بجے تک گرفتار ہے اگرچہ اور تمام وزارت کے ۴ بجے رہا کر دئے
گئے۔ لیکن عبدالرحیم پاشا ند برمال اور خدیو پاشا وزیر داخلہ اب
نک مکیہ میں۔۔۔

ہندوستان میں ایسے بھی لوگ تھے جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی
ترکی حکومت کی حمایت میں نہیں بلکہ انگریزوں اور مخالفوں کی
سوافقت میں انگریزوں سے جنگ کرنے کے خلاف بیان دے رہے
تھے۔ جس میں آغا خاں مینش پیش تھے۔ ان کے اس خوشامدانہ بیان
دستی پر ۱۹۰۹ء درمی سلاو کے شہرے میں تنقید کی ہے۔

اس نے نہ تر مینش سر آغا خاں بالقاب الکثیرہ نے مسلمانان
مذہب کے نام ایک خط لکھی تا کہ مسلمانوں میں نہ گئے فوٹی ہے۔ اور اس کا اعلان
ہوا۔ اس کے اسی دن تمام اخبارات کو باہتمام محفوض بھیجا گیا ہے
پیشی نہایت دل چسپ ہے اور اس قابل ہے کہ مسند پر صدر معارف
ماہرہ کو پیش نظر رکھ کر اس کی اسٹیڈی کی جائے چھٹی کا آغاز
نوں کی رات سوزانہ سیدردی سے مگر خاتمہ ایک سیددانہ سوزہ پر کیا
گیا ہے۔ اس کو بہت ہندوئی سمجھتے ہیں کہ جو دین دہا جرن کے
سے رہا جائے لیکن اس پر خوشگیاں ہیں کہ مسلمانان ہند اجرائے

جنگ کے لئے ترکی کو کیوں مشورہ دیتے ہیں ان کو کسی کی جنگ مسلح سے کیا غرض، اپنی حکومت کی امن بخشی سے شاد کام میں ترکی کے لئے مسلح ہی میں بہتری ہے۔ آخر میں ان کا مشورہ ہے کہ اسلام کو اب یورپ میں مقبوضات سے فوراً جد وطن ہو جانا چاہیے۔ صرف ایٹلیا ہی پر فضا کر لی جائے۔ ایسا کرنے سے ایک نعمت گرا لہائی یعنی دولت علیہ برطانیہ کی سرپرستانہ اعانت اور اسلام نوازانہ مہر و نوازش کی دولت لازوال حاصل ہو جائے گی۔ یہ ایک ہائری "سلی" نئی حکایت "باگرمیونی کانٹہ تارہ" ہے جو نہایتیں کے ساتھ وجود سے منتقل ہو کر سامعہ نواز بزمِ داغ بن جاتی ہے۔ بعض ظاہری بد مزہ میوے ہیں کہ یہ آواز کچھ خوش آئند نہیں۔ لیکن باطن شناسان حقیقت سمجھتے ہیں کہ کلامت بے فائدہ ہے تم ان تاروں کو دیکھتے ہو جن سے آواز نکلتی ہے اور ماری لگا۔ ان انگلیوں پر سے جو ان پر زبرد بالا پڑ رہی ہیں۔ نہایتیں نے اس ایک جھٹی میں اپنے باطنی کائنات کے کتنے عجیب بد لے میں آغاز تحریر میں ترکوں کی سید روی کرتے ہیں اپنے نہیں سلمان ظاہر کرتے ہیں، کچھ دیر کے بعد ان کو اس خیال سے سخت پریشانی ہوتی ہے کہ "جنگ" دوبارہ جاری کر دی جائے۔ یہاں آکر وہ موجودہ سچی جہاد کے مفہوم علم بردار شاہِ فرڈیننڈ کے ہاتھ پر سمجھ کر گئے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ وہ دنیا سے بغیر ہی آرزو دہرائی گئی ہے۔ کہ ترکوں کو جنگ جاری کرنے کا مشورہ نہ دیا جائے آگے چل کر ان کا مہو زیادہ صاف نظر آتا ہے وہ بے لگان مشورہ دینے لگے بڑھتے

میں اسلام کے لئے بھترے کہ یورپ کو فالی کرے۔ اب ان کا لباس
 بلغاریہ وضع کی جگہ ان کی اصلی انگریزی وضع اختیار لیتا ہے
 کیونکہ ان کے اس مذہب کو البرابار مسٹر گلڈ اسٹون نے بھی
 سلسلہء میں یہی رائے دی تھی۔ بس اب ترکوں کے لئے صرف
 ایک ہی کام باقی رہ گیا ہے یعنی فوراً اپنے مدبروں، ایک ہاشمیوں،
 قائم مقاموں اور ہاشمی بزرگوں کو ساتھ لے کر اپنے نئے مسیت
 باسٹورس کے پاس ایشیا میں چلی جائے، البتہ گلڈ اسٹون کاتب
 نسخہ لکھنے اچھے لفظوں میں ہوا ہے۔

آغا خان کی چھٹی سے سلطان ابن عبد میں بے حد غم و غصہ کی
 ہر دوڑ تھی، جگہ جگہ ان کی چھٹی کے محلہ منہلے سونے گئے۔ ۶۸
 زردی سلطان کو ملک میں ڈھاتی ہے دن کے ٹاؤن ہال میں
 ایک جلد مسٹر منظر اعلیٰ صاحب کی مصارف میں ہوا، اس کی مدد و
 ۹ ارڈری سلسلہء کے ابلائی کے پرچہ میں شائع ہوئی ہے،
 مسٹر منظر الحق نے پہلے اردو میں اغراض و مقاصد مجلس کی تشریح
 کی اس کے بعد اپنا مصداق انگریزی ایڈریس پڑھ کر سنایا۔

حس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔
 مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہماری جماعت میں لوگوں کا جوش
 بے انتہا بڑھا ہوا ہے۔ میں اس امر سے بھی واقف ہوں کہ یہاں
 کے ایٹھو انڈین پریس کا رویہ ترکی کے تعلق سخت حملہ آوار
 ہے، تاہم میں آپ لوگوں سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ بد زبانی کا جواب
 بد زبانی سے نہ دیں، جو حسب ذیل مقام اس خوفناک جنگ میں ملنا

پر سڑے ہوئے ہیں، مشکل ہے کہ اس میں ہمدی میں ان پر یقین کیا جائے
میں نے اول اول حجب ان مظالم کی غور نہیں سگریز ختوں کو بڑا صاف
تو محلو خیال ہوا کہ یہ صیح نہیں ہیں، کاش میرا شبہ صیح ہوتا۔ لیکن
انوس کے بیانات اس قدر قوی اور قوی اس قدر صاف و نقول اور نقہ میں کہ
کہ مجھ کو مجبوراً ان پر یقین کرنا پڑا۔ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ کس طرح سطر
گلید سٹوں نے آرمینا کے فرضی مظالم کی داستان سرائی سے ترکوں کے
خلاف جدوجہد کی تھی اور پھر کس طرح ترکی کے متعلق تمام یورپ میں غلط
و غضب پھیلا دیا تھا۔ اور سلطان عبدالحمید کو قابل اعظم کے نام سے
یاد کیا تھا۔

حضرات، میں انوس کے ساتھ سرآغا خاں کی تحریک کی طرف
اشارہ کر رہا تھا۔ بول جو حال میں بمبئی کے ایک اخبار میں شائع کی گئی ہے
اور جس کی خبر تمام ہندوستان میں تار کے ذریعہ پھیلائی گئی ہے۔ شخصاً
میں نمائندگی کی اس قدر عزت اپنے دل میں رکھتا ہوں کہ نہیں سمجھتا
اس کو سمجھ نہ سکتا ہوں کہ اگر میں ایک ملی سلسلہ کی نسبت ذاتی
دوستی کی بنا پر خاموشی اختیار کر لوں تو اپنے اسلامی فرض کے ادا
کرنے سے اپنے تئیں بالکل قاصر یقین زدوں گا۔ میں پورے یقین
کے ساتھ کہتا ہوں کہ بریائیں نے جن خیالات کا اپنی اس تحریر
میں اظہار کیا ہے اس سے مسلمانان ہند کی کسی قابل ذکر جماعت کو
اتفاق نہیں ان کے خیالات اسلام کے خلاف ہیں اور اس ملک کے
اہل اسلام ان کو نامعلوم کرتے ہیں۔ یہ کہنا کہ جو لوگ ترکوں کو
جنگ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں وہ غیر ذمہ دار اشخاص ہیں اور

انہی فقرہ انگریزی سے واقع نہیں، مسلمانوں کے جذبات مجھے گویا چشم پریشی کر لی ہے۔ نبرہ نہیں کو چاہیے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جنگ کے اجراء کے لئے جو ثور سے دئے ہیں وہ اس نے پس کی ترکوں پر ایک بنائیت مشکل لہر صعب موقوفہ آریا اسے وہ چاہتے ہیں کہ اپنی غور ہتھوں سے ان کی ہمت بڑھا دیں۔ یہ کہنا کہ ترکوں کو غیر مذہب و دھرم دی گئی ہے بالکل غلط فہمی پر مبنی ہے جو وجود واقعات نے بتا دیا ہے کہ جو صلاح دی گئی ہے وہ بہت صحیح فہمی ہے۔ اور ترکوں نے جب جاری کر دی۔ نبرہائی میں فرماتے ہیں کہ ترکی کو صرف ایشیائی سلطنت ہونے پر قانع ہونا چاہیے اور یورپ کے نام صوبوں کو صیور دینا چاہیے۔ لیکن میرے لئے تو اس کا باور کرنا ہی مشکل ہے کہ کوئی شخص سنیوں کا لہذا ہر مسلمانوں کے خلاف ایسے الفاظ منہ سے نکال سکتا ہے۔

”ابھی تقریر شروع بھی نہ ہوئی تھیں کہ تمام جلسہ میں سر آغا خاں کے ذکر نے ایک سخت برسی اور غصہ کی سوزش پیدا کر دی تھی معلوم ہوتا تھا کہ اب ایک اس نام کو سکون و اعتدال کے ساتھ سننے کے لئے بالکل طیار نہیں ہے اور اس نام سے اس درجہ بناؤں اور نام ہے کہ سننے کے ساتھ ہی اظہار غیظ و غضب کے لئے بے اختیار ہو جاتی ہے، جوں ہی نبرہائی میں اس نام نہ دیویشن میں آیا تھا انکار ریز کی صدا میں برطرف سے لٹنے لگیں، بہت سی آوازیں نہایت سخت و تندہ الفاظ انقلاب کے ساتھ مختلف سمتوں سے سننے میں آتی تھیں جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر میرے بعض نیک گمان

باب اجازت دیں تو بغیر اہل دین و مذہب کے کہہ سکتے ہوں کہ
میں سرزنش و تنبیہ میں میں (مولانا ابوالکلام آزاد) نے بھی حصہ
لیا تھا۔

انگریزی حکومت ہوا کانگریسی یا کوآئی اور حکومت ہوا ان کا کام
لور سے اپنے محکموں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے کہ ان کی ہر چیز پر
قبضہ کر دے ان کو ہر طرح سے ذلیل و خوار بنا دے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پر
اسی طرح آج کل کانگریسی حکومت اپنا تسلط جما چا رہی ہے اور اس
لو طرح طرح سے بدنام کر کے یونیورسٹی کے ساتھ جو لفظ مسلم ہے اس کو
شانے اور اس کے مسلم کردار کو ختم کرنے کے لئے درپے درپے اسی طرح
انگریزی حکومت کا کسی نشانہ نہ کرے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ساتھ جو لفظ
مسلم جڑا ہوا ہے اس کو یاد دیا جائے اور اس پر سرکار کا پورا قبضہ ہو
یہ باتیں برداشت کے قابل نہیں ہوتیں، جس طرح موجودہ کانگریسی حکومت
کے ناپاک اراکوں کے خلاف جو اس نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بارے
میں قائم کر رکھے ہیں مسلمان آواز اٹھا رہے ہیں انگریزی مدد میں بھی
اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کی مخالفت کے ساتھ ملک کا سچا سچ
مخالفت پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن انگریزی حکومت کی سنہرائی کا بیج
کے ذمہ دہ لوگ کر رہے تھے مولانا آزاد نے اس کو پسند نہیں کیا، اور
انگریزی اقتدار کے خلاف اہلال کو وقف کر دیا تھا۔

۲۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو مسلم یونیورسٹی ٹوئینٹین کمیٹی کی مینٹ
ہوئی اس میں فیصلہ ہوا کہ دلبرائے کے پاس ایک دند بھیجا جائے، اس
دند کے ارکان اس تلاش کے ہوں جو حکومت کے ہاتھوں میں یونیورسٹی

کا انتظام سونپ دیں اھاس کا پورا تسلط کرا دیں اکٹھی کے اس فیصلہ کے خلاف ملک بھر میں ایک مہم چلائی ہوگی، مولانا ابوالکلام آزاد ان منگیوں میں شامل تھے آدھان کے سامنے یہ تباہ کن ڈرامہ کھیل گیا تھا اس نے، محول نے خاموشی اختیار نہیں کی بعد میں یونیورسٹی کے حکومت پرست طبقہ کی سازش کی نقاب کشائی کی لہذا اہللال میں کافی مقامے اس کے خلاف لکھے۔ چنانچہ ۵ مارچ ۱۹۴۷ء کے شمارے کے ایک آرٹیکل میں تحریر فرماتے ہیں۔

”در اصل اب نوڈ ٹین کمیٹی کی تمام بحث آکر اس رخنہ میں گئی تھی کہ لونیٹر بھر سید حسن بکری کا ریزرویشن منظور ہو یا غیر منظور، تمام دیگر مسائل پر ایک سٹے اور اصلی تھرو اور باب بکری کو حصول یونیورسٹی میں راہ میں نظر آتا تھا، یہی ریزرویشن تھا، اس ریزرویشن کا مقصد فی الحقیقت کسی قومی یونیورسٹی کے لئے اصل سہی اور خزانہ بنیاد کار کے تھا، یعنی گورنمنٹ کے اختیارات کا مسئلہ، ریزرویشن کے الفاظ یہ تھے جو امن کا بج کی دفعہ الم، امن ۵ میں جو اختیارات اس وقت برٹن کو وہیں ہیں ان سے زیادہ اختیارات یونیورسٹی کی صورت میں سمجھو، سرائے کو رجسٹر چھین نہ دے جائیں۔“

بحر صاحب نے اس تجویز کو بعد از برلن سی و مجاہدیت پیش کیا اور انہوں نے خیال طبقے نے جو قوم کو قومی یونیورسٹی کے دھوکے میں ایک گونہ ریزرویشن خریدنے سے بچانا چاہتا تھا اور جس کی ہیئت پر علی گڑھ کالج بھی ہاتھ سے جاتا تھا (ساتھ دیا اور آخر تک ساتھ ساتھ) لے لیا تھا، اب جو وہ قشر لطف ۵ نے تو اسٹیج پر آئے

ہی جس نے ان سے پوچھا، زبانی کیا ارادہ ہے کیا کہ صلح کاری کے
 ساتھ کام کرنا بہتر ہے اور مجھ کو یقین دلایا گیا ہے کہ بحالت موجودہ
 میرا زندگیوں میں نہیں ہو سکتا (حالانکہ شکوہ آخری خیال درست نہ تھا)
 میں نے اسی وقت "اناللہ" کا جو پیروں کی ہم کو زباں پر گزرا نسخہ
 اعادہ کیا۔ کہ اپنے قیاسات کی پوری تصدیق ہوگی اب صلح کی خواہش
 ہے مگر تمام پر مین ترکی بائیں سے جائے، میر صاحب کا نفوس کی
 صدارت کے لئے تشریف لائے تھے اور فی الحقیقت جس قابلیت
 اور صداقت کے ساتھ انہوں نے اپنا فرض ادا کیا وہ ان کی عظمت
 کے لئے بہت بڑی چیز ہے بس بہتر تھا کہ نوڈلین کمیٹی کے اجلاس
 میں حصہ نہ لیتے اور اس مزدیوشن کو پیش ہی نہ کرتے، وہ نئے
 قوم کے سامنے آئے اور آتے ہی اپنے یقین آزمائش میں ڈال دیا۔
 حالانکہ آزمائش کی راہ دوسری ہے، ۲۶ کی سہ، بہرہ میں خیال ہوا
 تھا کہ کہیں میر صاحب کی انتقامت "ارباب حل و عقد" سے متقابل
 میں معوب نہ ہو جائے۔ ہم نے خیال کیا تھا کہ اگر وہ اپنی تجویز میں
 قریم لیں کریں گے یا دایس لے لیں گے، تو نئے کوئی دوسرا شخص اس
 کو سپرینٹنڈنٹ کر دے گا لیکن الموس کہ ۲۸ کی صبح کو حالت بدل گئی، ہاچوہ
 مجلس "نیم شب" کے قول و قرار صلح سے دل مطمئن اور منصوبے قومی
 لیکن پھر بھی جنگ کے اجراء کا خوف دلوں میں باقی تھا، اس کے لئے
 علاوہ اور بہت سی تدبیر مختلف کے جو بارہ دہائی کے دروازہ اور خود
 اندہ سہ کی گئی تھیں ایک خاص تدبیر خود اسٹیج پر بھی واردوں کی خبری
 کتنی تھی دو خط مدد کی مصحف پلین پر لسنڈنٹ کی کرسی اور نیز کے

چاروں طرف فرشتے پریشانی مگنی تھیں اور نہیں معلوم اس بلجاری محاصرہ کا اہم یا نابل کوئی تھا بعض اہم خاص جو کل تک طلبوں میں اپنی نگاہوں کے ذریعہ متاثر تھے، ہم نے خاص طور پر دیکھا کہ آج کے پیش آنے والے واقعات سے متنبہ ہو کر ترکی ٹوپی کے یوسفارم سے لیس ہو کر آئے تھے۔ ہم نواب وٹار الملک بہادر کے پیچھے ہی بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے دیکھا کہ اس حالت کو بطور خود نواب صاحب قند نے محسوس کیا اور ان لوگوں سے باہر اسکا کہ اس طرح نہ بیٹھیں غالباً یہ بھی فرمایا تھا کہ اس سے لوگوں کو بھہات پیدا ہونے میں۔ لیکن وہ برد آ زبان جنگ جو آج اپنے دست و بازو کے جوہر دکھانے کے لئے جمع ہوئے تھے سب ان نصائح و احکام کی کب پرواہ کرنے والے تھے اس مجموعہ دعا سے ایک خاص مفہور و نظا ہر یہ نظر آتا تھا کہ اگر کوئی شخص مخالفت میں تقریر کرنے کے لئے آمادہ ہو تو اس کو بدقت اس کا مو قعدی نہ ملے کیونکہ اول تو مقرر کے لئے کھڑے رہنے کی کہیں جگہ ہی نہ تھی، دوسرے اس محاصرے کی صغوف کی وجہ سے راہ مرد اس طرح بند ہو گئی تھی کہ وہاں تک پہنچنے کے لئے منڈیوں کی جدوجہد مطلوب تھی، خود ہم لہر خراج غلام التقلین اگر اتفاق سے بالکل آئیج کے کنارے بیٹھ رہے ہوتے تو تقریر کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہوتا، کیونکہ جتنی دیر میں مخالفت اٹھ کر کنارے تک پہنچنے کی کوشش کرتا، اتنی دیر میں رز دیوشن پاس ہی کر دیا جاتا (جیسا کہ بعد میں بہ جبر کیا گیا) اور تدبیر خاص وہ تھی جس کے نتیجے میں مخالفت کے حیر اور مخالفت کا شور و مہکار پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی یعنی اسٹیج پر

میٹھے والی جماعت کا ایسا طبقہ نیچے مجلس کی مختلف سطحوں میں تعلق ہو کر بیٹھ گیا تھا، تاکہ وقت ضرورت مجمع کے ہر حصے سے ایک ایک صدا آئے موافق انھیں شور مچا دے اور معلوم ہو کہ مروت سے عہد میں اٹھ رہی ہیں، اس انتظام کا سلسلہ آخر مجمع ملک موجود رکھا گیا تھا، اس طرح کے سامنے ٹکی تیار کر بیوں پر سبھی شریکان راز اشتہار میں بٹھائے گئے تھے تاکہ اگر کوئی مخالفت میں تقریر کرے تو مٹا نیچے سے آدندیں اٹھنا شروع ہو جائیں اور اس کے منگائے میں مجمع کی مخالفت عہد میں مدغم ہو کر نفقہ و مروجہ ہیں، چنانچہ جوں ہی آریل خواہ غلام نقیلین نے ترجمہ پیش کی گود، مخالفت میں نہ تھی بلکہ صرف ترجمہ تھی، تاہم شرارتوں کی آواز میں مٹا سنا دینے لگیں۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایک اہم شخصیت نواب دتار الملک مشتاق حسین صاحب نے ارزدردی سلاسلہ غم کو اپنے بیان میں ان سارنوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا، یہ بیان ۲ ارزدردی سلاسلہ غم کے پہلاں میں شائع ہوا ہے اسی کے ساتھ اس ٹوٹا لدی ڈویشن کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونے لگی تھی، اس سلسلہ میں تعہد احمد صاحب سکڑی پر پوئلکھ کمی (کنٹرولر مسلم یونیورسٹی) نے بھی اپنا ایک بیان اخبارات میں شائع کرایا جو پہلاں ۵ مارچ سلاسلہ غم کے شمارے میں چھپا، اس کے اقتباس ملاحظہ ہو۔

”جہاں یہ دیکھ کر بے حد سرت موتی ہے کہ ہر دستاں کے ملان ترک سہائیوں کی مصیبت کو اپنی مصیبت ایرائیوں، مراکشیوں اور طلبوں کے حوالہ باز عربوں کی تباہی کو اپنی تباہی سمجھ کر ان کی معصومیت

نسلک و صاحب میں اپنی گہری ممد وادی کا اظہار کرتے ہیں یہاں یہ
دیکھ کر از حد رنج و انوس ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے
خاص ہندوستانی معاملات کو نہایت بے پردائی کی نظر سے دیکھتے ہیں
انہوں نے ایک ایسے قوی معاملہ (سلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی طرف سے
جس کے متعلق اخبارات و سبک دلیوں میں نہ صرف بہت سی مبالغہ و
ہوجے ہیں بلکہ جس کو متفقہ طور پر یہاں ہندوستان کی قومی حیات و
مات کا مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ مطلقاً آتشیں ہند کر لیں ہیں۔

تو سیراے ہندوستان کے مسلم نو اکیڈم جاتے ہو کہ تہذیب و
سربا بہ، تہذیب نامہ کی پوری تہذیب نامہ باب تکھل میں مدرسہ العلوم
علی گڑھ میں برقوم کا بے تسلسلہ یہ فریج جو دیکھا ہے جس برقوم کی نگاہیں اپنی
میں اور برقوم کی تمام امیدوں کا مرکز ہے، گورنمنٹ کے واسطے کر دیا جائے
ہندوستان کے مسلمانوں، کیا تم اس بات پر ماضی ہو کہ مدرسہ العلوم کی یہی سہی
آزادی کا خاتمہ ہو جائے۔ اور کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ یونیورسٹی
اگر تمہیں مل سکی جائے تو اس کا نام سلم یونیورسٹی نہ ہو بلکہ گورنمنٹ
کی غیر اسلامی اور محدود یونیورسٹی ہو اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی
میں ہے تو سیراے مسلمانوں، بروقت کیوں کو شش نہیں کی جانی کہ
مسلمانوں کا کالج مسلمانوں ہی کا ہے، مسلمان گورنمنٹ سے نماز بخشنا
سے تھے مگر وہاں توحید و طلبوں اور خود غرضوں کے طفیل اور ان
قوم زردخوئی کے ہمدنے لئے روزے بھی مسلمانوں کے گلے پڑے
میں سلم یونیورسٹی کو کیا ملے گی کالج بھی جانا ہے گا اور جو سوڈی بہت
آزادی اس وقت مسلمانوں کو کالج میں حاصل ہے اس سے بھی

مسلمانوں کو ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

انگریز اسلامی ملکوں میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی بیع بکئی کرنے ان کی عبادت گاہوں اور مدرسوں وغیرہ کو اپنے قبضہ میں لینے یا ان کو مٹانے اور ان کی بے حرمتی کرنے پر بلا سوا اختیار ادا تو ہندوستان کے مذہب و دھرم کو ختم کر کے ہندوستان میں کو عیسائی بنانا چاہتا تھا جب یہ نہ ہو سکا تو اس نے اسلامی مدارس پر قبضہ کرنے اور مسجدوں کی توہین دہے حرمتی کرنے پر کمر باندھا۔

جینا نیچہ جون سلاسلہ کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ کانپور میں ایک نئی سڑک لگ رہی ہے جس کا نام اے بی روڈ ہے یہ سڑک کلاس بازار اور محلی بازار سے پوٹی ہوئی مول گنج جاتے گی۔ محلی بازار میں ایک مسجد تھی جو اس سڑک میں آ رہی تھی اس کے بائیں اب پورٹ ٹرسٹ کمیٹی نے یہ تجویز پاس کی کہ مسجد کا شرقی حصہ لے لیا جائے اور اس کے عوض میں مسلمانوں کو مسجد کے مغربی حصہ میں زمین کا ٹکڑا ملے گا اور دیا جائے۔ اس فیصلہ کے خلاف کانپور کے مسلمان ضلع میونسپلٹی کے پاس گئے دیگر حکام سے بھی ملے انھوں نے کوئی توجہ نہیں کی تو اس ایجنٹ پر بولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ایک طویل مقالہ لکھا تھا انرجون سلاسلہ کے شمارے میں شائع ہوا، مسجد کے مسئلہ میں جو کچھ ہو چکا تھا اس پر روشنی ڈالنے کے بعد کانپور کے خواص سے نہیں بلکہ عوام کو حسب ذیل مشورہ دیا تھا۔

”عہدہ دار عہدہ امید و توجہ، اسی سفارش، آہ و زاری غرض تمنا اور اندرز و فر داتا ہے۔ اور غفلت و اہمال تا کجا؟“

کچھ عجیب نہیں کہ علامہ دین کا پھر کو اپنی دعا مانگے اقبال دولت اور
 گمنا یا نہ انتہائات و موصفات سے فرصت نہ ملے لہذا اسلام کی ناسوس
 و عزت کا جو کچھ فیصلہ کرنے والا ہے سمجھائے، ہمارا تنہا طب
 اس وقت کا مد کا پیچہ سے نہیں بلکہ دہاں کی عام بیلک سے ہے بلکہ
 تازہ ترین حالات معلوم نہیں، لیکن آخری اطلاعات تک حالات
 بدستور تھے اگر اس طب اپنی مسجد کا بھی وہی حال دیکھنا منظور نہیں،
 جمہال میں ان کے سامنے ایک منہ کا پوچھا ہے تو خدا آئے والے
 وقت کو محسوس کریں اپنی امداد اپنی مسجد مقدس کی عزت کی حفاظت
 کو اباب معلت و جاہ و رسوخ کے ہاتھوں میں بالکل چھوڑ دینے
 کی جگہ خود اپنے ہاتھوں میں لیں کچھ ضرور نہیں کہ قانون کی خلاف ورزی
 کی جائے، ایسے امن اور پورے سکون کے ساتھ ہم اپنے مہجے کے
 لئے اپنے جذبات اور ان کی قوت کا اظہار کئے ہیں۔ عام باشندگان
 شہر کو فوراً عید گاہ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کرنا چاہیے شہر
 کے علماء اور بزرگان دینی کا فرضی اہلی ہے کہ اس مسئلہ کو غیر متزلزل
 قوت اور محکم ثبات کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیں اور تمام مسلمانان
 شہر کو اس جلسہ میں جمع کر کے اس دن شہر کی دکانیں بند
 ہوئی چائیں اور ہر گاہ بارگاہ ان کو اپنے خدائے قدوس و ذوالجلال
 کی عبادت و تہنہ کی عزت کے لئے ایک دن وقفہ راہ الہی کر دینا چاہیے
 جلسہ پورے سکون اور وقار کے ساتھ ہو مگر اس کی درود و یوں تک
 سے جو خوش ملی و جذبہ اسلام پرستی کی گرمی کے شرارے لکھیں اس
 میں یہ صاف ظاہر کر دیا جائے کہ مسجد کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ

ہم مسلمان ہیں اور ہمارے جسموں سے زندہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے
 کٹی ہوئی رگوں اور ٹیکے ہوئے خون کے ساتھ کاٹ لئے جاسکتے ہیں
 مگر یہ محال قطعی ہے کہ مسجد کی زمین اس کی عمارت بلکہ اس کی چار دیواری
 کے اندر سے کسی جز سے ایک انچ ایک انگل، ایک جو، برابر بھی کوئی ٹکڑا
 الگ کر جاسکے۔ تم اپنے اندر قوت پیدا کر دے قوتوں سے بھی تمہارا ساتھ
 دے گی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کی صرف اتنی ہی تعریف
 نہیں کی کہ وہ اللہ کو پکارتے ہیں (ان الذین قالوا ربنا اللہ) بلکہ اس
 کے ساتھ ہی یہ بھی کہا (لشعنا مستقامون) پھر اس پر مصرطی کے
 ساتھ جم بھی گئے ہیں، پس استقامت اصل کار اور تمام کامیابیوں
 اور نصرت یا بیرون کا سبب اصلی ہے، مسجدوں کی جب کبھی حجت
 پھر پڑتی ہے تو یہ صرف خید عمارتوں کا سوال نہیں ہوتا بلکہ قومی عزت و
 ذلت اور نبوی تدبیر و تعظیم کا، ایک فیصلہ اگر آج قائم ہوتی ہے، تو
 کل کئے اس کے واسطے میں ہزاروں واقعات پنہاں ہوتے ہیں
 اس وقت مسجد کے دھو خانے کا سوال ہے کس کو معلوم کہ کل محراب
 و ممبرکانہ ہوگا؟ اگر مسجدیں ڈھاکر سرسری لکالی جاسکتی ہیں تو پھر
 اقلیم منہ کے کسی شہر کی کسی مسجد کی زندگی سعی خطرے سے خالی نہیں“
 (۲۹۵)

پیرگرام کے مطابق کانپور کے انگریز آقاؤں نے یکم جولائی ۱۸۵۷ء
 کو علی الصبح خانہ خدا کی دیواریں گرا دیں اور مشرقی حصہ کو منہدم کر دیا
 لوگ عجب سے ہوئے متولی مسجد کے پاس پہنچے اس کی سازش سے
 یہ روکت ہوئی تھی اس نے کوئی توجہ نہیں لی اور حکمراں طبقہ بھی لاپرواہ

بنارہا تو مسلمانوں کا پیچہ نے ایک پہنچے کے بعد ۳ راکٹ علاقہ ۴ کو صبح
 عید گاہ میں ایک بجے کیا، اس میں کیا پاس ہوا اور اس کے بعد مسلمانوں نے
 کیا کیا اور حکمران طبقہ نے کیا دعتیا نہ اور ہیما نہ حرکتیں نہیں اور
 اس کے مختصر سے حالات انگیزی اخبارات میں یاتے ہوئے
 جس کا ترجمہ اہل اہل کے ۴ راکٹ علاقہ ۴ کے شمارہ میں چھپا۔
 ۴ راکٹ کو ۱۰ بجے ۳۰ منٹ پر پھیلی بازار کا پورے شہر متعلق
 ایک خوفناک طوفان ہوا۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مجمع صبح کو عید گاہ میں ہوا تھا
 جس کے بے مسلمانوں نے اپنے تمام کاروبار بند کر دئے تھے اور بطور
 علامتِ حزن عید گاہ کو گئے تھے۔ عید کے بعد چار یا پنج سو مسلمانوں کی
 جمعیت نے ایک سیاہ علم کے پیچھے مسجد جمیل بازار کا روضہ کیا، اور
 حصہ منہدمہ کی تجدید تعمیر کرنی چاہی، سب الیکٹرانک نے بیڑ کو منتشر
 کرنا چاہا۔ لیکن حیدر آباد ڈھیلوں سے چوٹ کھانے کے بعد سٹی
 الیکٹرانک اور اس کے ساتھ آدمی واپس پھرے، کچھ بلوائیوں نے
 چونک کر تھک چھپا کر اور چوکی کی بعض چیزوں کو خفیف نقصان پہنچانے
 سے بعد مسجد واپس آئے، مسجد کے قریب ایک خانہ کے زیادہ آدمی
 جسے جسے میں بہت سے تماشاکی تھے، سڑ ٹانگر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ
 کچھ مسلح پیادے اور سواروں کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے اور تنہا سوار ہو کر
 مجمع کو منتشر کر دئے گئے بڑے مجمع نے پھر اور ڈھیلے جو پاس پڑے
 تھے، پھینک کر دے کیا، سڑ ٹانگر نے اپنے فوجی مددگاروں کو آواز
 دی، حالی کار تو سہا کے خاتمے کوئی اثر نہیں پیدا کیا اس بنا پر اسٹوں
 نے گریبندا سے فائر کا حکم دیا، فائر سے جو ۱۰ اسٹ تک رہا پھر بالکل

نقشر ہو گئی، متعدد آدمی مارے گئے اور ایک بڑی تعداد زخمی ہوئی جس میں کچھ پولیس میں بھی شامل ہیں جو سیز میں جرح ہوتے کچھ بلوائی پولیس میں کے ہاتھ بندوں سے مارے گئے، ایک پولیس میں مر گیا جہاں تک معلوم ہو سکا بارہ آدمی مرے اور ۳۲ زخمی ہوئے، جو ہسپتال میں پہنچائے گئے کچھ تاشی حسین میں بند بھی شامل تھے سنٹ زخمی ہوئے، سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھی چوٹ آئی کچھ تعداد گرفتار کی گئی۔ (۹۸)۲

یہ تو نیم سرکاری اخبارات کی رپورٹ تھی لیکن غیر سرکاری لوگوں نے مسجد اور میتوں میں جا کر دیکھا ان میں ایک اُٹریل سید رضا علی وکیل بامیکورٹ الہ آباد بھی تھے انہوں نے مسجد میں جا کر اور ہسپتال کے مریضوں کے محاذ کے بعد ایک بیان پریس میں دیا تھا جو درج ذیل تھا:

”کامیڈ سے میں ابھی واپس آیا ہوں، مجھے افسوس ہے کہ بلوائے کانپور کے متعلق اکثر نہایت ہزدری و انتہات اخبارات میں نہیں آتے درحقیقت اب تک جو کچھ شائع ہوا ہے اس کے پڑھنے سے ان مبتلاک و انتہات کا صحیح اندازہ ہونا ممکن ہی نہیں جو سرراگبت کو کانپور میں پیش آئے مسجد میں داخل ہوتے ہی جو چیز پہلے نظر آتی ہے وہ محراب والی یعنی مسجد کی پشت والی دیوار پر گولیوں کے نشانات ہیں یہ نشانات اکثر چھت کی سطح زیرین پر بھی نظر آتے ہیں لیکن جو بات سب سے زیادہ توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر بھی محراب مسجد سے ۷، ۸ فٹ کے فاصلے پر دونوں جانب گولیوں کے بے شمار نشان ہیں

نظارہ پر کسی طرح ممکن نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ثانات اسی عہد میں
 پڑ سکے ہیں کہ پولس نے انہما کر فیر گئے ہوں خون کے ثانات اور
 رڑے بڑے پچھتے بہت سے دیکھے تھے، مسجد میں داخل ہونے ہوئے
 ممکن نہیں کہ اس خون آلودہ نشان اس امر کی شہادت ہے کہ خدا کے
 گھر میں قہری دھوں ریزی کی گئی ہے، موقع پر مسلح پولس کی خون
 ریزی اس منظر کی ہیبت میں اور بھی لہنا نہ کرتی ہے۔ اگر مسٹر
 ٹانکر پہلے ہی احتیاط سے کام لے ہوئے اور مسجد کی طرف
 مسلح پولس متعین کرتے ہوئے تو غالباً جگہ کی نہ ہوتا۔ آخری چیز
 جو مسجد میں بچے دکھائی گئی ہے وہ حنیف دریاں تھیں جو ان تعداد میں
 و مجرد عین کے خون میں ڈوبی ہوئی ہیں، جن پر مجسٹریٹ کے حکم سے
 فیر کئے گئے، مسٹر ٹانکر کی غناہیت سے میں جیل اور ہسپتال میں
 بھی گیا، میں نے مولانا آزاد سبانی اور ان کے دوستوں کو جیل کی
 تکلیف دہ زندگی میں بوزہ و لہ اور ملحق دہشتاں پایا، بہت دیر
 تک ان صاحبوں سے باتیں ہوئی رہیں، میری روانگی سے کچھ پہلے
 مولانا آزاد نے اپنے ہندوستانی ہم مذہبوں تک پہنچانے کے لئے
 مجھے ایک پیغام دیا۔ اسوں نے سنا پایا، مہربانی کر کے سلمان
 سہانیوں سے کہہ دیجئے کہ وہ باری سبانی کی فکر میں اپنے آپ کو
 پلٹان نہ کریں بلکہ مسجد کی حفاظت کے لئے کوشش کریں۔
 کل ایک سو پانچ سلمان سبانیوں میں زیرِ مباحثہ ہیں، جن پر
 نذرہ چلا یا جائے والا ہے۔ جیل سے میں ہسپتال گیا، جہاں
 علامت کے ایک گروہ میں سہاگت کے گروہی پڑے ہوئے تھے

ادبیا زعمی کے دیکھنے کے بعد نہیں کہا جا سکتا کہ پولیس نے اپنے جذبات انتقام کی صفات ڈھیلی نہیں بر لے دی۔ اگر ہم ایک شخص کو دیکھیں جس کے کمر میں جھوٹا گئی مول، خندوں کے کندوں اور لاشیوں سے اس کو زخمی کیا گیا ہو مگر خالی نہ ہو، یہ ہے ہی ہندو کے چوروں سے مرچا ہوا۔ اس سے پولیس کی ان نیت کا ثبوت تو کہیں نہیں ملتا۔ (۱۵۴)

حکومت برطانیہ نے اس تحریک کو دبانے کی بے حد کوشش کی جس مقام پر حکومت کے اس جبر و استبداد کے خلاف طلبوں کے پروگرام بنائے گئے وہاں حکومت ان پر پابندی لگا دیتی اور جلسے نہیں ہونے دیتی تھی چنانچہ ستمبر ۱۹۱۷ء کو کھنڈو میں اسی سلسلہ کا جلسہ ہونے والا تھا اور اس میں ملانا ابوالکلام آزاد کی خاص طور پر تقریر ہونے والی تھی اس جلسہ پر گھنٹوں کے ڈسٹرکٹ میجر ٹیٹ نے پابندی لگا دی اور جلسہ ہونے نہیں دیا۔ جبکہ نڈال بھی بن گیا تھا۔

کامپور کی مسجد کے انہدام کے سلسلہ میں کافی قربانیاں دی گئیں اور عوام مزید قربانیاں دینے کے لئے تیار تھے کہ غلط رہنمائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان شریعت کے مطابق جو مطالبہ کر رہے تھے کہ مسجد کی ہیکل چھ زمین سوائے خدا کے واحد کی عبادت و بندگی کے کسی دوسری چیز کے لئے استعمال نہیں ہو سکتی۔ صلح پسند رہنماؤں نے اس کو پس پشت ڈال کر حکومت کی فضا کے مطابق دیرائے ہند سے فیصلہ کر لیا اس فیصلہ کی پوری روئیداد ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے الہیال میں

شائع ہوئی ہے۔
۴ مئی ۱۹۱۷ء کو جو جکر ۳۵ منٹ پر نیراجیسنی دیر

اسپتیل ٹرین سے کانپور پہنچے۔ اسٹیشن پر سٹرڈی ایسی بیلی قائم مقام نصیحت
گورنر صاحبات معتمدہ آفریقہ سید علی امام اور دیگر سرکاری اہلکاران نے
نہر اکبسنی کا استقبال کیا، اسٹیشن سے دلیرائے نے مع سرکاری ہتھیار
کے ساتھ پھیل بازار کا رخ کیا۔ وہاں آریسل سربراہ محمود، مسٹر منظر الحق
مولانا عبدالباری زنگی علی اور دیگر معززین موجود تھے انھوں نے جو تہ
نہیں اتارا، مگر ایک خاص ٹالین بچھا دیا گیا تھا۔ جس پر قدم رکھا، وہ تقریباً
۲۰ سنٹ تک اندرون مسجد کا معائنہ کرتے ہوئے اس آٹار میں مولانا علی گاہی
ساجد زنگی علی سے نہایت بے تکلفی سے گفتگو فرمائی اور ان کی دست
بے سلاخوں کو یہ پیغام دیا کہ اب اس واقعہ کو بالکل سہول جائیں۔۔۔
اس کے بعد دلیرائے نے جماعت سرکٹ باؤس شریف لائے جہاں لوکل
مسلمان رؤساء اور معززین غارہ کالک دندہ غلطوہ دندھا سٹر فضل الرحمان
وکیل کاچھہ نے حسب ذیل اذریس پڑھا۔ اور نواب سید علی خاں صاحب
نے دلیرائے کے سامنے پیش کیا۔

ہم مسلمانان کانپور نہایت غرضدوست کے ساتھ یاد کرتے ہیں
کہ حضرت آفریقہ شریف آدمی اس وقت مبعوث تھے، جبکہ ہمارے مرد معزز
محبوب بادشاہ سابق کنگ اڈورڈ صاحب کی یادگار کی بنیاد رکھی گئی تھی، جو
نہایت صلح جواد میں پیش تھے، ہم نہایت متأسف ہیں کہ ہمارے شہر کا اس
سر اگست کے واقعہ پھیل بازار کی وجہ سے متزلزل ہو گیا ہے۔ ہم
نہایت زور سے ان لوگوں پر فخر کرتے ہیں جن سے یہ غیر قانونی کام
ظہور میں آیا کہ انھوں نے خلافت قانون تیسرے تھیکے یا کسی دوسرے غیر قانونی
طریقے سے قیق آئے۔ ہم لوگ حضور کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم مسلمانان

کا نپہ اپنے ٹہنٹاہ کے سطح قانون اور فدا و در عایا ہیں۔ ہم لوگ اس
شہور مہمدی سے اسی طرح واقف اور اس کے لئے منوں میں، جو
بد قسمت نصبت زدہ ان لوگوں کے ساتھ حضور کے دل میں جاگزین
ہے، ہم حضرت کی اس فیاضانہ اعانت مالی کے لئے نہایت شکر گزار ہیں
جو ان بیواؤں اور یتیموں کے لئے کی گئی ہے۔ جنہوں نے موجودہ ملک
عادلانہ میں نقصان اٹھایا ہے۔ ہم لوگ جو خدا کو یقین دلانے میں ہر
حضرت کے الفاظ و مہمدی پر ہمیں کامل اعتقاد ہے اور اسی جو حق
سے ہم لوگ طیار ہیں کہ ذاتِ موجودہ کی بنا پر جو جدید سوالات درپیش
ہیں ان کا تصفیہ حضور کے ہاتھ میں دیدیں حضور دل سے ہماری
قوم کے بہترین فوائد کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

نیرنگیستی و سیرانے نے اس کا تفصیل ذیل جواب دیا۔

”حضرات! اس ذمت جو اڈر میں آپ نے بڑھا ہے، میرے
لئے نہایت تشفی بخش ہے کیونکہ اس میں نہ صرف میری مہمدی و لطف
پر متاثر ہوا ہے بلکہ اس چیز کو ظاہر کیا ہے جس کو میں نہایت
قیہتی سمجھتا ہوں یعنی ٹہنٹاہ کی وفاداری اور حسن کی نسبت میں یہ خیال
کرتے بہت خوش ہوتا ہوں کہ اس ملک کے مسلمانوں کی وہ خاص خصوصیت
ہے اگر مجھے اس طور سے آپ کی قوم کی وفاداری کا یقین نہ ہوتا تو آج
میں شک سے کامیور نہ آتا۔ مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اس یقین کا
اعادہ کر دے کہ اس کا اہم میں نے اسی اسی کو قائل میں کیا تھا کہ گورنمنٹ
کی پالیسی میں رعایا کے مذہبی جذبات و امور کی تسنیت کوئی تفسیر
نہیں ہوا، اور آپ جانتے ہیں کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے، ترقی و ترقی

کی رفتار کے ساتھ ہمیشہ یہ ممکن ہے کہ ہر گول ریوے نامنوں اور نہروں کے بناتے وقت موجودہ عمارات مقدسہ وغیرہ مقدسہ سامنے آجائیں لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ گورنمنٹ نہایت خود فکر کے ساتھ، اور لوگوں کے حقوق و فوائد کا لحاظ کرے گی، جن کو اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور ہمیشہ کو پیش کرے گی کہ اس قسم کے مسائل کو اپنے طریق سے حل کرے جس سے سب کو اطمینان ہے یہ جان کر کہ آپ کے لفٹنگ گورنر کے اطلاق رجحان اور نیا خانہ ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر آپ اس مسئلہ سے حل کرنے کی اسی قسم فکر کرتے ہیں جس قسم میں نے کی ہے تو آپ مسئلہ سجدے حل میں اور نیز جیسے سن کی خواہشوں کے پورا کرنے میں کامیاب ہوتے اگر آپ ہوتا تو سہرا گشت کا وہ غناک و حسرت الجھ و واقعہ پیش نہ آتا اور یہ صورت اور بیٹیوں کو اپنے شوہر اور سرپرستوں کا غم نہ نہاڑتا یہ واقعات اب کہلاتا ریخ ماضی ہے جس کو میں امید کرتا ہوں کہ سبھا گیا جائے گا۔ میں شملہ سے صرف آپ لوگوں میں اس پھیلائے کے فیصل سے آیا ہوں، آپ نے اپنے اڈر میں یہ یقین کر کے کہ میں دل سے آپ کی قوم کی بہتری کا خواہاں ہوں کہا ہے کہ واقعات موجودہ کی بنا پر جو سب کی پیدا ہو گئے ہیں ان کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں چھوڑ دیتے ہیں یہ بالکل سچ ہے اور میرے دل میں آپ کی قوم کی بہتری ملحوظ ہے، میں نے اس مسئلہ پر نہایت غور کیا ہے اور اس مشکل کی حل کرنے کی ایک شکل پیدا کی ہے میں نہایت غور فکر کے بعد اس فیصلہ پر پہنچا ہوں کہ محلہ چھیلی بازار میں ۸ فٹ بلند

ایک چھت بنا لی جائے جس پر دلائل اسی طرح نہادیا جائے جس طرح
 پہلا تھا لیکن اس سے کسی قدر طبعی پرلہ بیچے کی زمین گزرگاہ کے
 نئے معیشت کی جائے۔ بغیر اس کے مسجد کے دلائل کی حیثیت میں کوئی
 صحت اندازی کی جائے۔ یہ خیال کتنا فضول ہے کہ یہ زمین جس کے
 اور دلائل کے سرگرمیوں کا کس کی ملکیت ہوگی، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس زمین
 کو یہ حیثیت گزرگاہ استعمال کرنے کی عام سبک سببی اسی طرح مستحق
 ہوگی جس طرح وہ لوگ جو مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آئیں گے
 اب تو سہل کر چاہئے کہ اور پر کی چھت اور بجے کی پختہ سطح میں سبکی
 کے نقشہ کے مطابق بنالیں۔ اب میں ان لوگوں کی نسبت حیدرآباد
 کہنا چاہتا ہوں جن پر ہزار گنت کے جہود کا الزام قائم کیا گیا ہے
 میں کہتا ہوں آپ ہوں اودہ تم میرے بچے سو، بچے جب کوئی بے جا
 حرکت کرے میں تو باپ کا فرض ہے کہ ان پر زخم کرے ان کو مرزیش
 کرے تاکہ وہ عقل سیکھیں اودہ آئندہ غلطی نہ کریں، میں یہ نہیں آپ
 لوگوں سے بالذات نہیں کہتا بلکہ ان لوگوں سے کہتا ہوں جن پر
 جوئے کا الزام ہے اور جو دس پہنچتے سے قید میں ہے
 ۔ لوگ اگر جبر و ظلم سے مجرم ہیں تو انہوں نے صرف قانون حکومت
 کے خلاف کیا، بلکہ اس عظیم الشان مذہب اسلام کے نہایت مشہور
 عالمگیر اصول و اہول کے سبب خلاف کیا جس کے یہ پیرو ہیں اور گورنمنٹ
 کا فرض ہے کہ قانونی طاقت کو برقرار رکھے اور جس بحیثیت اس کی
 افسر حکومت سرے کے کہتا ہوں کہ وہ میری حالت میں قائم رکھی جاگی
 عام حالات اور جوئے سے گورنمنٹ کا یہ فرض تھا کہ وہ ان کو عدالت

کے سرور کے سزا دلانے۔ لیکن گذشتہ ایام قید میں وہ قاتی تکلیف
 اٹھا چکے ہیں اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں کانپور میں اس لئے کر آیا ہوں
 پس میں رحم رکھنا چاہتا ہوں جو لوگ اس فتنہ کے بانی ہیں اور جن کی
 ترغیب سے یہ نقصان پہنچا ہے۔ ان کا بھی کچھ خیال نہ کرنا چاہیے۔ چونکہ
 مسند مسجد کے من سوئے گی ایک صورت نکل آئی ہے اس لئے میں چاہتا
 ہوں کہ جن معاملات مسجد سے لوگوں کے جذبات کو اشتعال دے رہے ہیں
 کہ وہ بالکل بھول جائیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر اس فتنہ کی ترغیب
 دئے بغیر دلانے والوں کو سبھی معاف کیا جائے تو ان لوگوں کی بے
 اعتدالانہ تقریروں اور ناجائز صرف جو شرف و فصاحت سے، جو
 حسرتناک واقعات ظہور پذیر ہوئے وہ آئندہ ان کے لئے باعث تنبیہ
 ہوں گے۔ تاکہ آئندہ اس قسم کی بے اعتدالانہ تقریروں سے احتراز
 کریں، میری خواہش ہے کہ ملزمین ملاری جن معاصب میں غلطیاں اب
 ان سے انھیں نجات دی جائے۔ میں نے اسی وجہ سے سرزمینِ سن
 اور سلی کے ساتھ متفق ہو کر لوکل گورنمنٹ کو ہمارے لئے کی ہے کہ تعزیرات
 ہند کی دفعہ ۲۹ کی مد سے جن لوگوں پر مقدمہ سن میں پیش تھا
 واپس لے لیا جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ معاملات مسجد اور مقدمہ
 بلوچی کے متعلق یہ نصفیہ نہ صرف کانپور میں بلکہ تمام ہندوستان
 کے مسلمانوں میں امن و سکون پیدا کر دے گا۔ اور پھر کسی خاص شہر میں
 یا اندہ کہیں ایسا نہ کیا جائے جس سے یہ خاص واقعہ ہمیشہ کے لئے یادگار
 رہ جائے، نیز مجھے امید ہے کہ تمام مسلمان مہنڈ شاہ کی دفا داری میں
 متنبہ ہوں گے اور اعلیٰ عدالت کے ساتھ قانونی حکام کے ساتھ مل کر

قانون ماتظام کے استقرار اور اس وسیع و خوبصورت سرزمین کی جس
 میں ہم رہتے ہیں صلح و خوشی لہہ ترقی میں کوفشاں رہیں گے ۵
 ۶۔ عدالت کے ایک اجلاس میں جس میں ایک کثیر مجمع موجود
 تھا، سرکاری دکیں نے کہا، لوکل گورنمنٹ نے جھکو ہدایت کی ہے
 کہ تیلوں و معدنیات میں جو اشتباہ ماخوذ تھے ان پر سے مقدمات
 اٹھائے جائیں اور ان کو ہار کر دیا جائے ۷۔ سر منظر الحق صاحب
 نے جواب میں کہا، میں خوشی اس کو قبول کرتا ہوں۔ ماخوذین اسی
 وقت محاکموں میں بیٹھ کر جو پیلے سے تیار تھیں ایک بڑے اجتماع
 کے ساتھ جس کو بالترتیب رکھنے میں پولس کو بڑی رحمت ہوئی اپنے
 اپنے گھروں کو واپس آئے ۸۔ (۱۹۵۰)

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ دند کے ارکان میں کون حضرات تھے ان
 کے سامنے گرامی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ جس پایہ کے لوگ تھے
 حضور نے اپنے اہل بیت میں ان لوگوں کی مذمت کی جنہوں نے
 اللہ کے گھر کی حفاظت کے لئے مجاہدانہ قدم اٹھائے تھے اور
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹھکراؤ کی راہ میں پیش کیا تھا اور اس کی
 باوجود اس میں صلی اللہ علیہ وسلم کی چار دیواری میں بند تھے۔ قطع نظر اس کے کہ
 یہ لوگ اللہ کے گھر کے باہر میں کس قسم کا فیصلہ کیا تھا۔ کہ
 یہ اللہ کی خدمت کو درست کہا جاسکتا ہے۔ قطعاً نہیں، بلکہ
 بدست کے لئے والو، کے باہر میں کیا جاسکتا ہے کہ وہ انتہائی
 مجاہد تھے۔

۹۔ اس خلاف فروع فیصلہ کو عوام نے تسلیم نہیں کیا۔

اور خود در حریت پرست طبقہ نے بھی اس فیصلہ کو توہین آمیز سمجھا اور اس کے خلاف ملک کے کونے کونے سے آواز اٹھا۔ اسی وجہ سے عطا محمد امرتسری صاحب کا ایک خط دارلومبر ۱۹۰۷ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

اکتوبر ۱۹۰۷ء میں عنوان "گم شدہ صلح کی دلیلی" کے ذیل میں آپ نے اسی ادارے کی نئی دیویم اراکتور کے مسلمانان کانپور کی ایک جماعت نے پیش کیا تھا۔ اہل مذہب نے جواب ادریس کا دیا اس کو بھی میں نے بغیر مطالعہ کیا، میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ ادارے کل مسلمانانِ ہند کے تمام مقاموں یا مظلوموں کی تجویز اور منظوری سے مرتب ہوا یا اور فی طور پر کانپور کے سربراہ درودہ اصحاب نے اپنی ذمہ داری پر مرتب کیا تھا، ہر نوع جب لپڈر میں یہ امر درج ہے کہ ہم نہایت زبردستی ان لوگوں پر زور کرتے ہیں جن سے غیر قانونی کام ظہور میں آیا، نیز یہ کہ انہوں نے خلاف قانون تہمتیں لگائی ہیں کسی دوسری غیر قانونی طریق سے پیش آئے۔ تو اب اس بات کو ماننے میں کیا حقد ہو سکتا ہے کہ ہر اگست کا مجمع خلاف قانون تھا، اور یہ افواج اقبال جرم کا مادی بلکہ مزاج اقبال جرم ہے پس لارڈ ہارڈنگ کا بے جواب یہ فرمانا کہ بے جب کوئی بھی حرکت کرتے ہیں تو ہاں کا فرض ہے کہ ان پر ہم کر کے ان کو سرزنش کر سکتے تھے وہ عقل پسین ہیں اور آئندہ ملحق نہ کریں، اور بقول لارڈ ہارڈنگ عام حالات کی رو سے گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ ان کو عدالت سے سپرد کر کے سزا دلائے، لیکن گذشتہ آیام میں قید میں مظلوم کافی

تکلیف اٹھا چکے ہیں، اس لارڈ صاحب نے اپنا رحم دکھایا اور ۱۰ لاکھ
 ملازموں کے خلاف جو مقدمات برطانوی عدالت میں دائر تھے ان کو
 اٹھالیا اور ملازموں کو عزت رفا دیا۔ پس انجام دیکھو جس
 کا اعتراف لیڈر بس میں کیا گیا ہے، ہر شخص یہ کہنے کا حق رکھتا ہے
 کہ آخر جب جرم کا اقبال ہی کرنا تھا تو اس قدر شور و شغب اور
 آہ و فغاں کرنا محض بے سود تھا اور کہ کندن کاہ برآوردن کا مصداق
 مسجد کے منہ پر حصہ کا یہ فیصلہ کہ جس قدر مسجد کی زمین سرزمین
 میں ملا دی گئی ہے بیک کی گزر گاہ کے لئے بدستور چھوڑ دی جائے
 اور اس پر یہ فیصلہ کی گئی ہے کہ اس کی متولی اسی طرح کا دارالافتاء
 بنالیں جس طرح پر کہ وہ پہلے موجود تھا، نیز لارڈ صاحب کا یہ خیال کہ
 اس کی ملکیت کا خیال فضول ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کس قانون
 کے مطابق ہے، شرع محمدی کی رو سے تو یقیناً یہ فیصلہ درست
 نہیں ہے، لیکن اگر کسی انگلش قانون کے مطابق ہو تو اس کا مجھ کو
 علم نہیں، بموجب شرع محمدی کے جائداد موقوفہ کا کوئی صرف
 سوائے اس طرح کے جس کے لئے کوئی جائداد وقف ہوئی ہے
 کوئی لے نہیں، اور نہ اس کا عارضی یا دائمی انتقال ہو سکتا ہے
 اور نہ کوئی حصہ وقف سے خارج ہو سکتا ہے لارڈ صاحب کو چاہیے
 تھا کہ وہ کم سے کم مندرستان کے علماء اور فقہاء سے استفسار کرتے
 کہ اس قسم کا فیصلہ مسلمانوں کی شرع میں کیا حیثیت رکھتا ہے لیکن
 ایسے شایعہ بیگنی وقت نے لارڈ صاحب کو ایسا کرنے نہیں دیا لیکن
 اس کی اصلاح کے واسطے منہ زور وقت موجود ہے اسی تک نہ تو شرک

تیار ہو چکی ہے اور نہ دالان مسجد میں چکا ہے (۲۸۸)
 مولانا ابوالکلام آزاد صاحب بھی اس فیصلہ سے مطمئن نہیں
 تھے اعلیٰوں نے اس کے خلاف اہلال میں کئی مضامین لکھے مولانا عبدالباری
 صاحب لڑائی مئی نے اس صلح کل فیصلہ کے حق میں جو دلائل دتے تھے
 اس کے جواب میں مولانا محمد رشید صاحب مدرس و رسم عالیہ کلکتہ
 کا ایک مضمون سورہ سمیرا کے اہلال میں شائع ہوا ہے، اس
 میں درست ر کے حوالوں سے اس فیصلہ کو خلاف شرع قرار دیا
 ہے اور مولانا عبدالباری صاحب کے دلائل کی تردید کی ہے اس
 مضمون کے پڑھنے سے بعد یقیناً یہ معلوم ہوتا ہے مولانا عبدالباری
 صاحب کے دلائل کمزور ہیں۔

جنوبی اڑلقہ میں ہندوستانیوں کے خلاف جو متکد آئیں سلوک
 کیا جا رہا تھا اور ان کو روکیں کرنے سے قانون نافذ کئے
 جائے تھے، گورنر کے کالوں کا اپنی جوتیوں کی لوک پر پھینا جاتے
 تھے، اس کے خلاف جنوبی اڑلقہ کے ہندوستانیوں نے جنوبی
 اڑلقہ میں متیہ گرو شروع کر دیا تھا، ہر مقام سے ہندوستانی گرو
 بخوشی ہونے لگے اور بخوشی جیل جاتے تھے جہاں مختلف نفاذات
 کے ۸۴۸ کے عرب ہندوستانی گرفتار ہو چکے تھے۔ اس
 متیہ گرو سے ہندوستانیوں میں بھی مدد کی گئی اور تقریباً ہندوستان
 کے ہر بڑے شہر میں ان کی موافقت میں جلسے ہوئے ہندوستانی
 اخبارات نے بھی ان کے مقاصد کی حمایت کی اچانچہ اہلال بھی کسی
 ہندوستانی اخبار سے پیچھے نہیں رہا اور ۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء کے شمارے

میں جنہی افریقہ کی منہ گره کی حمایت میں مقالہ اذتاجہ لکھا۔ سولانا
آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

۱۰ میرا مقصود جنہی افریقہ کے مندستانیوں کے تازہ مہاسب
میں مندستانیوں کا کوئی جرم سچ اس کے نہیں کردہ وہاں بس گئے ہیں
کا رد ہار کرتے ہیں اور چونکہ جنہی اور کھایت متحد ہیں اس لئے رد یہ
پیدا کر لیتے ہیں ان کی مرزا محالی وہاں کی گوری آہادی کو کھٹکتی ہے
اور پسند نہیں کرتی کہ ان کی سر زمین میں باہر کا کوئی انسان رد یہ
کھائے، بلکہ کم خرچ اور کھایت شعہ ہونے کے مندوستانی
دکا دار کم نفع یر مال فروخت کرتے ہیں۔ بعض بازاروں میں گوسے
دکانداروں کو اس سے بھی نقصان ہوتا ہے یہ ان کی مزید برہمی کا
سبب ہے انہوں نے اپنی گورنمنٹ کو آمادہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح ہنگاموں
کو بیان تکمیل سے روک دیا جائے۔ پس اس نے قوانین وضع
کرنے شروع کئے اور عاثرانہ قوانین کی لعنت بھی اس لعنت سے
کم نہیں جو آگ تیز کئے ہوئے ہوئے کی پلاکتوں سے لگتی ہے
بلکہ فی الحقیقت وہ اس سے بھی تند و تیز ہے ایک غیر انسان
تلوار کی دھار اور آتشکد کے نخلوں سے نہیں ڈرتا مگر اس جبر
سے ہزدرد ڈرتا ہے جو اس کے احترام اور شرف کی تخریر کر کے
یہ قوانین عجیب و غریب ہیں اور گویا ایک ایسی جماعت کے لئے
ہیں جو سرے سے انسان ہی نہیں ہے، سب سے پہلے قانون جبر پڑھیں
نازد کیا گیا، جس کو غالباً سات آٹھ سال کا زمانہ ہو گیا ہے اس کا
نشا یہ تھا کہ ہر منہمت فی جو جنہی افریقہ میں رہنا چاہے اپنے نہیں

رحسری کرائے ۳ یا دہائی ۴۵ روپے ٹیکس ہے اور رحسری قدم دھنڈ
کی جگہ انگوٹھے کا نشان لگاتے۔ پچھلے دنوں جب بزرگ و محترم ملک
آزیز سسر گھر کھلے جنوبی افریقہ تشریف لے گئے تھے تو اور کان حکومت
نے وعدہ کیا تھا کہ ٹیکس فوراً سوخوت کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے
اسی وقت اس کی اطلاع ہندوستان و انگلستان و مند سے پریس کو
دی دی تھی۔ لیکن اب جنرل بوٹھا کہتا ہے کہ اس طرح کا کوئی وعدہ
نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے بعد قانون آبادی اہل حیدر آباد کی جی جی
جی جی سے جی جی گروہ کے بجائے نا قابل عمل ہے۔ اس قانون کی رو
سے ہندوستانیوں کے تمام حقوق مدنی و شعری غضب کر لئے گئے اور
خدا کے برابر ہارندہ ہندوؤں کو یکایک جگہ یا گیا کہ وہ موت سے بھی بدتر
زندگی کے لئے تیار ہو جائیں۔

- ۱۔ ہندوستانی کسی شہر کی آبادی کے اندر نہیں رہ سکتے۔
- ۲۔ ان کی دکانیں شہر سے پورے و وسیل کے فاصلہ پر ہوں۔
- ۳۔ جنوبی افریقہ کے اندر کسی ریل کے بہتر درجہ میں سفر نہیں کر سکتے۔
- ۴۔ شہر کی کسی شاہراہ پر گھر نہیں بن سکتے۔
- ۵۔ کسی شہر کے ہوٹل میں قیام نہیں کر سکتے۔
- ۶۔ کسی ریڈیو مان (تھمہ خانے) میں بیٹھ نہیں سکتے۔
- ۷۔ ۳۴ پونڈ جزیہ پور ۱۲ برس سے زیادہ عمر کا ہندوستانی مرد اور
عورت ادا کرے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ ایک قانون کی رو سے ہندو متیوں کے
نکاح کو قانوناً ناجائز قرار دیا۔ اس لئے کہ یہ اس کا طریق ازدواج

ہے۔ یہاں تک سے زیادہ بیرون کی حالت میں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر ہندو مختلف وہاں موجود ہیں، سب کی بیویاں حقوقِ زوجیت سے محروم ہیں۔ لہذا ان کی اولاد نا جائز قرار پائے گی، اس سے بڑھ کر کسی قوم کے لئے ناگوار سلوک کیا جاسکتا ہے کہ اس کے مذہبی طریقہ کی خلاف ورزی نہیں کی جائے تا تو اس کے طریق نکاح کی ناجائز تلبایا جائے لہذا اس کی جائز بیویوں کو دانستہ عورت قرار دیا جائے گا۔ یہ سلوک ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اب سے نصف صدی پہلے امپریل گورنمنٹ کے حکم سے افریقہ بھیجے گئے تھے اور تقریباً سب کے سب مرمدی مینہ لوگ تھے، اس وقت جنوبی افریقہ آج کا جنوبی افریقہ نہ تھا وہ ایک وحشت زار ویرانی تھا جہاں بڑے بڑے پتھروں اور تمدن آبادیوں کی جگہ درندوں کے بھٹ اور مواری جالندوں کے ساکن تھے ان لوگوں نے اپنی جالوں کی قربانیاں کر کے شہر آباد کئے، عمارتیں تعمیر کیں، کارخانوں میں مشینیں پرزوں اور سیرکیوں کی طرح کام کیا، اور اس طرح وہ عظیم الشان جنوبی افریقہ طیار ہو گیا جس کے تمدن بازاروں سے اب ان وحشیوں کو گورنر نے کی اجازت نہیں، ابتدائی عیسائیوں کے اندر مددستانیوں سے سلوک جڑا نہ تھا، لیکن گذشتہ ۲۰، ۲۵ سال سے موجودہ مظالم کی ابتدا ہوئی، مشہور جنگ ڈانول کے اصلی اسباب دیلا عتف خواہ کچھ ہی ہوں۔ لیکن نظر ہر ایک سبب گورنمنٹ ہند کی یہ شکایت بھی تھی کہ ہندوستان میں سے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا یہی سبب گاندھی ہیں جنہوں نے جنگ کے چھڑنے ہی امپریل گورنمنٹ

اطلال دی تھی کہ وہ سب اپنی تمام جماعت کے برٹش گورنمنٹ
 خدمت کے لئے طیار ہیں۔ اس جنگ کے بعد ہی مصائب کا
 ملی و در شروع ہوا (جبکہ جنوبی افریقہ کی حکومت کو خود مختاری
 ملی ہو گئی) چنانچہ سلاسلہء ع میں قانون رجسٹریشن نافذ کیا گیا
 رستائیوں نے اس حکم کو اپنے ملک کی نوین سمجھا اور اس کے
 ایک خاموش مقابلہ شروع کر دیا۔ یہ مقابلہ مستقل سلاسلہء ع تک جاری
 رہا۔ اس انتشار میں ڈیڑھ سو آدمی قید ہوئے ایک سو کو جلا وطن
 کیا گیا، لاکھ روپیے سے زیادہ کی مندرستانی حمایت دھناٹے
 ہوئی، اتنے ہی خاندان برباد ہو گئے، اکتوں کے عزیز بچے
 اس داسٹر میں گم ہو گئے جن کا سراغ اب تک نہیں ملا۔ لیکن
 ظلم و سفاکی کا حسن ثبوت سے حملہ ہوا، معلوم ہوتا ہے کہ صبر و استقامت
 کی کبھی انتہی طاقت کے ساتھ فرزند ان مندرستانیوں کے لئے
 تیار ہو گئے۔ تمام جنوبی افریقہ میں مندرستانیوں کی آبادی
 ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے جس میں ایک لاکھ بیس ہزار مرد و دریں
 سب سے پچاس ہزار مندرستانیوں کی ایک جماعت نے سرگاندگی
 کے ماتحت عزت کی قربانی کئے اپنے قیمتی پیش کیا، انہوں نے
 کاروبار بند کر دئے، قماروں سے محالہ روکنے ہو گئے یہ اس لئے
 کیا کہ مندرستانیوں کے لئے ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں جانا بھی
 جرم ہے، پس انہوں نے چاہا کہ اس قانون کی عملاً خلاف ورزی کر کے
 اپنے قیمتی نژاد لامی اہل اس طرح ظلم کے مقابلہ میں بنگلہ جہاں
 شکست کھا کر حقیقت اعلیٰ قیامت حاصل کریں، اس جماعت میں

مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی اہل ان کے ساتھ معصوم تھے بھی ہیں بالآخر
 مشرک مذہبی گرفتار کر لئے گئے اہل انہوں نے جہاننی جگہ قید خانہ میں
 جانا پسند کیا۔ تمام ہندوستانی لہندہ گرفتار کر لئے گئے۔ بکاؤں سے
 اچھا تو بھی جیل خانہ بنا دیا گیا ہے، جبر و ظلم، خوف و بے دہشتی اور
 تعذیب و عقوق کی انتہا ہو گئی۔ جن مزدوروں نے کام چھوڑ دیا ہے
 ان کے لئے پینول اور کوڑے اپنی جگہ دیئے گئے۔ مستعد میں عدالت
 حکم دیتی ہے کہ جو مزدور کام نہیں کرے گا، اس کو سبوتا کر کھڑا کر جائیگا
 و ہندوستانی زخمی ہو چکے ہیں اہل کوڑوں کی سزائیں جاری ہیں۔ ۲۶
 حضرت مولانا ابوالکلام آزاد صاحب آزادی تحریروں پر مبنی
 زبردست حامی تھے حکومتِ برطانیہ نے پریس پر جو پابندیاں عائد کر رکھی
 تھیں اہل اخبارات کا قانونی شکبہ کے ذریعہ پوری طرح محکمہ دہلی پر رکھا تھا
 اس کی مخالفت میں ملتی پیش تھے اور اہل حال میں اس کی سخت
 مذمت کرتے تھے چنانچہ جب مولانا حسرت موہانی کے رسالہ اردوئے
 معلیٰ اور پریس سے حکومتِ برطانیہ نے قین غرار دیئے کی ضمانت طلب
 کر لی جس سے رسالہ اردوئے معلیٰ بند ہو گیا اس ضمانت طلبی کے
 خلاف حضرت علامہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ایک تنقیدی
 مقالہ ۲۶ مئی ۱۹۳۱ء کے شمارے میں شائع فرمایا ہے۔
 سید فضل الحسن حسرت موہانی کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں موجودہ

اسلامی کی تحریکوں میں خاص طور پر حصہ لے رہے تھے، علی
 انصوحی علی گڑھ اور بعض دیگر مقامات میں ان کی سعی و مشورے سے ملکی
 صنعت و حرفت اور مصنوعات کی تحریک سالوں میں جگہ پکڑ رہی تھی
 چونکہ یہ واقعہ میرآز کی اس خدمتِ بانیہ اور مطلق العنانہ تہدید کے
 خلاف تھا اس لئے اس کو رد کرنے والے نے ضرورت تھا کہ حربہ حکومت
 حرکت کرنا، چنانچہ رمالہار دتے علی کے پریس سے نکال کر تین ہزار
 روپیہ کی ضمانت طلب کی گئی ہے اور چونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا
 نظیر بورلیہ شپ مالک تین ہزار روپیہ دے دے گا تو اس کے تین لوٹ بھی
 ایک وقت میں نہیں دے سکتا اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا
 کہ پریس بند ہو گیا، ہم کو اس واقعہ پر زرا بھی تعجب نہیں اور نہ افسوس
 ہے۔ ہم نے خبر سنی ہے یہاں کام یہ کیا کہ ایڈیٹر اردوئے معلیٰ کو تحریک
 تہذیب کے طور پر ایک تاریخچی، کتب خانہ دار، عقیدہ ہے کہ صداقت
 و حریت کے لئے پوری ایک صدی کی قربانی اور قلمی جدوجہد بھی وہ
 کام نہیں کر سکتی جو ایک لمحہ کے جابرانہ احکام ایسے توغوں پر کر جاتے
 ہیں اور ایسا ہونا دنیا کی گذشتہ تاریخِ حریت کے لازمی اور قدرتی
 واقعات اور میدانِ رستان کے سفرِ حریت کے ناگزیر پنازل ہیں۔
 کوئی حکومت اس فاتح و سلاطین حکومت سے بڑھ کر اپنے لئے ہلک
 اور ہلک کے لئے حیات پرورد نہیں ہے جو اس طرح کے احکام و اعمال
 منہدم کی عادی ہو اور درحقیقت جبر و قہر ہی کا پانی وہ آبِ حیات
 ہے جو آزادی کے بیج کو جاہل گروں کے تانے کی طرح سنٹوں، اور
 لمحوں میں بار آور کر دیتا ہے پس یہ حقدارِ زیادہ ہر بہتر ہے، اور

اس میں جس قدر زیادہ سختی ہو رحمت ہے، یہی چیز ہے جس نے ہمارے
 ہم وطنوں کو خواب غفلت سے جوقا دیا اور یہی نعمت ہے جس کے لئے
 ہم کو ترسنا چاہیے کہ ہماری پیش آنے والی زندگی کے لئے اگر وہ
 زندگی ہرگز نہ ہو جس میں عرزی و محبوب کی سب سے زیادہ مانگ ہے
 ہم کو اس پر بھی کچھ تعجب نہیں ہو کہ بغیر کسی قانونی گرفت کے اور بغیر کسی
 صریح استدلال پر ایسی ایکٹ کے ایسا کیوں کیا گیا کیونکہ ہم کو معلوم ہے
 کہ ایسی ایکٹ اس لئے عام وجود میں نہیں آیا کہ وہ ایک زنجیر جو جرموں
 کے باتوں میں ڈالی جائے بلکہ صرف اس لئے تاکہ وہ ایک تیز آلہ ہو
 جو ناگہانی استیلا و ہلاکت کے لئے تلوار کا نقشہ قائم ثابت ہو، قانون عدا
 کے ہاتھ میں جنگ وسیلہ طلب انصاف ہے مگر جا رہے جھوٹوں کے
 لئے تو ایک بھانہ ظلم سے زیادہ نہیں ہے، اس کے نفاذ کے لئے جرم
 قانونی کی نہیں بلکہ جرم حق پرستی و صداقت کی ضرورت ہے جو لوگ اس
 طرح کے واقعات پر داد و فرما پر کی صدا میں ملندہ کرتے ہیں۔ اور
 حق و انصاف کی بنے سود و حافی نہ دیتے ہیں، محکومہ بنیہ ان پر سنسی
 آئی ہے۔ ایک اخبار کے لئے درحقیقت اس جرم سے بڑھ کر اور کونسا
 سنگین جرم ہو سکتا ہے کہ وہ ظلم کی چو کھٹ کا پرستار نہیں ہے۔ اور حق
 و صداقت کا ساتھ دینا ہے کیا یہ جرم طبی بڑی سے بڑی سزا کے لئے
 کافی نہیں ہے کہ بہ نادان لوگ دوسرے جرموں کو تلاش کرتے اور
 پوچھتے ہیں۔

یہ واقعہ حسرتِ مہمانی کا نہیں ہے بلکہ یہ صریح مسلمانوں کے
 جذبات کی یامانی کا ہے اور جذبہ اسلامی تحریک کو مذبح کرنا ہے حالانکہ

سر جیسے سن حسرت رہائی کے پر پس کو بند کر سکتے ہیں لیکن الحمد للہ کہ ان میں یا ان کے کسی ٹم طرقت میں یہ قوت کبھی بھی آنے دلی نہیں ہے کہ وہ سات کردہ مسلمانوں کے دھڑکتے ہوئے دلوں کی حرکت کو سمجھیں ان کا خدا سے صلہ نہیں بلکہ قاصر دستند اور لایزال دلم بزل خدا سے توانا و برتر حرکت میں لا رہا ہے اپنی اس سعی باطل سے بند کر سکتیں۔

دھڑاڑ کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنی نگہ سے لٹا نہیں جانتے مگر الحمد للہ کہ ہم ملی چکے ہیں اور اب ہمارے قدموں کو وہ بھی نہیں ٹٹا سکا ان کی خوش فہمی کا وہ زمانہ گیا جبکہ غریب حسرت کو ہائی گواہی قتل حریت اور فدا کار آزادی کو، اس مجاہد حق و صداقت اور جانفروش راہ ملت پرستی کو اس استہان گاہ حریت پرستی کے کوہ ثبات، اور اس روزگار صداقت کے سرکف جان نثار کو نیکو کے قید کردہ یا گناہ اور علی گڑھ کالج کے سکڑی نے اس کے ظلمات قنہادت دی گئی پھر اس کا ٹھہر بار لٹ گیا اس کی عزیز کتابوں کو مٹا کی ڈھیروں کی طرح نیا دم کیا گیا، اس کی سکین صداقت پرست بیوی اور شیر خوار بچے کو طرح طرح کے جانفوسا محتاب پھیلنے پڑے وہ دو سال تک روزانہ ایک من گیموں پیتا رہا، پراس کی قوم اس کو سبولی رہی اور اس کی ذرا بھی خبر نہ لی اور اس طرح اس نے بد بختی نہ اپنی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے ایک یادگار زلزلت و زلزلت کو اپنے ہاتھوں سے ثبت کر دیا۔

”ہاں ہمارا کوسوم نہیں تو یہ ان کی درد انگیز غلطی ہے، ہم ایک غیر خواہشیر کی طرح ان کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ زمانہ گیا اور لٹ دیں گے کے گئے گیا، اب سلمان اب سے دس سال بدبخت کے دہسٹان نہیں ہیں جن

اس زندان مقدس و مطلوب پر، جو میلِ حریت و عشقِ ملت میں درو
استقامتِ حق و صداقت کو نصیب ہو۔

یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اس ضمانت کا سبب
براہِ راست اس سچی و جید کے سوا کچھ نہیں ہے جو غریبِ حشر
نے حال میں اسلامی مصائب و جانکاه سے متاثر ہو کر غیر ملکی مصلحت
کے مقابلہ میں کی تھی اور بائیکاٹ کے لئے اپنی علی گشتش سے
بعض کامیاب نتائج پیدا کر دئے تھے علی الخصوص علی گڑھ میں کئی
دکانیں کھل گئیں اور باوجود مرکز و حیدر استبداد و غلامی ہوتے، بلا لہ
احمر فہند اور جذباتِ فحیمہ اسلامیہ کے ابراز مظاہر میں وہ دیگر شہر
کے دغش بدوش رہا، یہ باتیں جہنیوں سے کھٹک رہی تھیں اور کس
فرصت مناسب کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ فرصت قانونی تو نہیں ملی، مگر
استبداد و جبران غلیظ و غصب اس درجہ مستولی ہوا کہ وہ ثروتِ ضبط
تحملِ حسن کا دلِ نرم ظہورِ تقریروں اور سرکاری مواعظ میں ہوا کر
ہے دلی جذبات کے آئنے قائم نہ رہ سکا اور ضمانت کا زمانِ نادریہ
ہو گیا پس انوس اس شکستِ فاحش پر جو داغِ حکمرانی کو جذبات
قلبِ انسانی کے مقابلے میں ملی اور ہزار اسف اس غلطی پر جو ان
نقصانِ پاکست پہنچانے کی جگہ ایک سرخسہ آبِ حیات ثابت ہوگی۔
تین ہزار روپے کی ضمانت پر ایک کی مقدار مقررہ انتہائی کم
اندر ضرور ہے لیکن عملاً پانچ سو یا تین ہزار روپے سے زیادہ طلب نہیں
کی جاتی اور صرف ایک دو مثالیں دو ہزار کی سنی گئی ہیں پھر ہزار
جیسے سٹن کا دربار سلطنت و جلال نہیں معلوم اتنی بڑی سنگین رقم ضمانت

کے لئے کیا وجہ بیان کر سکتا ہے۔

”گورنمنٹ اس سے بے خبر نہیں کہ اردو پریس اور اس کے مالک کی حالت کیا ہے حسرت موہانی جب قید سے رہا ہو کر آیا، تو کوئی چیز اس دنیا میں ایسی باقی نہ تھی جو اس کے لئے ذریعہ تقویت مال ہوئی، ڈاڑھ روپے مامور کرایہ کا ایک چھوٹا سا ہے جس کے اندر ایک چھوٹی سی مینجی اور ایک کوٹھڑی ہے اور باہر بھی اتنی ہی مکانت ہے۔ اندر وہ فقیر حریست سے اپنی کوہ غم ثبات ہوئی کے محذور تھا ہے اور باہر ایک کاٹھ کا دستی پریس اور دو چار پتھر پتھر اب اوقات ایسا ہوا ہے کہ خود اسی نے اپنے ہاتھوں سے اردوئے معلیٰ کی کاپیاں لکھی ہیں خود ہی پتھر پر جاتی ہیں اور خود ہی پریس کو چلا کر چھپا پا ہے، یہ کل کائنات اردو پریس اور اس کے مالک کی ہے کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی نہیں ہے اور نہ اس کی طبع عنیور کسی کی شرمندہ احسان ہو سکتا ہے۔ اردوئے معلیٰ کے دو چار سو خریدار ہیں اس کی قیمت سے شاید چند روپے پنہنے میں بچ رہتے ہیں اور اسی سے دولت کی مدد کی کھا کر نشہ آزادی کی بے خوری اور دولت لازم حق و صداقت کی غذائے غیر فانی سے مست و مہتا ہے۔

بائیں ہمہ صوبیات سندھ کی گورنمنٹ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بین برار کی ضمانت ایک سچے خادم ملک و ملت کے جدوجہد کو فنا کر دینے کے لئے کوئی کارگر آلہ نہیں ہے یہ ابھی چند لمحوں اور منٹوں کے اندر ہمارے اختیار میں ہے کہ اس بین برار کے لاکھوں پیسے اور دھیلے بنا کر ایک ایک مسلمان سے وصول کریں اور اس کا ڈھیر حق آزمائشیں سنیں گے

ہیت و جلال قصہ حکومت کی ڈیوڑھی پر لگا دیں تاکہ ان کو بھی معلوم
جائے کہ ان کے تحت فرمانبرداری پر قدم رنجہ فرمائے سے پہلے ہی
یا بدل چکی ہے اور اب جو کچھ حسرت موہانی سے مانگا جا رہا ہے
سرت موہانی سے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں سے مانگا جا رہا ہے اور
پھر اس فیہر ملت کے ساتھ کیا جا رہا ہے وہ اس کی نہیں بلکہ اسلامی
بات کی پامالی ہے اور اس کی چوٹ ہر مسلمان کے دل پر براہ راست
پہنچے وہ وقت گیا جب قومی معاملات کو اشتیاق کا معاملہ بنا کر
مانوں کو داخل کر دیا جاتا تھا اور حق و آزادی کو صرف منہ دہن کے
رباہم بغاوت شغوب کر خود ہماری قوم ہی کی مفید بن کو ہمارے سامنے
نڑا کر دیا جاتا ہے۔ (۳۸)

رسالہ اردوئے معلیٰ سے جہاں ضمانت طلب کی گئی ہے، وہاں
۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کو الہلال پریس سے بھی دو نمبر اردو پے کی ضمانت مانگی
گئی، رسالہ اردوئے معلیٰ اور اخبار الہلال کی مالی حالت میں زمین آسمان
فرق تھا۔ الہلال بہت آسانی کے ساتھ ضمانت دے سکتا تھا اس
پر برعکس رسالہ اردوئے معلیٰ کے لئے ضمانت داخل کرنا نا ممکن تھا
بانیچہ ہوا بھی یہی الہلال پریس کی ضمانت ۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو داخل کر دی
گئی جبکہ اس کی ضمانت داخل کرنے کی آخری تاریخ ۲۳ ستمبر ۱۹۴۷ء تھی۔
مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے الہلال سے ضمانت طلب
کرنے کے بارے میں یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کے شمارے میں ایک مکتوب
تقدیم لکھا۔

”الہلال پریس کی ضمانت کے واقعہ کو میں برعہ زیادہ اہمیت

دینا نہیں چاہتا تھا اولہ کوئی ایسی غیر معمولی بات سمجھتا تھا جس کو بار بار
 لکھا جائے، میں نے ہمیشہ اپنے ان مہرمن کو نہایت سخت ملامت
 کی نظروں سے دیکھا ہے جو ایسے موقع پر شکوہ و شکایت کا دفتر کھول
 دیتے ہیں اپنی خدمات اور حسن نیت کا یقین دلاتے ہیں اور بار بار
 کرانا چاہتے ہیں کہ با اس ہمہ ہم دفا دہیں لیکن مجھے ان کی سچی لاعلمی
 پر ہمیشہ افسوس ہوتا ہے شکایت دہاں ہونی چاہیے جہاں توقع ہو لیکن
 جبکہ اصلیت معلوم اور مشکل لا علاج تو پھر کم از کم اپنی استطاعت کا دفا
 تو نہ کھوئے۔

وہ اپنی غور نہ لیں گے، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
 سبکدوش ہو کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہوں
 بہت کی سچی عدالت کے اندر کی حالتی ہے اور اپنی دفا داری کا یقین
 دہاں دلائے۔ جہاں صرف غیر دفا داری ہی جرم ہو لیکن پریس ایکٹ
 کا دینا صرف غذا چاہتا ہے اس کو غذا کی قسم سے سبوت نہیں، پھر
 اعتبار غیر محدود، مراعات کا دروازہ مقفل اور دفا داری دے دفا داری
 اس پسندی و بغاوت، خیر خواہی و بدخواہی، حق گوئی و کذب پسندی
 کوئی حالت ہو۔ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو روکنے کے لئے کوئی
 پناہ نہیں، البتہ یہ ضرور تھا کہ اہلال کی حالت عام حالات سے مختلف
 ہے نہ کوئی سیاسی اتحاد نہیں ہے۔ بلکہ ایک دینی دعوت (مصلح کی تحریک
 ہے جو مسلمانوں کے اعمال میں مذہبی تبدیلی پیدا کرنا چاہتی ہے اس کا
 ایک میٹر کسی صرف یہی ایک دینی حیثیت رکھتا ہے اور مقامی گورنمنٹ
 اس کی اس حیثیت سے بے خبر نہیں، بلاشبہ ملک کے بعض واقعات

حوادث کے متعلق اس میں اظہار رائے کیا جاتا ہے لیکن وہ بھی محض دینی اور اسلامی نظر سے اور ان ہی اصول کے ماتحت جو ایک ملتین قرآن کے لئے اس کے فرائض دینیہ میں داخل ہے پس اہلال اور پریس ایکٹ کا سول بالکل اسلام اور پریس ایکٹ کا سراں ہے اور اگر گورنمنٹ اہلال کے کاموں پر مطمئن نہیں تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ اس دنیا کے عظیم الشان مذہب کی تعلیمات کی طرف سے غیر مطمئن اور شبہ ہے جس سے چالیں کر دے پیرد اکناف عالم میں موجود ہیں اور ۸۰ ملین خود برلش گورنمنٹ نے ماتحت ہندوستان کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔

”اہلال اپنے مرضیاں کو خواہ وہ کسی موضوع سے تعلق رکھتا ہو محض اسلامی اصولوں کے تحت ظاہر کرتا ہے اور کوئی آواز ایسی بلند نہیں کرتا جو اسلام کے قانوں و دستور و عمل یعنی قرآن کریم سے ماخوذ نہ ہو اس کے عقیدے میں ہر وہ پالیسی جو اسلامی عقیم سے ماخوذ نہیں کفر ہے اور اس نے اپنی وفاداری و بغاوت کا سرشتہ بھی تسلیم اپنے تمام سرشتہ ہائے عمل کے، اسلام کے مقدس اور الہامی احکام کے پیرد کر دیا ہے پس اگر وہ وفادار اور امن پسند ہے تو وہ نہیں ہے بلکہ اسلام ہے اور اگر وہ جادہ وفاداری سے مؤثر ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ خود مذہب اسلام سرچشمہ بغاوت و بد امنی ہے سچا اگر اہلال پریس ایکٹ کی دفعات کے تحت میں آسکتا ہے تو ہم کو اس دن کا قنطر رہنا چاہیے جب پریس ایکٹ کی دفعہ ۱۱ کے بموجب ”قرآن کریم نامی ایک کتاب کا کسی سوال پیدا ہو جائے گا اور برطانوی قانون

کارہ عجیب الخفقت فرزند اپنے سامنے صرف الہلال کے دارالانشاعت
 ہی کو نہیں بلکہ چالیس کروڑ بیرون قرآن کو پائے گا جو اس کی ہر دھڑ
 کے بموجب مجرم ہوں گے اور ترشخص کے ہاتھ میں ایک حکمتا مرہوگا جس
 میں لکھا ہوگا کہ سات دن کے اند اندہ دہنرارہ دہیہ عدالت میں
 داخل کر دو۔ الہلال پریس کی مقامی گورنمنٹ اس مسئلہ سے ناواقف
 نہ تھی یہ ایک نیا مسئلہ تھا جو صرف الہلال ہی سے تعلق رکھتا تھا، اس
 نے پریس اسٹک کی مطلق امتیاز سے تو نہیں لیکن الہلال کی اس
 حیثیت خاص حق بنا پر اس کا سوال عام حالات سے بالکل مختلف
 تھا اور اسی نے قابل غور ہو گیا تھا۔ اس کا مسئلہ کسی پریس کا مسئلہ
 نہ تھا جہاں اخبار چھپتا ہو بلکہ اسلامی تعلیم کی ایک تحریک دعوت کا سوال
 تھا اور ایک رکھنا چاہتی تھی کہ گورنمنٹ ہندوستان کے موجودہ عہد
 کے ایک ہی مذہبی اور اسلامی رسالے کی نسبت کیا کرنا چاہتی ہے؟
 پہلے دن جس قدر مٹی آرڈر ان رقم سے آئے ان کو شکریہ تمام
 دیا اور دیکھا۔ لیکن دوسرے دن جب پھر وہ یہ پہنچا تو میں نے
 ایک دوسری حالت اور ایک بالکل مختلف اثر کو سامنے پا کر مکرر غور
 کیا اور اب کیا کیا جائے۔ ممانعت دی جا چکی ہے ادارہ الہلال
 کے لئے کسی طرح بار ایسے لئے قوم پر ڈالنا نہیں چاہتا ستا ہم
 نے اور خوش اسلامی نے جس اتفاقی فی سبیل اللہ کی راہ
 ہے اور باوجود اس قدر شدید مخالفت و عراض کے احباب
 اپنے لطف و کرم سے باز نہیں آنے تو پھر مجھے کیا حق
 ہے کہ ان کے لئے کوئی دوسرا حق پرستی اور نصرت عدالت

کے نام پر سچے دلول اور پُر غلوں ہاتھوں نے پیش کی ہے۔
 جس وقت رسائل و اخبارات سے حکومت برطانیہ نے ضمانتیں
 طلب کرنا شروع کر دیں اور اخبارات و رسائل کو پریس ایکٹ کے سجدل
 میں کنست شروع کیا تو اس سے مقابلہ کرنے کے لئے مولانا آزاد نے
 اخبارات و رسائل کا متحد ہونا ضروری سمجھا اس کے لئے انہوں نے
 مجلس دفاع مطابع و جرائد قائم کرنے کی سعی کی، چنانچہ اس کے قیام
 و تشکیل کے سلسلہ میں حکیم اکبر الہ آبادی کے شہنائے میں اعلان کیا۔
 ”انڈین پریس ایسوسی ایشن یعنی مجلس دفاع مطابع و جرائد
 کا قیام احسن کا مقصد سید دستاویزی پریس کے حقوق کی حفاظت ہمزہ
 اور اہلکار کا اب تذکرہ لا حاصل ہے، مرنے والے اور سیلاب برطان
 رداں ہے مجھے اپنے معاملات کی کچھ سچی فکر نہیں ہے، میں نے روز
 اور ہی سے اعلان کر دیا تھا کہ اگر میرے کاموں میں ہمدانت ہوگی تو
 اس کی قوت پر حالت میں ناقابل تغیر ہے اگر نیتوں میں کھوٹ ہوگا تو
 باطل اپنی تباہی کا بیج خود اپنے اندر رکھتا ہے اس کے لئے پریس
 ایکٹ کی ضرورت نہیں، لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس مطلق اخصان امتداد
 کی تیغ سے اب کئی سچے کو امان نہیں، جو حالات نظر آ رہے ہیں۔ انکی
 پیش گوئی مستقبل کے متعلق موجودہ حالت سے بھی زیادہ مخدوش ہے
 جبکہ ورنہ جبل التین کلکتہ کو بھی پریس ایکٹ سے پناہ نہ ملی
 جس نے موجودہ اسلامی جوش و حرکت میں حصہ لینے کا کوئی جرم نہیں کیا
 محض واقعات و اخبار کی اس کے ذریعہ شہر میں اشاعت ہر فاعلیتی
 تو سچا ظاہر ہے کہ اودوں کو شکوہ و شکایت کا کیا موقع؟ پریس ایکٹ

کا جس وقت نفاذ ہوا تھا کہا گیا تھا۔ کہ صرف تین سال کے لئے ہے
 بدلت آگیا ہے کہ ملک کا تمام تعلیم یافتہ اور حق پسند طبقہ اپنی متحدہ
 قوت سے اس کا قانوناً مقابلہ کرے اور اقتدار و مطلق العنانی کے
 اس وجہ سے اپنی گورنمنٹ کا دامن پاک کرے جس کے ساتھ ایک
 لمحہ کے لئے بھی آئینی نظام حکومت جمع نہیں ہو سکتا، کامیڈیپریس کے
 پچھلے مقدمہ میں ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت کے سب سے
 بڑے جج نے جو رائے دی ہیں۔ ان کے بعد بھی ملک کا اس طرف
 متوجہ ہونا غفلت و نادانی کی ایک بدترین نشانی ہوگی اگر ایک ایسی انجمن
 قائم ہوئی تو اس کے ذریعے ہندوستانی پریس کی ہر شاخ کو تقویت
 پہنچائے گی اور پریس اس کیٹ کے حوالہ کو اس زور و قوت کے ساتھ
 اٹھایا جاسکے گا، جو یقیناً کسی آفری نیچلے تک ملک کی رہائی کرے گا۔
 ”محکمہ نہایت خوشی ہوئی جب میں نے اپنا یہ خیال مقامی سامعین
 غلام کے آگے پیش کیا جن کا حلقہ فی الحقیقت ہندوستانی پریس کا
 سب سے زیادہ وسیع حصہ ہے انھوں نے ہر طرح شرکت و اعانت کے
 لئے فوری آمادگی کا ہر کی علی المخلص مشہور آئرن سیل بابو سر سید ناتھ
 مروجی جیو ایڈیٹر بنگالی مجید اسٹامع مقعد، سرگرم کار و سہی سرمایہ
 بزرگی اسی طرح می کے انگریزی و بھارتی اخبارات میں سے بعض اوقات
 نے تار کے جواب میں بند یہ تار ہر طرح کی آمادگی کا ہر کی اب ہر وقت
 صرف اس کی ہے کہ ارد پریس کے تمام ارکان اس تحریک اہم کے
 خیر مقدم کے مستعد ہو جائیں اور اپنے اپنے صفحات کا ایک
 بڑا حصہ اس بھر ورجٹ و تشہیل و ترغیب فراہمی اعانت کے لئے

وقف زما دیں، آئندہ نمبر میں اس مجلس کے متعلق مزید تفصیل البلال
میں شائع کی جائے گی۔ (۲۵۶)

حضرت علامہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے اس
اعلان کے مطابق ۸ راکٹور برسرِ اٹلہ کے البلال میں مجلس دفاع
مطابع و جرائد منہ کی تشکیل کا اقداتی پروگرام شائع کیا۔
پریس ایکٹ کے بے حاشیہ دات کے ملک میں کس درجہ بھین
اد تشویش پیدا کر دی ہے اور مطابع و جرائد کا دماغ کا خیال کس
قد بے وقت اور عام خواہش کے مطابق تھا کہ مجرد اعلان ہر
طرت سے ہمدادوں نے اٹھک اس کا ساتھ دیا۔ میں نے سب سے
پہلے یہ تجویز آریل بالوسریندر ناتھ نرجی اور بالو موئی لال گھوش
ایڈیٹر امرتا بازار پرنیکا کے سامنے پیش کی، میں نہایت فکرت
و مسنون ہوں ان دونوں بزرگان ملک اور مشہور اعلیٰان مطابع کا
حصوں نے ہر طرح اعانت و شرکت کا وعدہ فرمایا، ہم کو اکیا سی
مجلس قائم کرنی ہے جو عام اور وسیع ہو، جس میں وہ بدبختانہ اور
نا مبارک طریق سوچ و منہ دہلاؤں کے سوال کی صورت میں ہر جگہ
پیدا کی جاتی ہے۔ جس میں ملک کے ہر حصہ سے اباب مطابع و جرائد
تشریک پرور اور کوئی حصہ الیا بانی تر ہے جہاں کے پریس کے قائم
اس میں نہ ہوں سچرا اس کا ایک مرکزی مقام ہو اور اس کی شاخیں
تمام صوبوں میں قائم ہو جائیں وہ بصورت آل انڈیا البوسی ایشن
کے بھی ہو اور یہ صورت پرورش جہاں کے بھی، اس کے لئے باہمی
مشورہ و مبادرہ آراء کی ضرورت ہے اور نہایت وسیع پیمانے پر تعاون

دائختر اک عمل کی۔ پس ہم مجوزین نے اپنا فرض یہ سمجھا ہے کہ اپنی تجویز کو کاغذ کے صلہ میں ایک وسیع اجتماع تک پہنچا دیں پھر تمام امور کا فیصلہ وہی اجتماع کرے گا۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر اکٹوبر کو دو بجے ایک جلسہ انڈین ایسوسی ایشن کے ہال میں قرار پایا، اس کا اعلان سگو اہلال سے کیا گیا مگر ایڈیٹر اہلال کے علاوہ چار دیگر وقیع ترین اخباروں کے سب سے پہلے دستخط تھے بالنفات عام آئریل سرسید ناتھ سبزی صدر جلسہ منتخب ہوئے اور کافی غور و مساجت کے بعد طے پایا کہ پورچائی بڑی تعطیل کے بعد آئندہ دسمبر میں ایک عظیم الشان جلسہ کلکتہ میں منعقد کیا جائے اور وہ تمام امور ہمہ کے متعلق رسائل و ذرائع عمل اختیار کرے اس کے بعد اس جلسہ کے اہتمام و تنظیم کے لئے حسب ذیل اشخاص کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔

۱۔ آئریل بالو سرنیدر ناتھ سبزی ایڈیٹر بنگالی۔

۲۔ بابو کرشنر کارنتر ایڈیٹر سنجینی۔

۳۔ بابو موہنی لال گھوش ایڈیٹر امرتا بازار پٹیرکا۔

۴۔ مولوی حبیب الرحمن ایڈیٹر مسلمان۔

۵۔ مولوی محمد اکرم صاحب ایڈیٹر محمدی۔

۶۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایڈیٹر اہلال

مگر رئیس کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا جب کہ پورا ہے تو پھر نہ تو اصلاح و طلب حقوق کو قیام ہے نہ اظہار صداقت اور دعوتِ حقا و حیریت کی راہ باز۔ نہ مصائب اسلامی پر زنج و دلم کے آئینہ سحر سننے ہیں نہ نہ نہ نہ ان اسلام کی خائیاں برہادی پردوں کو آہ و فغاں کی

جائزت ہے۔ ملک کی تمام معین اور علاج اور ملکی فلاح و ترقی کے لئے
 حصول امن و آزادی خواب و خیال، آج اسلام کے ماتم کدوں میں سب
 سے زیادہ ماتم و فغاں بنی مسجد کا بنیاد اور اس کے شہداء و مقدسین و
 مقررین کی قربانیوں پر ہے لیکن اگر پریس کے حقوق کا قانونی دفاع
 نہ کیا گیا تو پھر کون ساجد کی فریادوں کی ترجمانی کرے گا، کون قہر و جبر
 کی دست درازوں پر تنکوعہ رخ فرمادی ہوگا۔ اور کیونکر ملک و قوم کو
 آرام و معاش کے اظہار کا موقع ملے گا؟ پس فی الحقیقت مطبوعات
 و جرائد کے حقوق کا حفظ و دفاع اولین فرض ملک و ملت ہے
 اور اس کی اپیل سب سے زیادہ ہماری فرائض کی اتفاق کی
 مستحق اور صرف وقت و مال کے اتحق ہے نہ ہندوستانی پریس کا
 نظم و استحکام اور انسانی دو تعاون کی اس کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ یہ
 کیے انوس کی بات ہے کہ جس ملک میں حیوانات تک کے حقوق کی حفاظت
 کے لئے انجمنیں قائم ہوں وہاں صحابہ و جرائد کی حفاظت کے لئے
 چند نفوس و آزاد کی ایک جمیہ بھی نہ ہو۔" (۲۷۲)

کوئی بھی انسان ہو اور خواہ کتنا ہی سفید و شبن ہونے کا
 دعویٰ کرتا ہو اپنے معاصرین کو بخت نہیں، اس کو برداشت
 کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور اس کی مخالفت کے بغیر چین
 نہیں آتا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اظہار کی ترقی کا شاید راز
 اپنے معاصرین کی مخالفت میں مضر سمجھتا ہے یہی حالت اخبار
 الیہ کی تھی، اس کی تانت و بردباری کو دیکھ کر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا
 کہ یہ معاصرین کی مخالفت میں قلم کو حبش دے گا لیکن اس نے بھی

ہے معزز صاحب (میں) کے خلاف مسجد کا منور کے سلسلہ میں لکھا
اگرچہ ایڈیٹر کی قلم نہیں ملی۔ لیکن ایک مراسلہ نگار نے اپنے
خط میں ۲۶ نومبر ۱۹۷۷ء کے شمارے میں اس کی خبر لی ہے۔

”ایڈیٹر صاحب زمیندار کو اگر اطلاع تھی اور انہوں نے اس
کو پسند کیا تھا۔ تو سخت تعجب ہے کہ اعلان مصاحبت کے قبل
تک وہ اپنے پتہ پر کدہ شراکتہ کیوں اس سے علم نہ رکھتے تھے۔؟
ناظرین مجھے سب سے سنا رہے تھے۔ اگر میں یہ کہوں کہ اخبار زمیندار بھی ایک
عجیب اخبار ہے جو عوام کے مذاق کے مطابق ہونے کے سبب سے
بہت کثیر الاشاعت ہے۔ لیکن اس کی کوئی مستقل پالیسی نہیں ہے
اگرچہ کو مستقل پالیسی قرار دیا جاسکتا ہے تو وہ پرانے فیڈرل گورنمنٹ
کابیناں دینا ہے جس سے شاید ہی اس کا کوئی نمبر خالی ہوتا ہو
وہ پیسے نہایت سستی سے جو شراکتہ صلے میں کرتا رہا ہے ان میں
سب سے اہم مسجد کو جعفیہ اصلی حالت میں لوٹا دینا قرار دینا ہے
پھر اس مصاحبت پر بے حد خوشی کا اظہار کرتا ہے، مٹھائیاں بانٹتا
ہے پھر گھبرا کر مسجد کے فیصلہ کو غلامانہ حوالے کرتا ہے آخر میں
خود جعفیہ بن کر براہیکسپنسی کے وعدہ عطیہ کیا ہوا اور زمین کے
نکل جانے پر لکھتا ہے ”ہم شوروں کو بہت زیادہ حاصل کرینگے
(زمیندار ۲۳ رومی قعدہ (۱۹۷۷ء))

الہامی میں نشر کے ساتھ نظم کبھی کبھی شائع ہو جاتی تھی، جس
میں زیادہ تر کلام علامہ شبلی کا، اس کے بعد کثافت و صاف
اور نقاشی کے ناموں سے اور سبھی کبھی زیار فقہیوں اور حضرت

اکبرالا آبادی کی نظم شائع ہو جاتی تھی، علامہ شبلی، نیاز فتحپوری امد
حضرت اکبرال آبادی کی نظیں تاریخی امداد بی طرز کی طرز یہ جوتی
تھیں، کثافت، دعوت اللہ نقاد کے ناموں سے غالباً بولانا آزاد
انیا کلام شائع کراتے تھے۔ طرز اس میں بھی پڑتا تھا لیکن سیاسی
جان غنائے ہوئے چنانچہ آغا خان نے جو بیان جنگ بلقان کے
سلسلہ میں ترکی کے خلاف دیا تھا اس پر ایک نظم بعنوان "تُرکوں کو
صلاحت ترک پورپ" اشعار کے نام سے ۲۶ مارچ ۱۹۱۲ء کو
ایک سال میں چھپی ہے ۵

نہیں کچھ اُمید دوست دشمن اس زمانے میں
گرم لڑا جھیں کبھی تھے، وہ نیکے ستم آزاد
وہ آغا خان تھیں ہندستان کے سادہ دل مسلم
کہا کرتے تھے کل تک "نافذ اہمیت کشتی مارا
ہیں لکھتے آئے لیکھنؤن ٹائمس آف انڈیا میں
مے پڑھ کر ہر ایک مسلم کا دل ہوتا ہے صدا پارہ
وہ کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ یورپ چھوڑ دے غنڈہ
اٹھالے جائے ارض ایشیا کو اپنا لپیٹا را
پر کبھی داتے ہے کیوں ہے نہ پوچھا اس ستم کو
یہ ہیں اسرار دنیاں ان کے لٹکا کا نہیں یا را
مگر کبنا یہ ہے سنتے بکھیرے شہر افزا
پوچھا جو شہر دُور دیں الیا کہ ہر ایک نقص بنکا را
جہاں دیکھا جے دیکھا، مخالف ہی نظر آیا

ہیں دو چار ہم آجگ کشائید تہل سارا
 سہری ایک سانس بکھڑی اور پڑھائے تھوڑا کاکا
 صاحبہ حضرت شگاف نے یہ ماجرا سارا
 من ازاں حسن ہذا فردوں کو یوسف داشت کلام
 کہ علق از پڑہ عصمت بردن آرد زمین را
 محکمہ عقدہ نہ آغا خاں کی اس خودی طرزی کا
 بہت ہم عقل دودا آئے، ہر چہ سسر مارا
 نظر آیا بالآخر ایک سیاح جہاں دیدہ
 کہ حل کرد او نیز و فیراست اس معمارا
 کہا اس نے صلا بہ ترک یورپ پر تعجب کیوں
 مگر تہذیبی داری تو قوم و ملک آغا را
 یہ ایماںی میں جو ہیں عاشقان خانہ بر انداز
 ہے ان کا قول یہ باد صفت نقیہ شاہی دلرا
 اگر آں دیکھ شیرازی بخت آمدہ دل و دلا
 خیال منہد کن خشم سمرقند و بخارا را
 پوری شاہانہ ذہن گین کے اجلاس لکھنؤ کے فیصلوں کے خلاف
 حضرت کثافت نے ہمارے سارے غم کے کٹاے میں حسب ذیل خیالات
 کا اظہار کیا ہے ۔
 یہ مفید ہے جماعت احبار کا ہر زور
 اب قوم کو جو شخص پرستی سے عار ہے
 آزاد قیالی کا جو کچھ کہ ہے اثر

یہ سب ان ہی کی فیض کا منت گزار ہے
 لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ عزم یہ ترنگ
 ہے دیر پا، کہ جو نش جنوں بہار ہے
 اب کے چوکھٹو میں دکھا یا گیب سمان
 بچ پوچھے تو معنی کے روزگار ہے
 دیکھا یہ پہلے دن کہ ہر اک گوستہ لب ط
 میدانِ رزم و عرصہ گر گبر و دار ہے
 غل ہے کہ وہ مقدمۃ الحبش آگب ،
 اب انتظارِ فوجِ یمین و لبّار ہے
 احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئیں
 مجلسِ تمام و حصہ گہ کارزار ہے
 ایلیج پر سرانیک بھرتا ہے اس طرح
 گویا حریفِ رستم و اسفندیار ہے
 ہاتھ اٹھ رہے ہیں یا غلم فتح ہے بلند
 چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفعد ہے
 بڑھ چلا ہے نشہ آزادگی میں مست
 حمد ہے وہ حریت کائے سر پر خمار ہے
 احرار کہہ رہے ہیں، نہ انگلیں گئے ہم کبھی ،
 دیو کا دلیرائے کو کیا اذیت ہے
 احقاق اگر نہیں ہے تو برسی ہے عبث
 سلم کا لفظ فاض بہارِ اشعار ہے

جود الیہان ملک کہ تھے زیبِ انجمن
سہ دم بخود تھے کہ یہ کیا خلفت رہے

یامع دم جو دیکھے آکر تو بزم میں
تے وہ خروش و جوش نہ وہ گیر و دہر ہے
نوئی ہر مہیں صفی میں علم سرنگوں میں سب
باز دتے پیچ گیر، جو تھار عتہ دار ہے
مازش کا اک جاں بچا پا ہے ہر طرف
ہر شخص اس کی فکر میں مصروف کا ہے
سرستیاں میں دور قدح ہائے راز کی
ہر شخص "حکمت علی" کا شکار ہے
جو بات کل تک سبب تنگ و عار تھی
وہ آج مایہ شرف و امتحان رہے
جس بات پہ کہ نعرہ لغز میں بلند تھے
اب وہ قبر لو خاطر مرزی دند ہے
کل کو چکے میں کیا ہے یہ نہیں اب کسی کو یاد
اب نکتہ ہائے زیر لبی پر مدار ہے
خدا آپ اپنے ہاتھ سے کھائی ہے گرفت
تختہ بھی سحر یہ فتح بسیں یاد گار ہے
حیران تھے عوام کہ کیا ماجرا ہے یہ
یہ کیا دور تھی چمن روزگار ہے

احرار کا طریق عمل ہے اگر یہی

سحر کامیابیوں کا عبث انتظار ہے

الہلال کے ماحرین، الہلال کی طرز نگارش، دیانت و فراست
وہ صاحت و بلاغت کے قابل ہی نہیں تھے بلکہ حیرت زدہ تھے کہ
ہمائی دنیا میں کیا القاب آبا ہے اہم فیوں کا امام کس نشان سے
خودار ہوا ہے۔ برتھیں مولانا آزاد کی خداداد قابلیت کا مداح تھا
پانچہ رکھی الارحہ حضرت مولانا حسرت موہانی نے رسالہ اردو کے
علی علیگڑ کے مولائی، اکت سلاسلہ کے خاصے میں اپنے ایک
ریت پرست ماسک کے اخبار الہلال پر تبصرہ فرمایا۔

۳۱ جولائی ۱۹۱۲ء سے الہلال نام کا ایک بے مثل مہنت دار
تبصرہ برادر سالہ ملک سے شائع ہونے لگا ہے اس رسالہ کے مالک اور
ایڈیٹر ملک کے سبھرائٹ برادرز، مولانا ابوالکلام آزاد میں جن کی جاد
لگائی کا تذکرہ اردو کے مئی میں ایک سے زیادہ مرتبہ آچکا ہے خوبی
لٹریچر کے علاوہ مصابین کی تازگی، خیالات کی آزادی اور تصاویر
کی دلپذیری فرض براعتار سے یہ پرچہ قابل قدر اور لائق ستائش ہے
میں غلوں اور نیک نیتی کے ساتھ یہ پرچہ جاری کیا گیا ہے اس کا
ندازہ حضرت مدبر کی اس مہم اثر امتیاز سے ہو سکتا ہے۔

مگر وہ مجھ میں سب کی اہم غلوں کی سرگرمی دیکھتا ہے اگر اس کی
طقت مرحومہ اور اس کے کلمہ حق کی خدمت کی کوئی تفتیش میرے
دل میں موجود ہے اور اگر دلتی اس کی راہ میں فدویت اور خود فدی
کا ایک آگ ہے جس میں برسوں سے بغیر دھوئیں کے جل رہا ہوں۔

تو اپنے فضل و کرم سے مجھے اتنی ہمت عطا فرما ہے کہ اپنے بعض
 عقائد کے نتائج اپنے ماننے دیکھ سکوں لیکن اگر یہ میرے تمام کام
 محض ایک تجارتی کاروبار اور ایک دکاندار کے مشغل ہیں جس میں تو کسی
 خدمت اور ملت پرستی کے نام سے گرم بازاری پیدا کرنا چاہتا ہوں
 تو قبل اس کے کہ میں اپنی جگہ پر بسٹل سکوں وہ تیری عمر کا فائدہ
 کر دے اور میرے تمام کاموں کو ایک دن بلکہ لمحہ کے لئے بھی کامیابی
 کی لذت چکھنے نہ دے۔ رہا غوں کے سرسبز دھندلے درختوں کی حفاظت
 کی جاتی ہے۔ مگر جنگل کے خشک درختوں کو جلانا ہی چاہیے جس
 دل میں خلوص اور صداقت کو جگہ نہیں ملی اس کو کامیابی کے لئے
 کیوں باقی رکھا جائے ام حسب الذین اجتہدوا لایطاعت
 ان یجعلہم کا الذین اصنوا و عملوا اصحابات سواء
 حیا ہم و مماتہم سواء ما یحکمون

اسیہ ہے کہ ناظرین اردو کے مصلی الہلال کی خریداری سے محروم
 نہ رہیں گے۔

مرصع | اگرہ سے جولائی ۱۹۱۷ء کو یہ ماہانہ گلدرستہ جلیوہ انڈیا
 ہوا۔ ہرائنگری ہند کی اخباری تاربخوں میں
 شائع ہوتا تھا۔ ۶ صفحات پر مشتمل تھا، مرتب قوام بالوشم
 میاں اکبر آبادی مالک محمد فرید اللہ خان گوہر تھے، سالانہ خیرہ ایک
 روپیہ بارہ آنے تھا، قیمت فی پرچہ ۱۲ آنے تھی، طبع عمت فی آگرہ،
 میں لچ ہوتا تھا۔ اس رسالہ کی کتابت، طباعت بہت دل کش
 دیدہ زیب تھی کاغذ آٹ پر تھا، ہر پرچہ میں درق و رنگ کی تصویر

جھپتی تھی۔ ارجی غزل ہر آنے فی شعر کے حساب سے درج ہوتی تھی جو صاحب اپنی تصویر چھپوانا چاہتے تھے وہ دور دیہ فی صدی کے حساب سے اجرت دے کر چھپوا سکتے تھے، ابتدائی پریچوں میں سرور کی پریشاںہ دیگر سیاب اور شام باورنام کی تصویریں چھپیں اور یہ رباعی بھی درج ہوتی تھی۔

محب گلی کاریاں کی ہیں طبع رنگیں نے
یہ گلدستہ حیدان معانی کا مرقع ہے
درختوں نجم ہیں نقطے تو موتی لفظ ہیں اس کے
غزل جو زیب گلدستہ ہے مرنیا پر صبح ہے

ابتدائی دور پریچوں میں دیگر، شام لال شمس، اور سیاب اکبر آبادی کے نام شائع ہوئے ہیں۔ بعد میں صرف سیاب اکبر آبادی کا نام رہ گیا تھا۔ جو لائی سلاسلہ کے شاعر کے شاعر کی غزلوں کے منتخب

اشعار ملاحظہ ہوں۔

جناب حکیم سید علی احمد صاحب ارمان لمبید جناب قطب الدین اشک
جلیبوری

لے گئی نہ خاک مری کوئے باز نک
اب بڑھ گئی ہیں حد سے سوا اضطراب
باوہبائے دل میں تکرر ضرور تھا
قابو میں پہلے دلی ناصبور تھا
رنگ جہاں آباد تھا اور غزل لفظ
افس اک زمانہ میں کیا راہبرد تھا
جناب دلائل علی صاحب نسیم اکبر آبادی تلمیذ سیاب اکبر آبادی

میں چرگناہ تھا کہ سراپا ضرور تھا
دعدہ سے ان کے فائدہ کچھ بھی نہ تھا مگر
السناء تیرے رم کے قابل ضرور تھا
ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا ضرور تھا

یاد بخیر ہے جرم پہ تیار ہے شہید
 لکھنوی حکم قری غایت سے دور تھا
 شباب محمد نعیم علی خاں کو کتبہ جناب عالی اکبر آباد
 کچھ ترغیب سے کہی اس کا سبب یہ ہے
 ہم دور سے شباب سے یہ ہم سے دور تھا
 کیا قدر ہوئی گلشنِ ایسا دکھ میں
 یہ گل سے ٹھک کے داغ دلِ نامبور تھا
 قسمت کو کیا کریں کردہ اگر لپٹ گئے
 کو کتبہ نری دعا میں از تو ضرور تھا

بھیر دیاں شرما **دائے** **دائے** **دائے**
 برہم دیال عرفِ تمام بابو مراد کے رہنے
 دائے تھے، ماہرِ فنکار دیالِ عاشقِ ایم
 دائے کے فرزند تھے، آپ کے والد ماجد آگرہ کے امروہ میں ممتاز درجہ
 تھے تھے، ہجرہ کانچ کے ٹرٹی، آذربائی جھڑی اور سربراہ آدرہ
 دیکھ میں تھے، مرزا غالب کے شاگرد اور آگرہ کے خوش گونہاری
 تھے تھے، کئی کئی اہلِ ادب میں بھی فکر سخن کر لیا کرتے تھے۔

۱۸۵۷ء میں تمام صاحب کی عمر ۵۵ سال کے قریب تھی پانچ سال
 پہلے میں دانا تھا، کے شاگرد ہوئے اور علوم و رسم کی تحصیل کی طمان
 بی بی صاحبہ فیض نے تمام صاحب کے اس جذبہ شہداء کو جو انھیں
 فطرتاً و جبراً سوانح بیدار کر دیا۔ ۱۳ سال کی عمر سے شوگر کی کاڈر
 یہ سوانح بیدار سے ہی کلام کی اصلاح لی اتھوڑے عرصہ میں
 مشقِ ادب کے بعد تمام صاحب دنیا سے ادب کے سامنے پیش ہوئے

شام صاحب کی مشرقی تعلیم مولانا نثار کی نگرانی میں ہوئی لہذا انگریزی
تعلیم آگرہ کالج میں پائی۔ ایف اے کا امتحان دیا۔ اس لحاظ سے
مشرقی رنگ تنوں پر مغربی سادگی کی جلد کاری ہو جائے سے
شام صاحب کا رنگ حسنِ نسیمِ اربا لطیف اور موثر ہو گیا، اگر بلا و
راستہ طر بات سے اہلِ زمانہ ہے، آپ قندار کے راستوں پر چلتے
تھے مگر اس کے ساتھ اپنی شاہراہ بھی قائم کی سلاسلۂ ع میں آپ
نے رسالہ مرصع کی ادارت کی سلاسلۂ ع میں آپ نے رسالہ بردین
اپنی ایڈٹری میں جاری کیا، جو چند ماہ جاری رہ کر بند ہو گیا
سلاسلۂ ع میں رسالہ فانوس جھانسی کی تمام دکال ترتیب آپ
کے ہاتھ میں رہی، نظم و نثر دونوں لطیف پیرائے میں لکھتے ہیں نہ
سرگور خریاں عام ہے شرمی رنگا یوں کی

مگر بجلی دہیں چکی، جہاں عاشق کا بدن تھا
نہ جانے کیا ہے تاثیر اثر اتنا بھٹا ہوں

کہ تھوڑی دیر پہلے اقیانوسِ حبیب دامن تھا
کس کو دکھاتے کل جو وہ اپنے حضور تھا

موسمی تھے اور نہ رنگ سے جلنے کو طور تھا
ہوائی نہ تاب دیکھنے کی ہاتے جنیم شوق

جلوہ مری نگاہ سے تھوڑی ہی دور تھا
نیرنگیاں نصیب شامِ فقط حسن و عشق کی

کوئی کلیم تھا نہ کوئی کوہ طور تھا

محمد فرید الدین گوجر

گوجر صاحب کے والد کا نام وزیر علی تھا۔ گوجر صاحب بہت اچھے خوشنویس تھے۔ خط نستعلیق میں کمال رکھتے تھے۔ طرز الہندی میں ان کا جواب نہیں تھا۔ اگرچہ میں طبع متالی قائم کیا۔ اپنی اس خوشنویسی کا کمال دکھانے کے لئے درمیں بہت سے ایک خریطہ جو اہل معرفت بہ احسن القطعات امدرا مرتع گوہر شائع کیا تھا، ان دونوں کے اشتہار رسالہ کے ہر شمارے میں شائع ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہوں۔

خریطہ جو اہل معرفت بہ احسن القطعات، یہ چوبیس قطعات امدرباعیات کا ایک انمول مجموعہ ہے جس میں فی صفحہ ایک ایک طلعہ مختلف مذاق کا نہایت آب و تاب کے ساتھ بلدیہ عکس منظر امیض نیلے رنگ سے پیرا پنچ کی تقطیع پر چھایا گیا ہے جو دل آویز اور فطرت کی گل کاریاں اس کے مربوط پر کی گئی ہیں۔ دیکھنے سے قلعہ رکھتے ہیں، نقش و نگار کے علاوہ حسن کتابت سمنے میں سما گیا ہے لکانات کے آراستہ کرنے اور نشست گاہوں کے سمانے سکے ان سے اچھے کہتے میسر نہیں آسکتے۔

یہ مختلف فنون خوشنویسی کا قابلِ ماز سربایہ ہے جو نہایت عقی ربی امدطاعتی سے تیار کیا گیا ہے اس میں ہے مثل امدفتوب اخضر نصیحت خیز و عبرت انگیز ابیات علمیہ علیہ ایک ایک صفحہ پر نظر دوز اردوں ضرب نقش و نگار کے ساتھ، عجیب و غریب صنعتوں سے بلدیہ عکس پیرا پنچ کی تقطیع پر منظر امیض نیلے رنگ سے دبیز چمکنے کا غر پر چھاپے گئے ہیں، جن

کے دیکھنے سے آنکھوں کو تازگی اور دل کو فرست ہوتی ہے، دیوان
خانوں، امام ہاروں، مساجد اور مساجد وغیرہ کی مدافعت کو دہلا کر
کئے ایک عہد ضرور منگائیے۔

گو مرصاحب سلامتی سے چند سال قبل فوت ہوئے، رسالہ
مرصع میں پہلے صفحہ پر گو مرصاحب کی غزل چھپی تھی۔
مدت کے بعد کل وہ سنگ مرصع

جس سے کبھی تعلق خاطر ضرور تھا
عس کو حسین جانتے تھے تا حد حسن

دنیا میں تھا اگر نو دہی رشک حور تھا

ایمان کی تو حضرت گو مرصاحب بات ہے

آیا جو میرے آ محمد میرا غرور تھا

ایکے تو از عمر ناپید تھے دنیا غافل
تیرا آغاز تک جو لئے موح دریا
عانتا ہے کہ آخر تھے کیا سوچا تھا ہے
تیرا انجام گرفت ارتقا سوچا تھا ہے
انفوس کس کو ہے دنیا میں تباہی کے گھر

ماہل ہستی فانی ہے، فنا ہو جاتا ہے

نمبر ۱۱۱۱ غ کو شاہین پور سے یہ ماہنامہ رسالہ جلو
حر ہوا، ایڈیٹر مختار شاہین پور، منظم منشی ولی
حسن فاضل القادی ستے، دد جز پر شائع ہوتا تھا، سالانہ چندہ
ڈیڑھ روپیہ تھا۔

رسالہ اردو دے معلق علی گڑھ کے شاہیے نومبر ۱۹۱۱ء میں اس
رسالہ پر دیویش شائع ہوا ہے۔

نمبر ۱۱۱۱ سے زیرِ اہتمام غشی دلی حسن صاحب ناصی انھاری
اس نام کا ایک یا دو بار رسالہ شائع ہونے لگا ہے۔ حجم ۲ جز اور
قیمت پھر رسالہ مقرر ہے اقدار میں دو ایک ادبی مضامین درج ہیں
میں غزلیات کا قید طرح چھٹی تھیں، ہمارے رائے میں یہ رسالہ شایعین
کی قدر دانی کا ستمی ہے۔

رفیق دلی سے یہ روزانہ اخبار گشتِ سلاطین کو تعلقہ پندیر
امرا چار صفحوں پر نکلتا تھا، یہ سجاد حسن آفیدہ بطور
ایڈیٹر تھے، بارہ روپے سالانہ عینہ سقا اس اخبار پر کڑن کرٹ دیا
کہ ہر ستمبر سلاطین کے شمارہ میں تبصرہ چھپے۔

دلی کے یہ محنت جوئے کی برکتیں ابھی سے ظاہر ہونے لگیں
اخبارات جو سب سے زیادہ تمدن اور ترقی کے مضامین دلی ان کی
طرف سے بدلتے ہیں مگر الحمد للہ اب اعلیٰ درجہ کے اخبارات کی
انتانت کا سلسلہ یہاں سے شروع ہو گیا ہے چنانچہ سب سے پہلے
امیر رفیق لگا کر گیا ہے اور یہ روزانہ ہے، دو بڑے درج پر نکلتا ہے
اس کی سالانہ قیمت بارہ روپے ہے اب تک میں ہمیں پرچے نکل
چکے ہیں، ہونا ہے ادا میہ ہے کہ یہ ترقی کرے گا سب سے
بڑی ترقی یافتہ ریسٹورنٹ میں ہوئی چاہے اس کا رنگ اس پرچہ
میں یا باجوا ہے، یعنی افلاکی جرات، دراست محمدی، سچائی، کسی معمولی
دعوت کی بدولہ کرنا، ایمانداری سے اپنے ذرائع کے ادا کرنے میں
جھگڑیں پیش نہ کرنا، یہ صفات اس روزانہ رفیق میں کم دینی وجود
میں ہم بڑی خوشی سے اپنے معاصر کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

اہلِ مکتہ مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۱۷ء میں بھی اس اخبار پر
ریو یو کیا ہے۔

”یہ روزانہ اخبار جو دہلی سے نکلنا شروع ہوا ہے ڈیہائی سائز
کے چار صفحوں پر چھپا ہے کاغذ اچھا ہے۔ اس وقت
”کیمپ“ نے دو چار نمبر سرسری طور پر دیکھے، روزانہ تار برقیوں اور
عام واقعات و اخبار کو اچھی طرح جمع کرتا ہے اور یہ حسبِ حاجت لکھا
اور دل چاہے۔“

ترقی سخن
یہی ہے اکتوبر ۱۹۱۷ء کو یہ ماہنامہ گلہ سستہ
علیہ اُردو ہوا، منشی محمد حسن منقبہ صاحب احسن
کی سرپرستی میں ۱۶ سطحوں پر چھپتا تھا، مرتب راجہ اجیری
سکرٹری آئین ترقی سخن تھے، سالانہ چند سو روپیہ تھا، مطبع رفیعوی
بینی میں چھپتا تھا، رسالہ کے سرمدی پر یہ شعر درج ہوتا تھا ہے
حسن و خوبی لطافت سے بوجہ احسن

برصغیرِ ہند کی طرف سے ترقی سخن
بہ انتہائی غزل بنی خود آنے کے حساب سے چھپتی تھی، غیر
طرح اجرنی کلام کی اجرت فی شوالیک آنہ تھی، رسالہ کا کاغذ عمدہ
اور لکھا جی چھپائی بہترین تھی، زیادہ حصہ رسالہ کا منظم ہوتا تھا
نثر کے حصہ میں بالاقساط ناول چھپتا تھا۔

یہ رسالہ آئین ترقی سخن تھی کا نمبر گن تھا اس کے سرپرست
محمد حسن منقبہ احسن اور سکرٹری حافظ محمد عبداللہ راجہ تھے
اس آئین کی طرف سے جرمنیہ ایک نثر و ہوتا تھا جس کی طبعی

غزلیں اس رسالہ میں چھپ جاتی تھیں اس ضمن رسالہ کے
پر اعتراض تھے۔

- ۱۔ بہی میں اردو کردہ رقی نصیب ہو جو گراتی اردو مٹی کو مال ہے
- ۲۔ صلح کی پالیسی کے مطابق شہزادہ بھی میں جو اختلافات ہیں ان
کو مدد کیا جائے لیکن میں انتہائی دانشور پیدا کیا جائے۔
- ۳۔ اساتذہ و تلامذہ کی ایک مجلس ہو جو سامعین کی دلچسپی کا باعث
ہو اور ملحق شہزادہ کو مفتی کرائی جائے جس سے آداب شاعر
کی پابندیاں، اساتذہ کی نشست و برخاست گفتگو اور
دوستی وغیرہ کے طریقہ سامعین کو بھی معلوم ہوں۔ بلکہ ان
کے اخلاقی پر اچھا اثر پڑے۔

۴۔ ایک لائبریری قائم ہو۔ جس میں اردو کی تاریخی ادبی و فنی
کتابیں جمع کی جائیں۔
دربار سلطنت کے خزانے کے منتخب اشعار درج ہیں۔

جناب فقیر محمد صاحب ارشاد تلمذ حضرت منت

اللہ رے وہ کامیاب وطن رسول کا

دل آئینہ شاہد صداقت سخن میں تھی

بیاری گناہ کا دہاں بھی پاس تھا

خاک شفا بھی ساتھ ہائے کفن میں تھی

ارشاد کیا بیمار تھی روضہ کی جان نورا

کیا سیر فلک کو چہ شاہ زمیں میں تھی

جناب شیخ غلام رسول صاحب اعظم احمد آبادی تلمذ حضرت منت

رہ سچیل کر نسیم بہار حناں موئی؁
 جو آپ کے سینے کی بو پیرہن میں تھی
 پر جھونہ مجھ سے اہل مدینہ میں کہا کہوں
 جو آتشِ زرقانی پیمبرِ دہن میں تھی
 انعم ہے اک حدیث سخی خود نادیباں
 تراباں جاذبِ کیا ہی فصاحت سخن میں تھی
 جنابِ سید محمد زرقان صاحبِ سید مدنی دہلوی مشہور مالہ ترقی سخن بھی
 خوشبو جو عطرِ نعت کی میرے سخن میں تھی
 صلوا علیٰ ارسول کی دھوم انجن میں تھی
 جس انجن میں رحمتِ عالم کا ذکر سقا
 اک انجنِ فرشتوں کی اس انجن میں تھی
 روضہ نبیؐ کا دیکھ کے سید تھا باغِ باغ
 سیر کیا کی خوشی کی دلِ پُرمعن میں تھی
 جنابِ محمد صدیق صاحبِ کوثر مدنی نائبِ ہتم مشاعرہ انجنِ ترقی سخن بھی
 اے جلوہ رسولؐ مجھے چین آگب
 بے چین صرف ترے لئے جان تن میں تھی
 عشقِ نبیؐ میں دل ہے ہمیشہ سے دلغِ دلغ
 اب بھی ہے پہلے سخی یہ بہار اس جن میں تھی
 خوبو اجڑتی رسولؐ میں کوثرِ دہ ہو ہو
 آدھی حدین میں تھی ترے آدھی حسن میں تھی

خواب محمد حسن صاحب منوم بہر سخن تلخ خواب نراقت ۵

نہ سے نکل کے ہدی مدینے پہنچ گئی

بے چین روز بہر رسولِ گزین میں تھی

سونے میں لکھو ہو گیب دیدارِ مصطفیٰ

حسرت نکل گئی جو دل پر محن میں تھی

منوم سن کے وجد زخموں کو آگیا

بیری غزل جو وصفِ رسولِ زمین میں تھی

محمد حسن، احسن محمد حسن صاحب کو اپنے داماد ابراہیم مقبہ کے

دندہ میں علم و ادب خاندان سے ملا۔ احسن صاحب سلسلہٴ عکرمی میں پیدا ہوئے۔ گھر پر تعلیم پائی اور اردو، فارسی، عربی، انگریزی کی اچھی استفادہ

ہم پہنچائی، آپ اردو، فارسی میں شریکت تھے، ان کا کلام احسن کلام

عام ترافت، دیوان احسن اور غزلیات احسن کے نام سے شائع ہو چکا

ہے۔ اردو فارسی کے علاوہ اپنی مادری زبان کو کئی میں نعتیہ غزلیں

کہی ہیں۔

احسن صاحب نے انجمن ترقی سخن کے ساتھ انجمنِ تقرر و تحریر اور

کوئی کلب بھی قائم کیا، احسن، آتش، ناسخ، موس اور داغ کے تنگ

میں شریکت تھے۔

مؤرخ مولانا سید نور علی کو یہ مابانہ رسالہ خود لکھا

۸ صفحہ پر منتقل تھا مولوی محمد بدیع الدین فاروقی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ حیدہ بین روپیہ تھا۔
اس رسالہ پر اپریل ۱۹۷۱ء کے رسالہ ادیب الہ آباد میں تبصرہ چھپا تھا۔

اردو کا ایک مذہبی، اخلاقی، تاریخی، سیاسی، علمی اور ادبی رسالہ ہے جو مدراس سے مرتبہ شائع ہوتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولوی بدیع الدین فاروقی ہیں، رسالہ کے اسم بامسمیٰ ہونے میں کوئی شک نہیں، نومبر سے اس کی اشاعت شروع ہوئی ہے اب تک جس قدر مضامین لکھے گئے ہیں ان میں شائع ہو چکے ہیں اس سے لائق ایڈیٹر کے مذاق صحیح، جانفشانی اور معلومات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے زیادہ تر اس کے مضامین عربی رسائل سے اخذ کئے گئے ہیں یا ایڈیٹر صاحب جو کہتے ہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے اکثر مضامین منتقل ہوتے ہیں جو ختم ہو جانے پر خود منتقل رسالے ہو جاتے ہیں گئے غرض کہ اس میں ایسی خوبیاں بدرجہ احسن موجود ہیں جس سے رسالہ ہر ذل عزیز ہو سکتا ہے ۵

آزاد | کانپور سے ۱۲ دسمبر ۱۹۷۱ء کو یہ منصفہ دار اخبار جلوہ گر ہوا، ہر منگل کے روز ۸ صفحات پر کبھی ۲۰ صفحات پر نکلتا تھا، ایڈیٹر منشی دیان رائن نگم تھے، سالانہ حیدہ بین روپیہ تھا، فی پرچہ ایک از قیمت تھی، زمانہ پریس کانپور میں طبع ہوتا تھا۔

یہ پرچہ دوبار تھیری کی سالگرہ کے دن جاری ہوا اعلیٰ مضامین

اور ایڈیٹریل نوٹس کے علاوہ ہفتہ سہر کی خبریں درج کی جاتی تھیں
مہر جون سنگھ کے شمارے کے مضامین یہ تھے۔

ایڈیٹریل نوٹ، نئے سال کے خطابات، حضور دلیہ رائے کی
پالیسی، تین اہم سبق، ہنگ سرورس کمیشن، معمر منہا، سنگھ کی چھ
سجوتیاں، کارٹون، بلقاٹیوں کا سلوک، ترقی کی موجودہ حالت،
جنگ ملتان اور صلح کی ترکیب، انڈین نیشنل کانگریس، ہانگی پور کے
چیرمین کی تقریر، آرمی سٹریٹجی کی تقریر، فضائی کا پتھریس
بانتھی پور، آل انڈیا مسلم لیگ کے بلکہ کی کیفیت، آل انڈیا محمدان
کا لہر، کشمیر کی کارروائی، ہندی لاری کا نفرنس کی کارروائی
بیوگان کا تین انڈیا جلسہ، گورو کل بندرا بن کے حالات،

اس اخبار پر پلم عزت لکھنے کے شمارے مہر جون سنگھ کے ہیں
تبصرہ صحابہ ہے۔

کانپور کے مشہور رسالہ زمانہ کے ایڈیٹر سردیا نرائن سنگھ جی اے
کی ایڈیٹری میں ایک نیا اخبار کانپور سے نکلنے ہونا شروع ہوا ہے
اس اخبار کی پالیسی وہی ہے جو رسالہ زمانہ کی ہے اس لحاظ سے
ممبر ٹیٹ نے اس کو بیشتر سے ضمانت لینا مناسب خیال نہیں کیا ہے
اخبار کا نامزہ ۱۲ ہے اور پورا اخبار سولہ صفحوں کا ہے، جنگ
ملتان اور صلح انگلستان کے متعلق پہلے پرچے میں دو دل حسب کارٹون
درج ہیں، آئندہ کی نسبت وعدہ کیا ہے کہ اخبار کا حجم بڑھا دیا
جائے گا۔ پہلے پرچہ کے لڈنگ آرٹیکل ایڈیٹریل نوٹوں میں زیادہ
تر اخبار کی پالیسی کی شرح کی گئی ہے۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے سبھی اپنے مؤثر جریدہ اہل
۲۷ مئی ۱۹۴۷ء کے شمارے میں اس اخبار پر دیو بوز فرمایا ہے -
رسالہ گزاردہ کا نچوڑ اور دے شہور رسائل میں سے ہے اسی کے
دفتر سے یہ مہفتہ دار اخبار جاری ہو رہا ہے۔ جو سببات مقدمہ میں بے قابو
پنجاب کے اخبارات کم ہیں اور عمدہ اخبارات کی جگہ تو یہ محبوبہ میں
اسہنی بہت کچھ خالی ہے، مگر حکم ایک مقبول رسالے کے ایڈیٹر
میں اس نے ٹپک کے لئے ان کے اخبار کا مطالعہ ہوا تو یہ نہیں
ہے۔ اس وقت تک میں نے ایک دو نمبر جو اس کے دیکھے تو غبروں
کے جمع کرتے وقت کے معاملات پر بحث کرنے اور حتی المقدور طرح
کی دل جیسی کاما مان لہیا کرنے میں سامی پایا یہ ضمانت بھی پنجاب
کے بعض اخبارات کی طرح غیر معمولی ہے اور چھپائی لکھائی عام حالت
کے لحاظ سے بری نہیں، پولیٹیکل اور میں شاید اس نے اپنی پالیسی
میں دستانہ لکھنے کی مثال دے کر واضح کی ہے اور میرا کہنیہ یہ خیال
ہے کہ مہفتہ دستانہ کی پالیسی بہت مفید، مستعمل اور مستعد و
مابین حکام کے ساتھ، مصالح ملکی کے تحفظ کے اصول پر بہت اچھی
ہے البتہ اعتدال کے معنی درمیانی راہ اور توسط کے ہیں، یہ معنی
نہیں ہیں کہ انسان دونوں راہوں میں کسی ایک راہ سے اس قدر فریب نہ
ہو جائے کہ اگر بال برابر سب اور بڑے تو درمیانی حقہ کی جگہ سرحد
کو عبور کر جائے۔

سراج | حیدر آباد دکن سے ۱۹۴۷ء مطابق ۱۹۴۷ء کو
یہ ایسا رسالہ وجود میں آیا کہ ہم صفحات پر لکھا تھا

ایڈیٹر غلام محمد صاحب دنا حیدر آبادی تھے، سالانہ ایک روپیہ تنخواہ پر
رہا۔ دوسرے نمبر لکھا، لیکن زیادہ زندگی نہیں پاسکا اور نقصانات اٹھائے
نہیں سہا۔

فانوس خیال چٹانکوٹ سرحد اگست ۱۹۳۸ء نے اس رسالہ پر
تبصرہ کیا تھا۔

یہ اردو علم و ادب کا مہوار رسالہ زیرِ پیرِ مری جناب ابوالوف
غلام محمد انصاری دنا و فتر کالی کمان حیدر آباد دکن سے لکھتے ہیں
مغایں اصل پایہ کے ہوتے ہیں، ایک تقویر بھی ہر ایک نمبر میں جوتی
ہے۔ نگاہی، صیغہ کی کاغذ سب عمدہ باس ہمداد صاف قیمت ایک
روپیہ بالائے صرف،

غلام محمد دنا انصاری | دنا صاحب کے والد ماجد بولوی غلام
محمد دنا انصاری تھے آپ کے اجداد
شاہانِ عادل تاحیہ کے متوسل تھے پہلے آپ کے دادا حیدر آباد
میں آئے، اور پہلی مسجد ارشدی کے پاس نائب تحصیلدار مقرر ہوئے آپ
کے والد اپنے دور کے نہایت اچھے خطاط تھے اس فن میں ان کے
شہزادوں سا گرد بنے۔

دنا انصاری صاحب حیدر آباد میں پیدا ہوئے اپنے والد سے
عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں اور خطاطی سیکھی، پچیس برسے شعر و سخن
اور شہادت کا شوق تھا۔ اس فن کو احمد علی صاحب کاتب طبع مفید دکن
اور بولوی سید احمد نواز شخوٹنویں ممدی مالی سے سیکھا اور مختلف
پرسوں میں کام کرنے کے بعد اپنا ذاتی تاج پر میں قائم کیا جو ۱۹۳۸ء

تک بھی چالو تھا۔ حیدرآباد میں فائن آرٹ برٹنگ اہل فن کی رنگیں تصویریں
کی اعتبار آپ ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ بید گزٹ اور عثمان گزٹ کی
ایڈیٹری بھی مدت تک کی اس کے بعد رسالہ تاج جاری کیا ۱۳۵۷ء میں
دکنی تحریکات کی لغات مرتب کر رہے تھے۔

شروع میں نظم کہتے تھے بعد میں غزل کی طرف توجہ دی، اس
کے بعد باغیاں کہنے لگے۔ جہذاصناف سخن میں عبور ہے، زندہ
دل اور درست نوڈ شاعر ہیں۔ اقبال میں برتر غازی پوری کو کلام
دکھایا۔ پھر ذہین صاحب سے اصلاح لینے لگے کلام میں پیشگی اور
ردائی ہے۔

شکر کو ثواب تو نبی ایسی دے خدا دندا
وہ مجھ پر دم کرنے کے مجبور ہو جائے

نظر جب بت پر حجب آگیا
مجھے یاد میرا خدا آگیا

عالم تھا جوائی کا بہت سجا گئے ہیں ہم سب سے گناہوں میں بہت آگئے ہیں
اب ٹھک گئے ہیں سبھال ہم کو میری سو جائیں گے چل ازلت بہت جاگے ہیں

درو دل چہ را ساز کیا جانیں

میری آہوں کا راز کیا جانیں

مرتبہ کیا ہے خاکِ ردن کا

اس کو گردنِ فساد کیا جانیں

بہاد تھا بوجھ چاہے ہونے دو پیری نے تھے لوٹ لیا رونے دو

اے بچکیر، ستم جاؤ، افسا آتی ہے کہیں مجھ کو ستاتی ہے ذرا سونے دو

لے سخن و مان دکن حنا

معارف

حمید آباد کن سے سلسلہ نمبر میں یہ مدد آنہ اخبار
جلوہ افروز ہوا۔ چند صفحات پر مشتمل تھا، ایڈیٹر م
عبدالواسطہ سے سالانہ چندہ گیارہ روپے تھا۔

یہ اخبار کنیڈا سے غالباً سلسلہ نمبر میں جاری ہوا،
ہندوستانی | جو انگریزی کنیڈین اور اردو زبان میں نکلتا تھا
سلسلہ نمبر میں مقدمہ سازش لاجورد کا فیصلہ پایا گیا تو عدالت کے
کمزوروں نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے۔

ہمیں اس مقدمہ کی شہادتوں سے معلوم ہوا ہے کہ کس طرح
کنیڈا میں انقلابی تحریک شروع ہوئی اور کس طرح اس نے ترقی پائی
اور کس طرح کہا گانا مارا و جہاز کے واقعہ سے کنیڈا کے کچھ ہندوستانیوں
کو ہندوستان میں آکر بغاوت کرنے اور انگریزوں سے لڑنے کی تحریک
ہوئی تھی، اس کے بعد کمزوروں نے کنیڈا کی مغویانہ تحریک کی مختصر
تاریخ بیان کی ہے اور بعد اور ہندوستانی اخبارات جاری ہونے
کا ذکر کرتے ہوئے ان گنگہ اور بلونت سنگھ ملزمین کا حال بیان کیا ہے
مدرسہ سے سلسلہ نمبر کو یہ رسالہ پایا نہ جلوہ افروز ہوا
المضمون | ایڈیٹر منشی محمد انصاری صاحب نے خود صفحہ ۳۶
صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔

ادیب الہ آباد کے تھا، اسے اپریل سلسلہ نمبر میں اس رسالہ
پر تبصرہ چھپا ہے۔

ازد کا ایک علمی ادبی، تاریخی، مذہبی اور تمدنی رسالہ مدراس سے
شائع ہوتا ہے اس کے ایڈیٹر منشی محمد انصاری صاحب نے خود میں
آپ ایک شائق لٹریچر میں اور مذاق سلیم رکھتے ہیں اس سالہ کا مقصد
ازد شہر ہجر کی ترقی اور مغربی و مغربی خیالات کا گولڈن ہے۔

محمد انصاری بن احمد بخود | نئے جلال لکھنؤ سے طبع حاصل تھا

ان سے خط و کتابت کے ذریعہ کلام کی اصلاح لیتے تھے استاد سے
ملنے کا انتہائی پیار ہوا تو لکھنؤ پہنچے اور کافی دن قیام کیا اور استاد
سے فیض پایا۔ سب سے مدراس میں آپ کا کلام چھپتا تھا

مجھے بھی دے کوئی مست شراب جام شراب

کہ ہے غذا مری سیخ، کتاب احام شراب

جو کس رون سے ترے پائے آب جام شراب

بے چہکے نہ کیوں، آفتاب جام شراب

غریب جوتے عشق پاروں ساقی

مری نگاہ میں ہے ہر جناب جام شراب

جہاں کے مکیدے میں آئے جن کے تریخان

پئے ازل میں جھٹے بے حساب جام شراب

یہ کتھا اسی امید پر ہے پیری میں

کہ میر دکھائے گا لطف کتاب جام شراب

اتحاد بہار شریف سے ایک گلہ بستہ ملازم کو درود میں آیا
 اسی اخبار رسائی بہار شریف کے ایک رئیس نور محمد
 صاحب تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس گلہ بستہ نے مفتہ دہا اخبار کی شکل
 اختیار کر لی۔ ملازم میں سبکا نامہ کے شہید ہونے پر ترکیب سبکا پور
 کی زبردست حمایت کی۔ پُرغوش اور دلورہ ایگز مفاہین کی وجہ سے
 حکومت نے اس کی حرمت ضبط کر لی تو اخبار خفیہ ہو گیا۔ ۱۹۲۷ء میں
 درواہہ جاری ہوا۔ ترجمہ صاحب ۱۹۲۸ء میں شائع وادری صاحب
 کے مشورہ سے اس کا دفتر سیلھاری شریف سے پٹنہ میں لے آئے
 یہاں مولوی اسماعیل نامی، مولانا عبد العبار صاحب حیدری راغب حسن
 اودا اسماعیل وحشی جیسے معروف اہل کلمہ مشق مہمانی اس کے ادارہ
 سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں اس کے ادارت کی ذمہ داری مولانا
 احمد صاحب کو سونپی گئی۔ انہوں نے شائع وادری صاحب کے تعاون سے
 اتحاد کو سہ روزہ کر دیا۔ شائع وادری صاحب کے سیاست سے کنارہ
 کش ہونے کے بعد اس اخبار کا سارا بار سلطان احمد صاحب پر پڑ گیا
 انہوں نے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۷ء تک اسے جاری رکھا یہ اخبار مسلمانوں
 کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتا تھا۔

قومی ریلوے ہر اس سے یہ اسلامی ترقیات اور مسلمانوں کی حمایت
 کا دل چاہتا تھا۔ آئینہ دار ماہانہ رسالہ ۱۹۳۷ء کو نودہ
 ہوا اس کا ایک مڈوانہ ایڈیٹر بھی چھپتا تھا۔

تعلیمی گزٹ امرتسر سے یہ تعلیمی رسالہ ماہانہ غالباً ۱۹۳۷ء کو
 جاری ہوا، تعلیمی احمد پُرغوش اسلوبی کے ساتھ بحث

رہتا تھا بقول ایڈیٹر زمانہ کانپور ملک کو ایسے رسائل کی ضرورت ہے نہ
 مولوی برکت اللہ صاحب سجمپالی کے ماسخی ہندوستانی
الغلاب انقلابی فرانس میں بھی تھے جن کے قائد چودھری

رحمت علی پنجابی تھے ان لوگوں نے فرانس میں اپنا ایک اخبار انقلاب
 سلسلہ کو جاری کیا، جو فریج و انگریزی اور اردو زبانوں میں نکلتا تھا
 اگرچہ اس کو وہ کامیابی تو حاصل نہیں ہوئی۔ جو جاپان میں اسلامک فرنٹ
 کو نصیب ہوئی تھی، فرانس کے انقلابیوں کو ایک جائزہ رہنمائی کی ضرورت
 تھی۔ اس لئے انھوں نے مولوی برکت اللہ صاحب کو جاپان سے
 فرانس بلایا۔ تو آپ فرانس پہنچے، چونکہ آپ فریج زبان کے ماہر تھے
 لہذا بہت جلد فرانسیسی زبان میں اپنی عربی آمیز چٹھنی سے اہل فرانس
 کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ جس طرح جاپان میں سیاسی کاموں کو چلانے کے
 لئے مختلف فتنے اختیار کئے تھے۔ وہی طریقے فرانس میں سن کے
 اخراجات کو ا کرنے کے لئے استعمال کئے۔ اپنے ماسخیوں کے ساتھ
 رنگ سیلائی کر کے کام شروع کر دیا تھا، جو مندرستی تاجروں کو بھی
 سیلائی کیا جاتا تھا۔ جس کے ذریعہ بینیم رسائی کا سلسلہ جاری ہو گیا
 تھا۔ اس آمدنی سے اخبار انقلاب کو بھی بہت سہارا ملا۔

فرانس سے نہ صرف یورپ کے دیگر ممالک اور افریقہ کے شمالی
 ساحلی علاقوں تک یہ بینیم نہیں بلکہ امریکہ تک پیلہ جا رہا ہو گیا تھا
 اخبار انقلاب بھی وہاں پہنچنے لگا تھا، فرانس میں یہ انقلابی لوگ زیادہ

نہ حزن و غم و ہر سلسلہ کے لئے برکت اللہ سجمپالی صاحب

نہیں ٹھہرے۔ اس کے اخبار انقلاب کی عمر کی نہ ہونے کے برابر ہوئی۔

ادیب سب سے پہلی بار سالانہ جلوسہ لکھنؤ ہوا، ۱۹۱۲ء کو یہاں نے ادبی

سالانہ چند سال سے چار روپیہ تھا۔ نرم سخن لکھنؤ کے شمارے
مارچ ۱۹۱۲ء میں اس کا سب سے اول انتہار نکلتے ہوا۔

مجھ کو دیکھو ہے اگر ذوقِ ادب

بہو سے لہے ہو گئے سب نوحِ ادب

اعداد پر رزی کا اصل نمونہ، اعلیٰ خیالات کا ضمیمہ، انسانی جذبہ
کی تصویر، حالتِ زمانہ کا آئینہ، عوامی خیالات کا عین و کھنڈ
مقدمہ، تو شکا د ادیب، مصرعہ ادبی رسالہ سالانہ چند چار روپیہ
آٹھ آنے، نمونہ کا پرچہ ۶

عند لبیب میرٹھ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۲ء کو ظہور پذیر
ہوا، اس کے ایڈیٹر شعیب احمد ندوت خلیف
مولانا شوکت علی میرٹھی تھے۔

اس رسالہ میں شاہریند کے علمی و ادبی مضامین نظم و نثر
کے علاوہ مقامی شاعروں کی غزلوں کا انتخاب درج ہوتا تھا
لیکن یہ رسالہ بعض مشکلات کی وجہ سے بند ہو گیا ہے

ماہنامہ اخبار میرٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۲ء کو خود در ہوا
اس کے مالک داؤد میر جناب عزیز احمد رفعت برادر

مولانا شعیب احمد نذرت تھے، یہ پرچہ تصوف سے متعلق تھا اس لئے
ہندوئیا کے حلقوں میں کافی مقبول ہوا

میسٹرن نیوز | مراد آباد سے یہ مفتہ دار اخبار سلسلہ ۴ کر جلوہ
افروز ہوا، جو صفحات پر لکنا تھا سالانہ چھہ چار

رد بے تھا

یہ اخبار صوبہ متحدہ کا مشہور و معروف اخبار تھا، تمام صوبے کے
رؤسا و حکام اور عام لوگوں کے مطالعہ میں رہتا تھا۔

نالہ بلبیل | لدھیانہ سے یہ گلدستہ سلسلہ ۴ کو وجود میں آیا
۸ صفحات پر لکنا تھا، ایڈیٹر خواجہ غلام احمد

لدھیانوی اور نگران مولانا محمد احسان اللہ خاں صاحب تاجور نجیب آبادی
تھے سالانہ چھہ ڈیڑھ روپے تھا سبیل اینڈ لٹری آرگن پریس

لدھیانہ میں طبع ہوتا تھا سردق پر یہ شعور درج ہوتا تھا

یہ ہم سے بڑھ کر اے صیاد کیا طبع کے نالے میں

وہ نالے میں کہ سمجھوں کے گریاں سچا ڈالے میں

رسالہ کے زیادہ حصہ میں نثر کا حصہ ہوتا تھا جس میں ادبی و اخلاقی
و تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے کم حصہ میں طرحی و غیر طرحی کلام
چھپتا تھا، چند شعرا کا کلام ملاحظہ ہو، جو مئی سلسلہ ۴ کے شمارے
میں شائع ہوا ہے۔

تھا بہ مولانا سلوی محمد منیا الرحمن صاحب شائع لیز حضرت انور دہلوی

صلاتی میں خدا کی تم سے بڑھ کر کوئی کیا نکلے
 حیلوں میں حسین ہو کر محبِ نشانِ خدا نکلے
 بہت کعبہ سے جو نکلے ہمارے دل میں آئے
 رہے مگر میں خدا کے کعبہ سے نکلے تو کیا نکلے
 شجاعِ خستہ جاں ہم کیا نہ کوں اپنی قسمت کو
 جنہیں ہم آفتاب سمجھے تھے، وہ نا آستانہ لکھے
 جنابِ سیدِ عزالِ احسن صاحبِ بدرِ منتمِ گلستانہ الزلّٰہ فرخ آباد سے
 جو کی نے خود نیکو منتخب نے جاویدِ رندوں کی
 کچھ ان میں سنتی نکلے، کچھ ان میں پارسا نکلے
 دعا ہے بدلتی تجھ سے ہی لے خالقِ اکبر
 زبان سے مرتے دمِ انام محمد مصطفیٰ نکلے
 جنابِ لوابِ عالم علی صاحبِ سہرنا ہمایونی ایڈیٹر رسالہ زبانِ اردو
 یہ سچی کچھ آنا ہے آئے اور اسٹیکر چلے گئے
 سیر چلے جانا، نذرِ خیر و انکساری میرا در بھی
 داد خواہوں کے قیامت خیز نا لے لالہ مال
 ہو گیا محشر میں برپا ایک محشر اور بھی
 دہلی سے یہ ہفتہ وار رسالہ ۱۹۷۶ء کو جاری ہوا، آٹھ
 ہندو سماج ایک اصنافِ پرنٹنگ شا، غنشی پٹن سرورپ اس کے
 ایڈیٹر تھے، سالانہ چھہ دورہ پے تھا۔
 رسالہ انہی شخص میں آباد رکن نے اپنے فردی مسئلہ ۶ کے
 شمارے میں اس اخبار پر دیو کیا تھا۔

دہندہ سہا یک دہلی کا ایک ہفتہ دار اخبار ہے جو فتنی نشن سرورپ
کی ایڈٹری میں شائع ہوتا ہے اس کے مضامین اور اس کی پالیسی
کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ دہندہ سہا یک واقعی ہندوؤں کا سچا سہا یک
ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کے وجود سے ہندو جاتی کو بہت فائدہ
پہنچے گا۔ ہندو جاتی کے سدھار کے لئے ایسے ہی سستے اور مضید
اخبار کی ضرورت بھی ملتی ہے یہ حیدر سالانہ دور درپے کم ہے
چونکہ فتنی نشن سرورپ صاحب نے ہندو سہا یک کے پرچار سے
ہندوؤں کی سہا تیا کا بیڑا اٹھایا ہے اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ
صاحب موصوف اپنے اخبار کے ذریعہ ان تمام پرانی رسموں کے ترک
کرنے پر ہندوؤں کو آمادہ کریں گے جن کو ہم اس وقت فضول اور لغو
بھی خیال نہیں کرتے بلکہ نقصان رسال پاتے ہیں۔

المہذبہ
ہانسی پور، مراد پور، ہندوستان سے سلاسلہ نو کو یہ ہفتہ دار
اخبار وجود میں آیا، ہر دو شنبہ کو آٹھ صفحہ پر نکلتا تھا
مستقیم عبدالحکیم صاحب بی اے بی اے بی اے، سلاسلہ حیدر، دور درپے آٹھ
آٹھ صفحہ، مطبعہ اشجادی پٹنہ میں طبع ہو رہا تھا۔

احمدی خاتون
قادیان سے ۱۹۱۱ء کو یہ ماہانہ لکھنؤ میں
وجود میں آیا، ہر صفحہ پر شش صفحہ، شیخ یعقوب
علی تراب احمدی ایڈیٹر تھے، سلاسلہ حیدر، دور درپے تھا۔ مطبعہ خادم الاسلام
قادیان میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے اغراض درتھا ہندوؤں میں تعلیمی اور مذہبی
مذاق اور نیداری کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا تھا تا کہ وہ ایک

سماوند میٹی، اور شریف سیوی، اور سلیقہ شعار والدہ بننے کی تاملین
پیدا کر سکیں۔

درویش | سیرہ پنجاب سے یہ مذہبی ماہنامہ سلسلہ ۱۹۱۲ء کو
جلوہ افروز ہوا۔ ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا، مولانا
محمد محمد اعظم صاحب اس رسالہ کے ایڈیٹر تھے، سالانہ حنیہ دو
روپے تھا۔

رسالہ صوفی پیڑی بہار الدین سرحدہ جنوری ۱۹۱۵ء میں اس
رسالہ کا حسب ذیل اشتہار چھپ تھا۔

یہ ایک روحانی زندگی کا ہمارا رسالہ زیر ادارت قبلہ مولانا
محمد محمد اعظم جو ایک فقار کے خاندان سے ہیں (انہایت آب و تاب
کے ساتھ سیرہ سے شائع ہوتا ہے، اس میں ہر قسم کے دینی
عبرت انگیز نصیحت آمیز مضامین درج ہوتے ہیں۔ رسالہ کیا
ہے علمی، اخلاقی جو اہل ارت کا خزانہ نکات معرفت ہدایات
طریقہ، اور حقیقت کا مجموعہ اور حیدر اشعار و نظموں کا گلدستہ
صوفیانہ راہ فی جان اور عاشقان رسول کی روح ہے۔ گائیڈ سفید
نفس اور چھپائی قابل دید ہے، حنیہ سالانہ دو روپے ہے، نمونہ
کے ذمہ دار نے کاغذ صحیفیں، صوفی اشد دتہ، منیر درویش
سیرہ پنجاب،

۱۳۹۱ء

انوارِ قمر

زین آباد ہے جنوری ۱۹۱۲ء کو بیکلہ سہ منور ہوا
۳۸ صفحات پر مشتمل تھا، سرپرست جناب علی محمد صاحب
عارف لکھنوی، ایڈیٹر و مرتب کٹوری لال قمر لکھنوی تھے، سالانہ چنیدہ
ڈیڑ روپیہ فی پرچہ ڈھائی آنے قیمت تھی۔ حیتان پریس نرنخ
آباد میں چھپتا تھا سالہ کے سرورق پر یہ شعور و روح مرتا تھا۔ ۵

تھکی ہے چاندنی رخصت منیروں کی ادھر دیکھو
اگر ہے شوقِ نظارہ نو انوارِ قمر دیکھو

مارچ ۱۹۱۲ء کے شمارے کے شمارے کے غائب استغلا خط بول
جناب منشی اکرام حسین صاحب اکرام رئیس وزیریدار موضع راجہ
پور سرائے میدہ ڈاک خانہ کمال محلج شاگرد جناب میر ظاہر علی صاحب
طی آتر زین آبادی ۵

سوئی نہیں ہیں ہم جو جلیں برق طرے فصیح جلال یار سے ہم لوگ تائیں

ہاں کوئی دم کاہوں آنا جو بلدا آئیں
 مرنے سے جو رہے دیکھنے کو کیا فاک آئیں
 نالے کریں صحیح ہم کو کسی دن فراق میں
 اگر ام ہم زمین کو سر پر اٹھائیں گے
 جناب ڈاکٹر دراج زائن علم ایل ایم اثر فرخ آبادی شاگرد جناب
 قمر لکھنوی

دیکھا جو غور سے نہیں کوئی کسی کا یاں
 پیوڑیں گے سب کو دھیان خدا سے لگائیں گے
 ہوجائیں گے کسی نہ کسی ہم ۔ ہمسراں
 جب روز ان کو پھر کے فٹھے بنا میں صحیح
 چھان ہوتے میں دل کے دل بیگے کوئی نہیں
 کوئی بکے گا آگ، اثر سوسنا میں تھے
 جناب فشی چتر راج برقی شاگرد جناب قمر لکھنوی
 وعدے پہ اپنے آج اگر وہ نہ آئیں گے
 نالے کسی کے عرش بریں کو ہائیں گے
 وہ ہم پر نقاب جو رنچ سے اٹھائیں گے
 مردوں پر ہر د ماہ بھی سکتے ہیں آئیں گے
 تفتل میں آئی جو اٹھیں برقی کا حیاں
 نہ سپر کردہ تیج تبسم دکھائیں تھے
 جناب لالہ ام سرور پال محمد شہید لکھنوی نیرہ اکبر جناب خاں لکھن پال
 حب مرحوم وحب لکھنوی

کہتے ہیں مجھ سے دیکھو جو ہم مہذب پر آئیں گے
 یا مال سب کریں گے، انڈیا سب سائیں گے
 انہاں میں بتو، کوئی تحفہ نہیں ہیں ہم
 دن میں کیا لالہ آتش الفت جھپٹیں گے
 جناب بڑی محمد عبدالمعنی صاحب شہید بدایونی شاگرد اقتدار الملک
 جناب بھنڈر خبر آبادی ۵

کہتا ہے ان سے کون کہ ترک جفا کریں
 اللہ کو بھی حشر کدن منہ دکھائیں گے
 کیا ہو گا تم کو دیکھ کے دہم سے پوچھ لو
 اس پیاری پیاری شکل کے قرباں جاتیں گے
 قید اقبوں کو چھوڑ کے یاد خدا کر دو
 یہ سنگدل ہیں، راہ پر ہرگز نہ آئیں گے
 اس گلہ مستہ میں نغمہ کا حصہ زیادہ اور نثر کا کم خواہ نقاد
 آگرہ کے شہسائے مارچ سلسلہ اعراس میں اس رسالہ کی ریویو کے
 ذریعہ خاص شری لکھی تھی۔

یہ ایک گلہ مستہ ہے جو آغاز سال سے جناب قمر لکھنوی کی لیڈری
 میں فرخ آباد سے شائع ہوا ہے اس کی پہلا نمبر ہم نے دیکھا ہے انوس
 کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے، بلکہ اس نام زنگی کا فورہ، نقاد کے گلہ مستہ
 کے لئے یہ نام کسی طرح کوزد نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ جناب قمر لکھنوی کے
 اپنی ناز کی خیال کو چمکانے کے لئے مرث اپنے تخلص کی مناسبت سے
 یہ نام رکھ لیا اور بقول لسان العصر حضرت اکبر ۵

نہم کوم ایڈیٹر بنی ہے یا ایڈر

سبب یہ ہے کہ کوئی امداد مل گئی نہیں

مصرعہ طبعاً سوتا ہوں ہاتھ گردن میں ڈال کے نہایت
 فرسودہ ہمال ہے امداد سے حضرت قمر جلیونی کا عمدہ غزل
 کے معمولی اور غیر سوزن سوزائے کلام ورنہ کیا گیا ہے۔ حس کی اگر
 تنقید کی جائے تو نقد کے کئی صفحہ منکس ہوں، ہم انوار قمر پر زیادہ
 روشنی نہیں ڈالنا چاہتے امداد بڑا صاحب سے ہا ادب و عرصہ کرتے ہیں
 کہ وہ آئندہ گھڑی کی ترتیب کے لئے بہتر سے بہتر اجزا فراہم کریں بلکہ
 صاف ہے مگر کام معمولی اور دور در پے قیمت زیادہ ہے سہروردی بگی
 را و نبات کی ارتقاء کی صورت نظر آتا ہے جو اس روشن زمانہ میں مناسب
 حال نہیں۔

انصاف کی بات ہے کہ ہائے میں نظر انداز قمر کا مارچ ۱۳۱۷ء
 کا شمار ہے۔ یہیں مذکورہ دیوی کا جواب پانچ صفحوں پر تحریر ہے، اس
 کے ضروری انتہائیں ملاحظہ ہوں، جو ایک شعر سے شروع ہوا ہے۔

مرہ میں کچھ نہیں نفقہ تو بن کر نکلتا آئے

ادھوری میں فکر استا تو بن کر نکلتا آئے

نقد نے لکھتے ہی لوگوں کی دماغی کی طرف ہاتھ بڑھایا، آنکھ
 کھولتے ہی دیکھ کر اندھا کرنے لگی کوشش کی، پیدا ہونے ہی امدادوں
 سے راحت گینے شروع کرے، ماشاء اللہ جو نہار بردار کے چلے چکے
 پر سے بچہ کو بگاڑ دینا لوگوں کے باتیں ہاتھ کا کرتب سلجھا کر،
 بے انتہاء لگا با۔ اور پیسہ ٹھونک دی، اب ہمارے زمین پر

ہیوں بنے گئے، آپ دہا گندی، مزاج فہمی، سپول کر فیل بے دم
 ہو گئے، نقاد کے نقاد میں دھنر اور این فن تنقید کا فتنہ
 دیکھ کر تعجب تھا کہ الہی دلایت شاہ جی کو درتہ میں ملی تھی، مگر علمیت
 بھی کیا سینہ بہ سینہ غمتوں پرے والی چیز ہے، شاہ جی اور تنقید
 ہر دو کسی نے سپول رکھے با شمع "کوئی مشرق ہے اس یہیہ رنگاری
 میں، جناب کا تہجر، دستور العیال تک محدود، مطالعہ شریک کے نادول
 تک غم، وقفیت، دولت خانہ کا نام یہ وہ کلائی، اس وجہ سے
 ہے کہ وہاں کچھڑے آباد ہیں، تہجر یہ کہ ذرا ذرا سی باتوں کا سمجھنا
 مشکل ہو جاتا ہے، طرہ یہ کہ کچھ سبب قرات دے گی نہیں پوچھیجے
 خدا خیر ہی کرے یاروں نے تحصیل دے کر سامنے تو رکھ لیا
 ہے کہیں ہوا کا جھونکا اس مرمول کے تحصیل کی حقیقت نہ کھول دے
 زانڈر کو دیکھ کر آگے بڑھ گئے، خاکہ نہیں اڑا یا۔
 بلکہ چاند سیفاک والی، حضرت قمریہ کی تو غضب ہی کتا شہوتی
 کے گلہ سستہ کا نام "انوار قمر" رکھ لیا۔ یہ کو شاہ جی کسی طرح
 سوزوں نہیں سمجھتے، انڈیہ قمر کی جنتری کیا ہو نا یا کسی لالین کے
 کارخانہ کا نام ہو نا۔ شاہ جی نے سیر ضبط کیا، کام تو گالیوں کا تھا
 مگر برعکس نمد نام رنگی کا ٹودہ ہی دیکھ کر بیچھا چھوڑ دیا۔ رہا اس کا
 جواب کہ جناب قمر نے اپنی تاریکی خیال کو جھکانے سے گئے اپنی
 تنصیح کی مناسبت سے نام رکھا۔ آتش کا شریک ہے
 گلے نہ سہی چرانے، دیتے دیتے گالیاں صاحب
 زباں بگڑی سٹی خبر لیجئے، دہن بگڑا

اس اندکچہ نہ کیا جائے ورنہ ہم سے بگڑ جائے گی۔ معریہ طبع
 نہایت فرسودہ ادبیا مال ہے۔ بے شک ہے شاہ جی کے دیوان
 میں بھی اسی طرح پرند غزل موجود ہے آخذ معریہ طرح شاہ جی سے
 تجویز کرایا جائے، کیا سمجھا ہے شاہ جی قیصر نہیں ہیں یا ان کا کلام
 مشہور نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ دنیا میں شہرہ نہ ہوا کسی نے
 زنا، آٹھ گھوڑے والے بھی شاہ صاحب کے فیض سخن سے اب تک
 نفی محذوم ہوں، عالم بالا پر ایک ایک فرستہ آپ کے دیوان کا حافظ
 ہے تا عمر ہوئے کا ادنیٰ ثبوت تو یہ ہے کہ دیگر تخلص فرماتے ہیں
 دل گیر تخلص و محکمہ دل آزاری کر کے سے بھی قیصر ہو جاتا ہے۔
 کشتوری لال قمر لکھی

فرصت صاحب لکھنؤ کے لئے دے دے تھے
 اور مستفیدین فرخ آباد نے ان کو مجبور
 کیا کہ آپ فرخ آباد میں مقیم ہوں اور اپنی ملکیت و ایڈٹری میں ملحدہ
 انوار قمر لکھیں اور ہم لوگوں کا جو آپ کے فکر میں اور اپنا اس پر
 کلام شائع کیجئے۔ چنانچہ اس گلہ سے میں منشی فتح عباد اللہ تحسین
 منشی، اختر فرخ آبادی، ڈاکٹر راج زائنم اختر فرخ آبادی، منشی
 بدر فرخ الحسن بدر فرخ آبادی، جناب منشی حیرت علی حقی حادقا
 محمد صدیق حسن تاقب راتہ بریلوی، منشی رضا محمد صاحب رشتہ
 مدایونی، سید جواد علی شاہ جناب منشی محمد زائنم محمد فرخ آبادی، بابا
 بستری دہلی، میر فرخ آبادی اور خلیفہ کانت لال پال فرخ آبادی و
 قمر صاحب کے شاگرد تھے، ان کا اند قمر صاحب کا انوار قمر میں کلام
 چھپا ہے۔ چنانچہ قمر صاحب کا مارچ ۱۹۱۷ء کے شمارے میں

یہ کلام چھپا تھا

آئیں وہ ثوق سے جو نمانے کو آئیں گے
ہم خود ملے ہوئے ہیں ہیں کیا مائیں گے
جیاب ہو نہ سینے میں لے آہ شد بار
دم لینے دے، اے سچے سچ کسی آزمائیں گے
لو یہ بھی راز فصیح کے جتن سے کھل گیا
وہ بھی جلیں گے، دل جو کسی کا جلائیں گے
وہ ظلم آستان ہیں، حسینانِ سنگِ دل
جو ان پہ جان دے گا اسی کو مائیں گے
بچی نظر سے دیکھ رہے ہیں عہدِ عمر
ایسا یہ ہے کہ خاک میں تھکوا ملائیں گے

انوار الصوفیہ | لاہور سے انجمن خدام الصوفیہ کا یہ آرگن
جنوری سال ۱۹۹۷ء کو جاری ہوا۔ ۲۴ صفحات

پر نکلتا تھا، ایڈیٹر و پبلشر فشی حاتم الدین تھے۔ سالانہ فیہ سوا
دو روپے یہ تھا۔ یزین سیٹم پر لیس لاہور میں طبع ہوتا تھا۔
اس سال کے سرورق پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا۔

گلشن میں ہمسایہ کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس چول کو تو جھٹکا ہوا تو تیری ہے

مسلم گزٹ

کلمتہ سے خبری سلسلہ کو یہ سفتہ دار اخبار وجود میں آیا ہے اسٹوٹنوں پر مشتمل تھا سید وحید الدین سلیم اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ سے محصول لاکھ ڈھائی روپے تھا۔ فردی سلسلہ کے ارد گردے معنی علی گڑھ میں اس اخبار پر نظر ہوا ہے، مولانا حسرت مہمانی لکھتے ہیں۔

”خبری سلسلہ کے اس نام کا ایک سفتہ دار قومی سیاسی اہل اہم تمدنی اہد اخبار کلمتہ سے نکلتا شروع ہوا ہے اس اخبار کی تصنیف ۲۰ x ۲۶ تمام موجودہ اردو اخباروں سے بڑی ہے اس نے اس کے آٹھ سٹیکوں کا معقول دوسرے اخباروں کے ۱۶ صفحاتوں سے بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ سلمان اخبار جو ناسر سید کی غلط ریاضی کے سرورہ ہونے کے علاوہ پریس ایکٹ کی سختیوں سے اس درجہ خوف زدہ ہو گئے ہیں کہ ان کی تحریروں میں جذبات خیال یا آزاد کی رائے کی تلاش ہمیشہ بے سود ثابت ہوا کرتی ہے، اخبارچہ مسلم گزٹ کو سبھی سم اس نقص عام سے بری نہیں کہہ سکتے تاہم اتنا مزور ہے کہ دیگر سلسلانی اخبارات کے مقابل میں اس سے مضامین نسبتاً زیادہ آزاد اور اس کی رائے زیادہ بے باک ہوتی ہے لٹریچر کے اعتبار سے غالباً صرف اتنا متا دینا کافی ہوگا کہ اس کے ایڈیٹر فروزی سید وحید الدین سلیم ہیں جن نے قلم کا زور سعادت اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے صفحات پر بار بار کورسز میں اہل فطرت سے اپنے کمال کی داد حاصل کر چکا ہے۔“

دار فروعی سلسلہ کے شمارے میں ایک عربی شاعر درج ہے نیل کے کنارے پر پیشیا ہے اور تمہیں کی دور میں عینک آنکھوں

لگا کر اطلس کے میدان جنگ پر نقطہ درنا ہے اس وقت جو خیالات اس کے دل میں موجزن ہوتے ہیں ان کو وہ عربی زبان کی فصاحت کے سانچے میں کوحات ہے جس کا ترجمہ یہ ہے -

یورپ کی سیاست کا پردہ چاک ہو گیا ہے اس کے خونی اہادے اب روشن حروف میں پڑھ جاتے ہیں لے مشرق باخواب غفلت سے بیدار ہو کر ایک آگ برسانہ الاہادی غریب سے آسپا ہے اور گریب ہے کہ حدیری شہزادہ تاریخی عمارتوں کو جلا کر خاک کر دے۔ سمندر کے کنارے پر جنگی جہاز گھڑے ہوئے ہیں ابدوں سے آگ برسانے میں تیار رہا مکان جل اٹھتے ہیں اور ان کے شعلے مسلمانانِ عالم کے دلوں تک پہنچنے میں خود مرزا اور بیداد ڈاکوؤں کی ایک فوج ساحل پر اترتی ہے امد بے تحاشہ مسلمانوں کے خون سے طرابلس کی زمین زرمو جاتی ہے وہ مسلمانوں کو گرفتار کرنے میں، ان کی لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دالتے ہیں اور پرزہ نشیں عورتوں کو بوجھ اور بچوں پر رحم نہیں بھاتے۔

یورپ کی جو نیت اسلامی ملکوں کی نسبت ہے اس کے صبر سے پردہ اٹھ گیا ہے، مشرق کے نیل گوں آسمان پر خونی حروف تین یہ سطر لکھ نظر آتی ہے کہ اب جنوب مشرق کو نکل جائے گا مگر شاہ اٹلی کو خرد و آرمسلا لوں کے دلوں میں بھی تک وہ آگ دہی ہے جس کی جھگڑاں وسط یورپ کے دامن تک پہنچ چکی ہیں، اے طرابلس کے مسلمانوں! تم پر مرزا آفریں ہے کہ تمہارے جنگی کارناموں نے صدی قدیم شہزادہ تاریخی کو زندہ کر دیا ہے۔ تم نے اپنے اسلاف کی طرح

قسم کھائی ہے کہ اگر وہ ہم تک اپنی آزادی کو محفوظ رکھو گے خدا تمہارے ہاتھوں میں برکت دے اور ہاتھوں میں طاقت دے۔

تم عین اس وقت جیکہ تمہارے سروں پر آگ برستی ہے، اور دھوس کے بادل تم کو گھیر رہے ہوتے ہیں نہایت بے باکی اور دلیری سے آگے بڑھتے ہو اور دشمن کی توہین کو فحاش کر دیتے ہو۔ تمہارے حریفوں نے اعلان کیا تھا کہ مدد ملے گا مگر اس کی سلطنت میں شامل کر لیا جائے مگر حالت یہ ہے کہ وہ سمندر کے ساحل سے ایک اپج آگے بڑھنے اور تمہاری تلواروں کے آگے سینہ نہیں ہوتے۔

اے عالی ہمت اور جفاکش دلیر! تمہاری غیرت کبھی اس کو قبول نہیں کرے گی کہ تم صلیب کی پریش کر ڈالو گے ہر گز نہیں کر دے گے۔ عنقریب وہ وقت آتا ہے جیکہ تمہارے دشمن دانت پیستے اور غصہ سے بیج دتا بکھاتے اس سرزمین سے بھاگ جاتیں گے، دنیا بھر کے مسلمان تمہاری شہادت دلیری پر جو جھوٹ کر رہے ہیں ان کو یقین ہے کہ تم ان امیدوں کو باطل نہیں کر دے گے، کروڑوں دلوں کی آرزویں تمہارے ساتھ ہیں۔

یہ اخبار آزاد خیال تھا، اس کی دو مرتبہ جہانگیر علی گنجیں، جس پر یکم جون ۱۹۰۷ء کے عصر جدید پیر شمع نے تبصرہ کیا تھا۔ ہم کو اس بات کے معلوم ہونے سے خوش ہوا کہ مسلم محوٹ لکھنؤ جو ایک آزاد خیال اخبار تھا۔ دوبارہ بند ہو گیا اس اخبار کے بانی اور مالک اور سید میر جمال صاحب ایک جو قبیلے نوجوان اور

اردو کے سزز و شبکہ دار میں بد افتد اور میں اخبار کی پالیسی زیادہ تر مولیٰ
 سید وحید الدین سلیم ایڈیٹر کے ہاتھ میں تھی اور جس زمانہ میں یہ افتد
 شائع ہوا، اس وقت قوم میں عام جو خوش تھا۔ اس واسطے اخبار کی طرز
 عام طور پر پسند کی گئی اگرچہ مسلم گزٹ عامیانہ تحریریں سے بچتا تھا
 مگر سیدوں کے سنت خلاف تھا۔ علاوہ اس کے ایڈیٹر ایک لائق
 نختہ کارانت پروردن تھے، جن میں آزادی اور فصاحت کی روح
 کوٹ کوٹ کر سہری تھی، اپنے فقط فطر سے اور اصول کے لحاظ سے
 وہ بالکل متعبد تھے لیکن اس بات کو اسوں نے نظر انداز کر دیا
 تھا کہ ایک ہزار کوس کی گورنمنٹ کو بھی اپنے معاملے پر نظر ڈالنا ضروری
 ہے۔ ایک پریس ایکٹ نہایت وسیع معنوں میں اخباروں کا نگل
 ہے، بہر حال سید میر جلال صاحب نے کسی نہ کسی وجہ سے لکھنؤ کے
 مقامی حکام سے معافی مانگ لی اور لائق ایڈیٹر کو علیحدہ کر دیا اور
 اس کے بعد چار خبروں کے بعد ہی ایک پرچہ نکالا۔ جس میں ایک سیاہ
 خنارے کی تصویر تھی اور اس کا نام "مسلم گزٹ" کا خنارہ رکھا
 اس کے بعد ۱۵، ۱۶ مئی تک اخبار بند رہا۔

۱۷، ۱۸ مئی کے بعد بغیر جدید ضمانت دے ہمارے دوست
 سید فقیر حسن صاحب قتل لے جو سید وزیر حسن صاحب سکرٹری
 مسلم لیگ کے چوٹے سہائی ہیں۔ اس اخبار کو غالباً سید میر جلال
 صاحب کی بھارت سے دوبارہ زندہ کیا، سید فقیر حسن قتل میں گورنمنٹ
 سلیم کی سی قوت اثر پر دانی نہ تھی لیکن کام کر کے کاخوری اور جوش
 اور آزادی کی طرح کم نہ تھی، اسوں نے اعتراضات کرنے میں اپنے

سجائی سید مذہب حسن کا پاس کیا، نہ آئیں راہ صاحب محمود آباد کا۔
 اندر مسجد حوت پسند اخباروں کا، مگر اخبار نے مسودہ قانون
 تو حین عدالت پر غالب خود حوالہ دیا مضامین لکھے جس سے
 یلک کی خدمت گواہوں نے ادا کی، لیکن اقتدار سے دوسری کی ضمانت
 طلب کر لی تھی۔ اس ضمانت کا ادا کرنا خطرے سے خالی نہ تھا اس
 نے مسلم تحریک کو ہند کیا گیا۔

الوار عالم | پٹن بازار دہلی و دن سے جنوری ۱۹۱۵ء کو
 یہ سہفتہ دلہ اخبار۔ جلوہ افروز ہوا ۲۶۶۲۰ سائز
 پر ۱۲ صفحوں پر یکم، ۸، ۱۵، ۲۳ کو نکلتا تھا، سالانہ چندہ دو
 روپے تھا۔

غیر عالم مراد آباد کے شمارے ۳۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں اس
 اخبار کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوا۔

”یہ دیرہ دن کا ایک سہفتہ دلہ اخبار ہے جو اردو زبان
 میں ہر انگریزی مہینے کی یکم ۸، ۱۵، ۲۳ کو نہایت آب و تاب سے
 ۱۲، ۱۴، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۲ کو نکلیں گے بارہ صفحوں پر شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار میں
 ہر سہفتہ اخلاقی، تمدنی، علمی، ادبی نشر و نظم کے مضامین زبردست
 اپنی قلم کے درجہ ہوتے ہیں۔ یکم ستمبر ۱۹۱۵ء سے ایک اخلاقی
 ناول کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔ الوار عالم میں ہر مسد پر نہایت
 آزادانہ بحث کی جاتی ہے، قیمت سالانہ دو روپے،“

حیدر آباد دکن سے جنوری ۱۹۱۵ء کو یہ علمی
لسان الہند | رسالہ جلوہ افروز ہوا ۱۲ صفحوں پر نکلتا تھا

فہمیں العلماء و رجال بہادر نواب عزیز جنگ دلا اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ
چند ایک روپیہ تنخواہ۔ عزیز السطایح حیدر آباد دکن میں طبع ہوتا تھا
اس رسالہ کا مقصد زبان فارسی کا مختصر کلام اور بعض قواعد فارسی
اور یہ الفاظ کا بیان اور نیز زبان اردو کے ان الفاظ سے بحث
کنا جس کا استعمال دکن میں ہے اور دہلی و کھنہ میں نہیں پایا گیا۔
جس کے لئے دہلی زبان کی توجہ درکار ہے۔

ادب | پٹیلہ سے جنوری ۱۸۸۷ء کو یہ ماہوار رسالہ عالم
وجود میں آیا۔ ۱۰ صفحات پر مشتمل تھا ایڈیٹر مولوی
مصطفیٰ خان صاحب بی اے تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔
اس رسالہ پر ادیب الہ آباد کے پرچہ ایریل سلطانہ میں
یہ ریویو لکھا ہے۔

”ادب و علم و ادب کا ایک ماہوار رسالہ جو شرمع سال سے
نڈیر ایڈیٹری مولوی مصطفیٰ خان صاحب بی اے لاہور سے شائع
ہونے لگا ہے، اس کے مینمبر اس وقت ہائے پیش نظر ہیں۔
انہی سے مضامین کی فہرست میں خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب
مولانا حافظ نقوی صاحب آزاد و عظیم آبادی وغیرہ کے نام نظر
آئے گئے ہیں جس سے فاضل ایڈیٹری روشن خیالی اور جدوجہد کا
صاف پتہ چلتا ہے، ایک نمبر سے دوسرا نمبر نکھڑا ہوا ہے اور جو کچھ
ساتھ کے پرچوں میں رہ گئی ہے وہ دودھ پوٹی مائی ہے نظیں بھی اچھی
ہوتی ہیں اس لئے ملک میں سیاست بھی داخل ہے، امیر کے
نمبر میں ترکوں کی شکست کے اسباب پر بحث کی گئی ہے، رائے

سلمی ہوتی ہے ہیں بڑی سرت ہے کہ دور سائی کی فہرست میں
ایک قابلِ قضاغہ ہو گیا ہے ۵

حیدر آباد دکن سے جنوری ۱۸۷۷ء کو یہ رسالہ
شاید سخن | نود و سوا ۱۲ صفحات پر لکھا تھا، ایڈیٹر دالک
گوند پریشاد احسان تھے، سالانہ چندہ درود ہے حیدر آباد کے شاعرانی پر
چار آنے قیمت تھی، انکا پریس میں چھپتا تھا۔

اس سال میں ادبی، اخلاقی، تاریخی اور تنقیدی مضامین شائع
ہوتے تھے، اس کے معنون نگاروں بہادر مرزا سلطان احمد، رحمت اللہ
خان، محمد مجید ازہدی بسمل، سیرقا در علی خان، طالب بنارسى بازغ
حیدر آبادی اور حضرت عشق تھے۔

اولد مقرر فرخ آباد کے شاعر ۱۸۷۷ء میں اس سال کا یہ
انتہار شائع ہوا تھا۔

یہ گلدستہ ہر انگریزی جینے کی آخری تاریخوں میں جناب
منشی گوند پریشاد صاحب احسان کی ایڈیٹری میں حیدر آباد دکن
سے شائع ہوتا تھا۔ جس میں علمی، ادبی، اطلاقی، تمدنی، معاشرتی
تاریخی، فلسفی مضامین وغیرہ طرز و غیر طرز کی نہایت دلچسپ
و قابلِ دید و رنج ہوتے ہیں، کاغذ دھپائی نفیس، ساکھ ۱۸۷۷ء
کا خورا اور بھیج سے جنوری ۱۸۷۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ
العلم | حیدر نکلن ہوا ایڈیٹر حکیم ابو العلامہ احمد ناطق

لکھنؤ تھے ۱۲ صفحات پر لکھا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا
فلسفہ تاریخ نقود پر مضامین لکھے جاتے تھے تنقید بھی کی جاتی تھی

اور ایک ناول بالاقطہ چھپتا تھا۔ صرف دو نواروں کے لئے آٹھ صفحے مقرر تھے، امیر اللغات کا حصہ بھی شائع ہوتا تھا۔

ادیب الاآباد کے ضامے اپریل ۱۹۷۷ء میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

”ایک ماسوار رسالہ جو زیر ایڈٹری حکیم ابوالعلمہ احمد ناطق لکھنوی کانپور سے شائع ہوتا ہے اس کی پہلی جلد کا اول حصہ ہمارے پاس ریویو کے لئے آیا ہے اور ذیل پر بحث کرنا اس کے مقاصد میں داخل ہے۔“

امیر اللغات حصہ سویم حرفت ب سے، تاریخ تصوف، ناول تنقید، نظم منتخب، فلسفہ حکمت، ادبی تاریخ کے نکات، اردو صرف و نحو وغیرہ، یہ مضامین حوصلہ افزا ہیں اور پہلے نمبر میں اس کا عملی ثبوت بھی دیا گیا ہے۔ اس نمبر میں ۸ مضامین ہیں اور سب کا آمد، صفحہ ۵ ایر عربی، ہندی اردو کی شاعرانہ تخیل میں لائق ایڈیٹر صاحب نے حورق دکھانے کی کوشش کی ہے واقعی دل چاہے لیکن افسوس ہے کہ وہ معنوں میں ناکمل ہے مجموعی حیثیت سے سالانہ کے مفید ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

حیدرآباد دکن چار منیڈ سے یہ مفت دار اخبار حکیم عثمان گزٹ | جنوری ۱۹۷۷ء کو ظہور پذیر ہوا۔ چار صفحات پر کھنسل تھا۔ محمد عبدالحی مہتمم تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس اخبار میں تانہ ترین خبریں، علمی، افلاکی، تاریخی، معاشرتی تمدنی مضامین اور مفید معلومات کے علاوہ ترکی، انگریزی فارسی مرہٹی

مجموعاتی، اخبارات کے اعلیٰ دل چسپ تراجم شائع ہوتے تھے، اس اخبار کے جاری ہونے کا اٹھنا۔ اخبارِ مخبرِ عالم مراد آباد کے شہرے ۵ دسمبر ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا تھا۔

۳۔ اگرہ سے جوہری سلاسل کو یہ ماہانہ رسالہ نمودار **نقد** ہوا۔ ۵ صفحات پر مشتمل تھا، سید نظام الدین دکنی نے اکبر آبادی ایڈیٹر تھے، سالانہ چند تین روپے تھا۔ قیمت فی پرچہ چار آنے تھی، مبلغِ نشی اگرہ میں چھپتا تھا۔

رسالہ کے سرورق پر یہ شعر نیا زینتِ پوری کا درج ہوتا تھا۔

الہی سایہ دار و قمر باد

نبالِ حضرت دیگر نقد

۱۳ ۱۹۰۶

رسالہ کے مقاصد یہ تھے۔

- ۱۔ نقد کا زمینِ ادب میں فنِ تنقید کا زندہ کرنا۔
- ۲۔ نقدِ فاضلِ ادبی، علمی اور تاریخی، مبین ہے پائلیس اور مذہبی مباحثوں سے اس کو کچھ واسطہ نہ ہو گا۔
- ۳۔ نقد کی اشاعت سے بڑی غرض یہ ہے کہ ملک میں پاکیزہ لٹریچر کا فوٹو پیدا کیا جائے اور کوثر کی دھوئی زبانِ اردو کی قدر وانی کی طرف انہائے وطن کو مائل کیا جائے۔
- ۴۔ نقد کا مہاراشٹر، پردہ لڑی اس بیان پر لکھا گیا ہے کہ لڑیچر خود بتائے کہ کھسے والے کس درجے کے ہیں۔
- ۵۔ نقدِ ماہی زبان کو کلاسیکل بنانے کی ہر اسکاکی کوثرش کرے گا۔

۶۔ نقاد کو معنوی حیثیت سے لپک ٹونہ ناکر سلیک کے سامنے پیش کیا جائے۔
 ۷۔ نقاد کے ذریعے کوشش کی جائے گی کہ ادبی محاسن و کمالات کی پوری پوری داد دی جائے۔

جنوری علماء کے پہلے شمارے میں تنقید کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، لکھتے ہیں۔

انہوں اس بے اعتدالی کے محکوم ہیں پڑ کے فن تنقید بالکل مٹ گیا ہے جو ملک و قوم کا سب سے بڑا نقصان ہے اور مدنی خرابیوں اور ادب و انصاف کی جڑ بھی ہے۔ جب اس میدان کا سد باب ہو گیا کہ نہ کوئی ایسا ہے کہ صحیح راستہ چلنے میں ہماری حوصلہ افزائی کرے اور نہ کوئی اتنا کم کنویں میں گرتے یا آگ میں بھانڈے ہوں، اور ہمارا ہاتھ پکڑے تو پھر ہمیں اپنی فلاح و ترقی کی کیا امید ہو سکتی ہے جو غم سے دیکھا جائے تو قوم کے بھگوان کی اصل وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہی فن تنقید کا ہاتھ نہ رہنا یا ملتی رہنا تو غلط ہوں پر، اسی انسان کی علمی و دیکھ کے نقاد لکھا جاتا ہے جس کے ذریعے سے کوشش کی جائے گی کہ جہانگیر بنے تنقید کا فن زندہ کیا جائے اور جن لوگوں کو خدا نے سچی جانچ کرنے والی نظر دی ہے ان کے کمالات سے فائدہ اٹھایا جائے، ہم نے اوپر یہ نقشہ ظاہر کیا ہے کہ ایسا نہ تو نقاد کا نام سن کر لوگ سب داک حائیں بھاگتے کی کوئی وجہ نہیں، نقاد کا کام جس طرح یہ ہو گا کہ لوگوں کے اصلی عیوب و نکال کے ان کی نگاہ کے سامنے پیش کر دے جائیں اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر یہ فرض بھی نقاد نے اپنے ذریعہ ہے کہ کمالات

اور محاسن کی داد دی جائے۔
 فروری سنہ ۱۳۱۰ء کے شمارے کے معاین سے اس رسالہ کی
 پوزیشن کا پتہ کچھ نہ کچھ لگ سکتا ہے۔ ان کی فہرست یہ ہے۔
 ۱۔ منہستان میں مدنیۃ الخلافہ قرطبہ کی ایک جھلک، از مولانا
 سعید احمد مہر دی۔

۲۔ تمدن، از خان بہادر مرزا سلطان احمد دہریال ریاست جہلم
 ۳۔ کتاب کی جھڑ جھڑ، از مولوی نیاز احمد خان صاحب نیاز قتیوری۔
 ۴۔ تھری حسی، از مولانا ابوالکلام آزاد مولوی ایڈیٹر دہلی
 ۵۔ میں کہا ہوں، از ڈاکٹر فیاض عباس ہاشمی پٹنوی۔
 ۶۔ گلاب کا سہول، از مولوی قرا حسن صاحب قمر بدایونی
 کشتیری ٹیکزین لاہور نے اپنے شمارہ اکتوبر سنہ ۱۳۱۰ء میں
 اس رسالہ پر ریویو کیا تھا۔

۷۔ اردو علم و ادب کے بہت سے رسالے جاری ہوئے جن
 حیدر آباد دکن، تہذیب الاخلاق علی گڑھ، زمانہ، تیرہویں صدی
 آگرہ، یادری رحیب علی کانیپا ریویو، ادیب الہ آباد،
 مزن نامور، المنظر لکھنؤ، نقاد آگرہ، السامری لکھنؤ
 یکے بعد دیگرے لکھے جن میں سے اب زمانہ، مزن، المناظر اور
 نقاد جاری ہیں ان میں ہر ایک علم و ادب کی مناسب خدمت کر رہا
 ہے، مگر ان رسالوں میں سے نقاد آگرہ کو بہ حیثیت اس کی نثریری خوبیوں
 اور اس کی اعلیٰ طرز و اثر کے فاصلہ پر بلک کے قدردانی کے قابل
 سمجھے ہیں۔ حضرت ریاض اور حضرت اکبر الہ آبادی ان اصحاب کا

بالا التزام نقد میں چھپا کرتا ہے۔ یہ دونوں استاد ذہن سخن کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں، اس پر مولانا زبد جو رسالے کے ایڈیٹر ہیں خود بھی نظم و نثر میں کمال رکھتے ہیں، اردو زبان کی زبانی تعریف کرنے والے تو بہت ہیں لیکن جب اردو زبان کے رسالوں کی اشاعت کی طرف دیکھا جاتا ہے تو انہیں ہوتا ہے، امید ہے کہ جلد خصوصاً مسلم پبلک اردو کے اس نامور رسالے کی ضرورت قدر دانی کرے گی۔

مولانا محمد علی صاحب بزدل کی ملازمت کے زمانہ **ہمسدرد** سے صحافی دنیا میں آنے سے بے چین تھے مائیکرافٹ انڈیا میں ان کے مضامین چھپنے شروع ہو چکے تھے یہ ابتدا کسی اخبار کی کریمید عورتوں کو ناشر شروع ہو گیا تھا کہ اخبار لکھا جائے تو کس پایہ کا ہو، اس کے لئے اس کے ذہن میں آنے لگے تھے اسی اثنا میں ایک واقعہ کار نے جو اخبار لکھنا چاہتا تھا، اخبار کے بارے میں پتہ کیا جس کا جواب آپ نے دیا۔ اس کا خلاصہ د معلوم یہ تھا۔

۱۔ اخبار کو ذاتیات سے بالاتر ہو کر لکھنا چاہیے نہ اس میں خوشامد ہونہ بے نیکی اور سمجھنڈی مخالفت، معقولیت کے ساتھ نکتہ چینی کرنی چاہیے۔

۲۔ جو کچھ تحریر کیا جائے، متانت سے ہوا عبارت آرائی سے کام نہ لیا جائے اور نہ لوگوں کے چٹکیاں لی جائیں۔

۳۔ اخبار کا مقصد اپنی قوم کو فائدہ پہنچانا چاہیے لیکن دوسری قوم کو نقصان نہ پہنچنے، مذہبی بحثوں سے اخبار کو غلو نہ رکھنا چاہیے۔

- ۴۔ اخبار میں صبح اور مصدقہ خبریں ہونی چاہئیں۔ جو انگریزی کے مستند اخبارات سے لی جائیں مگر زیادہ حصہ خبروں کا ہونا چاہیے۔
- ۵۔ مقالہ اقتصادی کسی اہم اور ضروری واقعہ و مسئلہ پر لکھا جائے، سبھتی کا نہ ہو۔ اور اس کے لکھنے کے لئے مانت فی آور محنت کرنی چاہیے۔

خیال حضرت مولانا محمد علی شاہ عزمی بڑودہ کی ملازمت سے اس کے عہدہ پر آئے کہ اس سے زیادہ وسیع دائرہ میں رہ کر ملک و ملت کی خدمت کریں۔ کامریڈ نکالنے کے لئے آپ ملک گئے اس وقت ان کا خیال تھا کہ انگریزی ہیئتہ در اخبار حکومت کو حالات سے مطلع کرنے کے لئے اور ہندوستان کی دوسری قوموں کو بھی ملت اسلامیہ کے افکار و خیالات سے باخبر رکھنے اور بیرون ہند کی اسلامی اور غیر اسلامی دنیا کو بھی آگاہ کرنے کے لئے نکالا جائے۔ اور باقی سالانہ ہند کی خدمت کے لئے جو اس ملت مرحوم کا سوارِ عظیم میں ایک روزنامہ اردو میں شائع کیا جائے۔ خیال یہ آپ کے ملک سے کامریڈ نکالا۔ ایک سال کے بعد جبکہ وہی سے کامریڈ کا پہلا پرچہ شائع ہوا تو مرک جو اسی جنگِ طرابلس کی مصیبت سے نکلنے نہ پاتے تھے کہ جنگِ لبنان کی نئی مصیبت سے دوچار ہو گئے، اردو کی ٹائپ کی کمی کا وجہ سے ایک حصہ تک ہمدرد نہ نکلی سکا اور اس کا ایڈیٹر بل ٹلر اس تمام عرصہ میں بیکار بیٹھا رہا اور تنہو ایسے ان کو دی جاتی رہیں۔

اخبار امجد جن اور امن کے تحت اور حسین اندازِ نشان سے

مولانا زکریا صاحب نے فرمایا۔ اس کا ایک قصہ درخاکہ، ۲۴ اپریل ۱۹۱۲ء کے کارمیل میں آپ نے تقریر فرمایا۔ انہوں نے بتایا کہ۔
”میں ایک ایسا ادلی درہ کا اردو روزنامہ جاری کرنا

چاہتا تھا جس میں سجاد حیدر علی، غنائت اللہ، مولوی عبدالستار، انوار جہ غلام الثقلین، علی محمد عبدالقادر محفوظی، ملک عبداللہ، اقبال سہی اور کان اذراہ سہی۔ میرے اخبار کے سائزر پر آٹھ صفحے ہوں جن میں کم از کم چھ صفحے بڑھنے کے لئے نوڈر پر مشتمل ہوں۔ رائٹر اور ایڈیٹر

ایڈیٹر پریس کی سرورس لی جاتے، اس کے علاوہ کئی سفیری نامہ نگار مقرر ہوں۔ جو ملک کے بعض علاقوں میں محکمہ پھر کر جانے کے ساتھ کریں اور دنیا فوٹو سٹا ان علاقوں کے عوام کے حالات، ضروریات، تشکایات، سیاسی آراء، انصاف اور تعلیم وغیرہ پر سکا تیب لکھ کر لیں۔ علاوہ ان کے ان کے مخصوص شعاع کے بڑے اہتمام سے ایسے ایسے لوگوں سے کہو کہ جیسے جیسے عوام متعلقہ سرحدات کا خاص مطالعہ کر رہے ہوں گے ان کے حالات کا نقد و تحکیم کر کے ان کے لئے ان موضوعات پر مقالات و صحائف جمع کئے جائیں۔“

۱۔ جوہر کی سیاسی فہمیریوں کے سیاسی نظریات

۲۔ محمد علی جوہر کی تاریخ

۳۔ جدید پاکستان کے آئین۔

- ۴۔ بین الاقوامی قانون کا ارتقار اور موجودہ کیفیت۔
 - ۵۔ دنیا کی انواع اور سمندری بیڑے۔
 - ۶۔ یورپی ۵ قوتوں کے معاہدے اور گھڑ جوڑ اور ان کے اباب۔
 - ۷۔ مختلف دلستان ہائے معاشیات کے نظریات،
 - ۸۔ مختلف مالک کی تہارت اور صنعت و حرکت۔
 - ۹۔ مختلف ملکوں کے بجٹ۔
 - ۱۰۔ مختلف زبانوں میں ادب کا نشوونما و ارتقار،
 - ۱۱۔ مختلف مالک کے فنون۔
 - ۱۲۔ اسلامی مملکتوں کے عروج و زوال کی دات نمیں۔
 - ۱۳۔ دنیا کی یونیورسٹیاں۔
 - ۱۴۔ مختلف مالک میں عورتوں کی حیثیت۔
- میدور اخبار کے نکلنے میں جتنی دیر لگتی، موطنا کے احباب تقاضہ پر تقاضہ کرنے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک مدد حکیم اجل خان صاحب کامریڈ کے دفتر میں تشریف لائے اور دریافت کیا کہ میدور کے اجراء میں کیا دیر ہے، مولانا محمد علی صاحب نے کہا اسکی پر سے اخبار کے لئے ٹائپ نہیں آتا ہے۔ زمانے گئے آج کل خبروں کی پیمرسانی کی سخت ضرورت ہے۔ اگر پورا اخبار نہ نکال سکے تو صفحہ در صفحہ کا ہی نکال دیجئے آمدنی کسی سوگی اور ملک خدمت بھی لے۔
- چنانچہ مولانا محمد علی صاحب نے اس مشورہ پر فوراً عمل کیا۔

مہم در ۲۴ فروری ۱۹۷۱ء کو کراچی میں دہلی سے مددگار ہوا
 ایک دہائی میں دو مصلحتوں پر مشتمل تھا۔ ۲۰۷۰ برلکھا تھا۔ مہم در پریس میں
 طبع ہوتا تھا، اس کی چھاپائی لیتھو کی کہیں تھی بلکہ اردو ٹائپ میں ہوتی
 تھی۔

سردار قے مزدور میں داعیوں اسماعیل اللہ حمیدؒ، تحریر منتخب
 اس کے بعد جامع مسجد دہلی کی تصویر دی گئی تھی جس کے نیچے یہ عبارت
 لکھی ہوئی تھی جب بلقان کی تازہ خبریں اور ان پر تنقید۔
 حضرت مولانا الطاف حسین صاحب حالی نے ایک رباعی
 مہم در اخبار کے اجوار کے سلسلہ میں لکھی تھی، جس کی فرمائش مولانا محمد
 علی صاحب نے فرمائی تھی وہ رباعی حسب ذیل عبارت کے ساتھ پہلے
 صفحہ پر درج تھی۔

”مولانا حالی خطہ اعلیٰ نے باوجود صغیر لسانی مالی، ہماری
 امتیاز، اتنی نہیں بلکہ سب کو مسترد نہیں فرمایا اور ہم کو اپنے گلستان
 تخم سے خوشہ چینی کر کے ایک ڈالی تیار کرنے کی اجازت دی ہے، جو
 نہ صرف ناظرین کی قدردانی کو بڑھانے بلکہ رب الفلین کے محبت و رحمت
 کو جوش میں لانے کے لئے آج پیش کی جاتی ہے۔“

عزت کی نیت، نہ حفاظتوں کی طلب

اک قوم کی خدمت کی ہے خواہش یارب

مہم در کو اسم اسمی تمیز،

اس نام کی لاج ترے ہاتھ ہے اب

یہ اخبار جنگ بلقان کے خاتمہ کے وقت جاری ہوا، بلکہ ایک چینی

کے بعد وسط مارچ میں ترکی کی مسلح سبھی ہو گئی تھی، اخبار کے ابتدائی
 رپورٹوں میں سوائے جنگ بلقان کی خبروں کے اور ان پر تبصرہوں کے یا
 ترکی حکومت کے قرضہ تسکات کو دینے کے بارے میں اسل کے اور
 کوئی ملکی وغیرہ کی خبریں شائع نہیں ہوتی تھیں۔

یہ اخبار کن واقعات سے سمجھ رہا کہ اور کن اغراض کے ساتھ مولانا
 محمد علی نے جلدی کیا تھا، اس کا اظہار ۲۳ فروری ۱۹۱۵ء کے پہلے
 شمارے کے افتتاحی مقالے میں کیا ہے۔ عنوان ہے "نقیب مجدد"
 "مجدد" جہانکا کرنے کا خیال ایک فی اللہ یہ نتیجہ نکل نہیں کہ وزن
 اور تانیہ کے قالب میں ڈھل کر ایک ذرا دیر میں احباب کی مجلس میں
 ہل چل ڈال دے۔ کسی گھبراتے ہوئے دل کا ایک عارضی جذبہ
 جسے قوت دہمہ بلیک مارنے ہی صورت کا لباس پہنا کر موجود کر دیتے
 بلکہ یہ نتیجہ ہے انجمنی دنیا میں عرصہ تک رہ کر ہوئی گزرتے، سنڈوں،
 ٹھوکرے کھانے اور بہت تشیب و فزاز دیکھنے، بہت غور و غور کے
 بعد قوم کی زندگی کا خلوت کردوں سے لے کر ہزاروں تک بالا متعجب
 مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ قوم کے لئے ایک ایسا
 رفیق سفر تیار کریں جو سب کے مقصود کا راستہ دور ہی سے نہ دکھا دے
 بلکہ ہم گشت گمان راہ کے ساتھ ہر منہ پاس کرے۔۔۔ اب قصہ پیدا
 کریں جو اصل داستان کو خود اس کی زبان الف بلی کی طرح
 مرد و زن سن کر ناتمام چھوڑ دیا کرے اور جب تک قوم کی فلاحیت اور
 بچھٹ ختم نہ ہو یہ داستان بھی تمام نہ ہو بلکہ مرد و زنا سے
 تکی نہ تھیں چھوٹتا رہیں اور نہ در داغٹے رہیں۔

زُفْرَحِ قَفِّ مَن نَفَقَ خَوَابِ اَز عَشِيمِ خَوَاصِ رَا

شَبِ آفْرُو گشتِ دَانِ نَ اَز اَنفِ نَ مِ خِزْد

۱۷۰۰ پرل مٹا دے کے کامریڈ میں ہم نے ان ہی امور کو پیش نظر رکھ کر پھر دئے مقصد اور پہلے کے تحت ایک سو دس بحث کی تھی اور ان ہی خیالات کو دل میں نے کر دلی کا... سفر باندھا تھا۔ پھر دے کے احراز... ثانیہ کی ترتیب و ترکیب سے واقف کد جا علت فراہم کرنے میں جو تلخ جز بے نہیں ہو رہے ہیں اگر ان کی تفصیل سے مندرجہ زعموں کے تازہ ہونے کا خوف نہ ہوتا تو آج ناظرین کے رویہ و اس ایک پرست کے دسترخوان پر اسی لڑکی مریح کی چینی کے سوا کچھ نہ ہوتا، البتہ کل ڈاکٹری مشورہ کے بعد بھرے ہوئے زخم کے ٹانگیں ٹٹے جاتی تھیں۔ اس وقت ہم ناظرین سے صرف اتنا ہی پوچھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

نیم دل گر لطف نہیں آتا

بوا بھی اے چارہ گر نہیں آتی

ہمدی شرمساری اور محبوبی کا یہ عالم ہے کہ چین سے پردہ کی نوبت پہنچی جاتی ہے۔ تاہم خیریت یہ ہے کہ ہم سردیم چشم احباب کے شکوہ میں ایک طرح کی تلخی شریعی ہوئی ہے یہ اگر چاری میں گونمواتا ہے اگر بند ہو جائیں تو بیاہ آتے ہیں محرم کے نزدیک اور محرم کی شکایت سننے کا زیرہ نہیں سمایئے احباب کو طوعاً نہیں تو کر بار دہنی کر ہی لیتے ہیں لیکن جناب قبلہ کعبہ کو اس قدر اطمینان ہے ہمارے مظلوم کا دالانہ جو ابھی موصول ہوا ہے ایک ایسی زبردست

ترکیک ہے جس نے صبر و تمکیدی کے آخر بند ٹوڑ ڈالے اور سید مدد کو
بنیان اور شکار ہی پہنے حکومت کدے سے ویسے ہا ٹکل کر رہا ہے
یا نہ ڈاٹا پڑا۔ لیکن برائے خدا اس آئندہ قہ کو سید نہ سمجھے، سید مدد
دی ہوگا، جس کا تعاقب اس معنوں کے شروع میں محبت اور ۱۲۴۷
اپریل کے کامریڈ میں غصہ کیا جیسا چکا ہے۔ البتہ یہ سید مدد کا
نقیب ہے یا اس کا حاجب۔

یک روز غار رخ ساقیت سجام افتادہ
ایک یہ وہ پی ہے قسطنطنیہ اور میدان جنگ سے ہمیشہ دوسرے
تیسرے روز تار تار رہتے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ان تاروں کو
سلمان مندرستان کے دھول کے ٹھکے سے وہ کونسی اشراقی نسبت ہے
کہ ادھر دفتر میں تار پھینچا اور ادھر استفیدی تار اور خطوط آئے
شروع ہوئے یہ کام اس قدر بڑھ گیا ہے کہ کئی محرر بھی ختم نہیں
کر سکتے، دن بھر جوابات تحریر کرنے سے ہر روز درجہ بہتر ہے کہ سید مدد
کا نقیب خود روزانہ ہر خط و دوزخ کے دروازہ پر حاضر ہو کر
روز میدان کارزد کے حالات سنایا کرے۔

یہ اخبار سلاسلہ ۶ کے آخری نمبروں میں شائع ہوا تا کہین
اس کو لیتو کے بجائے ٹائپ میں چھاپنے کا ارادہ تھا، اس نے
اس کے ٹائپ کے آنے میں کافی دیر لگی اور منتظرین کو کافی پریشانی
ہونا پڑا۔ اور کافی دیر کے بعد ٹائپ وصول ہوا، جس کی داستان
مولانا محمد علی صاحب نے قلم سے ۲۴ مارچ ۱۳۲۷ء کے شمارہ
میں پڑھے۔ عنوان ہے۔ ”آپ مٹی۔“

جو جسم سیدان شہود سے بھی سبلی یا بڑی طرح گھوڑ کر ایک دفعہ تو
 زیر زمین دفن ہو چکا ہے اس کو محد سے نکالے۔ ڈاکٹری قاعدہ
 سے اس کی فشریح کرنی اور اجاب کو نشر کھائی ہوئی رگیں دکھانے
 میں کچھ نکتہ نہیں۔ مگر ہم کل کے پرچے میں وعدہ کر چکے ہیں اس
 نئے دفعہ پسل کا تماشہ نہ سہی، لیکن اپنے خون چکان کفن کے
 کرداروں بناؤ، اسخیں مہرزد دکھائیں گئے اور ان ہی سے داد لیں گے
 اجر و اخبار کا تمہیہ کرنے سے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ماتپ کی
 فراہمی ایک ایسے کارخانے کے سپرد کریں جو الیشیا سحر میں تو مہرزد
 بہ اعتبار وسعت و کامد بار سب سے بڑا ہو، اہل مطابع واقف
 ہیں کہ جان ڈکسن کمپنی کے کلرکس سامان انطباع رسائی میں اللہ دین
 چراغ دے موکولان سے کسی طرح کم نہیں اس کی حسن نظر کی بنا پر ہم
 نے اس معاملہ کو ان سے رجوع کیا۔ ماتپ کی جو اقسام ہم نے
 دیکھی تھیں ان میں خلیل سرکس کا نمونہ سب سے زیادہ پسند
 آیا اور اسی کے سنگائے کی جان ڈکسن کمپنی سے فرمائش کی، مارچ
 سلسلہ میں ہم نے خلیل سرکس سے دریافت کر لیا تھا مگر ہم ان
 کے یہاں سے دھچلے ہوئے ماتپ کی فرمائش جیسے تودہ کھٹنے دن
 اس کی تعمیل کر سکیں گے، ان کے جواب آنے سے بعد اس اطمینان پر
 کہ خلیل فرمائش ایک مہینہ میں جو سکے گی، ہم نے جون میں ماتپ کی
 فرمائش بھیج دی اور ہدایت کی کہ پاورسل ڈاک کے ذریعہ سے بھیج کر
 خلیل فرمائش کی اطلاع تار سے دیں۔ خلیل سرکس نے اس کے جواب
 میں لکھا ہے کہ فرمائش کی تعمیل وسط اگست سے قبل نہیں ہو سکتی

اس نے نہیں ہو سکتا کہ جب جفا لعل سمجھ کر ہم نے ڈاکس کھینی کو
 لکھا کہ ٹائپ ۵۔ تب بھی پہونچے تو وہاں سے دہلی کو بذریعہ سینجر
 ٹرین روانہ کیا جائے۔ یہی تاخیر کچھ کم نہ تھی کہ فیل سرٹیس نے ہمیں
 اطلاع دی کہ ٹائپ ۵ اگست میں روانہ ہو گا۔ اس پر ستم یہ
 کیا کہ ہماری ہدایت کو نظر انداز کر کے ٹائپ کو جیتے ڈاک
 کے جہاز میں روانہ کیا، ٹائپ ۵ راکٹ برقی پہنچا اور ۱۲ راکٹ
 سینجر ٹرین سے دہلی پہنچا

اس پر بھی ہم نے شک کیا کہ ہماری پریٹ فی اور سدر کے نادیدہ
 مشاقوں کے انتظام کی مبیعا و ختم ہوئی۔ مگر معلوم ہوا کہ منور سے

پاتے مانگ است و منزلو نادیدہ
 دست ما نوتاہ و ضرما بر خلیل

ٹائپ دہلی کے اسٹیشن پر پہونچ گیا۔ مگر ریلوے کی رسید کا منور
 پتہ نہیں، اس پر پریٹ فی میں سارا دن ختم ہو گیا۔ سچا تو ارٹا
 دوسرے دن انجین پر لغزش و لغوص کے بعد معلوم ہوا کہ پارسل
 ہمارے نام نہیں بلکہ بینک کے نام ہے اور بینک ہی پارسل وصول کرنے
 کا مجاز ہے۔ چنانچہ بینک سے استمداد کی گئی۔ مگر معلوم ہوا کہ بینک
 سمجھنے کے لئے جو رسید تیار کی گئی تھی، وہ کھینی کے ایجنٹ
 نے تلف کر دی تھی اور دوسری رسید تیار کر کے بھیجی تھی۔ لیکن دوسرہ
 کی تعطیل کے باعث چند روز کے لئے بینک بند ہے اور رسید کا
 ملنا دشوار ہے۔ ناچار سبب اس کے اقدام تعطیل کا انتظار کیا جائے
 چارہ کہا تھا۔ ستم پر ستم یہ کہ بینک کھلتا ہے تو پوری قیمت کا

مطلبہ کیا جاتا ہے اور جو نصف رقم پیشگی ادا کر چکے ہیں مہجاری و محسوبی کا ذکر تذکرہ نہیں۔ جان دکن کپنی کو تار دیا جاتا ہے اور جب تک ان کی سٹری نہیں آجاتی، تک نصف رقم نہیں نہیں کرتا، مگر کیا داستانِ غم ختم ہو گئی، ہرگز نہیں اسبی کو اکثر برس میں ہیں اور فردی تک راہ میں بہت سے مراقب ملے کرنا باقی ہیں۔ ع

بہ پایاں آمد اس دفتر حکایت ہم چیاں باقی
۲۴ فروری

اکتوبر کے سیدستان آئے ہوئے ادیسوٹا میں کے سفر کردہ ہارسل کو جب ۲۲ اکتوبر کو خدا خدا کر کے کھولا جاتا ہے تو جن حروف کی اردو میں زیادہ ہزرت رہتی ہے ان میں بعض نادر و۔ اور بعض بہت کم اور جن کی بہت کم ہزرت پڑتی ہے ان میں اکثر بہت زیادہ، حالانکہ فرانس کے ساتھ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ عزت کی ایک کافی اسی عرصہ سے سجدی گئی تھی کہ تناسب و تقسیم حروف کا اندازہ اس سے اچھی طرح کر کے اسی نسبت سے حروف سمجھے جاتیں، اس ثابہ کے ہم تک پہنچنے سے قبل ہی ہم نے ۶ اکتوبر کو اعتباراً ثابہ کی ایک مقدار کے لئے فرانس ہندوستان سجدی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ ہمارے کرمفراؤں کی فہرست میں محکمہ تار کا نام درج ہونا باقی رہ گیا تھا جو اب آگیا ہے، جان دکن کپنی کو جو تار دیا گیا اس کے الفاظ میں کچھ اور اور پڑے گئے کچھ اور اس کا علم ہوتے ہی ہم نے تصحیح کی۔ مگر قاعدہ برقی اس سے پہلے

ہا غلط پیغام غلیل سرکس تک پہنچا چکا تھا اور جب اس غلیل کی نصیحت
 کی گئی تو وہ بھی تارکی عنایات سے غلط در فطہ ہوئی، ہاں یہ
 تو وہ من کرنا ہی نہ گیا کہ ستمبر میں غلیل سرکس نے کچھ باقی حروف
 نا پارسل بھی روانہ کیا تھا۔ اور احسان جتنا یا تھا کہ یہ ڈاک
 کے جہاز سے روانہ کیا جاتا ہے مگر خوبی قسمت نے سمندر کی طغیان
 صغیریں اور پارسل ارضی بند کی جگہ سرزمین اسٹریا میں بھنچا دیا گیا
 یہ پارسل ٹریٹ سے واپس آکر جنوری میں میں ملا۔ مگر اس میں
 وہی حروف نکلے جن کی مقدار کثیر رہاں پہلے ہی سے زمین طاق
 بار تھی اب دسمبر کی میوں تاریخ آئی، اس تاریخ پر ہم نے
 ٹائپ کی موجودات اور مملوبات کا جائزہ لے کر باقی مقدار ٹائپ
 جس کے بغیر محدود کے آٹھ صفحات تھک ہی نہیں سکتے، ڈاکس کہنی
 کی دس طے سے طلب کیا۔ ۱۰ دسمبر ملائے کے خط کا جواب لکھ
 کہنی نے ہر جنوری کو دیا۔ جس میں لکھا کہ بڑے دن کی تعطیل کی وجہ
 سے فرمائش کی طرف توجہ نہ سہ سکی۔ یہ داستان علم تھی اب فسانہ
 اُمید سینے۔ حال ہی میں غلیل سرکس کی طرف سے جواب آیا ہے
 کہ اگر مارچ کو ٹائپ بلدیہ جہاز بار برداری روانہ کیا جائے گا یہ
 اطلاع ملے ہی ہم نے بذریعہ تاران سے استدعا کی کہ اگر کلاس سے
 کسی قدر پہلے لے لاک کے حماز میں ٹائپ بھیج دیں تو بڑی ہر ہا فی
 ہوگی۔ تمہیں ایسا نہ ہو جائے کہ

نار جز حسن طلب اے ستم ایجاب نہیں
 ہے تقاضائے حیف شکوہ بیداد نہیں

ہم ابھی تک اس خوشگوار یا ناخوش گوار لوگ دگر کے گرداب میں پھنسے ہوئے ہیں۔

کنوں چارہ کہ در سبز غم بہ گردابی
فتادہ کشتی مہریم ز باد ہاں فراخی

۲۵ فروری ۱۹۴۷ء

مولانا محمد علی صاحب نے اس زمانہ میں میدد جہاد کی کیا حب
زمیندار اخبار کا طوطی بول رہا تھا۔ اس کے باوجود میدد کی پالیسی
زمیندار سے مختلف تھی، میدد متین و سنجیدہ اور برباد و تھل اخبار مختلف
صیح داتا کی طرف خاص توجہ دیتا تھا۔ اس نے کبھی اس بات کا
خیال نہیں کیا کہ کسی خاص طرز اختیار کرنے سے اشاعت بڑھے گی
یا گھٹے گی، یہ حقیقت ہے کہ یہاں زمیندار نے پروں عزیزی اور
قبولیت عامہ کا راستہ اختیار کیا وہاں میدد نے اعلیٰ اور بلند پایہ کی
جی فٹ کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ میدد نے بھی زمیندار کی طرف
رائٹر اور ایسی ایجنٹ پریس کی باقاعدہ سرورس حاصل کی۔

مولانا محمد علی نے میدد کے پہلے دور میں اردو ہی فٹ
کو جو کچھ دیا وہ اس کی تاریخ میں رنگ میں کی حیثیت رکھتا ہے اس کا
سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اردو ہی فٹ کو لیتھو کی چھپائی
کے بجائے اردو ٹائپ کو استعمال کر کے ایک علی قدم اٹھایا، یہ کام سرسید
اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی کیا تھا۔ لیکن روزانہ اخبار میں
ٹائپ کی طباعت رونج دینے کی ابتداء مولانا محمد علی سے ہوئی۔ اگرچہ
اس مقصد میں ان کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور ان کو اردو ٹائپ

ادبائ کی نظیں اور شوکت علی بھائی کا ترنم، غلام حسین مرحوم کے بھی
مدافق، محفوظ علی بھائی کی شیریں گفتاری کہ ہر لفظ جو دہان موزوں
نکلتا تھا گو بار یک برکت، فلک سیر سے کم نہ ہوتا تھا۔

دور ثانی میں مولانا عارف میمن، ڈاکٹر سعید احمد، مولانا
عبدالمجید دریابادی، محمد جعفر ایڈیٹر ملت دہلی اور مولانا ظفر الملک
ایڈیٹر النظار لکھنؤ جیسے ادیب شیخ گھج کر ایک ہی حلقہ میں
جمع ہو گئے تھے جو مولانا محمد علی کی سرافرن شخصیت کا نتیجہ تھا۔
دوسری مرتبہ جب اخبار نکلا تو اس کا پہلا حبیب سعید
نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا محمد علی صاحب کی غیر متولی

مہر و نیا ت تھیں۔
آپ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی صدارت کے فرائض انجام دیتے تھے
کیونکہ کسی صورت میں نہ تھی، سیاسی زندگی کی دھ سے بڑھا
لکھا طبقہ دور رہتا تھا، ملنے جلنے سے خوف کھاتا تھا
لیکن اس کے باوجود مولانا عبدالمجید دریابادی مولوی ظفر الملک
علوی اور محمد جعفر ایڈیٹر نے ہمدرد کے ادارہ میں شرکت کی اور
اخبار کے معیار کو قائم رکھنے کی کوشش کی خود داری کو قائم رکھا
اخبار کی آن ہاں دشان میں کسی قسم کا فرق آنے نہیں دیا، اس
لے کسی کی محنت مدد کسب زر کی کوشش نہیں کی اور یہ
دریوزہ مری پتہ بنایا۔ اور نہ لوگوں کی مخالفت کی، اپنی سنجیدہ روش
پر چلا۔ بیلک کا مذاق بگڑا چکا تھا۔ بگڑی اچھا لہا اور سچوئی
مخالفت پسند کی جاتی تھی وہ اخبار ہمدرد میں کہاں ممکن تھی،

اخبہ میں قوم کو نصیحتیں کا سلسلہ جاری تھا۔ تلخ و شیریں مصلحت بتاتے جاتے تھے جو عوام کی لیشیدہ چیزیں نہ تھیں اس لئے پہلے جیسی بات میدان ہو سکی۔

مولانا محمد علی صاحب طالع لور لاہمی نہیں تھے انھوں نے اپنے اصول کے خلاف کوئی کام نہیں کیا، مولانا کی محنت کافی خراب ہو گئی تھی۔ بعد ازاں لور سے آپ نے اچھے تعلقات بنائے، اس نے ایک محفلِ رزم نے کر علاء کر کے لئے انگلستان روانہ کیا۔ مدد دہی مالی حالت اس وقت کافی سے زیادہ خراب تھی، مولانا اس کو بند کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے شخص دوستوں نے بند کرنے نہیں دیا۔ مولانا عبدالجبار صاحب نے اذیت کی شکاری کا بار خود اٹھایا، مولوی ظفر الملک علوی نے انتظامی لکھا تھیں کہ دودھ کرنے کی ذمہ داری لی، مولوی عفری صاحب سب ایڈیٹر تھے، ایڈیٹر کے ذرائع انجام دینے لگے، مولانا کی ولایت سے واسطہ پڑی ان ہی لوگوں کے ہاتھوں میں اخبار کا انتظام رہا۔ کافی عرصہ سے رنگوں کے دلچسپ مولانا محمد علی کو بلا ہے تھے اس نے آپ رنگوں چلے گئے۔

اسکا نامہ میں تحریک کی گئی کہ لور کی جوبلی کے موقوفہ پر مسجد ایک ایک پیشین خبر نکالے اور اس کے مصالحت کا بار ریاست کے ذمہ ڈالا جائے، مولانا محمد علی صاحب سے جب رنگوں سے اس کے بارے میں رائے لی گئی تو آپ نے ریاست لور کی مالی امداد لینے کو پرائے تعلقات کے بار جو مصالحت انکار کر دیا

کہ مجدد کا اس قسم کا اپنی نیر آج تک نہیں لکھا، اس نے معذور
ہوں، ہاں، مجدد پر ایسی میں اگر ہر ذرت ہو تو ایک پینٹلٹ چھپ
نکلت ہے۔

اس اخبار کی پالیسی اور طرز نگارش اور اخباروں سے بالکل مختلف
تھی۔ اس میں نہ سنسنی خیز سرخیاں دی جاتی تھیں اور نہ ایسی خبریں
شائع ہوتی تھیں جو نوجوانوں کے جذبات کے لئے میحان انگیز ہوتیں
مولانا کا حکم تبلیغی حکم تھا کہ صرف معلومات زیادہ سے زیادہ سستہ
اور فریبہ انداز میں ناظرین تک پہنچائی جائے۔ ایڈیٹوریل اسٹاٹ
اس حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ اخبار کا انداز سیاحتی کے لئے نہیں لکھا
گیا تھا بلکہ تبلیغ و تلقین اس کا مقصد تھا۔ پنجاب کے مشہور اخبار
زمیندار اور تنظیم کے مالک اپنے نام کے ساتھ "ظفر الملت والہین" اور
سید ظفر الملت والہین اپنے اخباروں میں تحریر کرتے تھے، مجدد
نے کبھی اس وزن و قافیہ میں ایک مرتبہ بھی "ظفر الملت والہین"
اپنے اخباروں میں تحریر نہیں کیا۔ مجدد نے کبھی مولانا کا علی کے
نام کے ساتھ "حضرت کا مفضل امتعالی ہیں کیا مولانا کو رئیس الارحار
کا خطاب عام ہو چکا تھا۔ اور اخبارات اس خطاب کو لکھ رہے
تھے لیکن اخبار مجدد میں اس خطاب کو استعمال نہیں کیا گیا۔
اسٹاٹ کو تاکید کر دی گئی تھی کہ کوئی تعظیمی الفاظ و القاب ان کی ذات
کے لئے ہرگز استعمال نہ ہوں، صرف زیادہ سے زیادہ "مولانا"
کی اعزازت تھی۔ مجدد کو کوئی خشک اور داغدار رنگ کا اعتبار نہ
تھا۔ اس میں ادبیت کی چاشنی کافی حد تک تھی افسانے اس

میں سمجھتے تھے، ادبی متبعوں کے برابر نکلنے تھے، جذبہ توفیہاں اس کے مقابلہ اقدار میں جس جھلکتی شخص طرغیانہ کالم سمجھتے تھے، حاجی غبول صاحب اس کے تجاہل کامیانہ کے کالموں کو وقتاً فوقتاً شرف کرتے تھے، منور و سخن شے چرچے بھی اس کے صفحات میں اکثر جا ہی رہے، البتہ بازار بیت، ابتذال اور سچکڑا بازی اس میں اہمیت نہیں کی گئی۔ اور نہ اس میں شراب، ممش کتا بوں، ممش دواؤں، سینا اور تھپڑ کے اشتہارات کسی اجرت پر بھی چھاپے جاتے تھے۔
 رولانا محمد علی اور مہر بد کو آخر کے چار سال سے چار سال کی زندگی میں اندر دلی جھگڑوں میں لگی بار پوری قوت کے ساتھ صبر لیا۔
 پڑا، ان میں تین جنگیں خاص طور پر طوطا، رتلخ میں، پہلی جنگ تھپڑی سودا جھگڑے کے سلسلہ میں خدام ا۔ میں دلی قتل اور سارے شائع دھو بیٹے کے مقابلہ میں رہی، دوسری جنگ اسی سلسلہ میں اسی کے برعکس رضید اللہ سولانا قتل خاں لار ساری جماعت اہل حدیث کے خلاف امیری جنگ کا رُخ خواجہ حسن نظامی کے خلاف رہا، چوتھی جنگ مہرود کے بند ہونے کے بعد جمعیۃ العلماء اور نیشنلسٹ سلاؤں سے ہوتی۔

مہرود کا دشمن گرجہ بہت طاقتور تھا اور اس کو ہر طرح کی امداد میں تکیہ لکھوں سے مل رہی تھی۔ مگر یہ نہ تھا کہ کسی طاقت و قوت سے عرب نہیں ہو۔ یہ جتنی سعی کی طاقت نے اپنی سی چوگی کی طاقت سے مقابلہ کیا اور کامیاب ہو۔ اس جنگ کی بھی حالت تھی، مہرود نے دشمن کی بڑی طاقت سے ٹکرائی اور کامیابی و کامرانی حاصل کی۔

میدان جنگ کی خبریں سید و افسار میں چھپ رہی تھیں۔ سوار مار چکا تھا۔
کا ارجا لگتا ہے۔

تو اثر نہ رہا۔ مگر ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
کہ اب ان میں تنہا مقابلہ نہ کی جاسکتا ہے۔ یہی طوکان اور سدن
پر جب دھڑکیاں پڑیں تو لیٹا رہنے کی راہ دیکھنے کے سر پر و جلی (نام لکھا)
نہیں تھے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے کہ ان کی
کی تپو دیکھا ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
فلیڈلینڈ غلبہ کرتے ہوئے ہیں۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے

کتنے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
پھر غالب آئے ہیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
ان کی اقلیت پر تعداد کی اکثریت کبھی نہ کی جاسکتی ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
سکتی۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
منعہ مرئوس و سیکر چلی گئی۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
یہاں پرنا پڑا۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
کا مایوسی کے اس کو سر بھٹک گیا۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
انہر گرفتار ہو گئے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
عام مایوسی کی گرفتاری کا کوئی شکار نہ تھا۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
میں یونانیوں کا سہارا تھا۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
کا گولہ باری میں سہارا تھا۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
یانیہ کا ہی ہو گیا اور افسانہ علی ظفر کا اصول ثابت کرنے کے لیے مجاہدین
نے اس کو اپنا لشکر گاہ بنا لیا۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے۔ یہی سوچا تھا کہ ان کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے

رجوم کی غفلت نے بہت ہی خفیف مقابلہ کے بعد بلقانی فتوحات کی
 نمونیں کر دیا تھا لیکن یہ حوالگی یوسف بن تاشقین کی اس حوالگی
 سے زیادہ درست نہ رہی۔ جس میں ابن تاشقین کے پیش روؤں نے فلسطین
 پر از فوش (انفالہ) کا قطعہ کر دیا تھا۔ مگر اس کی حد اے تکسری
 ہی سے غاصبوں کے جی چوٹ گئے اور قبضہ کی "منافع بحدہ"
 برسر رکھی "سلامت برکنار" کو ترجیح دینی پڑی، مگر یہ
 تو تین ہی گھنٹہ کا، مگر اس کے زخمیں بدین برس ہی مندول نہ ہو سکیں گے
 نہ کون کی مسلسل میت قدمیوں پر بدلی فیوں کو جوش آگیا، متحدہ فوجیں
 مانہ پر حملہ آور ہوئیں اور اس شان و داعیہ سے حملہ آور ہوئیں کہ
 اب ترکوں کو بخیر یاد دے زمین میں جگہ ہی نہ ملے گی، نہ بر زمین کو کھینچ لیں
 ہو تو ہو گشت طبع فرزدائے بے شیراز کی تاریخی تقسیم نے یہ
 صورت بھی اپنے سجائی خود کے لئے مخصوص کر رکھی تھی، بائوس کی بلند
 "ہنگیان تکسری کی حدوں میں دست درگیاں ہو گئیں مگر یہ تھا دم
 خورنی ہی درست نہ تھا، قائم رہا اور آہنگ فرنگ، قبل غازی کے
 شیر میں کچھ اب لگم ہو گیا کہ یا تو متحدہ نہ جیں کھلے میدان میں دست
 درگیاں نہیں، میدان صاف ہو گیا اور قلعہ کی میں نظر آئی "ہدیہ"
 کی رائے میں کچھ ایسی ہی دفعہ کی تھی، ذی آتنا تھا کہ وہاں صرف
 علماء وں کو پہنچا کر نئے پرکھائے کی گئی تھی اور یہاں متحدہ قطعی
 نہ رہا تھا۔ یہ سب ان سے خالی کر لیتے۔"

اس قسم کی خبریں اور مارچ سلاطین کے اخبار میں درج نہیں
 اور درمیانہ دورہ میں اس نون کے بھی ملت کے کلام سے بیان کئے ہیں

طرابلس کی مرکز آرائیوں میں معزز کوئی فرق نہیں آیا۔ یہاں حال عرب بدستور مرنے مرنے پر آمادہ ہیں۔ تیغ و ننگ کے مقابلہ میں اہلیوں کو کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو تالیف قلوب سے اس مرکز کو سر کنا چاہا، مقابلہ سے نہ موڑ لیا اور مدد طفت کی کارمدائی شروع کر دی، "عین مدنہ" برصغیر میں کا قبضہ تھا۔ چاہ اٹالیہ اس کی دالسی لینے کے لئے بیابان تھی، مگر بے بسی کچھ کرنے نہ دیتی تھی۔ جنگ کے انتظار میں عربوں کو دن و دہر سونے لگا۔ اکتائی ہمدی طبیعتوں نے خود ہی حملہ کی ٹھہرائی اور اس کی تارکی میں اندھیر مچانے کو چلی کھڑے ہوئے اٹالیوں کے استسکامات میں قلعہ غرابہ، کی مستحکم ضرب المثل تھی بلکہ جتوں نے اسی کی ناک دکھائی۔ اسی آفتاب کی کرنیں اچھی طرح پھوٹی تھیں نہ تھیں کہ زمین ٹخن سے رنگین نظر آنے لگی۔ یہ سمان نہ درد منٹ سے زیادہ نہ رہ سکا اور اتنے ہی سے وقفہ میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا، اٹالیہ کا جھنڈا یا قلعہ پر لہرا ہا تھا یا عربوں کے ہاتھ میں نظر آیا، جسے وہ اپنے سروں پر اڑاتے ہوئے دالیں چلے گئے اور سیاہ اٹالیہ دیکھتی رہ گئی۔

مولانا محمد علی مرحوم نے بھی ۱۹ مارچ ۱۹۱۷ء کے اخبار میں ترکی فتوحات کا اس انداز میں ذکر کیا ہے۔

جنگ کے واقعات کچھ سمیٹہ سے ہوئے ہیں، رپورٹ اسمبلی کی سرگرمیاں تو رہنمائی نے ٹھنڈی کر دیں مگر شہر کہ عین تپ، شہر کہ سردیہ کا بیان ہے کہ سلسلہ جنگ اب بھی جاری ہے اور ہر سمت سے جاری ہے چنانچہ کے بالقابل دشمنیں بلکاریوں سے عالی ہو گئیں

اطراف بڑے علاقہ ترکوں نے دوبارہ چھین لئے، جنوبی اردن (ایلیڈیا
 کوئل) کے حصوں پر جمال کا قبضہ اہل رائے لگا ہے (جبل مکطور)
 کا پورا ضلع بلغاریوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ ترکی فوجیں ہر ایک
 جانب سے آگے بڑھ رہی ہیں بلغاریوں کو پسپا ہوتے جاتے ہیں
 "جارجیائی" برٹش سرسنگھہ کارن پراجس میں غنیمت کو منین قرار نقصان
 ایشیا گرگزیائی کی مشرق تازہ کرنی پڑی۔ عثمانی جنگی بیڑہ، سلور کی کھولی
 برہادر ہے۔ بلغاری فوجیں مقابلہ سے ہٹ کر فوجی فوجیں اسٹاکات
 میں پناہ گزین ہیں، اردن میں غازی کندی یا شا کی بہادرانہ
 مدافعت سے بلغاریوں کا جی چھوٹ گیا اور اب خود صوفیہ کا لیم شہر کھری
 اخبار سربیکا آفتاب ۲۵ دسمبر ۱۹۱۷ء کے سول اینڈ ملٹری محزٹ
 میں شائع ہوا ہے صرف لغتوں میں اعلان کر رہا ہے کہ اردن کے سوال
 کو اب زیادہ اہمیت نہیں دی جاسکتی گورنمنٹ کے لئے اس کا قبضہ
 نہ کہہ لیا مضیہ ہے اردن سہل معمول اب دوسرے مقامات کی لشکر
 کے لئے کوشش کرنی چاہیے۔

گورنمنٹ بلحاظ جنگ کی ناکامی کی تلافی اب جاسوسی یذریعہ
 کرنا چاہتی ہے، بیشتر جنگی مرکزوں میں جاس کے جاسوس چیلے ہوئے ہیں
 جس میں اکثر گرفتار ہوئے ہیں، خاص قسطنطنیہ میں گئی جاسوس قید
 ہو چکے ہیں، سراسیمگی کا یہ عالم ہے کہ مجلس صلیب احمد تک کو اجازت
 نہیں کہ خود جان بلغاریہ کی تیمارداری میں مصروف ہو سکے جرمنی کی اجازت
 صلیب احمد کو آخرواپس آنا پڑا، فیرویم نے سفارتش کی گورنمنٹ نہ
 سچی، ہر وقت یہی اندیشہ محیط ہے کہ ان تیمارداروں کے ذریعہ سے

نوجی کز دریں عالم آشکارا نہ ہو جائیں :-

ما عاقبت اندیش اور عظمت شعار وغیر ذرہ دلہاگوں کے
ہاتھوں میں اس وقت ترکی حکومت کی باگ ڈور نئی کچھ خور و زور
میں تھی۔ ان میں داخل تھا جس وقت ترکی نوح کی یوزن ہر محاذ
پر مضبوط تھی اور ہر سرکہ میں دکن کو نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا اور
کافی مقامات و غمزلوں سے خالی کرائے گئے تھے لیکن اس کے
وجود ترکی کے ناخداؤں نے دشمن سے صلح کی گفتگو کا سلسلہ جاری
کر دیا تھا۔ اور غیر مقبوضہ و غیر مفتوحہ علاقے بھی دینے کے لئے
تیار ہو گئے تھے، جب اس قسم کی خبریں مندرستان میں
پہنچیں تو بہانہ کا سلطان ٹرپ اٹھا اور مندرستان کی جماعتوں اور
وہ داروگوں نے ترکی کے سلطان کو لاکھ لاکھ تار بیکھے تاروں کا
ناشتا بندھ گیا، معنون یہ تھا کہ صلح کر کے خدا، رسول اور اسلام کی عزت
ہاتھ سے نہ دیجئے۔

مندرجہ ذیل اخبارات نے بھی اسی جی ہمتا لے کئے، مینا سپہ
سید و سوزھ ہر مارچ ۱۳۱۲ء کے اس صلح کی بانجھیت پر
یہ تبصرہ کیا تھا۔

”عوضہ سوا کہ صلح کا قلم لٹا گیا، مگر انہوں نے اسی تک باقی میں
کچھ بعد سے ریوٹ کے تار اس قسم کی خبریں دے رہے ہیں جن سے
ترکیخ ہوتا ہے کہ ترکی سلج خانہ میں قتل ڈال کر سید اسلم صلح خانہ
کی طرف بڑھ رہا ہے، کبھی توفیق پانا اور حقیقیات کچھ بعد دیگرے
فارن آفس لندن میں حوالے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ بینیم

صلح کر گئے ہیں، کبھی کیا جاتا ہے کہ خیر اللہ کے متعلق باب عالی کی ہدایت
 کا انتظار ہے، اور اچھوتہ نکال یہ ہے کہ یہ سب انوار میں ہیں، محمود
 شہزادہ پاشا اور وزیر سے ہم کو ہرگز توقع نہیں کہ آل عثمان اور
 آنا فلان کی آبرو کو ایسا سستا بیچ دیں گے۔
 جب ترک حکومت کو شکست ہوئی اور منی لعل جنگ میں کامیاب
 ہو گئے تو مولانا محمد علی صاحب نے ترکی فوج کی بہادری اور انگریزی
 کی تعریف کرنے کے بعد شکست کی ایک وجہ گفتگو سے صلح کو قرار دیا
 تھا، چنانچہ آپ ۳۰ مارچ ۱۸۷۷ء کے شمارے میں لکھتے ہیں۔
 آخر کار دہلی میں جس کا عرصہ سے ایک طرف طوفان اور دوسری
 طرف اسلحہ تھا ایڈمرال نوبل کا قدیم اور تاریخی شہر جو بے چین و جوش
 لیج و جنگ کی لہر پر ایک نہایت اہم نمرہ بن گیا تھا۔ جہاں بیٹے
 ایک بلجاریوں اور سردیوں کی مختلف افواج کا محاصرہ کی ضربات
 پہنچ رہے تھے۔ یہ مردانہ دلہنیا رہا، جس پر قبضہ پانے کی خاطر
 بلجاریوں نے دنیا خون پالی کی طرح بہا دیا۔ جس پر قبضہ رکھنے کے
 لئے ترکوں نے جان و مال کی قربانی سے بے سلتی دریغ نہ کیا۔ وہ
 شہر نہ تباہ کیا جو حربی تاریخ میں اپنی نظر آپ ہی رہے گا
 ایڈمرال نوبل آخر کار ۱۲ مارچ کو فتح ہو گیا اور اس کی فتح سے یورپ
 میں ترکی سلطنت کا قلعہ خاتمہ ہو گیا۔ واللہ وانا الیہ راجعون۔
 ایڈمرال نوبل ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ترکی کو حربی و سیاسی
 اعتبار سے جو کچھ صدر بینچا ہے اس کی وضاحت خواہ تھے ہی
 زور و دلفظ میں کی جائے بالکل خالی از سبب نہ ہوگی، جس

وقت تک ایڈر یا ٹول میٹنی قبضہ میں رہا، سحر پس میں ترکوں کی فوجی
 حالت گریہ ریت پر کن ہنرور شہر لیکن مایوسی زارتعلق نہیں تھی
 یہی وجہ تھی کہ "تالنت" بخیر دول "ہم ترک کی دارالامانت کی انتہوں سے
 یورپ کی دلدار علیہ کی طمانت بنا چاہتی تھی بلجاریہ سے زیادہ اس
 امر سے مستثنی و متعلق تھیں کہ جس قدر جلد ہو سکے ترکوں کا ایڈر یا ٹول
 سے اخراج ہو اور اس طرح "بزم سمیت" اختیار سے قالی ہو جائے
 ہم مانتے ہیں کہ ترکی کو شکست دی گئی مگر ہم جانتے ہیں کہ ترکی نے
 شکست کھانے سے پہلے کس قدر مردانہ اور جان توڑ مقابلہ کیا
 اور کس طرح حریفوں کے دانت کھٹے کر دیے اور راکھ کی جاری رکھی
 میں کس قدر متین بہاؤ بایاں کر کے اپنی غیرت کا ثبوت دیا۔ ہم
 مانتے ہیں کہ یورپ میں ترکی حکمرانی کو ناکامیاب کرنے کی کوشش
 میں کامیابی ہوئی مگر جانتے ہیں کہ ترکی پر ویرانے سے مصائب کا جو
 سلسلہ لگتا ہی چاری ہے اس میں وہ خود کیاں تک ذمہ دار ہے
 اور جلد پہلو مسائے کس حد تک حفظ دلہ، اس کی اہمیت کی راہ میں
 رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ دوستانہ صلح کے پردہ میں مخالفت نہ دیکھیں
 دی گئیں، طرابلس کی راکھ ختم نہ ہونے پاکی تھی کہ جنگ بلقان
 شروع ہو گئی، ایسی حالت میں جو کچھ ترکی سے ہو رہا اس نے کیا
 اور جو کچھ کیا مردانہ دار کیا، یہی شکست جو ہر باغیرت انسان کی نظر
 میں بہادر کی شکست نزدیکی و مکاری کا فتح سے بنو اور درجہ بہتر
 ہے۔ اس میں تک نہیں جو کچھ ہوا اس کی بڑی ذمہ داری ان دنوں
 ساتھی پر پڑے گی جنہوں نے اعلان جنگ یہ شہر استوری اور پھر اچھے

صلح میں جس مقدمے کی لکھی دکھائی، اس وقت کابل پاشا کی خدمت کا
خاتمہ ہوا، اس وقت محمدان کی پارٹی کے جرمہ ان کو اترام دے
رہے تھے کہ نامزدی کا صلح بلا وجہ نہیں کیا جا رہی ہے۔

ترکی حکومت نے اس جنگ میں مالی امداد لینے کے لئے قرضہ
حسنہ کا ملوان کیا تھا، جس کی اشاعت یہود راخبد نے بھی کی اور
اس میں حصہ لینے کے لئے کالی آرٹیکل بھی لکھے، یہ قرضہ حسنہ
کی صحت میں کیا گیا تھا اور اس کی اور نیکی کس شکل میں کی جاتی تھی
اور کس طریقے سے منافع لیا گیا تھا اس کی تفصیل اور لکھی ہوئی
کے دو روزہ میں ملے ہوئے ہیں۔

۱۔ ماضیت تو کی کی قرض سے سلطنت عثمانیہ حسب امارہ حضرت
سلطان المعظم خلد اندر ملکہ بڈر اس وقت خزانہ سپا س لاکھ پونڈ
سارے سات کروڑ روپیہ قرض لے رہی ہے۔

۲۔ ان شکات کی کفالت سلطنت نے خاص معصل دارمینی سے
کی ہے۔

۳۔ ان شکات کے خریدنے والوں کو پانچ فی صدی کے حساب
سے سالانہ منافع دیا جاتا ہے گا۔ جو ۳۰ لاکھ روپے محسوب ہوگا۔

۴۔ تمام شکات کا روپیہ خزانہ عثمانیہ سے یا مالک ہر دونی
ان شکوں کی حوت جن کے نام اخبارات میں ملتے تھے جہاں تک
پانچ برس میں ادا کر دیا جائے گا اور تم واجب الادا میں سے
معصل ہر کاری کی منہائی نہ کی جائے گی، ہر سال دس لاکھ پونڈ
دائرہ کردار روپیہ ملے شکوں کا روپیہ ادا کر دیا جائے گا اور

اسی قسم کی پہلی قسط ستر نومبر ۱۹۷۷ء کو ادا کی جاتے گی۔

۵۔ تین تین مہم کے ہونے کے وقت پونڈ (سارے سات روپے)

ایک پونڈ (پندرہ روپیہ اور پونڈ (تیس روپیہ)

۶۔ ہر ایک نمک کے ساتھ دس مٹھیاں منسلک ہوں گی جن میں

سے پانچ اصل رقم کی ادائیگی کے لئے اور پانچ منافع کی ادائیگی

کے لئے ہوں گی، منافع کی ادائیگی کی مٹھیاں مملکت عثمانی میں

سرکاری محفل کی ادائیگی میں زر نقد کی طرح قبول کی جائے گی۔

۷۔ سلطنت عثمانیہ اس حق کو محفوظ رکھتی ہے کہ پانچ سال کی سیاد

(منقض ہونے سے قبل شکوں کی اصل رقم ادا اس وقت تک کے

واجب الادا منافع کو مباح کر کے تک واپس لے لے۔

۸۔ اصل تک قسط پانچ سے آتی ہوگی۔

۹۔ ان منکات پر خریدوں کے نامہ درج نہ ہوں گے تاکہ بلا کسی

ادراج سرکاری کے ان منکات کو خریداری کسی کو ضرر نہ

کرنے کے محاذ ہوں بد منکات۔ جس کے منافع میں ہوں۔ وہ

ادائیگی خریدنے کے وقت اصل رقم در سال کے سال زر منافع

بلا وقت وصول کر سکیں۔

۱۰۔ (الف) اس وقت تک حسب ذیل شکوں نے خریدوں کے لئے

یہ تک مشکنا اس شرط پر قبول کیا ہے کہ شکوں کو دو ۲۰ فیصد

کے بغیر دیا جائے اور ہر سالہ میں کمیشن کی رقم کم سے کم دے

دیا ہوگی۔

(ب) تک آف شکال ادا تک آف بجو بھی دو ۲۰ فیصد کمیشن

یہ تک سکا دیں گے، مگر مسئلہ میں کمین کی رقم کم سے کم لیک دے یہ ہوگی۔

۶۔ مذکورہ بالا بکوں کی تمام شےیں بھی عدہ بنک کی شرح کمین برتک سکا دیں گی۔

د۔ اد بکوں سے بھی خط کتابت کی جارہی ہے مگر مزید بچانہ ہے کہ جس سے چاہے خود اپنے طرہ پر شرح کمین و غیرہ طے کر کے عدہ آرے اور یہی بہتر بھی ہوگا۔

جو خریدا جا رہے ہیں ان کا رد یہ فوراً تسلیم نہ کرنا چاہیے کہ ان بکوں کو بذات کر دے اس کا رد یہ فوراً تسلیم نہ کرنا چاہیے کہ اس کے سر من تلف اپنی رسیدیں انھیں دے دیاں کر دے گا تاکہ جب تک تسلیم نہ سے آجائیں تو اپنی رسیدیں واپس لے کر تک انھیں دیدے۔

مفتاح الاسرار | جلد حر سے یہ طے رسالہ ایر علی سنگھ نے ذکر ملوہ
اگر درجہ پروٹو گونی قبیلہ کی نیکو صوبہ تارخ
کوئی ہے تھا۔ ۶ سو صفحہ پر مکتب تھا۔ حکیم محمد رفیع ایلہ بڑے
سالانہ چند ڈھائی روپیہ تھا۔ آریہ زمین پر اس میں طبع ہونا تھا۔
سرورتن پر یہ شروع ہوتا تھا۔

ورنیں استہمیں ذکر کنش نامہ دیوید جا

سنگ دلہ از برفیل می مدید کلمہ دیوید جا

یہ سادہ کیمیا سے قدیم و جدید کا مختصر طب ایرانی و ہک اور صنعت و
کاموں تھا اس میں پرشم کی طبی اور دیکھ معلومات دی جاتی تھی۔

توجہ | میرٹھ سے جاری میل سلسلہ کو یہ منقہ در اخبار جاری ہوا جس کے انگریزی چیف ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی لکھا ہے: "میرٹھ میں آٹھ صفحات پر لکھا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔"

ادیب الہ آباد کے شاعر نے سنی سلسلہ میں اس رسالہ پر دیو

چھاپا تھا۔

"توجہ نامی ایک منقہ در اخبار ہے جو میرٹھ سے شائع ہونے لگا ہے، انگریزی چیف ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی دہلوی ہیں اب تک اس کے چھ نمبر شائع ہو چکے ہیں، بڑی تقطیع کے چار ادراک کا توجہ ہے لیکن چار دانگ عالم کی خدا کھتی کہنا ہے کہ کیونکہ ہو چھپا نام دیا کام، کیا تک تو لکھ کی جائے مختلف ہے کہ اپنے رنگ میں لکھا ہے کہ توجہ نے پانچ بیضی کی زندگی پائی لکھ بند ہو گیا لیکن اس کے صفحہ میں اور کد آمد تھے ان کو کتابی شکل میں انتخاب توجہ کے نام سے چھاپا گیا اور اس کتاب کا اخبارات دسالوں میں یہ انتشار شائع ہوا " اخبار توجہ نے پانچ بیضی زدہ روہ دنیا سے نہ تو لیا۔ مگر اعلیٰ اور ستانی کارگزاریوں کا ایک دفتر چھوڑ گیا، اس اخبار میں جس قدر چرم کے صفحہ ہیں سب سے دروغوی خوبصورت کتاب میں جسے گرائے گئے ہیں، انہی دنیا کی کوئی بات نہیں ہے جو اس نشانی اور کتاب میں درج نہ ہو حضرت ملا ناخواجہ حسن نظامی صاحب کی باتیں سنیں ہوں تو کتاب انتخاب توجہ خرید گئے خواجہ صاحب ہی پر کیا موقوف ہے اور بڑے بڑے مشہور ائمہ و برادرانہ کی لکھائیاں توجہ کے

اخبار تو حیدر شاہ ہو گیا تو ۲۴ ابرہی سال ۱۷۷۷ء کے فمائے میں یتیمہ
چھاپا ہے۔

غور بہ صاحب کے مضامین نہایت کثرت سے مختلف اخبارات
رسائل میں لکھنے لکھنے میں اس کے طریقہ تقریب کی ضرورت ہے
صاحب عالی میں میرٹھ سے شائع ہوا ہے اور پھر من نام ہے جو اصل
کناکہ ہے کاغذ نہایت اچھا۔ ڈیپٹی سائیکل یورپی نصف تقویم
برس ۱۸۷۷ء اور نصف فی پھیلائی آتی۔ یہی ہے جو میرٹھ دار اخبارات
میں پھیل چکی ہے۔ یہ سال ۱۸۷۷ء کا تقویم ہے جتنا اراں ہے
میرٹھ لکھنؤ سے پھر ہے دیال سے آج کل کوئی اخبار نہیں لکھتا
یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ان کے پھر سے لکھیں اور دیکھیں اخبارات
پھیلے۔ امید ہے کہ اس اخبار کے سے ترقی و تہارت کے مسائل بہت
مفید حاصل ہو جائیں گے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب اخبار تو حیدر کے بدیونے کی وجہ ایسا
آپ جی میں لکھتے ہیں۔

اخبار تو حیدر جس شان سے نکلا اور پانچ ہفتہ کی زندگی میں
جو قبولیت اس نے حال کی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، بلکہ
رائے زنی اجدت مضامین اور اس پر داری کے اس کا ثانی۔
مہدستان میں کوئی اخبار نہ تھا۔ مگر اس کے کہ کو تکبیر والی تصویر
چھاپنے کے جو میں میں لکھتے گورنر مالک ہند کی گورنمنٹ نے
اس کو جبراً بند کر دیا۔

سبھا احسان الحق | خان بہادر ابھی بخش صاحب امہ ان

کے جانی خان بہادر عبدالکریم کے آئی
 ای سے مہدستان کے کٹر لوگ واقف تھے ان کا حقیقی تیرٹھ کے
 مشہور خاندان سے تھا۔ اس خاندان کے بارے میں پتھر ہے اگر
 جانشین سجد و اکرار کرانے اور فوجی قبضہ سے آزاد کرانے میں لاکھوں
 روپے خرچ کئے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس خاندان
 نے غریب پوری میں بڑا نام پیدا کیا۔ انگریزی حکمران ملک جہاں
 ان کی عزت کرتا تھا وہاں عوام کی ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے
 دیکھتے تھے۔

سبھا احسان اسی خاندان کے فرد تھے۔ حافظ عبدالکریم صاحب
 کے حقیقی فرزند تھے۔ ان کا بہادر و حبیب الدین کے بھائی تھے اور دہلی تھے
 ان کے والد شیخ سہیل بخش تھے جو دہلی میں رہے تھے۔ ان کے بھائی بہلول
 کپڑی کے بہادر و آزادیی مجسٹریٹ تھے۔

سبھا نے سترنی دہلی علوم و فنون اور دہلیوں کی ادا د
 کی طرح معتد علاقہ سے گھر پر تحصیل کئے اور درس نظامی کی تکمیل
 کی مغربی تعلیم کے لئے مدرسہ دکن میں بھیجے گئے جی کے کا امتحان
 دے نہیں سکے تاہم اسے تعلیم پائی۔ انگریزوں میں ان کی قابلیت
 بڑے سے بڑے گریجویٹ سے بدرجہا اچھی تھی ان کا مطالعہ بہت
 وسیع تھا۔ کتب خانہ بھی قائم تھا۔ جس میں اردو فارسی عربی

اور انگریز کی نیراز با نایاب کتابیں مصروف حضرت
خواجہ حسن نظامی صاحب سے گھرے واسطے اور تعلقات سے جوالی
سے ہی خواجہ صاحب کی محبت میں رہنے لگے تھے ان سے بیعت
تو نہ تھے البتہ عقیدہ تندی میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔
خواجہ صاحب سے انٹ پر داری میں ملکہ حاصل کیا نظام المتذرع
کے فریاد میں سب سے پہلے نام ان کا تھا ان میں انتہائی محبت
و اخلاص پایا جاتا تھا۔

خواجہ صاحب کا ان کے بارے میں کہنا ہے۔
توحید اخبار کے زمانہ میں وہ لکھنے کا کچھ کام نہ کرتے تھے نہ ان کو
مضامین لکھنے کی عادت تھی اور دماغی قابلیت اتنی تھی کہ مجھ کو لکھنے
میں مشورہ دیتے تھے اور بعض خاص موضوع مضامین کے تجویز
کے مجھ سے ان پر لکھواتے تھے، چنانچہ تخت کے نوٹز مضامین
مرث کے مضامین، بزرگوں کی قبور کی لوحیں ان ہی کے کہنے سے
میں نے لکھیں اور کامیاب رہیں اس اعتبار سے وہ میرے محوی استاد
میں اور میں نے ان کو لکھنے کا طریقہ بتایا اور رد و سہ کر لکھوانا شروع
کیا، اس لحاظ سے میں ان کا استاد ہوں، اب وہ مذہبی، اصولی
اور تنقیدی رنگ کے بہت اچھے اور عمدہ مضامین لکھ رہے ہیں۔
ان کی تحریر میں فلسفیانہ جدت اور بے مردنی و بے رعایتی سوتی
ہے، بے مردنی کا مطلب یہ ہے کہ وہ رائے زنی کرنے میں کسی

بزرگ یا درست یا غلط والے کی پاسداری نہیں کرتے تھے، بلکہ
 نکتے میں، ان کی نظر کتاب یا زیر بحث چیز کے حسن و قبح پر مہمت
 مگری جاتی ہے اور کبھی کھوئے کھوئے کے پرکھنے میں مانگانی
 نہیں ہوتی، وہ اردو زبان میں سب سے پہلے نقاد ہیں جنہوں نے
 شریوں کے عیب و شر کو اہلیت کی نشان سے دکھانا شروع
 کیا۔ پہلے صرف غزلیہ کے نام پر دیوبند و تنقید تھا۔
 سالہ تو حیدر کے بندہ ہونے کے بعد سچیانے میرٹھ سے ایک
 اور سالہ اسوہ حسنہ جاری کیا۔ اور خواجہ غلام الثقلین پر زور
 دے کر عصر جدید میں سچی جان ڈالی، اسوہ حسنہ کی اشاعت
 بین البرازمک پہنچ گئی تھی۔

سچیا، آغا خان الحق صاحب اور ملا داحدی صاحب نے
 سردار دیوان سنگھ مفتوں کا دوزانہ اخذ فرمایا، مگر لیڈر اس
 کو چلا با، جس کی ایڈیٹر کی نور دہلی نیاز فمپوری پر ڈالتی گئی،
 اس کے بعد دہلی سے ایک رسالہ دین دنیا جاری کیا، اس کے بانی
 سچیا امان اور انوار ہاشمی صاحب تھے، چند سال کے بعد دین دنیا
 کے ایڈیٹر اور مالک مفتی شوکت ظہری ہو گئے، بعد اب تک یہ رسالہ
 ان کی ایڈیٹری میں لحد ملکیت میں ہی مذکور طریقے سے چل رہا ہے
 سچیانے خاندان کا لباس، مجازانہ و دوزانہ ملک ملک
 بزرگوں کا ہتھ رکھا، ایسی چیزیں تھیں جن کو اس خاندان کا ٹریڈ
 مارک کہنا چاہیے۔

جب حیدر کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو حیدر تقسیم ہوئی

نوان کے حصہ میں لگاؤں بھیا حاجی پور (یوپی) کلاں محل اور اردبیل
کے مکان آئے۔

بھیا انتہائی دھندلے خود دار انسان تھے، طمع دلاج سے ان
کو برتنھا، قول اور معاملہ کے بڑے پکے تھے اور ان پر سختی کے ساتھ
قائم رہتے تھے خواہ ان کو کتنا ہی بڑا نقصان کیوں اٹھانا پڑتا۔
درد بازار میں جگت باکیز سے بے یاس بھیا کا ایک عالی شان مکان
تھا۔ جس کی حالت بہت ہی خستہ ہو گئی تھی اس کی مرمت کرنے کے
لئے خواجہ حسن نظامی صاحب کے اسٹوں نے دو سال کے لئے ہمیں ہزار
روپے قرضے۔

دو سال گزر گئے تار بیخ وعدہ سر پر آگئی، لیکن جب وہ وعدہ
کے مطابق روپیہ ادا نہ کر سکے تو اسی تاریخ کو رجسٹری آفس پہنچے اور
درد بازار والا مکان خواجہ حسن نظامی کے نام رجسٹری راہا اور دوسرے
روز وہ مکان خواجہ صاحب کے حوالے کر دیا۔ خواجہ صاحب نے دیکھا
کہ بہت پریت ہی ہوتے خواجہ صاحب نے خود اور دوسرے لوگوں سے
بے حد ان پر زور ڈلوا یا کہ وہ مکان اپنے نام منتقل کر لیں لیکن وہ کسی
قدرت میں بھی نہ آیا۔ نہیں ہوتے اور اپنی بات پر اڑے سے اس کے
بعد خواجہ صاحب نے اصرار کیا کہ آپ یہ مکان چھوڑ کر نہ جائیں بلکہ
اسی میں رہیں۔ کراسی سکی اور نہ کرس۔ اسٹوں نے یہ بات تسلیم کی
یا نہیں کی۔ لیکن چھ دنوں کے بعد خواجہ صاحب سے کچھ کچے بیگز
مکان عالی کر کے بھیا حاجی پور لگاؤں چلے گئے اور وہیں پر
رہنے لگے۔

سبھا احسان چارٹرڈ کاؤنسل سے اس کا انھوں نے امتحان پاس کیا تھا حکیم عبدالحمید صاحب مالک پورہ دو افانہ کو ایک دیانتدار کاؤنسل کی عزت تھی ان کی دیانت داری کا جب ان کو علم ہوا تو سبھا کی حکیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حکیم صاحب نے انہی کو بتایا کہ اللہ ربہ سبھا نے حکیم صاحب کے سامنے بین فٹریس پیش کیں ان میں ملازم کی حیثیت سے کام نہیں کروں گا۔ دوسرے میرے لئے ایک مکان کا بندہ لبت ہونا چاہیے تیسرے یہ کہ تنخواہ میں خود مقرر کروں گا۔ حکیم صاحب نے ان کی تمینوں کو پس منظر کر لیں۔ ان کو بازدرستارام میں ایک مکان دلوا یا اور سبھا نے انہی تنخواہ میں سورہ پے ماسور اور مقرر کی حکیم صاحب نے کہا کہ یہ تنخواہ کم ہے اس سے گزر اوقات نہ ہو سکیں گی۔ لیکن آپ نے ایک باقی کا سلی امانہ نہیں کیا۔ ہنگامی برضی چلی گئی حالات بدلتے گئے تو آپ کی تنخواہ بھی پانچ سورہ پے تک پہنچ گئی تھی یہ سب ان کی مرضی اور مشورے کے مطابق تنخواہ میں امانہ ہونا تھا۔

۱۹۴۷ء کے منگے کے چند مہینوں کے بعد سبھا کے صاحبزادے شبلی احمد ان کی بیوی پاکستان چلے گئے دو سال بعد سبھا نے جب پاکستان جانے کا ارادہ کیا تو حکیم عبدالحمید صاحب نے کہا آپ کو کراچی پہنچ کر پانچ سورہ پے ہینیہ ملے گی گا۔ احمد آپ پر کام کرنے کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ سبھا کے پانچ سورہ پے لینے سے صفا انکار کر دیا۔ اور کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں کام نہ کروں اور پانچ سورہ پے لیتا رہوں۔ دوستوں نے ان سے پوچھا آخر آپ چاہتے

کیا میں پاکستان میں پہنچے ہی آپ کس طرح گزارہ کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ میں پانچ سو روپیہ تنزیہ نہیں لیتا چاہتا بلکہ کمیت محکمہ خیرات روپے ملنے چاہتیں۔ جناب مفتی شوکت بھی صاحب ایڈیٹر رسالہ دین دنیا دہلی اور دوسرے دوستوں نے ان کو سمجھایا کہ چھ سو روپے کی رقم کیا سوتی ہے جانے ہی خرچ ہو جائے گی، یا رخ سو روپے جیسے کا ایک مستقل سہارا ہو گا۔ لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی اور وہ اپنی بات پر قائم رہے آخر حکیم صاحب کو ان کی بات ماننی پڑی۔

سچیا فرے گاندھی بھگت تھے کھدر پوشی مرتے دم تک برقرار رہی۔ خواجہ صاحب نے ان کو بے حد و حساب محبت بخشی لیکن کبھی عقیدہ تسلیم نہیں ہوئے خواجہ صاحب سے سیاسی مسک میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ لیکن تعلقات میں بھی فتنہ برابری نہیں آیا خواجہ صاحب کے مدد انتہائی قابل اعتماد شخص سچیا احسان الحق۔ اور ملا واحدی صاحب تھے دیے وہ اپنے حلقہ کے ہر آدمی سے محبت کرتے تھے۔

سچیا احسان نے دہلی میں رہائش اختیار کر لی تھی اور بار بار دیتا مانا کی ایک گلی میں رہنے لگے تھے، سچیا نے کسی کتاب میں کسی شخص مگر ان کے چھپنے کی کوشش نہیں آئی۔ مگر وہ ان کو دہلی کی تباہی میں ان کو سہارا بنا کھر چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ جس نے ان کے گھر پر قبضہ کیا تھا اس نے مطبوعہ کتابوں کو کوڑیوں میں فروخت کیا اور سودوں کو تھے یہ کتابوں کے سود سے جل جانے کے بعد

سجیائی ادبی یادگاریں باقی نہیں رہیں۔
 سجیاء احسان علی قادریؒ میں ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے۔
 کراچی میں مقیم ہوئے لکھات منہج ہو گئے تھے، کراچی میں انتقال
 ہوا، بہ حیثیت انان سجیاء کی شخصیت ایک شاعری شخصیت تھی،
 انتہائی نیک سیرت تھے اور معاملات میں مدعیان مذہب سے
 بڑھک پانہ مذہب تھے۔

سجیاء کے راکھوتے راکھوتے عارفان الحق شبلی تھے، سلم لیگ
 نیشنل گارڈ نے انتہائی جو سٹیلے کارکن تھے، تقسیم ملک کے بعد
 دہلی میں پکڑے گئے اور جیل میں بند کر دیا، جیل والوں نے انتہائی
 بے رحمانہ سختیاں کیں، اگر جیل سے باہر نکلی کر بھی تندرست نہ
 ہو سکے، کراچی گئے تو اعصاب اس قدر کمزور ہو چکے تھے، کہ
 قائد اعظم محمد علی جناح کی انتقال کی خبر سن کر فوت ہو گئے،
 خالصہ اخبار | لاہور سے یہ سہفتہ دار اخبار اپریل ۱۹۷۷ء
 شائع ہوتا تھا، مالک سردار مرچند سنگھ تھے، اجیدہ سالانہ
 درود ہے آٹھ آنے تھا، یونین ایسٹم پریس لاہور میں طبع ہوتا
 تھا۔ سردرتی پر یہ دو دھا درج ہوتا تھا۔

ناگہ نام سیاہ کلا
 تیرے سجانے مرتبہ داہلا

ظل السلطان | سبھیوں سے جوڑا کی سلاسلہ میں یہ ماہانہ نسوانی رسالہ علیہ افروز ہوا۔ مہم صفحات پر مشتمل

نشا۔ مرتب محمد امین زبیری صاحب تھے، سالانہ حینہ تین روپیہ اور قیمت فی پرچہ چار آنے تھی، حمید یہ آرٹ پریس سبھیوں میں چھپتا تھا۔ ہائے سامنے ظل السلطان فروری ۱۹۲۲ء کی جلد اور

نمبر ۷ ہے اس کے صاحب سے یہ رسالہ علیحدہ ۷ میں جاری ہوا، اور رسالہ خلد حیات سبھیوں کے مدھیہ پرنٹیشن نمبر ۱ کتوبر ۱۹۲۲ء میں درج ہے کہ یہ رسالہ ۱۹۲۱ء میں نکلا، ان دونوں کے برعکس اہلال کلکتہ مودفہ ۱۰ اربور ۱۹۲۱ء میں ظل السلطان پر حسب ذیل تبصرہ لکھتا ہے۔

اردو کا ایک کثیر الاثاعت ماسور رسالہ ظل السلطان سے جس کے اب تک پانچ نمبر نکل چکے ہیں پہلے نمبر میں ظاہر کیا گیا ہے کہ سرکار عالیہ سبھیوں اور بعض ارکان فائدہ ان شاہی نے اس کی سرپرستی منظور فرمائی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ کی بنیاد محکم اور امید افزا ہے۔ رسالہ کا مقصد ہندوستانی خواتین میں اثنا عشر قلم اندہ ان کے لئے مفید معلومات ہم پسینا ہے میں نے ایک دو نمبر دیکھے اور دماغ کے مقصد اور مضامین کے لحاظ سے ان کو بہتر پایا اکثر مضامین خواتین سبھیوں اور مدراس لنوائیہ ریاست کی معلومات دیگر کے قلم سے نکلتے ہیں۔ اور ایسے پرچے کے لئے یہ ہندو نوزدں ہے کہ اس کا زیادہ تر خط و خور خواتین کا لکھا کر دہ ہو، لیکن تاہم کام بلند سے بلند تر ہونا چاہیے۔ صرف چند مضامین کا اکٹھا کر دینا ایسی بات نہیں کہ کسی

رسالہ کے لئے خصوصیت ہو، یہ بات بیشتر سے اور رسالوں میں بھی
موجود ہے، ایک رسالہ جو ایک قانون فرما دے اور دار الحکومت
کے نکلنے سے ہندو ہے کہ کوئی امتیاز بھی رکھے ایڈیٹر (سولی
محمد امین صاحب زبیری) کو چاہیے کہ انگریزی رسالوں پر نظر
ڈالیں، تعلیم و تربیت نسوانی کے صنف میں اب تک ہم نے کچھ نہیں
کیا اور مگر یہ کہ یہ شاخ بالکل خالی ہے، نہایت آسانی ملے ساتھ مزاح
اور ہومر بھی پائی جاسکتا ہے جو خاص طور پر تعلیم یافتہ عورتوں
کے مذاق اور اخلاق کی اصلاح کرے اور ان کے لئے بلند درجہ کی
محرم آسان اور سہل زبان میں توسیع سلوات کا ذریعہ ہو، اصلاح رسوم
تعلیم مذہبی، تعلیم عقائد، تربیت اخلاق، مبادیات علوم، نتیجہ خیز
تعمیم و دکائات، اور اس طرح کی صد ہا چیزیں ہیں جو غیر کسی کاوش
و تدقیق کے کچھ جاسکتی ہیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ تعلیم یافتہ
عورتوں کی سطح ترقی آہستہ آہستہ بہ نفع صبح (بہ تحفظ اداب و
اخلاق بلند کی جائے۔ محض حنفی مضامین کی اشاعت اس کے
لئے کافی نہیں، خود ایڈیٹر کے حصے میں رسالہ کے نصف سے زیادہ
صفحات صرف ہونا چاہئیں۔

گویا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ظل السلطان جاری سوانہ سلطان
میں لیکن بعد میں بند ہو گیا اور سیر جاری ہو تا رہا۔ ظل السلطان
جہاں سندوستانی خواتین کی علمی دلچسپیوں کا ناموار رسالہ تھا،
وہاں اس میں علمی مضامین بھی شائع ہوتے تھے جیسا کہ اردو رسالہ
کے پرچے میں شائبہ صحابیات از مولوی عبدالسلام ندوی، بنیادیہ

کی ملکہ و ملہری محمد حسین صاحب صاحب محرمی صدیقی کے درمی مضامین
 چھپے ہیں جو اگرچہ بہت مختصر ہیں لیکن مضامین آٹھ صفحہ اور
 دو سرائقین صفحہ کا ہے اس کے بعد حفظِ صحت از صاحب
 ضیاء الدین حسن، سوسائٹی میں راکھیوں کے لئے حفظہ از منشی
 محمود الحسن صاحب صدیقی عالم نسواں از ایڈیٹر، جیسے مضامین درج
 ہیں۔

عالم نسواں میں جو معلومات دی گئی ہیں اور خیرستان وغیرہ ملک
 میں عورتوں میں جو زندگی پیدا ہونے لگی ہے وہ انتہائی دل چسپ
 ہے۔ اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

گزشتہ در سال سے سیاہی جدیدہ کے میدان میں عورتوں
 نے پورے جوش کے ساتھ قدم بڑھایا ہے وہ سیاہی ٹیلیف فونوں
 پر بڑی بلند آہنگی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر رہی ہیں، وہ
 دوسرے کر کے ملک میں لیکچر دیتی ہیں اور سچر علی کاموں میں حصہ لیتی ہیں
 اور ہر سال ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اب ان کی جدیدہ
 اسلوب پر آگئی ہے کہ ان کی عیدہ سیاہی سوسائٹیاں قائم ہونے
 لگی ہیں، وہ ڈانسنگ مینٹی ہیں اور حیل فائون کے تجربوں کی طرف
 بھی ان کا قدم اٹھ گیا ہے۔ خیرستان میں دسمبر کا آخری ہفتہ
 قومی سرگرمیوں کے لئے مخصوص ہے۔ مختلف اقوام خیرستان کی مختلف
 انجمنوں، کانفرنسوں اور کانگرسوں وغیرہ کے جلسے ہو رہے ہیں
 لیکن سیاہی امور پر مباحثہ ہوتا ہے کہیں خلافت اور مذہبی جدیدہ
 کے مناظر دکھائی دیتے ہیں کہیں تعلیم اور سوشل اصلاح کی تجاویز پر

سرگرم نظر آتی ہیں دسمبر ۱۹۲۲ء کا مہینہ بھی اسی طرح ان دشمنوں اور سرگرمیوں میں گھول گیا۔ جو صوبہ بہار میں ایک مشہور مقام ہے، ان سرگرمیوں کا خاص مرکز تھا۔ ان تمام غلبوں میں عورتوں نے بھی کافی حصہ لیا۔ صرف جمیتہ اعلیٰ کے اجلاس میں ان کے لئے محفوظ جگہ نہ تھی۔ ان کا کیمپ مردوں سے علیحدہ تھا۔ جہاں وہ آزادی اور آرائش کے ساتھ مستقیم تھیں۔ یعنی اہم سیاسی اتحاد نیز پر حیدر خوانین نے نہایت پر جوش اور قابلاً نہ توڑیں تھیں۔ ان سب میں نہایت تازہ شخصیت بی لاں، سٹرناتندو، اور ستر حسرت کی تھی، اگرچہ یوں تھی خواہمین ہر اجلاس میں شریک ہوتی تھیں، لیکن ایک موقع پر جبکہ بی لاں نے پیچھے پیچھے کئی درجن عورتیں برقیع اور نقاب میں ایک ساتھ داخل ہوئیں تو ایک عجیب استعجاب انگیز اور عجیب انظارہ سامنے آگیا اس قومی مہفت میں اسی مقام پر ایک سرخیل کا نفوس کا بھی انعقاد ہوا، جس نے صغیر سن کی شادی اور عورتوں کی تعلیم کے متعلق تعویذ پائیں کیں، اسی سلسلہ میں ترک پردہ کی بھی تجویز پاس ہوئی تھی۔ اس کا نفوس میں سلمان شریک نہ تھے اس لئے کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا۔ انوس پہے تمام ہندوستان کو باوجودیکہ مغربی تہذیب و تمدن کے خراب نتائج کا مشاہدہ ہوتا رہا ہے لیکن پھر بھی پردہ کی مخالفت ترک نہیں کی جاتی۔ علی گڑھ کی تعلیمی کانفرنس میں عورتوں کا بس اتنا حصہ تھا کہ چند وقتی ریزولوشن پاس ہو گئے قابل صدر اجلاس کے خطبہ صدارت تک میں ان کی تعلیم پر کوئی روشنی نہ ڈالی گئی البتہ مسلم یونیورسٹی کا لوڈیشن میں عورتیں بھی اس طرح

ہال کی طرف چکوں کے پیچھے موجود تھیں، ابتداً متعلقین نے ان کی شرکت سے بے پردائی برتی تھی لیکن بعض خواتین کے احتجاج سے مجید پوکران کی نشست کا انتظام کیا گیا۔

ترکی کے موجودہ نظامِ اجتماعی میں جو جنگِ عظیم کے بعد دنیا پر اپنے ترکی خواتین نے اپنی محنت اور بے نظیر ثابت قدمی سے ایسی اعلیٰ حیثیت حاصل کر لی ہے جس کا زمانہ ماضی میں خوب دخیال بھی نہ تھا ان تمام حوالہ کی طرح جو شرکِ جنگ، نیچے ترکی میں کلہاڑی اور دیہاتِ مزدوروں اور کھانوں سے بالکل خالی ہو گئے تھے۔ تاکہ میدانِ جنگ میں سپاہیوں کی قلت نہ رہے آخر ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ جنگ میں جانے والے نوجوانوں کی جگہ بڑھے آدمی اور صیورے لڑکے ہونے لگے۔

پہلا محکمہ ڈاک خانہ کا تھا۔ جس نے اپنے دفاتر میں عورتوں کو ملازم رکھنے کی جرأت کی، پہلے پہل جب خواتین ترکی ڈاک خانہ میں کھڑکیوں میں بیٹھ کر ٹکٹ بیچنے لگیں تو ملک میں ایک سنسنی سی پھیل گئی۔ لیکن ان عورتوں نے اپنے ذالان کو ایسے پابندیِ وقت اور خوش اسلوبی سے ادا کیا کہ محکمہ چیزوں کی زبائیں بہت جلد بند ہو گئیں، اور آئندہ کے لئے راستہ کھل گیا، بہت لوگ عورتوں کو ٹکٹوں، بازاروں اور کالوں میں دیکھنے شے عادی ہو گئے۔ اور اس طرح آزاد خواتین نے پائندہ کارکنانِ ملکی کی دسات سے عملِ صحت اختیار کر لی۔

تنویر | یہ تلمیذ اخلاقی اور ادبی رسالہ تھا جو انبالہ سے اگست ۱۹۱۷ء میں جاری ہوا۔ اہم مضامین پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر حکیم سید ذاکر حسین اختر تھے، سالانہ چندہ دور دے جاتے تھے۔ بلانی انسٹیٹیوٹ پریس انبالہ میں باہت ممتی کریم بخش صاحب چھپاتا تھا۔

کتابت، طباعت اور کاغذ فہمیں تھا۔ اس کے مضمون نگار دنا عروجی احمد صاحب غازی پانی پتی، سولانا احمد شائق صاحب بسمل، سولانا مولوی وحید الدین پانی پتی ایڈیٹر مسلم گروت وغیرہ تھے۔

اردو | محمد سے اکتوبر ۱۹۱۷ء کو یہ ماہور رسالہ نکلتے ہوئے اہم مضامین پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر مولوی فتح محمد خان صاحب جالندھری تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ اس رسالہ پر دلگداز لکھنؤ کے شائے جنوری ۱۹۱۷ء میں تبصرو چھاپا ہے۔

لاہور سے ایک اردو زبان کا نیا لٹری رسالہ اکتوبر ۱۹۱۷ء سے نکلتے ہوئے شروع ہوا ہے جس کے مالک ڈیڈیٹر مولوی فتح محمد خان صاحب جالندھری ہیں، جنہوں نے اپنی تصانیف صرف نسخہ اردو کے ذریعہ زبان اردو پر اپنے حقوق پیدا کرتے ہیں اور جن کی ذات سے امید ہے کہ تہذیب و ترقی اردو کا مسئلہ خوش اطولی کے ساتھ جاری رکھ سکیں گے، لکھنؤ میں چھاپائی اور کاغذ قابل اطمینان ہیں اس میں اردو کے شائقین کے لئے اچھا ذخیرہ ہے۔

اخبار غدار

کلی فورنیا سیکرمنیٹو سے یکم نومبر تک ۱۱ عکویہ القذافی
سفینہ دار اخبار ظہور پذیر ہوا۔ اردو مہندی مراسمی
اور گریگوری زبالوں میں لکلت تھا، ایدیا بیڑا مجنوں اور مفلون ڈاکٹر
برکت اللہ تھے۔ یگا آشرم پر بس میں جھپٹا تھا۔

یہ اخبار مہندی ایسی ایٹن آف سینک کو سٹ کا آرگن
تھا، اس ایسی ایٹن کا ہڈ کو آرٹھ کچھ عرصہ کے بعد سان فرانسسکو
میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اخبار کا دفتر بھی وہیں منتقل ہو گیا تھا۔
اس ایسی ایٹن کا دوسرا نام عذر پارٹی تھا جو اس قدر مشہور ہوا
کہ لوگوں کے دلوں میں ایسی ایٹن کا نام نکل گیا عذر پارٹی اور
اخبار عذر کے ہائی لاء ہر دیال تھے۔

یہ اخبار عرصہ عرصہ کی جنگ آزادی کی یاد میں لگا لگا ہوا تھا
جس طرح عرصہ عرصہ کی جنگ آزادی کا مقصد انگریزی حکومت
کا خاتمہ کرنا تھا۔ اسی طرح اس اخبار کا مدعا بھی انگریزوں کے
ظلمات نفرت پیدا کرنا اور بغاوت کی جنگاری لگانا تھا جس کے
ذریعہ قتل و تشدد کی تلقین کی جاتی تھی اور غیر مالک ہیں رہنے والے
میں دستاویزوں کو جہد وستان سمجھنے کے طور سے دے دئے جاتے تھے
تاکہ وہ وہاں پوٹیکر انگریزی حکومت کا خاتمہ کرنے کی سعی کریں۔

اس اخبار میں عذر پارٹی کے اغراض و مقاصد تحریر کئے
جاتے تھے اور ہدایت کی جاتی تھی کہ خفیہ جاسوسی قائم کر دو اور ہندوستان
میں انگریزوں کے ظلمات تشدد و آمریت کو جھپٹیں چلانے سے بھی گریز
نہ کر دو، یہ اخبار سان فرانسسکو میں رہنا کارانہ طور پر بار بار اعلان اور

سڑکوں پر زرخیز کیا جاتا تھا۔ خفیہ طریقہ سے ہندوستان میں بھی
جانا تھا۔ امریکہ، کینیڈا، اور میکسیکو وغیرہ میں مقبولیت حاصل
کرنے کے علاوہ ارجنٹائن، جاپان، جزائر فیجی، فلپائن، اسٹریلیا
ملایا۔ اور بہا وغیرہ میں پھیل گیا تھا۔

اس اخبار نے سترہویں صدی میں پہلی جنگ عظیم کے دوران تیزی
کے ساتھ اس بات کی تبلیغ کرنی شروع کر دی تھی۔

”غیر ملکی میں، اپنے دو لے ہندوستانیوں، تم فوراً ہندوستان
جاؤ اور غدر کی حرکت پھیلاؤ، انگریزوں کو قتل کرو اور ان کو
اس قدر خوف زدہ کرو کہ وہ سبھاگ جائیں اور اس طرح ان کو ملک
سے نکال کر ہندوستان کو برطانوی حکومت سے نجات دلاؤ۔ یہ
صبح لڑ چکے وقت ہے، غدر مچانے کے لئے اپنے آپ کو منظم
کر کے تیار ہو جاؤ۔ آپس میں جبکہ یورپ میں جنگ کے شعلے بھڑک
رہے ہیں اسکو بہادری دہادی کرو، یہ غدر مچانے کے لئے اپنے آپ
کو منظم کر کے تیار ہو جاؤ۔ آپس میں جبکہ یورپ میں جنگ کے شعلے بھڑک
رہے ہیں یہ تمام تمہیں دینا بند کرو، سارے ہندوستان میں غدر مچا دو
میں آپسے بہادری اور سرسردش مجاہدین چاہیں جو ہندوستان میں غدر
مچائیں اور ان کی

انعام۔ شہادت

پیشوا۔ موت

پیشوا، آزادی - میدان جنگ - ہندوستان

اسکو بیدار ہو جاؤ اور غدر مچانے کے لئے چندہ میں ٹوڑے
کے ٹوڑے جمع کرو اور غدر مچانے کے لئے ہندوستان

روانہ پہنچاؤ۔ اور آزادی وطن کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دو،
۱۸ اگست ۱۹۴۷ء کے شمارے میں اخبار غنہ نے اپنے گزرمین
کارکنوں کو بڑا تپ دیا تھا۔

غنہ ٹریڈ یونٹ کر تقسیم کریں۔ لوگوں کو عملی کارروائیوں پر
اکٹائیں، ریڈیو سے لائن اکٹھا کر سکیں، لوگوں پر زور دے کر اور
اصرار کر کے بکوں سے اپنا رویہ نکالنے پر مجبور کریں دلیہ خوجوں
کے نام نوٹس جاری کریں کہ ان ٹریڈ یونٹ کو ذبح کر ڈالو۔

۲۵ مارچ ۱۹۴۷ء کے پرچے میں سان مارکو میں لالہ بہار
کی گرفتاری کا حال بھی شائع ہوا تھا۔

۱۸ اپریل ۱۹۴۷ء سے نومبر ۱۹۴۷ء تک کو بہار میں سالہ
نومبر ہوا۔ ۲۷ صفحات پر مشتمل میگزین تھا۔ ایڈیٹر
دالک نواب جی محمد اسماعیل صاحب تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا
عزیز پرپس اگر وہ میں چھتا تھا۔

اس رسالہ میں پولیٹیکل تعلیمی مسائل پر بحث کی جاتی تھی
اور سوشل افلاقی اور تاریخی مضامین درج ہوتے تھے کتابت طلبت
بہت عمدہ تھی اور کاغذ بھی اچھا تھا۔

اس رسالہ میں تمام مضامین ایڈیٹر کے ہوتے تھے کسی دوسرے
مضمون نگار کا کوئی مضمون نہیں چھتا تھا۔ واقعات و حالات پر تبصرہ
کیا جاتا تھا۔ یہ رسالہ برائے نام سیاسی تھا۔ حکومت کی جاوے جا
نہت مد اور چالوسی کرنا اس کا مسلک تھا جو کسی قدم حکومت کی مخالفت
میں غلام میں اٹھاتے تھے باکوئی اخبار حکومت پر نہکتہ جلتی کرتا تھا تو یہ اس کی

محافت کرتا تھا، چنانچہ اس نے اپریل ۱۹۱۱ء کے شمارے میں
پریس اینٹ کی نفاذ کی حمایت کی۔

پریس اینٹ کا شور و غل جاری ہی تھا کہ گورنمنٹ نے مجموعہ
تقریرات ہند میں دو اور دفعات کے اضافہ کا نوٹس دیا۔ جن کی وجہ
سے اخباری ریر بہ زبرداری بڑھ جائے گی لیکن چونکہ تجربہ بتا رہا
ہے کہ ایسا کرنا ضرور ہے، اس واسطے میں تو نہیں جانتا کہ بیک اخبار
بول ٹرولٹ کریں۔ مقصد ان دفعات کا یہ ہے کہ انہوں پر جبکہ وہ کسی
مقررہ نقطہ میں مصروف ہوں جائزہ دیا جائے یہ تحریر ڈالنے کو
دکا جائے تاکہ انصاف میں غلطی نہ پڑے اور میرے نزدیک یہ منشا
ایسا ہے کہ جس کی تائید مراکبہ سائنس کو کرنا چاہیے۔

ابھارہ مہاراجے نے جب ضمانت طلب کی تھی اور پریس بھی ضبط
کر لیا تو اس رسالہ کے زیر اثر الفاظ میں ضمانت لینے اور پریس ضبط
کرنے کی تائید فرمادی۔ اس لئے اس کے پرچے میں کی۔

حکومت نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ زمیندار اخبار لاہور کی دس ہزار روپیہ
تا ۱۹۱۱ء تک ضبط ہو گئے۔ اگرچہ کارخانہ زمیندار کو نقصان
نہیں پہنچا، لیکن گورنمنٹ کا یہ قبضے کا حکم
غیر منصفانہ ہے۔ بعض مرتبہ حیات انسانی کو بچانے
کیلئے ضروری ہے کہ وہ ضبط ہو جائے۔ علاوہ ازیں ممبر
جسٹس نے اس کے خلاف کے انداز کے بند کرنا ہر طرح گورنمنٹ
کو شاد اور نیکر مصفا میں

شمس العلوم | یہ ماہنامہ رسالہ ستمبر ۱۹۱۲ء کو بدایوں سے نمودار ہوا
۳۲ صفحات پر مشتمل تھا ایڈیٹر جناب مولانا عبدالمجید

بدایوںی اور نائب مدیر مولوی حبیب الرحمن قادری تھے، سالانہ چندہ
ڈیڑ روپیہ تھا۔ مطبع قادری میں چھپتا تھا۔ یہ رسالہ مدرسہ العلوم
بدایوں کا آرگن تھا۔ اس میں نائب مدیر کی حیثیت سے محفلِ اہلِ حق علمی
سمواری، ظہور الحق، مقتدی بدایوںی نے بھی کام کیا۔ اس رسالہ میں علمی
مذہبی، فقہی، اخلاقی، تاریخی اور تصوف کے وسیع مضامین شائع ہوتے
تھے، منظومات کا بھی حصہ اچھا خاصہ ہوتا تھا۔ زیادہ تر بدایوںی
شوار کا لفظ اور منقبتی کلام چھپتا تھا۔ حضرت مولانا عبدالمقتدر
بدایوںی کی تفسیر ترجمہ قرآن رسالہ کا مستقل عنوان تھا، مولانا عبدالمقتدر
تفسیر ابن عباس کا اردو ترجمہ شائع فرماتے تھے ایک مستقل موضوع مذاکرہ
علیہ بھی ہوتا تھا۔ جس میں کبھی علمی اور کبھی فقہی سوالات و جوابات چھپتے
تھے اس سال میں مستقل طور سے تناد کی مع جوابات طبع ہوتے تھے،
کبھی کبھی سیاسی موضوع پر بھی اس رسالہ میں اظہار خیال کیا جاتا تھا
اس رسالہ پر عصر جدید میرٹھ نے ۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء کے

نمائے میں یہ رپورٹ کیا تھا۔

”یہ ایک ماہوار رسالہ ہے جو حال میں بدایوں سے شائع ہونا
شروع ہوا ہے ایڈیٹر جناب عبدالمجید قادری اور نائب مدیر
مولوی حبیب الرحمن قادری ہیں یہ رسالہ بدایوں کے مشہور سنی حنفی
خاندان کے خیالات کی اشاعت کے لئے جاری ہوا ہے۔ پہلا حصہ
جو ہمارے سامنے ہے۔ اس کے ٹائٹل پر یہ عبارت ہے علمی، مذہبی

اصلاحی، تاریخی، مونیانہ مذاق کا مہوار رسالہ، مضافی میں
 پسپ میں، یہ رسالہ در سال نکلنے کے بعد بند ہو گیا تھا۔
 بلا نا عبد الماجد بدایونی | بدایوں کی سرزمین سے پرورد میں ملار حکمر
 اور شوا پیدا ہوتے ہیں جن میں مولانا
 الماجد کا سہی خاندان ہے۔ آپ کے جد امجد بروی شیخ علیہ السلام
 یعنی تھے جو نہ آل احمد اچھے میاں مار بروی کے غلیبہ تھے
 ان کے بدایوں میں قادری خانقاہ قائم کی لہ ان کے صاحبزادے
 فادہ نشیں جناب مولانا شیخ فضل رسول بدایونی نے مدرسہ قادریہ کلا
 رچاند لگائے۔ مولانا فضل رسول اپنے دور میں عزت و وقعت
 نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، آپ حضرات مولانا فضل حتی خبر آبادی
 جوم و مخفر کے معبر تھے۔

مولانا فضل رسول بدایونی کے بڑے زہدار جند بروی محی الدین
 تھے ان کے لڑکے بروی حکیم عبدالقیوم صاحب تھے انہوں نے مدرسہ
 درہ کے ساتھ جامع مسجد تہسی بدایوں میں ارمطہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء
 ایک مدرسہ تہسی العلوم قائم کیا۔ جس کا انتہام وہ خود کرتے تھے حکیم
 عبدالقیوم صاحب مدرسہ کے قیام کے چند ماہ بعد رجب ۱۳۱۸ھ
 مطابق ۱۹۰۰ء کو برائے نام کو مرنے میں ریل سے ٹکر فوت ہو گئے جہاں وہ
 یک جلدہ میں شریعت کے لئے گئے تھے ان کے فوت ہونے کے بعد
 ان کے جانشین حضرت مولانا عبد الماجد بدایونی ہوئے جنہوں نے
 ملک کی قومی و دینی تحریکوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، تحریک
 خدائے کعبہ، تحریک خلافت، تحریک تبلیغ، تنظیم حمایتی علماء ہند اور مسلم لیگ کے

نا سر اور مقتدر رہا تھے۔ جہاد بیاں خطیب و مقرر تھے۔

مدرسہ شمس العلوم کی بنیاد تو ان کے والد ماجد حکیم عبدالقیوم صاحب نے رکھی تھی مگر اس کو پران چڑھانے کا سہرا مولانا عبدالجہاد بدایونی کے سر پر ہا۔ اسوں نے ملک کے کونے کونے میں مدرسے کئے۔ نظام دکن سے امداد حاصل کی جو مدرسہ ایک برابر ملتی رہی یہی کی قریش برادری اور سلیم احمد حاجی صدیقی کی گراں قدر قوم نے مدرسہ کی تعمیر مکمل کرادی۔ مدرسہ کا عالی شان دروازہ "ظہور گیت" مولوی ظہور حسین رئیس بدایوں نے تعمیر کرایا۔ حتی کہ عورتوں تک نے جنیدہ میں زیورات دئے، مدرسہ کے لئے قطعہ اراضی امدانہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر گورنری میسن اور کلکٹر بدایوں، بنگرام کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ مدرسہ کی عمارت کے نیچے کے حصہ میں دکانیں ہیں اور کتب خانہ مدرسہ ہے کتب خانے میں ہزاروں کتب ہیں۔

حضرت مولانا عبدالجہاد کی کوششوں کی وجہ سے مدرسہ نے بہت جلد ملک میں ایک اقتضائی مقام حاصل کر لیا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ قرأت اور حفظ قرآن کا بھی مدرسہ میں مستقل انتظام ہے، درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد بہت سے طلبہ نیپاب یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی سے مولوی فاضل مولوی عالم اور مفتیان حاصل کئے استمان دیتے تھے، چنانچہ اس مدرسہ سے کتب سے طلبہ فارغ التحصیل ہو کر نکلے اور مختلف حیثیتوں سے اسوں نے ملک و ملت کی خدمات انجام دیں۔ فارغ التحصیل ہونے والوں میں قابل ذکر نام یہ

میں۔ مفتی عزیز احمد قاری (لاہور) علامہ محمد تقی، مولانا عبد الوہاب
نشان بدایونی مولوی سید حسن حسرت المعروف بہ علامہ حسرت بدایونی
مولانا حمزہ مبارقان ادجیبائی۔ اور مولوی خواجہ غلام نظام الدین
بدایونی۔

دوسرے شعبہ علوم سے متعلق ایک مستقل دارالتحقیق و کوالٹا
جی تھا۔ جس سے مولانا عبد المجید کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔
۱۔ بارعہ (۲) التہذیب (مولانا ابوالقاسم بنارس کا جواب (۳)
القول السدید (مولانا ابوالقاسم بنارس کا جواب (۴) خلاصۃ المنطق
(۵) خلاصۃ النعمان (۶) خلاصۃ فلسفہ (۷) جواز عرس۔

اس دارالانشاعت سے مولانا عبد المجید بدایونی کی تصانیف
کے علاوہ دوسرے علماء کی تصانیف بھی شائع ہوئیں۔ فقہ ملک کے
بعد دوسرے شعبہ علوم کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور اس وقت
بہ مدرسہ ملحق اسلامیہ کی سفید ندھی، سائترقی، خدمات انجمن، ادبیات
مکہ، بدایونی، یہ واحد مدرسہ ہے جو دینی و علمی مرکز کی حیثیت سے کام
لے رہا ہے۔ نایدی کے مسلمانوں کی خوش متستی ہے کہ مدرسہ شعبہ علوم
کراہی، مملکت عالم مولانا مفتی محمد ابراہیم زیدی ابن مولانا جعفر علی
زیدی، مدرسہ مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے مل گئے۔

محمّد ابراہیم زیدی سلام اللہ علیہ میں تشریف پور میں پیدا ہوئے اور
ابتداءً قریب تین سو سالہ عربی کی ابتدا آغا شاہ منظور احمد
چلواریا سے ہوئی۔ ابتدائی کتب صرف و نحو کے بعد مدرسہ حمیدیہ درجہ

اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تحصیل کی، درس نظامی کی تکمیل کے بعد مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولانا عبدالعزیز خاں سے صحاح ستہ کا دورہ مکمل کتب اند نقیہ بیضاوی کا درس لیا۔ ۱۳۵۲ء میں ان کی دستار بندی ہوئی، ابتداً مدرسہ منظر اسلام بریلی اور اس کے بعد مدرسہ قادریہ مدنیوں میں تدریس کا سلسلہ رہا۔ ۱۳۵۹ء میں مدرسہ شمس العلوم مدنیوں میں مجدد مدرس اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور مفتی شہر کی بھی خدمت انجام دیتے ہیں۔

معارف | سچواری شریف ضلع پٹنہ سے ۱۳۱۹ء کو ماہانہ یہ رسالہ وجود میں آیا۔ ۱۳۲۰ء صفحات پر کلکتہ شرف مدرسہ مالک سید محمد منظر الحق چشتی دہلی اور نائب مدرسہ شاہ محمد قاسم فردوسی عثمانی سلوی تھے، سالانہ چندہ ڈھاکہ روپے تھا۔ رسالہ بزم سخن لکھنؤ نے مارچ ۱۳۱۵ء کے شمارے میں اس سال پر تبصرہ کیا ہے۔

”لقنوں کا مہینہ بہا رسالہ ہے جس میں ہر قسم کے تصوفانہ، مذہبی، اخلاقی، تاریخی، علمی مضامین پر مصنفانہ مذاق میں بحث کی جاتی ہے۔ اس کے مدیر دیردریائے سید محمد منظر الحق چشتی دہلی، اہل اسلام کو خصوصاً اس رسالہ کی خریداری کرنی چاہیے۔ کاغذ، لکھائی، چھپائی سب عمدہ ہے۔“

شاہ محمد تقی رحمہ اللہ صاحب | شاہ صاحب کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ محمد
جلال الدین کبیر الدلیہ پانی پتی سے ملتا ہے

آپ کے جد امجد حضرت مخدوم شاہ بہان الدین عرف خواجہ میاں دیواری
تھے ان کے دادا حضرت شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہید دہلی بن قطب
العصر مولانا شاہ محمد علی تھے، ان کے صاحبزادے حکیم شاہ محمد نجیب الدین
فروری عثمانی کمالی موفع سملہ ملاقات خانہ رنج گنج ضلع گیا کے رہنے
والے تھے اور وہاں کے میرزاؤں کے خاندان میں تھے جن کا انتقال
برقیعہ ۱۲۳۷ھ کو ہوا۔

کمال صاحب چوں کہ عمر بچے وہاں صاحب تعذیب بھی تھے۔
حصول الہدایہ میں مولانا جلال الدین علیہ السلام کا علیہ طہرہ
بیان کیا گیا ہے جو ردود کی شکل میں ہے، یہ اب دل لوگوں میں بہت
مقبول ہوا سادہ باریکت سمجھا جاتا ہے پہلی مرتبہ طبع قیومی کا پیور
میں طبع ہوا۔ دوسری مرتبہ طبع ستارہ منہ کلکتہ میں چھپا۔
نکات سرمدی (حروف مکتوب محمدی) میں آپ کے جد امجد
شاہ محمد علی صاحب دہلوی کے کتبوبات میں جو سلسلہ مکتوب طبع احمدی
پٹنہ میں جمع ہوئے۔

آپ شاعری میں حضرت ہازر گیارہویں صدی مرزا غالب کے شاگرد تھے
کمالی محسن راجے تھے۔

بے خراب مادہ ساتی، کمالی کی دعا
خشتہ یابوالمحسن آباد سے فائدہ ہے
شاہ محمد تقی رحمہ اللہ کو سلسلہ میں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد کی دعا

کے بعد سکاؤنٹس ہوئے۔ انھوں نے راہِ ولایت میں بہت سے لوگوں کی رہنمائی کی۔ خلافت اور دوسری سیاسی تحریکوں میں حصہ لیا، رسالہ معارف کے نائب مدیر بھی رہے۔ میلہ و رسول با تحفہ مقبول اور آپ کے مکاتب کا مجموعہ "نقشبہ دوام"، مرتبہ شاہ طیب سکوی مددی آپ کی بارگاہِ مطبعہ سے

نظم | لدھیانہ سے سلاسلہء ذکر یہ ماہانہ رسالہ شائع ہوا، ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر خباب آزاد لدھیانہ تھے، مضافین نشر کے علاوہ طرحی و غیر طرحی عزیس اور نقشب و غیرہ درج ہوتی تھیں، لکھائی چھپائی مولیٰ تھی ماہانہ حیدرہ ایک مدنیہ چار آنہ تھا۔

درپیک | ہندوستان کا ایک ہزار آنہ ایڈیشن سلاسلہء ذکر میں لاہور سے منور ہوا۔ لالہ دینا ناتھ مالک دایڈیٹر تھے اس کی اشاعت ۱۹۱۵ء میں چار نمبر تھی، ہر دل باریز اخذ تھا۔ لیکن جب ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کی ملکیت بدل گئی تو درپیک بھی بیکار ہو گیا۔

بیم مئی سلاسلہء ذکر کے اخبار کا پورے گزشتہ میں درپیک پر یہ دیوش تفع ہوا تھا ایک ہزار آنہ اخبار نکلا شروع ہوا ہے اس اخبار کے مالک شری مہر لادری چودھری صاحب ہیں اور اس کے ایڈیٹر رام رحیمال سنگھ صاحب ہیں جو ایک قابل اخبار نویس ہیں جن کی تحریر سائنس و سبیدگی کے لئے مشہور ہے مضافین لکھائی چھپائی لاہور کاغذ کے لمبے اخبار

ایک کا یہ خبر اردو کے لورڈ ام اخباروں پر رونکھتا ہے۔
مالوہ ریلوے | جمربال سے یہ ویدہ سٹارٹنگ میں جلوہ اورد ہوا
 بندہ روزہ تھا۔ آٹھ صفوں پر بھی بارہ صفحات
 پر لکھت تھا، یہ محمد یوسف قبیر اس کے پہلے ایڈیٹر تھے ان کے
 بعد کا ملہ علی تین نے ادارت کی وہ دہلی سے تھے
 دہلی سے سٹارٹنگ میں یہ اخبار جاری ہوا مہم صفی
سلطنت | پر نشل تھا ایڈیٹر سید شیر محمد علیگ تھے سالانہ چندہ
 پانچ روپے تھا مری پریس میں چھپتا تھا۔

یہ اخبار اصل معانی بہترین رسالوں کی نظموں، اہم خبروں اور
 ایسی ریاستوں کے تاریک اعمال تاہوں کا مرتع، حیدر آباد دکن کے
 چار ہزار چھوٹے بڑے اسکولوں مدرسوں اور کالجوں کے بچے حکم
 تعلیم کا مستعد تھے معور اخبار تھا۔

صک ذق | لاہور سے سٹارٹنگ کو یہ ماہوار رسالہ علیہ افروز ہوا
 مہم صفی پر نشل تھا۔ ایڈیٹر مفتی محمد صادق صاحب
 تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

مفتی محمد صادق | مفتی صاحب ۳۱ فروری ۱۸۸۷ء کو بحیرہ ضلع شاہ پور
 میں پیدا ہوئے۔ قرآن احادیث اور تفسیر کا درس
 مولوی حکیم نور الدین صاحب شاہی طیب ہمارا جہ کشیر سے لیا، تعلیم
 سے فارغ ہو کر بحیرہ کے اسکول میں ملازم ہوئے اس کے بعد
 جموں چلے گئے ۱۸۸۷ء میں لاہور پہنچے۔ انجن حمایت الاسلام
 لاہور کے ہائی اسکول میں درس مقرر ہوئے ۱۸۹۷ء میں ملازمت

علمدہ ہرکرا کا دسٹریکٹ جنرل لاہور کے دفتر میں اڈیٹری پر مامور ہوئے
 جہاں عرصہ تک رہے۔ قادیان جانے کے بعد اخبار البدل کے مدیر مقرر ہوئے
 اس کے بعد صداقت لکالاسٹریٹ میں اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے
 انگلینڈ گئے اور امریکہ فرانس اور انگلستان میں سات سال تک تبلیغ
 کی امریکہ میں آپ نے ایک تبلیغی رسالہ بھی لکالا تھا۔ وہاں سے واپس
 آنے کے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں میں تبلیغ کرتے رہے، آپ
 سات آٹھ زبانیں جانتے تھے نہایت نیک طبیعت انسان تھے علم ۱۹۰۶ء
 کے ہنگامہ کے بعد لاہور میں مقیم ہوئے ۲۵ جنوری ۱۹۵۷ء کو
 لاہور میں فوت ہوئے صاحب تقیہ تھے، ذکر حبیب، بائبل
 کی مین گوئیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تحقیق و
 سچ، تحفہ یارس اور صداقت بیٹی وغیرہ ان کی تصانیف تھیں ۱۵
 دہائی سے ۱۹۵۷ء کو یہ مفتہ دائرہ ۱۷
طیب | مفتی پرتھوی ناتھ۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا
 حکیم اجمل خاں صاحب کے ایثار پر یہ اخبار جاری ہوا تھا۔ اور طیب
 کا فرنس کا ترجمان تھا۔

اجمل خاں صاحب نے امرتسر کے شمارے ۲۴ مئی ۱۹۵۷ء میں اس
 ائٹھارڈ شمارے پر لکھا۔

” دردناک حالت دیکھ کر وہ دنیا مردوں کا کام نہیں سمجھتے
 محبت یہ ہے کہ درد کا در بال سوچا جائے دینی علاج کی بقدری

دیدل اور طبیوں کی کس سپر کی گوانتہا کو پہنچ گئی ہو مگر حالت زار پر سوچے بپانے کے زمانے لے گئے اب وقت ہے علمی متعدی اور پیش قدمی سے جو مشکلات کی چارہ سازی کی جائے، اگر آپ معلوم کرنا چاہیں کہ آرپو روڈیک دیونانی طب کی مطلوبہ اصلاح دترتی کے لئے کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہیے تو دارالسلطنت دہلی کے مشہور مفتہ دار طبیب کی مستقل خریداری منظور فرمائیں، جس میں طب کے متعلق علمی بحثیں، ضرورت وقت کے اخبار کی مضامین، قیمتی قابل قدر امیں، اشعار اطباء کے نادر تجربات، پیچیدہ امراض کے متعلق استفسار و جوابات دینی اطلاعات شائع ہوتی ہیں۔

جین پریس | دیوبند ضلع سہارنپور سے سالانہ کو یہ مذہبی افلاکی جین پریس | و تو می اخبار بطور پذیر ہوا، پندرہ روزہ تھا۔ منشی

جوتی پرنٹ و ایڈیٹر تھے سالانہ قیمت دو روپیہ تھی۔ اس اخبار کے مضامین و تعلیم اعلیٰ پایہ کی ہوتی تھیں لکھائی چھاپی عمدہ تھی اور کاغذ سلی نفیس تھا۔

کیسٹل منش | جو گلوں ضلع فیروز پور سے سالانہ کو یہ رسالہ جاری ہوا، مہمغوں پر مشتمل تھا۔ جناب نادال فیروز آبادی ایڈیٹر تھے، سالانہ قیمت ایک روپیہ تھی طبعی غزلوں کے ساتھ ہر قسم کی مضامین علمی، اخلاقی، تاریخی اور ادبی مضامین شائع ہوتے تھے، ہر کے لئے خریدار کو کم ترانے کی ایک کتاب روانہ کی جاتی تھی۔

مسادات | لاہور سے سالانہ کو یہ مفتہ دار اخبار وجود میں آیا، مولوی نذیر احمد صاحب علیک اس کے ایڈیٹر تھے

سرصفحات پر لکھنا تھا، سالانہ چھ مہینے روپے تنخواہ
اس رسالہ پر ادیب الہ آباد نے مئی ۱۹۱۷ء کے شمارے
میں تبصرہ کیا ہے۔

”سادات ایک جدید قومی اخبار ہے جو الہ آباد سے زیر ایدٹری
مولوی بذریعہ احمد صاحب علیگ ٹائٹل ہونے لگا ہے، سیاسی اقتصاد
تمدنی، تعلیمی مسائل پر آزادانہ بحث کرتا ہے اور صنعتی تحریک و قانونی
مسلمات مفید کا ذخیرہ مہیا کرتا ہے اخبارات در مسائل تراجم و اقتباسات
تائید کرنا یہ سارے امور اس کے سکہ میں داخل ہیں اور واقعی عملی
ثبوت بھی دے رہا ہے کوئی مہفتہ ایں نہیں ہوتا کہ اخبار دل چسپیوں
سے خالی ہو، دارالسلطنت صوبہ ہند میں کسی اردو اخبار کا یہونا
ایک عجیب خبر بات ہے سادات نے اس کی کو پڑا کر لیا ہے۔ ہم
لائق ایدٹری صاحب کی گفتگو کی داد دیتے ہیں۔“

اس اخبار کی معاہدہ بین نے توفیق کی ہے۔ نقاد اگرہ مرضہ
اگست ۱۹۱۷ء میں بھی اس پر رپورٹ چھپا ہے۔

”ہمارے صوبہ میں بہت کم اخبارات نکلتے ہوئے ہیں اور ان میں
سبھی چند اخبار ایسے ہیں جنہیں صوموع اخباری کے لحاظ سے اخبار کہا
جاسکے۔ سادات الہ آباد سے لکھنا ہے اور اس کی اشاعت کو اب
تقریباً سال ہے اس کے ایدٹری مسٹر نذیر احمد صاحب ہیں جو نہایت
دستبرداری سے اخبار مرتب فرماتے ہیں اور جب سے ان کے دفتر میں
ہمارے لائق دوست حضرت مصطفیٰ مرزا پوری آئے ہیں اس وقت
سے اس اخبار کی ادبی حیثیت اور بھی بڑھ گئی ہے عمدہ کاغذ پر شائع ہوا

شائع ہوتا ہے۔"

ارتھ سلاٹ کے اہلکار کے کھانے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے کچھ اس اخبار پر تنقید لرایا تھا۔

"یہ اخبار حال میں شائع ہوا ہے، موصیحات ستمہ میں اب تک علی گڑھ گھٹ اور البشیر وغیرہ کے سوا اصلوں کے ہاتھ میں ہا دقت اخبارات بالکل نہ تھے، پہلے دلیل ٹکمنڈ سے مسلم گھٹ لکھا اور اب خوشی کی بات ہے کہ اس طرف تعلیم یافتہ اصحاب کو گوجر ہونے لگی ہے، چنانچہ سادہ اسی سلسلہ میں قابل ذکر ہے، اس کا ایک پرچہ ریویو کی طرف من سے میں نے اٹھایا ہے۔ مناسبت ۶ صحت کی ہے جو کافی ہے کاغذ کا لکھا جاتا ہے اور قیاد اس لحاظ سے اپنے صوبہ کے تمام اخبارات میں ممتاز ہے۔ خبروں کے انتخاب اور ایم واقعات اور کونسل کے ہر روزی مباحثہ وغیرہ کے تراجم و تذکرے کا ماموم انتہام کیا جاتا ہے موصیحات ستمہ میں اسکی اردو اخبارات کی بہت کمی ہے اور بیک میں روز روز اخبار یعنی کا مذاق بڑھتا جاتا ہے۔ اس لئے نئے اخبارات جس قدر شائع ہوں بہتر ہے، امید ہے کہ الہ آباد کے اس تنہا اردو اخبار کو جو صوبے کے دارالحکومت سے نکلا ہے ترقی و کامیابی کے سبب بہت جلد حاصل ہو جائیں گے۔"

اقتبال | لدھیانہ سے یہ علمی، ادبی، اخلاقی، تمدنی اور تاریخی رسالہ سالانہ طور پر نکلا جاتا ہے، شاہزادہ محمد سعید صاحب دہلوی کے ایڈیٹری میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

راہیں گزٹ غالبؒ ۱۲۷۱ء میں یہ رسالہ امرتسر سے جاری ہوا
اس کا دارالاشاعت لاہور تھا۔

- یہ پنجابی قوم آرمیوں کا آرگن تھا۔ سالانہ جینہ دورہ پڑھا۔
لاہور سے یہ آریہ سماج کا آرگن غالبؒ ۱۲۷۱ء میں
اشاعت پذیر ہوا۔ سورہ صفحات پرستش تھا سالانہ
جینہ دورہ پڑھنے آئے تھا۔

ظریف دسمبر ۱۲۷۱ء کو ناشر کنیدی ہال سے یہ رسالہ جلوہ
افروز ہوا۔ ۳۳ صفحات پرستش تھا ایڈیٹر میرزا
عبدالرشید تھے، سالانہ جینہ ایک روپیہ بارہ آنے تھا۔
رسالہ دنگل زلخنو کے لٹائے جنوری ۱۲۷۱ء میں اس رسالہ
پر ریویوش تھے ہوا تھا۔

یہ بھی ایک نیا اور رسالہ ہے جس کو زندہ دل اصحاب کا رسالہ
ہونے کا دعویٰ ہے اور دسمبر ۱۲۷۱ء سے لاہور سے شائع ہونا شروع
ہوا ہے، ایڈیٹر میرزا عبدالرشید صاحب ہیں اگر یہ رسالہ اپنے
مذاہبہ لٹریچر کو اچھی طرح سمجھاں کے بنا کر لکھے تو عام پسند
ثابت ہوگا۔ لیکن یہ نہایت ہی مشکل کام ہے جس کی زیادہ تر وجہ
یہ ہے کہ زبان جتنی عام ہوتی ہے اتنی عام ظرافت نہیں ہوتی،
برسقام اور برسوائی کی ظرافت اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے
جدا ہوتی ہے۔ ظرافت کی بنیاد جن واقعوں محاذوں اور خیالوں پر
ہوتی ہے وہ اس قدر عام نہیں ہو سکتی جتنی کہ عام زبان ہوتی ہے
اور ایسے لطیف اور مضامین ظرافت جو تمام لوگوں کو یکساں لطف

دیے جائیں، دشواری سے ہاتھ آتے ہیں۔

کلام اردو ریاست بھرتپور سے سلاٹہ آکر یہ گلدستہ خود
ہوا، مرزا غفر حسین عروج اس کے ایڈیٹر تھے
اور کچھ دلوں میں وہ رفعا صاحب شاد ایڈیٹر ہے اس میں بھرت پور
کے شادوں کا انتخاب چھپا کر نکلتا تھا۔ بھرتپور کے سرکاری مطبع میں چھپ
ہوتا تھا۔

اللہ اکبر دہلی میں محلہ سبھو علیہاڑی سے یہ نفعہ دہلوی اخبار
سلاٹہ عر کر جاری ہوا۔ بھرتپور میں شاد علی ہاشمی
اس کے ایڈیٹر تھے مالا نہ حنیفہ چار روپے تھا۔
سلاٹہ ۴ میں اس اخبار نے عمید نمبر شائع کرنے کا اعلان
کیا جس کا اختتام الہلالِ گلستہ کے ۱۲ اگست سلاٹہ ۴ کے شمارے
میں بھی شائع ہوا۔

”اللہ اکبر“ اخبار کے واسطے رادوانی اسلام سے عموماً
دہلی قلم حضرات جماعت علماء و طلباء، اشتوار سے مخصوصاً
گزارش ہے کہ اپنے پیش بہا مضامین مفید و دل چسپ
اشتراک و قلبی جذبات سے مطلع فرما کر اپنے پیارے اخبار
اللہ اکبر کو زمینت بخشیں، عمید نمبر انشائے اللہ حنیفہ کے
روز آپ کے پاس پہنچ جاتے گا۔ راکل ماہ ۲۰ پیچ
طول، ۱۲ انچ عرض پر ہو گا، ٹائٹل پیج نہایت خوبصورت

سترے حدود، دہشتی حکمت کا غذا نفس خانہ کعبہ
کے کوڑے سے مزین ہوگا۔ معزز کے آئے اس صفت
چھوڑے جائیں گے، ایتھ صرف ایک آنہ (عیسائی)

صحیفۃ القمرا | یہ رسالہ دہلی سے ۱۹۱۳ء میں جاری ہوا ۲۴
صفحات پر نکلتا تھا۔ سولانا محمد الدین دہلوی اس
کے ایڈیٹر تھے، سالانہ نذرانہ ڈیڑھ روپے تھا۔

اس رسالہ کا حسب ذیل اعتبار رسالہ صوفی نیڈ کا بہاد الدین
سورہ رابرل ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا تھا۔

”وہ وقت آگیا، جس کا نہایت بے زاری سے انتظار تھا، اگر
آپ نے اب بھی اسلام کا حق ادا نہ کیا تو کس دن کیجئے گا سارے
ہندوستان میں محمدیہ القمرا کی زاری اور ترکھی باتوں کا غلغلہ
پڑا ہوا ہے۔ احترام شریعت نبوی اس کا داہنا بازو ہے تو انصرام
اور طریقت اس کا بائیں بازو ہے، یہ اخلاق و فلسفہ کا معدن
ہے تو ادب لطیف اوردے فعلی کا مخزن ہے۔ ملک کے مشاہیر
انشا پردازوں کے مضامین سے زینت عالم ہو کر نکلتا ہے، عوام و
خواص دونوں کی دلچسپیوں کا ایک بہترین اشتداد ہے سالانہ نذرانہ
ڈیڑھ روپے ہے۔“

۱۹۱۶ء

جوہر حسن | جے پور سے یکم جنوری ۱۹۱۶ء کو یہ ماہنامہ وجود میں آیا۔ نہ ہم صفحات پر لکھتا تھا۔ ایڈیٹر مولوی سید طرین حسن تھے۔ سالانہ چندہ مبنیہ دیا گیا تھا۔ یہ رسالہ بزم ادب جے پور کا آرگن تھا جو سال بھر سے پہلے بند ہو گیا تھا۔

مولوی سید نظر حسن | نظر حسن صاحب کے والد ماجد مولوی سید صفیر علی خاں اور جد امجد مولوی سید اعجاز سید مخف علی خاں تھے۔ آپ پڑانے دہلی کے باشندے تھے۔
 سماجیادہ ۱۸ فروری ۱۹۶۲ء مطابق ۱۸ شعبان ۱۳۸۱ھ

کو دہلی میں پیدا ہوئے، دہلی میں ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ نو سال کی عمر میں بھوپال تشریف دہاں تعلیم کی تکمیل کی وہاں سے بنارس، اجمیر تشریف اور لودھیہ تشریف۔ شادی کرنے کے آٹھ برس بعد اجمیر تشریف میں قیام کیا

مشن ہائی اسکول میں ایک برس تک مدرس دوم رہے اس کے بعد
 صدر مدرس مقرر ہوئے، ترقی پا کر کالج ہائی اسکول نصیر آباد میں
 فارسی کے پروفیسر بنے ایک برس کے بعد حیدر آباد دکن گئے وہاں محکمہ
 صحت کی کے ایک جناح کے محاسب مقرر ہوئے، ترقی پائی تو دارڈ
 انسٹی ٹیوٹ کے عربی و فارسی کے صدر مدرس پر مامور ہوئے اس جگہ سے
 ہائی اسکول جامعہ گھاٹ میں فارسی کی پروفیسری کی جگہ ملی۔ پانچ چھ سال
 یہاں گزارے، اسی اثناء میں مرزا دارغ کی خدمت میں شریعت اور
 کلام دکھانا شروع کیا۔ تانوں پڑھ کر امتحان دیا۔۔ ایک سال
 یہی جا کر۔ مطبع حیدری صفدری کے سیف مقرر ہوئے تھوڑے
 دنوں میں سیمپلر ٹیپوٹریکل کمپنی میں ڈراماٹسٹ ہو گئے اخبار دہلی
 اسلام کی ایڈیٹری ملی۔ ذاتی پریس قائم کیا۔ کئی کتبوں اور انجمنوں کے
 سکریٹری اور میر مجلس منتخب ہوئے۔ تقویت اکبیس کتابیں تالیف
 کیں جس میں مدیر جدید نے فاضل شہرت حاصل کی مسئلہ م میں ج
 سے فائدہ ہوئے تو آخر کار کے اصرار پر بے جہد میں حکومت اختیار
 کی اور کالت شروع کر دی، وکالت میں پوری نہیں پڑی تو بے پور
 کے محکمہ تعلیمات میں مدرسہ عربیہ کے ہیڈ ماسٹر بن گئے، پچھ
 سے حیدر آباد دکن گئے۔ اور وہیں مدر دینی مسئلہ ازم کو فروغ دینے
 صاحب سخنوران دکن نے ان کو غلطی سے یوپی کا باشندہ لکھا

ہے

ابتداءً حیدر آباد آکر پارلیمنٹ سے مناظرہ کرتے ہیں، پھر
دارالمنہجہ ہامہ عثمانیہ میں ملازمت کی نہایت خوش مزاج عالم
فاضل زندگی تھے لہٰذا غور خوب کہتے تھے انگریزی سے واقف
اور انگریزی شاعری کے دشمن تھے ۱۳۵۷ء میں انتقال کیا۔

نیدائش قد و زلف تنگ در تنگن ہوا
میں کس خطا میں لائق دار و رسن ہوا
جب ہو چکی بہارِ خزاں کا وطن ہوا
کہتا ہے اب حین صبح میں کیوں چین ہوا
مجبوریاں تھیں کچھ تو نہ کسی در نہ تھیں
گمانوں سے سہول باغ میں انجمن ہوا

انکوں کے ساتھ رہنے سے ہے آب تاب اور
ہر پارہ سب کو مرا حلِ یمن ہوا
"دورِ حدید" جدید شاعری کا مجموعہ ہے جس میں تعلقات ہی ہیں
ایک قطعہ گزشتہ نمبر دیکھئے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید آیا تھا دنیا میں
عمل کرنے کی نیت سے نقد پڑھتے پڑھانے کو
گمراہ دنیا دار رکھتے ہیں حفاظت سے
اٹھانے کو، ہوا دینے کو اور لینے نہ دینے کو
تساویا حبیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ایک قطعہ یہ
لے سنزدان و کن صلا

کہا تھا جو مرزا ثانی کے قصیدے کے جواب میں تھا، اس کے چند اشعار یہ ہیں :-

مگردن تیرہ ابرے بامداداں برشد از دریا
جو ابر برد جو ہر ابر برد، جو ہر خیزد، جو ہر زرا
سوز از منقہ سر برزد درختاں بیضہ بیضا
فردغ انگیزد تالیش ریزد تالیش ریزد تالیش زرا
چو چشم عاشقاں پرخون جو خد بر کنان گلگون
چو قلب مضطرب محبوں، چو زوئے اور لبیبی
ستخا صاحب کے کلام میں ملندہ پیردازی، حدت طرازی اور ستادان
پختگی پائی جاتی ہے۔

حکو برشتہ دل خستہ دسر رنگدرداں
میں آدمی نہ ہوا، سیخ کا کباب ہوا

جواں ہوتے ہی دنیا کی کچھ خبر نہ رہی
سحاب کیا ہوا، کیفیت شراب ہوا
اڑ جاتوں اسی آہ میں، بہ جاتوں بکا میں

پانی ہوں میں پانی میں ہوا ہوں میں ہوا میں
گئی دنیا تو جائے سواڑ میں عاشق کو کیا روا
غم آزادوں کو ہوتا ہی نہیں، اچھی کھی غم کی
وہ صورت دیکھتے ہی بے تامل ستم ستمے آئندو
ستخا یحجب کی ہوتی ہے کہیں غرضید شبنم کی،

استاد مولانا فیروز پور سے عبوری مسئلہ ۶ کو یہ ماہانہ رسالہ بطور پذیر ہوا۔ ۴۲ صفحوں پر مشتمل تھا۔ محمد ابراہیم بٹ شہر دو مساجد کی اسکو کی منتہم تھے، سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ لدرائی پر چھ مین آئے قیمت تھی۔ یہ رسالہ مصحف شفاء نگین نقویریں بھی چھاپی جاتی تھیں، لکھائی چھپائی اچھی تھی، لحد کا غلط علم اور دینی لگا یا جاتا تھا۔ اخبار شمسیر ظلم لاہور صفحہ ۱۹ عبوری مسئلہ ۶ میں اس کا رشتہ طبع ہوا تھا۔

الرشاد ریح الاول مسئلہ ۴ مطابق ذری مسئلہ ۶ کو یہ اسلامی، فقہی علمی اور تاریخی ماہوار رسالہ سہارنپور سے جاری ہوا۔ ہر قریب مینے کی پہلی تاریخ کو نو صفحوں پر نکلتا تھا۔ مولانا عاشق الہی میرٹھی، مولوی فاضل ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے چار آنے تھا۔ رشید الطبع سہارنپور میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ مذہب اسلام کی حمایت اور اتباع شرعیہ کی اشاعت کے لئے ہار کا کیا گیا تھا۔ جس میں پیش آنے والے فتوویٰ احکام، فقہ حنفی یعنی فتاویٰ دین دین ہوتے لدریہات، اسکو کرفع کے ماحے تھے جو غیر مذہب کی طرف سے اسلام پر لگاتے تھے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معتبر سوانح دل چسپ پیرایہ سے بدینا طرح کی جاتی تھی، دل شکن و غیر مذہب الفاظ سے کی اعزاز تھا اور منافقوں کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

مولانا عاشق الہی صاحب | مولانا میرٹھ کے مشہور کنبہ فاضل
سے تعلق رکھتے ہیں آپ محلہ کوٹکہ میں

رہتے تھے، مولانا عبداللہ صاحب جو مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے
فاضل تھے، مدرسہ اسلامیہ میرٹھ کے صدر مدرس تھے، آپ
مسجد ادنیٰ محلہ گدڑی کے حجرے میں سکونت رکھتے تھے یہ سب مدرسہ
اسلامیہ کی عمارت سے ملحق ہے۔ مولانا عاشق الہی صاحب نے اسی مسجد
کے حجرہ میں مولانا عبداللہ صاحب سے کتب درسیہ کی تحصیل کی
اس کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب ناظم مدرسہ منظم علوم سہارنپور
سے حدیث کی اجازت ادرند حاصل کی۔ آپ مولانا خلیل احمد
صاحب سے بیعت تھے، مولانا عاشق الہی صاحب نے تقریباً
تین سو کتب، ایک سو مولانا خلیل احمد صاحب کے ہمراہ کیا۔
مولانا عاشق الہی صاحب کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
سے مقیدیت کا نہیں بلکہ محبت سنی۔

ایک مرتبہ مولانا خلیل احمد صاحب نے اپنے میرٹھ آنے کی
اطلاع مولانا عاشق الہی صاحب کو دی۔ جس رات آپ آنے والے
تھے، میرٹھ میں شدید بارش ہوئی، گھر سے نکلنا مشکل بن گیا۔
امین جانے کا ارادہ کیا تو دوستوں نے منع کیا کہ یہ بارش دور
دور ہو رہی ہے، اس لئے مولانا خلیل احمد صاحب ایسی حالت
میں سفر نہیں کریں گے، آپ کو مولانا کی عادت کا پتہ تھا کہ آپ
اپنے دعوہ پر سختی کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ چنانچہ آپ امین

کے لئے زمانہ ہوسکے گا کی ساری نہیں ملی تو پیدل ہی چلے گئے
 بلیٹ فارم پہنچے جب گاڑی آئی تو حضرت نظر آئے۔ کھڑکی
 سے سونگن کر دیکھا ہے مجھے گاڑی سے اترتے ہی آپ
 نے بولانا عاشق اہلی کو سینہ سے لگایا اور فرمایا تم نے نہیں نیکد
 کی، سہارنپور میں بھی بارش شدید تھی تم کو اطلاع کرا دی تھی اس
 لئے آنا ہزدی تھا ورنہ تم کو تکلیف پہنچتی نہ

بولانا خلیل احمد صاحب کو کبھی آپ سے بے حد محبت تھا
 بولانا عاشق اہلی صاحب سلسلہ ح کونج کے لئے مجاز مقدس
 پہنچے اس سال زیادہ شورش اور بد امنی پھیلی ہوئی تھی، ان حالات
 میں کافی دنوں تک آپ کا خط گھر نہیں پہنچا، گھر والے اور بولانا
 خلیل احمد صاحب بہت فکر مند تھے اور جب یہ خبر ملی کہ مدنی
 نافذ کر بدو لوٹ رہے ہیں اور بہت حاجی مارے جاتے ہیں، تو
 پریشانیوں میں اور افسانہ ہوا۔ آپ کے گھر والوں نے بولانا
 خلیل احمد صاحب کو خط لکھا کہ آپ کے پاس خط ضرور آیا ہوگا، بولانا
 عاشق اہلی صاحب کی نصیحت سے مطلع فرمائیں کہ آپ نے جواب
 میں لکھا۔ میں خود رشتہ کی پریشان یوں اور اس افواہ نے تو کمر
 توڑ دی، کچھ عرصہ کے بعد جب آپ کا خط حضرت کو اور
 گھر والوں کے پاس پہنچا تو ان کو اطمینان ہوا۔

حب مولانا عاشق الہی صاحب نے مولانا خلیل احمد صاحب کو اپنے سہارنپور پہنچنے کی اطلاع دی تو آپ اسٹیشن پہنچے اور ان کا کھانا ساتھ لے گئے۔ حب مولانا عاشق الہی گارٹی سے اترے تو مولانا خلیل احمد صاحب سے معاف کیا اور عرض سے دونوں ہی آبدیدہ ہو گئے۔

مولانا عاشق الہی صاحب کافی عرصہ تک خیر المصابع مہرٹھ کے مستم رہے۔ لکھنؤ کافی علمی و دینی وغیرہ کتابیں آپ نے طبع کرائیں۔ آپ کو نایاب و نادر کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ آپ نے تذکرۃ الخفیل میں ایک نایاب کتاب میں حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے۔

”مکتبہ میں مصری نایاب خریدنے کے لئے بندہ حب مصر گیا اور واپسی براہ تمام دعوات ہوئی تو دمشق میں چھپے پتہ لگا کہ سید ہزالدین محدث کے پاس جتنے انوار مذکور کا علمی نسخہ کامل تھا۔ اور ترکی و فرانسیسی جنگ میں حدود حج کا مکان نذر آتش ہوا تو وہ نایاب نسخہ بھی جل گیا۔ مگر اس کی ایک نقل قدیمہ کھڑکھڑ کے قدیم کتب خانہ میں جو دمشق سے ستر میل فاصلہ پر ہے قیچ محمد دین رشید کے پاس محفوظ ہے۔ مجھے شوق ہوا کہ اس کی حفاظت کا شرف منہ ہی مملکتوں کو نہ دیں ہو، اس لئے مولانا محمود سے ملا۔ لہذا کتاب کو مندرستان لا کر حضرت مولانا

خلیل احمد صاحب کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے بڑے شوق اور غور سے اسے دیکھا اور سرور ہو کر اس کے طبع پر جانے کی خواہش ظاہر فرمائی کہ وہ جامع الاصول اور مجمع الزوائد کا مجموعہ تھا جس میں علامہ محمد بن محمد دہلوی نے بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابویہ امام مالک، سند ابویعلیٰ، مسلی سند ابوبکر دار، سند داری، اور طبرانی کی معجمات ثلاثہ اکبرہ و اوسط و صغیر چودہ کتابوں کی تمام حدیثوں کی بحذف کلمۃ شیعہ و ترک اسانید ایک عجیب ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے چنانچہ آپ نے اس کی تعریف و تہنیت میں تین سال محنت اسٹاکر مصری ٹائپ میں اس کو طبع کرایا۔

مولانا عاشق الہی نے اپنا کافی وقت تصنیف و تالیف میں صرف کیا تھا۔ آپ کی حسب ذیل تصانیف ہیں۔
 تذکرۃ الرشید، تذکرۃ المحدثین، از حجبہ قرآن مجید، مکاتیب رشیدیہ، تاریخ الاسلام، یا اسلام عاشقی، الصلوۃ اور بہترین جہیز وغیرہ۔
 مولانا عاشق الہی صاحب نے اپنی ایک بیٹی کی شادی سے موقع پر بیٹی کو دھبت کی سخی، جو کتابی شکل میں بہترین جہیز کے نام سے شائع ہوئی، آپ شاعر نہیں تھے لیکن فکرِ خفگی کے قلق میں رات کو چند شعر کہتے جو اس کتاب میں شائع ہوئے ہیں اول و آخر کے پانچ شعر گوش گزار فرماتے ہیں۔

بیٹی ترے گلے میں نمازوں کے ہار ہوں
 چمپا گل کے دالے صیام النہار ہوں

مجموعہ ہوں حسن خلق، گلوند حب حق
 سرے کے سچوں، منزل قرآن کے ہوں دق
 کالوں کی بانی، خلق بگوشی خدا کی ہو
 ہاتھوں کی چڑائی، دست نگر مصطفیٰ کی ہو
 مس بود عیت آفری، کھنسیوں ایک بات
 اسلام میں لباس، عبادات، زیورات
 دنیا دہی ہے، سچ ہے سب مال کا مال دوز
 اللہ بس ہے باقی ہو بس، قصہ مختصر

شوق بازار حکیمان لاہور سے اپریل ۱۹۱۱ء کو یہ
 نامانہ رسالہ جلوہ افروز ہوا، پچاس صفحات پر
 تشکر تھا۔ ایڈیٹر شوق لاہوری تھے سالانہ چندہ پین روپے تھا
 برہن سیم پریس لاہور میں نامیت مینڈت امین چند پرنٹر چھپتا تھا۔
 اس رسالہ کا مقصد اردو علم و ادب کی ترقی، اعلیٰ درجہ کے علمی
 اخلاقی، تاریخی، ادبی، مجلسی مضامین اور جدید و قدیم طرز کی بہترین
 تراوی کے ذریعہ سے اردو دواں پبلک میں معیاری مضامین، عمدہ
 اشعار، نظمیں اور افسانے لکھنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا شوق پیدا
 کرنا تھا۔ ایڈیٹر صاحب کی تحریر کے مطابق رسالہ میں نزاعی لہ
 پولیکل مضامین ہرگز درج نہ ہوں گے۔
 اس رسالہ کے معزز نگار مولوی محمد حسین نازش بدایونی
 جناب منشی محمد الدین فوق، منشی دنا ننگ پرست دہالب باری، حافظ

محمد بن حسن صاحب شاد، جناب ریاض خیر آبادی اور مولانا حاجت
منشی عبدالخالق صاحب فلیق و غریہ تھے۔

سلسلہ ۴ میں بڑا طوفانک دھنگ تھا پڑا تھا۔ جس پر

جناب منشی دناک پریشاد طالب بندہ سی نے چند ہا عیال اور فطعات
ہتے تھے جو جون سلسلہ ۴ کے خمارے میں طبع ہوئے۔

ڈالی ہے گرانی سے جو گھنے کی طرح

پڑا کیا ہے قحط نے پائے کی طرح

سہرتے تھے اسی دن کے لے جو غلہ

اٹھتے ہیں وہاب ماش کے آنے کی طرح

کیا دھو کے پکاتیں نانبائی چادل

سیرے کی کتنی ہے اب تو سجاتی چادل

ان کی بھی اس قحط میں کچھ دال ملے گی

جو لوگ یکا ہے تھے ڈھائی چادل

بیجان کو بٹ سے جون سلسلہ ۴ کو یہ اشارہ ملے

فانوس خیال | نوادر ہوا۔ ہر ماہ کی ہندہ تاریخ کو شائع

ہوتا تھا ۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ بنیاد گار جناب رسا مرحوم

جاری ہوا تھا۔ ایڈیٹر ابورشد عبدالحمید سالک شاہی تھے

سالانہ چندہ تین روپے اور قیمت فی پرچہ ساڑھے تین آنے تھا

مجددی پریس امرتسر میں ماہنامہ منشی نبی بخش چھپتا تھا سر دق

پر یہ بڑا ہی درجہ ہوتی تھی۔

اب ہر دنیا شوکا بڑا ہے ہلال پیدا ہوئے قوم میں اراکین کمال

پروانے ہمارے تیرے فن پر مالک ہے زینتِ نرم علمِ فانوسِ خیال
اس رسالہ کا قطعہ تاریخِ اجوارِ جنابِ کاتبِ بنارس نے کہا۔

لکھنا رسالہ اندازِ خوبی کا سہرا ہوا،
علم و سیر کے نور کا پر تو روشن جلوہ ماہِ مکمل
سی رہنمائی کا نورانی تہر و رختِ انجمِ صنم
خالص نے تاریخِ کبھی تنویرِ شمعِ فانوسِ خیال

۱۹۱۴ء

رسالہ کے اعزاء و رفقاء حسب ذیل تھے۔

- ۱۔ اعلیٰ درجہ کے مضامین، افانوں، تنگفتِ نظموں اور قدیم و جدید
شاعری کے ذریعہ اردو علم و ادب کی ترقی میں مساعی رہنا۔
- ۲۔ اردو علم و ادب میں علمی اخلاقی، فلسفیانہ تاریخی، طبعی اور تمدنی
میں سن پیدا کرنا۔

- ۳۔ دوسری زبانوں کی خوبیاں اردو علم و ادب میں جمع کرنا۔
- ۴۔ گورنمنٹ عالیہ کے احکامات کا شکریہ ادا کرنا اور اپنا سہ
ملک کو فاداری کی تعلیم دینا۔

جنابِ عبدالمجید فدا صاحب مالکِ بالوی نے پہلے شمارہ
جون ۱۹۱۴ء میں مقدمہ المدیری کے عنوان کے تحت مقالہ
اقتباس میں رسالہ کے خصوصی مقصد پر روشنی ڈالی۔

”یورپ میں جب کسی نئے برہے کی اشاعت کا نوٹس دیا جاتا
ہے تو جب تک ۱۰ یا ۵۰ ہزار درخواستیں نہیں آجاتیں جاری نہیں
ہوتا۔ اور پھر ایک ہی سال میں لاکھوں تک اشاعت ہو جاتی

ہے۔ اور سب سے بیشک قیمت بدون طلب نقد حاصل ہو جاتی ہے۔ وہاں مابعد قیمت کا رواج ہی نہیں، جیسی ہزاری کی اعتبار لیا ہی اخبار، تو نقد پہلے تاکہ تیرہ ادھار رہے ۵
 کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں الفاف اور عدل پرستی ہے
 اس ہاتھ کر اس ہاتھ ملے یاں سودا و صنعت بدلتی ہے

ہندوستان میں کسی پرچے کی نذر درندہ لاش طفت بڑی دولت
 اور میں تجس نذر تو گویا سراج ہے، ایک ڈول پرچے ناد ہندی
 کے طواغیت میں غرق ہو گئے۔ درختان خورد و باسبزہ بیگانہ کی طرح
 آگے اور چند روز بعد کس پیر کی بار سوم کی صحیفہ چرام گئے۔
 فرانس سے بعض اخبارات روزنامہ دس لاکھ شائع ہونے میں اخبار
 نگر پارلیس جانہ نین سیل کی وسعت میں ہے لندن ٹائمز سے ۵۰
 نامہ نگار اور ایڈیٹر صرف لندن میں ہیں۔ کسی کی تنخواہ چار ہزار
 روپے سے کم نہیں، میدان جنگ میں سر سے کھن باندھ کر
 جو نامہ نگار جاتے ہیں ان کی تنخواہوں اور تار برقیوں میں (اکھوں
 روپے صرف مر جاتے ہیں۔ ہندوستان میں اخبار ایک، تلخ
 دہا ہے جو مر لیں تو دسی جاتی ہے اور وہ منہ بناتا ہے جو پود پ
 میں اخبارات اور رسالے روحانی غذا ہیں جو صحیح العقل کے توائج
 دماغی اور اکات و معلومات کو قوی کرتے ہیں۔

حضرات! شاید آپ یہ خیال فرمائیں کہ آخر فالوس خیال
 کیا جہت دکھائے گا میرے پاس اس کا کوئی جواب تو نہیں ہے
 اللہ بیک کی قدر دانی اور تہ سنی فالوس خیال کے صفحات میں خود

اس سوال کا ٹلی جواب دے سکتا ہے اور ان شاء اللہ دے گی، میں تو
 فائز خیال کا ہرٹ فادم (ایڈیٹر) ہوں۔ تیل بتی درتیب و
 مغابن سے اس کو روشن کرنے والا مالک نہیں ہوں، مالک تو
 بلکہ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ میرے کا خریداری اس کا حقیقی
 مالک ہوتا ہے نہ کوئی کارندہ۔ اس میری ملکیت برائے نام
 اور مجازی ہے اور خریداری کی ملکیت حقیقی پس میں تو کچھ نہیں ہوں
 سب سمجھ آپ ہی ہیں اور فائز خیال میں آپ کا ہی جلوہ ہو گا۔
 حسن ازل گر تجھ میں نہ ہوتا کیونکر ہوتا میں عارضی
 کیوں نہ کہوں اے شاہد مکتبہ میں بھی تو ہی اور تو بھی تو ہی

البتہ یہ دعوہ کیا جاتا ہے کہ ملک کا دل ہاتھوں میں لینے اور ہر
 طرح خوش کرنے میں حتیٰ الوسع کوتاہی نہ ہوگی مارل ڈیری نظم دڑ
 سے دوہن کی طرح آراستہ ہر فائز خیال یا بعض ماہر جلوہ افزا
 ہو گا جس قدر اٹل غٹ میں شرفی ہوگی اس کے تیل بتی میں صرف
 کی جائے گی۔ مذہبی متعصبانہ ساحت اور سیاست سے بالکل
 پاک ہو گا۔ متصوفانہ تضامین البتہ شائع ہوں گے کیونکہ تصوف
 ہر مذہب کی جان ہے۔

اس رسالہ کا قریب اٹل غٹ میں حسب ذیل حضرات نے

صمیمی حصہ لیا۔

منشی حاکم علی خاں فادم بیٹھانکوٹ، منشی عبد المجید صاحب قریشی
 کلانور، منشی علی احمد صاحب قریشی بلاغت امر دہری، منشی غلام فرید
 عالمیادی، ابوالسالیح شیخ محمد عثمان نشاد پورنوی، حکیم عبدالرزاق عجمی

رئیس قصبہ بایادہ لعل اجیر، حضرت مجدد السنہ شرقیہ مولانا شریک
میرٹھی -

اس رسالہ کے معنون نگار ملک کے مشہور و معروف اہل قلم تھے
جنوری ۱۳۱۷ء کے شمارے میں حسب ذیل مضامین ہیں -
شوارف فارس کے کلام کا نمونہ، از حضرت مجدد السنہ شرقیہ
مولانا شریک میرٹھی - عشق کا سودا، از سید ناہرند برزاقی،
دہلوی، حب، از مولوی قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڑھی،
پنجم حیات از سید محمد ابرہہ فقیر جوبالی، مشکل اخوت
از شمس دنیا یک پرت و صاحب طالع بنارس، نفسہ عید الغنی از
حکیم عبدالرزاق صاحب ممبئی - کلام ساتی از نیدات جوناگڑھی کول
ساتی دہلوی - سیاتھ البر المعانی شیخ محمد عثمان صاحب شاد پوروی
جناب عبدالمجید مالک صاحب کا شمار انتہائیہ جنوری ۱۳۱۷ء کے
شمارہ میں چھپا ہے - ایک معاہدہ کی تنقید و تبصرہ کا جواب اسخوں نے
دیا ہے -

حضرت مجدد السنہ شرقیہ مولانا سید احمد حسن صاحب شریک
میرٹھی مدظلہ نے جو حکیم مومن خاں صاحب مرحوم دہلوی کے حنفی نازک
اشعار کی شرح فالوس خیال مابت اکثر ۱۳۱۷ء میں لکھی ہے
وہ مجددان کا ایک شریہ بھی ہے -

دھل کا شب شام سے میں سو گیا

ھاگتہ جوان کا بلا ہو گیا

حضرت مہتمم علیہ نے نفس معنون کی توفیق یا تحسین نہیں کی، بلکہ

عہد شریعت کا ہے کیونکہ وہ رعیت گزشتہ کی تک بندی کو جس میں
 صرف مجرم و ملامت و عبرہ کے اعتقاد نہ تو خیالات ہوتے ہیں وہ
 ناپائیدار رہتے ہیں بلکہ اخبار و رسالوں میں شوائع اور دلوہدایت
 کرتے دیتے ہیں کہ مثل شوائع سلفہ حکم و فلسفی بنو اور بے سود
 شاعری ہے کہ نہ رہ گشتی رہو۔ مگر اس سے کہ اخبار میخیم صلاح
 کے ایڈیٹر صاحب فی نوس خیال بر رویہ کرتے ہیں اور مندرجہ
 بالا شوق شریعت کو جیسا سوز اور غمہ مندرجہ بتاتے ہیں اور بازی
 محاورہ قرار دیتے ہیں اگر آپ کو قاری اور لکچر کا کچھ بھی مذاق
 ہوتا تو انہی نہ فرماتے، حضرت شریعت صاحب نے مذاق میں اس
 شوکا غما کر اڑا با ہے اور مصلحت کے طور پر شرح لکھی ہے مگر یہ
 کوئی سبب، مندرستان سے متعلق نہیں، یہ عرصہ ہوا حضرت ہوجا
 ہے، ایڈیٹر صاحب نے تا عملی درمختصات محض ہوا ہوسکا ہے
 پھر آپ دس پانچ اخبارات کے اور رسالوں کے سوا تمام اردو اخبارات
 رسالوں کے لکچر کو غلط اور غیر مندرجہ بتاتے ہیں خدا کی شان
 کوہ کجسار کی تھنی عجیب آباد پڑ پڑنے والا اپنی ہڈی بولی کو
 رچی اور ٹکھنوں وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں کے مستند سپر
 اور محادات پر ترجیح دے، کیا نہ مانہ ہے سرسید لینے کو جی
 چاہتا ہے۔

سکھوں جناب اس رویہ میں آپ نے سفید جہاں فقرے و محاورات
 تو بہت ہی شریفانہ اور مندرجہ ہیں اور ان کا لکچر بھی نہایت
 صحیح و مستند ہے بازار کا ایک بھی نقد نہیں، آپ عوز سے فرمیں

توفیق ہے کہ عرقِ ندامت کی رودی میں غرق ہو جائیں گے،
 نہیں کیسی ندامت اور کس کا عرق اور عیا کا کیا اسرا بقول حضرت
 محمد عبدالقادر جیلانی سے

تنگ دہوئے سیدہ یک نفس در انفعال ہوں تزد

بمحیط میریدم شتا و خیز از جویا رسد

طرح اطمینان رکھتے کہ حجبِ مومن کا ارد۔ کلام نہ سمجھ سکے تو بیدل
 نامازک اور مضبوط فارسی کلام برگز نہ سمجھ سکیں گے نہ آپ کے ہم شریک
 خدیا سقیوں کا کوئی مشہور مولوی سنسن نہیں کا مرد میدان بن سکیں۔
 لہذا میں ہی اس شعر کا نازک اور دقیق مطلب سمجھا ہوں۔ حالانکہ
 یہ شعر حضرت بیدل کے آسان ترین اشعار میں سے ہے، مشکل اور
 ادنیٰ اشعار سے تو آپ جو اس باخستہ اور ہوشِ ناخستہ ہو جائیں گے۔

حضرت بیدل فرمایا ہے کہ میری بہودہ ترکنا۔ بعد تعجب

نے دم سحر کے بے بسی ہوں گے شرمندہ ترنے کا ردازہ نہ
 کھٹکے گا، یعنی مومن کو شرمندہ نہ کیا۔ کہ تو کیا حکمہ مار رہی ہے
 بلکہ یہاں تو ڈھٹائی اور بے حیائی کی یہ کیفیت ہے اگر عیا سے
 عرقِ تبی آجائے گا یوں سمجھوں کہ دریا میں شتا دریا کہہ رہا ہے

علیٰ بن ابی جہر پیالی لے کر ناک کی لوک تھی ڈھلی جائے تو یہ
 سمجھنا سبب ہو گا کہ رودی کے پور تر نشان میں جنم جنم کے پاپ گل
 رہے ہیں۔ آپ کا وہ تہذیب اور صبیح لڑیہ سیر اور آپ کے مقدس

معاذات یہ ہیں اور طرزِ تحریر تو ذرا بھی دل شکن نہیں ۛ

سیرے والد ماجد مولوی شرف الحق صاحب کے کتب خانہ

میں مانوس خیال کے آٹھ شمارے، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر
 نومبر، دسمبر سال ۱۹۱۵ء اور جنوری ۱۹۱۶ء تک ہیں، دسمبر اور جنوری کے
 شمارے مشترکہ نمبر ہوتے، سلاطین علیہ السلام کے چھ مضمون
 مقتدرہ المدیری، جون، دریاہ اگست، فانوس خیال کی قدردانی، بطبع
 سلاطین علیہ السلام، اپریل تا مئی ۱۹۱۵ء اور شوم را بعد رسم کہ برز
 دسمبر ۱۹۱۵ء اور جنوری ۱۹۱۶ء میں چھپے ہیں اور دو قطبیں حال زار
 قوم، جولائی ۱۹۱۵ء تا ستمبر ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی ہیں
 د مضمون مقتدرہ المدیری اور فانوس خیال کی قدردانی، رسالہ
 فانوس خیال کے اجراء اور اس کی اشاعت بڑھانے کے سلسلے میں
 ہیں۔ لہذا یا مضمونوں میں صرف ایک آخری مضمون شوم را بعد رسم
 کہ برز کا خاص مضمون ہے۔ اس کی حیثیت یہ ہے کہ پیغام صلح
 میں مومن کے خیالات پر اعتراضات چھپے تھے اس میں سلاطین علیہ السلام
 نے جوابات دئے ہیں۔

ان آٹھ شماروں میں تیرہ حرب ذیل مضمون ادبی ہیں۔
 میرے خیالات کی تصویر از سہاب اکبر آبادی (جون سال ۱۹۱۵ء)
 اعلیٰ درجہ کے کلام کی خوبی مولا ناسرگودھا، اردو لٹریچر جناب
 سید شعیب احمد ندرت میرٹھی، کسی کی تلاش، سیدنا جعفر حسین نادر شاہی
 دسمبر مضمون جولائی ۱۹۱۵ء فانوس خیال کی بددینی، شیخ حمید الدین
 رشک بلخ شہری اگست سال ۱۹۱۵ء فانوس خیال، مرزا سلطان احمد قزلباش
 اردو زبان نولوی محمد شفیع الدین خان، اردو کی اہمیت خواجہ محمد عبدالود
 عشرت لکھنوی ستمبر سال ۱۹۱۵ء کامیاب نمنا، نشر کنندہ آبادی،

اور زبان کے شعراء نازک خیال، شوکت میر تقی (اکتوبر ۱۹۱۸ء) انشاء
 علامہ اربن، قاضی احمد ریان اختر جونا گڑھ، لطیف بھابھائی، علی محمد
 سائیکہ لوی نومبر ۱۹۱۸ء شعراء فارس کے کلام کا نمونہ شوکت میر تقی
 اور اردو میں انگریزی غنئی گلشن پرست و غلش ندودی (دسمبر ۱۹۱۸ء)
 ضروری ۱۹۱۸ء

ان معرظوں میں عبدالرشید، اردو زبان، اردو کی اہمیت، اردو
 زبان کے شعراء، انشاء من علامہ اربن، یقیناً بہترین معرظ ہیں۔
 اردو کی اہمیت والا معرظ ستمبر ۱۹۱۸ء کے شمارے میں شائع
 ہوا ہے اس میں اردو کو ترقی دینے کے لئے حکومت سے مطالبے
 کئے ہیں۔

موجودہ حالت کو دیکھ کر آج اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب کچھ یوں
 نے کاغذات اردو سے انگریزی میں بدل گئے ہیں اور عدالت کی
 کارروائیاں انگریزی میں ہونے لگی ہیں اور جب سے کچھ یوں
 میں انگریزی رائج ہو گئی ہے حکام کو اردو بولنے کا ہمت نہ ہوتی
 ملتا ہے وہ اردو کو غیر ضروری سمجھ کر اسے حاصل کرنے کی حیند اس
 پرواہ نہیں کرتے۔ مگر غنٹ نے ہم سے حیندستان میں اس
 قائم رشتے کا وعدہ کیا ہے اس لئے پارلیمان ہے کہ ہم ہر تیکہ دہ
 ہلو کو گوش گزار کر لیں۔

اس وقت ترقی دینے کا سبک نہ، صورت یہ ہے کہ کسی صوبہ
 میں ایک اسکول اردو قائم کیا جائے جس میں تین برس تک افسران سولین
 کو تعلیم دی جائے اور ان کا باضابطہ امتحان لیا جائے۔ کچھ کے

وہ تمام کاغذات جو آج سے پندرہ برس پیشتر اردو میں لکھے جاتے تھے اور اس درمیان میں انگریزی سے بدل گئے ہیں سب اردو میں بدل دے جائیں، عدالت کی زبان اردو قرار دی جائے، حکام اپنے فیصلے اردو میں لکھیں، وکیل اردو میں سماعت کریں، حاکم مندرستانی میں بات چیت کرے، مہربیات کے تمام حکام کو جو اردو میں خط و کتابت نہیں کر سکتے رخصت دیا جائے کہ وہ مندرستانی زبان انجی طرح مائل کرنے کے بعد اپنی جگہ پر واپس آئیں اس صورت میں اردو کی ابھی خامی ترقی ہو سکتی ہے۔

ان آٹھ شادوں میں تاریخی مضمون صرف دو مقبول ہوئے ہیں اکبر، مرزا امیر الدین عرش گیارہویں (جون ۱۹۱۷ء) اور مرتضیٰ دکن فٹیشی قطب الدین راشدی سابق ایڈیٹر تحفہ دکن پورہ (اگست ۱۹۱۷ء) ہیں، دونوں مضمون محنت اور کاوش سے لکھے گئے ہیں۔

شاخ کدرادیموں کے حالات پر تین مضمون، خواجہ مسلم حمید آبادی اور خواجہ غزال الدین غزا، حمید آبادی جون ۱۹۱۷ء، خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ از مولوی قاضی احمد گیارہویں (اکتوبر ۱۹۱۷ء) میرٹھی، اختر جوناگڑھی (اکتوبر ۱۹۱۷ء) طبع ہوئے ہیں، سلام حمید آبادی اور حافظ علیہ الرحمۃ دس مضمون معقول ہیں۔

ان کے آٹھ سے قریب ہیں، سات پہیلیوں کا جھکا، ملاحظہ فرمائیں فراق (جولائی ۱۹۱۷ء) بد نصیب کالال، مولانا راشد الخیری جولائی ۱۹۱۷ء، اندھا عشق، مٹی دنا یک پرست، طالب بنارس اگست ۱۹۱۷ء، ایمان پرنا پیچہ سہی قرآن، طالب بنارس ستمبر ۱۹۱۷ء، کالی چوڑیاں، میدنا

نذر آفاق دہلوی، غریب پند کا تو نگار سپر، طالب بنارس (اکتوبر ۱۹۱۸ء)
 عشق کا سودا، سید ناصر ندیم آفاق دہلوی، عجب اختر جہان گدھی
 (دسمبر ۱۹۱۸ء جنوری ۱۹۱۹ء)

ایک عجب افسانے کو چھوڑ کر بقایا افسانے اپنی نوعیت کے
 بہترین افسانے ہیں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ افسانوں کی وجہ
 سے اس رسالہ میں جان پڑی۔ اور دوسرے قسم کے مضامین
 اتنے معیاری اور اچھے نہیں تھے لہذا یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ سالک
 صاحب نے اس رسالہ میں اپنے جوہر نہیں دکھائے ان کے مضامین
 نہ ہونے کے برابر تھے، اس میں شورش عری کا حصہ بھی تھا۔
 رسالہ عشر جدید میرٹھ نے اپنے شمارے اکتوبر ۱۹۱۸ء میں
 اس خیال پر رد کیا ہے۔

”یہ ایک ماحول اردو ادبی رسالہ ہے، جس میں کوئی خاص جدت
 نہیں ہے۔ آج کل اردو کے عام ادبی رسالوں میں جس قسم کے
 مضامین ہوتے ہیں، تقریباً وہی اس میں دتے جاتے ہیں۔
 مثنیٰ عبد المجید خان سالک جالوی ایڈیٹر ہیں، بہتر ہو اگر مثنیٰ صاحب
 فائوس خیال میں لکھنؤ کے قابل قدر رسالہ معلومات کا رنگ پیدا
 کرنے کی کوشش کریں اور ایسے معلومات شائع کریں جس سے اردو
 ادب کو بے تدریغ نفع پہنچ سکے، ورنہ اس ناقد کے زمانہ میں یہی
 مناسب ہے کہ وہ ادبی خدمت سے کنارہ کش ہو کر دوسرے
 کاروں میں لگ جائیں۔“

مولانا عبد المجید سالک

سالک کے پردادا کے والد دھرم کوٹ
 رندھا دھلیع محمود اسپور کے رہنے والے
 تھے ان کی چھوٹی سی زمیندار کی تھی، اسی زمانے میں نہ معلوم کیا بات
 ہوئی کہ ان کی زمیندار کی ختم ہو گئی۔ تو ان کے پردادا بال میں چلے گئے
 اور محلہ بیان کے ایک چوٹے سے مکان میں مقیم ہوئے اور ایک
 چوٹے سا صاحب ساری کا کارخانہ کھولا۔ یہ بہت مستحق پرہیزگار
 اور شہید گزیر بزرگی تھے ان کے متعدد صاحبزادے ہوئے جن میں
 دین محمد، بیال محمد، میر محمد اور سلطان محمد زندہ رہے بیال میر محمد
 سالک صاحب کے دادا تھے، ان کے ہاں چار فرزند ہوئے۔ ایک
 بچپن میں فوت ہو گئے اور تین بچے عبدالعزیز، غلام قادر اور محمد فضل
 نے زندگی پائی اور ان کی اولادیں ہوئیں، غلام قادر صاحب سالک
 صاحب کے دادا صاحب تھے ان کے دادا بیال میر دھرم عالم تھے جن کی
 ساری عمر درس و تدریس میں گزری اور شریعت بھی سمجھتے تھے لیکن ان
 کے والد عالم تو نہ تھے لیکن فارسی ادب میں معلومات تھیں ان کو
 رسالے و اخبار لکھنے کا شوق تھا۔ رسالہ نکلنے لگی زرعی سرشت و نظیر
 ادب اخبار البدان کے ہاں آتے تھے اور ان کے مطالعہ میں
 رہتے تھے انہیں حمایت الاسلام سے گہرا تعلق تھا۔

سالک صاحب ۳۱ دسمبر ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے ان کے
 دادا نے فارسی کی چند کتابیں اسکول کی تعلیم کے علاوہ پڑھا
 کر لیا، مجلس تالیف و ترویج، اردو ادبی سبلی، سہ شریعتوں کی ترویج
 کی، اس کے بعد تاریخ فرشتہ بھی پڑھا، اس زمانہ میں یہ

انبارِ انتخاب لا جواب، شریفیہ اور سرور کبیل پڑھتے تھے۔
 بھان کوٹ کے مڈل اسکول سے سلاٹ ۱۹۸۱ء میں جبکہ ان کی
 عمر ۱۲ سال تھی، مڈل پاس کیا۔ اور انٹرنس کی تعلیم کے لئے بنارس
 سن اسکول بیرون تیلی راولہ میں داخل ہوئے اور ہوسٹل میں
 رہنے لگے۔ سالانہ امتحان کا سنٹر اور سر میں تھا۔ وہاں امتحان
 دیا۔ ۱۲۲ راجن سلاٹ ۱۹۸۱ء کو فیتہ نکلا پاس ہوئے، اس کے بعد
 ان کے چچا نے ان کے والد سے کہا کہ سالک کو چند بیٹے کے لئے
 بہتے پاس دزیرستان سیمینڈر، یہ دزیرستان پہنچے چچا کے پاس
 رہے۔ ۱۰ سال کی عمر میں ۱۰ اربتی سلاٹ ۱۹۸۱ء کو کٹا دی ہوئی۔
 عید بیٹے بے فکری کے گرائے اس کے بعد نوکری کی تلاش
 ہوئی، لاہور پہنچے، حیدر دوز کی کوشش کے بعد ریلوے اکاڈمی
 آفس میں میں روپے مہینہ کی ایک لاکھ کی ملی، سات مہینے ملازمت
 کی مٹی کہ صحت خراب ہو گئی تو نوکری چھوڑ کر چٹانکوٹ چلے گئے
 حیدر دوز کے بعد وہاں کے ایک اسکول میں پچیس روپے تنخواہ پر
 مدرسہ کمال لگ گئی۔

مدیر کی بے زمانہ ہیں ایک ادبی مانیہ جاری کرنے کا خیال
 بڑا ہوا، گورداسپور جا کر نانوس خیال کا ڈیگریشن داخل کیا سلاٹ ۱۹۸۱ء
 میں پہلے رسالہ کے مضمین مرتب کر کے قادیان میں سید مغزین
 مادر قاتب کو سیمینڈر کے کراس کی کتابت کر کے پانچ سو کی تعداد
 میں چھپوا کر سیمینڈر، یہ سلاٹ زیادہ دن ہیں جلا دس مہینے کے بعد
 سلاٹ ہو گیا، اس رسالہ کے بند ہونے کے بعد سالک صاحب

کا دل ٹھکانوٹ سے اچاٹ ہو گیا۔ چنانچہ مدرسی سے استعفیٰ دے کر لاہور چلے گئے۔ جمیئر لسن روڈ پر احاطہ عبدالنادر میں اپنے ایک دوست چودھری دلاور خاں آدم پوری کے پاس پہنچے وہیں قیام کیا۔ اور مولوی ممتاز علی صاحب کے لڑائی اسٹنڈٹ چھوڑ دینا سب سوال کے معدن ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

مولوی سید ممتاز علی کے دارالافتاعت کی ملازمت کے بعد ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ مولوی صاحب کے راکے سید حمید علی اور سید امتیاز علی تاج ان سے بھائیوں جیسا سلوک کرنے لگے اور مولوی صاحب بھی بے انتہا شفقت فرماتے تھے ان ہی دلوں شاہ دل گیر اکبر آبادی نے رسالہ نقاد دوبارہ جاری کیا، امتیاز علی صاحب کو اس میں مضامین لکھنے کا بے حد شوق تھا۔ انھوں نے نقاد میں مضامین اور افسانے لکھنے شروع کئے، مالک صاحب سے بھی فرمائش کی تو انھوں نے دو ایک افسانے اور غزلیں ان کو روانہ کیں، اس کے بعد تاج صاحب نے رسالہ کہکشاں میں جاری کیا تو مالک صاحب نے اپنے نام سے نہیں بلکہ "گفت" کے نام سے افسانے، مقالے اور غزلیں پیش کر دیں۔

مالک صاحب کو مضمون نگاری کے علاوہ اردو ترجمہ کرنے کا بھی شوق تھا۔ شیخ عبدالعزیز جو اس وقت پریس براچ کے انچارج تھے۔ وہ ان کی قدر کرتے تھے

ہوئے ان پر زلم تھا۔ کہ تم نے زمیندار کے ایڈیٹر کی حیثیت سے۔
 اب ملوں لکھا جس سے ملک معلم کی رعایا کے مدد بقول میںہ
 اور انگریزوں کے درمیان نفرت و حقارت پیدا ہوتی ہے ان
 رشتہ دار صاحب کی عدالت سے ایک سال قید با مشقت کی سزا
 چند روز کے بعد ان کو لاہور جیل سے گیارہ آدمیوں کے ساتھ
 جیل سید باغیا، ان گیارہ آدمیوں میں سید عطاء اللہ شاہ، تجاری
 نقار، شمس الدینی، اقبال احمد، اختر علی خاں، راجہ غلام قادر،
 نذیر احمد، سہاب، سردار سرمد، سنگو، بشیر، سردار سنگھ سنگھ، پٹ
 مکی رام، بشیر، دھیرہ تھے۔ اس وقت اس جیل میں عبدالعزیز
 مولانا، محمد سعید صاحب، سید حبیب، ایڈیٹر ریاست مولانا دادو فر
 بھی تھے۔

ایک دفعہ سہ جان بنارہ موم صبر حکومت پنجاب ریالواری
 کے سامنے گئے تھے۔ یہ سہ ممتاز دغا بیاں پوزیشن کے قید
 ایک باددو بات، ہر روز کیا کرتے تھے۔ جب مالک صاحب کے پاس
 اور ان کا تعارف ہوا تو انہوں نے دریافت کیا مالک صاحب
 زمیندار کا اصلی ایڈیٹر کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا، "کم از کم
 اصلی ہوں، میں کر رہے ہوں، تم آپ کو جانتے ہیں آپ جرنل
 میں لیکن زمیندار پر آج کل جس ایڈیٹر کا نام لکھا جاتا ہے
 تو پان خورش ہے۔ انہوں نے کہا جب آپ اصلی ایڈیٹر
 تیزی سے گرفت و کرتے چلے جاتے تھے تو لازماً پان خورش
 غانا پڑے گا تاکہ اصلی لکھنے والے محفوظ رہیں۔

سالک صاحب جب وہاں پہنچے تو حرکت ختم ہو چکی تھی ان کی رہائی کی فوشی میں میرا محمد شاہ بخاری نے دہلی مسلم ہسپتال میں دعوت کی اصحاب کے ساتھ حکیم احمد شجاع اور مولانا سہا حید آبادی بھی شریک ہوئے، مولانا سہا قند نامت میں ڈھائی دن تھے اور ان میں یہ خوبی بھی تھی کہ بادی النظر میں نو دس سال کے لڑکے معلوم ہوتے تھے حالانکہ اس وقت ان کی چالیس سے زیادہ عمر تھی۔ مولانا سالک آگے آگے تھے وہ کہے کہ حکیم احمد شجاع تھے صاحبزادے ہیں۔ انہوں نے مولانا کے شانے کو تھپکا اور جھکا کر کہا۔ بیٹے وہاں ہا کر گامت کب کے پاس بیٹھ جاؤ، مولانا نے اپنا مختصر سا حیدر اٹھا کر سالک صاحب کو بڑے عمدہ سے دیکھا اور حکیم صاحب نے فوراً کہا سالک صاحب ان سے ملے، مولانا سہا حید آبادی، نہایت بلند پایہ شاعر اور ادیب ہیں، سالک صاحب بہت شرمندہ چمکے جب تک دعوت کا سلسلہ جاری رہا ان پر ایک قسم کی ندامت کی کیفیت طاری رہی۔

۱۲۲۷ھ میں جب حجاز مقدس میں حکومت کی تبدیلی ہوئی اور مقبرہ کے انتظام کے واقعات ہندوستان میں سنے گئے تو یہاں کے مسلمانوں میں کافی بے چینی پھیلی جس کی معلومات کے لئے مرکزی خلافت کمیٹی نے ایک وفد مولانا سید سلیمان ندوی، شعیب قریشی محمد عرفان، مولانا حفص علی خان صاحب پرستشکر کے حجاز مقدس بھیجا تو اس کے ہمراہ مولانا غلام رسولی بھی تھے، مہر صاحب سالک صاحب کے ساتھ زمیندار کے ادارہ میں شامل تھے، مہر صاحب

کے جانے کے بعد اخبار کی ذمہ داری تن تنہا مالک صاحب پر پڑی
 حیب دندلا ہوتا آیا تو مالک صاحب کے اعضاء نے بالکل ہی جواب
 دیدیا تھا۔ اسوں نے مولانا ظفر علی خاں صاحب سے چھ ماہ کی
 رخصت طلب کی جس پر وہ بہت پریشان ہوئے لیکن لاچار ہو کر
 رخصت منظور کی۔ ایک مہینہ گزارا ہو گا کہ سید امتیاز علی تاج مالک
 صاحب کے سر ہو گئے کہ دارالافتاء کو اجنبیوں کی لاٹریوں
 کے لئے کنوین کی ضرورت ہے، آپ آج کل خالی ہیں چھ سات
 کن ہیں لکھ دیجئے۔ آخر اسوں نے لکھنا منظور کر لیا اور اسوں نے
 کاریگری، ایجا دات، دانایاں فرنگ، سیاحوں کی کہانیاں، قدیم
 تہذیبیں، آئین حکومت عید، اور ادب باہمی لکھوائیں۔ مہر صاحب
 حیب دو مہینے کی چوٹی پر چلے گئے تو مولانا ظفر علی خاں نے ان کو
 ایک رقعہ لکھا کہ آپ رخصت کا سلسلہ ختم کیجئے۔ آپ کو ساڑھے تین سو
 روپے ماہوار تنخواہ ملے گی، اور مرتضیٰ احمد خاں نیشن آپ کو ساڑھے

تین سو روپے ماہوار تنخواہ دے گا۔ اور مرتضیٰ احمد خاں نیشن آپ کے
 مددگار کی حیثیت سے کام کریں گے، مالک نے جواب میں لکھا کہ میری
 رخصت کے چھ مہینے پورے ہو جانے دیجئے۔ اس کے بعد
 آپ کی تجویز کے بارے میں رائے قائم کر دی گئی۔ اس جواب کے
 چندہ میں روز بعد مالک صاحب اور مہر صاحب کو ڈاکٹر اقبال
 نے حضور صلیت کے ساتھ بلایا۔ یہ دونوں جب وہاں پہنچے
 تو مولانا ظفر علی خاں اور مولانا عبد القادر قصوری بھی موجود تھے

مولانا عبدالقادر قصوری نے کہا کہ مولانا محمد علی صاحبزادے سے واپس آ گئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن سعود کے خلاف بنگالہ سرکاری کریں گے۔ مولانا طغری خاں کو مختلف مقامات پر طلبوں میں شرکت کے لئے جانا پڑے گا۔ آپ لوگ اپنی رخصت ختم کیجئے۔ اور زمیندار میں بدستور کام شروع کر دیجئے۔ اسخوں نے معذرت کی لیکن ڈاکٹر اقبال اور مولانا عبدالقادر قصوری نے زور ڈالا تو یہ دونوں کام کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ اسخوں نے سلطان ابن سعود کی حمایت اور مولانا محمد علی کی مخالفت نہ ہم کی مزارعت بڑے زور شور سے کی، اس میں مولانا محمد علی سے ملنی جنگ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

زمیندار کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ۱۹۲۷ء کی ابتداء میں یہ کیفیت تھی کہ سالک صاحب اور قمر صاحب کو دو تین سطوں میں ایک مہینہ کی تنخواہ ملتی تھی لیکن باقی مہینہ تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بہت پریشان رہتا تھا۔ مارچ کے مہینے میں رمضان آ گیا۔ ملازمین نے تنخواہیں طلب کیں آخر تنگ آ کر ہسپتال کا فیصلہ کیا۔ اسخوں نے اس خیال سے ملازمین کا ساتھ دیا کہ شاید ان کی اہمیت اور مسلسل خدمت ان کے لئے مضید ثابت ہوگی، تاکہ زمیندار کو فوٹس دیا گیا کہ اگر ۲۰ مارچ کی شام تک عملہ کو دو ماہ کی تنخواہ نہ ملی تو ۲۱ مارچ سے ہسپتال کر دی جائے گی۔

مقررہ وقت پر ملازموں کو تنخواہ نہیں ملی تو ۲۱ مارچ کو ہسپتال

کر دی گئی۔

ٹرینال کے دوران دو چار دن میں سالک اور مہر صاحب نے اجراء انقلاب کا ڈکٹریشن لے لیا۔ دفتر کا بند دہشت کیا فریئر اور انیشیری خریدی، پریس اور کاغذ کا بند دہشت ہو گیا۔ اختیار بھی فراہم کئے۔ سلاویہ سب کچھ اتنی محنت کے ساتھ بنوا کہ اہوار چ کو اہلہ امیدار سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ بارہ تیرہ روز کے اندر ۲۲ اپریل کو کوٹاہری دہاٹنی محاسن سے آراستہ ہو کر انقلاب جاری ہو گیا۔

انقلاب کو جاری ہوئے دس ماہ نہیں گزرے تھے، کہ دفعتاً انقلاب اور زمیندار میں جنگ چھڑ گئی۔ اور مولانا ظفر علی خاں نے انقلاب اور ان کے ایڈیٹروں کے خلاف نظمیں شائع کر کر دیں۔ سالک دفتر بھی چوڑیاں پہنے ہوئے نہیں تھے۔ ”انکار و خوار“ میں انہوں نے بھی خوب لکھا دونوں طرف سے نظروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آخر دماہ کے بعد مولانا ظفر علی خاں صاحب نے

ازراہ کرم ان سرور حضرات کو معاف کر دیا اور سچر ناز مندی اور بزرگی کے دی تعلقات قائم ہو گئے۔ جو پہلے تھے اور آخر تک قائم رہے۔ دہلی ریڈیو سید احمد شاہ بخاری اور سید ذوالفقار علی بخاری کی کوششوں کی وجہ سے ہمہ جہ کامیاب اور سرورل عزیز ہو رہا تھا۔ اس وقت سالک صاحب کو بھی دہلی ریڈیو پر مدعو کیا گیا، سالک صاحب دہلی پہنچے اور احمد شاہ بخاری کے ہاں مقیم رہے۔ دہلی کے ادیبوں سے ملاقات کی خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہاں گئے۔

خواجہ صاحب ان کو درگاہ دکھانے چلے تو خواجہ صاحب کے گھر سے
 ایک رینہ پر چڑھ کر جب دوسری طرف اترے تو ایک نمولی سا مکان
 تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ ”ایمان خانہ“ ہے سالک صاحب
 نے کہا، اس پر کیا توقف ہے اس کے قریب دجوار کے تو بھی مکان
 ”ایمان خانہ“ ہیں اور ہم چاہیں اسے اٹھک آتے ہیں وہ بے
 ایمان خانہ ہے خواجہ صاحب بہت ہنسے اور کہنے لگے، آپ
 ”انکار“ کہتے نہیں بولتے ہی ہیں۔ اس کے بعد حیدر طاق
 دکھائے جن میں سے کسی پر مقام براجمیم، کسی پر مقام آدم
 لکھا ہوا تھا۔ ایک طاق خالی تھا سالک صاحب نے کہا یہ کیا ہے۔
 خواجہ صاحب نے کہا یہ طاق میں نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا
 ہے۔ انہوں نے کہا، اس پر مقام مخصوص، کلمہ جیسے، خواجہ صاحب
 نے اختیار میں پڑے، درگاہ پر پہنچے، فاتحہ پڑھی، مرزا غالب
 کے مراد پر بھی فاتحہ پڑھی اور فاتحہ پڑھ کر واپس ہوئے۔
 شام کو بنیادی صاحب کی کوسمیں سالک صاحب کے
 اعزاز میں ایک دعوت ہوئی، جس میں دہلی کے شعرا، ادیب اور
 سیاسی رہنما، سٹر آصف علی۔ مرزا احمد سعید، خواجہ حسن نظامی
 مولانا مظہر الدین، ملا داحدی، خوش ملیح آبادی سردار دیوان سنگھ
 مفتوں۔ شام، عید الزاق انجیری، جعفری (مدیریت)، پال
 احمد، بری، شوکت علی فہمی اور دوسرے متعدد حضرات موجود تھے
 بطیفہ گوئی، اور بذلہ سنجی، کا سلسلہ شروع ہوا خواجہ حسن نظامی
 مولانا مظہر الدین کے درمیان سالک صاحب بیٹھے تھے کہ دفعۃً

جوش صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کر سالک صاحب کے پاس آ بیٹھے
جوش نے سالک صاحب کا بازو دیکر اسٹھایا اور کہا کہ آپ بھی
کن بگڑوں کے پاس آ بیٹھے ہیں جن سے کافور دکن کی بو آتی
ہے سالک صاحب نے کہا مشکل یہ ہے کہ آپ سے بھی بو آتی ہے

اس پر جوش نے یہ شعر کہا ہے

وہ چیز جس کے لئے سو ہمیں بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام، خشکبو گیا ہے

حون و جلائی سلمۃ الخ کے چینی انقلاب کے لئے بہت سخت
تھے۔ اس لئے کہ انقلاب کی زندگی میں کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا
کہ کوئی معقول رقم ملک میں موجود نہ ہو۔ ہمیشہ پچیس تیس ہزار روپیہ رقم
رہتی تھی چینی سہریں زیادہ سے زیادہ دس ہزار روپیہ لگا لگاتا
تھا۔ اگلے چینی میں سہر دوپہ پچیس تیس ہزار روپیہ بوجھاتے تھے
چونکہ مارچ سے جولائی تک پانچ چینی فرقہ دارانہ فسادات ہی میں گزے
نہی آرڈر لودری پی مشکل سے وصول ہوتے تھے اور اس پانچ
چینی میں دو مرتبہ انقلاب کی انتانت ایک مفتہ اور دو مفتوں
تک ملتوی کرنی پڑی اور بالآخر اس علاقہ میں کرفیو بھی نافذ
ہو گیا۔ یہ دن سالک صاحب اور صاحب نے گھر پر گزارے
جب فسادات کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو متبرکی صورت بالکل بدلی ہوئی
تھی لے

لے ہونا سالک کے حالات سرگزشت سالک سے اخذ کئے

خداوات کے فرد ہونے کے بعد انقلاب سیرجاری ہوا۔ لیکن وہ
سات بیڑانہ جو سکی ۱۹۷۱ء سے قبل تھی، خیاںچہ صرف دو
سال اس نے بعد عمر پائی اور باقی سال کی عمر میں نومبر ۱۹۷۱ء
میں بند ہو گیا۔ اور تقسیم ملک سے کوراس میں نہ آیا۔

سالک صاحب کی عمر ۵۷ء میں چودہ سال کی تھی، جب
انہوں نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ پٹھانکوٹ اور ٹبانہ کے
منعہ میں غزلیں پڑھیں، آپ نے لڑانا حالی کی خدمت میں تلمذ
کے لئے لکھا۔ انہوں نے اپنی تصنیفی کا عذر پیش کر کے لاکڑ
اقبال کا نام تجویز کیا، سالک صاحب نے اقبال صاحب کو ایک
خط تحریر کیا۔ جس میں کلام دکھانے کی خواہش کا اظہار تھا۔ اور
ایک غزل اصلاح کے لئے بھیجی، اقبال نے ان کو جواب دیا، آپ
کے اشعار اچھے ہیں اگر شوق کا کم رہا تو آپ بہت اچھے متاعر
ہوں گے۔ یاد رکھئے طبیعت انسان کو آسمان سے ملتی ہے اور
زمان زمین سے۔ اگر آپ کی طبیعت متاعرہ ہے تو آپ خود بخود
شعر کہنے پر مجبور ہوں گے۔ سادگی زبان اس میں میں مجبور ہوں
استاد نہیں ہو سکتا، فنی حیات بخش رستا را پوری یا سید محمد ان
مار ہر دی میں سے کسی سے مجموعہ کریں اس کے علاوہ مفید اشتراک
اور رسالہ تذکیر و تانیث جلالی اور ایک آدھ کتاب عروض کی پڑھیے۔
اس کے بعد رستا صاحب کو خط لکھا۔ ان کی مستعدی آنے کے
بعد ان کو اصلاح کے لئے غزلیں روانہ کیں ڈیڑھ دو سال بعد سالک
صاحب رستا صاحب سے اصلاح لیتے ہیں اس کے بعد انہوں نے

الصلح اب اصلاح کی ضرورت نہیں اور آپ میں اہل حق و سچ کا ذکر
کر رہے ہیں اس میں اصلاح و دینا میرا مقصد نہیں ہے میں تو
حضرت غزالیؒ کی حرکت کا حکمت تھا۔ ۱۹۲۶ء میں رسا صاحب
فرست ہوئے۔ سالک صاحب نے ۴۴ سال تاعری کی اور ۲۴ ستمبر ۱۹۵۹ء
کو لاہور میں انتقال ہوا۔ سالک صاحب کو پنجاب کے اردو شعرا میں
ایک ممتاز نام حاصل تھا۔

نہ رہی شگفتگی، دل کی
وہ بھی دنیا بد تقییب اس کا
عشقی خواب میں ہو گیا رسوا
خاک رائے مدعا دل کا
جہ کہلاتے نظم زبانی ہو
آج بھی صورت پہ لکھ ہوتا ہے
خدا، آتا تھا نور زلف میں
تیری اسید نے خواب دیا
را و انعت میں خضر خود کم نہیں
آگیا سیم سست ساتی پر
مہر دل کون دل کا مونس ہو

ہائے رنج گئی کل دل کی
پرے سے بے کئی معنی دل کی
اب گئی پاک دانی دل کی
ساری دنیا سے مدعی دل کی
منہ سے تھپتھپانے دل کی
کہا بھی عارضے جلیبی دل کی
ہائے انوس دل گل دل کی
نکل طاق رہی سہی دل کی
کہا کرے گئے وہ رسی دل کی
رنگ لاتی ہے نکلیش دل کی
حب نہیں سننے آپ ہی دل کی

عشق میں جان دے نہ اے سالک

شرم رکھ برد آدمی دل کی

ارشید | کوہ تاریخی علی، مفتی، اخلاقی، ادبی رسالہ نور انوار
دیوبند سے رجب ۱۳۳۲ھ مطابق جون ۱۹۱۳ء

۱۲۰۰ء بمبائے بریسٹول تھا۔ مدیر بروکی حبیب الرحمن مفتی الدیر سراج
نیر شیدی تھے۔ سالانہ جیفہ پانچ روپے تھا۔ مطبع قاسمی دیوبند
میں چھپتا تھا۔ یہ رسالہ دارالعلوم دیوبند کا آرگن تھا۔

تاریخ الشعراء علی گڑھ سے جولائی سنہ ۱۲۹۶ء کو برسہ ہری
رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ پہلا نمبر ۹ صفحہ کا تھا۔

یاد پڑائیں الامام حضرت مولانا حسرت موہانی تھے، مطبع فیض
دم علی گڑھ میں طبع ہوتا تھا۔ سالانہ چھ روپے تھا۔

برسہ ہری کس صورت میں چھپتا تھا۔ اس کا ذکر مولانا
حسرت موہانی صاحب نے اس کے پہلے شمارہ جملائی سلسلہ ۶
میں کیا ہے۔

”سنی ۱۳۱۰ء میں حکومت نے اردو پریس سے تین ہزار روپے
کی ضمانت طلب کی کہ جو ادبیں کی گئی ہیں اس سے اردو پریس
کا خزانہ چھو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ برسہ ہری بھی بند
ہو گیا۔ سیاسی جمیٹ سے اردو سے ملنا دینا فرض ادا کر چکا تھا
اس کا اظہار آٹری رسالہ میں ہو سکی تھا۔ البتہ ادنیٰ جمیٹ سے
اس کے نسبت سے مفاد نہ تمام رہے جس کی بنیاد سے
یہ ادارہ کئی صورت میں قائم کیا جاتا ہے۔ فی الحال اس کتاب
تین ہزار روپے سے کم ہو چکی ہے۔ اس کے لئے
تین ہزار روپے سے کم ہو چکی ہے۔ اس کے لئے
تین ہزار روپے سے کم ہو چکی ہے۔ اس کے لئے

لی جاتے گی۔ ہر جہ میں کچھ حصہ مذکورہ الشعراء کا ہو گا۔ باقی ادراک
میں کلام اساتذہ کا لائق ہو گا۔ جس کا بیشتر حصہ اس وقت

نکھ غیر مطلوبہ اور گمباب ہے اس لیے کہ ناظرین اس ملاحظہ اور
کاوش کی داد دے کر بہاری مہمت افزائی فرمائیں گے۔

سلسلہ تمام حاتم کے بہت سے شعروں کا حال اردو سے
معلیٰ میں شائع ہو چکا ہے جتنے باقی میں ان کا تذکرہ اس
کتاب میں شائع ہو گا۔ انتساب و دوا دین کے سلسلہ میں صحفی سے
ابتدائی جاتی ہے، چنانچہ پہلے جز میں اسیر، تنہا، تنہیدی
کے دیوان شائع کئے جاتے ہیں اور جز دوم میں محو، مسرور
و عیشی شاعران صحفی کے دیوان چھاپے جائیں گے۔ تذکرہ شعراء
و تنساب و دوا دین کے علاوہ اس کتاب میں کبھی ادبی مصنفین
تعمید کتب، اور موجودہ شعراء کے نام آدرا کی اردو غزلیں بھی شائع
ہو کر سکیں گی۔

یہ رسالہ مضامین کے ساتھ ساتھ ماسی نہ تھا لیکن کتابی صورت
میں سہ ماہی شائع ہوتا تھا۔ اس نے اگر قانونی مضامین پورا کیا
جاتا تو پریس ایکٹ کے مطابق پیشگی ضمانت داخل کرنی پڑتی تھی
جس کی طاقت نہیں تھی۔ رسالہ مخزن لاہور مورخہ نومبر ۱۹۱۹ء
کے شمارے میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا۔

مولوی فیض الحسن صاحب حسرت سوہانی بی اے ایڈیٹر
اردو سے معلیٰ علی گڑھ نے زبان اردو کی جو کامیاب خدمتیں انجام
دیا ہیں وہ شہیر روزگار ہیں، ممدوح نے حال میں ایک نیا رسالہ
تذکرہ الشعراء کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے جس کا پہلا
نمبر ۷ صفحات پر ختم ہوا ہے، قیمت سالانہ دو روپے ہے ہم

اس رسالہ کا دلی اظہار سے غیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی ترقی
انتانت کی توقع رکھتے ہیں۔

معلومات | لکھنؤ سے جولائی ۱۹۱۷ء کو یہ رسالہ وجود
میں آیا۔ ایڈیٹر عبدالوالی صاحب بی اے
تھے ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ چند سالانہ پانچ روپے تھا، اور
لکھنؤ پریس لکھنؤ میں چھپا تھا۔

رسالہ نقد آگرہ کے شمارہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں اس رسالہ

بریلو پریس چھپا ہے۔

”یہ ایک نیا رسالہ ہے جو جولائی ۱۹۱۷ء سے سر عبدالوالی
بی اے کی ایڈیٹری میں لکھنؤ سے نکلتا شروع ہوا ہے، اس
انتانت اس کے تین نمبر ہماری نظر سے گزر چکے ہیں اس رسالہ کی
ترتیب و تہذیب بالکل مغربی رسائی کی طرف ہے جو اب تک اور
رسالوں میں نہیں دیکھی گئی ہے۔ عام دل چسپی اور مفید معلومات
کے مضامین عام نفع نہان میں پیش کرنا اس کی خصوصیت ہے
اور یہ ہے کہ جب تک علمی و اقتصادی مضامین آسان سمجھی جاتی
زبان میں نہ لکھے جاتے گئے پڑھنے والوں کو کوئی فائدہ
نہیں ہو سکتا، زیر و بریلو پریس میں (۱) سچوئی کی نیار، انگریزی
شاعری میں (۲) عورت کی دنیا (۳) معرکہ پرائی زندگی (۴)
امام اعظم کا خاندان (۵) ترجمہ کئے اسلام، نہایت عمدہ اور
معزین نکلے ہیں جن پر ہم مدیر معلومات کو مبارک باد دیتے ہیں
اگرچہ تعداد عمدہ نہیں پور نہیں مگر نہ جوئے سے اچھی ہیں، ایک

نہ در سوا یہ مدد کوہ دلا مظلوم دل بند کا آئین تھا۔ لیدر بیرونی حبیب الرحمن صاحب نعمت الدیر سراج احمد صاحب تھے، ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا، سالانہ چندہ پانچ روپے تھا، طبع قاسمی روپنہ میں طبع ہوتا تھا۔ یہ ماہانہ تعلیمی رسالہ لاہور سے جولا کی

ساعت اسلام

کڑھوید پیر سوا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ خواجہ کمال الدین بی اے، اور بیرونی عبد الدین بی اے، بی ائی، لیدر بیرونی تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا، نوٹین انجمن ریسیس لاہور میں چھپتا تھا۔ خواجہ صاحب مرزا غلام احمد تلمذ دہلی کے معتقد تھے۔

اس رسالہ کا حسب ذیل اشتہار فروری سنہ ۱۳۱۵ھ کے جرنل شمار ہے

یہ شائع ہو رہا تھا۔
۱۰۔ اسلامک ریویو مجریہ لندن کا اردو ترجمان است اسلام ہے اس رسالہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ ایک تو مسلم برادران کو اسلامک ریویو کے انگریزی لٹریچر سے اردو ترجمانی و رنگ مشن سے اطلاع ہوئے ہوئے۔ صرف ہم برادران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں کہ اس وقت اسی کے سانحہ پر انگلستان میں اسلامی مشن کے وجود بہت حد تک چل رہے ہیں اس کا ہر ایک خریدار اب خود بخود غور و فکر میں اسلام کا خود کفیل ہو جاتا ہے اگر برادران ملت کو شیش کر کے انگریزی رسالہ کے پانچ ہزار ادارہ کے دس ہزار خریدار پیدا کریں تو اس کا سانحہ ہمارے دو رنگ اسلامی مشن کا کفیل ہو جاتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی رسالہ کئی بار لنگ بلادرغوبہ

میں مفت تقسیم ہو، اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شہیاد ہے یا بچہ بچے
سالانہ پیچیدے ترجمان کی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں
مفت تقسیم کر دیں گئے۔ کیا ملت بیٹیا کی اخلاعت حنفیہ پر کسی
ممبرستان میں نہیں ہے؟

اس رسالہ میں انتہائی مستین انداز میں مسجد اقصیٰ کے ساتھ
عیسائیت کا رد اور اسلام کی حقانیت ثابت کی جاتی تھی اور
اس میں انجیل اور عت اسلام کی روایتوں کے ساتھ سورتی تھی۔
نمبر خلاصہ ۶ کے رسالہ کے حسب مفاہیم تھے۔

۱۔ اسلام اور ترقی ساز مارٹن لوتھر کی تحفہ سال ۱۲۵۱ء الہی۔ ایک
انگریز مسلم کے قلم سے (۳) اسلام عورت کی حیثیت، از شیخ
ایچ ایم، ندوائی، تبلیغ لارڈ ہیڈ نے۔

خواجہ کمال الدین خواجہ صاحب دوکنگ مشن لندن کے بانی
اور امام تھے اور نہایت پرجوش مبلغ اسلام
ساری عمر آپ نے اخلاعت اسلام کے کام میں وقف کر دی، اور
یورپ میں لاتعداد کتب اسلام کی حقانیت اور سچائی پر دئے
بہت سی کتابیں اسلام کی تائید اور عیسائیت کی تردید میں لکھی
مسجد دوکنگ لندن سے خلاصہ ۶ میں ایک انگریزی تبلیغی رسالہ
اسلامک رپورٹ جاری کیا، جماعت بھی بہت شان کے ساتھ جاری ہے
اور جوائی ۱۹۱۱ء کو لندن میں رسالہ اخلاعت اسلام لاہور سے نکالا
آپ نے انگریزی میں بہت سی کتابیں اسلام کی تائید اور
رد و فساد میں لکھی، ان کے علاوہ اردو میں بھی انہوں نے

ردنصاری کتابیں تعیند فرمائی۔ جن کے نام یہ ہیں۔
 لغات القرآن مجملہ، لغات عالم کا مذہب، مسیح کی الوہیت
 برائیک نظر، اسلام اور علوم جدیدہ، اسلام میں کوئی فرق نہیں،
 راز حیات، یادِ عملِ عمل، طریقتِ عمل، توحید فی الاسلام، روحانیات
 فی الاسلام، مساحتہ اسلام، سستی واری تعالیٰ، مذہبِ محبوب، سیر
 انکار، ملکِ سرور دید، مقصدِ مذہب اور پیام اسلام اور سیرت
 نبوی وغیرہ وغیرہ،

خواجہ صاحبِ شمس ۶ میں پیدا ہوئے ۶۲ سال کی عمر میں
 شمس ۱۲۸۷ کو لاہور میں فوت ہوئے۔

اسوہ حسنہ | کوٹھی سعید نزل میرٹھ سے اگست ۱۹۱۲ء کو
 جاری ہوا یہ ماہنامہ تھا ۶ صفحات پر مشتمل تھا
 مالانہ حینہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ عصرِ جدید پریس میرٹھ میں طبع ہوتا
 تھا۔ مالی مشکلات کی وجہ سے مارچ ۱۹۱۶ء میں بند ہو گیا۔
 فائز خیال ملچانکوٹ نومبر ۱۹۱۶ء میں اس رسالہ پر تبصرہ
 شائع ہوا تھا۔

یہ لا جواب اسلامی رسالہ سعید نزل شہر میرٹھ سے نکلتا ہے مسلمانوں
 کی اخلاقی اور تمدنی اصلاح اس کا نصب العین ہے حضرت رسول
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی پر عمل پیرا ہونا سکھاتا ہے
 بڑے بڑے مستند اہلِ قلم اور فاضل افاضاء پر دانزدل کے مضامین
 اور تعلیم درج مہر تھی ہیں۔ غور توں اور سچوں کے بے جی حینہ
 صفحات مخصوص ہیں۔ جن میں زریں نصیحتیں اور عمدہ اقوال و بیج

کئے جاتے ہیں۔ کاغذ لکھائی، چھپائی عمدہ ضخامت ۷۰ صغی،
ٹائٹل پیج پر درود منورہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ آنکھوں
کو دل خوش کرتا ہے، قیمت انکمہرٹ ایک روپیہ آٹھ آنے ہے۔

۲۶ راکٹ سٹائلٹہ کو بیجی تال سے جاری
پرورشش سیرور ہوا۔ دوزانہ اخبار سخا۔ جس میں صرف جنگی
خبریں بھیجی تھیں، کبھی دوزانہ کبھی چار صغہ پرست آج پڑتا تھا۔

۱۱ ایضاً لاہور سے یکم جون سٹائلٹہ کو مذہبی اخبار دعوہ میں آیا
مفتی دوزانہ تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ عمریدید
پہلے کے ۱۵ راکٹ پر سٹائلٹہ کے شمارے میں اس رسالہ پر یہ
رپویشا لکھے ہوئے۔

۱۱ کیا آپ نے اس کا کوئی نمبر دیکھا ہے اس کی اشاعت قدیم
مسلمانوں کی ایک علمی جماعت اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے ایک مدشن
مضمیر طبقہ کی تحکاتی میں یکم جون سٹائلٹہ سے ہو رہی ہے اس
میں کیا مہترائیے (۱) اقوام کے غرض و دوزانہ پر تبصرہ، تعلیم و تربیت
(۲) قرآن کی مقدس تعلیمات کی اشاعت، دہم حقیقی ترقی کے وسائل و کچھ
میں (۳) اسلام کی زندگی کیسی تھی اور کیسی ہوئی چاہیے (۴) اسلامی
دنیا کی ترمیم (۵) ملک اور قوم کے برہنہ کے مسائل پر بحث و تنقید
(۶) حاکم و محکوم کے تعلقات کو خوش گوار بنانا (۷) دنیا میں جہاں
جہاں مسلمان آباد ہیں اور جس حال میں بھی ہیں ان کے صحیح حالات سے
مسلمانانہ منہ کو اطلاع دینا اور یوں دہم و امریکہ و انیشیا کے اہم واقعات
کو مدبرہ لانا۔

بس میں مولانا عبد اللہ صاحب دکنی، شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی
اور دیگر بڑے شہور افتاد اہل قلم کے مضامین موصوفہ شائع ہوتے ہیں
نذرہ ضلع گجرات سے اکثر برسلوئےء میں یہ گلدستہ
بزم سخن | چاروں طرف سے جملہ ہمارے نضا۔ ہر انگریزی مہینہ کے
آری ہفتہ میں لکھتے تھے۔ ہم ۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ مکتبہ رحمانیہ
ہفت نذرہ کی ایڈیٹر، مثنیٰ محمد علی ہمتی تھے، سالانہ چند سوار پیسہ
تھا۔ بغداد عام پریس پائمانہ لکھتے تھے جیسا تھا۔ رسالہ تھے
سرورق پر شتور و روح تھا۔

ہمیں طرح و ناول کو تعجب ہے جن سے
رکھتے ہیں محبت فقہا بزم سخن سے
ارحہ علیہ السلام کے شانے سے توار کے متوجہ اشعار و روح کے
جانے ہیں۔

جناب بابو مانا دین پٹنہ و صاحب آئمر حنیف اسوی بہار شاگرد
محرم غلش سے ہے۔

بیماری، یہ مسفا کی، یہ بیدردی، یہ بیب کی
لاتے جو اسی کر خاک میں جردل سے ملتا ہے
بہاں بیٹھے وہاں بیٹھے، ادھر نرے ادھر نہیں
مزا منزل کا آئمر دور کی منزل سے ملتا ہے
جناب حکیم شاہ محمد عبد الدین صاحب ہمدان دانا یوری شاگرد جناب حسن
دانا پٹنہ سے۔

جواں سے دل لگا کر عین آب و گل سے ملتا ہے۔ سنا کرتے تھے ہم آرام دل کو دل سے ملتا ہے

آخر ہوا ہر احمق اور مشک کا اچھی صحبت کا وہ اک دن اہل دل ہر گاہ جو اہل دل ملتا ہے
جناب مولوی عبد الرحیم صاحب رحیم واقع اسلام پیٹ بھارت
شاگرد مرزا شوکت رئیس کشتا ہے

ای ظلم کرتے ہو جو تم پر جان دیتا ہے ،
ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
موت و مرگ دن کرتے ہو کیوں تم ان جھوٹوں کی
تجھے کیا اتے رحیم اس سنی راہ سے ملتا ہے
جناب محمد عبداللہ صاحب عطا چشتی شاگرد عنبیہ دہلوی نذر باست
چرکھا رہی ہے

ہجوم پاک اب اب ہوا ہے دائے ناکامی
پتہ امید کا دل میں بڑی مشکل سے ملتا ہے
میں وہ ناکام ہوں باوجود مخالفت سچیر دیتی ہے
سفینہ میرا آ کر حب کبھی ساحل سے ملتا ہے
جناب حسین عالم صاحب مقصر ناروی شاگرد جناب سوگ جسٹا ناروی
حسین اب زمانے میں نہ مشکل سے ملتا ہے
تمہارا چاند سا چہرہ کمال سے ملتا ہے
کسے دل دیں آگیا میں کس سے دل اب ہم زبان میں
حسین باوجود ناقص بڑی مشکل سے ملتا ہے
جناب بابو ہدیش پرست سوگ درانا ناروی شاگرد جناب نوح ناروی
ہمیں دشمن کے ہٹنے سے بہت کچھ فائدہ پہنچا
کسی کا راز دل ہم کو کسی کے دل سے ملتا ہے

میت ہے متوجہ عیش و تنعم کو نہ کیا میں
جسے تمام کہتے ہیں، بڑی مشکل سے ملتا ہے
ناکوس خیال بچے لکھوٹ سے تھا جسے لوہبر علیہ السلام میں اس رسالہ
پر دیویش شاعر ہوا ہے۔

”بہ امداد شہزاد سنن کا ماہیوار مگر دستہ ہے مقام نذرہ منیع
کیا سے فتنی گلگیر پر شاہ صاحب فلتش کی ایدہ پیری میں نکلتا شروع
ہوا ہے اس کا پہلا نمبر اس وقت باؤسے سامنے ہے جس میں خواجہ
عبدالودن عشرت لکھنوی کا ایک سفید ادبی مضمون بھی درج ہے
طرح غزلیات اچھی ہیں۔ انتخاب بھی مناسب ہے کاغذ اچھا ہے
چھاپائی اچھی، چند سالانہ ایک راہیہ آ کر آئے۔“

جلد دیش پر شاہ فلتش
فلتش صاحب راہیہ نذرہ منیع گیا جسے باندھنے
تھے۔ نذرہ میں اسٹول نے تعلیم پائی، شعر

کہنے کا شوق ہمیں سے تھا۔ خواجہ عبدالودن عشرت لکھنوی سے
مطلع لیتے تھے، نذرہ میں لکب احسن حشرہ منیع قائم کی جس سے سکرری
فلتش صاحب اور خواجہ عبدالودن عشرت لکھنوی صدر تھے، اس
کے نمبر ان میں جناب بابو درباری سنگھ شاہ صاحب محمد طاہر
ظاہر بھنگوان پوری اور مولوی غلام عباس دہڑہ تھے ان کا استاذ
میں شہزادہ جوئے لگا تھا جناب مانا دین پر شاہ احمد حنیف اسٹی لہاری
وغیرہ ان کے شاگرد تھے، آپس میں اہمیراں اتھڑ سے بیعت تھے۔ اور بابو
شاہ پر شاہ دو کپڑے کے موڑ تھے۔

یہ نظم خانہ جاوید سوم مرزا علیہ برہم سنن نذرہ گیا اور پارسا لکھلا

مفتاح الحکمت | یہ نیدرہ روزہ طبی رسالہ لاہور سے شائع ہوا ہے جس کے جلدی ہوا، ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر مکیم مفتاح الدین صاحب تھے، اس رسالہ جلد دوم پہنچا تھا۔
 رسالہ راجین میگزین نامی لاہور کے رکنہ ستمبر ۱۹۸۷ء میں اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

اس رسالہ کو بخیر سمجھ کر لیا گیا، ہمارے خیال میں اس رسالہ کی اپنی ملک کو فائدہ کرنی لازمی ہے اس میں علم طب پر نہایت ہر ذریعہ اور بہترین مضامین تحریر ہوئے ہیں اور طب کے علاوہ علم حکمت یعنی طبعیات اور سائنس پر ایک سلسلہ مضامین ایسا شروع کیا گیا ہے جس کی ملک مند کئے باشندہ دل کو دل سے فائدہ کرنی چاہیے اگرچہ ملک کی ترقی کا راز صرف سائنس ہی کی مدد سے ہی حاصل ہے مصلحت کے مضامین لاریب، دل چسپ اور مفید ہیں، فزکالوجی، انسانی اور اعضا، اناتومی (تشریح جدید) علم اناطومی، معالجات، حرکات، مختلف خبیث سائنس، اعضا، جسمانی اور انسانی نباتات کے صلیح کو طبی دنیا کی خبریں، میڈیکل اسکیٹ وغیرہ کے برے نتائج اور دیگر طبی ہر ذریعہ کے پورا کرنے کے لئے جس میں نہایت قابل ذرا اور پڑھنے والے مضامین لکھے گئے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ ملک کا سچا خادم، طبییوں اور دیگر کا بے نظیر آئینہ، فن طب کا پاس ہواں طبی برادری میں اتحاد و یکجہتی بڑھانے والا، اپنی خداداد دل چسپی سے بہت جلد اپنی ملک کے قلوب کو مستحضر کرے۔

مگر دیکھئے۔ چونکہ کاغذ ہنگامہ ہوتا ہے، خطیب کے چند لڑجے کا اندیشہ ہے، اس لئے آپ اسے جس قدر عجلہ جاتی کراٹینگے اچھا ہو گا۔

دراحدی صاحب اپنی تصنیف "میرے زمانہ کی دلی" میں خطیب کے بارے میں کہتے ہیں۔

میرا مقصد دوسرا خطیب ۱۸۵۴ء میں جاری ہوا تھا اس کی بناء صاحب قلمی مدد کیا کرتے تھے، عارف صاحب نے اس کے سیاسی مضامین کا باب اپنے ذمہ لے لیا۔ عارف صاحب بے حد تیز رفتاری سے لکھتے تھے، میں تیزی کے سمجھتی کہ سر دیتا تھا۔ لیکن اب ہوتا رہا کہ وہ لکھتے رہے اور میں خاموشی سے ان کے مضامین میں گڑی کرتا رہا۔ میری خاموشی اور کچھ نہ کہنے سے متاثر ہو کر ایک دن عارف صاحب نے فرمایا۔ افسوس ہے، آپ پر ایک نیا بار پڑ گیا ہے۔ مگر میں کیا کروں، مجبور ہوں، اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ سفین کا ٹٹنے، چھپاٹنے کی مجھے سرگزشت کا بیت نہیں ہے میری سب سے اس بہ حال نکل جاتی ہے لیکن آپ کی تکلیف کے خیال سے اپنی مجبوری کا اظہار کر رہا ہوں۔ (۲۸/۳)

اس کا ایک اشتہار انتہائی دل چسپ تھا جس کا عنوان تھا "میدان جنگ میں مانگ" خطیب و نظام المتدع کی، یہ اشتہار جلال کے شمارے میں چھپا تھا۔

"جہاں گونگ اور گویوں کا سینہ برستا ہے اور موت و خون کے بارش لہراتے ہیں، جہاں انسان اپنے ملک و بادشاہ کی عزت

پر نہیں قربان کرتے ہیں، جہاں آدمی زندگی کی توقعات سے ہاتھ ہٹا کر
جاتے ہیں یہاں موت کے فیض و نفع کے کوئی چیز یاد نہیں آتی۔ وہ
ایسا مقام ہے جو مرد دل چسپی کو زرا عرض کر دیتا ہے مگر مذہب پر آدم زار
کو ایسا پیرا ہے کہ وہ اس غری کار زلہ میں سب سے اس کو یاد کرتا ہے چنانچہ
ہم نے اس تمام جنگ میدانوں میں جہاں سے ہمارے مندرستانی صعب کی
جنگد جبل میں معروف ہیں خطیب و نظام الملک کی مانگ آ رہی

ہستہ
افسردہ سبھی کلمے میں کہ اس خوشوار مقام پر ہمارا دل کسی اخبار
در سالہ میں نہیں گنت، صرف اخبار خطیب و رسالہ نظام الملک
کو پڑھا پاتے ہیں جن میں روحانی تسلی و تسکین کے پیام جوتے ہیں
و ہم خود اور رسول کی بار دلاتے رہتے ہیں۔

اس حالت میں غیر عوامی سرکار کا زخم ہے کہ وہ خطیب و نظام
الملک کو زخمی سپاہیوں میں قسم دیا نہیں، اس سے پڑھکر سرکار اور
ایک دین کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔

زمزم تصور
فقیر سے یہ غنہ دار اخبار سلسلہ کو جو وجود میں آیا
آئندہ صفات پر مشتمل تھا، بالآخر پینہ دور پہ تھا
سلیح شعاع نور فقیر میں طبع مرقا تھا۔ یہ اخبار صلح کن، ملک کا شیر کار
خیر خواہ سرکار، نام نہادوں کی جدت کا گلزار گلہائے سفامین کا تختہ
ہمارا، مذہبی و ملکی معاملات کا دستبردار تھا اور وعدہ تھا۔

استنبول سے نئی سلسلہ کو ایک انقلابی ہفتہ وار
اخبار جاری ہوا۔ جو عربی، ترکی اور اردو میں نکلنا شروع ہوا۔

جہان اسلام

میں نکلنا تھا، اس کا اردو حصہ ایک پنجابی مسلمان ابوسعید غریبکو دے
تھے جو سلاطین، بزرگواروں میں ایک سکول کے ماسٹر رہ چکے تھے
تیس وقت ترکی اور اٹالوی کی جنگ چھڑی۔ کوٹلا مٹ ترکی کے
مصر چلے گئے۔ اس اخبار میں مفدا برکت اللہ جبرانی اور لالہ مریدیاں
کے مضامین چھپتے تھے ان کے علاوہ مصر کے نیشنلسٹ لہذا فریدیہ
اور مسلمہ وارف کے مضامین بھی کثرت سے شائع ہوتے تھے، جو
برطانیہ کے خلاف بغاوت کی شریک چلانے کے سلسلہ میں ہوتے تھے یہ
جابر ہندوستان میں بھی آتا تھا۔ جیسا کہ اس کا اشتہار اہلال کے سلاطین
کے شمار میں چھپتا رہا۔

۸۔ جبرانی سلاطین کے شمارے سے نقل کیا جاتا ہے۔
”یہ ایک ہفتہ وار، سارے عربی، ترکی اور اردو عینوں زبانوں میں
منتشر ہونے لگا ہوا ہے، مذہبی سیاسی اور ادبی معلومات پر مشتمل
کرتا ہے۔ چند سالہ آزمودہ ہے، جدیدیت کی اور قزاقوں سے رشتہ
استاد پیدا کرنے کے لئے ایک ایسے اخبار کی سمیت ضرورت ہے۔ اور
اگر اس کی توسیع امت میں کوشش کی گئی تو ممکن ہے کہ یہ اخبار
اس کمی کو پیدا کر دے گا“

ملنے کا پتہ :- ادارۃ الجریۃ فی المطبعة العثمانیہ جنیری طرابلس
نمبر ۱، صندوق البوستہ ۴، استنبول۔

سلاطین کی دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد جبرانی قزاقوں
کے کٹھن ایکٹ آف سلاطین کے تحت اس واحد پر مجبوتان نے
پر پابندی لگا دی گئی۔ اس اخبار کا مقصد انگریزوں سے طلاق

علم نبوت، فہد کذا، اور جس نام پر انگریزی حکومت غمی میں کالہد
 خصوصاً منہد سلطان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ کرنے کا تزیین
 رہا تھا۔ چنانچہ ۲۰ نومبر ۱۸۵۷ء کے عہد سے میں اللہ پٹن کی تقریر
 شائع ہوئی۔ جس میں انھوں نے اللہ باتوں کے علاوہ یہ بھی کیا۔

منہد قلعد سلطان قوم مددوں فوج کے سپاہی ہو۔ اور
 آپس میں سبائی سبائی ہو بہ دولت ہے کہ منہد دستاں میں غدر کا
 اعلان کر دیا جائے۔ انگریزی میگزین گوکہ ہمد دے ڈھیر۔ مے
 کوٹ نے جائیں اور انھیں کے تھید کوٹ کر انھیں کو قتل کو پا
 جائے، ۳۲ کروڑ منہد دستاں میں جبکہ انگریز مشکل سے صرف
 دو لاکھ ہوں گے۔ ان کو قتل کر ڈالا جائے۔ اس وقت ان
 کے پاس کوئی نہیں ہے۔ نہ سوتز کو بہت جلد ترک بند کر دینگے
 لیکن جو شخص اپنی جان کرمان کر کے اپنا وطن آزاد کرانے کا جیش
 ہمیشہ سے زندہ رہے گا۔ تا ابد منہدوں اور سلطانوں
 تم مددوں فوج کے سپاہی ہو اور آپس میں سبائی سبائی ہو، اور
 ردیل انگریز تھاد دشمن ہے اعلان جہاد کر دو، اور غادی مرد
 بن جاؤ، اور اپنے ساتھیوں کا ہتھ نہ لکڑ ساتھ دو انگریز کو
 قتل کر دو، اور منہد دستاں کو آزاد کرالو

طریقہ | لامہد سے سلطان میں برسلاہا ہانہ علوہ الرور
 ہوا، ایڈیٹر منشی محمد الدین لوتی لاہور سے

سالانہ چندہ اکیس دویس آنے تھا۔

اس سالہ پرنسپل آگرہ نے اپنے شمارہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں
تبصرہ شائع کیا ہے۔

منشی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین لاہور نے
جو ایک شہر اور لائق اخبار نویس ہیں وہ ہمارے مخلص و دوست
ہیں۔ حال ہی میں ولایت کے نام سے ایک مفید و دل چسپ موفیانہ
رسالہ نکالا ہے۔

فائوس خیال سٹیشننگ نمبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں اس
رسالہ پر دیویش شائع ہوا تھا۔

یہ سلوک درصوت کا ماہوار رسالہ منشی محمد الدین فوق ایڈیٹر
کشمیری میگزین لاہور کی ایڈیٹری میں نکلتا ہے اچھے اچھے مضمون
نکالنے کے رشتہ دار غلام سے زینت پاتا ہے لکھائی، چھپائی
اچھی کاغذ معمولی ہے خریدار کو چند کتابیں انعام میں دی جاتی ہیں۔

المسلم
لہذا یہ رسالہ سالہ ۱۹۱۷ء کو جاری ہوا غازی
محمد (دعویٰ) ایڈیٹر سے دود پے سالانہ
چندہ تھا۔ اس سالہ پر اخبار اہل وحدیت امرتسر نے ۲۸ مئی ۱۹۱۷ء
کے شمارے میں رپورٹ کیا تھا۔

پارے ناظرین غازی محمد (دعویٰ) کو جانتے ہیں آپ نے
اپنے ماہوار رسالہ المسلم کا آئندہ پروگرام لکھا ہے کہ سوای دہانند
نے جو روگید کی تفسیر لکھی ہے اور ناگری میں اس کا ترجمہ کیا ہے اس ناگری
کا ملک کی عام فہم زبان اردو میں ترجمہ کریں گا۔ جس سے کارندوں پہلے

کردیدوں کے مضامین سے پورے دل سے متفہم ہو سکے گی۔

افراد اہل حدیث اور ائمہ اربعہ اور ائمہ اربعہ کی مخالفت طلب
کی ہے اس کے بعد مضامین جو نے کی خبر شائع کرتا ہے۔

لہذا یہ کہ اس کا حال اور اس کے کو پڑے سے مدد پر ایک مخالفت طلب
ہوئی۔ رسالہ تا انتظار عالی کا دینی گھر پہ بند ہے گا۔

المبلاغ | مالیر کوٹہ سے یہ علمی رسالہ غالباً ۱۹۱۷ء کو پور پور
ہوا۔ یہ اہل نہایت تھا، ۶ صفحات پر مشتمل تھا۔

سالانہ چند چارہ ہے تھا۔ رسالہ خزن سورفہ فومبر ۱۹۱۷ء کے شمارے
میں رسالہ پور پور پر شائع ہوا تھا۔

اس رسالہ کا مدعا اسلامی علوم و حسن معاشرت و فضائل حسنہ کا
ردہ کرنا ہے اور انھیں معاہدہ کو پیش نظر رکھ کر دلائل یا مست مالیر
کوٹہ سے اس کی ماہانہ اشاعت ہوتی ہے مضامین دل چسپ ہیں۔

ترجمان | لاہور سے غالباً ۱۹۱۷ء میں یہ رسالہ نمودار
ہوا۔ اس میں صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر لالہ تیرتھ رام
لہور پوری تھے، سالانہ چند مین رد یہ تھا۔ کھائی چھائی لہور کاغذ
کے اعتبار سے اوسط درجہ کا رسالہ تھا۔

رسالہ نظام میرٹھ نے اپنے شائع ہونے میں اس سال
پر تنبیہ کیا ہے۔

تمام مضامین نظم و نثر گوشت ہر اہل علم کے نہیں ہیں، تاہم
خبریات و معلومات کے اعتبار سے ایک حد تک قابلِ داد ہیں۔ لیکن

مرد پر سب کا چھپسا ہے جو غالب ایڈیٹر صاحب کے ذریعہ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ نام نہایت ممتاز ہے۔ اس کے ایک نوک پر ترس ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ صرف ان بیروں نے جو ایک عرصہ سے دیکھے پڑے تھے اور سرگز آئنا زندگی کی سر کرنے شروع کر دے بلکہ ان ملک سے بعض نئے پرچے بھی غیر معمولی سرعت کے ساتھ شائع ہونے لگے ہیں۔

”عزیز گزشتہ ہی مدد کی پیکل ادبے ملک ہو قابل اعتراض نہیں ہو سکتی لیکن مصاحبات کی طریقوں پر مزید نظر پڑتی ہے“ دیکھ پڑے تھے ”وہاں کی ادب غیر فصیح صادر ہے، زوں داں انٹریوڈ اس کو ہرگز نہیں برت سکتے۔ علاوہ اس کے شائع ہونے لگے ہیں“ یہ جلد ہی تازہ سے خالی نہیں؛ ایک اور فقرہ ہے ”میری اپنی رائے یہ ہے کہ اس حقیقت اور حقائق کے ساتھ اس کے لئے کاغذ اس سے بہتر استعمال کیا جا سکتا تھا“ اس کا لفظ ایک مختصر سے فقرے میں بین جگہ صرف کیا گیا ہے حالانکہ بعض فقروں کا الٹا پلٹ سے یہ سقم دور ہو سکتا تھا، اسی طرح تمام فقروں قابل اعتراض ہے ایڈیٹر کی جگہ نشان ہے کہہلا کہ اس کی استعداد اور قابلیت پر مضامین نگار اعتماد کرتے ہیں اور یہ کہہ جیتے ہیں کہ ہمارے مضامین کی جانچ اور دیکھ بھال کرنے والا ایک قابل اور معتبر شخص ہے جس اس صورت میں اگر سالہ کا ایڈیٹر کی کال انٹریوڈ نہ ہوگا فورسار کی کیا دقت ہوگی۔ ہم سمجھنا ایڈیٹر ترجمان کی خدمت میں نہایت نوک و بانہ گفتگو کریں گے کہ اگر ترجمان کو ادبی دنیا میں محبت دینا اور مقبول عام

نانا مقصد ہے تو اس کے لئے ہر کی اصلاح کریں اور اخلاقیات کے لئے
 تہذیبی و تعلیمی تنظیمیں بنائیں۔
 قادیان سے سلاطین کو یہ اخبار منصفہ میں تین
الفصل بار لکھتے شروع ہوا، آخر صفحہات پر چھپنا تھا
 مولوی نور الدین اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چھپنے پر وہ پہلے تھا۔
 طبع منیار الاسلام قادیان میں طبع ہوتا تھا۔

اس اخبار کے سرکاری سرپرستوں میں ہوتا تھا۔
 قلمی کا فورسج جس کی ایک دن دیکھنا
 میں سبھی اک نورانی چہرہ کے پٹھانوں میں
ڈائریکٹر مسٹر سید کٹر دلوں والیاں امرتسر سے سلاطین کو یہ ماہانہ
 رسالہ جلوہ افروز ہوا، ایڈیٹر ماسٹر سنت سنگھ
 تھے، سالانہ چھپنے شروع ہوا۔ آخر صفحہات پر لکھتے تھا۔
 اس رسالہ پر میر عبدیہ میرٹھ نے مدرا کٹر بریلوئے کے
 پرستے میں نمبر کیا تھا۔

ہندوستان میں فحشیات کا استعمال بڑھتا جاتا ہے جس سے
 ان کی دماغی اور جسمانی صحت پر بڑا اثر پڑ رہا ہے اور لاکھوں لفظوں
 ردیہ شراب، امیون، کوکین، فہاک، چرس اور سنگ و عزم
 کے تفریق میں غارت ہو رہا ہے۔ ماسٹر سنت سنگھ نے ٹریڈرس
 میگزین نامی ایک ماہانہ رسالہ جاری کر کے قوم و ملک پر اس کی کیا ہے
 اس رسالہ میں مشہور رشید کی اشعار کی معرقتیں عبرت خیز طریقے پر
 بیان کی جاتی ہیں اور مکتوبات کے ہر ناک تہ تیغ پر علمی، اقتصادی

لحاظ سے رکھنی ڈالی جاتی ہے۔

خاں بہادر ہوشیار پور سے یہ ماہانہ رسالہ سلاسلۂ اہل کوٹلیج
ہوا، سالانہ چندہ سو روپیہ تھا۔ ۲۲ صفحات
پر مشتمل تھا۔ ۱۰ اراگت سلاسلۂ اہل کوٹلیج کے عصر جدید میں اس کا
اشتیجار چھپا تھا۔

حکیم بہلول بہاول ہے ڈی پنجاب سے یہ طبی رسالہ سلاسلۂ
سلاسلۂ کوٹلیج کو نو روپیہ ہوا۔ سبکدان سنگھ عاصف اس کے
ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ ایک روپیہ چودہ آنے تھا، قیمت فی پرچہ
تین آنے تھی۔



۱۹۱۵ء

تجارت | شاہجہانپور سے یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو یہ تجارتی پرچہ
 نمودار ہوئے۔ پندرہ روزہ تسلیم ہوا اور تاریخ کو شائع
 ہوتا تھا۔ ہم مصنفات پر مشتمل تھا۔ ہائیکے لال اختر اسی کے ایڈیٹر
 تھے۔ سالانہ چھ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ میٹرو ڈسٹ پبلشنگ ہاؤس
 لاہور میں چھپتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعور رائج ہوتا تھا۔
 شجاعت تمہارے دو برو و وجود کو رت ہے
 گردِ سیوا اسی کی گر تہیں زر کی ضرورت ہے
 یہ پرچہ صنعتی، حرفتی، تجارتی و ذراعتی معلومات کا خزانہ کاویگر
 دو کاغذوں اور بے لکڑی کاغذوں کا معاون تھا۔
 جناب حکیم تروال صاحب دکنی سکریٹری نیک سہوان ضلع بدایوں
 نے ۶ مارچ ۱۹۱۵ء کے قلم سے اس میں رسالہ تجارت کے
 متعلق سبب قبول کا اظہار کیا ہے، جو منظم ہے۔

اے بہائے بہاؤنِ عالمِ فانیم و نکستہ دہاں
 قدرِ دانیِ عالمِ دینرا اے ساکنِ بندستاں
 مگر نہ تھی تقدیر اپنی ایسی جو ملت ہمیں
 اب اجابتِ تبارت و صنعتِ معرفت کی جاں
 گم شدہ سارے دہینے اس نے ظاہر کر دیے
 اس کو کھنڈا جا چکے دراصل رازِ ساحراں
 اسی نے ظاہر کر دیے ہم راہِ اول و دوم
 اس نے وہ باتیں بتائی ہیں جو محسوسِ معجزیاں
 وہ اشیاءِ آتی تھیں جو غیر ممکن سے یہاں
 ہم بنا سکتے ہیں اب گھر میں سب بیگیں
 کون اب اس پر ہے جو نہ اس میں روح ہو
 کون کی ترکیب ہے جس کا نہیں اس میں بیاں
 لطف اس پر ادب یہ ہم کو دیا ہے اختیار
 پوچھ لیں ہم بھفت چہی میں ہر کوئی رازِ ہنساں
 ہے ہمارا رخصتی کچھ ہم بھی مدد اس کی کریں
 ہے ہمارا کام پہنچا دیں اسے کون دکان
 لاؤ ہمارے لال آفتاب سے کہیں ہم بزدل
 آپ وہ ذائقہ اے کر دیجئے اے ہر ہاں
 ڈیڑھ روپہ بہت کم قیمت ہے جبکہ آجکل
 دیکھتے ہیں دن بدن ہوتے ہوئے کاغذِ گراں

بر غیر در تہاجر جو کہ ہو گا آنا ہے
اسی کہ سبوں کو جس اک نسخہ پہاں جیساں

جیکہ تیار کیا میں مد کا ہر چھوٹا ہے فرج
وہ کہہ رہی ہے کل اسو قن انانی کو ہاں

وہ اپنے بہت کراہ کو پیش کر بیٹا کو کبر
ہو فردا رشتہات ہر بشر مند رستاں

آریہ پتر | برلی سے خبری سٹاٹم کو بہ ماہنامہ علم الارف
ہوا۔ ہر برلی کی آریہ سماج کا آرگن تھا

مذاہب کے علمہ اعلیٰ میں انیس ویرہ درج ہوتی تھیں سالانہ چننا
سواند یہ تھا۔

المیزان | علم کلام سے یہ پندرہ روزہ اخبار یکم فروری ۱۹۱۵ء
کو خیر پذیر ہوا۔ خواجہ امیر علی اس کے ایڈیٹر

تھے، سالانہ چننا پانچ ند ہے تھا۔ یکم فروری ۱۹۱۵ء کے جمعہ عالم
مراد آباد میں اس سالہ برادریوں نے ہوا تھا۔ اور اس میں کھانا

تھا کہ اب تک جس تعداد المیزان کے نمبر شائع ہوئے ہیں ان سے
ایڈیٹر کی عمر کا طبیعت و کافی تجربہ کا پیدا پورا ثبوت قلم ہے ۵

لیل و نہار | لٹا جہاں پور سے غالب فروری مارچ ۱۹۱۵ء
یہ اخبار خیر پذیر ہوا۔ جو مفت دار تھا

آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ غشی نمبر ۱۲ صاحب دشتی اس اخبار کے
ایڈیٹر تھے۔

منشی سید پور احمد حسنی

وحشی صاحب شاہجہانپور

کے رہنے والے تھے

سادات سے ان کا تعلق تھا۔ ستمہ حنفیہ الکلاں بلو حنفیہ احمدیہ ہیں
تھے اس نے ان محلوں میں سادات آباد میں۔ سکین سے بڑے
زمین تھے، مختلف اساتذہ سے عربی و فارسی کی تحصیل کی مددۃ العمار
میں بولا اعلیٰ سید سلیمان ندوی کے سہمدس تھے سلسلہ ۶ میں جب
نواب محسن الملک نے دارالعلوم کامرانہ کیا تو علامہ سید سلیمان ندوی
کے ساتھ انھیں بھی استقامت پٹیل کیا گیا۔

سلسلہ ۷ سے میا خبار لاہور میں عربی کے مترجم کے فرائض انجام
دینے شروع کئے، عربی کے مشہور ادیب حرجی زمینان کے ناموں کا ترجمہ
کیا جن کو پیہ اخبار والوں اور دوسرے بیٹشروں نے چھاپا۔ سلسلہ ۸
میں دسٹی صاحب دہلی آئے، سبھا احسان الحق میرٹھی۔ سلسلہ ۹
میں دہلی سے دین دنیا رسالہ جاری کیا، اس کے چیف ایڈیٹر وحشی
صاحب مقرر ہوئے، نگرانی محسن العلما روضہ فطرت حضرت خواجہ حسن
نظائی فرماتے تھے، پانچ سال دین دنیا میں کام کرنے کے بعد اس
سے علمدگی اختیار کی، جتنا گیت کے ایک بالا فاد پر سکونت رکھتے
تھے ساسی محلہ میں اسٹوں کے سلسلہ ۱۰ کو اپنی رسالہ تبلی ماہنامہ
جاری کیا۔ ایک سال کے بعد حکیم عیسیٰ خاں صاحب کی اعانت سے
تبلی پریس قائم کیا، دس میں ابتداء میں منبر رستانی درخانہ کا کام
چھپاتا تھا۔ بعد میں متفرق لوگوں کے کام چھپنے لگے، پانچ سال تک
رسالہ تبلی جاری رہا۔ رسالہ بند ہونے کے بعد آپ نے مددگراں

گیا ہے۔

مثنیٰ علیہما احمد صاحب کو غور دیکھ کر عی سے بھی دل چسپی تھی۔ حکیم اہل خان صاحب ان کی عی کی بڑی قدر کرتے تھے ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حکیم جلیل خان صاحب نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی، ان کے احباب کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ یوں تو ان کے درستیوں میں جناب الوارہاشی صاحب، جناب شوکت فہمی صاحب، اکبر حیدر آبادی صاحب، سمیع آرٹسٹ، اور ملا دھری صاحب وغیرہ تھے۔ لیکن ان کا انتہائی خصوصی تعلق دہلی کے شہرہ فائدانی رئیس رائے بہادر پارس داس دہلوی سے تھا یہ علم و دست ان ن تھے، مثنیٰ صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کی ہر ایک بات کا خیال رکھتے تھے۔

مثنیٰ علیہما احمد صاحب دہلی، تپے، درمیانہ قدر کے تھے، دارمی رکھتے تھے، شجیرہ دانی پہنتے تھے، ہالوں دار لڑکی اور لڑکے تھے، اور جیسے لگاتے تھے، طرافت پسند آدمی تھے، بہت خوش گفتار خوش ذہنی، خوش مزاج تھے، لطیف گوئی میں مہارت حاصل تھا۔ بات بات میں لطیفے سناتے تھے اور ان کے شہرہ شوار کے اشعار بہت یاد تھے، حافظ سبیر لڑکی کے اشعار کثرت سے پڑھتے تھے کبھی کوئی پرانی لی اور شکل پیش آتی اور کسی معاملہ میں الجھ جاتے تو حافظ کے دیوان سے فال نکالتے تھے۔

سید صاحب کو اپنے سید ہونے پر بڑا فخر و انداز تھا۔ مذاقہ طور پر کچھ ملنے والے ان کے سید ہونے پر یک کا اظہار

لوہا کر لے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اس قسم کا سخت جھڑپ تھا، عام طور پر یہ بات ملحوظ رہے کہ جو اصل نسل سید ہوتا ہے اس پر آگے اثر نہیں کرتی۔ چنانچہ بہت سے بعد ان دشمنی صاحب نے جلتی ہوئی مہینے کو اپنے انہوں سے پکڑ لیا۔ عترتیں بہت تر مندہ ہوئے سارے پیر کی ایسی گفتگو نہیں کی۔

دشمنی صاحب کے دفتر کی نشست انتہائی دل چسپ تھی چاروں جانب سے بلیں چلی رہتی تھیں لہذا یہ کتابوں کے وہ بیاں بیٹھے ہوئے کتابوں کے پڑھنے یا مضامین لکھنے میں مگن رہتے تھے، ان کا کتب خانہ کافی بڑا تھا۔ عربی، فارسی، انگریزی، اور اردو کی تاریخی کتابیں اچھی تعداد میں تھیں اور فارسی اور عربی شعرا کے دیوانوں کی بھی معتدل تعداد تھی ساتھ ساتھ دہلی کی کتابیں بھی تھیں ان کے پاس ایتلی، اور قدیمی دیوان حافظ بڑا خوشنویس لکھا ہوا تھا۔ اس کتب خانہ کا کیا ہوا، اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

دشمنی صاحب پابند صوم و صلوة تھے نماز کا عام طور پر جمع مسجد باغیچہ گیٹ کا مسجد میں پڑھتے تھے، رمضان کی کبھی زاد جمع نہیں ہوئی۔ پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے، جمع بیت اللہ کے لئے بیتاب دے کر رہتے تھے بڑی خواہش تھا حج کرنے کی اور حضور کے روضہ اطہر بصرہ کی دیکھنے کی۔ لیکن وہ پوری نہ ہو سکی۔

ان کی پہلی شادی غازی پور میں ہوئی تھی جن سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوئیں، دوسری شادی جناب میراج علی صاحب صاحب کی بیٹی سے ہوئی، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

دستی صاحب سلما دیب ہونے کے ساتھ قادر الکلام شاعر
دستی نخلص تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے
کسا کے شاگرد نہیں تھے، دہلی کے شاعروں میں طرکیت کرنے والے
صاحب دیوان تھے۔

کیوں مجھ کو ستاتے ہو کیوں خواب میں آنے ہو
سجھلا ہوا سناں، کیوں یاد دلاتے ہو
پھر کھاکے قسم جھوٹی پھر نام دفن لیکر
کیوں آگ لگاتے ہو، کیوں محسوس جلاتے ہو
اظہارِ تاسف سے درد کے تکلف سے
کیوں دل کو دکھاتے ہو کیوں محسوس رلاتے ہو
پھر قدر ہوئی تیرے بد دستی کی پسِ مردن
کیوں اٹک سجاتے ہو کیوں رنج اٹھاتے ہو

کبھی اس کی نگاہ شرمگین اٹھتی نہیں دیکھی
سکھایا کس نے بارب آسمان کو نقشہ گرہنا
کوئی آیا ہے سیرِ دل میں بنو دلِ حشر میں لیکر
ذرا پھر برقی حسنِ من سوزِ نگرِ علیہ گرہنا
اگر اس پیدہ قدرت میں کوئی سننے والا ہے
تو دستی اک فیماقت ہے دعا کا بے اثر مہنا

چنیں کریم و چناں بہرِ مالِ خداوندی اگر حفاظت کند نہایت عذاب کند
دعا تھے بہتِ کرب دعا کم دستی بود کہ عاقبت کو نین مستجاب کند

ترے اس انداز سے میرا بس ہو گیا
 اب نہ زحمت کرو کہ میرا کام، تیری ہو گیا
 وہ نگاہ سرگیاں الزام کے قابل نہیں،
 یہ خدا جانے کہ میں کس طرح بس ہو گیا
 اے دل بہارا اب بوزدوں کا کیا سلطان
 اب تو لب تک آہ کا آنا بھی مشکل ہو گیا
 کچھ سمجھا آج ہاں نکلے تھے ہم سوئے جن
 یہ تماشا اور درجہ کلفتِ دل ہو گیا
 یہ نہ کچھ سوچا کہ ہو گا ضبطِ کینہ کو خیر تک
 تو دلِ ناقصیت میں کس پہ مائل ہو گیا
 اب نہ وہ تو ہے، نہ وہ محو تماشا میں ترے
 صبح جوتے ہی یہ کیا اے شمعِ محفل ہو گیا
 اب دلِ بے تاب کو کیا کہہ کے سمجھائے کوئی
 آج تیرا امتحان بھی جذبہ کمال ہو گیا
 وہ گیا تھا ایک مرگ ناگہانی، مڑا
 یاس کے صدمے کو وہ آج جاں ہو گیا

آخری غزلِ رحمتی صاحب نے ۳۴ مارچ ۱۹۷۱ء کے ہاپوڑ
 کے شاعرہ میں سنائی تھی اور اس وقت وہ کی پوری غزلیں رسالہ
 خیال ہاپوڑ مورخہ اگست ۱۹۷۱ء میں شائع ہوتی تھیں، جس
 میں رحمتی صاحب کی یہ غزل بھی تھی، حاشیہ پر رسالہ خیال کے
 ایڈیٹر نے یہ نوٹ لکھا تھا۔

افسوس ہے کہ جناب دکنی مہاجرنے اپنی پوری غزل عنایت
 نہ فرمائی، شاہدہ میں غزل پڑھنے کے بعد جو غزل آپ نے عنایت
 کی اس میں مطلع بھی موجود نہ تھا۔ علاوہ ازیں جو خسو صب سے
 زیادہ مقبول عام و عام عوادہ بھی اس میں نہ تھا۔ یعنی یہ
 اسرافت کچھ سوچا کر رونے لگے تیب رد اور
 اسرافت تیب رعم کچھ کہہ کے غافل ہو گیا

محبور یہ غزل سببہ درنہ کی تھی۔

الحکاذق گل نوابان بریلی سے یہ طبعی رسالہ جون ۱۹۱۵ء
 کو جاری ہوا۔ ہم صفحات پرستکل تھا، ایڈیٹر
 حکیم سید فرید احمد عباسی تھے، سالانہ چندہ دور روپے تھا۔ مطلع
 تعلیمی بریلی میں طبع ہوتا تھا۔

خباں ہائیڈر علی میرٹھ سے جون ۱۹۱۵ء کو یہ ماہانہ
 گلدستہ وجود میں آیا۔ ہم صفحات پرستکل
 تھا۔ حکیم شاہ ابوالکاسم سیفی حیدرآبادی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ
 چندہ دور روپے ایک آنہ اور قیمت فی پرچہ تین آنے تھی، مطلع
 شمس الاولاد میرٹھ میں طبع ہوتا تھا۔

اس گلدستہ میں مشہور اردو غزلیں نیرنگی، اور
 تنقیدی و ادبی مضامین چھپتے تھے جو معیاری ہوتے تھے۔
 عروضا، بحثیں، سبھی چھپتی تھیں اور عروضا (مضامین) سے شوا کا کلام
 مانجپا ہوتا تھا۔ اس رسالہ کا مقصد علمی مذاق پیدا کرنا و نسلیک
 مسلمات اہل مذہبی چھڑ چھاڑ سے احتراز کرنا تھا۔

اس سال میں ہم ۲ صفحات نثر کے اور بارہ نظم کے جوتے تھے
گزشتہ کا نصف زیادہ تھا۔ کتابت و طباعت بہترین تھی اور کاغذ
بہترین لگتا تھا۔

مارچ ۱۹۱۵ء کے شمارے کے شروع کے خوب اشعار یہ ہیں
جناب اثر مراد آبادی طبع افضل لکھ دی ہے

سچ تو یہ ہے کہ دشمنیاں میرے سمجھ کام نہیں
ان سے ملے ہیں مگر میرے جانے کے لئے

آبد پائی ہوئی نے، با آہستہ حیات
آئے دریا پہ جودہ آج نہالے کے لئے

جناب ستر محمد علی خان ادرکین ایڈیٹر کامریڈ دہلوی

تم یوں ہی سمجھنا کہ قضا میرے لئے ہے
بیب سے سامانِ بخت میرے لئے ہے

یہ تو یہ ہے کہ خدا شتر میں کہہ دے

یہ بندوق دو عالم سے خفا میرے لئے ہے
شما سیدار و ف صاحب روٹ ناگپوری طبع جناب حسن گزشتہ

اک میٹھا تھا دنیا میں سزا دل پر محبت

اس حیرت نے بھی مجھ ہی گنہگار کو دیکھا

ہم نے تو کہیں بے غرضی الفت نہیں دیکھی

مطلب ہم کا دیکھا اسے جس یار کو دیکھا

جناب میٹر عبد الرزاق صاحب اجمل بنگلوری شاگرد رشید

حضرت دامن و رحم

زشتا معلوم یہ ہم کو کہ فرقت کیسی ہوتی ہے
 شبِ ظلم ایسی ہوتی ہے معیت ایسی ہوتی ہے
 حبیبوں کے محلے میں نیرازوں جیسے ہیں عاشق
 کہیں جنت میں بھی زائد جماعت ایسی ہوتی ہے
 حکیم شہ ابوالحسن، شفیق حبیب آبادی ایڈیٹر خیال
 اک درد ہو کھلا، چار طرف سے درمیں در بند
 کہتے ہیں دعائیں کہ نہ ہو باب اثر بند
 ہو روح کو پرواز کی حسرت سوائے طیبہ
 بیل ہو قفس میں، ہے سیر آٹھ پہر بند
 کیوں شکست لگی دوز کے آئے گی قفس میں
 گلشن کی ہوا بند ہے گلشن کی خبر بند
 کیوں جرم ہے محفل میں دھالوں کا پانا
 کیا سوختہ حالوں کے دہن میں ہے اثر بند
 سو حسرتیں ہیں لعل اسپیوں کا ہے ماتم
 ارمانِ نظر بند، اتنا ہے نظر بند
 سن سن کے غم قومِ شفیق جگر انکار
 مدد تار ہا پہروں نہ ہوا دیدہ تر بند
 جنابِ فشی نادر اتن پر مشاد صاحب درما انتھن قبر و طوی
 از مگر السیار

تم کو اس غم میں پریشان نظر آتے ہو
 رگِ دشمن پہ سرت ہو جھلا کیا محبو

تہر جلوے سے جوئے فطش تو کس نے یہ کیا
 تو لے اے دیکھنے والے مرے دیکھا مجھ کو
 رسالہ نظام میرٹھ لے رہے تھے تھا سلسلہ اہم حاصل خیال پر
 تبصرہ کیا ہے۔

اس نام کا ایک ماحول رسالہ باادارہ جناب حکیم اراپی سن رشتہ
 حیدر آبادی پاپڑ لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے، اس کے مدد سے
 ہیں ایک میں نظم برتی ہے اور دوسرے میں غزل، لیکن طرح پر کلام زیادہ
 درنا کیا جاتا ہے اور یہ قدر بات ہے کہ طرح کا مجیدی اگلا
 نرے داؤں کو رعایت کی جا بجا کر دی ہے علاوہ اس کے رعایت
 شواہد رستان میں اکثریت سے ہیں مگر چھاپنے والے حیدر، اس طرح
 پر وہام کا کلام زیادہ دستیاب ہو جاتا ہے، مثلاً میر بانہد جو کہ تم ہیں اسٹال
 یہی وجہ ہے کہ کچھ خیال استادوں کے کلام سے محروم ہے
 ان ہی مجبوروں کو دیکھتے ہوئے خیال پیدا ہوتا ہے کہ خیال
 اگر طرحی غزلوں کا یا بندہ ہو اند فم زٹر سے اعلیٰ مضامین بہم
 پہنچائے تو مقبول عام ہونا بہت آسان ہے۔ اگر وہ زٹر کے مضامین
 اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن نظم کا حصہ کمزور ہے، تاہم رسالہ بہت اچھا ہے
 یہ رسالہ پاپڑ کے بجائے میرٹھ سے جون سلسلہ سے شائع
 ہونے لگا تھا سادہ جناب خفیت حیدر آبادی کے سچائے سید عزیز احمد
 فرملنگ میرٹھ کی ملکیت میں آ گیا تھا۔ اور پھر دوسرے سال کے
 ایڈیٹر ہی سے۔

دار الشفاء فیض آباد۔ سے پہلی رسالہ ۱۹۱۵ء کو نمودار ہوا ۱۲۱ صفحہ پر مشتمل تھا، ایڈیٹر بابہ مینی پیتھ دسنگھ کے سالانہ جہدہ دور۔ پے تھا۔

اس رسالہ میں عدافتی، صحت، تحفظ صحت، مجرب نسخہ جات، صفت و عروت، دور مداوے جدید، معجزہ امینک و مذکس جیسے پیشہ آگوں کی معلومات کو برعکاس اس رسالہ کے مفاد میں داخل تھا۔

نظارہ اند کوٹ میرٹھ سے نومبر ۱۹۱۹ء کو یہ علمی، ادبی رسالہ جاری ہوا، ۱۰ صفحہ پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر محمد عبدالحیہ عبید میرٹھی علیگٹھ تھے۔ سالانہ مہینہ دہمیں دو پے تھا۔ اور قیمت فی پرچہ پانچ آنے تھی۔

اس رسالہ میں تاریخی، تمدنی، تنقیدی اور علمی مضامین چھپتے اور ہندوستان کے مشہور معروف شعراء کے کلام سے زینت پاتا تھا۔ مغل دور کی تعمیر و ترقی اس میں چھپی تھی۔ رسالہ بنواری کا تنظیم بھی کرنا چاہتا تھا۔ اس سے ہندوئی نگار سوار، ناشوک علی میرٹھی، خاں بہادر راج سلطان احمد شہید، اور شری، مرزا واجہ حسین باس، فطیم آبادی، جناب سید ہارم حسین، سید کاغذوی، ذوقی، قنداری، مقبرہ صاحب شیر مولانا سائیم جیرا جیوری، محمد الدین صاحب، خوجہ عبد الودھ صاحب، عشرت کھنڑی، باسٹل بھوانی، احسن آبادی وغیرہ تھے۔

ہندوستان کے شاعروں کی تنظیم کے لئے "شور" کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کانفرنس کی طرف سے اس کی تشریح مئی ۱۹۲۰ء کے شمارے میں کی گئی۔

” اکثر لوگ پر خیال کرتے ہیں کہ جس طرح موجودہ زمانے میں ساری
 آبادی ہے سداۓ لافعل فن ہے۔ اسی طرح شہر کا نفرین بھی ایک
 دل خوش کن اندھا بنائے ہے کیونکہ بنیاد اس کا مقصد اسی فن تر
 ترقی دینا ہے جو ایک بے فکری کا مستند احساں ازادوں کی تفریح طبع کا
 سامان ہے، یہ خیال درحقیقت ان لوگوں کا ہے جو خود کا خود فرضی
 کی تیر و تار ایک راہوں میں چھنکر ترقی کی منزل سے گزریں بعد ہوجائے
 میں اور جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا کی ترقی و ترقی کے اسباب کیا ہیں
 اور کچھ ہیں سبھی ان سے تعلق ہے یا نہیں، وہ بھٹے صاحب دل وہ
 صاحب درد و آزار ہیں وہ قوم دہلی کے درد کو اپنا درد اور قوم دہلی کی
 آسائش کو اپنی آسائش خیال کرتے ہیں کیونکہ جس سے قوم اور ملک
 مراد لی گئی ہے وہ ایسے ہی افراد کا مجموعہ ہے۔ بصیرت کی بلبل نگار
 تاریکی کے سورج پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں ردعانی و تعلانی
 اصلاح کے بلبلوں کا نظر آئے ہیں، حکمت فلسفہ، سائنس، اخلاق
 سائنس، غرض، تمام علوم کا سرمایہ اگر ملتا ہے تو اس کا ہی کی دنیا میں
 تعدادی، خسرو، جانی، نظریہ دوزخ کی منہ عری کو دیکھئے۔ کہ
 اسٹون نے افلاقی و ردعانی تعلیم کے وہ آئینے دکھائے ہیں کہ ان
 پر نظر پڑتے ہی دل روشن ہوجاتا ہے۔

شہر کا نفرین کی تحریک تقریباً ایک سال سے جاری ہے
 لیکن اتنے عرصہ میں اس کے قائم ہونے کی مصحف پیدا ہو گئی ہے
 بجے کے ادوار عزیمت اندھا دل نہ سامنے جن کو اردو مذاق سے
 ہی نہیں بلکہ تمام ملک سے سمجھ رہی ہے، بجے میں پہلے اجلاس کا ہونا

اپنے لئے نایہ از سمجھا اور بڑے خوش کے ساتھ مشہور کانفرنس کو دعوت دی لیکن ان اطراف کے امر لوہا سا جہاں اردو مادری زبان سمجھی جاتی ہے اب تک ایسے خاموش ہیں۔ مگر جیسے کوئی بات ہی نہیں، کہا اہل بیچ کا کوئی لغوی ان کے لئے سمجھ آمیز نہیں، غوی تو اس میں تھی کہ وہ سب سے پہلے اپنی پیاری زبان کی مدد کا بیڑا اٹھانے اور اسکا پیروی کا جو انھیں اپنی زبان اور اپنے ملک کے ساتھ ہونی چاہیے، سمجھتے دیتے اب وہ سب کو غفلت سے لکھ گیا لیکن یہ سب وہ ہیں جو بڑے کیرنکو عالی تھی کا استقامت دینے کے لئے مستطاب کی ضرورت ہوتی ہے اور اتفاقی سے ایسی خطیر پیدا ہو گئیں ہیں اور یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ملک کی مدد کو نہ کر کی جاتی ہے۔

ہالوڈ کے عالی شان مشاعرہ کی مدد کو ابھی اسی مسئلہ کے پرچہ میں تحریر ہے۔

”یہ مشاعرہ ۱۵ سال سے بہ حسن انتہام و تنظیم چلی بہت رد سار ہالوڈ خصوصاً عالی جناب امیر اللہ خان صاحب سکریٹری میونسپل بورڈ و عالیجناب چودھری بھی نرائن سنگھ صاحب زمین و آزر رہی محبٹرٹ، لالہ دیو سہائے صاحب ساہو و ممبر میونسپل بورڈ، جناب حکیم ابوالحسن صاحب شیخ حیدر آبادی قائم ہے اس کے سبب سے ہریال ادبی دل جیوں میں ایک نیا افنا ہوتا ہے، گزشتہ تین عرصوں میں شعراء کی کثرت کی وجہ سے ترتیب و غرض میں وقفہ واقع ہوتی تھی، لیکن اس سال کسی شکایت کا موقع نہیں ملا اور مشاعرہ آئندہ خاص اسلوب اور انتہام کے سادہ ہاتھوں کے قیام و طعاس

غیرہ کا انتظام بہت اچھا تھا۔ دہلی، میرٹھ، لکھنؤ، رام پور شاہی پورہ
 بریلی، مراد آباد، آگرہ، گوالیار، وغیرہ کے منظمہ طور پر شریک شاہ
 تھے، دس بچے شہ کو عالی جناب لالہ دیپ سہاسی صاحب کی
 مدد سے جناب رفیق پوٹھ کی کامیاب غزل سے متاثر ہو کر
 جدا ہو گئے۔ اس غیر حسی کے مطابق غزلوں کا سلسلہ شروع ہوا۔
 جناب برقی، جناب حقیر، جناب رفیق دہلی، جناب صاحب زیریں
 وغیرہ کی غزلیں کامیاب ہو گئیں۔ مین بچے کے قریب شاعر کا رنگ
 بدلا، ادنیٰ مکرم جناب نذرت میرٹھ کی غزل شروع ہوئی، یہ غزل
 یہ تھا، شاعر کی جان نئی سطح کا پڑھنا تھا کہ دردِ دل سے
 خمیں و آفس کی حد میں غلبہ ہو گئیں، ہر شعر پانچ پانچ جھوٹا
 رتبہ پڑھا جاتا تھا۔ اور سامعین کا شوق کم نہ جوتا تھا، ہم نہیں کہہ
 سکتے کہ ان اشعار میں کیا سوز و گداز تھا اور کس قسم کے جذبات تھے
 کہ ہر شخص پر ایک خاص اثر اور بے چینی کا عالم طاری تھا جس بندش
 مصفا کی زبان، نوائے ترکیب، حدتِ صفین، غرض ہر شے تمام محاسن
 لہری و معنوی سے پڑتا تھا، سطح سے مقطع تک تمام غزلیں حد درجہ کامیاب
 ہوئی لہذا سامعین کو وہ نشہ ہوا کہ آخر متاثر نہ ہونے تک نہ اترا اس کے
 بعد حضرت نیر، حضرت عطاء، حضرت جلیل بدایونی، حضرت اخلاق
 حضرت ساحر دہلوی، حضرت ابرار رامپوری، حضرت نجم اکبر آبادی
 اور حضرت قمر گوالیاری وغیرہ کی غزلیں بھی اچھی کامیاب ہوئیں حضرت
 باغِ مہجلی کا قصہ بھی لڑے ہوئے ہوئے، غرض جمع ہونے کی کیفیت یہی
 نادر کے وقت کو دیر کے لئے متاثر ہوئے ملنے لگی ہو اور چار نوشی کے

جہت لڑہ کا دوسرا دوزخ شروع ہوا۔ اس دور میں حضرت قمر دہلوی
حضرت اظہر بابوڑی، حضرت بزم اکبر آبادی اور حضرت شیخ
سویاں دروہ کی غزلیں خوب کامیاب ہوئیں۔ حضرت نوح ناردکی کی غزل
بھی ایک خاص رنگ میں شخصی حضورؐ میں یہ مطلع غزل کی جان تھا۔

مرے تلووں سے کانٹے ڈٹ کر اتر نکلتے ہیں۔

جو ناک دل میں چیدہ لاتے ہیں وہ کیونکر نکلتے ہیں

اور اس ترکیب کا تو کیا کہنا۔

کبھی میرے زاراں دل مضطر نکلتے تھے

کبھی میرے زاراں دل مضطر نکلتے ہیں

آہ میں حضرت سائل دہلوی نے غزل پڑھی، اس غزل میں دلی کی
زبان کی شان اور غزلیت کا رنگ تھا۔ جس سے تمام مجمع کو ایک خاص
کیفیت حاصل ہوئی، ہم طرح غزل کے بعد حضرت سائل نے غیر طرح
دو غزلیں اور ایک غزل حضرت نذرت، حضرت بزم اور حضرت
اظہر بابوڑی نے پڑھیں اور پوری پوری وارد حاصل کی، اس کے بعد
رکھنے، محبت نے اپنی پُر مذاق غزل جو در حقیقت شاعرے کی چٹائی
تھی، بڑے مزے سے لے کر میٹھی اور شاعرہ نعم ہوا، اس کے
بعد تمام شہزادوں کو بالترتیب شہزادہ کر نوٹ لیا گیا اور کھانا وغیرہ کھلا کر بڑے
اعزاز سے ساتھ رخصت کیا۔

نمبر ۱۱۱ کے شہزادے میں جزل شاعرہ میرٹھ جو ۳۰ مارچ

اگست ۱۱۱۱ء کو منعقد ہو رہا تھا کی مدد یاد دہانی ہوتی ہے یہ روایت

حمید میرٹھی صاحب کے نام سے چھپی تھی۔

برسات کی وجہ سے خیال تھا کہ تباہی و بربادی کا رخ ہے۔
 پر کامیاب نہ ہو، دودھ دار سے منہ پھیر کر تشریف لانا اور وہ
 حتیٰ باریش کے موسم میں نہا مشکل ہے۔ لیکن ہمارا کاوشش اور سعی
 بیکار نہ رہی جن احباب کو ہم نے متاثرہ کئے تھے تکلیف دی،
 وہ بے تکلیف تشریف لے گئے۔ یہ اہل میرٹھ کی خوش نصیبی اور اطمینانی
 کوشش تھی کہ کم و بیش ۵۰ اشولہ بیرونیات کی شرکت سے تباہی کا
 ہوا سند جو ذیل قابل ذکر حضرات خیریت سے تھے۔ طوطی، مندگن
 انانی، داغ، حضرت سائل دہری، احمد نشین متاثرہ، حضرت بیجاک
 تاجپانوی، حضرت بکس غلام آبادی، حضرت بیروسیا، حضرت
 مصطفیٰ مرزا الہدی، حضرت توسع نادی، حضرت بزم اکبر آبادی،
 حضرت شوخ اکبر آبادی، حضرت عطاء بدایونی، حضرت فلیل
 بدایونی، حضرت حامی بدایونی، حضرت جادو راسپدی، حضرت
 نجم آباد، حضرت تیر اکبر آبادی وغیرہ۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی اچھے اچھے شعراء نے
 شاعرہ کی رونق افزائی فرمائی، تباہی کا دن ہال کے وسیع اور
 پُر نفعا میدان میں شب کو ۱۰ بجے حضرت سائل دہری صدر
 نشین شاعرہ کی فزل سے شروع ہوا۔ اس وقت پُر مشرق
 سامعین کی جمعیت نہرہ نہرہ سے کسی طرح کم نہ تھی اور اس کا
 ثبوت یہ ہے کہ متاثرہ سے قبل ہم نے دس ہزار تباہی کے پاس
 اپنے ہاتھ سے عمائد دردمندانے میرٹھ کو تقسیم کئے اس پر بھی
 ہا سول کی طلبی میں کمی نہ ہوئی، میرٹھ اس قید کو تپا دیا، اب

بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ کثرتِ عہد میں سامعین کا کس قدر مجمع ہو گا۔
 حضرت سائیکہ دہلوی کی غزل کے بعد حسبِ ترتیب فقیر صفت غزلیں
 پڑھی گئیں اور اکثر شعرا میرٹھ و بیرون ہات نے دادِ سخن حاصل
 کی۔ بعض بعض شعور کو پانچ پانچ سہرے مرتبہ پڑھا گیا اور ذیٰ قہم
 سامعین برابر داد دیتے رہے، شعر پڑھتے وقت اس کثیر الشمار
 مجمع کا سکوت حیرت میں ڈالت تھا۔ اور شعر پڑھتے وقت ہاتھ کے
 بعد سامعین کی پرجوش داد، شعرا کا دل ہاتھوں بڑھا لیتی تھی، غرض
 اسی طرح صبح پانچ بجے تک کثرتِ عہد گرم رہا۔ اور جنابِ عطا دہلوی
 کی غزل پر بند کیا گیا، اس کے بعد تمام گھانوں نے چار گوشہ
 وغیرہ سے فراغت پا کر صبح کو بجے تک آرام کیا۔ پھر دس بجے
 طعام وغیرہ کے فارغ ہو کر کثرتِ عہد کی دوسری صفت گرم ہوئی
 اس نشست میں قریب قریب تمام غزلیں منتخب پڑھی گئیں
 خصوصاً حضرت، بیباک، حضرت علیا، حضرت تنویر، حضرت نذرت
 حضرت محمد زب، حضرت لوح، حضرت یاس، حضرت یخچود، حضرت
 بزم اور حضرت جادو وغیرہ کی غزلیں خوب خوب کامیاب ہوئیں۔
 میر کی غزل گو کسی قابل نہ تھی۔ سخنِ سخ سامعین نے میری حوصلہ افزائی
 میں بھی کچھ کہی انہیں کی، اس دوران میں در مرتبہ خفیف ترشح بھی ہوا
 لیکن سخنِ قہم سامعین اسی طرح جمے رہے، پانچ بجے کے قریب
 موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ اور مجمع منتشر ہو گیا، یہ ارادہ تھا
 کہ باقی ماندہ غزلیں ہال میں پڑھی جائیں لیکن یکایک لوہا بھری
 خال صاحب طالب دہلوی کے انتقال کی خبر پہنچی اور کثرتِ عہد ختم ہو گیا

حضرت سائل صدہ نشین شہداء کی دوسری فزول سننے کا سامعین کو
از حد انتہائی تھا۔ لیکن سانگھا صاحب یہ خبر فرما کر اس کی غیر فزول
بڑے دہلی نہ نہ ہو گئے۔

عبدالحمید حمید میرٹھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم پائی، شہر نشین اور
کائنات تھا۔ شو کچے شروع کئے، بیرنگ کے مشہد شوگر میں منت۔
ہونے لگا، سد نصیب قدرت میرٹھی سے تعلقات تھے ان کی کھوانی
میں نومبر ۱۹۱۵ء کو رسالہ نظمہ میرٹھ جاری کیا، ات عروں میں
شرکت کی، کلام مقبول ہوا تو ریاستوں میں مدعو کیا جانے لگا، چنانچہ
ایک تقریب ہمارا جو سرا دھوراد سندھیا دانی گواہید کے فرزند کے
ولادت کے سلسلہ میں گواہیا میں ہوئی، اس میں حضرت سائل بلوی
بزم ابر آبادی، صفہ مرزا پوری، اظہار پوری اور نسیم لکھنؤ کے
ساتھ حمید صاحب بھی مدعو کیے گئے۔ انھوں نے ایک تہیت پندہ
بد کی کہی۔ جو بہت پسند کی گئی، پہلا بند ملا حظہ ہو۔

فضل گل لائی تو بد راحت افزائے نشاط
میں نواسخان گلشن غمہ پیرائے نشاط
جتنی ہے یوں محم کر باد دل آرائے نشاط
جس طرح کوئی پری ہوسست مہمائے نشاط
محو آدکشی ہوئے گل بلبلوں کے سانے
بلبلین غرتساں سنائی ہیں گلوں کے سانے

برٹھ کے ایک ہوکا الارمٹ عروہ میں شرکت کی، جس میں ۲۳ شہر

کی ایک غزل میٹھی، اور خوب ادلی۔ اس غزل کا مطلع اور مقطع ہٹھا
میں یہ کہتا ہوں کہ میں کیوں ہوں، مری جان کیوں ہے
وہ یہ کہتے ہیں کہ مشکل تری آسان کیوں ہو
دل نادان نہ رہا، جب مرے کہنے میں حمید
ان سے تقابریں بھی مبرا دلِ نادان کیوں ہو

ذخیرہ

نمبر ۱۱۱۵ کو یہ مہنامہ اخذ ہونے والا ہے۔
گھاٹ حیدر آباد دکن سے جاری ہوا، جو بالخصوص
ہر انگریزی ہفتے کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا تھا۔ مالک دایڈ پیٹر
سیدناظر الحسن ہوش بگرامی تھے۔ ہم صفحات پر مشتمل تھا، سالانہ
چندہ چار روپیہ تھا۔ مفید دکن پریس کالی کمان حیدر آباد میں چھپتا
تھا۔

اس رسالہ میں مذہبی سیاسی مضامین شائع نہیں ہوتے تھے
بلکہ بہترین علمی، خلائی، تاریخی اور ادبی مضامین چھپتے تھے اس
رسالہ کے معنون نگار نواب عماد الملک، مولوی سید علی احمد
بگرامی، سرگنیش ورنشاد، مولانا سید علی حیدر نظم لیا لہاکی
مولوی سید محمد کاظم شفیق کنتوری وغیرہ تھے۔
اس رسالہ کے پہلے شمارہ پر نیر اعظم مراد آباد مورخہ ۱۲۸۰
۱۱۱۵ء میں یہ رویو ہوا تھا۔

سیدناظر الحسن ہوش بگرامی نے اردو علم و ادب کی دلچسپ
کار رسالہ ماہوار حیدر آباد دکن سے شائع کیا۔ نثر و نظم میں
اعلیٰ درجہ کے مضامین ہیں، تقطیع رسالہ ادیب جیسی خوشگاہ

لکھائی، جیہائی کا خد سب سے اعلیٰ قسم کا ہے ایسے علی رسا دل
کی سخت ضرورت ہے، خدا پر دان پڑھائے۔

سیدنا طاهر الحسن جبریل | سید صاحب سادات بگرام سے تعلق رکھتے
تھے۔ بگرام میں ہی تعلیم حاصل کی، نوآباد

ہمارا ملک کی محبت میں رہے۔ معتدی افواج سرکار کے مددگار
بنے۔ جبریل جب ہمارا جہان دیکھے مقربین تھے اس وقت اسفروں
نے یہ رس لہ ذخیرہ نکالا، میر عثمان علی خاں کے مقربین خاص
ہونے کی وجہ سے وہ باری زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہی ہے
جبریل صاحب لہایت ہاندی، زندہ دل، مرتجاں مرغ، دوست
نواد، خلیق اور سادہ مزاج بزرگ تھے، آپ کی مدد میں،
بدیہ گوئی، اور عروس ادب کا لی مشہور جوبین علی آپ شعر
زیادہ نہیں کہتے تھے۔ لیکن جو کہتے تھے وہ اچھا کہتے تھے۔
اسلوں نے اس عہد میں لکھنؤ کی طرز کی اچھیل پھول فتنہ کا لکھی، جو
پرانے طرز سخن کا عمدہ نمونہ ہے۔

خود غلطی میں محبت کا حق ادا نہ کرے

اے وصال صنم ہر کبھی خدا نہ کرے

میں جانتا ہوں کہین ان کی خوبصورت ہے

گلے کا ہار بنائے اگر دغا نہ کرے

وہ قتل کر کے مجھے آج سب سے کہتے ہیں
 کیا وہ کام ادا نے کہ جو قصا نہ کرے
 لکھا خط میں یہ اس نے کہ جو مجھے چاہے
 جفا کی قدر کرے شکوہ جفا نہ کرے
 برابر بارستاؤ، مجھے نہیں پروا
 کروں میں شکوہ جو رخصت فدا نہ کرے
 نکال پردے سے ظالم نہ دست و پنہاں کو
 کسی کا خون کرے ہاتھ کی جفا نہ کرے
 دھالو بار کی امید گر نہ ہو اے ہوشیار
 تو ہجر میں کوئی مرنے کے سحر جیا نہ کرے

الحکیم یہ ماہنامہ نومبر ۱۹۷۱ء کو لاہور سے جاری ہوا
 جس کے ۲۸ صفحات تھے۔ ایڈیٹر حکیم محمد فیروز الدین
 صاحب تھے۔ سالانہ چھ سو روپے تھا۔ رفیق الاطباء پریس لاہور
 میں چھپاتا تھا۔

حکیم محمد فیروز الدین صاحب نے اس کے جاری کرنے کی
 جود و یا فراغ نہ تھا کہ وہ یہ ہیں جو پہلے شمارہ میں شائع
 کئے ہیں۔

”ہم قدیم طریقہ ہائے علاج کے مطابق علاج دیا لے
 کرانے والے بند رستا نہیں میں اے شمار یعنی کھوکھ کی تعداد میں
 موجود ہیں اردان میں نصف کے قریب مالی حیثیت سے نہایت
 اچھی حالت میں ہیں اور مالی نصف میں سے بہت سے طریقہ

زندگی بسر کر رہے ہیں اور انھیں اس امر کا بھی کم و بیش احساس ہو گیا ہے کہ ان کے فنون اور ان کی ذاتی پوزیشن نہایت خطرہ کی حالت میں ہے اور اگر اطول نے اپنی اور اپنی طبوں کی حفاظت کے لئے کسی جائز اور نامناسب کوشش اور جہد جہد سے کام نہ لیا تو یقیناً وہ اپنے ساتھ اپنے قدیم اور کارآمد فنون کو بھی برباد کر دیں گے۔ تب تو اس سے کہہ دیا کہ وہ نہیں جانتے کہ انھیں اپنی اور اپنی طبوں کی بہتری کسے کی گئی ہے۔ اور وہ کونسی شامراہ ہے جس پر وہ میں کرائی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں، اس لاطلمی کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ وہ ان تمام واقعات سے بے علم ہیں جو اس وقت قدیم طبوں اور ان کے حامیوں کے برخلاف جدیدستان میں واقع ہو رہے ہیں اگر وہ ان تمام واقعات سے باخبر ہوتے رہیں اور اس کے ساتھ انھیں معلوم ہوتا رہے کہ انھیں اپنی بہتری طے کے کوئی راستہ اختیار کرنا چاہیے تو عجیب نہیں بلکہ یقین ہے کہ وہ اس میدان میں بہت کچھ کر سکتے دکھا دیں گے۔

یہ ہیں میرے وہ خیالات جو میں اپنے دوستوں کی نسبت رکھتا ہوں اگرچہ میں اپنے دوستوں سے مایوس ہو چکا تھا مگر مذکورہ بالا خیالات نے مجھے پھر ایک کوشش کرنے پر مجبور کیا ہے اور اسی امر کا نتیجہ ہے کہ ان حکیم کا یہ پہلا نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس رسالہ کو ہمیشہ مایوس لکالہ کروں اس کی یہی قطعیت رہے گی، اس کے معانی کو ہمیشہ تہتر بنا لے کے کوشش کی جائے گی۔ مگر ان میں طبیوں کی فائدہ کی باتوں کے ساتھ

حکم دارچ سلاسلہ میں ملا آپ راہی تھے اور وہاں نظر بند کر دئے گئے۔ پر دگرام یہ تھا کہ روہنی پہلی کو اپنی نگرانی میں کسی سے ابلاغ مرتب کرانے میں گئے۔ مینا خچہ عدنان سید سلیمان ندوی کو اس مقصد کے لئے راہی میں مدد کا۔ لیکن پر دگرام یا یہ تکبیل کو نہیں پہنچا۔ اور ابلاغ اس طرح بند ہو گیا۔

محمد آباد بقیہ پر سے ستمبر ۱۹۱۵ء کو یہ ہاؤس والہ پیم (ایسا) طبع ملن ہوا۔ یہ ہم صفحات پر شعل تھا، ایڈیٹر یحیٰم اختر علی آزاد، ہنرمند فنی فیضان لوزی تھے، غریزی پریس آگرہ میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں ادبی علمی، تاریخی اور تحقیقی مضامین چھپتے تھے اور شعراء کے کلام پر تنقید و تمسیر بھی شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ مرزا غالب کے مدحوں میں نہیں تھا۔ نئی شاعری کے شاعروں میں آید یحیٰم، آفتاب، غالب، سولہ آزاد، ہاؤس والہ چھپا ہے اس میں مرزا غالب کے ہاؤس میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

روزانہ اس اعتبار سے کیا گیا ہے کہ میر و آغشی جو کچھ کہتے ہیں ان کا انداز اتنا ہلکا ہوتا ہے اور سلیکھا ہوا جتنا ہے کہ ذہن سامع کو تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ انہما حاصل ہوتا ہے۔ یہ جذبہ سے طبع اور بہت سادہ خیالات کو یہ جذبہ گرا اپنے زمانے کی مروجہ زبان میں ادا کرنے کے قادر تھے بر خلاف اس کے غالب نے یہ بہت بڑا عیب ہے کہ وہ خواہ مخواہ بھی انداز بیان میں انجمن پیدا کر کے زبان کی مٹا خراب کرتے ہیں۔ اس وجہ سے مرزا یا اس کے غالب کی زبان کو درلود

کی زبان سے تعبیر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آتش و غالب کی شاعری کا موازنہ انداز بیان کا صاف کی اور قادر الکلامی کے اعتبار سے کیا گیا ہے نہ اعتبار تخیل۔ خواجہ آتش کی شاعری پر کسی نکتہ رس نے کیا غروب کیا ہے کہ دیرانی آتش عاشق و عارف کے مطالعہ کے قابل ہے یعنی آتش کی نثر عری کا سرچشمہ دل ہے۔ دماغی قوت اور عظیم و فضل کے زور سے قابو نہیں پاسکتے۔ آتش و غالب کا موازنہ کیجئے۔ آتش کہنے میں ہے

ہمارا لہ دگل سے لگی ہے آگ گلشن میں)
گر یاں سجاد کے چل بیٹھے رخصا کے دامن میں

خواجہ آتش علیہ الرحمۃ نے اس قیامت خیز مطلع میں جو محنت و لگن سہاں دکھایا ہے وہ بیاں سے باہر ہے اس مطلع کو سن کر دل کو وہ دہائی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی شہرہ اگر کی جائے تو سچے وہ لطف حاصل نہیں ہو سکتا جو فی لغزہ شعر کے سننے اور بڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ خلاصہ اس کے غالب کے اشعار کا جگہ تاویل کے محتاج ہیں، حبیب نکہ شہرہ نہ کی جائے شہرے معنی بند کبھ میں نہیں آتے لذت تو کیا (آتش کے مذکورہ شعر کے مقابلہ میں غالب کے شعر کا موازنہ کیا جائے) ہے

نہیں ہے زخم کوئی غم کے درخوردن میں

ہوا ہے تاراشک پاس رشتہ ختم موزن میں

کوئی بھی صریح المذاقی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ خواجہ جہاں کے مطلع کے سامنے غالب کا یہ مطلع کوہ کندن دکاہ برآوردن کا

بعد اتی ہے۔ رشتہ خیم سوزن میں تار انک پاس ہوگی۔ یعنی سوئی
 کوزنم کی بنی ہوئی کی طرف سے الٹی مایوسی ہوئی کہ اس کی (بیوی
 سوئی کی) آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ روئے کا ثبوت کیا ہے
 یہی تا کا جس کو تار انکو پاس فرار دیا ہے۔ مگر کیا بچھیں اور یہ طرز
 بیان کسی وسیع خیال کا طرز استدلال کیا جا سکتا ہے ہرگز نہیں
 کھن مبالغہ آمیز خیال، اصلیت سے کسوں بعد، جس سے کوئی
 نابالغی حاصل نہیں ہوتا، خصوصاً لفظ ”درغہ“ ماکمل دستیابی ہے
 درغہ کی جگہ اگر لائق یا قابل کہتے تو فصاحت میں خلل نہ آتا
 مگر وہاں تو فارسیبیت غالب تھی۔

دہلی محلہ چور بوالان سے نومبر ۱۹۱۱ء میں
 شعلہ | حکیم محمد شعلہ کو بہ ماہوار رسالہ شائع ہوا۔
 یہ صفوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر مولانا سید ناصر جلالی اور ایڈیٹر
 غلام احمد نور دہلوی منصرم تھے۔ سالانہ چند ڈالوں کی روپے تھا
 اس رسالہ میں اخلاقی، تمدنی، ادبی اور تاریخی مضامین
 چھپتے تھے۔ کاغذ، لکھائی اور چھپائی عمدہ تھی، اس رسالہ پر سالہ
 نظمہ میرٹھ کے شاہ کے جونا سنگھ نے میں یہ روپو چھپا ہے۔
 ”دہلی کا یہ ایک موزر رسالہ شعلہ ہے جو بادشاہ عالی جناب ابوالفتح
 مولانا سید محمد ناصر دہلوی برعربی چینی کی پہلی تاریخ کو کم و بیش
 بیس صفحات سے حجم میں شائع ہوتا ہے اور لکھائی چھپائی کاغذ کے
 اعتبار سے اعلیٰ شان رکھتا ہے اس کے مضامین نگار، سبھی دہشتور
 اپنی قلم میں جو اس زمانہ میں ملک کے ہر نماز میں نظم و اثر دلوں قسم کے

مغنا میں نہایت دل چسپ اور اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایڈیٹر کی یہ دوسری
 اور اعلیٰ قابلیت کا ثبوت یہ ہے کہ رسالہ کی ترتیب میں ہر طبیعت
 کے مذاق کو جو نظر تھا جلد گمانہ ہے ملحوظ خاطر رکھا ہے، اخلاقی تمدنی
 ادبی مغنا میں کے علاوہ تصوف، توحید کے رنگ میں بھی مدلل
 اور نسبتاً مغنا میں درج کے ہیں، گو یا کہ ایک جوان پرالوایع ہاؤم
 کے کھانے سلجے سے چنے ہیں جو لذت آستنا بیان علم کے کام
 دہان گو مزائے رہے ہیں۔ ہم ان محاسن پر نظر ڈالتے ہوئے
 عل الاعلان کہتے ہیں کہ شعلہ کو بھی درجہ امتیاز حاصل ہے لہذا وہ
 درحقیقت اپنے رنگ کا ایک ہی رسالہ ہے اگرچہ اسکی سیرا سیر
 محتاج ہوا ہے لیکن قرآن سے یہ ملتا ہے کہ بہت جلد ترقی کرے گا
 اسی شعلہ ہے لیکن پھر دلوں میں آفتاب ہو گا۔ اور ادبی دنیا میں
 اسنام روشن کرے گا۔ مغنا میں کے زائیم کرنے میں بڑی بڑی
 دقتیں پیش آتی ہیں لیکن شعلہ کے ایڈیٹر نے اپنے مصلحت
 بتاؤ سے تمام ادیبوں کو شعلہ کا پروانہ بنا لیا ہے۔ لفظی
 کہرا کی قوت سے دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔

مولانا صاحبزادہ حاجی محمد

جہانیا لدی لگت اند سید جلال الدین بخاری تھے، آپ کے
 والد ماجد، مولانا سید امیر حمزہ دہلی کے مشہور عالم و صوفی تھے
 حضرت حاجی لداد اللہ صاحب ہاجر کی سے بیعت تھے، اور
 مولانا رشید محمد گنگوہی کے شاگرد تھے، آپ چند سال، مہندہ کالج

جے پر وقبر ہے۔ اور کچھ عرصہ تک محل میں درس دینا پس کا سلسلہ
 قائم رکھا۔ آپ عربی، فارسی اور انگریزی داں ہونے کے علاوہ
 زبد نقوی اور شرافت خاندانی کے عقیدے سے آپ کا ہندو شاہ پر
 دہلی میں کہا جاتا تھا۔ شوگر کی کاہی شوق تھا۔ آپ کا کلام درد
 سہرا اور تاثیر سے پُر اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جو
 لوگوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا تھا۔ سادات کا لیک تھا۔ یہ ہاتھ
 میں نہ نکلتا تھا۔ ادھر ادھر دیا۔ آپ تکلیف اٹھاتے، مگر
 ساری کا سوال رد نہ کرنے، مختصر یہ کہ باغداد تک گئے تھے آپ کا مہلی
 میں ۸ سال کی عمر میں پھنسے کے روز ہر ریح انسانی سنہ ۱۲۵۷
 کو عصر مغرب کے بعد بیان انتقال ہوا۔ آپ کا تخلص قبا تھا
 بلا سے مگر نہ کچھ افسار ہوتا

زدا شکار سے اذکار ہوتا

نہ حلقہ طور پر لہن تراپی

محو داں یہ ہاشم دلہو ہوتا

مجھے پامال ہونے کا نہ تھا غم

جو سنگ آستان یار ہوتا

نہ سوتا پہلے دشمن میں مگر کاش

سہرا طالع بیدار ہوتا

نہ شیدا مول لیتا درد و الفت

نہ یوں رسوا اسر بازار ہوتا

مولانا سید امیر حمزہ صاحب کے دو صاحبزادے مولانا ناصر جلالی صاحب اور مولانا حامد جلالی صاحب ہوئے، مولانا ناصر جلالی صاحب دہلی میں گل حکیم جی دالی محلہ چوڑا پورالان میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد ماجد سے پائی کچھ دنوں مدرسہ فتحپوری دہلی میں مولانا محمد عمر صاحب سے پڑھا۔ اس کے بعد فرنگی محلہ لکھنؤ میں مولوی عظمت اللہ صاحب سے منطق، مولانا سلامت اللہ صاحب اور مولانا عبد الباقی صاحب سے حدیث پڑھی اور مدرسہ عبد الرب دہلی میں دورہ کیا اور سند حاصل کی۔ آپ نے عرصہ تک مسجد حوض دالی محلہ چوڑا پورالان دہلی میں وعظ کیا، وعظ اس انداز سے فرماتے تھے کہ جاہل و اہل سبھی مشکل مسئلہ کو سمجھ جاتا تھا۔ سبھی تقریریں بلا کی ہوتی تھیں، مولانا ناصر جلالی صاحب بڑے وسیع القلب انسان تھے، دشمن کی بڑی سے بڑی زیادتی کو خندہ میتھی سے معاف کر دیا کرتے تھے سفارتکارانہ سلوک کی بات ہے کہ سب سے اختلافات کی وجہ سے ایک شخص نے ان پر دہلی میں جو بی گلو خواہی سے سامنے حملہ کر کے زخمی کیا۔ زخم کافی گہرا تھا۔ جسکی وجہ سے عرصہ تک علالت ہوتا رہا۔ پولس نے مقدمہ درج کسب تو آپ سے حملہ آور کا نام پولس پوچھنے آئی آپ نے اس کا نام نہیں بتایا حالانکہ آپ کو اس کا نام معلوم تھا۔

پاکستان بننے سے قبل آپ گاراپی اور حیدر آباد سندھ میں کافی آنا جانا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہاں آپ کے مریدوں کا کافی وسیع حلقہ ہو گیا تھا۔ وہیں سے آپ نے اپنا سب سے پہلا اخبار "سلالت" نکالا

اس کے لئے زبانِ حیدرہ ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ تجربات میں اخبارِ انشا
 نفع کیا سیکھئے؟ میں درجہ میں مسیحا اخبار نکالا اس کے بعد
 دہلی میں محکمہ چورس لالان دہلی سے اخبار شعلہ جاری کیا سیکھئے؟
 کے ہنگامہ کے بعد کراچی پہنچے تو مسالہ اذان کراچی سے اپنے سبائی
 مولانا حامد عباسی صاحب کی ادارت میں جاری کیا جس کے سرپرست
 آپ تھے، یہ رسالے اور اخبار اردو زبان میں لکھتے تھے۔

جب آپ اخبار مسیحا اور رسالہ شعلہ نکال رہے تھے تو اس زمانہ
 میں آپ کی ایک نظم ایڈیٹر اخبار مسیحا درسالہ شعلہ دہلی کی حیثیت سے
 ۲۴ مارچ ۱۹۷۱ء کے اخبار مہدم لکھنؤ میں چھپی تھی جس کے حوالہ
 سنوئے۔ چند گوش گزار فرماتے۔

ایک صاحبِ دل کو آیا کیا، خدا جانے خیال
 مدرسہ میں آن بیٹھے غافق و گوجھوڑ کر
 دالموں کی انجمن میں ہو گئے آکر شریک
 صوفیوں سے رشتہ ہر دردت توڑ کر
 ایک مخلص نے ادب سے کہا ان سے سوال
 مجھ گدا سے اس تغیر کا سبب فرمائیے
 کہنے پڑنے پڑ جانے سے محبت ہو گئی
 صوفیوں سے کہوں ہوا رنج و تعب فرمائیے
 عالم و زاہد میں اب فرق کیا آبا نظر
 سبوں دلیا نازک گرد و صوفیا سے پھر گیا

وہ عبادت وہ رہا صفت بے سبب کیوں چھوڑ دی
 عالموں سے اس قدر رغبت کا باعث کیا ہوا
 ہوئی کال نے سن کر یہ دیا اس کو جواب
 تو یہ گو بہ ہوئیوں سے مدح ہو سکتا ہے کہیں
 بلکہ اک دن نکر کرنے سے خیال آیا مجھے

بیٹو رہنا دست و پا کو تو دھرا چھا نہیں
 مولانا صاحب مدنی صاحب مشائخہ ۱۹۲۷ء میں کانگوئیں میں شامل
 ہوئے۔ خلافت کی تحریک میں بھی نمایاں حصہ لیا ۱۹۲۲ء تک وہیں
 دہلی شہر کے عدادہ دیہات میں سہی کانگوئیں کے اغراض و
 مقاصد کا پرچار کیا۔ مہربانے آپ سید اصغر علی قادری
 کے بعد دہلی کانگوئیں کی دیہاتی کمیٹی کے انچارج مقرر ہوئے
 غالباً ۱۹۲۹ء میں کانگوئیں سے علمدگی اختیار کی اس کے بعد
 مسلم لیگ میں شریک ہوئے، مسلم لیگ کا یردگینڈہ کرنے کے لئے آپ
 نے حیدرستان بھر کا دورہ کیا اور مختلف شہروں اور قبروں میں مسلم
 لیگ کو مضبوط بنایا اور شاخیں قائم کیں۔

پاکستان بننے کے بعد آپ دہلی سے کراچی منتقل ہوئے، وہاں
 آپ کے معتقدین کا پہلے ہی سے حلقہ تھا، مصیبت زدہ اور ہاجر
 ہونے کی وجہ سے مریدوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، پاکستان کے علوم و
 خواص اور سرکاری طبقہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے
 تھے۔ ریڈیو پر آپ کی تقریریں نشر ہوتی تھیں، اسلامی سکولوں
 میں سرکاری وفد کے ساتھ آپ کو بھی بھیجا گیا۔ کراچی کے علماء

میں لڑکیاں پڑھ لکھتی تھیں، دولت و ثروت کے ولادہ نہیں تھے، قاف
 لیت تھی۔ سہل جاتا اسپر قناعت کر لیتے۔ ہاتھ میں اپنے
 والد کی طرح ٹکٹ نہیں تھا۔ مزدور گند آ یا۔ اس کی مزدور پوری
 کی، اپنی مزدور کی پردہ نہیں کی۔ پھر دیے کے دیے نقد مست
 ہوئے۔ اس طرح پوری زندگی تباہی۔ دولت کیسے جس کرتے
 تباہی کی تھی، اکبرہ رکھی ہوئی، بیوی کا انتقال ہوا تو دوسری شادی
 نہیں کی۔

کراچی میں پاک بنگلہ جہانگیرہ ڈالینٹ میں مقیم تھے۔
 دھان الہ آباد کے مطابق اس پر ستمبر ۱۹۴۷ء کو بدھ کے روز بوقت
 دو بجے شب کراچی میں فوت ہوئے۔

مولانا کا سر جلالی صاحب ایک عابد و بیاں نظر رہی نہیں تھے
 بلکہ ہندوستان کے سلسلہ ادیب اور فاضل و کلام شاعر تھے، آپ
 کا لکھنا پچاس کھانینت میں، تحریک آزادی کے ابتدائی دور میں
 آپ نے ایک خرچ پرورد نظم لکھی تھی، جس کا عنوان ہمارا "غیب العین"
 تھا۔ اس کے بعد شوق نقل کرتے جاتے ہیں۔

اسٹے نہ فرشتوں سے جو بار بار وہ ہم میں گئے
 سردے کے محبت کی سرکار سے غم لیں گے
 وہ فکر محبت ہو یا تیری محبت ہو
 لیتے ہوئے گھبرائے دنیا جسے ہم میں سے

یہ اس فاخذان کے مفصل حالات و گزشتہ ہمارے تو میری کتاب
 "روح صفاقت" ملاحظہ فرمائیں۔

تشریف دے تم کوئے نہ کرد، دل کے
خوش ہو کے جہانوں میں ہم تیغِ قلم لیں گے
وہ وقت بھی آتا ہے ہم کو تنہا لکھنے کے
نہاں ناہرا، آ کے قدم لیں گے،

سہیلی | محلہ چوڑوالاں نزد قلعہ گٹ دہلی سے تشریف لائے
کو بہ ہفتہ دار اخذ شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل

تھا۔ علامہ راشد انجیری ایڈیٹر تھے مخزنِ پریس میں چھپا تھا۔
یہ رسالہ راکھوں سے بے لگا لگیا تھا۔ اس میں زیادہ تر

مضامین علامہ صاحب کے ہوتے تھے جو مضامین عورتوں کے نام
سے چھپتے تھے وہ کثرت کے ساتھ فرضی ناموں سے چھپتے تھے
جس کو علامہ صاحب خود لکھتے تھے۔ پہلے تین مہینہ میں اس کے
چار سو ڈیڑھ سو تھے، کچھ عرصہ کے بعد یہ پرچہ بند ہو گیا تھا
دو بارہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں جاری ہوا، اس کے مضامین

مختلف نہ ہوتے تھے یہ عصمت کا ہفتہ وار ایڈیشن تھا، عصمت
کے دیکھنے سائز پر شائع ہوتا تھا۔ چند متعلقات و نانات قائم کر کے
مضامین کی ترتیب اور ڈھنگ سے رکھی گئی تھی۔

افدام | کلکتہ سے ۸ دسمبر ۱۹۱۵ء کو یہ ہفت روزہ اخبار
جلوہ افروز ہوا۔ ۲۶۷۲ سائز پر آٹھ صفحات

پر کلکتہ تھا، مولوی محی الدین صاحب بی اے ایڈیٹر تھے، سالانہ
چند بارہ روپے تھا۔ اس کا پہلا پرچہ پانچ ہزار چھپا تھا۔

۲۱ دسمبر ۱۹۱۵ء کے ذوالقرنین بدایوں میں اس اخبار

پر تبصرہ کیا گیا تھا۔

کلکتہ کی سرزمین میں اردو روزانہ پریچوں کی پیدا کرنے کی
کئی خاص قابلیت موجود ہے جس کی وجہ سے رسالت اور ترجمان
کے پوتے ہوئے ایک میل روزانہ حسیبہ اقدام بھی وہیں سے نکلتا
نزدیج ہوا ہے۔ ۸ اکتوبر کو اس روزانہ جریدہ کا پہلا نمبر شائع ہوا
ہے۔ ۲۶x۲۰ سائز کی بڑی قطعیت کے ۸ صفحے سفید جھکا کاغذ
چند سالانہ پارہ روپے

اس اخبار کے ایڈیٹر مولوی محی الدین صاحب نظر بندہ رائے
نئے سے جن کی رہائی کی خبر ۴ رجنوری ۱۹۱۵ء کو رنہا مرد آباد میں
شائع ہوئی۔

قاضی عبدالغفار ایڈیٹر جمہور (کلکتہ) مولانا حسرت موہانی اور
مولوی محی الدین صاحب بی رائے ایڈیٹر اقدام اور مولوی امین احمد
صاحب بی رائے (علیگ) وغیرہ پر عبور نظر بندی اٹھا کر انھیں کامل
آزادی دیدی گئی ہے۔

یہ شہور علمی، مذہبی، تاریخی رسالہ فرنگی محل لکھنؤ
النظامیہ سے ۱۹۱۵ء کو نمودار ہوا۔ ۸۰ صفحہ پر کلکتہ
نہا۔ محمد صبغت اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محل اس کے
ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ لاکھائی روپے تھا۔ محمد علی کے مطبع مفید عام
بائال لکھنؤ میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں معیاری علمی دینی مضامین شائع ہوتے تھے
اس کے مضمون نگار ملک کے معروف ادیب اور عالم مولانا فضل الحسن

حضرت مہربانی، مرزا سلطان احمد، مولانا محمد شمس الدین، مولانا حافظ
محمد بشیر، مولانا قطب الدین، مولانا شاہ بدر الرحمن، مولوی محمد
شفیع، مولانا عبد الباقی، مولانا سلیمان ندوی، مولانا عبد اللہ
دریہ آبادی اور مولوی نجیب اللہ شاہ وغیرہ تھے۔

دارالعلوم فیض آباد سے علما و کرام نے جو وہیں آج کل
اصناف پر لکھنا سنا سیکھنا پڑھنا پڑھنا پڑھنا
سالانہ چندہ میں مدد پے قیمت فی پرچہ میں آنے والی تھی قلعہ پرپس رکاب
کج فیض آباد میں طبع ہوتا تھا۔

اس سال میں علمی و ادبی مضامین شائع ہوئے تھے
شور کا کلام ہی چھپتا تھا۔

سرکاد میرٹھ سے ۱۹۱۵ء کو یہ بابا نے رسالہ خود و خود جاری کیا
کندھاری متقدم کٹر میرٹھ ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ
ایک مد پے تھا۔ علمی، اطلاقی اور تعلیمی وغیرہ مضامین چھپتے تھے۔

رسالہ دارالعلوم فیض آباد کے فردی سالانہ کے شمارے میں
اس پر یہ ایڈیٹر چھپتا تھا۔

یہ رسالہ راجپوت میرٹھ ہی نہیں بلکہ راجپوت سندھ کے کاش اس سال کی حد
ایلی ہندو عقیدہ میں اول چندہ نمونہ تجویز جوش نہیں، ہماری غفلت قوم نے
ایسی محسوس نہیں کیا کہ اس کے دامن میں بیگانگان کی آہ سوز مل دیتی
دھیرے ملگ رہی ہے، ہماری قوم دودھ دینے والی جملہوں کی طرف
سے ہماری سستی اور بے اعتنائی کی وجہ سے انہی غافل ہے کہ اس
نے ہماری غذاؤں کو نکلتا اور ناکارہ کر دیا ہے ان دلوں اہم اہم

حوالہ نقلش کو دل چاہا اور مؤثر بنانے میں سعی کرتے ہیں، یہ بالہ
بہت ہی دلکش اور کلامد ہے۔ ہم رونق صاحب کو بعد گیارہ
دیتے ہیں کہ اسوں نے بڑی بھاری ذمہ داری کا کام اپنے ذمہ
لے کر کھلی مسلمانان عموماً اور ترقیہ فاندان کو حضور مصطفیٰ فائدہ
پہنچایا ہے۔

لاہور سے یہ روزنامہ غالباً ۱۵ اگست کو وجود
میں آیا چیر صفحہ ترقی و ترقی تھا ابوالمحالی قسطنطین
لکھنوی ایڈیٹر تھے، سالانہ جینیہ بارہ روپے تھا۔

اس اخبار پر مخزن لاہور نے نومبر ۱۹۱۵ء کے شمارے میں
ریویو کیا تھا۔

لاہور کے روزانہ جرائد میں کن ایک ممتاز اور دقیق اخبار ہے
حس کی معقول پالیسی نے ملک میں نہایت مرد دل عزیزی حاصل
کی ہے یہ پرچہ ملکی فرائض کو انجام دینے کے ساتھ ہی ہندوستانی
مسلمانوں کی آواز کو گورنمنٹ تک پہنچاتا ہے، آپ کو تازہ خبروں کا
گنجینہ، سرشل غیالات کا خزینہ علمی اور تمدنی مضامین کا ہارسرا
بارغ، سائنس اور موجودہ ترقی کا تازہ گلدستہ دیکھنا منظور ہے
تو اس اخبار کو شوق سے پڑھیں جس کی زبردست اثر برداری
نے ہندوستان کے ہر گوشہ میں کوس لمن الملک سب کے اخبار نویس
کو متاثر بنا دیا ہے۔ حضرت ابوالمحالی قسطنطین لکھنوی اس خبر
کو نا طبیعت سے ایڈٹ کرتے ہیں۔

دینیانی | لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۷ء کو نمودار ہوا،
 بہت فحشیات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ زمین دہیہ تھا
 اس کے مالک بھی صلح کن تھے۔

جارج گزٹ | یہ مہفتہ وار اخبار بنگلور سے ۱۹۱۷ء کو نمودار ہوا
 چار صفحات پر اشاعت تھا۔ جناب عبدالباسط برق
 اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

خدا | یہ مقدس نام کا رسالہ ہندوستان کے مالک کو
 انڈیا پر ہوا۔ اس صفحات پر مشتمل تھا پنڈت دیال سہانی
 اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔
 سالانہ زمین دہیہ زمین لہور مورخہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں اس رسالہ
 پر بہاولپور چھپا تھا۔

یہ ماہانہ رسالہ بنگلور سے ہندوستان کے مالک کو
 پدم لہریہ کے تحت ہوتا ہے جس میں ہندیانہ امور کوٹ کوٹ کر مجھے
 ہر قسم کی تعلیم اور علم کے سلسلے میں درج ہوتے ہیں اور غیر منصفیانہ
 اس پر کیا گیا بہترین نام۔ بہت اعلیٰ مشربہ مضامین کے لئے بہترین
 نظر ہے۔ کمزوری چھپائی گئی۔ سالانہ چندہ دو روپے قیمت نو تین آنہ
 امرتسر سے یہ ماہانہ اشاعت کیا گیا نوالا ناتھ دھرم
پندرہ کیم | یہ چار صفحات پر مشتمل تھا۔ ۱۹۱۷ء کو نمودار ہوا پنڈت
 دیال سہانی کے مالک تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ مہضت
 پر اشاعت تھا۔

رسالہ زمین دہیہ زمین لہور مورخہ اگست ۱۹۱۷ء میں اس رسالہ

کاحب ذیل اشتہار شائع ہوا تھا۔

دنیا میں شانتی و محبت سبیلے والا ایک ماسواری رسالہ زیرِ اہتمام
نیزت دلیارام شترادیلٹر سائنس و صوم پرچارک چھپنا شروع ہوا ہے
واقعی رسالہ پریم اسم ہاسٹی ہے مضامین، نظموں نے رسالوں کی
روزانہ دہلا کو دی ہے۔ ہر مذہب کے لئے روحانی تعلیم دینے والا ہے
لکھنؤ کی چھاپنی کاغذ علیٰ قیمت سالانہ چندہ صرت اکیلا روپیہ مع محصول
نمونہ دو آنے۔

دلش | لالہ دینا ناتھ صاحب نے جب ہندوستان سے علی گڑھ کی

اختیار کی تحریک سے غائب ہوئے تھے تو دینش کے نام سے ایک
روزنامہ لاہور سے جاری کیا۔ شروع میں اس کے خریداروں کی تعداد
گیارہ سو تھی ۱۹۱۵ء میں سواد دہزار ہو گئی۔ اور ۱۹۱۹ء میں کم ہو گئی
سارے بھارت میں گئی بالآخر ۱۹۲۲ء میں یہ اخبار بند ہو گیا۔

نور الاسلام | کرت پور ضلع مجبور سے غالباً ۱۹۱۵ء کو یہ روزانہ

سبقت دار اور صفت میں دوبار اخبار جلوہ افروز ہوا مالک
دیلٹر نور الحسن صاحب زمین کرت پوری تھے۔ ہفتہ وار اخبار کا چار
روپیہ، ہفتہ میں ۲ بار کاسات روپے، اور روزانہ کا پندرہ روپے
سالانہ چندہ تھا۔ اس اخبار کا یہ اشتہار خیال لیر پڑھنے کو بروہر مہر
۱۹۱۵ء کے شمارے میں چھپا تھا۔

یہ روزنامہ اخباری اور علمی چھپے ہوئے مضامین کا جامع سیاست
تفصیل اور اقتصاد کا ذخیرہ، دینی، مذہبی، اخلاقی خیالات کا مجموعہ،
آسمان، تاریخ و تصوف کا پڑھنا مستارہ، دریا کے علوم قدیم جدیدہ

ہمارے جتنی گہرا اور صداقت سے الامال اور تحقیق نت سچ کا تابندہ
 جوہر، سچی خردوں مفید اور کار کا میٹر، ذاتی حیثیت سے سوداگران و دلال
 سما کی کانیزوٹیک پر مراسلات کا رہنما اور لوکل کوالٹ کا ذخیرہ
 اہل ملک کی عام رائے کا آئینہ، گورنمنٹ اور عوام کا غیر ادنیٰ مشیر و مہی
 زب کا، عمدہ سفیر نہایت آب و تاب کے ساتھ گرجہ و خجہ و خیل و خیر و خیر
 جہت و بہر اہل قلم کی ادارت میں اور صافیت میں شائع ہوتا ہے
 زمین صاحب کثرت پور
حکیم نور الحسن فرمیں | مشہور ضلع جینور کی سادہ
 رہنوی سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے والد ماجد مولانا محمد طہور الحسن
 مشہور اور بے مثل عالم تھے۔

زمین صاحب جین میں پانچ سال کی عمر میں نابینا ہوئے
 تھے اس کے باوجود انھوں نے قرآن مجید حفظ کیا۔ علوم دینی
 آپ نے اپنے والد ماجد سے مقبل سیکھے تعلیم کی تکمیل کے بعد حکیم
 مولوی رحیم اللہ صاحب نجپوری سے طب کی کتابیں پڑھیں، عربی
 فارسی، اردو و زبانوں میں نثر کے ساتھ نظم سہی لکھتے تھے، آپ
 نے گورنمنٹ ہسپتال میں فورالاسلام اخبار لکھا۔ اور کئی
 برس تک اس کی ایڈیٹری کی ہے

یہ وہ صحافی ہیں جو نابینا تھے اور انھوں نے مصافحت میں نام پیدا
 کیا اور دنیاوی میں بھی کمال حاصل کیا ہے

جہاں دم بدم لیے ہیں وہ آنکھوں کو مل مل کے
 اتارا ہے مری جانب کہ آؤ سو رہیں چل کے
 دل دھال، دین دایاں اک اور میں جھین لیتا ہے
 کوئی دیکھے کرتے اسے ت کا فر کی چیل بل کے

سیرِ ناز میں ترانی آج سوئے دیکھے
 طور پر جو کل نہ دیکھا تھا وہ جلوہ دیکھے
 میزِ دنا دیکھے، اور ان کا منہ دیکھے
 منہ برسنا دیکھے، بجلی کا گرنا دیکھے

نقشے پس پس گئے، اب دب گئے محشر کیا کیا
 نقشہ تہمت جو مرے گھر سے چرا لیا نکلا
 بعد مرون وہ عبادت کئے آتے ہیں
 جاں نکلی ہوئی آئی، مرا ارمان نکلا
 تہہ زلف میں دیدیا بھی قتل کرتا ہے دکھائی سوزِ حبا نے حباب میں تلوار
 نقشہ زاپے تری زردیدہ نگاہ کیسی
 لاتی ہے ملکوتِ دل پہ تب ہی کیسی
 مجھ سے بہت کا حجب نام لکھا دفتر میں
 پھیلے تقدیر کے دفتر میں سیاہی کیسی
 حسرت دیاں و الم ساتھ چلے قبر میں جی
 دیکھنا میرے رفیقوں نے نہا ہی کیسی

کیا اسی رات سے صبح فیاضت کی نمود
شب فرقت میں ہے اشد سیاہی کبھی

ترجمان اخبار ذوالقرنین بدایوں موعود اور دسمبر ۱۹۱۵ء کے
شمار میں اس اخبار کا ذکر ہے جس سے ظاہر ہوتا
ہے کہ یہ اخبار ۱۹۱۵ء کے آخری ہفتوں نومبر یا دسمبر ۱۹۱۵ء میں
کلکتہ اور حیدرآباد سے جاری ہوا تھا۔ اس کے ایڈیٹر قاضی
عراق تھا۔ صاحب تحفہ جنوں نے بغداد کے بند ہونے کے بعد یہ اخبار
نکلایا تھا۔ جس کا سالانہ جیڑہ دس روپیہ تھا۔

اخبار ذوالقرنین بدایوں موعود کی ۱۹۱۵ء کے شمارے میں
ترجمان پر حسب ذیل نوٹ لکھا۔

اور نا ترجمان کو جو محض قوی خدمت کے لئے جاری کیا گیا ہے
آج کے سامنے پیش کرنے کے لئے کسی تہدیک کی ضرورت نہیں ہے ترجمان
نے قومی خدمت عمر میں بہترین رنگ اختیار کر لیا ہے اور تیزی کے ساتھ
عروج پاتا رہا ہے۔

اخبار ہمدرد جیسے حریت پسند اخبار کی ایڈیٹری کرنے کے بعد
کئی مہینے تک اپنی آراء و دانش کو مدینہ نہیں سکتا، چنانچہ قاضی صاحب ترجمان
جاری کرنے کے بعد اپنی مدنی پر قائم ہے۔ نتیجہ ظاہر تھا، ہمدرد
تلبا حشر ہوا۔ پریس ایکٹ نے اس کا بھی گلا نہ بوجھ لیا۔ اور
اس کی عمر سال، سو سال سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔ چنانچہ اخبار
بہادر آباد نے ۱۸ فروری ۱۹۱۵ء کے شمارے میں پولس
ایکٹ کے مقتولین میں ترجمان کو بھی شامل کیا۔ ایڈیٹر صاحب

یہ تحریر فرماتے ہیں۔ عنوان ہے "اسلامی اخبارات"، جس طرح اسلامی اخبارات کو یکے بعد دیگرے تباہ و برباد کیا گیا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آج تمام ہندوستان میں ایک بھی آزاد اخبار نہیں ہے۔ ہماری آواز ایک اپنی پنجہ سے بند کر دی گئی ہے تاکہ وہ غارتہ انسان حکومت اور برطانوی جمہوریت تک نہ پہنچ سکے۔ جب کبھی اس ملائش قانون مطابق کے ہاتھ سے کوئی شکار نکل جاتا ہے تو فوراً قانون تحفظ منڈا اس کی مدد کے لئے بروئے کار لایا جاتا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ کس طرح زمیندار مسلم گزٹ، کامریڈ، ہمدرد، توحید، ترجمان، صداقت، اہلال، البلاغ، نیو ایر، اور جمہور جیسے بہت سے اسلامی اخبارات ان یہ گھیر قوانین کی زد میں لائے گئے۔

قاضی عبدالغفار صاحب قاضی عبدالغفار کا مراد آباد کے ایک مشہور خاندان میں جنم ہوا۔ ان کے والد ماجد قاضی ابراہیم صاحب بڑے مددگار کے بزرگ تھے۔ مل گدھ یونیورسٹی سے بی اے کیا، تادی سر محمد یعقوب کی بہن سے ہونے جن کے بطن سے دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ ابتدائی عمر سرکاری ملازمت میں گزاری، مولانا شوکت علی اس ملازمت سے استعفاء دلا کر دہلی لے آئے۔ سلس وقت قاضی صاحب کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ جن دنوں مراد آباد میونسپل بورڈ کے چیرمین تھے، ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن ایک انگریز صاحب بہادر کسی کام کے صحن میں چیرمین سے ملنے آئے اور اپنے نوکے چیرمائی کے

علم میں سائے آداب کو بالائے طاق رکھکر اس انداز سے پیش آئے
 گواہ لڑی سرورِ حاکم اپنے ماتحت سے ات جیت کر رہا ہو تو قاضی صاحب
 ایک خود دار اور سچے مندرستانی تھے، اس قدر طلب میں آئے کہ
 انھوں نے اپنے منبر پر رکھی سیاہی کی دوات صاحب بہادر کے منبر
 پر دے ماری اور حیرانسی کو حکم دیا کہ انھیں اجلاس سے باہر کر دیا جائے
 انگریز شہزاد ہوا باہر نکلیا۔ گو بعد میں یہ واقعہ رنگ نہ پایا۔ لیکن
 قاضی صاحب نے یہ ادا نہیں کی، انفرادی حیثیت سے قطع نظر
 اس واقعہ کی خوبی اہمیت بھی تھی۔

قاضی صاحب جن دنوں کانگرس کے سرگرم ممبر بنے ہوئے
 بنے وطن میں کام کر رہے تھے اس طبع دنوں ان کے برادرِ نسبی محمد یعقوب
 صاحب (جو بعد میں ناٹ ہڈ کے نام سے سرسراز آئے گئے اور انگریز
 کونسل کے ممبر بنے) سلم لیگ کا کام کرتے تھے۔ کانگرس اور لیگ
 میں جس وقت سخت اختلاف نہ نام ہو گیا تو ان دنوں کے سیاسی
 نقطہ نظر میں بھی اختلاف کی شدت پیدا ہو گئی۔ جہاں کانگرس کے طبقے
 ہونے وہیں لیگ بھی اپنے اجلاس منعقد کیا کرتی اور قاضی صاحب
 کی زوردار تقریر ہوا کرتی۔ اور یعقوب صاحب لوگوں کو جو سنسن
 میں لایا کرتے تھے۔ بعض اس بات کی بڑی شکایت تھی کہ لوگ
 کثیر تعداد میں کانگرس کے جلسوں میں فریب ہوتے ہیں۔ اور لیگی جلسوں
 میں ہیئت کم۔ مگر جب گئی کلام ختم ہو جاتی تو سرورِ دنوں سائے بہنوئی
 ایک ہونے اور ایک ہی کار میں اپنی قیام گاہ کو روانہ ہو جاتے، آپس
 کے تعلقات کبھی سیاسی اختلافات کی وجہ سے متاثر نہیں ہوئے۔

اس زمانہ کی سیاسی زندگی میں یہ خصوصیت تھی کہ خلافت فوجیہ کسے
 محمد یعقوب بھی بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، بولی کے مشہور دستار ہنہانت
 ملک موہن ماہویہ قاضی صاحب کے کام سے بہت متاثر تھے اور ان کو بہت عیاں
 تھے۔ ایک دن ایک کام سے نزدیک ضرورت پر قاضی صاحب نینت جی سے ملے
 گئے وہ اس وقت اپنے رسوائی گھر میں موہن کسے سے تھے اپنی طرف قاضی صاحب
 کو اتار بیگم کر جھٹ پکارا اٹھے، دیکھا چھوڑے یہاں پر کتاب (ایریو لیش
 کے چند گھرانوں میں چوکا وہ جگہ ہوتی ہے جہاں کھانا پختا اور پھایا جاتا
 ہے) دونوں نے ملے اور قاضی صاحب کو دور چھوڑے سو کر ہی اپنی کام
 کی بات سنائی بڑی قاضی صاحب کہتے تھے ماہویہ جی مذہبی طور پر کفر پر ہونے
 کے باوجود محبت بھرا دل رکھتے تھے اور سب کے ساتھ ان کا یکساں برتاؤ
 ہوتا تھا۔

شرمیلی سرور جی نامیادوسے قاضی صاحب کو بہت غنیمت تھی۔ اس
 عقیدہ مند رشتہ کا آغاز اس وقت ہو گیا جب وہ علی گڑھ میں تعلیم پڑھتے
 سنز نامیاد کی شاہری اعلیٰ درجہ کی کلاس میں داخل ہوئے۔ انھیں بہت متاثر کیا
 جس کی اس زمانے میں بڑی دھوم تھی۔ قاضی صاحب کہتے تھے کہ جب کبھی
 ہمارے صوبہ میں سرور جی نامیاد آتے اور جہاں کہیں ان کی تقریر ہوتی لوگ
 اتنی کثیر تعداد میں انھیں سننے آتے تھے کہ ٹرینوں کے کنارے ٹھہر کر
 اور موہیے کے درمیان حصوں کے نوجوانوں اور طالب علموں کے ٹھکانے
 بھرے ہوتے تھے اور جب فن کو سن کر ہم لوگ تہمتے تو باتیں بھراں ہی
 کے چرچے ہوا کرتے تھے، ان ہی کی آواز کا ٹوکی میں گونجتی تھی۔ جب
 قاضی صاحب حیدر آباد آ گئے اور یہیں رہنے لگے، تب ہم نے دیکھا کہ

سزا ناپید وجہ کسی اپنے گھڑا میں تو قاضی صاحب سے ضرور ملنے آتیں یا نہیں
اپنے گھڑا میں۔ اور بد سے لے کر بہت تک ہر برصغیر پر بات چیت
ہوتی۔

سیح الکاکیم اجل خاں، مولانا محمد علی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر
نعمت اللہ منہاوی اور آصف علی جیسے ارباب علم و فضل و سبحان و طہ
کی صحبت میں قاضی صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ گزرا اور ان کی زندگی
اسی ماحول میں ڈھلی اور پروان چڑھی۔ دہلی، لکھنؤ، اور یوپی کے
دوسرے مقامات پر بھی قاضی صاحب اپنا وسیع حلقہ احباب رکھتے تھے
نیرا پیس نو اسحاق علی خان بہادر، رائی راسپور کے شاہزادہ الہاف
بھی قاضی صاحب کے شاگرد تھے۔ حیدرآباد میں بھی ان کا ایک
مخصوص حلقہ احباب تھا۔ جن میں زیادہ تر ادیب، صحافی، فکری نگار اور
سوانح نویس تھے۔ قاضی عبدالغفار سے اردو دوسری دنیا روشناس
تھی۔

ان کی انٹرویو کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے۔
"تمہاری سرت در حقیقت تمہارا علم ہی ہے جس کا نقاب اتار دیا گیا
ہے۔"

وہ کنواں جس کے اندر تمہارے قیمتی کی آواز گونجتی ہے وہی تمہارے
جس کے اندر تمہارے آفسوگرتے ہیں۔ "اور اس کے پہلو کیا ہو سکتا ہے؟
"جس قدر زیادہ علم تمہارے اندر جاگزیں ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ تلاش
سرت کے لئے پیدا ہوتی ہے۔"

کیا وہ پیالہ جو تمہاری غراب سے برتر ہے وہی پیالہ نہیں ہے

پر کھار کے آوے میں جلا یا گیا ہے جس کا سبز چاتو سے کھو کر نکال گیا تھا
اور جس کا سینہ چھری سے کر دیا گیا تھا۔

جب تہ سرت سے سو رہا تو اپنے دل کی گہرائی میں بغور دیکھو،
تم پاؤ گئے کہ وہی چیز تھوڑے دل کو رنج دے رہی ہے جو تمہیں
سرور بھی کرتی ہے۔

جب تم غم ہو تو پھر اپنے ہی دل کے اندر دیکھو،
تم دیکھو گئے کہ تم درحقیقت اس چیز کے لئے ہو جو تم کو سرت
عطی کرتی ہے۔

تم میں سے بعض کہتے ہیں کہ سرت غم سے بہتر ہے۔۔۔ میں
تم سے کہتا ہوں کہ دونوں ناقابلِ تفریق ہیں ناقابلِ امتیاز ہیں۔
ساتھ ہی ساتھ دونوں آتے ہیں اور جب ایک تھکے دسترخوان
پر موجود ہو تو یقیناً مانو کہ دوسرا تمہارے بہتر میں سو رہا ہوگا۔
یہ ہے کہ تم ترازو کی وہ ڈنڈی ہو جو ان دونوں پلروں کو
اٹھاتے رہتی ہو۔

جب زندگی کا خزانہ دار ترازو کو ہاتھ میں لے کر اپنا سونا چاندی
تو تپا ہے تو دونوں پلڑے ہلتے ہیں اور ڈنڈی اس کے ہاتھ کے
پہنچے ہوتی ہے۔

قاضی صاحب کے مزاج میں بڑی نزاکت و نفاست تھی طبیعت
میں سنجیدگی، ضبط و متانت کے ساتھ خوش مزاجی و بذلہ سنجی بھی تھی
وقت اور وعدے کی پابندی بہت سختی سے کرتے تھے کلمے پڑھتے
سے وقت مل جاتا اور ادبی کاموں کے لئے ان کی خدمات

رہی ہوتیں تو سہرا میں پوری طرح ٹھہک ہو جاتے۔ آخری زمانے میں
 ابن نرئی اردو دہندہ کے معتمد بنے تو اس کے کاموں میں جی جان سے
 لگ گئے یہ اخصیہ کی سمیت کا کرمہ تھا لہذا دہ کے تعلق سے جو ضد داشت
 صدہ جہد کے پاس پیش کی گئی تھی اس پر لاکھوں دستخط ثبت ہوئے
 بارہ زبان کی اولیت بھی انہیں کو تفویض تھی اس نبدہ روزہ اخبار کو
 انہوں نے اردو نائب کا جامہ پہنایا ۱۸۵۷ء میں جب میں نے اپنے
 مفتہ دار نیابت کو بھی نائب بنیاد دیا تو اس سے قاضی صاحب بہت
 خوش ہوئے اور انہوں نے لکھا، میں نائب کے معاملہ میں ذرا سخت
 رائے رکھتا ہوں، میں تو کہتا ہوں نائب عوام کو ناپسند ہو تب بھی ان کے
 حلق میں زبردستی ٹھونکنا چاہیے، قلمت پسند کبھی نئی چیز پسند نہیں
 کرتے کین انہیں مجبور کرنا پڑتا ہے۔

اکتوبر ۱۸۵۷ء میں قاضی صاحب حیدر آباد کو خدا حافظ کہکے چلے
 گئے حیدر آباد کے شاہی دربار کی سازشی دنیا اد گندی سیاست میں ان
 کا دم گھٹنے لگا تھا۔ جب سیاست کاروں کی سیاست بے دگم ہو چکا
 تھی اور حکومت چند نا عاقبت اندیش لوگوں کے ہاتھوں میں کھٹیلی بنی
 ہوئی تھی اس وقت قاضی صاحب کو بھی گرفتار کر کے نظر بند کرنے کا
 منصوبہ بن چکا تھا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ ایک قوم پرست اور پیش جگت
 مسلمان تھے اور اس بات کے حامی تھے کہ حیدر آباد کو انڈین یونین میں
 بہر حال ترکیب ہو جانا چاہیے کین وہ دور ہی کچھ ایسا تھا کہ جو آدمی
 سمجھداری کی بات کہہ دیتا غدار گردانا جاتا تھا۔ قاضی صاحب نے
 ٹھیک وقت پر حیدر آباد چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا، جاتے ہوئے

حضرت نظام کی خدمت میں اپنا ایک ذاتی مکتوب بھیج کر اسٹیں آنے والے
خطرات سے آگاہ کیا تھا۔ یہ قاضی صاحب کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ پولیس
ایکشن کے بعد کے رویوں کے دور میں حیدر آباد آکر نادرہ گھانا
کو بچانے میں کوئی کوشش نہ رکھی۔

حیدر آباد اسے چلے جانے کے بعد قاضی صاحب مولانا
ابوالکلام آزاد کے بیمار پر چلائی جانے والی قوم پرست مسلمانوں کی
کافر فوس نے انتظامات میں مصروف ہو گئے جو اسی سال کے آخر
میں لکھنؤ میں ہوئی۔ سپرنٹنڈنٹنی کلکٹر سوسائٹی اور انجمن ترقی اعدہ
کی ذرذریاں بٹھالیں، حیدر آباد سے روانگی کے بعد انہی مصروفیات
کا حال اس طرح نکلتے ہیں، میری زندگی میں قیام و قرار باقی نہیں رہا ہے
اس نے میں آگے آگے ہوتا ہوں اور احباب کے خط و میرے سمجھے
مجھے جیتے ہیں۔ فنی تال اس خیال سے گیا تھا کہ دچار تہتے
تم کو کچھ تصنیف و تالیف کا کام لڑن گا، کتابوں کے دبڑے
بڑے بچس بھر کے گیا تھا۔ لیکن کہیں بھی سلسلہ بندہ دن سے
زیادہ نہ ٹھہر سکا۔ آج دہلی میں یوں تو چار دن بعد علی گڑھ میں، دس دن
بعد مراد آباد میں یوں دہلی سے چلا تو لکھنؤ میں۔ پولیس ایکشن
کے بعد میں جیتے تو اپنے گزے گویا حیدر آباد ان کے کا ندھوں پر سوار
ہو گیا تھا۔ اور وہ بیڈت سندھ لال جی کے ساتھ حیدر آباد آئے جہاں ہے
۱۹۵۱ء کے پہلے عام خیابان کے مولانا آزاد کی اتنی ہی ہم
انہوں نے سرکی۔ غرض تیر، کام تو وہ لم تھ میں لیتے پورا کر کے ہے
حیدر آباد میں حبیب مکہ ہے سماجی اور ادبی کاموں کے لئے بھی وقت

نکالتے ہے۔ اطہارِ عباد کی نفاست کے زمانہ میں آپ نے بڑی
ستھری اور خوب کے ساتھ سرکاری ذرائع انجام دے دیے ہیں۔
صروفیت کا آخری زمانہ انجمن ترقی اردو کے لئے بالکل رہا
لورڈ علی محمد صاحب بنیم ہے۔

صروفیات کے تسلسل لورڈ ادبی و قومی کاموں کے بوجھ سے آپ
کی صحت گرتی گئی جس کا ذکر آپ ایک خط میں اس طرح کرتے ہیں۔
”بس اب حالت یہ ہے کہ دو دن کچھ اچھا ہوں تو چار دن بیمار ہوں
دھوپ مچاؤں کی حالت ہے آج دھوپ ہے تو کل ابر ہے۔“
اکبر الہ آبادی کے دوستوں بھی اس خط میں درج ہیں۔

گھٹاتا جاتا ہے صنعت اپنا زور آہستہ آہستہ
لے جاتی ہے میری سوائے گور آہستہ آہستہ
کسی کی چارہ سازی ممکن کرتی نہیں مجھ کو
سب کا ہوں قدم رکھتا ہے چور آہستہ آہستہ

جنوری ۱۹۵۷ء میں قاضی صاحب آخری دنہ علاج ہی کے سلسلہ
میں حیدر آباد آئے اور اسی سال ہی کے مہینے میں بمبئی میں ان کا لکھنا
بڑا آپریشن ہوا۔ دو سال پہلے اسی طرح کا ایک آپریشن ہو چکا تھا۔
قلب کے دورے پڑنے لگے اور آخر ۱۹۵۷ء کو
اپنی جان و جان آڑی کے سپرد کر دی۔

لکھنؤ کے ادبی حلقوں میں قاضی عبدالغفار صاحب کا نام
سنا یا گیا جیسے دہلی کی انجمن ترقی پسند مصنفین نے ان لفظوں میں خراج
عقیدت پیش کیا۔ ”قاضی صاحب مرحوم نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اردو ادب

کی خدمت میں صرف کیا، ان کی سیاست، ان کی مصفاقت، اور ان کا مخصوص طرز نگارش، مرزبانے میں اردو ادب کے خزانوں کو الامال کرتا رہا۔ آخری دنوں میں انجمن ترقی اردو دہندہ کی نظامت اور اس سلسلہ میں ان کی قابل قدر کوششیں، تیراوردہ کے بقا و تحفظ کے لئے طرح طرح کی جدوجہد کبھی فراوش نہیں کی جاسکتی۔ خود وہ آج ہماری ہلچل کے سامنے نہیں رہے مگر ان کی خدمات اور ان کے کارنامے ہمیشہ ہمارے سامنے رہیں گے، اسی طرح کی کئی اور علمی و ادبی انجمنوں نے بھی اردو کے اس عظیم محسن کی خدمات کو سراہا۔

تاضی صاحب کیا گئے۔ ان کا حسین طرز نگارش، ان کی دلنوازی، ان پر دہری اور ان کی لطیف طرز نگاری سب کچھ گویا ان کے ساتھ چھٹ ہو گیا۔

آج دھوپ تھی کہ ساتھ لگا آفتاب کے،
ہندوستان کی ادبی دنیا میں جب راہنما ناسخو بیکور کے آسانی
عقبت گھر گھر گائے جا رہے تھے۔ جب بلی مندر سرد جی ناسیڈ
کی نغمہ سنجیاں فضاؤں میں گوج رہی تھیں اور نیند کے ماتوں کو
جگا رہی تھیں، جب اقبال کا ترانہ سارے جہاں سے اچھا نینداں
سارا۔ قوم میں صور حب الوطنی بھونک رہا تھا۔ جس وقت منشی پریم
چند کے زندگی سے مورخوں کی دھوم مچ رہی تھی، محمد علی کامرید
اپنی آتش نوائیوں کے لئے شہرہ سپر رہا تھا۔ نیاز فتح پوری عقلیت
کی روشنی پھیلا رہے تھے اور تبرخہ رام پرویز پوری کے ترجمہ مقبول ہو
رہے تھے۔ اسی زمانے میں تاضی عبد الغفار کی سکری ہونی اور منمند

ادبی بصیرت زندگی کی تہی راہوں کی متلاشی اور تہی منزلوں کی سمت گامزن
نہی، اس ہندی نوجوان کی جدت طرازیوں اور دو کو اکہٹے کرنے کی سانچے
میں ڈھال رہی تھیں اور ترقی پسند رجحانات کے ساتھ ساتھ آگے
بڑھ رہی تھیں۔

قاضی صاحب کے لکھنے کا ڈھنگ بالکل نیا تھا اور اپنا تھا۔
جس سے اردو زبان کا حسن چمک اٹھا تھا، بڑے طے داروں کو اس کی
صلادت اور شیرینی اتنی پسند آئی کہ زبان چٹخا کر سے سحر نے لگی ان
کے طرز کو بہت مومن نے اپنا یا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکے جس طرز کو انھوں
نے اپنا یا تھا انھیں کے ساتھ وہ ختم بھی ہو گئی۔

قاضی صاحب نے کئی کتابیں لکھیں جن میں پہلی کے خطوط
اور مضامین کی ڈائری، دلش میں اتنی مقبول ہوئی کہ ان کے کئی کئی
ایڈیشن نکلے اور ہاتھوں ہاتھ بک گئے، ان تصانیف میں عام انسانی
جذبات و احساسات کا فلسفیانہ تجزیہ دل چپ مگر حقیقت اور مزہرا۔
میں کیا جیل ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں اردو ادب میں طنز نگاری کا بہترین
نمونہ ہیں۔ پہلی کے خطوط، پہلے پہل لاہور کے نیرنگ خیال، نہیں
مجھے۔ اور سپر ایمریٹو کے کتابی شکل میں سامنے آیا۔ مقبول کی ڈارکی
آندھرا پر دلش حیدر آباد میں لکھی گئی مگر اشاعت دار لاہور میں
سے ہی ہوئی۔ اس اور اسے قاضی صاحب کی اکثر تصانیف شائع
ہوتی ہیں۔

قاضی صاحب کی ادبی یوں میں "تین پیسے کی چھوڑی" اور
"اس نے کہا" ادب لطیف میں ایک بے بہا اضافہ ہے ان کی

تاریخی، سوانحی تصانیف میں جمال الدین افغانی "آثار الباقیہ" اور "حیاتِ اجل" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جن کے پڑھنے سے ایسا لگتا ہے کہ قاضی صاحب نے تاریخ کے اس دور میں پہنچا دیا جہاں باغی نظروں کے سامنے حال کی طرح پھرے لگتا ہے یہ ان کے علم کا کمال تھا۔ حیاتِ اجل کے تاریخی پس منظر میں اندر پرست کا خاص انداز میں اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

تین ہزار تین سو برس، اس سے بھی کچھ زیادہ، اتنے دن گزرے جب جن کے لئے اندر پرست آباد تھا، اس کے لٹانے راہنمائی کے صفحات پر کچھ بے پڑے ہیں، اس کا تو لگا ہے کہ اس دن سے آج تک جتنا بے دھارسے برکت پانی بہ چکا ہوگا اس جتنے ہوئے پانی میں اگر دو آنکھیں مونس توڑ سحلوں نے اندر پرست کی پہاڑیوں پرانی آبادی کے کوا کیا تھامتے دیکھے ہوتے کلمجگ کا سارا درد آنکھوں کے سامنے گزرا ہوتا۔

"نقشِ فرنگ" میں قاضی صاحب نے اپنے سفرِ یورپ کے تاثرات، معلوماتِ آفرینی اور دل کشی انداز میں قلمبند کئے ہیں ایک اور تعریف "عجیب" نام کی بہت عجیب ہے جس کی عجیب داستانیں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ انکو نیکو کے ٹوبی پرانے یانہ ادیب گلزاری کے شاہکار نام "سیب کا مدخت" کو اردو کا حارسہ بنا کر قاضی صاحب نے اردو دنیا کو ایک نئی دنیا سے روشناس کرایا۔ گلزاری کے اس شاہکار میں ایک دہائی عورت کی لاندل محبت اور ایک فہرہ مرد کی بے وفائی کی داستان، اس دل چپ پیرائے میں

بیان کی گئی ہے کہ کتاب پر حاضر دیکھئے تو ختم کئے بغیر چین نہیں آتا
 قاضی صاحب کی اہل کادشیں سدا بہار سپورں کی مانند ہیں جن
 کی ہرک اردو کے خوبصورت چمن میں ہمیشہ رہے گی۔

قاضی عبدالغفور جہاں ایک بلند پایہ انشا پرداز ادیب
 تھے، وہیں ایک اچھے فاضل عربی تھے جس کا اندازہ ان کے اشعار
 سے ہو سکتا ہے۔

اس نامراد دل کی عبارت کو کیا کروں
 ہے بد نصیب اب بھی طلب نگار آرزو
 تلمیح بہ فنا سے یہ ناکام عشق بھر
 مانجھ ہے ایک ساغر سرشار آرزو
 پروانہ اپنی مسندِ نزلِ آخر یہ آگیا
 باقی ہے ایک شمعِ عسرا دار آرزو
 درخِ حبجو کا سوز نہ دھندلانی عشق کر
 اب فور آرزو ہے نہ اب نار آرزو
 شعلہ نہیں رہ جس سے عبارت ہے ننگی
 لاؤں کیاں سے لذت آزار آرزو
 ڈرتا ہوں میں کہ چشمِ لہوں گے گئے سائے
 جھلکے گا آج سے غریبِ سرشار آرزو

کہانی ملال کی آخر ایک شب یوں ختم ہو جائے
 کہ جیسے طفلِ نادان روتے روتے ننک کے سر جھائے

زربِ زندگی ما و محبت سے نہ بھٹکا دے
 قناعِ زخمسِ دل اس کی امانت ہے نہ کھو جائے
 کہیں سے ایک شب بے حسہ مر یاں مجھ کو تو لا دے
 وہ ایک آنسو کے نقشِ زندگی کو آکے دھو جائے

اس زربِ زندگی پر کیوں ٹٹ جاتے ہیں ہم عقل بے بنیاد کے بولتے پہ اترتے ہیں ہم

ہم نوا تیری نظرِ مصروفِ سیرِ آب ہے
 محورِ قصِ موح ہے اور کس قدرِ قیاب ہے
 تو نہ سمجھے گا کہ یاں ہر قطرہ اک گردِ آب ہے
 جسِ عشرت اس تماشہ گاہ میں ناباب ہے
 حکیم اجلِ خاں سچ الملکِ مرحوم کی شہرِ سخن کی خاصِ صحبتوں میں قاضی
 صاحبِ اپنا کلام سنا یا کرتے تھے اور حسبِ ہزدرت اپنے کلام کی
 اصلاح بھی انھیں سے نیا کرتے تھے حکیم صاحبِ خود ایک خوش گوئی اور
 تھے اگر قاضی صاحبِ صرف شاعری کی طرف توجہ کرتے اور سلسلہ
 کلام جاری رکھتے تو بلاشبہ اپنے دور کے چوٹی کے شاعروں کی صف
 میں جگہ پاتے۔

قاضی عبدالغفار ایک اونچے درجے کے مصنفی بھی تھے جنہوں
 نے صحافت کے اعلا معیار کو ہمیشہ قائم رکھا جس عنوان پر بھی وہ لکھنا
 چاہتے اس کا سیاست سے تعلق ہو یا دوسرے مسائل سے اس کی
 نسبت اپنی بے لاگ رائے کا اس انداز سے اظہار کرتے کہ ان کے

صبح انداز فلک کا پتہ چلتا تھا۔ لوگ لان کے اداروں اور مضامین کو پڑھتے تو ان میں سوچنے اور سمجھنے کا جذبہ صبح لڑھکے سے لگا کر چھوٹا تھا۔ عام رائے کو بھرا کر نے اور لوگوں میں سیاسی اور ادبی شعور پیدا کرنے میں قاضی صاحب کو خوب مہارت تھی چنانچہ مختلف اخباروں اور رسائل کے ہزاروں صفحات اس کے شاہد ہیں۔

قاضی صاحب کی اخبار نویسی کی زندگی مولانا محمد علی کے مشہور اخبار ”ہمدرد“ سے شروع ہوئی جو ۱۲/۶ میں جاری ہوا تھا۔ اپنی زندگی سے آغاز کی داستان خود قاضی صاحب کے سینے سے نکلتی ہے۔

”ہمدرد کے شعبہ ادارت میں جب ایک ادنیٰ شاگرد بنکر مولانا محمد علی کے سامنے بیٹھتا کہیں ان چنگاریوں کی گرمی محسوس کی جو کارپڈ کے جواں سال اور بیباک ایڈیٹر کی شخصیت سے نکل کر ان کے فوجوان شاگردوں کو ادب کو شہسوزی کی دعوت دیتی تھی، ۲۳ رزوری ۱۹۱۲ء کے بعد سے شعبہ ادارت کا پورا کام شروع ہوا اور میں نے پہلی دفعہ محمد علی کے مددگار کی حیثیت سے صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ ایک ادنیٰ شاگرد کی حیثیت سے میں نے ان کے سامنے زانوئے ادب نہ کیا، اور جب تک ۱۲/۶ کی جنگ کا ہنگامہ شروع نہ ہوا اور محمد علی کی مدد سے نہ جیت ترقی تبادلت کے کاموں میں مقفل نہ ہو گئی وہ ہمدرد کے شعبہ ادارت کی نگہانی کرتے رہے یہی وہ زمانہ تھا کہ ایک استاد کی طرح جو بیک وقت شفیق بھی تھا۔ اور سخت مگر بھی اسخوں نے صحافت کے ابتدائی اصول اپنے فوجوان مددگاروں کو سمجھائے۔ طریقہ کار یہ تھا کہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو مضامین ہی لکھوائے جاتے تھے، ہر روز شام

نائبہ ادارت کے اراکین کی ایک مجلس مشاورت، چیف ایڈیٹر کے
 کمرے میں منعقد ہوتی تھی۔ اس مجلس میں مرحوم ایسے مددگار
 کے لئے ایک مضمون تجویز کرتے تھے پھر اس مضمون کے متعلق کتابوں
 کی ایک فہرست لکھا دیتے، بہت سی کتابیں آپ کتب خانے سے
 نکال کر دیتے تھے ان کے لئے خاص ابواب اور صفحات کی نشاندہی کرتے
 تھے اور بار بار اس اصول کو ذہن نشین کر دیا کرتے تھے کہ لکھتے سے پہلے
 لکھنے سے زیادہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ بعض دفعہ دس بارہ کتابیں
 پڑھنے کے بعد ایک ادارہ لکھنا ہوتا ہے۔ میرا پہلا ادارہ ”سمندر“
 کی پہلی جلد کے آٹھویں پرچے میں ۱۰ رجون کو شائع ہوا تھا۔ اس کا عنوان
 ”مصر، تنجا۔ یہ ادارہ کئی سطحوں میں شائع ہوا تھا۔ لیکن میں یہ بتاؤں
 کہ وہ لکھا کس طرح گیا تھا تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ فن صحافت میں محمد علی کے
 شاگرد کس طرح تربیت حاصل کرتے تھے۔ دس بارہ کتابیں مجھے دی گئی تھیں
 تاکہ میں ان سب کو پڑھ لوں۔ کچھ نوٹ محمد علی نے لکھ لئے تھے۔ آٹھ
 دس دن تک میں لکھنے کی تیاری کرتا رہا۔ پھر جب ایک حصہ لکھ لیا گیا
 تو مسودہ ان کے پاس لے گیا۔ مجھے یاد ہے کہ چند سطریں پڑھنے کے بعد
 انھوں نے منہ بنایا اور یہ کہہ مسودہ پھینک دیا کہ یہ کیا فضولیات کھینٹ
 لائے ہو۔ میں کیا کہوں کہ اس دن ایک خام کار و فوجان کو کس قدر دل شکنی
 ہوئی جس کو اپنے خیال میں بڑا ناز تھا اس بات پر وہ ”سمندر“ کے ادارتی
 شعبے میں بغیر اپنی خواہش کے اصرار کے ساتھ شریک کیا گیا ہے حالانکہ
 عمر اور تجربہ میں وہ محمد علی کے تمام دوسرے مددگاروں سے کم۔ اگر
 چیف ایڈیٹر کی رائے میں اس کے پہلے ہی مصنفوں کا مسودہ فضولیات

زار پایا تو ظاہر ہے کہ اس نوجوان کی خود بینی کو جس قدر بھی مدد دینا چاہو
 وہ کم ہے بڑی ذلت اور خیر زندگی محسوس ہوتی، کچھ فتنے بھی آیا مگر اتنی جرات
 نہ تھی کہ غصہ کا ذرا بھی اظہار کیا جاتا پھر ایک گھنٹہ تک ان کا لکھو سنا، پھر
 بہت کوشش کر کے ان سے خیالات کے مطابق اس پر نوادہ مہرون لکھا۔ لیکن وہ
 بھی ناپسند ہوا مگر اتنا نہیں جتنا کہ پہلی دفعہ، ہدایت ہوئی کہ ایک دفعہ پھر
 لکھو، رات بھر بیٹھ کر سیر لکھا اور صبح کو پیش کیا، پورا مہرون پڑھا، اور
 گلے سے لگایا۔ ترغیوں کے بل بندہ سمجھے۔ پہلے جس قدر ان کی تنقید سے
 شرمندہ ہوا تھا۔ اب ان کی توصیف سے شرمندہ ہو گیا معلوم ہوا کہ اس اتحاد
 کی تلقین میں شہید اور دودھ کی لہریز نہری بھی بہا کرتی ہیں، مفتولی میرے
 اس مہرون کی تعریف ہوتی رہی چنانچہ حوصلہ بڑھا اور خود افتخار دی پیدا ہوئی
 اب ان کی بات سمجھ میں آنے لگی، سولانا محمد علی کے ساتھ اس طرح قاضی
 صاحب کی رفاقت شروع ہوئی اور انھیں مبدانِ صوفیت میں لے آئی۔ ایک
 زمانہ بعد میں اب بھی آیا صاحبِ مجددؑ کی ذمہ داریاں بڑی حد تک قاضی صاحب
 پر آن پڑی، محمد علی قومی مصر و نبات میں ٹھہر چکے تھے قاضی صاحب
 نے سیر کلکتہ سے ”ہدایت“ اور جمہوریہ روزنامہ نکالا۔ ۱۷۶ میں وہاں
 ایک سیاسی حلقے کے سلسلہ میں انھیں شہر بدر کر کے تہہ کر دیا گیا
 آٹھ مہینے تک وہ نظر بند رہے وہاں سے چھوٹ کر آئے تو دہلی سے
 روزانہ ”صبح“ جاری کیا۔

۱۹۳۱ء میں قاضی صاحب سربراہِ جدید آبادی کی دعوت اور
 انجمن ترقی اور دوسرے مہتمم مولوی عبدالحق کے اصرار پر جدید آباد آئے
 اور بعد میں پہاڑ سے ایک روزنامہ ”پیام“ جاری کیا، کچھ مدت تک یہ اخبار

ایک لمبے عرصے کے انتظام میں بھی چلا۔ گرینچنگ مشینری کی بدانتظامی اور بد عنوانیوں کی وجہ سے کمپنی ٹوٹ گئی۔ اور پھر تاہی صاحب اس کو چلانے لگے۔ پہلی بار جب پیام منظر عام پر آیا تو ایک غیر ملکی کو قوم پرست آزاد اور بیباک روش بیاں کے ماحول میں پسند نہیں آئی تھی، اور اسی نے مقامی صحافت کو بیاس خاطر سرکار سلامت ردی کی تعبیر ڈھگری رہ گیا ہوتا تھا۔ ایسے زمانے میں "پیام" ایک نئی زندگی کا پیام لایا اور ملکی فہم میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کے اداروں میں لوگ نئے مسائل کو تلاش اور عمدہ فکر کے انداز کو دیکھنے لگے۔ سربراہ کے طنز و مزاح میں انھیں کئی سبق ملے۔ بد دستاخی خبروں میں دنیا کی وسعت کا عکس نظر آیا اور عالم اسلام کے مخصوص کالوں میں حیات اسلامی کے نقوش ملنے لگے۔ مختلف مسائل پر مضامین عام معلومات کی تشنگی کو کم کرنے اور دارالسلطنت کا حال اس کے اہلی روپ میں نظر آنا کبھی کبھی شعور و سخن کی چاشنی منہ کو میٹھا کرتی اور ہر روز کچھ نیا سوچنے کی صلاحیت اجاگر ہوتی۔

حاصل یہ کہ "پیام" اپنی ان معنوی خوبیوں کی وجہ سے عوام میں مقبول ہوتا گیا۔ کچھ مدت تک اس کے مراٹھی اور تلنگی ایڈیشن سندھ میں لدرنیم بھی نکلتے رہے۔ حیدرآباد کے دھندلے سے ماحول میں "پیام" گویا ایک روشنی کا منبہ رہا۔ جو صحیح قومی راستہ کی طرف عوام کی رہنمائی کرتا رہا اور یہ رہنمائی مسلسل بارہ برس تک جاری رہی۔ "پیام" ہی نے لوگوں کو سکھا یا کہ حکومت کی خبر کس طرح لی جاتی ہے اور حکومت سے ٹکر لینے کا کون سا موقع ہوتا ہے، مزدوروں اور کالوں کے حقوق پیام ہی نے بتائے اور جاگیرداروں کی ذمہ داری کے خاتمے کا نعرہ "پیام"۔

ہی نے شروع کیا اور جیہ آباد کی پہلی دفتریت کے خلاف "پیام" ہی
نے آواز اٹھائی، مختصر یہ کہ قاضی صاحب نے اپنے اس اخبار کے
ذریعہ اگر ایک مشن کی صورت میں حق خدمت ادا کیا تو دوسری طرف انہیں
صداقت اور مجلس مدبران جرائد کے ذریعہ فنی حیاتی زندگی کو سنوا دینے
اور اس کو وقت کے تقاضوں کے ساتھ معیاری بنانے میں نمایاں
کے دیا، یہ کہنا بات نہ ہو گا کہ جیہ آبادی بھی منت لو کے قاضی صاحب
سماں اول تھے۔

۱۹۴۲ء کے آخری ہفتہ میں جب کہ دس سال کے لے
قاضی صاحب انہیں صحت کے صدمہ متوجہ ہوئے تب انہوں نے
ایک بصیرت افروز تقریر کی اور فریڈ یونین کے اصول پر تنظیم کی ضرورت
پر زور دیا۔ اور کہہ کر جب مالکان جرائد اپنے منافع اور خدائے کا لحاظ
کرتے ہیں تو ان کو اپنے ملازمین اور ماتحتوں کی ماضی مشکلات کا بھی
سمجھانا چاہیے۔ اس طرح قاضی صاحب نے پہلی بار مقامی صحافیوں
کے لئے فریڈ یونین کا خیال پیش کیا۔ اپنے اس جذبہ میں انہوں نے
یہ بھی کہا تھا کہ بعض بھائی ایسے بھی ہیں جو مجھ سے خوش نہیں ہیں۔ لیکن
اپنی برادری کے درے میں میرے اور ان کے درمیان کوئی حقد
انہی نہیں ہے جس کو عبور اور کوئی فائدہ ایسا نہیں جس کو طے نہ کیا جاسکے
ان کو اپنے سے قریب لانے کے لئے میں ہر ذرا قریبی گوارا کر دوں گا
میں اور وہ اس برادری کی حیثیت سے اس وقت تک ایسا اپنا ایک
مقام رکھتے ہیں جب تک کہ ہم سب کو محرک رکھیں۔
قاضی صاحب کی ہمت و کاوش کا یہی نتیجہ تھا کہ انہیں صحت

اور مجلسِ مدریانِ جرائد میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ پوری ہم آہنگی
 نظر آئی اور حکومت اس کے دزن کو محسوس کرنے لگی وہ نہ ایک ٹانہ ایا
 بھی تھا کہ صیغہ نگار کو تواری میں طلب کئے جاتے تھے اور ذرا دیر سا ہوتا
 ران کو آنکھیں دکھائی جاتی تھیں، ایسا ہی ایک واقعہ قاضی صاحب کے ساتھ
 بھی پیش آیا تھا۔ راجہ بہادر وینکٹ راما ریڈی کی کوتوالی کے تھانے میں
 ان کی قلبی ہوسنی کہ کسی شخصوں یا خبر کے تعلق سے تنبیہ مقصود تھی، قاضی صاحب
 کو تواری کے دفتر میں پہنچے تو ان کے ساتھ وہی برتاؤ دیکھا گیا، جو
 حکومت اپنے نیاز مندوں سے کرتی آرہی تھی لیکن قاضی صاحب کھڑے
 ہو کر جواب دہی کرنے کے بجائے ایک کرسی لے کر اس پر بیٹھ گئے
 اور انہوں نے کوتوال صاحب سے اس طرح پرسش پر سخت احتجاج
 کیا نہ صرف یہ کہ بلکہ انہوں نے حکومت کے ذمہ دار عہدیداروں کو بھی
 اس طریق کار کے خلاف احتجاجی لغظوں میں توجہ دلائی جتنا خوب بعد
 میں صحافت کا تعلق مہم آؤس سے ہو گیا اور سچر محکمہ معلومات عامہ
 تنبیہ صفت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ بعد میں خود قاضی صاحب اس محکمہ
 کی نظامت پر مامور ہوئے اور صحافت و معلومات عامہ کے تعلقات
 میں بڑی خوش گوار استواری پیدا کی۔

ذکرِ بیام، کا بڑا تھا۔ قاضی صاحب کا طرز نگارش اردو
 ان کا انداز بیان وہ اداریوں کی شکل میں ہوا مضامین کی
 نشیں میں بصورت یہ ہوگی اس قدر پسند کرتے تھے کہ ایک بار پڑھنے
 کے بعد سیر پڑھنے کی آمیز باقی رہ جاتی ہے، ایڈیٹر شرم احمد سزین
 کے معاشقے نے جب محبت کا لازوال قالب اختیار کیا۔ اور ملک

معظم نے تختِ دمان سے دستِ مدد ہونے کو ترجیح دی تو اس موضوع
 پر قاضی صاحب کے لکھے ہوئے لہار سے کی اتنی دھوم جو گئی کہ پیام
 کے سچ پرچے جو اسٹاک میں رہ گئے تھے وہ بھی لوگوں کے لئے گئے۔
 جب ایک پرچہ بھی باقی نہ رہا تو کچھ کالج سے طالب علموں نے دسری ہال
 کے اخبید سے اس معون کی نقل کر لی۔ مولانا محمد علی پڑھانی صاحب کی
 حیدر آباد ریڈیو سے نشر کی ہوئی تقریر جب "پیام" کے صفحات
 پر شائع ہوئی تب بھی پیام کی ماری کا پیاں ہاتھوں ہاتھ تک گئیں
 دوسری بڑی جگہ کے دوران میں جب دنیا کا نقشہ بدل رہا تھا
 اور قاضی صاحب اس بدلتے ہوئے نقشہ پر اپنے بصیرت افزا
 تبصرے لکھتے تھے تب "پیام" کے پڑھنے والوں نے محسوس کیا
 کہ اب جنگ پر چلی جانے والی چالوں کے بائے میں ان کے اندازے
 کس قدر بچے نکلے تھے۔ ان کی منیر کے سامنے ملک کے مختلف نقشے
 لگے ہوئے تھے اور اطراف میں کتابوں، اخباروں اور رسالوں کا ڈھیر
 ہوتا۔ صبح شام اپنی کثیر ڈاک آپ دیکھا کرتے اور اپنے اندازے اور
 رضا میں خود اپنے قلم سے ہی لکھا کرتے۔ قاضی صاحب کی صحیفہ نگاری کی
 خصوصیت بھی وہی تھی جو محمد علی کی تھی جس کا ذکر قاضی صاحب اس طرح
 کرتے ہیں، ان کی صحیفہ نگاری کی ایک اور خصوصیت قابل ذکر ہے
 وہ زیادہ تر تھے کہ خبر کسی عقیدے کے اخبار نویس محضہ کا گذاری
 ہے۔ اخبار کا کام رائج عام کی رہنمائی کرنا ہے۔ وہ اس طریقہ
 پر مشہور تھے۔ اخبار کے داربار کی کامیابی کے لئے اخبار کو
 ہر روز غور کرنے کے لئے پڑھنے والوں کے خیالات کی تائید

کی جائے۔ اس اصول کی خاطر انہوں نے ”ہمدرد“ کی عام مقبولیت کو نقصان پہنچانا گوارا کیا لیکن اپنے عقائد کی انفرادیت کو متاثر کر کے کبھی اپنے اخبار کو کامیاب بنانا پسند نہیں کیا، وہ اس بات کے قائل تھے کہ اخبار میں اس کے مدیر کی شخصیت کا عکس پوری طرح نمایاں رہے شہرت کے لیے میں عوام کے مذاق اور خواہشات کو رکھ کر اس پلے کو بھاری رکھنا اپنی توہین قرار دیتے تھے۔

قاضی صاحب کا ہر مضمون اپنے رنگ میں ایک شاہکار معلوم ہوتا تھا۔ ان کے آخری دور کے مضامین میں سرحد جنی دہلی اور جواہر لال نہرو اتنے پسند کئے گئے کہ ملک بھر سے کئی امداد خباہوں اور رسالوں نے ان مضامین کو نقل کیا۔ قاضی صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ہر موضوع پر چاہے اس کا تعلق تاریخ سے ہو یا ادب سے سیاست سے ہو یا معاشیات سے یا انسانی اور قومی زندگی کے کسی پہلو سے ان کی معلومات بہت گہری تھیں، ان کی رات کا بیشتر حصہ کلمے پڑھنے میں صرف ہوتا تھا۔

۱۹۱۶ء

تصویر کار چھاپہ مجلس مجلی سے جنوری ۱۹۱۶ء میں یہ
 محکمہ سالانہ نمودار ہوا ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا
 سر رست سید عبدالکرم حاجی جعفر اور مرثیہ محمد اویس صاحب سے
 قیمت سالانہ پیشگی ذریعہ روپیہ سستی وادری الیکٹرک پرنسپل میں
 چھپا تھا۔ سرور ذرا پر حسب دلی شوریج ہوتا تھا۔
 دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
 ب ذرا گردن اٹھائی دیکھتی
 ۱۹۱۶ء کے شمارہ میں سے چند شعرا کا منتخب کلام نقل کیا جاتا ہے
 ذرا علی صاحب مدنی سید دہلوی، ہستم احسن الکلام

جان سے میرے قالب میں نہ دل ہے میرے سینے میں
 نہ نہنہا سہد میں ہوں ساتھی ہیں مدینے میں

در محبوب تک پھرا ہوا ہم آوارہ گردوں کا
 الٹی فردش تقدیر لے جائے مدینے میں
 وہ محو بے خودی ہوں میں کہ مجھ پر کچھ نہیں کھلتا
 تصور میں مدینہ ہے کہ میں موجود ہوں مینے میں
 اتر جائیں گے سید پارہم طوفان عصیاں سے
 بٹھالیں گے ہمیں حضرت شفاعت کے سفینے میں
 خواب بلاغت امر و موی ایڈیٹر سالہ ترقی سخن پتی سے
 دل کو خدا کی یاد سے بے گانہ کر دیا
 تری خودی نے کہنے کو تنہا نہ کر دیا
 بادہ کشی نے تجھ سے یہ اچھا کیا سلوک
 بریز تری عمر کا پیمانہ کر دیا
 ماضی رفعا پر اس کی بلاغت ہوں کیونہوں
 ایسا نہ کر دیا مجھے دلیب نہ کر دیا
 خواب فشی جو سر صاحب بنا دسی ڈرامیٹ پتی سے
 چمکنے کیا سکھائیں گے ہمیں تو نے سکھایا ہے
 تڑپنا لوٹنا، بیتاب ہونا، بے خبر ہونا
 شراب وصل کی آجوسر یہ اک ادنیٰ کرامت ہے
 نشہ ہونے سے پہلے آنکھ پر ہر اثر ہونا
 مناب ایس ایم گنجور دہلوی، ہتم رس از عشوہ بار دہلی سے
 چل کے جب ناز قیامت کے دکھائے کوئی
 کہوں نہ سوتے ہوتے نقیوں کو جگائے کوئی

ان گلوں میں نہیں کہہ بولے دغا اے گنجور
باغ عالم میں کبھی دل نہ لگائے کوئی

جون مسئلہ کے نگار میرٹھ میں اس رسالہ پر یہ رپوٹ لکھی۔
یکم دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ کار سال ہے جو صاحب کی ایڈیٹری میں بھی
جیسے خوش موڈ فہرے ہر ماہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے، اس پر
شعر کے مضامین بہت کم پڑتے ہیں زیادہ تر غزلیں ہوتی ہیں جو بہ اعتبار بازار
اچھی ہوتی ہیں، چند ماہ سے تنقیدی مضامین بھی تصویر پر میں پائے جاتے ہیں
غیر فاضلانہ بیچ کے لئے مفید ہیں، ہم صابری صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں
اردو دہاکرے ہیں کہ وہ بھی جیسے شہر میں جہاں اردو کا نام دشت ہی نہیں ہے
اردو کی خدمت کے لئے کربانہ ہیں لہذا ان کو زور شہر کے لیے بھی کے ہمارے برابر
لکھائی، چھاپائی کاغذ نفیس سالانہ چندہ درود پے آئے آئے تھا۔

محمد الیاس صاحب | صاحب صاحب الیاس کے رد سائمن میں سے تھے
ان کے دادا حاجی ہاشم اندان کے والد حاجی
محمد صدیقی تھے۔ ان کے والد کو بھی شہر و غری کا شوق تھا ان کا من مخلص
رکھتے تھے اندان کو علم و ادب سے بھی دل چسپی تھی، مگر سندھ شہر شفا
بہی کے متقل کہنے والوں میں سے تھے فقیر محمد قدا کو اپنا کلام دکھاتے
تھے۔

محم تبر جو سب سے زماں ہوتا ہے خود بخود درود دے دل بعبان ہوتا ہے
نصیح بیلا دین وہ میر و کسان ہوتا ہے بزم خدیوہ عالم کا مکان ہوتا ہے
حسن اسٹ عالمی کے لئے رنج ہے اس منتق کوئی اخلاص کہاں ہوتا ہے
نہا برہ حب انجن ترکی سخن یگانے کے زیبا تمام ہا تم کا جو سالاد

شاعر ہوتا تھا اس کے ہتم تھے سہ
 قتل آنکھوں پر سے یہ رشک قمر کرتے ہیں
 مار رہتے ہیں اسے جس پہ نظر کرتے ہیں
 ایک ہم ہیں زلبر کرتے ہیں روڈ کو رات
 اور اک وہ ہیں کہ سو سو کے سو کرتے ہیں
 ہجر میں صبر کچھ آساں نہیں ہے صابر
 جو یہ کرتے ہیں وہ خون اپنا جگر کرتے ہیں
 نجیب آباد ضلع سمجور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۷ء
 کو جلعہ افروز ہوا۔ ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔
 احسان اللہ فاں تاجور ایڈیٹر تھے سالانہ چھ ڈیڑھ روپے تھا۔
 رسالہ خیال ہاپور کے اگست ۱۹۱۷ء کے پرچہ میں اس سال
 پر دیویش ناتھ ہوا تھا۔

اس نام کار سالہ جناب احسان اللہ فاں صاحب تاجور مولوی فاضل
 کی ایڈیٹری میں نجیب آباد ضلع سمجور سے نکلتا شروع ہوا ہے جس کا
 مقصد اردو علم و ادب کی ترقی ہے اس کے پہلے حصہ میں نثر کے مضامین
 میں شعراء عرب کے کلام بلاغت نظام کی شرح، الفاظ کی صحت، نہایت
 خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھی گئی ہے دوسرے حصہ میں ہم طرح غزلیں
 ہیں جن میں نجیب آبادی شعراء کے سوا دیگر سخنوران کا کلام بھی درج
 ہوتا ہے۔

عبرت | نجیب آباد سے یہ مآلہ رسالہ جنوری ۱۹۱۶ء کو نکلا، ۲۴ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رسالہ عبرت پر ذوالقرنین میرٹھ کے ۱۲ ارزدی کے شمارہ میں یہ رپورٹ ہوا تھا۔

”اس رسالہ کا خاص مقصد علم تاریخ کو ترقی دینا ہے جتنا اصلاحی مذہبی اور تمدنی مفاد میں بھی شائع کرتا ہے۔ اب تک صرف دو نمبر شائع ہوئے ہیں دوسرے نمبر سے خاص نجیب آباد (جہاں سے یہ پیرچھا ہوا) شائع ہونا شروع ہوا ہے اکی تاریخ پچھنہ شروع ہوئی ہے ملک میں ایسے رسالہ کی جو تاریخی مفاد میں کے لئے وقف ہے عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔“

آب حیات | میرٹھ سے یہ مآلہ رسالہ جنوری ۱۹۱۶ء کو شائع ہوا۔ ۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ ۱۲ ارزدی ۱۹۱۶ء کے ذوالقرنین ہدایوں میں اس رسالہ پر رپورٹ شائع ہوا تھا۔

”یہ ہوا رسالہ میرٹھ سے شائع ہوتا ہے اس رسالہ نے مسلمانوں کو عملی طور پر مختلف قسم کے ضائع اور فنون سکھانے کا بیڑا اٹھایا ہے پہلے نمبر میں آئندہ کا پیرگرام دیا گیا ہے، اس میں ۲۶ قسم کے نمبر درج ہیں جس کی تعلیم کے متعلق مسئلہ معلوم اس رسالہ میں درج ہوا کریں گے اس رسالہ کا تعلق شہادتِ قیم قاد میرٹھ سے ہے جہاں صنعت و حرفت سکھانے کا ایک مدرسہ بھی کھولا گیا ہے“

لمعات

لاہور سے جنوری ۱۹۱۶ء کو یہ روزانہ اخبار وجود میں آیا۔ مولانا اختر علی خاں فرزند ارجمند مولانا ظفر علی خاں چودھری غلام حیدر خاں اور مولانا عبداللہ نعمادی نے عہدہ کیا تھا جو کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا۔

پہلا نمبر سالہ بدایوں سے ۱۹۱۶ء کو نذر آہ ہوا۔ خان بہادر امین الدین حیدر

نیو پوری اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔
تفصیلی پریس بدایوں میں چھپتا تھا۔ درساں نکلنے کے بعد بند ہو گیا

رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ مطابق جولائی ۱۹۱۶ء

معارف

کوہیہ علمی و ادبی رسالہ اعظم گڑھ سے دارالمفین
اعظم گڑھ کا ترجمان جاری ہوا۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے ایڈیٹر حضرت
علامہ سید سلیمان ندوی تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ مطبع
معارف اعظم گڑھ میں چھپتا تھا۔

شمارہ اول جولائی ۱۹۱۶ء میں رسالہ کے غرض و مقاصد
پر حسب ذیل روشنی ڈالی ہے۔

” ملک میں روز بروز خالص علمی چیزوں کی طرف سرومہری پھیلی
جاتی ہے، فرزندِ ان تعلیم جدید جو ہماری آئندہ قوتِ تھاک سنگ بنیاد ہے، وہ
اتنے بڑے نیکلے کہ از سر نو ایک نئی عمارت کا بلوچہ اٹھانے کے بجائے
اپنی پرانی چھوٹی کو بھی الیادام سے نہیں بچا سکتے، علمِ کرام سے امید تھی کہ وہ
اس فرعون کو سب سے بہتر ادا کر سکیں گے کہ ان کی تعلیم و طلب علم کا نصب العین
دفا تر سرکاری اعزاز اندہ حکام دنیا کا اکتساب نہیں ہے۔ لیکن ان کو بھی

رد مختار کی جزیات اور تاثر غانیہ کے نقادی سے فرصت کہاں؟ اسی بنا پر
حضرت استاد علامہ شبلی نعمانی مرحوم دارالمنین کے ساتھ ساتھ فقہ
نام کا ایک ماہوار علمی و دینی رسالہ کا تخیل بھی رکھتے تھے ۵۷
آں قدح بشکست دکان سانی نمائند

حاشیہ ثانیان ب و فیل نے اس محسن اعظم کی یادگار میں فیصلہ کلیا
تھا کہ اپنی ب و سبران کی تمام تحریکوں کو وہ زندہ رکھیں گے دوسال کی
گذشتہ مدت دارالمنین کے قیام و نامیس پر صرف ہو گئی اب جب ادر
سے المہینان میر آیا تو دوسرے ذرائع یا آئے۔ ان میں سے ایک طارت
کا بھی اجراء تھا۔ ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ملک ایک خالص علمی رسالہ
کی اعانت کے لئے کہاں تک تیار ہے۔ تاہم ہر شخص اپنے ذرائع کا
ذمہ دار ہے۔ ملک میں اس وقت علم و مذہب کے متعلق جو خیالات
سبھی پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ بالکل غیر معتدلانہ ہیں، کچھ ایسے اشتیاس ہیں جو
عقل پرستی کے طور میں مذہب اور مذہبی علوم کے ساتھ جا پانا منسوخ سے
نہیں فرماتے، دوسری طرف کامیان مذہب و علوم کا جہور اعظم سے جو غفلت
علم، مصالح و حکم، فلسفہ و اسرار کی ضرورت سے منکر ہے ملک میں دونوں
قسم کے مضامین اور تصنیفات ہر روز شائع ہوتی ہیں۔ ہمارا جماعت صلح
عام کی ندادی ہے۔ وہ دونوں فریق کو مضامین . . . وہ جدید علوم
تازہ خیالات، نئی تحقیقات کی سببان دول خریدار ہے لیکن اس کے ساتھ
میں اپنے بزرگوں کا اندوختہ کھونا نہیں چاہتی ہے یہ ان نادالوں پر ہستی
ہے جو تمام سرمایہ عمر دے کر بالذکر فرنگ کی ہر محنتی ہوئی چیز کے خریدار بن جاتے
ہیں وہ ہر چیز کو خریدنے سے پہلے یہ جان لینا چاہتی ہے کہ کیا بھائے

بزرگوں کے تاریک تہ خانوں، دیران خانوں میں اور دفون خزانوں میں یہ موجود تو نہیں۔ اگر ہے تو وہ کون اتھن ہو گا جو گھر میں ایک چیز کو چھو کر اسی کی تلاش میں گلیوں اور نارروں کی آلودہ گردی قبول کرے گا، دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے لوگ اپنی وضع تبدیل کر رہے ہیں مذاق، تمدن، طرز معاشرت، طریق تجارت، اسلوب گفتگو، ہر چیز میں نمایاں انقلاب ہے اب اگر دہلی کی پرانی وضع میں ایک تنگ دھار ایک گلی سے اندھ ایک چھوٹی سی دوکان میں بیٹھ کر دلی دکنی اور منظر جانناں کی زبان میں ہم اکسبر بھی پیچ تو کون ٹریدنے آئے گا۔ ہمارے گزشتہ علوم و فنون کا بعینہ یہی حال ہے۔ ہم کو اسی سامان و متاع کو لے کر اب نئے ساز و سامان سے موجودہ طرز کی ایک بڑی شاہ پس بیٹھ کر دنیا کی المادیوں میں اپنی دوکان سبانی چاہیے۔

اس رسالہ کا موضوع اور مقصد عجوبی سمجھے۔ بے تھوڑی دیر کے واسطے بہ زہن کر لینا چاہیے کہ زمانہ اپنی موجودہ تہذیبوں کے ساتھ قائم ہے لیکن موجودہ نسل کی بجائے ہمارے اسلاف کا علمی گروہ دوبارہ دنیا میں آگیا ہے، اس حالت میں اب غور کر دو کہ اس گروہ کے کیا علمی ہمت ہوں گے۔

”اس سوال کا جواب تیا سی اور فرضی نہیں بلکہ اصول تجربہ کے موافق دیا جا سکتا ہے۔“

گزشتہ بالا خیالات کے مطابق معارف سے جن خدمات کی توقع رکھنی چاہیے اور اس کے مقاصد میں جو نوعیت پیش نظر ہوگی وہ حسب ذیل ہے۔

نفسہ حال کے اصول اور اس کا مقصد بہ حصہ پہلک میں لایا جائے۔ مصلحت
اسلام کو دلائل عقلی سے ثابت کیا جائے معلوم قدمہ کو جدید طرز سیر و
ترتیب دیا جائے علوم اسلامی کی تاریخ لکھی جائے اور بتایا جائے کہ
اصل حصہ کہاں تک تھا اور مسلمانوں نے اس پر کیا اضافہ کیا علوم مذہبی
کی تدوین اساس ہے عہدِ محمد کی ترقیوں کی تاریخ ترتیب دی جائے۔ اکابر
سلف کی سوانح عمریاں لکھی جائیں جن میں زیادہ تر ان کے معجزات اور ایجابات
سے بحث ہو عربی زبان کی نادر الفن اور کیاب کتابوں پر رپوٹ لکھا جائے
اور دکھایا جائے کہ ان خزانوں میں ہمارے اسلاف نے کیا کیا زبد جو ہر
امانت رکھے ہیں اور سب سے آخر لیکن سب سے اول یہ ہے کہ قرآن مجید
کے متعلق عقلی، ادبی، تاریخی، تمدنی اور اخلاقی مباحث جو پیدا ہو چکے ہیں
ان پر محققانہ مضامین شائع کئے جائیں۔ اگر صرف ان ہی مفاد صرفت
کرتی جائے تو بھی ہمارے نزدیک بڑا کام ہے لیکن چونکہ یہ مضامین
عموماً روکھے اور پختے اور مذاقی عام میں بے مزہ ہوں گے اس لئے
ادبیات، مباحث حاضرہ، مطبوعات جدیدہ، انتقاد و تقریظ۔
کے عنوانات سے ان کی تلخی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔
ملک کے معتمد و محدث اہل قلم ادیب و مورخ و ناقد شاعروں
نے اس رسالہ میں اپنے مضامین و کلام شائع کرایا جن کے نام یہ ہیں
مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا سعید احمد انصاری رفیق دارالمصنفین
انظم کراچ، پروفیسر نواب علی ایم، اے۔ شیخ عبدالقادر ایم، اے۔ پروفیسر
الفن کالج ممبئی، مفتی انوار الحق ایم، اے ڈاکٹر تعلیمات، ریاست
بھوپال، مولوی محمد عباس ایم، اے پروفیسر ادیب کالج ممبئی، مولانا الطاف حسین علی

مولانا عبدالماجد دیا آبادی، بی، اے، مولوی اقبال احمد سیلوی، اے
 حاجی عبدالرحمن حیرت، مولانا حمید الدین بی، اے، احمد دارالعلوم قیوم آباد
 دکن، مرزا اسحاق احمد بی، اے، حاجی معین الدین ندوی رفیق دارالصفین
 اعظم گڑھ، مولانا حبیب الرحمن خاں حسرت شیردازی، مفتی معین الدین
 حسن بی، اے۔ آرزو شوق ناسک، مولانا محبوب الرحمن کلیم بی، اے، وکیل
 سسٹف، جمال آباد، ایم ہدی حسن، شیخ محمد اقبال، مولانا نیا زفقوری ندوی
 مولوی الف دین صاحب نفیس وکیل قبل پور دغبرہ وغیرہ۔

اس علمی و دینی رسالہ نے ابتدا میں جو اپنے افرام و متعصبین
 کے تھے اس نے ان کو پورا ہی نہیں کیا بلکہ عدل سے بڑھ چڑھ
 کر کام کیا۔ آج تک یہ رسالہ بڑی آباد تاب سے جاری ہے اس کو
 جاری کمرے ۶۷ سال ہو گئے یہ رسالہ علمی و دینی اوراق دلی طبقہ میں
 بڑی وقعت و عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس کے ذریعہ علمی
 و تاریخی مضامین سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس رسالہ میں کتنا
 علمی و تاریخی خزانہ جمع ہے اور کس قدر اس نے اسلام کی خدمت
 انجام دی ہے۔

اس رسالہ نے جو سنجیدہ اور تحقیقی لٹریچر پیش کیا ہے اس سے
 اس رسالہ کی مقبولیت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے رسالہ معارف کے
 بارے میں یہ خیال ظاہر کیا تھا۔
 ”یہ ایک رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے“

یہ رسالہ گرامی شریعہ کے مسائل کے مسائل سے دئے گئے۔

حضرت مولانا محمد علی جوہر کو بھی اس رسالہ سے بڑا الش تھا۔
 بھی اس رسالہ کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں۔
 ”میرے متحد انگریزی ساتوں کی مجلس نہیں بندی
 میں یہ شرف خاص معارف کو حاصل ہو گا کتابت کی
 محفلات تیار کرانی چاہیے۔“

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے ایک خط میں رسالہ
 معارف کے متعلق علامہ سید سلیمان صاحب کو یہ تحریر فرمایا تھا۔
 ”معارف کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں صرف یہی ایک پرچہ
 ہے اور ہر طرف سناٹا ہے اور آپ کی صورت اس کے بہت
 ایک ایسی جگہوں کی ہے جو قدرت علم و تحقیق کے محقق ہے۔
 جناب مولانا عبدالمجید مالک نے رسالہ ماؤنڈ کراچی مہذب جلد ۱۹۵۷
 میں سالہ معارف کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا۔ اس سالہ کے بارے
 میں یہ رائے دی تھی۔“

۱۹۷۶ء میں دارالمصنفین کا مشہور و معروف رسالہ
 معارف جاری ہوا جو بلا مبالغہ دنیا کے اسلام کا بہترین علمی و تحقیقی رسالہ
 ہے جس نے ہمارے تاریخ و تحقیق کے ذخیرے کو مالا مال کر دیا ہے۔
 رسالہ معارف کی شہرت بیرون ہند میں بھی ہے خیال نہ فرمائیں
 ناکسن کیمبرج نے اس سلسلے کا فائدہ سباحث علمی مقالات، مستشرقانہ
 معلومات اور مشرقی و مغربی علوم و معارف کی آمیزش کی داد دی ہے، اور
 اس حیثیت سے ہندوستان کی علمی ترقی پر اپنی خوشی کا اظہار کیا
 ہے۔

ہم کھنڈ ۲ لاٹوش روڈ سے یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء کو یہ روزانہ اخبار نمودار ہوا۔ چیمبرغوں پر نکلتا تھا بھالاب دھوی ایڈیٹر تھے، سالانہ چند بارہ رد ہے تھا، خواہ المطابع محلہ موچیرہ میں طبع ہوتا تھا۔ سرمدی پر جناب کبر الہ آبادی کا یہ قصہ درج ہوتا تھا۔

پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو
حامی نہ کسی خواب سازش کے رہو
قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر
اول سبکدستی تم برائش کے رہو

اس اخبار میں ملکی و غیر ملکی خبروں کے ساتھ معلومات اور نوٹس بھی شائع ہوتے تھے اس کا اجرا ایسے پر آشوب زمانہ میں ہوا جبکہ ۱۹۱۶ء کی جنگ عظیم کے اثرات تھے، پندرہ ستانی اخبارات کے لئے سخت قانون نافذ تھا، دراز اسکی بات پر مضامین ضبط کر لی جاتی تھی اور مقدمات دائر ہو جاتے تھے ایسے حالات میں اس اخبار نے اپنی آزادی پالیسی کو برقرار رکھا اور اپنے ضمیر کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور نہ ملکی و قومی مفاد کو نظر انداز کیا۔

اخبارات کو پریشر کرنے کی مختصر سی داستان ۸ اربزدگی ۱۹۱۶ء کے شمارے میں پڑھے کس طرح اخبار کارکن اسے ضمانت طلب کی گئی "نہایت افسوس ہے کہ محض کارکن" لاہور سے جس کو ہمارے مخدوم مولانا عبد اللہ اتحادی بڑی قابلیت و لیاقت کے ساتھ چلائے ہیں صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور نے ایک مہلور روپے کی ضمانت طلب کی ہے

از تابخ مقررہ تک اس مطالبہ سے عہدہ برآ نہ ہو سکنے کے باعث
 مقتضی کو عارضی طور پر اخبار کی اشاعت روک دینی پڑی۔
 خدا کرے یہ جبر یہ قطعاً و حیدر دوز سے زیادہ کی ثابت نہ ہو، اور
 اردو جہلزم "کن" جیسے لائق ہنر کی کمی ایک شدید نقصان ٹانگنا
 پڑے۔ طلبی ضمانت کی وجہ کن کو اس کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوئی ہے
 کہ محل میں اس کی ملکیت سردار عبدالرحمن صاحب بخیر ذمہ کلکٹر نیر
 سے سردار حبیب اللہ صاحب پیر پٹلا ہمداد بولوی غلام محی الدین کی ہے
 وکیل قصور پر منتقل ہوئی اور اس کی وجہ سے ڈگریشن دینے کی ذمت
 آئی وہ ڈگریشن اگرچہ پہلے بلا طلبی ضمانت لے لیا گیا تھا لیکن اب
 صاحب ضلع نے اسی کے سلسلہ میں ایک ہزار روپیہ ضمانت داخل
 کرنے کا حکم دیا۔ ملکہ پریس ایکٹ کی رو سے صاحب ضلع کو اس کا
 اخفیہ حاصل ہے کہ کسی نے سطح کو خواہ ضرور میں ضمانت سے
 مستثنیٰ کر دیں مگر بعد میں جب چاہیں اس سے ضمانت مانگ لیں لیکن
 اب اختیار امتثال کرنے کے لئے پیچہ و جود ضرور محرک ہونے چاہیے
 اور کن کے غائب ہے کہ صاحب موصوف نے اس کے رویہ کی بابت
 گورنمنٹ کو کوئی شکایت نہ ہونے کا اظہار کیا، پھر سمجھ میں نہیں
 آتا کہ ضمانت مانگنے کی ضرورت کس بنا پر محسوس ہوئی، و تحقیقت
 پریس ایکٹ کی سب سے ناگوار خصوصیت یہی ہے کہ وہ آرٹیکل ۷
 قصور سے پہلے ہی لوگوں سے عہدہ ہارنے کے منوب کر دیتا ہے۔
 اخبارات پر سختی کا یہ عالم تھا کہ نئے اخبارات جاری ہونے
 بند ہو گئے تھے چنانچہ ۶ اربوری سکوائر کے شمارہ میں اسی سختی کا

بہ نقشہ کھینچا ہے۔

شور سے عرصہ قبل تک یہ بات نئے سال کی خوشگوار خصوصیات میں داخل سمجھی جاتی تھی کہ اس کے ساتھ ملک کے ورثہ پر ریس کی طاقت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا تھا اور دو چار جدید وقت ایشیوں پر چے عموماً ہر سال ماہ جمادی میں نکلتے تھے۔ جن میں سے بعض تو اپنی مستحکم کوشاں کرکھنے میں کامیاب ہوتے تھے اور بعض اپنی خلعت کی کمزوری سے کافی نشوونما حاصل کرنے کا موقع نہ پا کر کسی حادثہ کا شکار ہو کر جدید ہی ہفتہ بعد ملک عدم کی راہ لیتے تھے۔ اور بے کھیلے مرجھانے والے عینوں کی حسرت انگیز منت ماوراء القابلے تھے لیکن یہ حیثیت مجموعی ہر ایک نیا سال ملکی پریس کی حالت میں کچھ نہ کچھ نرنگی اور صراحہ ہرگز نہ ہوتا تھا۔ اور اسی تناسب سے ملک کو اپنے جذبات کی ترجمانی اور حقوق کی حمایت اور گورنمنٹ کو رہائی کی ضرورت سے آگاہی اور عوام کے خیالات سے واقفیت ہونے کا فائدہ سمجھتا تھا۔ لیکن آج کل ایک طرف پریس ایجنٹ کی بہ گیری اور ڈیوٹری جانب کاغذ دسماں سطح کی غیر معمولی گرائی نے خود پیرائے اخباروں کی زندگی کو خطہ میں ڈال رکھا ہے پھر کوئی شخص نیا پرچہ نکالنے کی جھلک بجا جرات کر سکتا ہے۔ چنانچہ آج نئے سال کا دول ہمدیہ نصف کے قریب طے ہو چکا ہے۔ لیکن ابھی تک کہیں ہانہ نہ ہسی رسالہ العربیہ کے سوا جو جنرلی منہ کے ذرا اتنا مقام بلکھور سے نکلا ہے ۵

آزادی کی تحریک کو دبانے کے لیے ہندوستانی رہنماؤں پر حکومت

برطانیہ نے بڑی نیادیتیاں کیں ان پر غلط ازام لگا کر نغز بند کیا
 خباثت یہی سلوک مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ کیا گیا جس پر اخبار
 ہمد نے ۲۲ فروری ۱۹۱۷ء کے شمارے میں رگڑنی ڈالی ہے۔
 مولانا ابوالکلام آزاد ابوظیر ابلہ غ کی حدود تحت مسلمانان ہند
 کے دلوں میں ہے ان سے گد غنٹ پنے خبر نہ ہوگی معلوم اسلامیہ
 کے ایک جیفا فضل اور اعلیٰ درجے کے افشاریہ لہذا و متفرق ہونے کے
 علاوہ ایک نہایت نبد گیش کے اکلوتے بیٹے اور جانشین ہیں مولانا ابوالکلام
 کے والد ماجد مولانا خیر الدین احمد مرحوم ایک بڑے خدا رسیدہ بزرگ
 تھے جن کے مریدین دستھین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے اور وہ
 تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مولانا ابوالکلام اپنے والد
 کی وفات کے بعد ان کی تمام خدمات اپنے سر لیں اور درس و
 تدریس کے علاوہ تالکین کی مقصد رسانی میں مشغول ہوئے لکھتے ہیں
 جہاں مولانا ابوالکلام کے والد اور خود ان کے مریدوں کی تعداد نسبتاً
 زیادہ ہے اور ان کی کچھ جائداد بھی ہے ان کا سلسلہ درس و ہدایت
 خانوشی سے جدی تھا۔ اور کلام اہل اسلام کو فیض پہنچانے کے لئے
 اسفوں نے ایک مذہبی رنگ کا اخبار کجوزکال رکھا تھا کہ یکایک گورنمنٹ
 ہنگال کا ایک حکم ان کے نام پہنچا جس میں انھیں حدود رینگال سے
 باہر چلے جانے کی ہدایت کی گئی، مولانا ابوالکلام نے اس حکم کی نہایت
 خانوشی سے تعمیل کی اور اپنے مریدین و معتقدین کو حدود ہدایت فرمائی
 اور چھوٹا ناچکرو کے دور افتادہ مقام ماچھی میں حاکم مقیم ہوئے اور
 وہاں کی پولس نے ان سے سمجھوتہ کیا تھا اس کی شرائط برابر

عمل کرتے رہے مسلمانانِ کلکتہ کو مولانا کے جانے سے بہت رنج ہوا اور
۶۰ ہزار مسلمانوں کے دستخطوں سے ایک میموریل گورنمنٹ بنگال کی خدمت
میں بھیجا گیا جس میں اس حکم پر نظر ثانی کی درخواست کی گئی تھی، اس
کے بعد وہاں کے بعض مسلمان لیڈروں اور مرکزی اعلیٰ درجہ داروں میں جو
گفتگو ہوئی اس سے پایا گیا کہ بنگال گورنمنٹ اپنے سابق حکم میں ترمیم
کرا کے اور مولانا ابوالکلام آزاد کو کلکتہ واپس آنے کی اجازت دینے سے
لے آمادہ ہے لیکن اسی اثنا میں بہار اور اڑیسہ کی گورنمنٹ
نے دہشت گردانہ کی نظر بندی کا حکم صادر فرمایا۔ اور ایک سرکاری کنبو
ہیں جو اس کے بعد شائع ہوئی ظاہر کیا گیا کہ مولانا ابوالکلام گورنمنٹ
کے دشمنوں سے سازشاً خط و کتابت کرتے تھے اس پر مولانا نے
ایک عرضداشت گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجی جس میں اس الزام سے
اپنی کامل بریت جتائی اور گورنمنٹ سے وہ وجہ دریافت کی جس کی
بہار پر یہ الزام لگایا گیا ہے۔

کلکتہ کے ایک منصف العمر رہنے والے بھی قربانی دینے سے
گریز نہیں کیا ۲۸ جولائی ۱۹۴۷ء کے شمارہ میں ان کی گرفتاری پر
تبصرہ شائع ہوا ہے۔

”جو ان ہمت مولوی بیانت حسین باوجود کبرسنی و ناقوانی کے برابر
سودیشی کام میں مصروف ہیں اور چونکہ کلکتہ میں کئی سال سے متواتر
ان کو تقریروں کی ممانعت کی جارہی ہے اس لئے وہ دیگر مقامات
میں جا کر اپنی سرگرمی کا اظہار کرتے ہیں سال گذشتہ مولوی صاحب
موصوف نے بانکپورہ کے خط و کتابت کی امداد کے لئے سجن میں

ڑا حصہ سدا زوں کا تھا۔ کلکتہ سے معقول جہد جمع کیا اور خود وہاں جا کر
 فیروز خانہ تقسیم کرایا اب ڈھاکہ سے ان کے گرفتار ہونے کی خبر آئی
 ہے اور غالباً یہ گرفتاری قانون تحفظ منہ کے ماتحت کی گئی ہے نہیں
 تعجب ہے کہ بڑے مولوی یاقوت حسین اپنی تقریروں سے ڈھاکہ میں
 حفظ عامہ کے لئے کوئی ”دھم مضر“ پیدا کر سکتے ہیں جاہلیدہ
 گورنر کمال گاؤں میں چکر لگا کر اور غریبوں سے پریشانی اٹال کر کے
 لوگوں کا دل اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں بالکل۔ یہ ایک اور مرد
 عالم مولوی امام الدین بھی اور خواجہ غلام محمد بھی۔ یہ دارجلک بھی
 چاہئے ہیں اور ان کی مابت وقتاً فوقتاً کمی منگیں اٹھ رہی ہیں
 ہیں، جو کوئی خبریں غلط ثابت ہوئیں اور ان کے تجریت ہونے کی
 خبر ملی، کلکتہ میں مولوی یاقوت حسین کا طلبہ پر امام الدین کا
 لوں کے مزدوروں پر غیر مولوی اثر ہے۔

۱۰۔ اگست ۱۹۱۷ء کے پرچہ میں مولوی یاقوت حسین کی
 سزا یا بی کی خبر بھی ہے۔

”مولوی یاقوت حسین صاحب جن پر اس الزام پر مقدمہ چلایا
 جا رہا تھا کہ انہوں نے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے سے روکا
 زوردار دادرم لگا دی گئی اور قانون تحفظ منہ کی دفعہ ۲۳ کے تحت
 در سال کی قید یا مشقت کی سزا دی گئی۔“

مولوی یاقوت حسین صاحب کی گرفتاری پر ۱۹ اگست ۱۹۱۷ء
 کے شمار میں ایک نوٹ لکھا گیا
 ”مؤرخہ حصہ یعنی کرائیکل کے نامہ نگار نے مولوی یاقوت حسین

کے حرم اور گرفتاری کی تفصیلات شائع کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا نام بحیثیت ایک بہادر سودیشی لیڈر کے طور پر بنگال کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے، سودیشی تحریک کے بارے میں چار سال پیشتر بھی آپ سے اور گورنمنٹ بنگال سے مخالفت ہو چکی ہے مولوی صاحب آید شریف سلمان خاندان سے ہیں اور ان کی جرأت اور استقلال کا ثبوت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا کہ باوجود ایک مرتبہ معیبت اشفاق کے بھی آپ بیلک لائف سے علیحدہ نہیں ہوئے اور پولس تو ایسے لوگوں کو کبھی سبول ہی نہیں سکتی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت وہ سبھی سال کے لئے اپنی آزادی ملی ہے مردم بھر چکے ہیں لیکن پھر بھی سودیشی کے متعلق ان کی تحریک روز بروز بڑھ چکا رہی ہے۔

اس اخبار میں محب وطن، انقلابی ہستیوں، اومیروں، مشاہیر اور علماء کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ان حضرات کی وفات پر تاریخی قطع اور ان کے مختصر حالات بھی شائع ہوئے تھے، ۲۱ مارچ ۱۹۷۱ء کے شمارے میں مرزا آدج کی خبر شائع ہوئی ہے۔ مرزا آدیر مغفور کے خلف الرشید و یادگار جناب مرزا محمد حفیظ صاحب آدج کا رشتہ حیات پر سونہارا ریزہ ۱۹۷۱ء کو ہیجے شام کے منقطع کر دیا، آپ کچھ عرصہ سے بھارت میں مقیم تھے لیکن ان کے تلامذہ و احباب کو اس کا خیال تھا کہ دائمی مفارقت کا وقت قریب آگیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ مرتے دم تک آپ کے حواس قائم رہے اور آپ عزیزوں کو وصیت و تلقین صبر فرماتے رہے وصیت کے بموجب اسکا روز شب کو باغ میں غسل دیا گیا اور اپنے حسبِ وصیت

گل مرزا دیر مرحوم میں اپنے والد کی بغل میں مذکور ہوئے بادیہ خبر نہ دے جاتے تھے میکرومل آدمی جنازہ کے ساتھ نئے اوزد سرے روز سے قبرستان خانوں کا ہجوم رہتا ہے مرزا اوج مرحوم کا سن وفات کے وقت ۶۵ سال کا تھا امداد یا ۲۵ سال کی عمر تک اپنے والد کا چھ مرزا دیر بخمد سے فن مرنیہ گوئی نہیں اکتاب کہاں کیا تھا ان کی دفاتر کے بعد ان کے قدم والے آپ سے جد جوع لائے اور مبارک میں تھے اور بخمد اور حیدر آباد میں حضور نظام مرحوم نے وہاں توجہ کے ساتھ آپ کو سنا۔ نواب اہم باندی بیگم صاحبہ زبیر بیگم کی سرکار کے کئی ہزار سالانہ کا طریقہ فائدہ دیر کے لئے تسلط بعد نسل مقرر ہے اور ریاست رامپور بعض دوسری ریاستوں سے بھی اسی قسم کی مستقل قدمہ دانی عمل میں آتی رہی کہیں مرزا اوج مرحوم اپنے والد مرحوم کی مانند بے حد مخیر تھے ہمیشہ کمال سادگی کے ساتھ اپنی اوقات بسر کرتے تھے آپ بڑے پابند صوم و صلوة عقیدہ کے ایسے بے بدل مضبوط کہ ان کا مدحیہ و تعیہ کلام سن کر ضعیف الاعتقاد کمال العقیدت ہو جائے اخلاق کی ایک محکم تصویر تھے انکار ہر وقت، تواضع و مدار میں بے حد سیر حشیم، خود داری وغیرہ تو خاص و دلچسپ ہوتی تھی، ہزاروں کی پیش کش ہند کر کے واپس کر دی، البتہ اللہ امتداد و مراسم محبت کے ایسے مستقل کہ اگر درست کے گھر میں غلام یا کسی حادثہ کے واقع ہونے کی خبر سن پاتے تھے تو اس کے ہاں مزاج پرسی کے لئے خود آ جاتے تھے۔

ہر جی اللہ کے پہچے میں مرزا اوج کی یہ تاریخ وفات

شائع ہوتی ہے

افسوس جانشینِ دیرِ آدج اسٹھ گئے
 مدت سے تھا انھیں مرضِ لاعلاج ہائے
 اپریل کی تھی ہیز دم قبلِ وقتِ شام
 داحسرتا بنا ہوا بگڑا مزاج ہائے
 عشرت نے سالِ فوت لکھا ہے غیبی
 منبرِ بغیرِ آدج ہے بے رونق آج ہائے
 ۱۹۷۱ء

مولانا بدایا اسلام کیرانوی نیرہ حضرت علامہ مولانا رحمت اللہ
 صاحب کیرانوی کے انتقال کی خبر ۱۲ ستمبر ۱۹۷۱ء کے شائع ہوئی تھی
 کئی رہنماؤں کے چاند بھلے ہی نظروں سے غائب ہو چکے تھے آج
 ایک اور علم و فضل کا بدرِ قبر میں نہاں ہو گیا۔ یہ بدرِ تقریباً دو سال سے
 دارالعلوم ندوۃ العلماء میں طبیب کو انہی علمی گزروں کا فیض پہنچا رہا تھا
 ۱۱ سال جب دارالعلوم میں سالانہ تعطیل ہوئی تو وہ اپنے وطن کیرانہ میں
 جا کر درختوں ہوا کیبن افسوس میں معلوم نہ تھا کہ اب ہم اس کی روشنی
 سے فیض نہ اٹھا سکیں گے۔ آپ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے
 بھتیجے تھے بارہ سال کی عمر میں آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور
 وہاں مولتیہ مدرسہ میں تعلیم پائی جب پرفرنس میں کمال ہو گئے تو اپنے
 وطن واپس آئے، شادی کی یہاں کچھ مدت رہنے کے بعد پھر آپ قسطنطنیہ
 تشریف لے گئے اور سلاطی کتب خانہ میں پانچ سو روپے تنخواہ پر ایک
 غمہ دار ہو گئے۔ وہاں آپ نے خوب کتب بینی کی جب زمانے نے
 سلطان عبدالحمید شاہ کے خلاف کوٹ بدلی تو آپ بھی استغفا دیکر

ہندوستان چلے آئے وہ سال سے آپ اپنا نفس کر کے ہم طلباء کو اپنے
 علمی محرشید سے سیراب فرماتے رہے یہاں آپ فقہ اعلیٰ تھے مگر ہر علم
 و فن میں آپ کامل و سناہ رکھتے تھے خاص کر علم فقہ، ادب، سنی
 جغرافیہ تاریخ میں شہما ورجوں کی قابلیت تھی نیز ترکی، برہمنی، روسی، لاطینی
 یونانی اور انگریزی زبانوں سے واقف تھے، آپ صرف علم ہی کا سرچشمہ
 نہ تھے بلکہ اخلاق کا بھی نمونہ تھے۔ ایک اجنبی شخص کو آپ کا صحبت و ملاقات
 کا بڑا فائدہ گردیدہ کرتا تھا آپ نے ساڑھے سال کی عمر میں وفات
 پائی۔ (ہجرت دارالعلوم ندوہ)

مولوی بشارت علی صاحب میرٹھ رت علی صاحب غالب دہلی کے رہنے
 والے تھے، سید نقوی خاندان سے تعلق
 تھا، یہ خاندان ہندوستان آنے کے بعد غلبہ بادشاہوں کے درباروں
 سے وابستہ ہو گیا تھا اور سرسبز مہدول پر سرسبز ہو گیا تھا، اس نے جنگ
 آزادی کا حصہ لیا تو کے بعد اس خاندان کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور
 جو تباہی و بربادی سے بچے تھے ان کا نہ کوئی ذریعہ معاش رہا تھا، نہ
 رہنے کے لئے کوئی ٹھکانا۔ غالب صاحب کے والد ماجد سید حبیب اللہ
 نے شمال دہری کو اپنے اور متعلقین کی فکرم پردہی کا ذریعہ بنایا۔

میر غالب سید احمد کو دہلی میں پیدا ہوئے، پیدا ہونے کے
 ڈیڑھ دو سال بعد خاندان کی مالی حالت انتہائی خراب ہو گئی تھی، اور
 عسرت و غربت نے گھیر لیا تھا لیکن تعلیم و تربیت کی چھوٹ نکل
 آئی کہ جناب صاحب عالم مرزا نعل صاحب خلعت مرزا احمد بخش ولد مرزا
 محبت بخش ابن حضرت اکبر شاہ ثانی جو خاندان تیموریہ کے وطنیہ

نہاں تھے امدان کے والد مونس دلم گرتے تھے اور بدائش سعادت ہی سے ان کے حال پر التفات کرتے تھے امدان کی اہلیہ جن کو یہ اتانی جی کہتے تھے جنھوں نے اولاد کی طرح پرورش و تربیت کا ذمہ لیا تھا ان کے ہاں دوسرا دور برس کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے چلے گئے تانہرا دوں کے ہاں کی پرورش و تربیت نے ان کی زبان و افلاک پر بہت بڑا اثر ڈالا اور قدامت کا آہٹ بھرا رنگ طبیعت پر چڑھ گیا۔

صاحب عالم بہا مد نے قاعدہ بغدادی اور بارہ علم پڑھانے کے بعد ان کو اردو و شروغ کرائی، جس وقت انھوں نے پرانی اردو کی پہلی کتب ختم کی اس وقت دوسری، تیسری اور نصف چوتھی اور تیسری کے وقت تازی نصف چوتھی اور تہائی باغ دہار ان کو قریب قریب حفظ ہو گئی تھی۔ کیونکہ اسی گھر میں ان سے بڑی عمر کا اڑا کا ان تانہرا کو پڑھتا تھا اور یہ اس کے سبق غور سے سننے کی وجہ سے ذہن و دماغ میں محفوظ کر لیتے تھے۔ جب عالم نسان کو قدیم طریقہ سے فارسی شروغ کرائی اور دستور العبدیان ختم کرائے کے بعد پہلے ان کو عربی اسکول کی شاخ اور وہاں سے اٹھ جانے کے بعد محلہ کے اسکول میں جہاں فارسی کے ساتھ عربی مائڈل کلاس میں تھیں۔ پڑھنے بیجا، اردو فارسی جاننے، اور تازی کی مشق رکھنے کی وجہ سے ان کو ایک دم تیسری اور کلاس میں داخل کیا گیا اور آٹھ نو مہینے کی پڑھائی کے بعد انھوں نے تیسری جماعت کا امتحان پاس کر لیا، جس کے بعد یہ انیسویں تک ہائی اسکول میں داخل ہوئے اور سال بہ سال

ترکی کر کے چودہ سال کی عمر میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان
 ڈل جنوری ۱۹۱۷ء میں اور ۷ سال کی عمر میں انٹرنس کا امتحان
 ۱۹۱۷ء میں پاس کر لیا۔ یہ جماعتیں اسی وقت سے عربی اسکول
 میں کھولنی گئی تھیں۔ عربی تعلیم کے دوران ان کو جماعت اول ڈل سے
 جماعت پنجم ہائی کلاس تک برابر فطیف ملتا رہا اور علاوہ دیگر امتدادوں
 کے جناب سس اعلیٰ مولانا الطاف حسین حالی، خاں بہادر خواجہ
 تھقفی حسین صاحب مع عدالت طالیہ خفیہ دہلی سے نہ صرف اسکول
 میں بلکہ پرائیویٹ طور پر ان کے گھریلو تدریس کا بھی فخر حاصل ہوا، اسی
 زمانہ میں فارسی کی تعلیم پہلے صاحب عالم ہاؤس کے ہاں اور پھر جناب مولوی اختر
 علی صاحب خاندانی معلم تہا ہی پھیلائی جارہی رہی، جہاں قدیم درس کی انھوں
 نے تمام کتابیں ان سے اور ان کی حسب ہدایت ایک کالیستہ استاد سے
 پڑھیں اور عربی کی جناب مولوی محمد اسماعیل صاحب مدرس فسطحہ الہیات
 دارالعلوم مولانا ندوۃ رحمت صاحب محدث دہلوی سے پائی۔ جس کا یہ اثر تھا
 کہ سینٹ اسٹیفن مشن کالج دہلی میں داخل ہونے کے بعد ان کو فارسی پڑھنے
 کی ضرورت نہ رہی اور سابقہ استعداد و قابلیت کی وجہ سے انھوں نے
 بہ آسانی امتحان پاس کر لیا۔ مگر انھوں نے اسے کہ کالج میں ان کو اپنی تعلیم
 مکمل کرنے اور گریجویٹ بننے کا موقع نہ ملا۔ اور ایف، اے تک تعلیم
 پا کر کالج چھوڑنا پڑا۔ تعلیم پانے کے بعد گھنٹہ گریجویٹ میں ملازم ہوئے
 یہ ملازمت زیادہ دن نہیں چلی علمدگی اختیار کر لی۔

طرطری لائسنس میں آنے کا سلسلہ نظم سے شروع ہوا اور بارہ تیرہ
 سال کی ہی عمر میں ایک ہم جماعت کے مشورہ سے کچھ اشعار منظموں کو کہے

حضرت مجروح کی خدمت میں گئے۔ دو سال بعد حضرت مجروح نے اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے ادران کی طبیعت کا رنگ دیکھ کر ان کو حضرت دارا سے استفادہ کی صلاح دی۔ چونکہ فاندان شاہی کے تعلق کی وجہ سے اندرا سے ان کے حال پر مہربان تھے اس لئے انھوں نے ان پر فاضلہ توجہ دی جو حضرت داروغہ کی وفات کے وقت تک قائم رہی۔

شورش عری کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک تقریب میں سپہ سر دھنوی ہاکر اخبار خیر خواہ عالم دہلی سے حاجب صاحب کو نیاز حاصل ہوا وہاں سیرشار علی شہرت ابوالاخبار پنجاب نے ان کو معنون نگاری پر مائل کیا۔ اور جناب مازق الملک حکیم اجل خاں صاحب نے غیر معیوضاً حوصلہ افزائی کر کے اکمل الاخبار ان کے سپرد کر دیا۔ اس لئے ضرورت خاصہ کے بعد انھوں نے اودھ اخبار لکھنؤ میں معنون لکھنے شروع کیا اور جناب فتنی لؤل کو شریک صاحب لاٹ صاحب کے ساتھ میرٹھ آئے۔ ان کے بعد ان کو اپنے ہمراہ لکھنؤ لے گئے۔ ادر آپ کا اخبار سے تعلق فتنی لؤل کو شریک صاحب کی وفات کے وقت تک رہا، پھر آپ حیدرآباد کو گئے۔ جہاں اخبار دکن صرٹ کی اسمبلیڈ ایڈیٹری پر مامور ہوئے۔ وہاں سے شیخ غلام محمد صاحب ایڈیٹر وکیل امرتسر نے آپ کو بلاوا ۱۸۹۷ء میں چھوہرات چینیہ تک اخبار پنجاب امرتسر کی ایڈیٹری امید و توقع پر کرتے رہے کلاس کے مالک اس کو روزانہ کر دیں گے۔ جب یہ امید پوری نہ ہوئی تو جناب محبوب عالم نے اپنا پیسہ اخبار کو کر کے اس میں بٹوایا، جب یہ اخبار روزانہ بند ہو گیا تو اس دور میں بین سالانہ برابر دہلی اور میرٹھ میں رہنے اکثر برس ۱۸۹۷ء سے مارچ تک

مکہ روزانہ اخبار شریف لاہور کو ایڈٹ کیا اور اکتوبر ۱۹۰۸ء سے
اکتوبر ۱۹۱۰ء تک پندرہ سال اخبار دیکھ کر امرتسر کی ایڈیٹری
ن لقول میر جالب

”اپنی زندگی میں مجھے سر سید، غفور، مولوی سمیع اللہ،
مرحوم شمس العطار، مولانا حافظ گوپی نند، راجہ مرہوم دہلوی،
شمس العطار، مولانا آزاد دہلوی، مرہوم اور خاں بہادر شمس العطار
مفتی محمد کلام اللہ دہلوی سے سب سے تعلیم، التفاد کا موقع ملا اور
اس کا میری اخبار نویسی پر کچھ نہ کچھ اثر پڑا۔“

پس الاحرار حضرت مولانا محمد علی جوہر نے ۲۳ فروری ۱۹۱۳ء کو
اخبار ہمدرد دہلی سے جاری کیا تو اس میں جالب کا کام نمایاں تھا۔ ۱۹۱۵ء میں
جب اخبار ہمدرد بند ہوا تو اس وقت جالب صاحب ہمدرد کے ایڈیٹر اور
نامی عبدالغفار اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ خلیفہ مسیحیہ کے ممبر عالم
مراد آباد میں ہمدرد کے بند ہونے کی خبر سن کر ہوئی تو اس میں ہمدرد
حضرات کا ذکر ہے۔

”ہمدرد دہلی، اگر اگست گذشتہ سے بند ہو کر اب تک نہیں
نکلا۔ ہمدرد کا شائع ہونا قریباً ناممکن ہے یقیناً اب بند
جالب کسی اور اخبار کی ایڈیٹری کر رہے اور مفتی عبدالغفار
صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر اپنے وطن مراد آباد واپس آ گئے۔“
جالب صاحب کو پیہ اخبار میں ماسٹر دپیہ مہنت ملتا تھا۔ لیکن
ہمدرد میں ڈھائی سو روپے ملنے لگا۔ ہمدرد سے حکمہ ہونے کے
بعد جالب صاحب نے اکتوبر ۱۹۱۵ء کو دہلی سے ہمدرد لکھنؤ سے جاری

ہوا تو اس کی ایڈیٹری کی ذمہ داری جالب صاحب کو سونپی گئی، یہ آزاد
مسلم لیگ کا آرگن تھا، لہذا مہاراجہ صاحب محمد آباد کی ملکیت میں تھا
جنہوں نے اس کی نگرانی اور انتظام کے لئے مشہور کامیاب تاجر
بہادر سید انجم حسین صاحب رضوی کے سپرد کر دیا۔ خاں بہادر صاحب
نے اخبار کا چارج لیتے ہی اخبار کی پالیسی میں مدخلت شروع کر دی
جس کو جالب صاحب برداشت نہیں کر سکے، آخر کامیاب صاحب
کی ادارت سے ۱۹۲۸ء میں بادل ناخواستہ استعفیٰ دینا پڑا۔ اور
نصرت خاں بی اے اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ جالب صاحب
تبدیلی ایڈیٹری پر اخبار محمد دہلی نے ۳۰ نومبر ۱۹۲۸ء کے شمارے
میں تبصرہ کرنے کے بعد ان کی خدا داد قابلیت کا اعتراف کیا ہے
کہ انہوں نے پہلی جنگ عظیم کے دوران جب پریس ایکٹ کی زد سے گوا
آزاد خیال اخبار بچ نہ سکا، مہدم کا آزادانہ پالیسی کے ساتھ اس کے
ٹکٹوں سے بچ جانا، جالب صاحب کی قابلیت اور پختہ کاری کی وجہ سے
تھا۔ عنوان تھا "مہدم کی ادارت"

۱۹۱۹ء کا زمانہ ہندوستان میں ہفت کے الے گزرا۔
کہ پریس ایکٹ اور قانون تحفظ ہند کی وجہ سے بہت کم لوگوں کو ایک
آزاد خیال اخبار نکالنے کی جرأت ہوئی تھی یہ وہ زمانہ تھا جب عدوام سپر
اخبار مینی کا کافی سے زیادہ شوق پیدا ہو گیا تھا، مہدم کے بند ہو جا۔
کے بعد سے شمالی ہند میں شمالی کانگریس اخبار نہ تھا۔ کلکتہ اور الہ آباد
سے صداقت ترجمان اور نئی مدنی کے نام سے روزانہ اخبار نکلتے۔ لیکن
حکومت کے جابرانہ قانون نے انہیں زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہنے دیا

ٹھیک اسی پر آشوب زمانہ میں کھنڈے سے ہمدم نکالا گیا اور یہی غالب صاحب
 نے اس کی عنانِ ادارت اپنے ہاتھ میں لی، غالب صاحب چونکہ
 تقریباً بیس سالہ معائنات کا تجربہ رکھتے تھے اس نے انھوں نے ہمدم
 کو جس کامیابی سے نکالا، شاید اس زمانہ میں مشکل سے کسی اور کو کامیابی
 نصیب ہو سکتی تھی۔ یہ غالب صاحب کی پختہ کارنامہ قابلیت کا نتیجہ تھا
 کہ ہمدم نے جنگ کے میدانِ خیر زمانہ کو بغیر کسی عنایت و غور کے گزار دیا
 اس کے بعد تشریف ترک گھر دن کا انقلاب انگیز زمانہ آیا۔ تو اس میں
 ہمدم کی گذشتہ پادہ سارے پادہ سال کی زندگی اور مصروفیت میں ایک
 ایسی کامیاب زندگی ہے جو بہت کم اخبارداروں کو نصیب ہوئی ہے جس
 پر یہ غالب صاحب و صاحب جلسہ سخن مبارک باد لایں گے۔ ہمدم کو اس
 طرح سے کامیابی کے ساتھ چلاتے کے بعد غالب صاحب کا اس کی ادارت
 سے بیکدوش ہونا تعجب نہیں ہے کہ اس کی افاعت پر بھی اثر نہ ہو۔
 لیکن ہمدم کی دعا ہے کہ ہمدم جس طرح سے مصروفیات منجھدے سے سمانوں
 کی ضروریات کا نمونہ اور باشندگانِ لودھ کے جذبات و حسات کا خصوصاً
 اندازہ کر کے اب تک قابلِ اطمینان طریقہ سے ان کی خدمت کرتا ہے
 اب کرتا ہے اور پھر اندھا مال صاحب بی اے (جامعہ) کے ہاتھوں ہمدم
 میں وہ نئی روح پیدا ہو جس کی ہر گز جوان سے بیجا طور پر توقع کی جاسکتی ہے
 کھنڈے کے قیام کے دوران غالب صاحب نے ادبی سوسائٹیاں
 قائم کیں جس میں ایک مسلم اکاڈمی بھی تھی۔ اس کے بانیوں میں آپ کا
 شمار تھا۔ جب آپ ہمدم سے متعلق ہو گئے تو اس اکاڈمی کی طرف
 سے رخصتی دعوت دی گئی اس دعوت کی خبر ۱۸ ستمبر ۱۹۷۸ء کے

میدر دہلی میں شائع ہوئی۔

گذشتہ پندرہ مہر کو ۴ بجے تمام کوڈاکٹر محمد بڈیل الرحمن صاحب اہل
بی، ایچ ڈی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی اور صدر مسلم اکادمی نے سید جالب صاحب
ذیلوی سابق ایڈیٹر مہدم، کراچی کو سٹی راتھ باڈی ناہ بدن میں ایک نذر الوداع
ایٹ جوم دیا جس میں مسلم اکادمی کے کل امکان مدعو تھے چار فواکھات انگریزی
اور ہندوستانی مٹھائیوں اور اسی قسم کی دیگر لذیذ ٹیکس اور شیریں چیزیں
سے ہانوں کی بڑے پیمانہ پر ترانض کی گئی۔ مجمع سبھی کافی تھا۔ اور بڑی
دل چاہی محبت تھی۔ مگر شخص سید جالب صاحب کے لکھنؤ سے
قطع تعلقات کو موس کر رہا تھا۔ خیال ہے بعد نماز مغرب مولوی صبغت
صاحب شہید الضاری کی تحریک اور مولانا خلیل بن محمد مغرب صاحب
لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی کی تائید سے حسب ذیل تجویز بالاتفاق منظور ہوئی
مسلم اکادمی کا یہ غیر جمعی جلسہ فاضل مہترم جناب سید جالب صاحب
اظہار کرتا ہے اور اس کا نہایت خلوص سے اعتراف کرتا ہے کہ سید
جالب صاحب اکادمی کے ان بانیوں میں ہیں جن کے علمی فیوض سے
اکادمی برابر مستفید ہوتی رہی ہے۔ ان کی اس جدائی کو یہ جلسہ
لکھنؤ کے علمی اور ادبی حلقوں کے لئے ایک نقصان عظیم تصور
کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ سید صاحب اپنی علمی کمالات سے نہ صرف
قوم دہلی کو مستفید کرتے رہیں گے بلکہ اس سنگامی جدائی کے باوجود
اکادمی سے اپنے تعلقات بدستور قائم رکھیں گے۔

کل حاضرین سید جالب صاحب کے لکھنؤ سے چلے جانے اور ان
کے خلاف امید جدائی سے متاثر و متاسف تھے جلسہ کے ان حاضرین

فہیات کی ترجمانی اور جالب صاحب کی علمی، ادبی، اور قومی خدمات کا تشہید صاحب اور مولانا خلیل عرب نے بالترتیب اپنی تحریک و تائید کی تقریروں میں تفصیلی ذکر کیا۔ آخر میں بد جالب صاحب نے ایک مختصر مگر درد بھری تقریر میں مولانا نذیر الحسن صاحب کی فیضانی اور ارکان اکادمی کی محنت کا شکریہ ادا کیا اور یقین دلایا کہ ان کا کام وہ ان خواہشوں کی تکمیل کی کوشش کریں گے، بد جالب صاحب انشاء اللہ "جنگ سویم پانی پت" آئندہ جمعہ تا بیچ ۲۴ دسمبر ۱۹۷۸ء کی شام کو ۶ بجے فرنگی محل میں جناب مولانا عنایت اللہ صاحب کے یہاں پڑھیں گے۔

نہایت قابل صاحب ہمد کی ادارت سے ایک مفت کے بعد ہی منعقد ہوئے تھے ان کے بعد محمد حامد حسرت، قائم مقام ایڈیٹر تقریریں اخبار ہمد سے زندگی کے صدے کی تلافی کے لئے بعض اخبار کی ادار اور شعروں سے جالب صاحب نے ہم راہ چلنے میں ایک رد نامہ صحت، لکھنؤ سے جاری کرویا تھا اور دوسرے دوستوں کے علاوہ جالب صاحب کے شاگرد رشید جناب انیس احمد عباسی ایڈیٹر حقیقت، لکھنؤ نے اس نئے اخبار کے لئے سرمایہ کی فراہمی میں جہاں تک بن پڑ ان کی مدد کی۔ جالب صاحب نے زندگی میں ہی اس اخبار کا انتظام اپنے صاحبزادے عشرت حسین کے سپرد کر دیا تھا۔ جو جالب صاحب کے فوت ہونے کے بعد زبیر باہوہ دن نہیں چلا اور جلد بند ہو گیا تھا۔

میر صاحب کی معلومات کا ایڈیٹر اردو اخبارات کو اب تک اور کوئی
مبصر نہیں آیا، لکھنے والے میر صاحب سے بہتر آپ ناسکتے ہیں۔ صاحب
معلومات میر صاحب جیسا نہیں بنا سکیں گے۔ میر صاحب صحیح معنوں میں اردو
اخبار کو ایسی بے بااد آدم تھے۔ اور انتہائی سیدھے مادھے، پیر پر پیر
جھیل سے پاک، سچی بات کہنے والے اور بے لاگ کہنے والا انسان
تھے۔ لکھنے بیٹھے تو فلسفے میں غرق ہو جاتے، غور و غفل ان کے لکھنے
میں خلل نہیں ڈالتا تھا۔ بولنا شروع کر دیتے تو انھیں خبر نہ رہتی
کہ سنا سکی جا رہا ہے یا نہیں،

رسالہ مولوی دہلی سے ایڈیٹر منشی عبد الحمید خاں ایک زمانہ میں ملا
داعی صاحب کے مددگار تھے ایک دن وہ کسی کام کے واسطے دفتر
نظام المشائخ سے باہر گئے۔ میر صاحب اس وقت دفتر روزانہ ممدرد
جا رہے تھے۔ عبد الحمید صاحب نے ان سے کوئی سوال کیا، کہ
میر صاحب یہ بات کیوں کر ہے بس دفتر کھل گیا، میر صاحب نے گردن
نیچی کر کے نگاہ سڑک پر جمائی اور بولنا شروع کر دیا، دیر لگی تو منشی
عبد الحمید صاحب جس کام کے واسطے نکلے تھے اسے کرنے چل دئے
اور میر صاحب کو خبر نہیں ہوئی، واپس لوٹے تو میر صاحب کی تقریر
جاری تھی، آخر عبد الحمید صاحب نے میر صاحب سے کہا میر صاحب
تشریف لے جاتے ہیں دفتر نظام المشائخ میں انتظار ہو رہا ہو گا
اور آپ کا دفتر ممدرد میں امیر بخش صاحب کو یہ جیلان میں کاٹ
کھاڑے ایک مولوی کا مدار تھے، میر صاحب کی اور ان کی تحسین کی
دستی تھی، میر صاحب دفتر ممدرد جاتے ہوئے امیر بخش کے

ہاں لازماً پانچ منٹ کی ٹھیک لیتے تھے لہ

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب جالب صاحب اخبارِ ہندم کی ایڈیٹری لکھتے ہیں کہ بت تھے کہ ایک روز وہ کسی حلوائی کی دکان پر کھڑے سوچتے تھے، تو کت تنہائی پہنچ گئے۔ انہوں نے پوچھا سید صاحب کیا خرید رہے ہیں۔ انہوں نے کہا حلوہ سوہن اور وہ یہ کہہ گئے تھے گھگھلوں کے اقسام، انہوں نے خلوؤں کے (تھے اقسام) بتائے کہ حلوائی دنگ ہو کر انکا منہ تکیں لگا اور لکھتے کے بے نگرے ان کے گرد جمع ہو گئے اور جب وہ اقسام گنگا چکے تو یہ بتایا کہ حلوا سوہن کی ایجاد اس مقصد سے ہوئی تھی کہ اس کے جو غریب خالص کھی ٹھیکر کر امرا کی ضیافت طبع کی جائے۔ اس کے بعد انہوں نے حلوہ سوہن کے سوجہ اور اس کے باب دادا کے نام بتانا شروع کر دیے اور جب حلوہ سوہن کی تاریخ بتلا چکے تو ہمیں سے لے کر آج تک کے تمام حلوہ سوہن بنانے والوں کے نام اور ان کی دکانوں کا محل وقوع بتا دیا۔ حلوائی دکان سے اتر پڑا۔ ان کے ہاتھ چومے اور کہا یہ حلوہ سوہن حضور کی نذر ہے میں دام نہیں لوں گا۔ اور گرد پیش کے لوگ اس طرح داد دینے لگے کہ معلوم ہوا کہ مشاعرہ مورہا ہے۔ جوش ملیح آبادی صاحب کا کہنا ہے کہ ایک بار میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک بلی گزری، اب کیا تھا کہ انہوں نے بلی نامہ شروع کر دیا۔ تمام دنیا کی بلیوں کے نام، اقسام اور ان کے مزاج و علاج بتائے۔ دنیا میں سب سے پہلے کس نے بلی پالی اور اس کا نام بتایا اور بیان کرنے کرتے حضرت ابو میرہنگا پوچھ لے

میر صاحب صرف تحریری میں کمال نہیں رکھتے تھے بلکہ تقریر میں بھی کمال رکھتے تھے اور بغیر کسی تیاری کے گفتگوں بے تکان لکچر دے سکتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے زمانے میں پریس ایکٹ طے وارد اخبارات، کاناک میں دم کر رکھا تھا۔ تقریباً کوئی اخبار ایسا نہ تھا کہ جس کی ضمانت ضبط نہ ہوئی ہو، ان پریس تیلز کے پیش نظر میر صاحب نے آل انڈیا یارڈ پریس کانفرنس کی ۱۹۱۴ء میں بنیاد ڈالی۔ صدر قاضی عبدالغفار صاحب اور سکریٹری میر غالب صاحب مقرر ہوئے اس کانفرنس میں آپ کی سرکردہ ادارہ تقریریں ہوئیں، شریکین کا آپ کو کم اتفاق ہوا۔ ایک مرتبہ جلسہ ۴ میں لاہور کے شاعرہ انجمن اتحاد میں اپنی ایک غزل پڑھی تھی اخباری مصروفیتوں کی وجہ سے زیادہ نہیں نگہ سکے، انسان جب تفکرات و درپریشیوں میں بچھنس جاتا ہے تو وہ فطرتاً توہمات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہمت کے اجراء کے بعد ہی غالب صاحب کی پریس نیل بڑھنے لگی اپنے احباب سے ملنے تو اس کا اظہار کرتے کہ ان کے سارے بہت خراب ہیں اسی زمانہ میں راجہ سلیم پور کے ایک ہنگامی شیر گھوش سے ان کی ملاقات ہو گئی جو علم محرم اچھا جانتے تھے، غالب صاحب دو تین دفعہ ان کے مکان پر گئے گھوش صاحب کی بیوی مسلمان تھیں وہ میر صاحب کی بڑی ٹاٹ تواسیع کرتی تھیں گھوش صاحب خود بھی میر صاحب کی بڑی قد کرتے تھے اپنی مالی مشکلات سے بہت پریشان ہو کر آپ نے مولانا قطب الدین

عبدالوالی زنجی علی (قطب میاں) سے شورو کیا۔ اور ان کی تحریک پر حیدر آباد
 دکن جا کر دہان کے امرا و دروہ سار سے عطا یا چاہل
 کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حیدر آباد میں مہدم کے قدر دان بہت تھے
 میر صاحب کو پوری امید تھی کہ ان کا سفر بہت کامیاب رہے گا
 چنانچہ مزید تسلی کے لئے آپ ایک دن علی الصباح اپنے دوست
 سرگھوش کے پاس گئے۔ اور ان سے اپنے اس ارادہ کا اظہار
 کر کے زبانش کی وہ ان کا راجہ بنا کر دیکھیں گے یہ سفر ان کے مقصد
 کے لئے کامیاب رہے گا یا نہیں، سرگھوش صاحب نے ورون کی مہلت
 مانگی، چوتھے دن شام کو جالب صاحب سرگھوش صاحب کے پاس گئے
 اور راجہ طلب کیا، سرگھوش صاحب بڑے صاف گوشتے راجہ کے
 متعلق تو انھوں نے اپنی مدیم انفرستی یا بھول کا عذر کر دیا۔ لیکن
 حیدر آباد کے سفر کے متعلق صاف کہہ دیا کہ کامیابی بہت کم ہوگی۔
 اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ آپ کے ستارے تو اتنے خراب ہیں
 کہ آپ کا عجیب ماہ زندہ رہ جانا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ خود جالب
 صاحب نے اپنی آخری علالت کے دوران یہ واقعہ بیان کیا۔ اور
 کہا کہ سرگھوش کی زبان سے یہ جملہ سن کر دماغ پر بالکل اندھیرا چھا گیا
 حتیٰ کہ اسی بدحواسی میں اپنے گھر کا راستہ بھی یاد نہیں رہا حالانکہ
 سرگھوش کا مکان جالب صاحب کی قیام گاہ سے ایک فلاٹنگ سے زیادہ
 نہیں تھا۔ جالب نے دوران علالت دوستوں سے بھی کہ سرگھوش کی زبان
 سے اپنی عمر کے ختم ہو جانے کی پیش گوئی سن کر وہ ایسے بدحواس ہوئے
 کہ راستہ سے بھٹک اپنے مکان سے دور بہت دور نکل گئے اور دیر تک

گلیوں کے چکر کاٹ کر مکان پہنچ پائے۔

یہ واقعہ آخر کار غالب صاحب کے لئے ہلک ثابت ہوا، کیونکہ اس کے بعد سیر کبھی ان کے حرم کو لٹائش نہیں دیکھا گیا یہ واقعہ آخری جنوری ۱۹۱۲ء میں پیش آیا تھا۔ اور وسطِ زور کا میں قطبِ سبب فرنگی علی کے سمجھانے ادا اطمینان دلانے پر غالب صاحب نے دکن کا سفر اختیار کیا۔ جو بعد میں واقعی ان کے سفرِ آخرت کا پیشِ خیمہ ثابت ہوا، کیونکہ گھوٹنے کے جو کچھ کہا تھا وہ ان کے دماغ پر نقش کا انچر ہو گیا تھا جس کو انھوں نے کسی وقت بھی فراموش نہیں کیا۔ خود فرماتے تھے کہ گھوٹنے کی زبان سے اپنی عمر کا خانہ کی پیش گوئی سننے کے بعد سے سوتے جاگتے ہر وقت موت سلمے ٹھہری معلوم ہوتی ہے۔ سردار مارچ ۱۹۱۲ء میں غالب صاحب حیدرآباد سے نامراد واپس آئے اور بجائے اس کے کہ اخبار سے لے کوئی معقول رقم لاتے ایک ایسی بیماری لے کر آئے جس کی لکھنؤ کے بڑے بڑے اطباء اور ڈاکٹر آخر وقت تک تشخیص نہ کر سکے، بظاہر بہت معمولی بیماری معلوم ہوتی یعنی ریڑھ کی ہڈی میں درد پیدا ہو گیا تھا مگر وہ اتنی شدت کا تھا، کہ ناقابلِ برداشت تھا۔ اس پر یہ طرہ کہ یہ خیال ہر وقت دماغ پر چھا پارتا تھا کہ گھوٹنے کی جگہ میں کہ چھ ماہ سے زیادہ زندگی کے دن نہیں ہیں۔ اس کا لفظیاتی اثر قلیب یا ڈاکٹر کے علاج سے یا کسی کے سمجھانے سمجھانے سے دور نہیں ہو سکتا تھا، اگرچہ غالب صاحب کے قدر دانوں نے ان کے علاج میں کئی ذہنیہ اسٹف نہیں رکھا تھا۔

آخر وقت معینہ آگیا، وسط جولائی ۱۹۳۷ء میں حالت نازک ہو گئی انھیں مشہور صانع ڈاکٹر عبدالحمید صاحب کے مشورہ سے ہسپتال لے جایا گیا۔ مگر یہاں کوئی ان کو قے نہیں ہوا۔ جولائی کا آخر تھا۔ تاہم ۲۲ مارچ ۱۹۳۷ء تاریخ قحطی در پیر کو یہ اطلاع ملی کہ جالب صاحب پر چوبیس گھنٹے سے بے ہوشی طاری ہے۔ یہ پیر کو انیس احمد عباسی اور جالب صاحب کے ایک اور مخلص دوست امدت محمد سید شہنشاہ حسین رضوی ایڈوکیٹ بھی کھری سے واپس ہوتے ہوئے ہسپتال میں جالب کو دیکھنے آئے ان پر زامی کیفیت طاری تھی اور وہ منظر آتنا سبھا تک تھا کہ کوئی ان کے پاس بیٹھ نہیں سکتا تھا کمرہ کا دروازہ بند کر دیا گیا اور ان دونوں حضرات نے مشورہ کر کے یورپین نرس سے پوچھا کہ اس حالت میں مریض کب تک زندہ رہے گا، اس نے بتایا بارہ گھنٹے سے یہی حالت ہے اور ابھی کم از کم بارہ ہی گھنٹے اور سانس چلتا رہے گا۔ جالب صاحب کے صاحبزادے عنتر حسین موجود تھے وہ بھی یہ کیفیت دیکھ کر ہلے ڈر رہے تھے چنانچہ انیس صاحب نے یورپین نرس سے کہا کہ کیا مریض کو کوئی آرام نہیں پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ان کے بیٹے اجازت دیں تو میں ڈاکٹر سے پوچھ کر دائمی آرام پہنچا سکتی ہوں یہ سچی بات ہے کہ مریض تو ختم ہو چکا ہے صرف سانس باقی ہے چنانچہ بالا اختیار وادوں کی پرستش دیکھ کر اس نے ڈاکٹر کے پاس جا کر اجازت لی اور وہاں سے واپس آکر مریض کے آخری انجکشن دیا اور پندرہ منٹ کے اندر اس کے نام احمد علیل القدر صحافی نے ۲۵ جولائی ۱۹۳۷ء کو آخری سانس لیا اور اس کی مدح پرداز

سرمئی ملہ اور عیش باغ لکھنؤ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔
 حضرت جالب کے انتقال پر ہندوستان سے تقریباً ہر اکابر اخبار اور
 رسالے اور دہلی رسالتوں کے تعزیتی نوٹس لکھے اور سچاؤ پڑ پائیں کہیں
 خانبہ روزنامہ ملت دہلی نے ۱۱ جولائی سنہ ۱۹۳۷ء کے شمارے میں یہ
 تعزیتی نوٹ لکھا۔

سید صاحب دہلوی بانی دمالک اخبار ہمت لکھنؤ کا انتقال حقیقتاً اردو
 صحافت کے لئے ایسا سانحہ ہے جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی، سید صاحب
 مسلمان اخبار نویسوں میں اس وقت سب سے پرانے کلمہ مشق الخبیر نویس
 تھے انھوں نے اپنی زندگی کے ۳۲ سال اسی پیشہ میں گزارے اور جس بلند عیار
 اور اعزاز کے ساتھ انھوں نے متعدد اخبارات کو چلایا ہے اردو صحافت
 کی تاریخ میں اس کا نمایاں تذکرہ رہے گا، باوجودیکہ وہ ایک ہر دلیزیر صحیفہ
 نگار تھے لیکن انھوں نے کبھی اس سے روپیہ پیدا نہیں کیا اور گذشتہ
 جن وقتوں کے ساتھ انھوں نے ہمت کو جاری کیا تھا اس کا اندازہ اس
 سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ آخر وقت تک اس کے لئے پریشان تھے۔ انھیں
 ہمیشہ اردو صحافت کو ترقی دینے اور اسے انگریزی صحافت کے درجہ
 تک لانے کا ہی خیال رہتا تھا۔ گذشتہ وسط مارچ میں سید صاحب
 جب دہلی تشریف لائے تو اردو اخبار نویسوں کو ایک رشتہ میں تعلق کرنے
 کے شعلی راہم الحدود سے کئی دفعہ ذکر فرمایا تھا خانبہ مسٹر فاضل ابراہیم

۱۱ سالہ سرگات نہی دہلی۔ مئی ۱۹۳۷ء مفون انیس احمد عباسی
 ایڈیٹر حقیقت لکھنؤ۔

جنت اللہ کی تحریک پر مسلم پریس ایسوسی ایشن کے قیام کے لئے جو عارضی
 کمیٹی بنی تھی اس کی صدارت کو سچی قبول فرمایا تھا، گو اس قسم کے نمبروں
 سے آپ علیحدہ ہی رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ آج جبکہ مسلمانوں میں لائق
 سمجھدار اور صاحب الرائے اخبار نویسوں کا قحط ہے سید صاحب کا
 انتقال ناقابل تلافی نقصان ہے۔ وہ لوگ جو سید صاحب مرحوم کی فنی
 اور صحافی خدمات کے معترف ہیں ان کا فرض ہے کہ ان کی سبکے
 بڑی یادگار ہمت کو مستحکم کریں ہمت کا انتظام جس نے اپنی زندگی میں
 اپنے قصہ بزائے عشرت میں صاحب کو سپرد کر دیا تھا۔ ہمیں امید ہے
 کہ وہ برابر چلتے رہیں گے۔

نامور سے نومبر ۱۹۷۹ء کو یہ بابا نہ رسالہ شائع
 ہوا۔ ۱۰ صفحوں پر نکلتا تھا۔ غفر الدین محمود اس
 کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چھ نمبریں ردیے تھا۔ جانح سیٹیم پریس لاہور
 میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں علمی، ادبی تاریخی مضامین چھپتے تھے جو بہت
 اوقیہ ہوتے تھے عوام سے مطلب کے مضمون کم چھپتے تھے اس لئے
 مضمون نگار مولانا اسلم جبار چوہدری، مولانا مظہر الدین شہر کوٹی، نواب
 شہزاد بیگ علی خاں، عبدالحمید سالک، مولانا ظفر علی خاں، خلیفہ عبدالعظیم
 مولانا خواجہ عبداللہ فیاضی، مولانا فیاض العباس، مولانا حسرت موہانی علاوہ
 سید سلیمان ندوی، مولانا عبداللہ العماوی اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ
 تھے۔

نومبر ۱۹۷۹ء کے شمارہ میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک

غزل بھی ہے۔
 کینوں اسیر گیسوئے خمدارت تل ہو گیا
 ہائے کیا بیٹھے بٹھائے سنجہ کو اے دل ہو گیا
 کوئی نالاں کوئی گریاں کوئی بسمل ہو گیا
 اس کے آٹھتے ہی دگرگوں رنگِ محفل ہو گیا
 آتھل ساس گلی کا اس درجہ کیا گلزار میں
 نور آخردیدہ زرخس کا زاتل ہو گیا
 اس نے تلواریں لگائیں ایسی کچھ اس انداز سے
 دل کا میرا مان فدا کے دست قاتل ہو گیا
 تیس مجنوں کا تصور بڑھ گیا جب سجد میں
 ہر جگہ دشت کائناتی کا محفل ہو گیا
 یہ بھی قیدی ہو گیا آخر کمند زلف کا
 لے پیروں میں ترے آزاد شال ہو گیا

ستارہ صبح اکرم آباد سے ۸ راکٹ سلاخ کو یہ ہوا نہ
 اخبار وجود میں آیا آٹھ صفوں پر نکلتا تھا
 ایڈیٹر جناب مولانا ظفر علی خاں صاحب شمع مالانہ حیدرہ روپے تھا
 زمیندار سیم پریس میں چھپتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج
 ہوتا تھا۔

سن آل تارہ صبح کہ در محل طلوع
 ہمیشہ پیش رو آفتاب می باستم
 اسی اخبار کے ادارہ تریہ میں سٹر اختر علی خاں علامہ عبداللہ العاد

سید وحید الدین سلیم پانی پتی، مولوی وجاہت حسین مصطفیٰ نوری مولوی خواجہ
عبدالحمید، مرزا امان اللہ خاں بیگ، اور مرزا سعید بیگ شامل تھے۔
سارہ صبح علم و ادب کا ایک نادر مخزن تھا اس اخبار کو اس
اعتبار سے خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں مولانا نے جتنے ادارے
اور مضمون تحریر کئے اتنے غالباً شروع کے زمانہ میں پوری ربیع صدی میں
نہ تحریر کئے ہوں۔

اس اخبار کے جاری ہونے سے قبل اس کا اشتہار اخباروں
میں شائع ہو گیا تھا۔ جو لاہور لائی سٹریٹ کے اخبار ہمد کھنڈ میں
بھی شائع ہوا تھا۔

” حکومت نے مزید عنایت کی راہ سے خاک رکوبہ اجازت
بھی مرحمت فرمائی ہے کہ اپنے ہفتہ وار اخبار صبح سارہ کو ترقی دیکر
ایک اعلیٰ بیادہ کاروز نامہ کرے ان دو گونہ نوازشات کے لحاظ سے
نیر آسٹریل آڈو اور ہالتا بے کا جس قدر شکریہ ادا کرے کم ہے اب
کہ ستارہ صبح ہی آب و تاب کے ساتھ ایک اچھوتی وضع کاروز نامہ
بننے والا ہے، مناسب ہے کہ خاک رکوبہ سے اعلان کر دے کہ اس
کی روش کیا ہوگی،

(۱) یہ روزنامہ جس کے تمام اشاعت کا اعلان بعد میں کیا جائیگا
بروز زمیندار کی تقطیع کے آٹھ صفحات پر شائع ہوا کرے گا
اور اس کی سالانہ قیمت پندرہ روپے، ہفتہ وار آٹھ روپے
اور سہ ماہی ساڑھے چار روپے سے محصول ڈاک ہوگی،

(۲) اس کا اولین مقصد یہ ہوگا کہ رعایا کے دلوں میں راسخی

کی طاعت سے محبت اور عقیدت کے جذبات پر انجمنہ کر کے خطبات کو خوش گوار انداز بنائے اور اس عقیدے کی تلقین کرے کہ مہندرسنان میں سلطنتِ برطانیہ کی بظاہر ملک کے بہترین مفاد کی ضمانت ہے۔“

(۳) سیاسیات کی دن خوش کن گرد دراز کار مباحث سے اس روزنامہ کو تعلق نہ ہو گا۔ لیکن رعایا کی تمام وہ جائز خواہشیں اور آرزوئیں جو ان کی اقتصادی، اخلاقی اور عقلی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں نہایت ادب کے ساتھ حکومت کے گوش گزار کر دی جائے گی۔“

(۴) زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، تعلیم معاشرت اس کے خاص موضوعات ہوں گے اور اس بارہ میں وہ اہل ملک کو بتائے گا کہ ملکی دولت کے بڑھانے کے کیا وسائل ہیں جن پر کار بند ہونے سے ہمارا ملک فراخی و زرخیز اور تلاح و خوش حال سے مستفاد اس پر پہنچ سکتا ہے۔“

(۵) احبابِ علوم و تہذیب میں اس کا خاص نصب العین ہو گا۔ حکمت اور شعر کے لطیف محارف سے اور بابِ ذوقِ سلیم کی توضیح بدستور اسی طرح کی جایا کرے گی جسے ہفتہ وار ستارہ صبح کے ذریعہ سے اب تک کی جاتی رہی ہے۔“

۶۔ ریوڑ کے غیر ملکی اور بے سند دستاویزی تاجروں کے تراجم اور دوسری معتبر اور مصدقہ خبریں اس روزنامہ میں درج ہوں گی۔“

انجمنِ مہندرسنان کے شمارے ۲ ستمبر ۱۹۱۸ء میں یہ ریویو اس انجمن پر شائع ہوا تھا۔

”شرطِ ظفر علی خاں سابق ایڈیٹر زمیندار کی شرطِ آزادی اور ساتھ

ہی ان کے جدید اخبار ستارہ صبح کے اجراء کی خبر پہلے ہی درج کر چکے ہیں لیکن اب تک ہم اس اخبار کی زیارت سے محروم تھے یہی وجہ تھی کہ ہم اس پر کوئی رپورٹ نہیں کر سکے اگرچہ سمائے دیگر اعلیٰ ترین نے جن کو ان کی خوش قسمتی ہم سے پہلے اخبار کی دنیا سے اس نواہ کا شرف زیارت حاصل ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس کے متعلق جو رائے قائم کی تھی اس سے اخبار کی پالیسی کا بہت کچھ متاثر ہو گیا تھا۔ بہر حال کل اورد آج کی ڈک سے اس کے اندر پرچے وصول ہو گئے جن کے مضامین اثا پردازی کے لیے طے سے بہت کچھ زمیندار مروج سے ملتے جلتے ہیں۔ البتہ اخبار کی پالیسی کے لحاظ سے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے بلکہ بہت بڑا۔ نہایت مؤثر اور موثر ہو گا کہ زمیندار اور "ستارہ صبح" کی پالیسی کا مقابلہ کرنے سے زمانہ کی تیرنگی کا نقشہ سامنے آجائے گا اور اول الذکر مسلمانوں کے اتحاد کا حامی تھا اور بالکل سراسر آزادی رائے رکھتا تھا لیکن اس کے برخلاف ستارہ صبح نہ صرف ان خصوصیات سے بالکل متحرک ہے بلکہ ان میں ہندوستان کے تعظیفات کے متعلق زمیندار کی ابتدائی پالیسی اور سلاطنت سیاست میں یہ اخبار اور اسی قبیل کے دیگر صحافت کی پالیسی کی صفات جھلک نظر آتی ہے۔ گویا اب تک وہ اپنی پالیسی کو اثا پردازی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کر رہا ہے جو پرچے ہمارے پیش نظر ہیں ان میں بعض مضامین تاریخی طے ضرورت قابل قدر رکھے جاسکتے ہیں، لیکن ہمیں ان سے یہ کہنا چاہیے کہ ان کے متعلق ہم ایڈیٹر کو کوئی کڑیٹ نہیں دے سکتے بلکہ ایک حد تک وہ اخبار نویس کی شان

سے گرے ہوئے ہیں، مثلاً نتھو اور خیرا کی چیمگوبیاں، لیکن
 اودھ پنچ کے دسترخوان پر کچھ سزا دی جائے۔۔۔ سولا ناظر علی
 کی پالیسی میں جو انقلاب عظیم ہوا ہے اس کے آثار اگرچہ نظر نہیں
 آتے مگر بیاں میں صاف دکھائی دیتے ہیں تاہم جب تک اپنے
 کے ذریعہ سے آپ اپنی پالیسی کا صاف صاف اعلان نہ کریں
 وقت تک یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ جماعت احرار سے علیحدہ ہو
 اب آپ استبدادیت کے کس درجہ پر فائز ہونے کے مستحق ہیں
 ہیں۔ نہ آزاد سیکل ادا کر کی نوازش خردانہ کے اعتراف میں
 صرف ان ہی کی شان میں قصیدہ خوانی کا فرض ادا کر لے برتنا
 کی جائے تو بھی عنایت ہے لیکن اگر میدان سیاست میں آپ
 قلم کی جولانیاں عام رائے کے خلاف ہوئیں تو میں اندیشہ
 کہ ستارہ صبح کی تابدرداری کی بدولت صبح معنوں میں
 صبح ہی ثابت ہو اور جبر تلزم کی دنیا میں اس کے ناظرین زیادہ
 تک اس کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ بہر حال ہم
 نئے معاہدہ کا نہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ
 خدشات اس کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہوں
 بعد کو اس کی پالیسی سے غلط ثابت ہوں گے۔

یہ اخبار ایک سال کی عمر پا کر ۱۹۷۸ء میں بند ہو گیا
 اخبار کی پالیسی چند ہفتوں کے بعد بالکل آزادانہ اور حریت پر
 مبنی تھی۔

پنجاب | لاہور ریلوے روڈ سے یہ روزانہ اخبار **مجلہ** میں شائع ہوا۔ چھ صفحات پر مشتمل تھا، ابوالمعانی سید شبیر حسن نقیل ایڈیٹر، اور مرزا محمد مجید بیگ پبلشر تھے، سالانہ چندہ نو روپے آٹھ آنے تھا۔ یونین اسٹیم پریس لاہور میں چھپتا تھا اخبار کے سرورق پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا۔

ہنکڑے دل کے نہ غرقِ خواب میں ہیں
حاضر بادِ خدمتِ احباب میں ہیں
صحت، جرات، بہادری، علم و عمل

پانچوں دریا رواں یہ پنجاب میں ہیں
اس قطعہ کے نیچے دائیں طرف چاند تارا اور بائیں جانب برطانوی تاج کا نشان ہے۔ چاند تارے کے نشان کے نیچے یہ شعر تحریر ہے
آسمانِ صدق و حریت کا یہ روشن مآل
دیکھنا حاصل کرے گا ایک دن ادنیٰ کمال
برطانوی تاج کے نشان کے نیچے یہ شعر لکھا جاتا تھا ہے
جب تک فلک یہ مہر میں حکمراں ہے
قامِ جہاں میں، قیصرِ مہر دستاں ہے

یہ اخبار حریت پسند اخبار تھا، عوام کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتا تھا اور حکومتِ برطانوی کی غلامی کے خلاف قلم کو جنبش دیتا تھا۔ بڑی اور "متفرقات" اس کے مستقل عنوان تھے، برقیات کے تحت غیر ملکی خبریں اور متفرقات کے نیچے ملکی خبریں درج ہوتی تھیں۔
انگریز ہندوستان مزدوروں کو اپنی نوآبادیوں سے جیتا اور

ان سے غلامانہ سلوک کرتا تھا اور غلاموں کی طرح مزدوری کرا لی جاتی تھی
 ان طریقوں کے خلاف منہد ستابوں میں بے حد ناراضگی پائی جاتی
 تھی، اس سلسلہ میں ایک وفد عورتوں کا واسرائل منہد سے ملا۔
 انہوں نے شکایتیں پیش کیں، اس پر اخبار پنجاب نے ۲۹ مارچ ۱۹۸۱ء
 کے شمارے میں مقالہ افتتاحیہ تحریر کیا۔ عنوان ہے: "خواتین
 منہد کا وفد"

خواتین منہد کے ایک وفد وفد نے ۲۴ مارچ ۱۹۸۱ء کی
 سہ پہر کو دہلی میں حضور دلیرائے منہد کی خدمت میں شرف باریابی
 حاصل کیا۔ جس میں سر سردھن، نیڈو، لہڈی، مانا، سر جہانگیر بیٹ
 سر سردھر، دلشاد بیگم، سر نہر، سرت سرتی، اور سر زنگا سوامی سنگر
 شریک ہوئیں، وفد نے واسرائل کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش
 کیا جس میں مختلف وجوہ نامخصوص خواتین منہد کے تحفظ عصمت و آبرو
 کے اعتبار سے اجارہ دار مزدوری کی دائمی شنوخی پر زور دیا دلیرائے
 نے جو صلہ افزا جواب دیا کہ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ جو طریقہ حال میں
 منسوخ کیا گیا ہے اس سے مردہ کالید میں از سر نو جان بڑھ سکے گی
 انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے بنانے کی ضرورت نہیں کہ وفد
 کی انگریزوں کے ساتھ مجھے ہر قسم کی سمجھوتہ ہے اور آپ نے اجارہ
 دار مزدوری سے متعلق رکھنے والی جن خرابیوں کا ایڈریس میں ذکر کیا
 ہے اس کی بابت میں اسی قدر اظہار تا سفت کرتا ہوں جتنا کہ آپ
 کا وفد کر چکا ہے میں ایک طویل جواب کی طرح یہ بتانا چاہتا ہوں کہ
 اب سے بیشتر ہی ایسی وجوہ ملے گی میں آچکی ہیں جنھوں نے دورانِ حیات

اجارہ دار مزدوری کے طریقہ پر فائدہ کی ہر گاہ دیکھ سے یہ خیال کرنا
 مشکل ہے کہ یہ طریقہ ایک بار سدود کئے جانے کے بعد از سر نو زندہ
 کیا جاسکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آئندہ ہندوستانی مزدور دروازہ آبادی
 میں لیا وہ علاقہ کی خاطر جانے کی خواہش کریں لیکن اگر اس کی ضرورت
 پیش آئی تو ہم یہ احتیاط کریں گے کہ اس کے حالات ان حالات سے
 بالکل مختلف ہیں جن کا اجارہ دار مزدوری کے طریقہ سے تعلق ہے
 اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس صورت میں ہندوستانی مزدور
 کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے مزدوری احتیاط عمل میں لائی جائیگی
 میں تمہ دل سے امید کرتا ہوں کہ ہندوستان کی صنایع کو ترقی دینے
 اور اس کی بدولت خود ہندوستان میں روزگار اور کاروبار کی توسیع
 سے ہندوستان اس حالت کو پہنچ سکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں اور
 بیٹیوں کو اپنے ہی وطن میں رہنے پر قناعت کرنے کی ترغیب دے
 سکے۔

دائیرے ہند کا جواب بتایا ہے کہ اجارہ دار مزدوری کا طریقہ ہے
 قانون تحفظ ہند کے ذریعہ سے سدود کیا گیا ہے اس کا دوبارہ زندہ
 ہونا سخت دشوار ہے اگر آئندہ کبھی ہندوستان کو زیادہ مالی منفعت
 کے خیال سے بھائی آبادی میں جانے کی خواہش ہوئی تو اس کے لئے
 اجارہ دار مزدوری سے کام نہیں لیا جائے گا۔ اور ہندوستانی مزدور
 کی عصمت اور آبرو کی حفاظت کی کام آمد تبادلی اختیار کی جائے گی
 یہ جواب اطمینان بخش ہے۔ اور امید ہے کہ گورنمنٹ ہند اسے عملی
 صورت دینے کے لئے ہمیشہ آمادہ پائے گی ۵

اب رہاصنائے کی ترقی کی بدولت اہل ہند کا اپنے وطن ہی میں رہنے کا سوال، اس کے متعلق یہ کہتا ہے محل نہ ہوگا، جس طرح گورنمنٹ عالیہ نے اجارہ دار مزدوری کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہے اسی طرح وہ ہندوستان کی صنعتی ترقی کے لئے یہی خاطر خواہ امداد عطا کرتے تاکہ اس مبارک زمانہ کا جلد تر ظہور ہو جس کی پیشین گوئی دلیہ رائے ہند کی تقریر میں کی گئی ہے۔ اس میں کچھ بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کی صنعتی ترقی بہت بڑی حد تک گورنمنٹ ہند کی اخلاقی مالی اور مادی امداد کی محتاج ہے جس کے عطا کرنے کے راستہ میں کسی بخل یا مصلحت کو سدراہ نہیں ہونا چاہیئے۔

عورتوں کے وفد کو دلیہ رائے ہند نے خوشی بخش جواب دیا اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ۲۸ مارچ ۱۹۱۷ء کو دہلی میں جلسہ ہوا اس جلسہ کی کارروائی ۲۹ مارچ ۱۹۱۷ء کے تھوڑے میں چھپی عنوان ہے "دہلی میں ایک عظیم الشان اجتماع" یہ کارروائی نظام دہلی نے شائع کرائی۔

"آج جبکہ صیفت ہند کے ہر گوشہ میں مر انسان اپنے مخصوص احباب کی صحبت کو عظیم الشان جلسہ عظیم الشان مجلس لکھ کر بلیک کو ایک اہلسانہ دھوکہ دیتا ہے تو سیر میں حیران ہوں کہ اردو لٹریچر میں کل کی اتنی مجلس کے لئے کن الفاظ کو تلاش کروں جو درحقیقت یہجوم خلائق کی وجہ سے ایک عظیم الشان ملکی اجتماع تھا۔ اخبارات میں یہ خبر گشت لگا رہی تھی کہ نوآبادیوں کی زیادتیوں کو بند کرانے کے لئے مادر وطن کی دیویاں سرکھٹ کو شش کر رہی ہیں جن میں پیش پیش

سز سرحدی نیند میں۔ ملک کی نصف آبادی نے جیسی مردانہ داری کی ہے سہ قابل ترقی و تہنیت ہے۔ اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ خواہن ہند کا ایک ڈیپوٹیشن ویرائے کی خدمت میں حاضر ہو کر نوآبادیوں کے مظالم کے خلاف عدائے احتجاج طلب کرے گا کوئی توقع نہ تھی کہ نائب سلطنت فرزند ان ہند کی ایک دیرینہ آرزو پورا کرینگے مگر اس کریم ذمہ نواز کی کارساری دیکھئے کہ اس نے یہ عظیم الشان کام صنف سوال کی سخی سے ایک ہفتک پورا کر دیا ہے۔ مرد، ایک مدت سے متعذر دوری کے خلاف عدائے احتجاج طلب کر رہے تھے مگر اعضاء نے حکومت پر سوائے اظہارِ ہمدردی کے کچھ نثر نہ پڑا، کیسی حیرت کی بات ہے کہ جب جس لطیف نے کوشش کی، تو ان کی سخی بار آور ہوئی اور خواہن ہند کے اس معزز ڈیپوٹیشن سے نرا کیلسنی لارڈ جیمس فورڈ نے تا اقامت جنگ نوآبادیوں کو میدان کے مزدور کا ہانا بند کرنے کا اظہار کیا۔

دہلی کی سلیک در حقیقت کوئی سیاسی زندگی نہیں رکھتی وہ سیاسی محتاج کرتے ہوئے نہ تھی ہے۔ ضرورت ہے کہ دہلی کی پوزیشن کو ملحوظ رکھ کر اس سالانہ اجلاس انڈین نیشنل کانگریس دہلی میں منعقد کیا جائے دہلی کی سلیک کو سیدار کیا جائے، بزرگان دہلی کا مجبور دیکھئے کہ آج تک قرضہ جنگ ملکی فروغ و بڑھ جیسے ضروری اور اہم تر کیوں کو کامیاب بنانے کے لئے کوئی عام جلسہ نہیں کیا گیا، بزرگان دہلی کے لئے یہ شرم کا مقام ہے کہ وہ سیاست میں ہندوستان کے تمام ممالک سے بہت پیچھے ہیں۔

آج شام کو دہلی کے مشہور و معروف نہار کی کڑن تھپڑ میں باتنگا
 دہلی کا ایک عام جلسہ حضور و لیسر آئے کا شکریہ ادا کرنے کے لئے
 منعقد ہوا، جلسہ کا اعلان تنگی وقت کی وجہ سے نہ ہو سکا مگر فرزند
 ہند کی روحانیت دیکھنے کے باوجود جبکہ کوئی اشتہاد نہیں دیا گیا، اور
 جلسہ کا وقت پھر بجے کا تھا۔ اور پانچ بجے تک نہار کی تھپڑ کی
 وسیع عمارت جلسہ سے بھر گئی چھوٹے کے قریب عالی جناب
 حازق الملک بہادر کی صدارت میں جلسہ کا افتتاح ہوا حکیم صاحب
 نے حاضرین جلسہ کے انعقاد کا تعہد نہایت وضاحت سے سمجھایا، اور
 سر سرد جی نیڈو اور سٹر گاندھی پلیٹ فارم پر آئے حاضرین نے
 جیڑ سے ان کا استقبال کیا۔ حاضرین آپ کی صورت اور سادہ دھنی
 سے نہایت متاثر ہوئے۔ سٹر گاندھی نے فرمایا کہ میں آج اس شہر
 میں تقریر کرنے کھڑا ہوا ہوں جہاں کے لوگ اردو کے پلنے دانے
 ہیں جہاں اردو نے نشوونما پائی اور دہلی کے سجا کی بہت اچھی امداد
 جانتے ہیں مگر انہوں میں صدا اردو نہیں بول سکت بہت ممکن
 ہے کہ میں انگریزی میں تقریر کر دوں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے
 سجا کی اس کو نہ سمجھ سکیں گے۔۔۔۔۔ مگر آپ یقین رکھیں کہ ایک
 وقت آئے گا کہ میں آپ کے سامنے خلافت اردو بول سکوں گا قرعہ
 پائے سترت اس کے بعد آپ نے نو آبادیوں کی زیادتیوں، اور
 فرزند ان ہند کی کوششوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ہم کو شکست زار ہونا چاہیے
 سٹر ایڈوڈز کا جنہوں نے باوجود یہ کہ میں ہونے کے باوجود ساتھ کام
 کیا اور ہمارے رنج و راحت کے شریک ہوئے اور جزائری اور جنوبی

ازلیقہ کا فریضہ صوبت سفر گزارہ کر کے نوآبادیوں کے مظلوم کی ایک دیوٹ
 مرتب کی۔ بلکہ میں کہوں گا کہ آپ کی کوششوں کو اس کامیابی میں
 خاص اہمیت ہے۔ مسٹر اینڈروز کے نام پر یہ صبر میں ہے اپنے بے اختیار
 جوش کا اظہار کیا۔ اس کے بعد دسبرائے کا شکریہ ادا کیا کہ آپ کی سہولت
 سے ہم ایک بڑے بڑے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ زلزلہ ہائے سرت
 سرت کا مدمی کے بعد بندتوں کی مارتہ ناز باعث فراوان حسن لطیف مسر
 سرور جنی مایہ و اسٹیل آپ کے سامنے یہی حاضرین نے نہایت زور سے
 چیز دینے شروع کئے جو بہت دیر تک جاری رہے۔ آپ نے اپنی شہری
 اور مہتمم آواز میں تقریر شروع کی کہ آپ کی تقریر انگریزی میں بھی مگر حاضرین
 جن میں زیادہ تعداد انگریزی نہ جانتے والوں کی تھی، نہایت خاموشی کے
 ساتھ آپ کی تقریر سن رہے تھے۔ آپ نے بھی نوآبادیوں کے مظلوم سامان
 کے اور فرما باکرہ کیجو میں عورت ہوں مجھے یہ دولت نہیں دیکھی گی، کہ
 میری سبزی اور سبزیوں کے ساتھ غلاموں سے بہتر سلوک ہوا اور میں
 اپنی زندگی آرام و راحت میں بسر کروں، ہم مرد جو تم کو مجھ سے زیادہ
 وطن کی خدمت کر لی چاہیے۔ آپ نے بھی داسبرائے کا شکریہ ادا کیا
 آپ کی تقریر کے دوران حاضرین نے بار بار چیز دئے آپ تقریر
 کر رہی تھیں کہ مسٹر اینڈروز جلسہ میں تشریف لے آئے، آپ کے
 تشریف لاتے ہی نہایت زور و شور سے چیز دئے گئے، مسٹر اینڈروز
 کے بعد مسٹر دھار دھار ڈیفینشن کالج نے دسبرائے کے شکریہ کا اندیشہ
 بزمیان انگریزی پیش کیا، جس کی تائید مسٹر حامد علی خاں باراٹ لاہور
 نے کی، آپ کے بعد محترم ڈاکٹر انصاری پلیٹ فارم پر تشریف لائے

آپ نے نہایت مختصر الفاظ میں ریزولوشن کی تائید کی آپ کے بعد
 سید مالوی جی نے ہاؤز کے ملک حکیم اجمل خاں کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا
 ہم کو متحد ہو کر ایسے تمام خلاف ان بنیت قوانین کا مقابلہ کرنا چاہیے
 اور لڑا ہوا دلوں کو تباہ دینا چاہیے کہ قانون بنانا تمہارا کام ہے اور اس کو
 نوٹ نہ ہمارا کام ہے اگر نادری وطن کی گاڑی کہیں لٹکی ہوئی ہے تو ہمارا
 فرض ہے کہ اپنی تمام قوت سے اس کو نکالنے کی کوشش کریں، اور
 ہندوستان کی عزت قائم رکھنے کے لئے ہمیں اپنے سینوں کا زور لگانا
 چاہیے اور ثابت ردینا چاہیے کہ ہم میں قوت ہے۔ آخر ہم بھی انسان
 ہیں ہم تم سے کسی طرح کم نہیں، تم جاؤے ساتھ دستانہ برتاؤ
 نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد آپ نے سادہ کی تاریخ مختصر بیان کی اور
 سرگھو کھلے آنجنائی کی خدمات کی طرف اشارہ کیا، آپ نے فرمایا
 آج حصہ داسر نے فرمایا کہ ہندوستان کی تاریخ میں یہ سید
 موقوفہ ہے کہ ملکی جدوجہد میں عورتوں نے حصہ لیا اور اسید نے آئندہ
 بھی خدمتِ وطن میں حصہ لیں گی، سرگاندھی، سر مالوی، ڈاکٹر
 انصاری، پروفیسر روبرا، سر امیڈ روزا اور ہاؤز کے ملک حکیم اجمل
 خاں وغیرہ خادمانِ ملک کے گلے میں ہار پہنائے گئے اور جلسہ
 نہایت خیر و خوبی سے ختم ہوا۔

یہ روزانہ اخبار کلکتہ سے لا کر آئے آخر میں
 جاری ہوا۔ چھ صفحات پر کلکتہ انتظامی علی الغفہ
 صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چند بارہ روپے تھا۔
 ۲۸ نومبر ۱۹۱۷ء کے دو تقریب بدایوں میں اس اخبار کا ذکر ہے

غالباً یہ اکتوبر یا نومبر ۱۹۱۶ء میں جاری ہوا ہوگا، اس کی عمر بھی
سال ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں ہوئی، مارچ ۱۹۱۶ء میں
نہ ہو گیا ہوگا۔ بند ہونے کی وجہ کیا ہوئی کہ ۱۶ اپریل ۱۹۱۶ء
کے مخبر عالم مراد آباد نے بتائی ہے۔

ترجمان گلشن کو حیب قاضی مصلحت سے نیا جنم لینے کی
ضرورت محسوس ہوئی تو صداقت کا جون اختیار کر گیا
پنجاب میں اس کی در آمد بند ہونے سے اب یہ بھی خدا
بچنے میں سوچ گیا، تاہم مالک داہڑی صداقت اطمینان
دلاتے ہیں کہ ایک ماہ کے بعد اصلی یا کسی اور رنگ میں
غالب میں نمودار ہوگا۔

ہمالہ لالہ دینا ناتھ صاحب نے دلنشین اخبار کے ساتھ لاہور
سے آریہ سماج کی تحریک کو فروغ دینے کے لئے
یہ ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار عوام میں مقبول تھا۔ ۱۹۱۶ء
میں اس کی اشاعت سات ہزار سے زیادہ کتنی سال ۱۹۱۶ء میں جب کہ
اخبار دلنشین بند ہو گیا تو ہمالہ بھی بند ہو گیا۔

پیام یار لاہور سے ۱۹۱۶ء کو یہ ماسوار رسالہ شائع ہوا،
۴۴ صفحوں پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر صفوی پر خشی
نگہ صاحب تھے سالانہ چھ پیادہ آئے تھے۔

یہ رسالہ ادبی اخلاقی اور فلسفی مضامین کا مجموعہ تھا اس رسالہ
پر رسالہ نظر میرٹھ نے نومبر ۱۹۱۶ء کے شمارے میں یہ تبصرہ کیا تھا
پنجاب میں لاہور علوم کا مرکز خیال کیا جاتا ہے اور دانتی

اس سرزمین میں ایسے ایسے لوگ آباد ہیں جو علمی دنیا میں اپنی نظر نہیں رکھتے لیکن ہیں اس سے سخت تعجب ہے کہ باوجود تمام خوبیوں کے لاہور جدید رسائل کے لئے جدید نام نہیں پیدا کر سکتا جب ہم نے نظام جاری کیا تو ایک صاحب سے حیدرآباد سے بعد ایک نظام لاہور سے بھی نسخے کر دیا۔ ترجمان اخبار کلمتہ سے لکھتا تھا اب اس نام کا ایک رسالہ لاہور میں بھی موجود ہے۔ پیام یار مرحوم کو لکھنؤ کے دس میں مسہ چھپائے ہوئے کم زمینیں پانچ چھ سال کا عرصہ ہو گیا۔ لیکن اب پیام یار لاہور سے برآمد ہوا ہے یہ بھی اچھی دل لگی ہے، موجودہ زمانہ جدت پسند ہے، رسائل میں جب تک نئے مضامین اور نئے خیالات نہ مولیں زمانہ قدر نہیں کر سکتا، اب یہ خیال ہے کہ جن رسالوں کو نئے نام بھی نہیں ملتے ان کے مضامین بس کہاں تک جدت ہوگی۔

الہربید | کانپور سے یہ ہفتہ دار قومی سیاسی لندن اخبار شائع ہو رہا ہے۔ کوئٹہ ہوا بارہ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ حینہ چار روپے تھا۔

اس اخبار کا اشتہار مارچ اپریل ۱۹۰۶ء کے شمارے میں چھپا تھا۔ صوبہ جات متحدہ کے سب سے بڑے شہر کانپور سے نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ ہر مہینہ اس میں مفصل ذیل مضامین ہوتے ہیں۔

صنف سخن عجائبات و لطائف معلومات وغیرہ وغیرہ دلائلی واکل کی سیر کے زیر عنوان لندن کے مشہور اخبار ٹائمز و نیو ایٹ کے ایسے

بہترین تراجم برہنہ درج کئے جاتے ہیں جو کسی دوسرے اخبار میں نہیں ملیں گے۔ اخبار البرید قومی معاملات میں نہایت آزادی کے ساتھ بحث کرتا ہے۔ جنگ کی خبریں نہایت صحیح تمام اردو ہفتہ دار اخبارات سے قبل اپنے ناظرین کو پہنچاتا ہے چھ ماہ سے کم مدت کے لئے اخبار جاری نہیں ہو سکتا، غزوہ کا پرچہ ایک آنے کے ٹکٹ آنے پر بھیجا جاتا ہے۔

مفید روزگار | جلد ہرٹی سے یہ ہفتہ دار اخبار سالانہ جلد افروز ہوا ہے جو ہفتوں پر نکلتا تھا سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس اخبار میں چین و جاپان، امریکہ یورپ کے وہ طریقے، صنعت و حرفت، تجارت و دستکاری کے سکھانے جتنے شعبہ جن کو خندہ دلوں میں سیکھ کر ایک معمولی شعبہ میں ٹھیکر سیکڑاؤں پر ابدی روپے کما سکتے تھے۔

ناصر الاخبار | جو پور سے سالانہ غزوہ ہفتہ دار اخبار طور پر ہوا اس نے صنعت پر نکلتا تھا چار روپے سالانہ چندہ تھا اس کا مسک مزاج اب کے شر کے مطابق تھا۔

آزاد مہول، مسک ذاتی ہے صلح کل

ہرگز سمجھی کسی سے عداوت ہیں مجھے

شیعہ کالج میوز | شیعہ کل نزل سائڈزس روڈ لکھنؤ سے یہ ہفتہ دار اخبار سالانہ ۱۹۱۷ء میں جاری ہوا۔ ہر جمعہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا سید حبیب حسن ایڈیٹر اور شمس الدین حسن میوز

تھے، سالانہ چند تین روپے تھا، فول کثور بریس لکھنؤ میں چھپتا تھا
افادہ | حیدر آباد دکن سے سالانہ چوبیس ہزار روپے سالانہ عالم
 وجود میں آیا، ۸۸۸ مصطلوں پر نکلتا تھا، مرزا نظام
 شاہ لبیب اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چند دو روپے تھا۔

اس رسالہ کے مضمون نگار ملک کے مشہور و معروف اہل قلم تھے
 صفائین کے اعتبار سے بہترین رسالہ تھا۔ چند سال کے بعد شاہ
 لبیب صاحب کی مصروفیات کے باعث بند ہو گیا۔

مرزا نظام شاہ لبیب | خلیق، بادشع، ملنار اور متواضع
 منکر المزاج، پاک طبیعت اور زندہ دل شاعر تھے دارالترجمہ میں ملازم
 تھے شہر خوب چہتے تھے۔

نہ جانے کہا خواب تھا جو دیکھا بدیدہ نیم خواب تو نے
 کہ جو نکلتے ہی تھیں جگمگے تو ڈال دی نقاب تو نے
 نہ گدگد لوگوں کو، نہ چھڑ سوتی ہوئی حسوں کو،
 کہ سارے عالم میں ڈال رہی ہے لڑش سچ و تاب تو نے
 نقاب تو فیض بخش عالم ہے چا محنت جوت جسم وہاں کا
 کہ حسن کو دل کشی عطا کی تو عشق کو اضطراب تو نے

عشق کے ادب سے ہے یار کی رضا جونی

اپنا مدعا مت کہہ اس کا مدعا منہ پوچھ

وہ جفا کئے جا میں کام ہے وفا اپنا

جان لے لکھتا مدول پر ان سے خوں بہت پوچھ

کمرشل اینڈ مینیجنگ ایڈ یہ ہفتہ دار اخبار سلاسلہ کوئٹہ سے
 آج کل کے حالات سے جلوہ نما ہوا۔ چھ صفحات پر مشتمل
 تھا حکیم محمد عیوب کھڑی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپے
 آٹھ آنے تھا۔

نشاہ راہ ترقی بنگور سے یہ ماہنامہ سالانہ ۱۹۱۹ء کو عالم وجود میں
 آیا۔ ۴۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ ابو محمد عبداللہ صاحب
 اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

المسلم بنگور سے یہ ہفتہ دار اخبار سلاسلہ کوئٹہ جاری ہوا
 چار صفحات پر لکھتا تھا قائد شریعت صاحب، غلام محمد
 شوکت اور عبدالہاسد برقی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ
 روپے تھا۔

اتحاد امرتسر سے سلاسلہ کوئٹہ ماہانہ پر چھ جلوہ نما فروزا ہوا
 ۴۴ صفحات پر لکھتا تھا۔ بیرونی باغی لال جینی
 ایڈیٹر منشی مولابخش کشتہ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ اس
 علمی ادبی رسالہ میں نظم و نثر کے مضامین شائع ہوتے تھے
 لکھائی چھاپائی معمولی تھی۔

اہل السنۃ والجماعۃ امرتسر سے یہ ہفتہ روزہ اخبار غالباً سلاسلہ
 کوئٹہ کو لکھتا تھا۔ مرزا حکیم ابوتراب علی عبدالحمق
 صاحب لکھتا تھا قائد برہنہ کی زیر اہانت لکھتا تھا۔ نمونہ کا ہر چہ ایک
 کہ نہ اند سالانہ چندہ دو روپے چھ آنے تھا۔

اس اخبار کا اٹھارہ نمبر مارچ ۱۹۱۹ء میں

نتیجہ ہے۔

یہ ایک مذہبی اور طبی اخبار ہے جو جناب مولانا حکیم ابوتراب محمد عبدالحق صاحب مالک شفا خانہ نقای امرتسر کی زیر اہانت امرتسر سے نیدرہ روزہ شائع ہوتا ہے۔ اس میں مذہبی مسائل اور فتاویٰ اور احکام آیات قرآنی اور احادیث نبوی و اقوال صحابہ تابعین و ائمہ مجتہدین و خیر القرون کے درج ہوتے ہیں اور مخالفین اسلام کے دہ ان تھکن جواب دے جاتے ہیں۔ اور ہندو بہ طریق بران کی نزدیک کی جاتی ہے اور علامہ ازب طبی حصہ میں امراض جزائیہ کی تشبیہ اور معرب علاج ہے اور طبی معلومات و صدی مجربات بڑی محنت سے درج کئے جاتے ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں علاج نبوی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین و اہل بیت و دیگر بزرگ مہمان دین کے مجربات بھی لکھے جاتے ہیں اس کا ہر ایک نمبر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شائع ہو رہا ہے ناظرین سے التماس ہے کہ وہ اخوة اسلامی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی خریداری قبول فرمائیں۔

۱۲۱۰ ہجری بمبئی سے روزانہ اخبار سلامہ غریب ظہور
مسی روشنی پذیر ہوا۔ ۱۲ صغیات پر نکلتا شفا و احادیث و احادیث
 بانی و ایڈیٹر تھے سالانہ چند بارہ روپے تھا۔ کتابت اچھی اور طباعت
 و کاغذ ٹھیک تھا۔

اس اخبار کے مخصوص عنوان مختلف ہندوستانی خبریں، تازہ
 خبریں، مراسلات اور گزٹ ممالک متحدہ تھے، تازہ خبروں کے تحت
 غیر ملکی خبریں چھپتی تھیں گزٹ ممالک متحدہ میں حکام کی رخصتی تقریریں

اور علمدگی کی خبریں درج ہوتی تھیں۔

پہلے صفحہ پر ایک نزل و نظم، مختلف ملکی و غیر ملکی خبریں، دوسرے صفحہ پر مقالہ افتتاحیہ اور نوٹس، تیسرے اور چوتھے صفحہ پر نازہ خبریں، مراسلات اور محوٹ مملکت متحدہ لٹائے ہوتے تھے اور پانچویں و چھٹے صفحہ پر اشتہادات چھپتے تھے۔

آزاد خیال اخبار تھا۔ سفیدگی اور رسالت کے ساتھ حکومت پر نکتہ چینی کرتا تھا۔ تعمیری معاملات میں دل چسپی لیتا تھا مدارس و کالج اور اسکولوں کی روداد چھاپتا تھا۔

انگریز مند دستانیوں کو اختیارات دینا نہیں چاہتا تھا، ہر بڑے عہدے پر انگریز مسلط تھا، انگریزی فوجی تمام اعزازات و اختیارات کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ مند دستانی فوجیوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور برطانوی سرکار نے اور دوسرے انگریز حکام مند دستانیوں کو نا اہل سمجھتے تھے۔ کوئی کلیدی عہدہ مند دستانیوں کے پاس نہیں تھا۔ جیسا کہ ویلٹرمنی رومنی ۱۹ اپریل ۱۸۸۷ء کے شمارے میں ایک مقالہ افتتاحیہ بعنوان "اہل دنا اہل" تحریر کیا اس کے اقتباس ملاحظہ ہوں۔

"انہیں کالوں میں ہم نے آواز محفوظ نہ کیا پر جوش خیر مقدم کیا ہے اور ہم اب سچی کہتے ہیں کہ اگر مند دستانیوں نے اس تحریک سے پورا فائدہ نہ اٹھایا ہے تو ان سے زیادہ بد قسمت کوئی بد بختی تو مل نہیں ہو سکتی، لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مند دستانی فوجی خدمت کے ان حقوق و فوائد سے ابھی محروم ہیں جن سے نہ صرف بھائی

بلکہ آسٹریلی، کنال، اذرقی اور غانا مصری سپاہی متمتع ہوئے ہیں
کیا مہندوستانیوں سے ایسی وفاداری کی توقع رکھنا کہ وہ فوجی خدمات
کے لئے اتنے معاوضہ کی خواہشمند بھی نہ ہوں۔ جتنا خود اہل برطانیہ
طلب کرتے ہیں صریح نا انصافی نہیں ہے، ایسی صورت انہی صفحات
تاریخ میں صرف تاجدار کی اور غلامی کے ناموں سے موسوم ہوتی رہی
ہے اور اگر اس کو مہندوستان کے لئے بیاداری وفاداری سمجھا جاتا
ہے تو مہندوستانیوں کی قسمت سے زیادہ بیکو سمجھے والوں کی عقل و
خداست پر افسوس کرنا چاہئے۔

نہرا گنسی فرماتے ہیں کہ کثرت تعداد کے لحاظ سے مہندوستانیوں
کو ایک خاص قوت حاصل ہے جو کسی سلطنت کی خدمت میں استعمال نہیں
کی گئی۔ اور اس کو استعمال کرنے کے لئے ایک نظام کی ضرورت ظاہر
فرماتے ہیں لیکن ہاں ہم آپ عطا کیے کمیشن کے متعلق کوئی اعلان نہیں
کر سکتے بہ آخر اس پس پیش کی وجہ کیا ہے خاص کر ایسی صورت میں
جب کہ ہر ایک بیسی کو مہندوستانی تہذیبوں کے ساتھ ولی بعد روکی ہے۔
بیک۔ مہندوستان کو اپنی کثرت تعداد پرناز ہے اور اس کے استعمال
کا حق غیر منصف برطانیہ کے کسی کو حاصل نہیں ہے لیکن اگر باشندگان
مہندوستان کو فوجی خدمت کا اہل سمجھا جاتا ہے تو ان میں ان مراعات
کا تعداد صرف اس کے استعمال کیا کہ مہندوستان کی مردمی قسمت ایسی ان
فوجی ذہنیات کو حق کہنے کی اجازت نہیں دیتی ورنہ حقیقت یہ ہے
کہ تمام ہندو قومیں ان کو اپنا حق سمجھتی ہیں اور تمام ہندو حکومتیں اس
حق کو تسلیم کرتی ہیں۔

بہر حال حکومت، اہل باب حکومت اور عاشقہ برداران حکومت اپنے قول و فعل سے منہ دوستانیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ خدمات کے اہل تو ہیں لیکن حقوق و مراعات کے اہل سرگز نہیں ہیں اس لئے کہ انہیں بابر یا نصیرت کی جاتی ہے کہ منہ دستان کیلئے غضب العین سر یہ ترقی نہیں بلکہ باقاعدہ ترقی ہے۔ مزاحمینی خود فراموشی میں کہ اگر یقینی ترقی حاصل کر لے تو وہ تہذیب حاصل ہو سکتی ہے۔ حالانکہ آج تک نہ صریح ترقی کی کوئی صورت معین کی گئی ہے نہ تہذیبی ترقی کی، کاش یہی معلوم ہو جاتا کہ تہذیبی ترقی کس لئے اس ڈیڑھ سو برس کے بعد منہ دستانوں کو برطانیہ عظمیٰ کے سایہ عاطفت میں آئے ہوئے گزر چکے ہیں، تہذیبی ارتقاء کے لئے ابھی کتنی مدت اور درکار ہے اور کونسی حالت چوٹی جس کے پیدا ہونے پر تہذیبی ترقی کا لفظ ہی سلسلہ مکمل سمجھا جائے گا۔

تعلیمی معاملات میں یہ اخبار ترقی پسند تھا۔ جہاں مردوں کی تعلیم کو ہرزہ کی سمجھتا تھا، وہاں تعلیم نسواں پر بھی زور دیتا تھا، لکھنؤ میں سلم گرلز اسکول قائم ہو چکا تھا۔ جیسا کہ اسی ۱۹ اپریل ۱۹۱۹ء کے شمارے میں اس گرلز اسکول کے ذکر میں تعلیم نسواں کے فوائد بھی بیان کیے ہیں۔

یہ نائنہ تعلیم اطفال کا ہے نسوانی تعلیم میں بھی ہمارا طرز عمل اسی طرح ہے، اس ترقی پر نسوانی تعلیم کے لئے قواعد اور ضرورتیں پر بحث کرنا بے سود ہے، چونکہ آج کل کی جدوجہد میں مرد و کثیر الشغل مچتے جاتے ہیں اس وجہ سے انتظام خانہ داری اور بچوں کی پرورش و تربیت

کے لئے عورتوں کے ہاتھ بٹانے کی سمت ضرورت ہے مگر یہ مقصد حسب دل خواہ بلا تعلیم حاصل ہونا دشوار ہے ہم اپنی تعلیم و آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس ضرورت کو لاد فوٹوں نے محسوس کر کے عملی کوشش کرنا شروع کر دی ہے مگر بائیس لاکھ چھ افراد کے ہماری قوم خواب غفلت میں پڑی ہے خدا کرے کسی طرح کڑوٹ بدلے لفظ پیام امید کی خوش آئند بیدار کن آواز "اطوار ۳" کے بڑھو ان کے کانوں میں بھی پہنچ جائے تاکہ مستعد ہو کر عمل کی کوشش شروع کر دیں۔ اب تاجیک کا موقع نہیں ہے۔ ہر والدین کا فرض ہے کہ جہاں اپنے بچوں کی تعلیم میں کوشاں ہیں وہاں اپنی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ مبذول کریں۔ اگر کسی اسکول میں ایسے کاموقع یا مصلحت نہ ہو تو اپنے گھر دل میں سہی، لڑکیوں کو تعلیم دلائیں، جس شہر میں اسکول ہیں اور جہاں مردہ داری اور عفت و عصمت قائم رکھنے کا مقول انتظام ہے اپنی لڑکیوں کو ہر در داخل کریں، جیسے سلم گرا اسکول لکھنؤ جناب برکوی سید کرامت حسین صاحب و چند خواتین لکھنؤ کی خاص نگرانی میں چل رہا ہے جہاں انھوں نے ہماری قوم پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے ساری تمام زندگی کا سرمایہ انسانی تعلیم کے لئے وقف کر دیا ہے اور خود نہایت سادگی سے بسر کر رہے ہیں۔ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ لکھنؤ کی وہ خواتین جو انجمن مدرسہ کی رکن ہیں ہر ہفتہ میں ایک گھنٹہ اپنے اپنے فرقہ کی لڑکیوں کو وعظ دیتی ہیں یہ نہایت اچھا اور باعث اطمینان کام ہے، ایک شیعہ خاتون نے سنی لڑکی کو جو سالانہ امتحان دینیات میں اول آئیں گی انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور غالب کوئی سنی خاتون بھی شیعہ لڑکیوں کو انعام

دی گئی یہ اچھا طرز عمل استمد قائم رکھنے کا ہے ۔
 مدیم گمنام اور خبری سکالہ ۱۹۱۷ء میں اس اخبار کا حسب ذیل
 اشتہار نکالتے ہوئے ہے ۔

” صوبہ متحدہ کے صدر مقام الہ آباد سے روزانہ ۲۲/۱۸
 سائز کے چھ سفید صفحوں پر نکالتے جوتا ہے جس میں تازہ
 ترین شدہ دستاویز خبریں، تدار برتی، کئی خبریں اور دلائی
 ڈاک کے اقتباسات تمام اہل پرچل کے زیادہ اور پہلے
 نکالتے ہوتے ہیں، ہر ملکی، قومی اور سیاسی معاملات پر
 نہایت آزادی کے ساتھ مکرر و بانہ طریقہ پر رائے زنی کی
 جاتی ہے، سہ ماہی خریدار کو ۶ صفحوں پر مشتمل ایک
 کتاب موصوفہ ارض تاج، جس کا کاغذ سفید ملائی
 اور سرورق رنگیں ہے، مفت نذر کی جاتی ہے۔“

چنانچہ اس اخبار کا ذکر ”دکرا آزاد“ میں بھی ہے اس کے مولف
 لکھتے ہیں ۔

” نئی روشنی نذرانہ شہا، اور اس دور میں بہت اچھا اخبار
 سمجھا جاتا تھا۔ خود مولانا آزاد بھی اس کے مداح تھے۔“

۱۹۱۷ء

رفیق تعلیم

لاہور سے جنوری ۱۹۱۷ء میں یہ تعلیمی ماہنامہ جاری ہوا، ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ کو نکلتے ہوئے تھا۔ لالہ

رحیم نائنہ سہائے بی اے میڈیٹر و پالنگنگ ہائی اسکول لاہور اس کے ایڈیٹر تھے۔ محکمہ تعلیم پنجاب کی سرپرستی میں نکلتا تھا، قیمت سالانہ تین روپے طلباء کے لئے دو روپے تھا۔ مفید عام پریس لاہور میں لالہ موتی رام پیپر کے انتہام میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں پنجاب کے کالج اور اسکولوں کی خبریں روایت اور پریس میں طبع ہوتی تھیں، پنجاب کی تعلیم میں حصہ لینے والے، تعلیم کو پھیلانے یا سکھانے والوں کے حالات بھی شائع ہوتے تھے۔

راجہ زبیر نائنہ صاحب الم اے کے جون سنگل لالہ غریب خان صاحب
خلیفہ عماد الدین کے نومبر سنگل لالہ غریب خان صاحب لال صاحب

انیکڑھارس کے انکوبر سٹیم ۱۹۱۷ء میں اور پروفیسر ہارام صاحب کے
انکوبر سٹیم کے فہرے میں حالات زندگی قلمبند ہوئے۔
دیال سنگھ کالج لاہور کی انتہائی قیسی حالت کی تھی امتحانات
کے نتائج کس درجے کے تھے اس کا ذکر جون سٹیم کے شمارے
میں ہے۔

اس کالج کی عمر صرف سات سال کی ہے لیکن اس نے ہر ایک
افاضے سے نمایاں ترقی کی ہے اس میں پانچ سو سے زیادہ طلباء تعلیم
پانے میں طلباء کے اخلاق کی ترقی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جب سے
پروفیسر چند رائے ایم اے پرنسپل ہو کر آئے ہیں۔ کالج کے انتظام
تعلیم اور اخلاق میں ایک نئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ مثالی بی اے کے
اشخاص میں خاص کر اس کالج نے بہت نمایاں کامیابی حاصل کی ہے
اس کا ایک طالب علم لاہور کی کمیشن تمام صوبہ میں اول رہا ہے علاوہ
ازیں اس کالج سے سب کامیابوں سے زیادہ تعداد طلباء کی پاس ہوئی
ہے یعنی ۹۴ طلباء پاس ہوئے ہیں بلحاظ اوسط فیصدی کے
گورنمنٹ کالج لاہور کے ۵۶ فیصدی طلباء پاس ہوئے ہیں یعنی
۶۳ دیال سنگھ کالج سے پچاس فیصدی ۵۵، ۶۹ فیصدی کالج سے
۶۸، ۲۹ فیصدی اور دیانند کالج ۶۸، ۷۸ فیصدی
ہم ان نہایت نئی نئی نتائج پر جناب پرنسپل صاحب دیال سنگھ
کالج اور ان کے قابل ایشاد کو تیرہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔
شاید آپ خیال کریں گے کہ پروفیسر اور طالب علم موجودہ ذہ کے ہیں
ہی اپنے مطالبات پیش کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ آج سے

۵۲ سال قبل بھی علاقہ ۶ میں میچروں کے مطالبات تھے جس کو منوانے کی وہ کوشش کرتے تھے۔ لالہ مکند لال مدرس دیپال پور نے اپنے ایک طویل خط میں میچروں کی پلٹ نیوں کا ذکر کیا ہے۔ خط اکتوبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

۱۔ میری ناقص رائے میں مدرسین کو اتنی رعایتیں ضرور ملنی چاہئیں۔
۱۔ مدرسین کے راکوں کی نمبر کم از کم انٹریس تک تو ضرور معاف ہونی چاہیے۔

۲۔ اس محکمہ میں ملازم رکھتے وقت مدرسین کے راکوں کا حق نسبت ادا امیدواروں سے زیادہ سمجھا جائے۔

۳۔ مدرسین کے سکند ڈیڑن میں پاس شدہ راکوں کو دیگر امیدواروں فرسٹ ڈیڑن پاس شدہ پر ترجیح دیکر کالجوں اور ٹریننگ کالجوں میں لیا جائے تاکہ مدرسین کی حوصلہ افزائی ہو۔
۴۔ مدرسین کے رہنے کے لئے مکان کا انتظام محکمہ تعلیم کی طرف سے ہونا چاہیے۔

۵۔ سمارٹ پاس مدرسین کی شہرت منخواہ کم سے کم تیس روپے ماہوار ہو جو سالانہ ترقی کرتے کرتے ۵۰ روپے تک پہنچے اور ایس اوی معلمین کی منخواہ چالیس روپے سے سرو پے تک متحرک کر دی جائے۔
ایس دی ٹیچر کو کسی طرح ۱۱۷ روپیہ کم از کم سمجھا جائے کیونکہ جہاں ایس اوی ٹیچر انگریزی نہیں جانتے وہاں ورنیکل کی قابلیت کو جے ۱۱۷ روپیہ والوں سے زیادہ رکھتے ہیں۔

۶۔ مدرسین کو اول تو اپنے شہر کے سکولوں در نہ بانگل نزدیک کے

ہمدرد میں جگہ ملنی چاہیے کیونکہ وہاں کے لڑکوں سے مدرسین واقف ہوتے ہیں اس لئے ان کے حال چلن وغیرہ کی پوری نگرانی کر سکتے ہیں دوسرے پردیس کی نعت و فن میں خرچ بھی کم ہوتا ہے۔

رسالہ مخزن لاہور مورخہ جون ۱۹۷۷ء نے رسالہ رفیق التعلیم لاہور پر یہ رویہ کیا تھا۔

یہ علمی ادبی رسالہ زیر ادارت جناب لالہ رحمنو ناتھ سہائے بانی ایڈیٹار شریال سنگھ ہائی اسکول لاہور علمی دل چسپیوں کا ذخیرہ ہے مگر ماہوار شائع ہوتا ہے۔ ایڈیٹر رسالہ کے علمی افادات ملک میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، سرشتہ تعلیم نے آپ کی کتاب پر آپ کو معقول انعام عنایت کیا تھا۔ آپ نے بعض اخلاقی رسالے پنجاب سے اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں، رفیق التعلیم کی پانچ سو کاپیاں ٹیکسٹ بک کمیٹی نے خرید کر آپ کی ہمت افزائی فرمائی ہے رفیق تعلیم کے دو تین نمبر دیکھ کر میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ رسالہ ملک کے لئے مفید ثابت ہوگا، اس کی لکھائی، چھپائی نظر فریب ہے۔“

لاہور ٹیکسالی وردرازہ کوچہ سہیل شاہ ٹرٹی وردرازہ
منشیہ گزٹ مدرسہ نصابیہ سے یہ ماہانہ رسالہ بخوری سکاٹلینڈ
 کوئٹہ پبلیشرز۔ چالیس صفحات پر نکلتا تھا۔ مرزا محمد بیگ پبلشر
 تھے۔ سالانہ چھ نمبر دے دیتے تھے۔ گلارہ محمدی تعلیم پرپس لاہور میں
 بہ اہتمام شیخ گلارہ محمد پریٹر سے چھپا۔

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

- ۱۔ قوم کے افراد میں اخوت کے جذبات پیدا کرنا۔
- ۲۔ قوم میں دوسری قوموں کی طرح تقسیم کا چرچا پھیلانا۔
- ۳۔ قوم کے افراد کی امداد و حصول مدد و نگہداشت میں سرگرمی کے ساتھ کرنا۔
- ۴۔ قوم کو صنعتی و حرفت تجارت و ذراعت کی طرف متوجہ کرنا۔
- ۵۔ قوم میں رعیت دلائی جائے سکودہ پیشتر کی طرح کوئی ملازمت اختیار کریں۔

۶۔ قوم کے سامنے بذریعہ منیب گزٹ اپنے بھائیوں کے نام ادا ان کے مقامات و غیرہ کی سہولتیں پیش کی جا دیں کہ بھائیوں سے تعلقات پیدا کریں۔

اس رسالہ کے معنون نگار، مرزا نواز شہید، مرزا سلطان احمد سید و یوسف علی شاہ، مرزا امیر بیگ، مرزا امیر علی بیگ، مرزا حبیب اللہ اور مرزا غلام عیسیٰ وغیرہ تھے۔

اس رسالہ میں کوئی عاشقانہ غزل شائع نہیں ہوئی تھی صرف حمد و نعت، بانیوں کی تعریف اور ناصحانہ، اللہ و رنج ہوئے تھے اور تاریخی ادبی اور اصلاحی و مذہبی مضامین چمکتے تھے۔

منیب گزٹ پر رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ اکتوبر ۱۹۱۸ء میں حسب ذیل ریلوے کپاٹھا۔

منیب گزٹ فرقہ دارانہ اخباروں اور رسائل کا پنجاب میں جو ذریعہ ہے یہ رسالہ بھی اسی اثر کا نتیجہ ہے، منسل قوم کا یہ لقیب اور ترجمان ہے زیادہ تر مضامین منسل قوم کی تاریخ و معارف اصطلاحات کے متعلق

ہیں۔ مثل قلوب کے مدحی تھے اب اسخوں نے قلم پکڑا ہے اس کے ۶ یا ۷ نمبر نظر سے گزرے ہیں لیکن نظم و شعر دونوں میں خامی اور نواقص کی جھلک نمایاں ہے۔ رشیدستان کے مثل اگر اس سال کی رسائی میں کوشش کریں تو امید ہے کہ دفعہ دفعہ اس میدان میں بھی زبرد قوت حاصل کر لیں گے، قیمت درود پے طعنا مت، ہم صغے، پتہ کو چہ ہیرا، شاہ کمال لاہور۔

لاہور سے جنوری ۱۹۱۷ء کو یہ ادبی رسالہ ظہور پذیر ہوا۔
گلشن۔ ہم مضامین پر لکھتا تھا۔ سالانہ قیمت ایک روپیہ
 آٹھ آنے تھی۔

اس سال میں مشہور شعراء کے کلام کے ساتھ طرحی غزلیات، علمی ادبی، طریقات معانی میں طبع ہوتے تھے، نظم و شعر کا بہترین خزانہ ادبی ناول اور انگلش اخباروں اور نادلوں کے ترجمے چھپتے تھے، ایک بہترین انگریزی ناول "سراغ رمان چوریا میں جھوں دلا آدمی" ہالافٹ شدتے ہوتا رہا۔

بنگلور سے یہ رسالہ جنوری ۱۹۱۷ء کو نمودار ہوا،
العرفان۔ یہ ماہانہ رسالہ تھا۔ محمد اسحاق اس کے ایڈیٹر تھے، مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے سالانہ چند ڈیڑھ روپیہ تھا مراد آباد سے ژردری سنگھ نے عہدہ ماہانہ رسالہ خلیج حیات اردو ہوا۔ ہم مضامین پر شتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر طفی اسحاق بیگ مراد آبادی تھے، سالانہ چند ڈیڑھ روپیہ تھا۔

اس سال میں طرحی غزلوں کے علاوہ شعر جن مضامین بھی

ہوتے تھے مگر مقامی شہر کا طرحی کلام زیادہ چھینتا تھا۔ شہر کے کلام کے انتخاب میں زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی۔

ذوالفقار | ذوالفقار منزل لاہور سے زرداری محلہ ۱۹۱۷ء کو یہ مفتہ دار اخبار جلوہ نما ہوا۔ آٹھ صفحات پر

منتقل تھا۔ ایڈیٹر سید احمد شاہ نشی سے سالانہ چندہ دو روپے چار آنے تھا۔ نیوک اسٹیٹ پریس لاہور میں چھپتا تھا۔

یہ عید حضرات کا آئین تھا جس میں احمدی، علمی، اخلاقی تمدنی اور تاریخی مضامین چھپتے تھے اور مذہبی سمیتیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔

شمع انجمن | مراد آباد محلہ چاہ کلال سے مارچ ۱۹۱۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ نہ صفحات پر نکلتا

تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب سید محمد ناظر صاحب کلیم رضوی ایچ پی تھے سالانہ چندہ دو روپے دو آنے تھا۔

ہم طرح غزلوں کے علاوہ اس رسالہ میں دو ایک نثری مضمون بھی ہوتے تھے۔ طرحی غزلوں میں جناب بشر شرر کا کوری اور جناب کلیم رضوی کی غزلیں قابل داد ہوتی تھیں۔

الصباح | لاہور سے بہ دوزانہ اخبار اپریل ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا، چھ صفحات پر منتقل تھا۔ عبداللہ الہادی

ایڈیٹر ارشد احمد دین پشتر سے سالانہ چندہ بارہ روپے اور قیمت فی پرچم دو پیسے تھی، نیوک اسٹیٹ پریس لاہور میں چھپائی ہوتی تھی، کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ تھا، اس کے محفوظ عنوان برقیات

ہندوستان کی خبریں، لایمہ و پنجاب اور جنگ یورپ وغیرہ سننے
 ملتی وغیرہ ملکی خبروں کے علاوہ سیاسی، مذہبی مسائل پر بحث، اور
 نکتہ چینی کی جاتی تھی، جنگی خبروں کو نمایاں طور پر نشانے کیا جاتا تھا
 اسلامی انجمنوں کی بدعنوانیوں پر روشنی ڈالتی جاتی تھی۔ ان کے عیوب
 و نقائص کو منظر عام پر لایا جاتا تھا۔ خپا میہ ۲۸ مئی اور ۲۹ مئی
 سکولہ کے پیرچوں میں انجمن اسلامیہ پنجاب کی بدعنوانیوں پر
 قسط و قدر مقالہ اقامت حیدر لکھا گیا۔ مدارس و اسکول دکانچ کی ترقی
 کے لئے مشورہ دے جاتے تھے اور ان کی مدد و سہی شائع ہوتی
 تھی۔

۲۹ مئی سکولہ کے لئے تھائے میں اسلامی اسکول جو نیور کی ترقی

دینی والی خبر چھاپی۔

جو نیور اگرچہ ہندوؤں کا ضلع ہے جہاں ایک لاکھ سے زیادہ
 مسلمانوں کی مردم شماری ہے اور اکثر شریف خاندان کے مسلمان رہتے
 ہیں، زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ جب تک جو نیور علم و فضل کا مرکز تھا آج
 سبھی سمجھتے ہیں کہ قدیمی علوم کی وہ سرگاہیں موجود ہیں لیکن اچھی حالت
 میں نہیں ہیں، بہت سے اوقاف بھی ہیں اور سب سے بڑے
 وقف کے متولی آئرل نواب عبدالحمید صاحب سی آئی ہیں، ابھی
 تک ضلع میں مسلمان دوسرائی تعداد بھی کافی ہے لیکن انوس ہے کہ
 مسلمانوں کی موجودہ تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے بیشتر جو نیور
 میں انجمن اسلامیہ کی جانب سے انگریزی کا ایک ابتدائی اسکول ہے
 جو وہ جہ جہ تک ریگنا تڑپ ہے اب انجمن نے ایک اعلان شائع

کیا ہے جو لوگ کم مقدار میں روپیہ یعنی سارے سات روپے سے بھی کم
 تر منہ جنگ میں دینا چاہیں وہ انہیں کو روپیہ دیں اگر بیچاس ہزار
 روپیہ اس طرح جسے چاہیں تو انہیں سلطان جو نیو کی جانب سے
 بیچاس ہزار روپے کے قسب تر منہ جنگ کے خرید کرے گی۔ لیکن
 یہ روپیہ اور اس کا سود انہیں کے سکول کی ترسیل میں صرف ہوگا تاکہ
 اسکول کو ہائی اسکول تک پہنچایا جائے۔

اسی ۱۹ مئی ۱۹۷۱ء کے خط میں علیگڑھ مسلم کالج کے
 ایک انگریز استاد کے فوت ہونے کی اطلاع سناتے ہوئے۔

علیگڑھ مسلم کالج کے ایک سابق پریذیڈنٹ سر گارڈنز برادون کا
 بہت اہم اندر انتقال ہو گیا۔ وہ کالج کے اسٹاف میں ۱۹۱۱ء سے
 سولہ سال تک شامل رہے تھے، علاوہ ایک کامیاب پریذیڈنٹ
 کے کالج کی علمی و سرشن زندگی میں بھی نمایاں حصہ لیتے تھے۔
 کالج کی ریڈنگ سوسائٹی ان ہی کی قائم کردہ ہے جس نے وہ پہلے
 پریذیڈنٹ تھے۔ سولہ ۱۹۷۱ء سے سولہ ۱۹۷۲ء تک وہ بیرونی کے نمبر
 رہے فٹ کلب کے پریذیڈنٹ تھے اور کالج کے ہاکی ٹیم کے
 بانیوں میں ان کا بھی نام ہے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے کچھ عرصہ
 تک جوائنٹ سیکرٹری رہے تھے ایک زمانہ میں انھوں نے ولایت
 ہونے سے پہلے جامع ازہر مصر کو دیکھا اور علی گڑھ آ کر اعلیٰ عربی
 تعلیم کی انکمیشن کی کمی نے بہت رد و قدح کے بعد موجودہ پوسٹ
 عربیوٹ تعلیم کی تشکیل اختیار کی۔ علیگڑھ کالج سے ہمارے پیرو کالج
 آباد ہیں رہے تھے اور آج کل اندھ کالج کے پرنسپل ہیں۔

بسم اللہ العزیز عمادی صاحب کاسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق
 رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، شیخ عماد صاحب
 فضل و کمال اس خاندان کے موصوفہ اعلیٰ تھے۔ وہ آٹھویں صدی
 کے آخری برسوں میں ہندوستان آئے، اس زمانہ میں علمی قافلوں
 کی منزل بیدب و نیل تھی شیخ عماد اور ان کے خاندان کے لوگ
 علوم و فنون سے افادہ حاصل کرنے کے لئے جو نیو پر پہنچے ابراہیم
 شرفی کے زمانے میں اس خاندان سے درس علوم کا شہرہ رہا
 زہد خاص و عام تھا۔ اس نے ان کو بارہ گادوں جاگیر عطا کی جو
 نے ان دیہات کو درگاہ بنالیا۔ یہ دیہاتی درگاہیں قسمت مند تعلیم و
 تربیت کے علاوہ تبلیغ کا بڑا وسیع ذریعہ تھیں، عمادی خاندان نے
 پوپ کے مقامات پر بڑے بڑے چار برس تعلیم کی روشنی چلائی
 آخر زمانہ میں سو گھر پورس شیخ عبدالغلام دی کی درگاہ مرجع عام تھی
 نہیں بلکہ قریب و دور طلباء پر رہتے تھے۔ باون سو زکوٰۃ کی جاگیر اودھ
 کے ابتدائی عہد میں بیسویں سہی۔ انہیں علم کی جاگیر جو ان کی ذات کی
 تھی ان سے بڑے بڑے گورنر بنا کر دیے گئے ایک گادوں تھا اس کی آمدنی
 سے طلباء و دول وقت کا کھانا عمادی صاحب کے ساتھ کھاتے
 تھے۔ عبدالغلام عمادی، عماد عبداللہ عمادی کے پردادا تھے۔
 عمادی صاحب نے اس باغوں میں آٹھ کھولی حبیب ان کے
 خاندان کی بول چال کی زبان عربی تھی، صرف پنجابی زادی سے
 پڑھی اندکبارہ بیس کی عمر میں اتنی استفادہ حاصل کر لی تھی کہ وہ خود
 عربی کی الفبا علیہ پڑھ بیٹھ سکتے تھے اور اس کے منسوب مقامات

لغت کی مدد سے حل کر لیتے تھے۔ اسی کتاب نے عربی الٹ رکاف فوق پیدا کیا۔ علوم و ادب اپنے والد اور دادا سے پڑھے دونوں بڑے گھرب صاحب علم و فضل تھے ادب کی کتابیں چھوڑ کر قرآن و حدیث کے درس میں ملکر تین ادب عالیہ پڑھا دیا۔ نقلی و عقلی علوم میں ملا نظام الدین کے اصول پر ترقی کی ایک ایک دودھ جامع و مستند کتابیں پڑھائیں فقہ میں عام نصاب کے خلاف امام محمد ثنبانی کی جامع منجبر جامع کبیر پر اکتفا کیا اور آخر میں امام رازی کی شروح انوارات پڑھائی یہ درس نظامی میں اضافہ تھا۔ اس کے بعد خبر آبادی درسیات سے فکر و نظر کی دستیں حاصل کرنے کے لئے مولوی ہدایت اللہ خاں رامپور کے درس میں داخلہ لیا۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد محمد علی عبد الحمید خاں صاحب سے دلی جا کر طب کی مشہور کتاب القانون پڑھی۔ پھر رام پور میں عرب محمد طیب سے فنون ادب کی تحصیل کی۔

اسی زمانہ میں مولوی عبدالغنی اسی نے لکھنؤ میں اصح المطابع قائم کیا تھا جس میں حدیث فقہ خصوصاً عربی کی درسی کتابیں تصحیح کے ساتھ چھاپتے تھے۔ اس کام کے لئے ایسے آدمی کی تلاش تھی جو ادب اور مختلف علوم میں دستگاہ رکھتا ہو وہ ایسے آدمی کی تلاش میں رام پور پہنچے طیب صاحب نے عمادی صاحب کا تعارف کرایا۔ اور اسی صاحب نے ساتھ عمادی صاحب کو لکھنؤ بھیج دیا۔ پریس میں قلمی اور مطبوعہ نسخے تھے عمادی صاحب اول سے آخر تک لفظ بہ لفظ ایک کتاب پڑھتے تھے اور سنت بنت کی

خطبیاں درست کرتے آسما صاحب کا پیاں اور پرفٹ پڑھتے
 اصح المطابع کا نام مدی حلقوں میں صحت طباعت کی ضمانت سمجھا
 جاتا تھا۔ عمار کی صاحب کہتے تھے کہ اس کام سے مجھے بڑا فائدہ
 پہنچا۔ خطیبوں کی تفصیح نے کھٹکھٹا در پر کچھ کی استفادہ پیدا کر دی
 اور غور سے پڑھنے کی وجہ سے مباحثہ دہن نشیں ہو گئے، اور
 پوری کتابیں پڑھنے سے نفعیہ اس کے مباحثہ سامنے آ گئے۔
 تفصیح کے کام سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے پیسے اربابین
 عربی کا ایک مہنامہ جاری کیا، اس کے بعد عربی دارود میں لکھنؤ سے
 البیان رسالہ نکالا عمار کی صاحب کی اردو کی صحافی زندگی کی
 ابتداء اخبار وکیل سے ہوئی، اس کی ایڈیٹری کرنے کے بعد
 الندود پران کا نام سب ایڈیٹری میں نظر آیا، تہذیب الاخلاق
 کو سب اہل حق نے ایڈٹ کیا۔ یہ رسالہ سبھی وکیل ملتہ تھے زیر
 انتہام نکلا تھا۔ عرصہ مدد تک لاہور میں زمیندار اور ستارہ
 میند کی ایڈیٹری کی سارا میں لاہور سے ایک روزنامہ الصباح
 جاری کیا جس کے ایڈیٹر عمار کی صاحب مقرر ہوئے تھے۔
 سفیر کابل کو موقوفہ سے تاریخ ابن خلدون کی فارسی
 میں ترجمہ کرنے کی فکر تھی۔ ایک دن حکیم اجمل خاں صاحب
 سے سفیر نے کہا کہ آپ کے میندستان میں کوئی ایسا آدمی
 نہیں ہے جو ابن خلدون کا فارسی میں ترجمہ کر دے مجھے ایسے

۱۰ نقش لایہ کا تہذیب خبر خلد دوم سفون البواخیر بود کی صلا

آدمی کی تین سال جستجو کرتے ہو گئے۔ چنانچہ حکیم صاحب نے یہ کام عمادی صاحب کے سپرد کیا۔ انھوں نے دو سال میں بہترین ترجمہ کر دیا۔
عمادی صاحب حیدرآباد دکن کے دفتر ترجمہ جامعہ عثمانیہ میں رکن مدسی اور ممبر کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ پھر اچھ کی علمی محفول نے رکن رکن اور دمندار عالم دین عرصے، امجد اچھ کا نصیبہ لکھا ہے۔

کدام حلوة خورشید در ظلام زلفت
کدام قبضۂ شمشیر در نیام زلفت
بہر کج نگوں فیض شاد می بلغم
شلی ز نند کہ حشید زلفت و جام زلفت
لکام سلطنت افز وخت زوئی ناموری
بین سلطنت از کام زلفت دہم زلفت
حیدرآباد دکن کی تشریف میں اکبرظم لکھی تھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اے یکن لطف رسول عربی یار تو باد
ہمیت آلی غی قافلہ سالار تو باد
مے جدا نامشہ زانگور بہ ہمسایہ تو
نور ہا نامشہ از ہر مہ و ستار تو باد

جہانسی و دتہ و سہو مال غلبت کش تو
 سندھ و چترال و تھیں غاشیہ بردار تو باد
 نغمہ گلشن توحید سواداری گشت

چشم بر نغمہ گلشن کہ ہوا دار تو باد
 بائیس سال حبس آباد میں گزارے۔ دراز ترجمہ میں وہ سب کچھ تھے
 ترجمہ ناظم مذہبی، علمی مبصر، و افصح اصطلاحات ان کو عربی فارسی
 کی قدیم و جدید مصطلحات پر بڑا عبور تھا۔ اس نے وہ مرثیہ کی مجلس
 مصطفیٰ کے متعلق رکن تھے اور ان کو ارکان مجلس میں بڑا القبا۔
 جس تھا۔ اس کے بار جو وہ علمی رہنمائی سے ایک قدم آگے ہمیں
 رہتے تھے، اصطلاح وضع کرنے میں مدد دینے اور اس بات سے
 غور نہ رکھتے کہ ان کی مدد اور رہنمائی قبول کی گئی ہے یا نہیں۔ کتب
 خانہ آصفیہ کی مجلسی مخطوطات میں وہ قلمی نسخوں کے مستند مبصر تھے
 اس کی علمی قدر جاننے میں ان کی نگاہ تیز تھی۔

عماد کی صاحب اسلامی علوم نقلی و عقلی کے حافظ، وسیع النظم
 سررخ، عربی، فارسی اور اردو کے زبردست انشا پرداز تھے
 ان معاملات میں ان کا حافظہ بلا کا تھا۔ لیکن میروں مرتبہ کے محل
 ہوئے راستہ کو سہول جاتے تھے اور بغیر رہنمائی کے اپنے گھر واپس نہیں
 پہنچ سکتے تھے مگر کتاب کوئی بھی پڑھنا نہ آزاد طلسم پوش رہا یا کوئی
 کتاب نہ ایک دفعہ نظر سے گزر جاتی تھی نہ اس کی از براہ پوچھتی تھی بلکہ
 بعض جگہ کی عبارت اور فقرے لفظ بہ لفظ یاد رہتے تھے۔
 علامہ حمادی میں اس قدر اچھا تھا اور خوبیاں تھیں

کہ آج ڈھونڈنے سے کسی کہیں نظر نہ آئیں گی، تکبر و نخوت تو چھوڑ کر ہمیں
گئی۔ اپنے ملنے والوں کی بے حد عزت کرتے تھے اپنے سے
چھوٹوں سے ساتھ اس طرح پیش آنے کو یا وہ مرحیت میں ان
سے چھوٹے ہیں اپنی کسی بات اور کسی طریقے سے ایک جاہل ہم نشین
کو اس بات کا خلیفہ ساجھی احساس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ
اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں۔ بجلی اور مالی مدد کا جو سلسلہ ایک دنیا انہوں نے
شروع کر دیا۔ مرتے دم تک قائم رکھتے۔ ان کی تنخواہ میں مدد کی ایک
مستقل رقم تھی۔ مدد اس طرح کرتے کہ اونچی بات نہ نیچا اور نیچا
بات نہ اونچا۔ جیسے مرید عقیدہ مند اپنے پیر و مرشد صغیر کو اور سجاد مند
شاگرد اپنے استاد کو تندر پیش کرتا ہے۔ عید و بقیہ عید پر و فز کے
چہرے ایسوں کا گردہ سلام کو آتا۔ حمید آباد کا عام دستور تھا کہ قیل و سبیل
کا سلام لے لیا۔ اور انعام دلوادیا۔ لیکن یہ سب سے معاذ کرتے
ان کو سٹھانے، خود مراد ایک کو عطایاں پیش کرتے اور عید کا انعام
تھیک اسی طرح پیش کرتے جس طرح دیال اعلیٰ حضرت نظام کو تندر
پیش کی جاتی تھی۔

نوکردوں کے ساتھ برابر کا سلوک تھا۔ ان کے صرف دو نوکر تھے
لیکن ان کا سارا گھر ان کے دسترخوان میں برابر کا حصہ دار تھا
جو خود کھاتے دسی ان کو کھلاتے، دیکھ ساری میں ان کی دیکھ بھال
علاج معالجہ کرتے تھے اور ان کے بچوں کو اپنے بچوں کی طرح
سمجھتے تھے۔ عزیز و اقارب سے بہت محبت سے پیش آتے تھے
وطن جب جاتے عزیزوں اور دوستوں کے لئے سوغات لے جاتے تھے

توسیع کی سررشتی کیوں نہیں کی۔ ؟ جواب دیا کہ آپ جس کو سررشتی سمجھتے ہیں اس کی سررشتی اسلام نے اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ طبعی اور تاریخی پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ خیر شکن جبر الہیہ کو خیر چاہتا ہے۔ آپ کا جبر آباد کن ہیں ؟ اور سررشتہ غر کو انتقال ہوا۔

عمادی صاحب فارسی میں زیادہ اور اردو میں شونم کہتے تھے

عہد شباب کی لکڑی غزل ہے
چشم پرش کا ہے گردش میں نظام اے ساقی
مردنش سازد مینا کو سلام اے ساقی
مطربہ حرم کی جانی رہی عالم گیری
اب کمال دوزخ شرب مدام اے ساقی
نہایت ہے منتظر سب کو فرخندہ ازل
محبوب کار نہیں اے نام اے ساقی
کعبہ دل میں تری رہے خدا کی کاغذ
تک آتا ہے پھر اللہ کا نام اے ساقی
پر تو صبح ناگوشی سے ہو گئی کاغذ
گھیر بند جسگر خوار کی مقام اے ساقی
نیچے ابرو سے آئے آنکھیں ڈرتے ہیں
دم شمشیر سے رازدوں کا مقام اے ساقی
نے گل رنگ نہارا کا چلے نرم میں درد
آجی ساعتی نظر مصیبت اے ساقی

برطانیہ | دہلی سے یہ مشترکہ دلدرا اخبار اپریل ۱۹۱۷ء میں وجود میں آیا۔ ۸۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ دو روپے جزدہ تھا۔

راجپوت محوٹ لاہور کے خندے ۲۷ ارجوادی کلہاڑی میں اس سال پرشہرہ شائع ہوا ہے۔ اس نام کا سہفتہ میں تین بدلتا ہے ہونے والا اخبار دہلی سے نکلتا تھا جس کے اس وقت تک پانچ نمبر لکھ چکے ہیں یہ پرچہ موناہار معلوم ہوتا ہے اگر محنت کی جائے تو بہت کچھ نفع ہو سکتا ہے لیکن انیسویں سے کہنا پڑتا ہے کہ انیسویں جنم لیتے ہی اس بیماری کا شکار ہوا جس میں کہ پیاب کے اثر اخبار ملتے ہیں۔ اپنے ایک مقامی سمعہ کے ساتھ توفیق میں شروع رومی ہے لیکن یہ پانی درست نہیں ہے۔

مسار | اپریل ۱۹۱۷ء کو لکھنؤ سینہ حکمت اور شفا سے یہ نامانہ طبی رسالہ لکھنؤ، مالانہ جندہ ڈیرہ راجپوت لکھنؤ کے نامور اطباء اس کے بانی تھے اس میں تازہ امور، لکھنؤ فاطمہ کے جاتے شے اور مرصیوں کو خور سے بھی گئے جاتے تھے۔

نمائندہ پندرہ | امین آبادی کی لکھنؤ سے مئی ۱۹۱۷ء کو یہ ہوا انہ اخبار منور ہوا۔ ہم صفوں پر نکلتا تھا۔ منشی نواب علی برنٹر اور بدینا وقت علی بلنٹر تھے مالانہ جندہ سات روپے اور قیمت فی پرچہ ایک پیسہ تھا۔ مطبع نادرین انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھاپا ہوئی تھی۔ طباعت آکتابت اور کاغذ عمدہ تھا۔

اس اخبار میں ملکی و غیر ملکی خبروں کے علاوہ سبق آموز تاریخی واقعات اور تاریخی و ادبی مضامین شائع ہوتے تھے، یہ اخبار رنگ نظر نہیں تھا، گاہگیس کے علیوں، اجلاسوں اور کانفرنسوں کی کارروائیاں جمعیتی شعبہ مسالوں کے حقوق پر بھی ترجمہ دلاتا تھا۔ اور مسلم لیگ کے مخالفوں میں نہیں تھا اس کے دو عنوان آج کی تازہ برقی خبریں، اور مختلف حالات واقعات، تھے۔

مالک متحدہ کی اسپیشل ٹینک لکچر میں بیڈت مرقی لال نہرو کی صدارت میں ہوئی۔ اس کی مختصر روداد ۱۲ اراگت ۱۹۴۷ء کے نمائے میں چھپی۔

۱۰ اراگت کو مالک متحدہ کی اسپیشل پریویشنل گاہگیس کا اجلاس انجمن رفاه عام ہال لکھنؤ میں منعقد ہوا اسات سوڈ پبلکٹ موجود تھے قومی کتابوں کا ایک ذخیرہ فروخت کے لئے موجود تھا، انتظام اچھا تھا۔ پلیٹ فارم پر ستر اپنی بیڈت کی تصویر ایک نمایاں مقام پر آویزاں کی گئی تھی۔ اور اس کے دونوں گوشوں پر سچو لوں کے مار چڑھائے گئے تھے، سرخ اور سبز جھنڈیاں تصویر کے نیچے نصب کی گئی تھیں، تصویر کے اوپر سوڈ آویزاں کیا گیا تھا، اچھی گورنمنٹ سلف گورنمنٹ کی قائم نام نہیں ہو سکتی، جا بجا دیواروں پر حسب ذیل سوڈ بھی نصب تھے۔ ”میدوستان میں شخص سے اپنا رخص بھاگنے کی امید کرتا ہے“ قانون مطلب کو منسوخ کرو، اتفاق ہماری قیام کی وجہ ہے، ”حق قوت ہے“ ایچی ٹیشن کرو، ایچی ٹیشن کرو، ”تقریب میں لیڈر موجود تھیں جن میں چار یورپین تھیں۔ ایک یورپین لیڈر میڈوستانی

باس میں تھی، ہینگ حسب اعلان گیارہ بجے منعقد ہونیوالی تھی۔ مگر
آزبیل نیڈت گورنر ناٹھنے تعویذ بارہ بجے یہ اعلان کیا کہ ریڈیو
کے مرتب کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے اس وجہ سے ہینگ ایک بجے
منعقد ہوئی۔

نیڈت راج زائن چکیٹ لکھنوی نے امداد کی
ایک پر جوش نظم پڑھی جس کی مجمع نے بہت تعریف کی، آزبیل نیڈت
گھٹ زائن نے یہ حیثیت چیرمین اسٹقبالیہ کیٹی اپنی تقریر کی۔
آزبیل راجہ محمد آباد کی تجویز سے آزبیل نیڈت نوٹی لال نرواسن جلسہ
کے قلمہ قرار پائے۔ مدد جلسہ نے اپنا طویل ایڈریس پڑھا۔ جس میں
گورنمنٹ کی پالیسی پر بحث چینی اور سر اپنی بیڈٹ اور ہوم رول کی
حمایت کی گئی تھی مدد نشین جلسہ کی طوط سے سٹرداد اسیٹائی نوروجی
کی دفات پراٹھا تعزیت کا اول ریز دیوشن پیش ہو کر بلا اتفاق پاس ہوا
اس کے بعد لارڈ ہارڈنگ سابق دلیرائے ہند کی نسبت طاق عرب کی پیش نے
جو خیالات ظاہر کئے تھے اس کی تردید لارڈ صاحب کی ٹیک نیٹی
کی تائید اور مدد کی کارڈ دیوشن پاس ہوا، امیر لارڈ دیوشن سٹر
عبدالرسول میر سٹر کلکتہ کی دفات پر رنج دانش ظاہر کرنے کے
متعلق پاس ہوا، چوتھا ریز دیوشن اس مضمون کا سٹر بوسن جی ہر سٹر
سہارنپور کی تحریک اور آزبیل ڈاکٹر تیج پساد سپر ذواب ذوالفقار جنگ
کی تائید سے پاس ہوا سٹراپنی بیڈٹ سٹراڈیل امداد یا کو
نادا جب طور پر نظر بند کیا گیا ہے امداد یہ کانگرس ان سے مدد دی
رکھتی ہے جو سٹراڈیل کو گولڈ نے ہندوستان کے مسد قومیت میں نیٹی

خدمات انجام دی ہیں ان لوگوں کو فوراً آزاد کر دیا جائے، پانچواں
 رزولوشن سرگرم علی اور سرٹوٹ علی کی قطربندیوں پر اعتراض کرنے
 اور ان کے ہمارے جانے کے متعلق تھا، اس رزولوشن کی تائید
 ڈاکٹر رحمت سکھ نے اور سر ایس بی بین ہیرسٹر نے کی جیسے رزولوشن
 میں ہندوستان کو مہم دول دے جانے کے متعلق گورنمنٹ کی طرف
 سے جس مخالفتانہ پالیسی کا اظہار ہوا ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے
 اور یہ کچھ گتھا کہ جبکہ نوآبادیوں کو انگلستان سادات کے حقوق دوز
 بروز دہی جاتی ہے تو انوس ہے کہ ہندوستان جس نے موجودہ جنگ
 میں قابل قدر قربانیاں کیں اور ہر طرح اظہار وفاداری کیا اس کو خیالات
 دماغ سے ظاہر کرنے میں پوری آزادی نہیں دی جاتی اور اصلاحات
 کے متعلق باقوانوشی اختیار کی جاتی ہے یا اس کے برخلاف کہا جاتا ہے
 اور صاف گورنمنٹ کے سرگرم جاسوں کو سزا دی جاتی ہیں۔ اس
 رزولوشن کی تحریک آرمیل سٹریسیع اسٹریک کی طرف سے ہوئی جس
 کی تائید سٹریسیع علی فال اور بالوایشوریرن نے کی اس کے بعد
 ساتواں رزولوشن اس مضمون کا پیش ہوا کہ سلف گورنمنٹ کے
 حاصل کرنے میں آئینی جہد جمہ جاری ہے اور اس کے حصول میں
 جملہ قربانیاں خوشی سے منظور کی جائیں۔ آرمیل بیڈلٹ مدن بوسن
 مالویہ نے اس رزولوشن کی تحریک اور زبان میں کی اور ایک مدلل تقریر
 آرمیل راجہ صاحب محمود آباد نے اس رزولوشن کی تائید میں کی
 ڈاکٹر مختار احمد انصاری اس کے بعد تقریر کے لئے کھڑے ہوئے
 آپ نے بیان کیا ہمارے شہر مدلی میں اس بارہ میں کسی قسم کی مشنگ

مسئد کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ آپ کی تقریر شروع ہی ہوئی تھی کہ صدر جلسہ نے مزاحمت کی اور بیورو نیو لیوشن پر تقریر کرنے سے روک دیا۔ اور کہا کہ اس کے متعلق کسی تقریر کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ آپ نے بیٹھ جانے پر سٹر غلام حسین ایڈیٹر نیو ایریا اور سٹر ایریا ایڈوکیٹ و دیگر حاضرین جلسہ مترکن ہوئے۔ بیڈت بدن موہن مالوی اور صدر جلسہ نے سمجھایا کہ اس پر زور دے یا تقریر کرنے کی ہمدوست ہیں اس کے بعد آئریسل بیڈت کو کون ماتھ اور سٹر فخر حسین نے تقریر کی، آسٹراں آئریسلوشن یہ تھا کہ وزیر اعظم انگلستان اور سکری آف اسٹیٹ کو اس معزوں کے تاریجے چاہیں کہ آپ مداخلت کر کے ہندوستان کی نارضا مندی دور کریں اور وطن پرست نظر بند کر دے جائیں۔ ان کی رہائی کے احکام صادر کریں۔ اور آزادی تقریر کی اجازت دیں اور فوراً اعلان کریں۔ کہ عنقریب سلف گورنمنٹ ہندوستان کو دی جائے گی۔ اس کے بعد کچھ اور تقریریں ہوئیں اور جلسہ برفاسیت ہوا۔ جلسہ میں جب کبھی لارڈ پینلنڈ کا نام آتا تھا۔ تو سٹر شرم چکا ہا تا تھا۔ اور سٹر محمد علی سٹر قوکت علی، مولانا حسرت موہانی سٹر ظاک اور سٹر ایسی بلینٹ، سٹر زولٹا یا اور انڈیل کے ناموں پر بندت تائیاں سجائی جاتی تھیں۔

یہی کے آبد رہیں و مخیر حاجی فاکم کی دنات پران کے حالانہ زندگی پر مار گشت کے لئے کے شہائے میں روشنی ڈالی گئی ہے یہ وہ مسلمان جو کسی زمانے میں دنیا کے لئے نمونہ انسانیت تھے

آج ان کے طنزِ ظلم پر دنیا آواز کے کستی ہے اور ان کے کانوں پر
 جوں تک نہیں رسکتی گردنِ فلک اپنے کام میں مصروف ہے اور
 ہم سے ان لوگوں کو جدا کر رہی ہے جن میں با ایں ہمہ بزرگانِ سلف
 کے اب تک کچھ اطلاق و عادات پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر
 بیسی کی طائی سین قوم کے ممتاز فرد حاجی قاسم یوسف مرحوم کا نام نامی
 پیش کرتے ہیں جنہوں نے مخلوق خدا کی خدمت پر نرار بارِ پیہ صرف
 کئے جن کے مزاج میں باوجود دولت و حشمت وہی انکاری و
 ملناری تھی جو بزرگوں کی مایہ ناز عادت رہی ہے ان کی سخاوت
 و دریا دلی بیسی کا بچہ بچہ جانتا ہے کاش ہماری قوم میں ایسے بہت
 سے لوگ پیدا ہو جائیں جو حقیقتاً ابراہیم بن علیہ السلام کا علی
 نمونہ ہوں۔ کل بتاریخ ۵ رتوال الکرم مظلوم آباد وال میں مرحوم
 کے جہلم کی تقریب نیازِ شہر شہر میں عام دعوت دی گئی علاوہ
 نرار ہا البیروغیب الی شہر تقریباً ۱۰ سٹھ فوسو حجاج بھی ترکیب و عزت
 ہوئے، مرحوم کے بلند حشمت و زندہ جناب علی سلیم اور ان کے اصحاب
 جناب سلیم دلی محمد صاحب نے بڑی سرگرمی اور استعداد سے ہماروں
 کی خاطر تو افین کی۔

خوشنید | لکھنؤ سے جون ۱۹۰۷ء کو یہ ماسوار رسالہ وجود میں
 آیا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر اختر لکھنوی
 تھے، سالانہ حیفہ و دردیے آٹھ آنے تھا۔
 اس رسالہ میں ایڈیٹر صاحب کے شاگردوں کا کلام زیادہ شائع
 ہوتا تھا۔ جو مناسب نہیں تھا۔

سخن سنج | کلہ فطرل بیگ خاں لکھنؤ سے یہ ادبی رسالہ
اکتوبر ۱۹۱۶ء کو نذر ہوا۔ ۲۴ صفحات پر نکلتا
تھا سالانہ چندہ صرف نو آنے تھا۔

رسالہ خیال ہاؤس کے ذمہ دہر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں اس سال
پر تبصرہ لایا تھا۔

لکھنؤ کا ایک ادبی رسالہ جس میں متر و نظم کے مضامین
ہوا کرتے ہیں اس کے حصہ نشریں مولانا شہر کی لکھی ہوئی، شیرین
بہ جیسے مضمون کی سوانح عمری ہے اور حصہ نظم میں شاپیرناہ اور
محب شتوار کی غزلیں ہیں۔

المعالج | حیدر آباد دکن سے ۱۹۱۶ء کو یہ طبی رسالہ نکلا
۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر حکیم بشیر احمد تھے

سالانہ چندہ پونے دو روپے تھا۔
اس طبی رسالہ میں طب یونانی کے متعلق اچھے مضامین شائع
ہوتے تھے، حیدر آباد کے بعد جب ایڈیٹر صاحب کے مریضوں کی
تعداد کافی ہو گئی تو انہوں نے رسالہ کی طرف توجہ دینی بند کر دی اس لئے
رسالہ بھی بند ہو گیا۔

اتالیق | حیدر آباد دکن سے یہ سچوں کا رسالہ ۱۹۱۶ء میں ظہور
پا کر ہوا۔ ۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر عبدالرب
صاحب تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ سالانہ تعینات کم طرف سے جاری ہوا تھا جو کئی سال تک نکلا
اس میں اچھے مضامین چھپتے تھے۔

میریس پبل لبریری | یہ عشرہ در اخبار سمن روڈ کانپور سے ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا
۲۲ صفحوں پر مشتمل تھا۔ سالانہ حیدہ ڈیڑھ روپیہ تھا
جنوب اور تین اخبار تھا۔ حب قومی اخبار کے خاص ادارہ
تھے۔

پیکر خیال | ہنگلور سے سبہ ہاسوار رسالہ ۱۹۱۱ء کو جلوسہ افروز ہوا
۲۲ صفحوں پر مشتمل تھا۔ عبدالباقی سبط برقی اس
کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ حیدہ ڈھائی روپیہ تھا۔

مورخ | لکھنؤ کوڑھ بزل بیگ۔ خاں سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۱ء
۸ صفحوں پر مشتمل تھا ایڈیٹر محمد مصدق
حسن صاحب تھے۔ سالانہ حیدہ پانچ روپے چھپائے تھا۔

یہ رسالہ فالس تاریخی تھا جس میں مختلف تاریخی مضامین اور
ضمیمہ تاریخیں بالاقط شائع ہوتی تھیں، ۸۸ صفحات پر پورے شمار
کی تاریخ عرب اور ۸۸ صفحوں پر کانپور کی تاریخ دولت مہمانیہ
عرب کا ترجمہ ۱۹۱۱ء کے پرچوں میں شائع ہوا۔

انجیل | یہ ہفتہ در اخبار جنپور سے غالباً ۱۹۱۱ء میں
نمودار ہوا۔ براۓ حیدہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ اس اخبار
کا ایک اشتہار بعنوان "کیا آپ نے نہیں دیکھا رسالہ انتخاب بارہ مورخہ
ستمبر ۱۹۱۱ء میں طبع ہوا تھا۔

انجیل اخبار ہفتہ در اخبار جنپور سے تھا جس کو نہایت شوق کے
ساتھ لیک لاکھ سے کم ناظرین نہ دیکھتے ہوں گے۔ کیونکہ
اس کا جواب دیکھنے سے سبق رکھتا ہے۔ قیمت سالانہ سے شرمایہ ہوتی

بزم تجارت | دہلی سے یہ تجارتی رسالہ ۱۸۱۹ء کو ظہور پذیر ہوا۔
۵۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ صرف اس کا جینہ چار آنے
کا ہوا تھا۔ اس رسالہ کا اشتہار اخبار رہنما مراد آباد میں مورخہ مارچ ۱۸۱۹ء
میں چھپا تھا۔

”اے بے لہز گار تجارت پیشہ یا صنعت کے دلدادہ سو سو بیٹھک
ڈاکٹر بننے کے شوقین اصحاب کی ضرورت ہے جو تجارت شرفِ دفع
کرنے یا فروغ تجارت کے لئے پانچ سو روپے کا سود خرچ کر لیکر اضیاء سے
اداکرنا چاہیں یا دیگر دستکاروں کے علاوہ صاحبِ ساری یا نسیم ساری
علمِ مفت سیکھنا چاہیں یا مفت تعلیم حاصل کر کے سو سو بیٹھک ڈاکٹر
کا ڈیوٹی کسی کالج میں پڑا تریٹ کا امتحان دے کر حاصل کرنا چاہیں
یا اپنی تجارت کو وسیع کرنا یا ہوشیاری سے ذوق ہو، یا مہندسِ مسلم
نہ کسی اصلاحی نادانِ خوانی کا شوق ہو۔ دغا بازوں کے ہتھکنڈوں سے
بچنے کے لئے سزاغ رسائی سے سس ہو۔ غرض کہ یہ آپ سب باتیں مفت
درجہ حاصل کرنا چاہیں تو فہمِ اہم تجارت میں شامل ہوں جینہ صرف
چار آنے کا ہوا ہے۔ پہلے ہینڈ کا جینہ۔ بھیک یا پانچ آنے کی دکانی
کی اجازت دے کر مفصل اور ۵۲ صفحات کا رسالہ بزم تجارت مفت
منگواؤ۔“

نذوق عروج | بنگلور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۰۷ء کو وجود میں آنا
۸۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ مثنیٰ عبد الحلی نذوق ایڈیٹر
تھے۔ سالانہ جینہ لکچر پر یہ نوا نے تھا۔

تعلیم و تربیت لاہور سے یہ تعلیمی رسالہ ۱۹۱۷ء میں جاری ہوا اس رسالہ پر سالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ جولائی ۱۹۱۷ء نے حسب ذیل تبصرہ کیا ہے۔

”مارچ ۱۹۱۷ء سے اس نام کا ایک سو ار سالہ نامور سے نکلتا شروع ہوا ہے رسالہ کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے۔ اس قسم کے رسالوں کی ملک میں یقیناً ضرورت ہے لیکن معیار کی بلندی اس سے زیادہ ضروری تھی ہے۔ قیمت سالانہ دو روپے۔

گلچین | ستیا پور سے یہ گلدستہ ۱۹۱۷ء میں ظہور پذیر ہوا ۳۳ صفحات پر نکلتا تھا۔ سید ریاض احمد ریاضی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تیس روپے تھا۔

اس گلدستہ پر معارف اعظم گڑھ مورخہ مئی ۱۹۱۷ء میں حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

”اس نام سے پہلے منشی امیر احمد صاحب مرحوم بیانی ایک گلدستہ نکالتے تھے، اس زمانہ کے شعراء میں نہایت مقبول تھا منشی مرحوم کے زمانہ میں جناب سید ریاض احمد ریاض کا نام محتاج تعارف نہیں ہے اسناد کی یادگار میں رسالہ کو اسی قدیم نام سے انہوں نے دوبارہ زندہ کیا ہے۔ ابتداء میں کچھ نثر کے مضامین اور آخر میں شعرا کی طرحی غزلیں ہونی میں ضمنی است ۳۳ صفحات طبع کا نقد متوسط قیمت سالانہ تین روپے، دفتر کلی چھین، ستیا پور۔“

س ۱۹۱۸ ع

منظر **ماہنامہ لکھنؤ** سے جنوری ۱۹۱۸ء تک مکرر ماہوار
 اکلستہ منظر عام پڑا یا۔ ۲۲ صفحات پر مشتمل تھا
 سر رست افضل الدولہ افضل خدیف اختر حضرت امیر مالک محمد علی
 ایڈیٹر آزاد لکھنوی ادب اور اکھیاں لطف لکھنوی سے سالانہ حیدرہ دوپے
 تھا منظر پر لیس لکھنوی میں چھپتا تھا۔ رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا
 تھا۔

تا حشر آسماں پر جگے ہلال منظر
 دیکھئے نگاہ عالم اوج کماں منظر
 رسالہ منظر کا نام ہیے لطیف تھا۔ کتابت طباعت اور کلام سبکی بہت
 مندرستان کے شہر شعرا کا کلام درج ہوتا تھا۔ انتخاب میں اتنے
 نہیں رہتا جاتا تھا۔ نوثر سے زیادہ نہیں چھپتے تھے اور زیادہ سے
 تھے ۲۷ آئے فی شعر موصول کیا جاتا تھا۔

اگست ۱۹۲۲ء کے شمارہ کے شعراء کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔
 جناب مرزا علی عباس شفیقہ تلمیذہ حضرت عزیز لکھنوی ۷
 ناصح شفیق ہمارے زندگی ہی تھی محال
 آپ نے تو کہہ دیائیں دل لگانا ہی نہ تھا
 مورد آلام رنگا رنگ ہے یہ دہر میں
 مرے سینے میں تو یارب دل بنانا ہی نہ تھا
 آج ہونا تو نہ پڑتا لاشِ دل پر شفیقہ
 رسم ایسی بے مردت سے بڑھانا ہی نہ تھا
 جناب سید باقر حسن شہرت عرف اچھے میاں خلف جناب الطاف
 بیرو حضرت امانت ۷
 تو زمانے میں چل سہر کر جو آئی اے اجل
 نامرادی کیا کہیں تیرا کھانا ہی نہ تھا
 گدگدایا درد کی ہو کوں نے اٹھ کر بار بار
 جزالم فست میں میری سکرانا ہی نہ تھا
 غرق اے شہرت ہوئے محیطِ عشق میں
 تم تھے ناؤ زلفِ قدم آگے بڑھانا ہی نہ تھا
 جناب منشی ہال کرشن قمر ہوسو پیتھ تلمیذہ حضرت امیر سنیا کی مرحوم
 لکھنوی ۷
 بدگماں سب ہو گئے بدنام ہم تم ہو گئے
 دھنل کے طعنے یہ کہہ کر تو چپ جانا ہی نہ تھا
 لٹ گیا جو بن، تباہی، اڑا چہرے کا رنگ

غیر کے گھر آپ کو مہمان جانا ہی نہ تھا
 فیس ہو، فریاد ہو، محبتوں ہو یا سہرہ قمر
 جو محبت میں نہ تھا ناداں وہ دانا ہی نہ تھا
 جناب ابوالکمال صاحب قطف لکھنوی ایڈیٹر منظر
 آشیان حبیب دگلشن میں جیلانا ہی نہ تھا
 عند قیاس زار کے دل کو دکھانا ہی نہ تھا
 کیوں دیا جھوٹا دلاسا، کیوں کیا امیدوار
 جامے کا جب مجھے ساقی پلانا ہی نہ تھا
 ہو گیا رند دل کا دل خوش دیکھ کر رشتہ دار
 سیکڑے میں بیچ کر اس وقت جانا ہی نہ تھا
 جناب منشی صادق بیچ تقیم رضوی تلمیذ حضرت عزیز لکھنوی
 حسن کی کیا داد دے جو اپنے عالم میں نہ ہو
 طور پر اک دل جلے کو آزارنا ہی نہ تھا
 توبہ کر کے سفت میں نرسندگی سچی بولی
 محفل ندان میں زائد سمجھ کو جانا ہی نہ تھا
 تم تو شہید ہو کسی کی چشم سبکوں پر مقیم
 جام دین کا زباں پر نام آنا ہی نہ تھا
 منشی صاحب منشی صاحب کے والد ماجد داروغہ الہی بخش
 منشی محمد علی صاحب تھے، لکھنوی کے باشندے تھے، عہد سلطنت
 راجہ علی نے وہ میں ایک مخزن عہدے پر مامور تھے آپ کو فن سپہ گری
 میں اچھا دخل تھا۔ آپ کی طبیعت میں نہایت نسی کتبہ پرست تھے

اعزہ اور احباب کی پرورش کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔
 جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آپ کی تمام جائداد تلف ہو گئی اور
 بگوری حکومت میں بھی ملازمت کی اور ۶۵ سال کی عمر میں فوت ہو
 اور مدفن الہی بخش نے تین واسکے اور زمین رکھیاں چھوڑیں۔

آپ کے فوت ہونے کے مدتی محمد علی صاحب کی تعلیم کی طرف
 کسی عزیز بزرگ نے توجہ نہیں کی جس کی وجہ سے مکمل تعلیم نہ پاسکے
 توش سبھا لا تو اید مدرسہ کلام ربانی قائم کیا جس میں مدتی لکھا
 رفت دیتے تھے اس مدرسہ کی عمر زیادہ نہیں ہوئی غلط منتظروں
 کی وجہ سے چند سال میں ختم ہو گیا۔

جنوری ۱۸۶۷ء میں آپ نے سرسہ کا کارخانہ کھولا۔ اس
 کارخانہ کو کامیاب کرنے کے لئے متعدد کتا میں آپ نے تالیف
 کیں اسکا اثنا میں آپ نے انجمن سنت الاسلام قائم کی جس کا مقصد
 صرف دین کی خدمت کرنا تھا اس کے چیفاندار اعلیٰ بھی ہوئے لیکن
 گردنش زمانہ کی بدولت یہ بھی مٹ گئی۔ اس کے بعد حشر و علیہ میں طبع
 مفید عام قائم کیا جس میں لکھنؤ کے علاوہ دوسرے ضلعوں کی
 بھی کتابیں طبع ہوئیں۔ مگدستہ لطیف جلدی کیا جو دس سال تک جاری
 اس کا نام بدل کر منتظر رکھا۔

کلکتہ آئے کو کولہ سے بدروز نامہ جنوری ۱۹۱۸ء
 جمہور کو طبعہ آنگن ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا قاضی

غیر بند ہو گیا۔ نومبر ۱۹۱۷ء میں ان کی نظر بندی ختم ہوئی تھی لیکن
اگر ملک میں داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اتحاد
عامہ آزادانہ نے ہر روزی سلسلہ کے پرچے میں جب ذیل
شائع کی۔

” یہ معلوم تھا کہ بنگال میں ۱۲۲ نظر بند شخص جن میں گزشتہ تین
ہفتے اندر ۲۴ نظر بند آزاد ہو چکے ہیں، پھر مہسوبہ کے کچھ
مجھ نظر بندوں کی رہائی کی خبریں آرہی ہیں۔ آج ہمارے مخلص
رست سید حبیب شاہ کے خط ۲۲ جنوری سے یہ معلوم کر کے
خی ہوئی کہ وہ بھی آزاد ہو گئے ہیں۔ ہمارے کلام قاضی عبدالغفار
احب ایڈیٹر جمہور کی نظر بندی کا اس سے قبل ۱۰ نومبر ۱۹۱۷ء
بھی فائدہ ہو چکا تھا۔ لیکن بنگال گورنمنٹ کے ایسا ازماعل پر
محکم ہونا ہے کہ ان دونوں صاحبوں کو بنگال میں جانے کی
بات تک نہ لگت ہے۔“

مرشد دہلی سے ۵ مارچ ۱۹۱۷ء مطابق ۲۲ جمادی الثانی
۱۳۳۶ھ کو یہ ناہانہ رسالہ وجود میں آیا۔ ۳۲ صفحات
الملکت تھا۔ حبیب ایڈیٹر کا تب نامہ ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی
تبدیلڈیٹر مالک شرف الدین صاحب سنے سالانہ چاندہ تین روپے
فا۔ محبوب المطابع جامع مسجد دہلی میں طبع ہوتا تھا۔

۵ مارچ ۱۹۱۷ء کے پہلے شمارے میں خواجہ صاحب نے
۵ رسالے کے اغراض و مقاصد یہ بیان کئے ہیں۔
” یہ کاغذی مرشد ہے اس میں دین دنیا کے عمل پر تنبیہ کی گئی

ہے۔ اس زمانے نے کاغذ کی بھی ایک دنیا بنائی ہے جس میں جتنی اچھا رسالے، کتابیں، گذشتہ زمانے سے نرالی زندگی بسر کرتے ہیں اور دنیا کو اپنی رائے پر چلا نا چاہتے ہیں، یہ رسالہ اپنے کاغذ کاغذی مرشد بنائی ہے کوئی مانے یا نہ جانے، اس کاغذی مرشد کا طرز عمل، طرز تحریر، طرز بیانات، خود تیار سے محاکر ایسے رسالہ کی دنیا کو خاص کر مبدعستانی، عقل، مخصوص سلاووں کو جو کاغذی شعل رکھتے ہیں از حد ضرورت ہے لہذا اس قسم کے پرچہ کا جاری ہونا بہت مفید ہوگا۔

”یہ رسالہ کسی فرقہ کی پالیسی کا یا بند نہیں نہ یہ حزب ادوار کا کلاسیکی نہ اس کو حزب اقتدار سے کچھ سروکار ہے نہ حکام کا خوش ہادی ہے نہ محکموں کا دست نگر اور خیال پرست ہے یہ مطبوعہ اور مریخیال و عقیدے کے حق و ناحق کو پرکھنے والا اور مناسب و ضلیح نتیجہ رکھانے کی کوشش میں لگا رہنے والا ہے۔“

’وقت نے بنا دیا اور دکھ دیا کہ جن پرچوں نے ایک جماعت، یا ایک خیال کی تائید کی اور پالیسی بنائی ہے وہ موقوفے دیانت اور ہٹ دھرم ہو جانے میں بھی اگر اپنے مغرور خیال، پالیسی کے خلاف کسی دوسرے فرقہ میں کوئی اچھی اور حق بات بھی معلوم ہوتی ہے تو آنکھیں بند کر کے غنیمت کا گلا گھونٹ کر اس خیالی پرسیا ہی مل دیتے ہیں اول تو اس کا ذکر ہی اپنے کاغذ استان میں نہیں آنے دیتے اور لکھتے ہیں تو نوٹ مرد و کراصلیت کا چہرہ غلط صورت میں بنا کر، اس مبدعستان میں تو سب ہی رسالے اخبار اس سرا یا عصیان کے راستہ پر چل رہے ہیں، یوں پورے امریکہ اور باہر کی دنیا کا حال زیادہ معلوم نہیں۔ لیکن

معلوم کرنے کی کوشش کی بھی جائے تو فیصدی ۹۵ نا حق شناس اور
ہٹ دھرم نکلیں گے۔“

”انگریز کا اخبارات ہوں یا ہندوستانی اخبار در سائل ہوں ان
کسی بھی یہی حالت ہے۔ ہندو اخبار اپنے قومی اصول کے سانسے
مسلمانوں کے جائز اور حق پنجاب مطابقت کی پرواہ نہیں کرتے اور
مسلمان اعتبار اپنی قومی مطابقت کی رد میں ہندو حقوق سے بے پرواہ
ہو جاتے ہیں۔“

”بس اس اعتبار سے اور اس لحاظ سے مرشد کی یا ایسی غیر
جائیداد ناظر در اراد آئینہ حق نما کی سہی ہے جس کسی کے حبرے
برہ داغ دھبہ ہوگا۔ دکھا دیا جائے گا کہ کوئی بڑا مانے جتنی کسی
طرح اس آئینہ کو ہاتھ سے بھیندے تو اس کو اعتبار ہے۔ مرشد
رہنما کام کرنا ہے گا اور حق نمائی۔ یہ مجھ پر ہنسنا ہے گا۔
اس رسالہ کی زندگی جہو میسے سے زیادہ نہیں ہوئی آخری
پرچہ اگر تشریف لے گا تو اس کے ہر اس کے بندہ ہونے
کے واسطے میں یہ تحریر کیا۔“

آخر طے کر لیا کہ رسالہ مرشد کی تشریف لے کر ملتی کی جائے
جب تک جاری ہے اور جب تک چھپ رہا ہو گا مالوں کا مالشہ روکنے والا
تا فون قائم ہے۔ اس وقت تک مرشد بندہ رہے گا۔ کیونکہ دوزل
باتیں اس رسالہ کو ملتی کرے کا باعث ہوئی ہیں۔“

میرٹھ کے شہید اخبار توحید کے بعد مرشد نے بھی مارے
میدرستان کے اردو پڑھنے والوں کے دل میں جگہ بنائی تھی اخبار

توحید صریح پانچ بیسے زندہ رہا تھا۔ اور مرشد سبھی چھ بیسے ماری رہا
 انہی ستھری کھدات میں مندرستان جسے دیہا شتا ملک میں
 ایسی جلدی عام برہمن یزی حاصل کر لینا آسان بات نہیں ہے
 اور یہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے مرشد کے معنائین میں قبولیت
 کا اتنا اثر دیا۔

.. اخبار توحید حکومت کی نظروں میں خارج بنارہا اور یہی وجہ اس
 کے شہید ہونے کی سبب تھی مگر مرشد کے معنائین سے حکام نے فائدہ
 اٹھایا۔ اس کی تلخ تحریروں سے برا ماننے کے بجائے نصیحت حاصل
 کی۔ کیونکہ ان کو تجربہ ہو گیا تھا کہ مرشد کے معنائین میں بدعتی
 اندہ بدعتی نہیں ہوتی۔ وہ راجہ اور پیر جاکے ماہمی افتاد و مفاد کے لئے
 آزادار دیا کا ذرا رائے لگتا ہے، اس کو نہ سلطنت سے عداوت
 ہے نہ رعایا کی بے جا رعایت، مرث میں بعض معنائین ایسے نرش
 و درشت نظر ہیں جن پر فوراً باغیانہ رد و دش کا فتویٰ لگ سکتا تھا
 مگر حکام نے کسی قسم کی باز پرس یا تنبیہ نہیں کی کیونکہ وہ جانتے تھے
 کہ یہ ایک نیکی سے لکھے گئے ہیں اعلان کا مقصد یہ حکام کی آنکھ ہی ہے،
 نہ چوک کا پیوند سے ۵ سوار چہ و غیرہ کو یہ اخبار
سحبہ | وجود میں آیا۔ یہ سچوں کا اخبار بڑی تقطیع پر رسولہ
 صفوں پر نکل تھا۔ اس کا ٹائٹل بیچ انتہائی خوبصورت تھا۔

ایڈیٹر حامد حسن قادری تھے۔ سالانہ چند دہائیے لکھا۔
 یہ اخبار سچوں کے لئے دل چسپ اور مفید تھا۔ اس میں سچوں کی تعلیم
 ترقی کے لئے دل چسپ کہانیاں، مزیدار لطیفے، عمدہ نظمیں، عجیب

باتیں اور مفید خبریں چھپتی تھیں۔

دستکاری | دہلی سے جون ۱۸۵۷ء کو یہ تجدیدی رسالہ نمودار ہوا
۱۸۵۷ء صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دہائی دیئے تھے
اس رسالہ کا اشتہار تجارت قبا بجا پور کے ۵۰۰ چھوڑی علاقہ کے

شمارے میں چھپا ہے۔

”اگر بے کار ہیں یا موجودہ کاروبار سے غیر مطمئن ہیں تو فوراً رسالہ
دستکاری منگائیجئے۔ کاروبار کے واسطے سالانہ نو مائدوں کو سرما یہ
سجی دیا جاتا ہے۔ دستکاریاں انعام میں سکھائی جاتی ہیں اور ہمارے
رسالہ میں اشتہار بھی ان کے کارخانہ کا مفت چھپایا جاتا ہے۔ جنہاں اس
بیلہ ضلع غورداسپور نقدی قزاقوں کے ہاں نے رسالہ دستکاری دہلی کے
دفتر میں پہنچ کر ناٹ ایبل بلک بنانا سیکھا ہے۔ جو صرف دوا آنے
پونڈ تیار ہوتا ہے اور بازار میں دودھ پے پونڈ فروخت ہوتا ہے اور
بڑے سوشن کے مانند اور چمڑے کے جتن بھی بنانے کیلئے جو بارہ درجن
چھ پیسے میں تیار ہوتے ہیں اور تین روپے میں فروخت ہوتے ہیں
اور نور و پیسے کے روزانہ تیار ہو سکتے ہیں۔ میں سفارش کرتا ہوں۔ کہ
بہدستانی ان کاموں کو ضرور سیکھ کر میری طرح فائدہ اٹھائیں۔
ناظرین یہ آبدہ مختصر سرٹیفکٹ کا اقتباس پسے۔ سنگڑوں کے ہمارے صاحب
کام کیلئے کرنا کار ہو گئے۔ دیگر بیسیوں یورپ امریکہ جاپان کی قیمتی
دستکاریاں سکھنے کا حال اور دستکاریوں کے نام بطور نمونہ ہمارے
رسالہ دستکاری کے پچھلے چار نمبر جو ستمبر ۱۸۵۷ء تک شائع ہو چکے
ہیں، بہت سبھی تعداد میں باقی ہیں سوار روپے میں منگوا کر لکھو۔

مالدار دستکار ہیں نیز دیگر سیکڑوں دستکار ہیں نیز دیگر دستکار ہیں ملا
خبردار ملک کو مفت انعام میں سکھائی جاتی ہیں ۵

لاہور سے ستمبر ۱۹۱۸ء کو یہ مالدیہ علی دلدی رسالہ
کہکشاں | درجہ میں آیا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے
ایڈیٹر قیاض علی تاج تھے، یونیورسٹی پریس لاہور میں ہاتھام غلام
قادری طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد پہلے شمارے ستمبر ۱۹۱۸ء میں
یہ تحریر کئے تھے۔

”ہمارا مقصد وہی ہے جو در بہت سے صحائف و رسائل کا ہونگا
یعنی اردو زبان کو اعلیٰ ترقی پر پہنچانے کے لئے سستی طبع کرنا اور اس
باب میں کامیابی کے سوز و آفت در رسائل ہم ہونی نا۔ موجودہ رسائل
کے ایڈیٹروں میں سے اکثر اردو کی ترقی میں کچھ بھی مدد نہیں دے
ہے۔ میں بلکہ بعض ناخبرہ کارا سے غلط راہوں پر ڈال کر ہمراہ اور
اس کی ترقی کو سد دکر دینا چاہتے ہیں جو کچھ اس میں نکلتا چاہیے وہ
تو کھینچے نہیں، ہاں ماحضر اس میں جو سیر ہے وہ ناظرین کی منیا فیت
طبع کے لئے حاضر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کی منتظر بے
انتہا دھیمی پڑ گئی ہے۔ اگر خدا نخواستہ چندے ہی حال رہا اور اردو کی
روانی بالکل رک گئی تو اس کا حال کھڑے یانی کا سا ہوگا جو ایک جگہ
رک رہنے سے سرگردم ہو جاتا ہے۔

اس کے پہلے شمارے میں حسب ذیل مضمون چھپے تھے۔
فیت غورس، مولانا عبدالحلیم شتر، تاریخ صفیہ کا ایک تاریخی ورق

مولانا خلیل الرحمن صاحب، تصوف کیا ہے۔ علامہ عکامی، شاہجہاں
عہد کے ایک فارسی شاعر (گنگ نام) مولانا عبدالمجید مالک، جلال الدین
خواجہ ارم شاہ، سجاد حیدر بلدرم، سارول کی کھر خن، خواجہ حسن نظامی
ماو عجم، راشد بخیری، زبیر ہوس منشی پریم چند، آنتار کی ملکہ (شاہنشاہ)
قاضی عبدالغفار۔

حصہ نظم میں علامہ اقبال، حسرت موہانی، بیدل شاہجہاں پوری
یاس عظیم آبادی، تاجور نجیب آبادی، مالی جالسی کا کلام درخ ہے
کمشاں اپنے محضروں میں امتیازی درجہ رکھنا تھا اس
کی ظاہری وضع سادہ لیکن پروقار تھی، مہوری اور معنوی حیثیت
سے یقیناً اس نے ایک نیا سبب قائم کیا تھا۔ کتابت و طباعت اچھی
تھی۔

اس رسالہ کی ادبی و علمی نظروں سے علامہ سیاحی جھلک بھی
نظر آتی تھی، جملہ فی سائنسہ کا شمار چھپا تو اس کی فہرست میں
نظروں کا ذکر تھا۔ لیکن اندر کے حصہ میں نظروں کا نام و نشان
نہ نہ تھا اور اس کی جگہ یہ محنت شائع ہوئی تھی۔

اس پرچہ کمکشاں کی فہرست مضامین میں حصہ نظم کے
عنوان اور شراٹے نامدار کے اسمائے گرامی تو سندرج میں لیکن
حصہ نظم مفقود ہے بہ بڑا عجیب دیکھ کر ناظرین رام بہت متعجب
ہو گئے۔ اس بے قاعدگی کی وجہ بھی سن لیجئے۔ اس پرچہ میں دو
نظمیں داستان حسرت اور کرشن کنھیا کی مرلی نہایت لطیف
دلنہ، سرتا پاجب وطن کے جذبات و صداقت میں ڈوبی ہوئی

درج کی گئی تھیں، جہاں تک پامال خیال ہے ان میں کوئی ایسی بات
 نہ تھی جو کسی طرح قانون مطبوعات کی گرفت میں آسکتی تھی جس سے
 سرکار انگریزی کے متعلق کسی قسم کی نفرت و عقارت پھیلنے کا احتمال
 ہوتا۔ لیکن ہمارے بے انتہا محتاط پرنٹر مایو غلام قادر سیاحی مالک
 ٹریبونرسل پریس لاہور نے رسالہ جیسا کہ جسے قلعی انکار کر دیا
 اور فرمایا جب تک یہ دونوں نظمیں نکال نہ دی جاتیں گی میں اپنے
 پریس میں رسالہ نہ چھاپوں گا۔ یہی دونوں نظمیں حصہ نظم کی جان تھیں
 اور رسالے کی اشاعت پہلے ہی سرحدِ تحریک میں آچکی تھی، اس لئے
 ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ حصہ نظم کاٹ دیا جائے اور اس دفعہ
 یوں ہی رسالہ شائع کر دیا جائے۔ اگر آئندہ موقع ملا تو ہم یہ کسر
 نکال دیں گے۔ کہا گیا جائے کہ انتہائی مجبوری ہے اب ہماری مصروف شاعری
 کو بھی جلد دماغ سے باہر آنے میں سیکڑاؤں ٹھوکریں اور ہزاروں
 رکاوٹیں پیش آنے لگیں تھیں۔

یہ دستورِ زبان بندی ہے کیا تیری محفل میں
 یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری
 یہ دونوں نظمیں داستانِ حسرت (گنگ م) مولانا عبدالمجید سالک
 اور رشن کھیانی مڑلی دیوان آتما نند شرر کی تھیں، داستانِ حسرت
 کے بارے میں یہ کہنا کچھ زیادتی تھی کہ اس میں محض حب وطن کا بیان
 حقیقت یہ ہے کہ مارشل لا کا دور تھا، برطانوی سامراج کے
 مظالم شہاب پرستھے، آزادی و حریت کو کچل دیا گیا تھا۔ لافواد
 سیاسی کارکن جیلوں میں بند تھے اندھون دھراس چھایا ہوا تھا

ان حالات کو راکھ صاحب نے داستانِ حسرت میں بیان کیا تھا
نظم فرمودیل شعی۔ چند شعر گوش گزار مری۔

کچھ ایسا بھایا ہے خوفِ صبا داپنے گلشن کی انجن پر
نخوش بیٹھے ہیں معواصیب کسی کو تاب سخن نہیں ہے
جو زینتِ انجن کبھی تھے ہیں زنداں میں پا بسجوال
جو زینتِ انجن نہیں ہیں، تو زینتِ انجن نہیں ہے
دراری زلف کفر سے بھی فرداں ہے طولِ شبِ امیری
جو اپنے سودا کو تیز کرتا دہ گبوتے پڑنکن نہیں ہے
ملی ہے تیز ریس قدر بھی، بڑھا ہے ذوقِ گناہ اس سے
دل ایسے میساک ہو چکے ہیں کہ خوفِ داورس نہیں ہے

اس زمانے سے ملک کے ماسور اور بڑے بڑے ادیوں نے
تعاون کیا، اس کے مہنون لگا روں میں نیازِ مقبوری، مولانا عبدالحکیم شہر
مولانا حسرت موہانی، علامہ عثمادی، مولوی ممتاز علی، خواجہ حسن نظام
علامہ راشد الخیری، مولانا عارف مسوی، حکیم ماضی زبیر خان
دہلوی، مولانا عبدالمجید بانک، قاضی عبدالغفار میر باقر علی
داستانِ گو حکیم احمد شجاع خلیفی دہلوی، سید رام دغا، علامہ اقبال
منشی پریم چند، سید احمد شاہ بخاری، بیدل شاہ بخاری، نذرت
میر شعی، اور دیوانِ آند شہر وغیرہ تھے۔

اس زمانہ کی زندگی بہت مختصر رہی۔ دودھائی سال تک

تک جاری رہا۔

صحیح المبدأ مکتبہ کے مکتوبر ۱۹۵۷ء کو مہمانانہ علی و دہلی و سیاح
رسالہ نمودار نمبر ۵۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ ہفت
نیزت کشن پرشاد کوں میجر ہندوستانی پریس اور ایڈیٹر نیت بزم نیشن
نیزت کشن سے ملا۔ چند چار روپے اور ہفت فی پرچہ لارکنی بھی ہندوستانی
پریس نے لکھنؤ میں بیچ دیا تھا۔

یہ رسالہ سر ڈی ایف آف سوسائٹی کا آرگن تھا۔ اس رسالہ کے
معاون نگار فشی ونگ علی شوق قدوائی، سید اکبر احسن اکبر آبادی، مولانا
حسرت مہتائی، علامہ سلیمان ندوی، سر سنج بہادر سپروی، سید سجاد حمید، رالہ
سری رام موکنت، حمید خانہ، جادید اور مولانا عبدالمجاہد، رالہ آبادی وغیرہ تھے
۸۰ روپے پر شائع ہونے والے یہ تقریباً بیسوں میں اس سالہ پر دیوچو
شائع ہوا تھا۔

مکتبہ سے نیت کشن پرشاد کوں میجر ہندوستانی پریس کے
اتہام میں، عدسہ حکایت اردو کے مشہور ادنا مورثا پر دہانگی ایڈیٹر
میں شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس کے دو نمبر ہماری نظر سے گزر
چکے ہیں۔ کاغذ اچھا ہے، چھپائی بھی، اخبار ہندوستانی کی جھپائی سے
بہتر ہے۔ کی کہشش کی گئی ہے لیکن ضرورت ہے کہ اس میں اور زیادہ
مندرجہ ذیل جیسے، رفتار قوم کا عنوان ایڈیٹر کے زور و قلم کا نتیجہ
ہونا چاہیے۔ بے بہا ہت دل چسپ ہوتا ہے۔ دوسرے نمبر میں اردو نئی عری
کے مضمون میں قدیم الیشیائی شاعری کی داغی حمایت کی گئی ہے جو مجھ
تکیرل شاعری میں اردو ادب کے لحاظ سے جو کمی پائی جاتی ہے اس
پر توجہ دینے والے دی گئی ہے۔ "ہمارے معاصرین" کے عنوان میں

موجودہ اردو صحائف پر تنقید کی حالت ہے ضرورت ہے کہ اس عنوان کو زیادہ وسیع کیا جائے اور اخلاقی جرات سے کام لے کر موجودہ اخبار نویسی کی طرز پر نکتہ چینی کر کے ہمارے جرنلزم کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی جائے، لہذا موجودہ اردو رسائل میں "صبح امید" ایک ایسا رسالہ ہے کہ تعلیم یافتہ اردو دواں اسباب اس کو شوق سے پڑھیں گے۔ خدا نکر وہ از کرے۔

پندت برج نرائن چلیت چلیت صاحب قوم کے کشمیری برہمن تھے ان کے والد کا نام پندت اودنت

نرائن تھا۔ سنہ ۱۸۳۷ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ ادولہ عمر میں اپنے اصلی وطن کشمیر میں آ گئے ابتدائی تعلیم گھر پر پائی مگر سنہ ۱۸۵۷ء میں دہلیت کا ستون پاس کیا، آپ کا شمار کالج کے متہ طلبہ رہیں ہوتا تھا تعلیم حاصل کر کے بعد لکھنؤ میں دہلیت شریعہ کی ادارت حاصل کر لی تھی

چلیت صاحب کوئی عری کا بچپن سے بہت شریعت تھا نو برس کی عمر میں انھوں نے غزل کہی۔ کالج سے ایام میں اکثریت عدول میں تمنے اور انعامات حاصل کئے۔ تخلص کوئی اختیار نہیں کیا ضرورت کے وقت اپنے خاندانی نام چلیت کو ہی تخلص سے طور پر استعمال کرتے تھے، تخلص کا نمونہ احسان نہ ہونے پر اپنے ایک شعر میں ذکر کیا ہے ۵

نہ نید و دل میں اور دہلا ۱۱ اور دہلا ۱۲ کے چاند تاسے ملکا

ذکر کیوں کرتے گا نرم شعراء میں
 میں تخلص کا بھی دنیا میں گنگنا رہیں
 حکمت شروع میں صرف غزلیں پکارتے تھے مگر کچھ عرصہ کے
 بعد توئی، اسکی سوشل اور نیرل نظموں لکھنے لگے تھے۔ سدس
 ہنسنے کا بہت شوق تھا اور حقیقتاً بہت عمدہ کہتے تھے تخلص کے
 ساتھ انھوں نے اتنا دی و ثنا گردی کے قدیم سلسلہ کو بھی خیر باد
 کہہ دیا تھا۔ قدیم اساتذہ میں غالب، انیس اور آتش وغیرہ کے
 کلام کو مد نظر رکھتے ہوئے جن آزمائی کرتے تھے اور شریں مولانا
 محمد حسین آزاد کے ہر دے سے۔
 حکمت کا مہر طبعیت وسیع تھا۔ ان کی کوتاہی تھی رہی تھی
 رنگ کو رہا رہے زیادہ اختیار نہ کیا جائے بلکہ بیاسلک اور ناپاکی
 رنگ نہ ہو، جن پر فرماتے ہیں :-
 بیاسلک، نیارنگ، تسخن اسجا کرتے ہیں
 غرض شعرو کو ہم قافیہ سے آزاد کرتے ہیں
 حکمت میں زیادہ صدف رہنے کی وجہ سے یکیت زیادہ
 تھوڑی تھوڑی کی طرف توجہ نہ دے سکے، اسی وجہ سے ان کا کلام
 بہت حد تک ان کے کلام کا مجموعہ زندین پریس نے طبع کرایا
 تھا جس پر سید سید نے بیسپرو نے مقدمہ لکھا تھا ان کی شہدیں
 اور دوسرے مسلمان بھی اسی پریس میں چھپے تھے، میں حکمت

نے سرنٹ آف انڈیا سوسائٹی کی طرف سے ”صبح امید“ رسالہ نکالا
 تھا اس میں اکثر سیاسی رنگ کے مضامین لکھتے تھے۔ اور غالباً
 آتش وغیرہ کے کلام کا انتخاب عطر حسن کے عنوان سے شائع کرتے تھے۔
 چکیت کی ذات سے اردو ادب کو بڑی امیدیں تھیں لیکن اخوس
 ان کی قابلِ قدر زندگی کا بہت حسرت ناک طریقے سے قبل از وقت خاتمہ
 ہو گیا۔ ۱۹۱۷ء میں رائے پٹی سے کسی مقدمہ کی پیروی کر کے واپس
 ایشیئن پیسے وہیں ان پینالج کا شدید دوسہ پڑا۔ تمام جسم بے حس
 و حرکت اور زبان بند ہو گئی۔ اسی دن شام کو ایشیئن پر ۲ فروری ۱۹۱۷ء
 کو انتقال ہوا، یہ پریشہ کن خرسن کران کے بڑے بھائی رائے بہادر
 نینڈت ہمارا راج نرائن چکیت فوراً ایشیئن پیسے اور ان کی نعش موٹر
 میں رکھ کر لکھنؤ لائے۔ پورے ہندوستان کی ادبی حلقہ کو بہت
 صدمہ ہوا لکھنؤ کی عدالتیں بند کر دی گئیں، تعزیت کے جلسے ہوئے مختلف
 شعراء نے اس ناگہانی موت پر دردناک نظمیں لکھیں۔ امدادیوں نے
 تعزیت کے مضامین طلبہ کے چکیت نے غزل پر زیادہ توجہ نہیں
 دی۔ نظم کی طرف زیادہ رجحان رہا۔ ان کی نظمیں پانچ قسم کی
 ہیں (۱) مرثیہ، قومی و سیاسی (۲) سرخیل (۳) مذہبی (۴) نیپول کریموں
 سے مراد واقعات کو بلا سے نہیں بلکہ کے جان باز لہجہ کی وفات پر
 جو مرثیے لکھے ہیں وہ ہے۔ قومی و سیاسی نظموں میں وطن کے راگ
 گائے ہیں، موٹل نظموں میں اصلاحی سکول پر خوشی ڈالی ہے
 چنانچہ کے لکھے غزلیں ازوداج بیوہ پر ”برقی اصلاح“ کے عنوان
 سے ایک عمدہ نظم ہے۔ مذہبی نظموں میں سری رام چندر کا بن یاس کشن

کھنیا اور گائے پر بڑی نظمیں لکھی ہیں، بنیول نظمیں بہت کم کہی ہیں
لیکن سچول، کشمیر اور جلوہ صبح وغیرہ پر جو نظمیں لکھی ہیں وہ اعلیٰ
تتمیں سے لبریز ہیں۔

ننوی ملا آرٹیم کے سلسلہ میں مولانا شرر سے جو ادبی محرک
موادہ علمی و ادبی اظہار سے انتہائی دل چسپ ہے کلیت کا مجموعہ
کلام صبح وطن کے نام سے شائع ہوا ہے۔

ان کی غزلوں میں عاشقانہ رنگ کے بجائے تین ادب اخلاقی
نکتے اور قومی جذبات کی جھلک ملتی ہے زبان کی روانی اور بیان
کی پاکیزگی کے معنی نوے کلمہ کے کم شاعر کلیت کا مقابلہ دیتے ہیں یہ

فنا کا ہوش آنا، زندگی کا درسر جانا
اصل کیا ہے عمارت بادۂ ہستی انجانا
دہی قہر ہو کا اشک بن کر گیا رسوا
جیسے ہم نے نیک پروردہ زخم جگر جانا
خود پرستی مٹ گئی، قدر محبت بڑھ گئی، ہاتھ احباب ہے تنہا روحانی مجھے
جس کی قفس میں آنکھ کھلی ہو مری طرح
اس کے لئے چین کی خزاں گھیا بید کیا

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا
لیک ساغر بھی غنایت نہ ہو یاد رہے
ساقیا جاتے ہیں، محفل نری آبا ہے

نہ کی دوست دشمن ہو شریکِ درِ غم میرا
سلامت ببری گردن پر ہے ہار الم میرا
نکھایہ داور محشر نے میری خود عصیاں پر
یہ وہ بندہ ہے جس پر ناز کرتا ہے کرم میرا

ناٹا در ہے، ناکام ہے تقدیر ہی اپنی پھوٹ گئی
جس شانچ پہ ہم نے ہاتھ دھرا وہ فتح دہی ٹوٹ گئی
اب چین کہاں، آرام کہاں، اسیگماں، آرام کہاں
آئی تھی الم کی فوج گراں وہ دل کی بستی ٹوٹ گئی

لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ نومبر ۱۹۷۷ء سے ظہور پذیر
ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ خود پر دو ٹیٹنگ ناچ

سوسائٹی کا یہ آرگن تھا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر لالہ کنور حسین ایم اے
پرنسپل لا کالج لاہور و پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور و پرائیویٹ سکڑی
ہمارا جہ بیکانیر تھے۔ اس کے بعد پروفیسر مظفر الدین ایم ایس، سی
دلتہ پریشاد دہانی اے ایڈیٹر مقرر ہوئے سالانہ چندہ دور دپے
تھا۔ پرنسپل ایڈیٹر پرنسپل لاہور میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں سائنس کے حالات، خبریں اور اس کے
متعلق مضامین چھپتے تھے اس کے سرمدی پڑھنے کا یہ مقولہ
درج تھا۔

”سائنس پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ اس نے اس وقت اگر
ہماری پاسبانی کی جب کہ زمین سالِ حوزہ ہو چکی تھی، ایان میں

زکات داخل ہو گئے تھے اور ہدی وقت دلیل تنزل ہو گئی تھی۔
 رائے اس نے ہیں یہ خیال کیا کہ دنیا بدستور بالغ ہے اور اس نے اہل دنیا
 کو ایک نئی زبان سکھائی۔

مراد آباد محلہ منعتی لڑکے سے یہ خبر دیہ روزہ انجیل ۱۹۱۸ء
 کو لکھی گئی تھی۔ سو در صفحات پر نقل تھا۔ ایڈیٹر
 محمد اسحاق جس صدیقی مراد آبادی تھے سالانہ چندہ حیدر دے پے تھا
 صدیقی پریس مراد آباد میں چھپتا تھا۔ اس کے سرورن بریہ شروع
 ہوتا تھا۔

نبولی بار بھیا بخش زمانہ پڑھ گیا ہو کر
 لکھا کہ راستہ اہل جہاں کو رہنما ہو کر
 اس اخبار میں مذہبی سیاسی تمدنی تاریخی، طبی اور دلی کش و مقب
 نمایاں جیتنے سے اور حرب و ہیل منتقل عنوانات تھے۔

لطف سنن (نظمیں) تفریح طبع (لطائف) مجلس احباب
 معلومات عجائبات، جواب روز سے مذہب، قصص و حکایات
 اصلاح تمدن و معاشرت، حسن و ادب، تاریخ، عالم انراں، تنبیہات
 صنعت و حرفت، حفظان صحت، آفتابسات وغیرہ۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ اخبار مفتہ دار ہو گیا تھا۔ خبریں بھی جتنی
 تھیں، فلک کم اور غیر ملکی زیادہ ہوتی تھیں۔ رخصت ہو گیا تھا۔ یہ
 دو دور تھا جبکہ انگریز پہلی جنگ عظیم سے نمٹ چکا تھا اور ملک دھوم
 میں غیر ملکی حکمران طبقہ انگریزوں کے خلاف نفوذ شباب پر فضا
 جس کو انگریز دہانے اور میندوستانیوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے

قانون کا استعمال کر رہا تھا۔ تحریر و تقریر پر سخت پابندیاں عائد کر دی
تھیں، محب وطن لوگوں کی حرکتوں پر کڑی نگاہ رکھی، اخبارات پر سہولتی
سی ٹھہری بات پر مقدمات چلائے جا رہے تھے اور جیلوں میں بھیجا جا رہا
تھا۔ لیکن عوام ان سختیوں سے مرعوب نہیں ہوئے تھے، مرد میدان بنے
ہوئے تھے اس آزادی کی جدوجہد میں مراد آباد کے لوگوں نے بھی
حصہ لیا تھا۔ چنانچہ جب ڈاکٹر انصاری کے اس خطبہ کو حوٹاں والوں نے
دہلی کے آل انڈیا اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں استقبالیہ کمیٹی کی
صدر کی حیثیت سے پڑھا تھا۔ اسکو حکومت نے ضبط کر لیا تو مراد آباد
کے عوام نے جامع مسجد میں، رز دہری سلسلہ کو حلبہ کیا۔ جسکی کڑواہٹ
اگر دہری سلسلہ کے شائقے میں چھپی۔

مسلمانان مراد آباد کا ایک عام جلسہ تاریخ رز دہری سلسلہ ۶ یوم
مجدد نماز جمعہ جامع مسجد مراد آباد میں بصدارت عالی جناب مولانا
مولوی حافظ حکیم سید دائم علی صاحب مدظلہ اہم شہر مراد آباد اس طرح
سے منعقد ہوا۔ کہ مقامات مقدسہ اسلامی دارالخلافت اسلامیہ
فلسطینہ اور خلافت اسلامیہ کے بارے میں مسلمانان مراد آباد کے
حقیقی جذبات کا اظہار کیا جائے اور یہ کہ ان تجاویز کی تائید کی جائے
جو آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی خلافت
اسلامیہ مقامات مقدسہ اسلامی اور محالک اسلامیہ کے متعلق منظور
کی ہیں، چنانچہ وقت مقررہ پر ہر طبقہ کے ہزاروں مسلمان جلسہ میں
نہایت جوش کے ساتھ شرکت ہوئے۔

سب سے پہلے سر سہودا الحسن صاحب بیرسٹرنے جلسہ کے انراض

و مقاصد واضح طور پر بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا حکیم سید دائم علی صاحب کی صدارت کی تحریک پیش کی جو بالاتفاق منظور ہوئی۔
حافظ سید محمد کرام علی صاحب نے تلاوت کلام اللہ تبارک و تعالیٰ نہایت خوش و خرم و متوجہ کیے ساتھ کی تلاوت کلام پاک کے بعد پیشی محمد طہین صاحب شتون چچا اہل نے یکجا موقع اور موردن نظم نہایت خوش الحان سے سنائی۔

اس کے بعد پیلار بندہ لبوش جو نہایت اہم تھا۔ مسلمانانِ مراد آباد کے معتد ریخیرا حضرت مولانا سونوی حکیم سید محمد مرصعی صاحب مدظلہ نے پیش فرمایا۔ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔
زیر لبوش نمبر۔ یہ جلسہ مسلمانانِ مراد آباد کا ان تمام تجار و زرکی جو آن انڈیا مسلم لیگ نے اپنے گزشتہ سالانہ جلسہ منعقدہ دہلی میں دہلاہ مقامات مقدسہ مسئلہ خلافت و تقارر حکومت ہے اسلامی منظور کی ہیں۔ نہایت زور کے ساتھ تائید کرتا ہے اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ کانفرنس صلح میں یہ تمام مسائل زیر بحث لاتے جا رہے ہیں اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کو قوجہ دلائے۔

(الف) کہ گورنمنٹ اپنے گزشتہ وعدہ دل اور مسلمانانِ ہند کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جزیرۃ العرب کا الحاق جس میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ، بیت المقدس، کربلا، معلیٰ، نجف اشرف و بعد از شریف جیسے شہرک مقامات ہیں سلطان دوم خلیفۃ المسلمین خادم و مین غریبین کی سلطنت سے برقرار رکھے۔

(ب) اور چونکہ خلافت کے معاملہ میں جو کہ محض مذہبی مسئلہ

ہے سلمان کسی طاقت کا دست اندازی و مداخلت کو ہرگز گوارا
 و قبول نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ جلسہ گورنمنٹ سے امید کرتا ہے
 کہ وہ اس معاملہ میں اپنے گزشتہ اعلان پالیسی کی بنا پر کسی قسم کی
 مداخلت کرنا پسند نہ کرے گی اور نہ کسی دوسری طاقت کو ایسا کرنے
 کا موقع دے گی۔

محکم۔ حضرت مولانا مولوی حکیم سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب مظاہر
 موبد۔ مولوی عبداللہ دم رتیں

رہز دیوشن نمبر ۲۔ یہ جلسہ مسلمانان مراد آباد کی بوجہ اخوت اسلامی جو
 مسلمانان ہند کو اپنے دیگر ممالک کے ہم مذہبوں کے ساتھ جو حسب
 احکام الہی ہے، نیز اس وجہ سے کہ دائمی امن قائم ہے لازمی سمجھتا ہے
 کہ اسلامی ممالک اقوام پر غیر مسلم حکومت کو کسی طرح حکومت کا موقع نہ
 دیا جائے اور ان کی آزادی اور حکومت کو بدستور قائم برقرار رکھا جائے
 محکم۔ سٹر مسعود الحسن صاحب بیرسٹر

موبد۔ مرزا اسحاق بیگ
 رہز دیوشن نمبر ۳۔ مولوی حکیم ظہیر الدین صاحب نے ایک ٹکدہ جاس اور
 دل نشیں تقریر کے ساتھ پیش کیا۔

یہ جلسہ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری کے اس خطبہ کو جو
 ڈاکٹر صاحب کو صوفیہ نے بحیثیت صدر استقبالیہ کیٹی مسلم لیگ گزشتہ
 جلسہ میں بمقام دہلی پڑھا اور جس میں جو انہ قرآن پاک و حدیث شریف
 سائل خلافت اور مقامات مقدسہ پر روشنی ڈالی تھی نہایت پسندیدہ
 نظر سے دیکھنا ہے اور پنجاب گورنمنٹ کے غیر دانشمند حکم پر جو

اس کی ضلعی کے بارے میں صاف کیا گیا ہے۔ اظہارِ مافیہ کی اہمیت
اختیارِ طبع کرتا ہے۔ اور گورنمنٹ منہ کو جو جدہ تباہی کے اس قسم
کی کارروائیوں کو سلمان اپنے مذہب میں مداخلت کے جائز سمجھتے
ہیں اور امید کرتے ہیں کہ گورنمنٹ منہ پنجاب گورنمنٹ کے حکم کو
منسوخ فرما کر سلمان کو منہ کو شکریہ کا موقع دے گی۔

محکم، محکم مولوی ظہیر الدین صاحب

موبد ۱۔ محمد یحییٰ صاحب صدیقی بی، ایسے دکیل

رولٹ بل کے خلاف تمام منہ درستان میں آواز اٹھائی گئی اور ہر
مقام دشمن میں اس کے خلاف جلسے ہوئے۔ چنانچہ مراد آباد میں
سبھی جلسہ ہوا۔ جس کی کارروائی ۱۵ ارڈری سلاٹ کے اخبار میں
شائع ہوئی۔

رولٹ بل یا نئے قانونِ بغاوت کے خلاف جو جھنڈا لیرے
کی کونسل میں بغرض منظوری پیش ہے تمام ملک میں ہلکا پڑ گیا ہے
اور تمام حصص ملک میں اس کے خلاف جلسے منعقد ہوئے ہیں۔ ہمارے
شہر مراد آباد میں بھی اس نئے قانونی شکنجے کے خلاف منہ درستان
کا ایک نہایت نڈا جلسہ تیار ۱۵ ارڈری سلاٹ ۱۹۱۷ء کو ہوا
مادن ہال میں زیرِ صدارت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب دکیل و جیرین
یونس بود و مراد آباد منعقد ہوا۔ جلسہ میں ہر طبقہ کے منہ درستان
بائندگان مراد آباد کثرت سے شریک تھے۔ حاضرین کی کثرت کا یہ عا
تھا۔ کہ تمام ہال اور اس کے ملحقہ کمرے بھر جانے کے بعد بہت سے لوگ
باہر کھڑے تھے۔ قابلِ مہد جلسہ نے ایک پر نر و لائی انتہائی تقریریں

قانون کی بولناک سہم گیری اور نقصانات اور عدم ضرورت کا پُر ندر طریقہ پر اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کے بعد ہلال ریزویشن باور برحق ناتھ صاحب نے ایک مفصل تقریر کے ساتھ تین تین کیا جس میں اس قانون کے خلاف عدائے احتجاج طلب کی گئی تھی۔ بعد اس کا اس وقت نافذ کرنا بالکل بے کار ثابت کیا گیا تھا۔ اور اس کے نقائص نہایت صفائی۔ آزادی کے ساتھ پیش کئے۔ قاضی عبدالغفور صاحب ایڈیٹر جموں کی دورانِ تقریر نمازِ مغرب کا وقت قریب آنے پر نماز کے لئے قلمبرخواست ہو گیا۔ مسالوں نے متعلقہ مسجد اور نادان ہال کے میدان میں نمازِ مغرب ادا کی۔ اس کے بعد طلبہ سپر منعقد ہوا قاضی عبدالغفور صاحب نے سپرائی پر جوشِ تقریر جو جذبہ بابت عالیہ اور خود داری سے ملوث شخصی ملک فرما کی۔

دوسرا ریزویشن جس میں امپریل کونسل کے منہ دستانی قبول کا سخت مجبور و آئین سے اختلاف کرنے پر شکریہ ادا کیا گیا تھا پیش ہوا اور پاس ہوا۔

ملک میں انگریزوں کی غلامی کے خلاف بے پناہ نفرت پیدا ہو گئی تھی اور منہ دستانی لحاظ سے انگریزوں کی کوئی حرکت ان کو پسند نہیں آتی تھی اور براہِ انگریز کو قابلِ نفرت و دہانت سمجھتے تھے چنانچہ جب منہ دستان میں پریس آف دیلز آئے تو لاہور میں کینٹا نے ان سے استقبال کے بائیکاٹ کی تجویز پاس کی جو ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کے شامے کی ذمیت بنی۔

۱۲ اگست کو رینیل کینٹا لاہور کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں سطر

سنت رام نے ایک ریزولوشن اس مضمون کا پیش کیا تھا کہ جب تک پنجاب کے مظالم کا ازالہ نہ ہو جائے لہذا سوانح نہ حاصل ہو جائے اس وقت تک گورنمنٹ کے لئے پریس آف ویلز کو بلا نا مناسب نہیں ہے۔ اگر اس محرزہ آمد پر اصرار کیا گیا تو باشندگان لاہور اس بات پر آمادہ ہیں کہ پریس کا غیر مفید نہ کریں گے اور نہ کسی سرکاری تقریب میں شرکت کریں گے لہذا اس غرض پر کچھ صرف کریں گے ایک شخص نے ریزولوشن کی مخالفت کی، مخالفت کے بعد سخت و مباحتہ بلو جب دہلی لیا گیا تو ریزولوشن کی مخالفت میں صرف دو آدمیوں نے ووٹ دئے اس طرح صرف دو ممبروں کی مخالفت سے پریس کے بائیکاٹ کا ریزولوشن پاس ہو گیا۔

جب حکومت برطانیہ کو جرمنی اور ترکی میں فتح حاصل ہو گئی تو ممبران میں اس نے فتح کا جشن منانے کا اعلان کیا جس کا طلائف کمیٹی لہذا کانگریس نے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور اس نے غلات فتویٰ کا ایک پوسٹر تالیف کیا جو ہندوستان کے کونہ کونہ میں بھی لگیا اور نیزہوں کو اس جشن کے بائیکاٹ سے پریشانی ہوئی تو انہوں نے اس جشن کی پوزیشن صاف کرنے کے لئے ہر شہر میں یہ سرکل جاری کیا کہ یہ جشن فتح ترکی کی فتح کے سلسلہ میں نہیں بلکہ جرمنی کی فتح کی فتح کے مائے میں منایا جا رہا ہے لیکن اس اعلان کے باوجود ہندوستان نے اس جشن کا بائیکاٹ کیا جس کی مختصر کیفیت اردو پریس نے اس طرح لکھی رہا جس میں بھی تھی۔

”اس ہفتہ طلائف کانفرنس کا پوسٹر جس کا عنوان

مولانا عبد الباقی کا فتویٰ ہے اور جس میں مسلمانوں کے لئے موعودہ حالات میں جشن فتح کی شرکت حرام اور منیوں کے لئے جشن فتح میں شرکت جرم بتلائی گئی ہے۔ شرک کے نمایاں سوتوں پر چسپاں کیا گیا ہے اور انتظامیہ کمیٹی ڈسٹرکٹ سلم لنگ مراد آباد کی جانب سے ایک اشتہار جس کا عنوان "جشن فتح میں شرکت حرام ہے" جھڑپ شائع کیا گیا ہے۔ اس میں مولانا عبد الباقی کی فتویٰ کا فتویٰ جو جشن فتح کے خلاف ہے اور جس پر دوسرے علماء کے بھی دستخط ہیں درج کیا گیا ہے اور مسلمانان مراد آباد کو اس فتویٰ پر عمل کرنے اور جشن صلح میں نہ بہک نہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ غالباً ان ہی حالات کو مد نظر رکھ کر شریعہ، ایف سی صاحب کلکٹر ممبئی مراد آباد نے ایک پبلک اعلان شائع کیا ہے اور ہمیں بھی فرض انشاعت یہی گئی ہے جو درج ذیل کی جاتی ہے۔

بغرض اطلاع عام مشتہر کیا جاتا ہے کہ جو جشن صلح ۳۱ دسمبر ۱۹۶۷ء کو منایا جائے گا وہ محض اس بات کا جشن ہے کہ شہنشاہ منظم ملکہ کو سلطنت جرمن پراسرانی میں جس کو کہ جرمنی نے خواہ مخواہ جبراً کرکسوا کھا عورتوں کو سوہ لورسوں کو میٹم کرایا فتویٰ بی حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کا جو کہ تداریک شائع ہے شکر یہ ادا کیا جائے گا۔ کہ اس نے اپنے رحم سے دنیا کو اس کثرت و خون سے جو کہ ۱۹۴۷ء سے برابر ہماری تھا۔ پناہ دی۔ علاوہ اس کے اور کسی بات کی خوشی نہیں منائی جائے گی اور اس جشن سے مشتہر صلح متعلق نہیں ہے لہذا یہ نوٹس اس غلط فہمی کو دفع کرنے کی غرض

ہے شے کیا جاتا ہے جو کہ سلطان مراد آباد کو اس موقع پر پیدا
 ہوئی ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہوں تھے کہ اس جشن کا تعلق
 ترکیش سلطنت پر فتحیابی اور ستر اٹھ صلیح سے ہے اور اس
 جشن سے مسلمانوں کی آرزوہ ولی مقصود ہے یہ خیال اگر کسی شخص
 کے دل میں پیدا ہو گیا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس کے پڑھنے کے
 بعد نکال دے اس کو خود بہرہ بھی نہ ملے نہ ناسا سب کو فائدہ ہوں کہ
 مسلمانوں کے خیالات ولی کو گورنمنٹ میں سرکاری آپ اسٹیٹ
 ہمارا جو بیگانہ اور بہت سے گورنروں اور گورنمنٹ گورنروں نے
 جو یہ داستان میں حکومت کر چکے ہیں و نیز مقصد سنوں کے میں
 انفرنس اور راعم انگلستان تک پہنچا دیا ہے اور یہی ہے میں
 اور اس کو شش میں ہیں کہ ستر اٹھ صلیح میں جو کہ ترکی نے ساتھ ہوں
 ان میں سے ناٹو مند کے مذہبی عقائد کا حتی المقدور خیال رکھا جائے
 خلافت کے مسئلہ میں جو کہ جو مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے گورنمنٹ
 کوئی درست انداز کی نہیں کر سکتی، میں اپنی جانب سے اس بات کا
 اطمینان مسلمانان باطن کا مراد آباد کو دلاتا ہوں کہ ان کے خیالات
 ولی کو کامیاب نہ ہوں گا۔ پس ایسی حالت میں مسجد
 کی جانی ہے کہ کوئی فرد دانا دلی یا ملک منعم اس جشن صلیح میں جو
 کہ مضامین اور زبان اردو مقاصد سے تعلق رکھتا ہے شرکت کرے
 سے ہی غلط فہمی کی بناء پر گزیر نہ کرے گا۔

ایک نیکو کی مخالفت پر چند دوستانی عوام اس حد تک اتر
 آئے تھے کہ ان کو اپنے جان و مال کی بھی پروا نہ تھی۔ ملک

کی آزادی کے لئے جان نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

- چنانچہ دہلی میں ایک بڑی بڑست

ہڑتال ہوئی جس میں رنجیزوں کی گولیوں سے بیس پچیس آدمیوں نے شہادت کا جام نوش کیا۔ اس خبر کا دوسرا عنوان ہے۔ لوگوں پر گولیاں چلائی گئیں۔ اندازاً بیس پچیس آدمی زخمی ہوئے اور مارے گئے۔

۳۰ مارچ کو کانگرس کے پروگرام کے مطابق دہلی میں ساتم اور دعا کا دن منایا گیا۔ شہر کے کل بازار، چاندنی چوک، چاندنی بازار، صد بازار، اناج منڈی، کپڑا منڈی، بوڑھا خانہ، سنہری منڈی، بندھنی۔ کسی مندرستان کی دکان نہیں کھلی تھی۔ کانے قالون کے خلاف ہمارے احتجاج بلند کرنے کے لئے تمام کاسبکار موقوف کر دیا گیا تھا۔ تانگوں، گاڑی والوں نے بھی ہڑتال کر دینی شروع کر دی تھی۔ اگرچہ صبح دس بجے تک مہتی رہی لیکن جب لوگوں نے ٹریوے میں چڑھنے سے انکار کر دیا۔ تو عجب کمپنی کو ٹریوے سے بھی مدک لینی پڑی۔ مل والوں نے پل بند کر دیا۔ پولیس ویش کی تھی، لیکن مزدوروں نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ مسجد، مل والوں کو کام ملے کر کے رکھنا، انقریباً پچاس ہزار ہندو مسلمانوں نے اس روز برت اور روزہ رکھا۔ صبح سے بارہ بجے تک سکون رہا۔ بارہ بجے کے قریب ایک خوفناک واقعہ پیش آیا۔ جس کا آغاز اس طرح ہوا کہ دیا نین بجے شہر کے آدمی ریلوے اسٹیشن کے مسافرانے میں بیٹھے اور مسافرانہ کی دکانداروں سے درخواست کی کہ تمام ٹھہر میں ہڑتال کر

ہتر ہے کہ آب وگ بھی شہر و لال کے ماتم میں غریب ہوں اور دکانیں
 بند کر دیں۔ مذکورہ درمناضد سے اسے میں اسٹیشن ماسٹر سے چند
 انگریز تیار ہوں کے موقع پر آنی و دار ہوئے۔ اسٹیشن ماسٹر نے
 دکانداروں کو دکان صدر کرائے سے روکا اور ان دریا میں شہر ہوں
 کو حوالہ میں دیا۔ خوب اس کی خبر شہر میں آئی تو خلقت مگرہ
 درگروہ اسٹیشن کی طرف میں مٹھری ہوئی اور اسٹیشن ماسٹر سے ان
 دریا میں شہر ہوں کی رہائی سے بے مٹھی ہوئی اور اس نے ان کی رہائی
 سے وقت اسٹیشن سے جانے سے انکار کیا۔ اس پر پولیس اور فوج
 سے مشین گن کے طلب کی گئی۔ لوگوں کو پولیس سواروں نے ملک کے
 ماتم کے اندر دھکیں دیا۔ جب اس طرح سے لوگوں کو متواتر بھڑکا
 یا گیا اور جبروت سے ان کو متنقل کیا گیا تو لوگوں نے باغ سے باہر
 نکلنے کی کوشش کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چند لوگوں نے اسٹیشن
 بھی پھینکیں جس پر فوج نے گولی چلائی جس سے کئی آدمی زخمی ہوئے
 اور کئی ما۔ نے سمجھے ان میں نوجوان لڑکے بھی تھے، جب فوج نے
 لوگوں کو ملک کے باغ سے نکال دیا تو تمام باغ کا محاصرہ کر لیا
 اور لوگوں کو باغ میں سے گزر کر اسٹیشن جانے سے روکا اور گھنٹہ گھر
 کے نزدیک لوگوں پر پھر گولی چلائی۔ جس سے دوبارہ بہت سے لوگ
 زخمی ہوئے اور بہت سے مارے گئے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں ۱۹۱۷ء کا سال بڑا تاریخی
 اور اہم سال ہے۔ انگریزوں نے اس سال ہندوستانیوں پر جو ظلم و ستم
 کر رکھے اور ہندوستانیوں نے پردوں کی طرح کسے آزادی پر

بے دخل کی اپنے آپ کو قربان کیا۔ اور اس سال جو آگ کی جنگاری ملک میں پھیلی۔ اس نے اپنا دور رس رنگ دکھایا۔ اسی سال انگریزوں نے امرتسر میں جلیا نوالہ باغ میں خوں ریز ڈرامہ کھیل دیا۔ تقریباً بیس لاکھ کے تمام شہریوں میں مارشل لا کا نفاذ کیا۔ اس کی عورتوں کی روئیداد ۱۹۱۷ء کے رہنما فاکل میں ہے۔

لاہور میں مارشل لا کے نفاذ کا اعلان کیا گیا اور جرمیابندیاں مندرجہ ذیل عوام پر لگائی گئیں وہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۷ء کے ختمائے میں جیسی ہیں۔

لاہور میں جنگی قانون جاری ہوئے بعد کرنل فرینک جانشن نے بحیثیت کمانڈر سول رقبہ لاہور کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ کمانیر نے جنگی قانون کے ماتحت آٹھ احکام شائع کئے ہیں جن میں اول میں سول رقبہ لاہور کی حدود متعین کی گئی ہیں، جن کے اندر جنگی قانون کا نفاذ ہو گا۔ اور حکم دیا گیا ہے کہ آٹھ بجے شب سے لے کر جبکہ قلعہ سے ایک توپ بفرض آگاہی عوام سر کی جائے گی۔ سب سے صبح تک اگر کوئی شخص جو یورپین نہ ہو بلا پردانہ اجازت حکام فوجی اپنے گھر سے باہر نکلے گا اور سڑکوں پر پایا جائے گا تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ اور اگر ایسی گرفتاری میں مزاحمت کرے گا تو اس کے گولی مار دی جائے گی، آخر میں دھمکی بھی دی گئی ہے کہ برقی روشنی اور نل کے پانی کی پیہم رسائی کا جاری رہنا عام باشندگان لاہور کے عمدہ بتاؤ پر منحصر ہے دیگر حکام کے ماتحت ستانگوں، ٹمپوں، لعدوڑ گاڑیوں کو فوجی حکام کے حوالہ کرنے کا

حکم ہے۔ ریلوے تیسرے درجہ اور درمیانہ درجہ کے ٹکٹوں کا دینا
مذہر یا کیا ہے۔ رنگی درکافیں جن میں پکا ہوا ٹھکانا چھتا تھا۔ بند
کر دی گئی ہیں۔ انداس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ درکافیں مجاہدین
ناؤں کے لئے استعمال ہونے میں دیکھوں گے۔ مشینوں اینجنوں دلاؤں
اور جہازوں کو ان کی نسبت خوبانہ تحریکیں سچیلانے کا یقین کیا جاتا
ہے۔ ہمارا نہ ان کی صفوں اور کئے باہر جائے سے روکا گیا ہے بعض
طلبہ دیا نہ کالج کی نسبت خوبانہ تحریکیں چھیلانے کا یقین ہے اس لئے
تمام طلبہ کالج کو روکا نہیں گیا ہے کہ وہ دروازہ صبح کے بجے سے
تبع میں رہے اور نہیں بجے دن کے اور، بجے شام کے پریکٹس
ہال میں آکر نہ مائٹنگ سپاہ کو اپنی بورڈ کریں فوجی احکام کے
مطابق نہ غت و حفاظت کا بعض۔ مکان جا سیدار کو
دوسرا ٹھکانا یا گیا ہے۔

انگریزوں نے ان احکامات کے جاری کرنے کے بعد پناہ
مظاہر ڈھائے شہر کے جس پر عوام میں بھی جوش پیدا ہوا
اور انہوں نے امرتسر اور ناہرو میں ہائیڈرو کرکٹیں کرنی شروع کر دیں
جن کا ذکر ہمارا پریل سلاٹ کے شمارے میں ہے۔

لاہور، ۱۱ اپریل کا شمار ہے کہ امرتسر سے سبھی سمت فساد
کی اطلاعیں سنیں ہیں کہا جاتا ہے ڈاکٹر سیف الدین کھیلو پریسٹر
اور ڈاکٹر متیہ بال آج صبح کے دن کے گرفتار کر کے کسی نامعلوم
مقام پر بھیجے گئے۔ جس پر لوگوں نے دکانیں بند کر کے مظاہر
کئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کئی آدمیوں پر فوج والوں نے گولیاں چلا کر

جھائے گئے یا زخمی ہوئے۔ خبر ملی ہے کہ ریلوے کا گودام، ڈاک خانہ اور تار گھر جلا دیے گئے ہیں۔

دور پور میں یجران والا گاؤں ٹکٹ بند قتل کر ڈالے گئے۔ لکھنؤ میں ماڈرن ہاٹل، تار گھر اور ٹکٹ بند قتل کی محاذوں کو بالکل توڑ ڈالا گیا۔ اور اس کے ایجنٹ سر ڈانس کو بھی مار ڈالا گیا۔ امرتسر لاہور کے درمیان ۳ بجے سے ۴ بجے تک اور پھر چھ بجے شام کے قریب تھوڑی دور تک تار کے توڑنے کا سلسلہ جاری رہا۔ لاہور سے ۱۱ اپریل کا تا ہے۔ آئندہ عوام ریلوے اسٹیشن کی طرف گیا اور وہاں ایک پور میں گارڈ بنام البین پر جو مال گودام میں کام کر رہا تھا ضربات سے اس کو ہلاک کر ڈالا۔ لوگوں نے باہر کے گودام میں آگ لگا دی۔ دہوہ نے تار کاٹے، جالندھر اور سیٹھان کوٹ دونوں طرف کی ریل پٹریوں کے سلیور جلا کر منقطع کرنے کی کوشش کی۔

جب پنجاب کے حکمران طبقہ نے عوام میں بے چینی دیکھی اور بغاوت کی راہ پر آتا ہوا پایا تو اس نے مارشل کے قانون کو اور سخت کر دیا۔ اور ہندوستانیوں کو ذلیل کرنے اور تکلیف پہنچانے کے لئے نئے دھمکے جاری کئے جن کا ذکر ارمی سٹیشن ۱۹۱۱ء کے اخبار میں ہے۔

سرکوں پر تازیانے مارے گئے۔ پہلے تو پنجاب میں بڑے زور و شور سے تازیانے مارے گئے، جس کی وجہ سے ایک یا دو شخص تازیانے لگا کر جانے کے باعث جان بحق ہو گئے، تین یا چار روز تازیانے لگائے جانے کے بعد

کرمل جانسن ے بدایات شائع کیں کہ لوگوں سے معاشرتی مبارکباد رکھا جائے گا اور بچے بوڑھے مازبانے کی سزا سے مستثنیٰ کر دے جائیں گے بیان کیا جاتا ہے کہ بن لوگوں کو نازبانے ماسے سے نہیں ان میں طالب علم دکانداروں اور مردوں کے واسطے شامل ہیں جس مقام پر نازبانے لگانے جاتے ہیں۔ وہ سیرسپل مارکیٹ کے تحصیل انارکلی اور مال روڈ کے چکشن پر واقع ہے۔

سیرسپل کو تھکڑا یاں دی | اگرچہ نوازہ میں قریب ۲ سوزاشناس سیرسپل کو تھکڑا یاں دی | کوہن میں پانچ یا چھ سیرسپل اور دکیل سبھی شامل ہیں متکڑیاں بنادی گئیں۔ اور بعضوں کو ڈسٹرکٹ میسٹریٹ کوئل اور بران کے احکام کے ماتحت شہر مذکور میں ایک قطار میں نکال دیا گیا ایک سکان سیرسپل محسن شاہ کو ڈپٹی کمشنر لاہور نے بارہ دم سے طلب کیا۔ جب وہ آئے تو ان سے پیچہ دینک بحث کی گئی اس کے بعد اسی موقعہ پر ان کے تھکڑا یاں ڈال دی گئیں۔ اور گھر سے جیل تک لے گئے۔

فوجی افسر کو سلام کرنا لازمی | حکم ہے کہ فوجی افسروں کو جنرور سلام کیا جائے ایک سوزاشناس کو جمال مدد کی جانب جا رہا تھا ایک فوجی افسر نے روک دیا، اور اس سے جبر یہ سلام کرایا۔ ایک مرتبہ ایک فوجی افسر اندر کی طرف سے گزر رہا تھا اس کے آگے آگے دو سپاہی تھے وہ تمام دکانداروں سے بزدل کہتے جاتے تھے کہ صاحب آپ ہیں اٹھ کر سلام کرو، بعض دکاندار جو سپاہی یا عہدہ اسلام نہ کر سکے ان کو اسی جگہ بید لگائے گئے۔

مندرجہ ذیل کو ننگے سر نکلنے کی ممانعت کی گئی مگر ان کے واسطے
 لازمی زائر باگیا کہ وہ ڈی پی سین کر نکلیں جو لوگ اب نہیں کرتے تھے
 ان کو پولیس حراست میں لے لیتی۔ ایک بنگالی انسٹرکٹ نوٹرز اور ایک
 بنگالی نے جو کسی قسم کی ڈی پی سینے کے عادی نہیں تھے ایک منب
 اس جرم کی سزا میں قید محزوری۔

جیل ڈائری جس نے صبا لوالہ مانع امر لٹر سے جلسہ کے ہمارے دل
 شریک ہونے والوں پر سیدر دی کے ساتھ گولیاں چلوائی تھیں اس
 کا بیان سرکاری تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے ہوا جو مطالبہ اس نے کئے
 ڈھنڈے کے ساتھ اس کا اقرار کیا۔ اس کا یہ بیان ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء
 کے شمارے میں درج ہے۔

۹۔ نومبر کو حسب سول پٹر ۱۰ بجے صبح کو ٹاؤن ہال لاہور میں تحقیقاتی
 کمیٹی کا اجلاس زیر صدارت لارڈ ڈیٹر شروع ہوا۔ جنرل ڈائری نے
 لارڈ ڈیٹر کے سوالات پر بیان کیا۔

۱۱۔ اپریل کو ۲ بجے مجھے جیل میں امر لٹر سے تیار ہونا کہ فوراً
 آؤ، میں امر لٹر میں گیا اور سٹر مالز اور دنگ اور سٹر پلور سے ملاقات
 کی سٹر اور دنگ نے مجھے بتایا کہ امر لٹر میں صورت معاملات نہایت نازک
 ہے قانون اجازت دیتا ہے کہ اگر سول حکام کسی علاقہ کا انتظام
 کرنے سے قاصر ہوں تو وہ اس علاقہ کو فوجی انتظام میں دیدیں۔
 ہم نے امر لٹر میں ہوائی جہاز استعمال نہیں کئے البتہ لاہور سے ہوائی جہاز
 دہلی تو تھا امر لٹر میں آکر پرواز کرتے تھے، پولیس نے فوج کی مدد سے
 ہر میں گئی گرفتار ہاں کیں، میں نے شہر میں حکم دیا تھا کہ جلسے نہ کئے جائیں

اگر حصے جاتے تو ان کو نقد اسکو منتشر کر دیا جائے گا، مجھے معلوم ہوا کہ وہی حکم کے خلاف کرنے پر تلے ہوئے ہیں مگر میرے رائے میں ہوا ہی بہت سے ڈیوٹ مار کرنے پر آمادہ تھے۔

دہزار سے زیادہ آدمیوں کے مجمع پر فائر لارڈسٹرنے بھیجے

جس سے اگر ضرور ہو وجہ بزدرا سوسہ منتشر کیا جائے گا یہاں ضرور ہو کے شرط الفاظ کا کیا مطلب ہے

تین دنوں میں ان سورتا کی زبانوں کو کوئی طلبہ نہ ہو کہیں لوگ ہم عدولی برائے ہوئے تھے خوب مجھے اطلاع ملی کہ علیا نوالہ مارے میں لوگ جمع ہیں تو میں فوراً فوجی دستہ کے مزید رخ میں گیا، راستہ میں نصف مضافات پر فوجی دستے تعینات کئے گئے، سوا پانچ بجے میں راجہ میں پہنچا، میں نے جیسے جیسے سپاہیوں کے دودھتے دائیں بائیں تعینات کر دیئے اور ان کو فوراً فائر کرنے کا حکم دیدیا۔ میں نے اپنے دل میں اس معاملہ پر غور کر لیا تھا۔ طلبہ کا نزدیک ترین آدمی ہم سے فاصلہ کئی فاصلہ پر تھا۔ اس وقت ایک شخص طلبہ میں تقریر کر رہا تھا، مجمع پانچ ہزار سے زیادہ اشخاص کا تھا۔

لارڈسٹرنے پوچھا کہ آپ کے خیال میں ایسے آدمی بھی طلبے میں سے جن کو طلبہ کے حکم امتناعی کا علم نہ تھا۔

(ج) حکم کافی مشہور ہو چکا تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ بعض آدمیوں کو اس کا علم نہ ہو۔

ابھی تک امرتسر میں مارشل لار جاری نہیں ہوا تھا کیا آپ نے

مند دستاں بھول کو ننگے سر نکلنے کی ممانعت کی گئی مگر اس کے واسطے
 داری ڈار باگیا کہ وہ ڈی پی سین کرنکس جو لوگ اب نہیں کرتے تھے
 ان کو پولس حراست میں لے لیتی۔ ایک بنگالی انسٹرکٹور کو گراوا ایک
 بنگالی نے جو کسی قسم کی ڈی پی سینے کے عادی نہیں تھے ایک منتخب
 اس جرم کی سزا میں قید محزری۔

جنرل ڈار جس نے حبیب اللہ خان امرتسر سے طلبہ کے ہزاروں
 شریک ہونے والوں پر سیدردی کے ساتھ گولیاں چلائی تھیں اس
 کا بیان سرکاری تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے ہوا جو منظر اس نے کئے
 ڈھائی گئے رستھ اس کا اقرار کیا۔ اس کا یہ بیان ۱۴ دسمبر ۱۹۱۹ء
 کے شمارے میں درج ہے۔

۹۔ ۱۰ نومبر کو حسب سول پرا ۱۰ بجے صبح کو ماؤن پال لاہور میں تحقیقاتی
 کمیٹی کا اجلاس زیر صدارت لارڈ ڈیئر شروع ہوا۔ جنرل ڈار نے
 لارڈ ڈیئر کے سوالات پر بیان کیا۔

۱۱۔ اپریل کو ۲ بجے مجھے جیل میں امرتسر سے تیار پہنچا کہ فوراً
 آؤ، میں امرتسر میں گیا اور سٹرکٹار ملز اور ونگ اور سٹرکٹور سے ملاقات
 کی سٹرکٹور ونگ کے مجھے بتایا کہ امرتسر میں صورت معاملات نہایت نازک
 ہے قانون اجازت دیتا ہے کہ اگر سول حکام کسی علاقہ کا انتظام
 کرنے سے قاصر ہوں تو وہ اس علاقہ کو فوجی انتظام میں دیدیں۔
 ہم نے امرتسر میں ہوائی جہاز استعمال نہیں کئے البتہ لاہور سے ہوائی جہاز
 دہلی فوجی امرتسر میں اتر کر دئے گئے تھے، پولس نے فوج کی مدد سے
 ہر میں کئی گرفتار ہاں کیں، میں نے شہر میں گھم دیا تھا کہ جلسے نہ کئے جائیں

اگر جسے جہاں میں گئے تو ان کو بھد اسکو منتشر کر دیا جائے گا، مجھے معلوم ہو کہ لوگ اس حکم سے خلاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر میری رائے میں نواحی بہت کم لوگ لوٹ مار کرنے پر آمادہ تھے۔

دہزار سے زیادہ آدمیوں کے مجمع پر فائر لارڈسٹرن نے لگایا۔ آپ نے اپنی فوجی حکم جیٹھ سنا اگر ضرور ہو تو جلسہ بزدراستہ منتشر کیا جائے گا جہاں ضرور ہو کے شرط الفاظ کا کیا مطالب ہے

جنرل ڈاکٹر میں ان سب کو کہہ دیا کہ ان کو کوئی جلسہ نہ ہو کہیں لوگ جم عدولی برتنے ہوئے سے جو ب مجھے اطلاع ملی کہ جلسہ ٹوالہ راغ میں لوگ جمع ہیں تو میں رات کو جی دستہ کے ہمراہ راغ میں گیا۔ راستہ میں مختلف مقامات پر فوجی دستے تعینات کئے گئے، سوا پانچ بجے ہیں رہا میں پہنچا۔ میں نے جیسے جیسے سپاہیوں کے دوڑتے ڈانکیں مائیں تعینات کر دئے اور ان کو فوراً ٹاؤ کر کے حکم دیدیا۔ میں نے اپنے دل میں اس معاملہ پر غور کیا تھا۔ جلسہ کا نزدیک نہیں آدمی ہم سے آگے کے فاصلہ پر تھا۔ اس وقت ایک شخص جلسہ میں تقرر کر رہا تھا، مجمع یا پانچ ہزار سے زیادہ اشخاص کا تھا۔

لارڈسٹرن نے پوچھا کہ آپ کے خیال میں ایسے آدمی بھی جلسے میں سے ہیں کہ جلسہ کے حکم اقتصادی کا علم نہ تھا۔

جی ہاں کھلم کا فی مشہور ہو چکا تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ بعض آدمیوں کو اس کا علم نہ ہو۔

ابھی تک امرتسر میں مارشل لار جاری نہیں ہوا تھا کیا آپ نے

مناسب سمجھا کہ لڑکی کمشنر کے مشورہ کے بغیر لوگوں پر نافر کرنے کا حکم دیا جائے، کہا نافر کرنے سے پیشتر جلسہ میں شامل ہونے والوں کو متشر ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔

۱۲۰۔ میں نے نافر کرنے کے متعلق کسی سے مشورہ نہیں کیا میرے حکم کا مضائقہ اڑا گیا تھا میرے بڑے ضروری تھا کہ جلسہ کو بزدراستہ منتشر کروں میں نے نافر کرتے سے قبل لوگوں کو متشر ہونے کا حکم نہیں دیا تھا۔
 منتشر ہونے پر نافر بند کیونہ سے لے کر سوال جب نافر کیا گیا تو اس وقت حاضرین جلسہ کی کیفیت کیا تھی؟

(جو ر ۲۰۰، منتشر ہو گئے۔)

سوال، کیا فوراً،

جواب، ہاں فوراً

سوال، پھر آپ نے نافر بند کیوں نہ کیا۔؟

جواب، میں نے اپنا فرض سمجھا کہ جب تک حاضرین تتر بتر نہ ہو جائیں، تب تک نافر جاری رکھوں۔ قریب دس منٹ تک نافر کا سلسلہ جاری رہا۔ منزل ڈار نے آگے چل کر کہا کہ امرتسر میں امن اور ضبط قائم کرنے کے لئے نافر کرنا ضروری تھا۔ پلاک شدگان کی تعداد میرے خیال میں چار پانچ سو کے درمیان تھی، رات دو میں نے شہر میں گشت لگایا، شہر بالکل خاموشی کی حالت میں تھا، میں نے ۴۴ اریبل کو سنا، شہر والے دربار صاحب میں ایک جلسہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے سردار سنگھ جیٹیو سے کہا کہ آپ جلسہ بند کر انہیں، میں نے ان سے کہا کہ اگر اس مطلب کے لئے فوجی مدد کی ضرورت ہو تو وہ حاضر ہے

سوال۔ تشریح کے اہام میں ۵ م لوگوں کا رد یہ کیا تھا۔
 جواب۔ میرے خیال میں ان کے اندلوٹ مکرے کا جذبہ و جزن
 تھا۔ بالکل بے علم و دانش و انجیز انوار میں پھیلائی جا رہی تھیں۔
 میں نے فوجی دستے تعینات کر دیے جو مصافحات میں گرفت لگاتے
 تھے۔ میں نے کئی ممبروں سے منع کر دیے جن میں لوگوں پر حقیقت ظاہر
 کی جا رہی تھی۔ مجھے یہ بھی اطلاع ملی کہ فوج میں خوبیاں جذبات پھیلائے
 کی تحریک برپا تھی۔

رینگ کر چلنے کا حکم کیسے منسوخ ہوا | جس شہر پر وہیں
 بحر میں ہوتی تھی

دہان چار اشتہاروں کو سسرانے تازہ بار دی گئی۔ اس کو یہ میں جانے والے
 سب اشتہاروں کو حکم تھا کہ وہ رینگ کر چلیں، اس میں ایک قانون کی بے
 حرمتی ہوئی تھی اور عورت ایک مقدس ہستی ہے اس لئے میں نے مناسب
 سمجھا کہ بے حرمتی کی تلافی کے طور پر لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ
 اس کو یہ سے جھک کر گزریں۔ یہ حکم ۱۹ اپریل سے ۲۵ اپریل تک
 رہا۔ حکام بالادست کا حکم آنے پر میں نے یہ حکم منسوخ کر دیا۔

فاکر کن حالات میں ہوئے | پنج تین صاحب کے سوال پر
 کہا کہ ارتداد ہے جو حب شہر کا

انتظام مجبور دیا گیا تو شہر بغاوت کی حالت میں تھا۔ انتظامی طبقوں
 کا حکم میں نے دیا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس حکم کی تشریح اردو میں
 کی گئی یا پہنچی بی میں، مجھے ایک بچے معلوم ہوا کہ لوگ جلسا نوالہ بازار میں
 جلسہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، میرے لئے مائلن تھا کہ لوگوں کے پاس

آئے دالے اجتماع کو فوجی دستوں کی مدد سے روک سکتا میں رام باغ سے سیدھا جلیا لوالہ باغ میں گیا۔ میں نے دل میں فائر کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے اس امر کو پیش نظر نہیں رکھا تھا کہ لوگ میرے فوجی دستے پر حملہ کرتے ہیں یا نہیں میرے اس فائر کرنے کے فیصلہ کی بنا لوگوں کی حکم عدولی تھی۔ میں نے نتیجہ لگا لیا تھا کہ سرسبز کی حالت نیبا ب کی حالت کا عکس ہے پس میں نے اپنے فیصلہ میں ساطات کو مجموعی حیثیت سے دیکھا تھا۔ تو میں اس وقت بھی سمجھے تھے کہ بس انگریزی راج کا خاتمہ ہو گیا ہے۔“

فائر کرنا رحم انگیز کارروائی تھی

س۔ کیا فائرکن دہشت ناک کارروائی نہ تھی
 ج۔ میرا حکم دراصل رحم پر مبنی تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر فائر کرنا ہزدری امر ہے تو صرف ایک دفعہ ہی ایسا فائر ہونا چاہیے جو ستر ہو، خفیف فائر سے فائر نہ کرنا بہتر ہوتا ہے، میرا دعویٰ ہے کہ اس دستہ کا قاتل کرنے کے لئے اس وقت فائر کا ہونا ہزدری تھا آگے چل کر کہا کہ یہ درست ہے کہ جو اشتعال میں شیردھڑ پر حملہ کرنے کے الزام میں گرفتار تھے ان میں سے چار کو سزائے تازیاں دے دی گئی تھیں ان ملازموں کو جبکہ یہ قلعہ میں نظر بند تھے وہاں کے قواعد کی خلاف ورزی کی تھی اور اس کی پاداش میں ہر ایک ملزم کے ۳۰ تازیانے دکھائے گئے تھے جہاں میں شیردھڑ پر حملہ ہوا تھا۔ اس اخبار میں شہر اور کی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں چند

سزا کے فتور اشتعل نقل سے جاتے ہیں۔
 جناب حکیم علی اکرم صاحب قلم اس نظامی مراد آبادی سے
 حبذا فیض لکھتے تھے کہ مری مری
 دورہ کو غور کشید اور قطرہ کو دریا کر دیا
 تو سمجھتا ہی رہا ہے شوخ اپنے آپ کو
 مری عروانی نے تیرا فاش پردہ کر دیا
 نقل کر کے مجھ کو اس رشک سیانے کا
 کیا برا میں نے کیا بسیار اچھا کر دیا
 ڈوب کر رہا ہے وحدت میں نشا کر نام دنگ
 آخر میں دستاویز تو نے پار پیرا کر دیا
 (۴ جنوری ۱۹۱۹ء)

جناب منشی سید طاہر علی صاحب سزا مراد آبادی سے
 غنائی کے ماؤں میں ہے تا پیر بدلتی ،
 اب چین سے پردے میں کوئی رہ نہیں سکتا
 صید و امیری مری مری مری میں کبھی ہے
 آزاد رہا ہو سکے سبھی میں رہ نہیں سکتا ،
 کہنے کو تو کچھ جاتا ہوں سب کچھ ترے آگے
 مطلب کی وجہ سے بات وہ میں کچھ نہیں سکتا
 مجبور یہاں تک ہے سحر عشق میں ان سے
 فریاد تے پردے میں بھی کچھ کہہ نہیں سکتا
 (۴ جنوری ۱۹۱۹ء)

منشی اشتقاق حسین | منشی صاحب کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر

صدیقی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، یہ مراد آباد کے باشندے تھے۔ ان کا خاندان مراد آباد کے تاجروں میں اچھی حیثیت کا مالک تھا۔ ان کے والد بھی مراد آباد میں تجارت کرتے تھے۔

منشی صاحب مراد آباد میں ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے مدرسہ شاہی مراد آباد میں اردو فارسی اور عربی کی تعلیم پائی۔ ان کے بڑے بھائی فضل حسین صاحب کا مصافحت اور ادب سے تعلق تھا۔ رسالہ اخبار اسلام انھوں نے مراد آباد سے جاری کیا تھا۔ ان کو ان کی صحبت میں ادبی و صحافی ذوق پیدا ہوا۔ اور انھوں نے ۱۹۱۸ء میں اخبار رہنما نکالا جس کو علامہ ۱۹۱۸ء میں مولوی عبدالسلام بانی مدرسہ سلام گرز سکول مراد آباد کے ہاتھ پانچ سو روپے میں فروخت کیا جو پانچ چیمبر مینے جلا اور اس کے بعد بند ہو گیا۔

آپ کو کتب بینی کا بے حد شوق تھا۔ کافی وقت کتب بینی میں صرف کرتے تھے اچھے ادیب اور اہل قلم تھے، مراد آباد کے علمی اور سرکاری طبقہ میں اچھا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ اخبار کو کافی سرکاری اور عدالتی اشتہار ملتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ منشی صاحب آپ غیر معمولی قابلیت کے آدمی تھے قلم میں توانا اور سنجیدگی تھی۔

ذریعہ معاش اخبار کے علاوہ رہنما ایک ڈپو بھی تھا۔ انھوں نے رہنما ایک ڈپو کی ایک فہرست چھاپی تھی، اخبار بھی بریڈنگنگ

کا ذریعہ تھا جس کی وجہ سے کتابوں کی اچھی نکاسی ہو جاتی تھی اور
اس میں دیہاتی کے پارسل مددگار نہ رہتے تھے۔

حکومت میں بھی ان کو پورا عبور حاصل تھا۔ فاضل طب تھے
۱۹۴۵ء میں جبکہ انھوں نے اقبالیہ رہنما فروخت کر دیا تھا اس کے
بعد رہنما کے دفتر میں طبی دوا خانہ کھولا، چونکہ خود طبیب تھے اس
لئے دواؤں میں صبح اجزاء ڈالتے تھے جس کی وجہ سے دوا خانہ
کی کافی شہرت ہوئی اور دوا خانہ بھی ایک محفل آمدنی کا ذریعہ
بن گیا۔

منشی صاحب انتہائی مخلص آدمی تھے اور خدمت خلق کا جذبہ
رکھتے تھے حکام بھی ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے
اور ان کی بات پر توجہ دیتے تھے۔ جس کام کے بارے میں یہ کہہ سکتے
تھے وہ کام ان کا ہو جاتا تھا۔

۱۹۵۲ء میں بعد فاندان کے پاکستان چلے گئے تھے راولپنڈی
میں سکونت اختیار کی تھی اور دس سال کے بعد راولپنڈی میں
سٹریٹس کی عمر میں آخر اکتوبر ۱۹۷۲ء کو فوت ہوئے۔
انھوں نے تین صاحبزادے جناب الطاف حسین سحر مراد آبادی
شمار درخشاں جو مراد آبادی ابراہیم حسین صدیقی اور گوہر، ادما یک صاحبزادی
چھوڑی۔

ہدایت الاسلام انجن ہدایت الاسلام دہلی کا یہ اگر گن دو ماہ ۱۹۷۵ء
میں نکلا ہوا۔ ہم معنیات پر خستل بھٹا مولوی
عبدالمجید صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چھ تین پے چھ ماہ تھا

اس رسالہ پر معارف اعظم گڑھ مورخہ اکتوبر ۱۹۱۸ء نے حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

”ہدایت الاسلام مولانا حقانی مرحوم کی زیر اداوت یہ رسالہ پہلے بھی انجمن ہدایت الاسلام دہلی کی طرف سے شائع ہوتا تھا ان کی وفات کے پہلے ہی یہ مرگیا تھا۔ اب پھر اسی پیرا نے نام سے زندہ ہوا ہے لیکن معنوی زندگی کے اسی قوت نہیں پائی ہے، یہ ہدایت الاسلام کا دستور ترجمان سے پہلے صرف مناظر اور مذہبی مضامین ہوتے تھے۔ جو قابلیت سے لکھے جاتے تھے اب اس معنوں میں گویا موت ہو گئی۔ لیکن تحقیقی و تلاش میں ملنے لگی آگئی سے انجمن کے قد سناس اس کی اعانت فرماتے گئے تو امید ہے کہ رفتہ رفتہ یہ اپنی پہلی سطح پر حاصل کر لے گا لکھا جائے گا، جب تک اور کاغذ متوسط قیمت میں روپے چار آنے، ضخامت، لم صفحہ پتہ دفتر ہدایت الاسلام بمباران دہلی۔“

کافر نس گزٹ | مسلم ایجوکیشنل کافر نس علی گڑھ کا یہ آرگن تھا

۱۹۱۸ء میں حسب ذیل تبصروں سے ہوا تھا۔
 مسلم ایجوکیشنل کافر نس علی گڑھ کی طرف سے ایک ماہوار علمی و تعلیمی رسالہ شائع ہوا ہے۔ رسالہ تین حصوں میں منقسم ہے
 حصہ اول میں کافر نس کے حالات اور اس کی شاخوں کی رودادیں شائع ہوں گی دوسرے حصہ میں تعلیمی مضامین ہوں گے اور تیسرے حصہ میں مختلف علمی مضامین ہوں گے۔ پیش نظر نمبر اسی اصول پر مرتب ہوا ہے۔ تیسرے حصہ میں میکل کے مقالے کا خلاصہ کا بھی ترجمہ

شروع کیا گیا ہے۔ فقہامت ۸۰ صفحہ چھپائی اعلیٰ کاغذ متوسط،
 قیمت سالانہ تین روپے، پتہ دفتر کالج لائبریری سلطان حسین منزل
 علی گڑھ۔

۷۰۔ **الفقہ** ۸۰ صفحہ چھپا ہوا چار روپے تھا۔ الفقہ پر بس میں
 چھپتا تھا۔

۷۱۔ اس اسرارہ منقہ اہل اسلام کی عمر اور احکامات کی خصوصیات
 کرنا۔

۷۲۔ ترجمہ ہائے ضائعہ جدیدہ کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دینا
 ۸۰۔ اسلامی دینی اصول کی امت کرتا۔

۷۳۔ گورنمنٹ لائبریری اسکے ماہی حقوق کی نگہداشت کرنا۔

۷۴۔ **نشوکت الاسلام** ۸۰ صفحہ چھپا ہوا کتب خانہ اسلامیہ میں سے ضائعہ کو
 یہ مہینہ دار اخبار نمودار ہوا۔ اس کے مضمون جامی کرتاں
 محمد بشیر احمدی درسی تھے۔ نمونہ کے پرچہ کی قیمت ایک آنہ تھی سالانہ
 چھپتے تین روپے تھا۔

۷۵۔ **المعارج** ۸۰ صفحہ چھپا ہوا یہ ماہانہ طبعی رسالہ ضائعہ عربی نمودار
 ہوا۔ ۸۰ صفحہ تین روپے تھا۔ ایڈیٹر حکیم غلام الدین
 صاحب تھے سالانہ چھپتے دو روپے تھا۔ رسالہ المعارج کے ہر ایک نمونہ
 کو کتاب اسرار مجربات مہنتی بارہ آنے مفت نذر کی جاتی تھی اس میں حفظہ
 صورت کے اعلیٰ اصول، مفردہ بطور کے خواص و اثرات اور منافع
 اور ان کے مہربانیت ہر قسم کے کشتہ جہت، نامی حکما کے بھائی دیکھ
 ڈاکٹری سرچ، ان ترجمہ جات اور رسالہ کے فرید اور ان کے ہر قسم کے سوال

جواب درج کئے جانے کے علاوہ کمزوری دھستی اور نامردی جیسی خطرناک بیماری کی نسبت خصوصیت کے ساتھ بحث کی جاتی ہے

طبی گزٹ لال کنواں دہلی سے یہ مامانہ طبی رسالہ جنوری ۱۹۱۹ء سے طور پزیر ہوا۔ ۷۰۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر خواجہ شریف الحسن انپارچ شفا خانہ لال کنواں تھے، سالانہ چاندہ بین روپے تھا۔

اخبار اہل حدیث امرتسر نے ۱۲ اپریل ۱۹۱۹ء کے پرچہ میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا تھا۔

”ہمارے راج دوست ڈاکٹر خواجہ شریف حسن انپارچ شفا خانہ لال کنواں دہلی نے ماہوار رسالہ طبی گزٹ جاری کیا ہے۔ ڈاکٹر طبی خوانین اور معلومات ملک اس میں شائع ہوں گے جس طرح الہ آباد میں گنگا جمن میں جمع ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی کوشش سے دہلی میں ان دونوں علموں کے دریا یک جا نظر آنے کی امید ہے تعجب نہیں کہ قابل ایڈیٹر طبی گزٹ ترجمہ سے قدیم طب جو بقول اعداد قریب المرگ ہے، ڈاکٹر صاحب کے اثر صحبت سے زندہ ہو جائے۔ دد فہر اس دفتر میں آتے ہیں

حق لاہور سے یہ مہفتہ دار اخبار ۱۹۱۸ء میں بذوق افروز ہوا۔ یہ اخبار پیٹھی پور، پنجاب لاہور کا آرگن تھا۔ جنگ کے متعلق خبریں اور رضامین شائع کر لے کے نئے جاری ہوا تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپے تھا۔ اس کے ایڈیٹر عبدالعزیز جوائنٹ سکریٹری پیٹھی پور ڈاکٹر تھے۔

۸ مرتبہ سلسلہ کے اخبار اہل حدیث میں اس اخبار کا پلٹی بورڈ کے جرنل نگر ٹری سیٹی بورڈ کی جانب سے اکتھار شدہ پلٹے سے
 مجھے یقین ہے کہ آپ کو علم ہو گا کہ اخبار حق کی اشاعت دس
 بار سے زائد کر کے ۳۵ نمبر تک جا پہنچی ہے، اب فیصلہ کیا گیا
 ہے کہ بہت جلد ہی حق کا ایک خاص نمبر حضانہ دیر کارٹون، نقوش اور
 بہترین مضامین نظر دتر سے مزین ہو گا ایک لاکھ کی تعداد میں
 شائع کیا جائے گا۔

شیرب۔ بھور سے غالباً سلسلہ ۱۹۱۵ء میں بہ پیرہ روزہ اخبار
 جاری ہوا، مالک و منبر منشی محمد عجیب حسن صاحب
 بھور سے تھے سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔
 اس اخبار اخبار اہل حدیث امرتسر سے ۵ ارگٹ سلسلہ ۸ میں
 حسب ادبی ریویو شائع کیا تھا۔

ہفتہ میں دوبار نہایت آب و تاب کے ساتھ مذہبی، اخلاقی اصلاحی
 سبک دہانی و معاشرتی مضامین نہایت اعلیٰ درجہ کے ساتھ شائع
 ہوتے ہیں دلائی اور ملکی اخباروں سے تازہ ترین خبریں شائع
 کرے گا اشتہام کیا گیا ہے۔ ملک بھر کے بہترین دلی و دماغ کے
 اس اخبار کی تحویلی اور عمدگی کے مضامین ہیں، اسلام قوم اور ملک
 کا سچا خادم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ کرے والہ اللہ
 تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جذبات بڑھانوالا
 ماہ اخبار ہے۔

شع حیدر آباد دکن سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۸ء کو دہلی میں آیا۔ ۳۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر جناب سید نواز علی نے حیدر آبادی سے سالانہ چندہ دور در پیہ تھا۔

اس رسالہ کی وجہ سے جناب سید صاحب کی شہرت میں یار جانہ لگے۔ لیکن یہ رسالہ مولوی کی بھی زندگی نہ پاسکا بلکہ بہت جلد موت کا نغمہ بن گیا اور بند ہو گیا۔

سید نواز علی محدث سید نواز علی صاحب جناب میر کاظم علی شہ کے صاحبزادے تصور براجمد علی بیدنگ دہلی کے پوتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے عربی فارسی اور انگریزی کے ماہر تھے طب کی بھی تعلیم دہلی کی شہرت عربی کا آپ کو شوق تھا۔ پہلے آپ نے اپنے والد سے امداد لی اس کے بعد نظم طبعی کو کلام دکھا یا، آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ آپ کتاب اخلاقی شاعر کے اصول پر لکھی ہے آپ کے کلام میں اخلاقی افراط زیادہ ہیں کلام صاف ہے اور شاعری کے عیوب سے پاک ہے۔

انھیں اس روز سے منت مستم سے
نہ تھی جب ابتدا کوں دظلم کی
ترے کو چہ کو جب ممکن بنا یا۔
زیادت کر چکے دیر و حرم کی

فیضی ایڈیٹر مالک تھے۔ ساڑھے دو پے سالانہ حنیفہ تھا۔
 یہ اخبار تادمین کی یادگار میں جاری ہوا تھا۔ تقریباً بارہ سال
 اس کے عمر پائی۔ اس اخبار کو سائے جنوبی ہند کیا تمام دنیا کے
 اردو میں وہی اہمیت حاصل تھی جو ریسرڈکن کو حاصل ہے۔ اس
 اخبار میں ہندوستان بیرون ہندوستان کی تازہ ترین برقی
 خبریں دل کھنکھاتاں، دل چسپ مضامین اور لطیفے شائع
 ہوتے تھے۔ ہر شمارے میں حیدرآباد کی خبروں کی اشاعت کا
 خاص انتظام تھا۔ حکومت آصفیہ شاہی ذراہین اور اسم خبریں
 براہ راست ایڈیٹر کے پاس بھیجی تھیں۔

الفقیہہ میں کٹرہ باغیچہ سنگھ سرسری سے یہ مفتہ دار اخبار ۱۹۱۵ء
 میں نور ابرار۔ ۱۲ صفحوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر
 حکیم ابوالراہجہ سوانح الدین احمد تھے۔



سلسلہ ۱۹۱۹ء

فتح | گوند اسپیور سے جنوری ۱۹۱۹ء تک کو یہ ماہنامہ جاری ہوا۔ یہ نہ صفحات پر نکلتا تھا۔ سرور و گوند اسپیور سے اپریل بی رکیل ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ بین دیے تھے۔ یہ رولڈ کورڈ اسپور کی ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کا آرگن تھا۔ نو حکومت برطانیہ کا ونا دار دھامی تھا۔ نظم و اثر میں صاحبانِ انجمن کی تیار سبقت بیان کرتا تھا۔

ضرورت | امرتسر سے یہ ماہوار رسالہ جنوری ۱۹۱۹ء تک جاری ہوا سالانہ چندہ سوار دیہ تھا۔ فی پریم مد آنے قیمت تھی، رسالہ انتخاب حادہ کے شتبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں اس رسالہ پر حسب ذیل رپورٹ شائع ہوا ہے۔

یہ آپ فوڈٹ ماہوار رسالہ جنوری ۱۹۱۹ء سے باقاعدہ جاری ہے، اس میں علمی، طبی، تجارتی، کاروباری اور مفید مضامین

نشاۃ ہوئے ہیں شہرہ ہے کہ فریدوں کے انتہا درجہ عرب سونے رطل
بلکہ نصف جھوٹا ہے۔

نظم فروری ۱۹۱۵ء کو لاہور سے۔ ماہنامہ وجود میں آیا
میں نے سزا سنائی کہ ہر روز چھ سو سیس صفحہ کا
پیشہ مع ہونا تھا۔ یہ مجھے مانتی محمد ابراہین دکن سے سالانہ چندہ ڈھائی
روپے تھا۔ دہشت فی ابرہہ چار سو تھی مگر اگلی سیم برس لاہور
میں طبع ہوا تھا۔

اس پر جب دینی زندگی پر توجہ دینا چاہتا تھا۔
اس کے مصنفین کا راز تھا کہ وہ دینی نظم جو شہرہ سے بے اعتبار تھا۔
نشاۃ کے لئے تھے۔ یہ رسالہ تمام دینی اخبارات کی یا گھر میں
محفوظ رہا تھا۔

ایقین بسبب فروری ۱۹۱۵ء کو لاہور سے۔ ماہنامہ وجود میں آیا۔
وحید محمد صاحب نے دینی اخبارات میں شہرہ سے بے اعتبار تھا۔
ماہانہ رسالہ تھا۔ اس کے تمام دینی اخبارات کے لئے ہوتے تھے۔
نشاۃ تھا۔

نشاۃ پر جو نظم کو خروج رقیب تھا

نشاۃ کے لئے کوئی نہ تھا۔

فروری ۱۹۱۵ء کو لاہور سے۔ ماہنامہ وجود میں آیا۔
نشاۃ ہوا تھا۔

”نشاۃ محمد صاحب کے جوئے اور سمیت کی بدولت بدلول

کو یہ فزع حاصل ہوا ہے کہ ایک علمی و ادبی پرچہ کو اپنے آغوش میں لے
اس رسالہ کے شتین نمبر اس وقت تک نہایت آب و تاب سے
نشر کیے ہو چکے ہیں۔

اس بار یہ پرچہ نو و حجاب تھا۔

”چند سالہ“۔ رحیم آباد کی ادارت میں بدایوں سے جاری
ہوا ہے اب تک اس کے دو پرچے فردی اور مارچ نکل چکے ہیں
اور دونوں سماجی مسائل نظر میں۔ فردی کے پہلے پرچہ میں ایڈیٹر
عاصم کا فضاوی عنوان ”سات سو مہینے“ اچھا ہے۔ ایک نکتہ
کے خوب لکھے ہیں۔ ”کاغذ کی گرانی اور چاہ کی گرانی“ تاریخی عالم
میں باد گزر ہے۔ عجیب نے اعلان کیا تھا کہ اس برس میں تقریباً اور
تین برس میں اس نے صفائیں درج کیا کرے گا۔

یہ ہی ادبی رسالہ تھا۔ تب چار سال میں نہ ہو گیا تھا۔

دلی سے یہ ماہانہ رسالہ فردی سلسلہ کو نمونہ دار
ہو گیا۔ ہم صفحات پر نکلتا تھا۔ سلطان جہاں بیگم
مستبرق اس کی ڈائریٹر تھیں۔ چیدہ سالانہ دور دیے تھا۔

اس بار یہ پرچہ یو و نہرہ اور تنقید ۱۶ فردی سلسلہ
نے رد و فرغ میں۔ انہوں میں شائع ہوئی تھی۔

”ماہنامہ“۔ دلی سے فردی سلسلہ میں یہ پندرہ روزہ اخبار
جاری ہوا جس میں تجارت صنعت و حرفت، اور
دوسرے مضمون شائع ہوتے تھے دلی کے بازار کا

تا جرنلہ نرنج بھی درج کیا جاتا تھا۔ سالانہ چند تین سو پے تھا۔

انقلاب دہلی میں شیخ مسکو جوڑیو لان سے یہ ہفتہ وار اخبار فروری ۱۹۱۹ء کو رونما ہوا۔ اس کے صفحوں پر

شتمل تھا۔ ایڈیٹر مولانا عارف مسوی، مالک ملا دھادی صاحب اور پبلشر اساجیم حسن تھے۔ سالانہ چند تین سو پے تھا۔ فی پرچہ ایک آنہ قیمت تھی۔ انقلاب بریس میں طبع ہوتا تھا۔

انقلاب کا دستور العمل یہ آیاتِ ربانی تھیں "پلستان نہ ہو مت ڈو، انجام کار تم سر بلند ہو گے" اور نعرہ یہ تھا "انقلاب کی طرف بڑھو، انقلاب تمہیں بڑھائے گا"۔

۴ مارچ ۱۹۱۹ء کے رہنما راجہ باد کے شمال سے اس اخبار پر تبصرہ ہوا تھا۔

"یہ جدید ہفتہ وار اسلامی اخبار دہلی سے جاری ہوا ہے جس کے تین پرچے شائع ہوئے ہیں۔ مضامین دہلی کے محاذ سے آزاد اور صاف گو اسلامی جریدہ ہے۔ مضامین میں حریت اور اسلامی آزادی کی خیالی کی خاص روح ہوتی ہے۔ دہلی کی آب و ہوا اسلامی اخباروں کے خصوصیت سے موافق نہیں رہی ہے۔ اس لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا اس سچے اسلامی ترجمان کو حوادثِ زمانہ سے محفوظ رکھے۔"

جوزفہ شنہ ایڈیٹر رہا کو اس اخبار کے بارے میں تھا وہ پورا ہوا اور یہ اخبار تین مہینے سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔ ملا دھادی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں جو اخبار جنگ گراچی شائع ہوا تھا۔ اس اخبار

کے جاری ہونے اور بند ہونے کی وجوہات لکھی ہیں۔
 عارف صاحب نے جو نظم منجلا و مولانا ابوالکلام سے آج
 بڑھ گئے ہیں عارف صاحب سے ایک لفظ نہیں کہا وہ ملاز
 مہ صرف کاٹھن چھانٹ کر تار یا عارف صاحب ہمیشہ انتہا پر جاتے
 رہے میں ان کی خبروں کو سمجھتا رہا۔ غرض یوں ہی تھی سال بھر بڑھے
 اور میں نے عارف صاحب سے ان کی انتہا پسندی کی بات بات
 نہ کی تو آخر ایک بار خود ہی بولے کہ آپ نے مجھے اپنے آرام کا جیسا
 بڑے کام پر لگایا تھا مگر میری انتہا پسندی آرام کی بجائے آپ کو
 تکلیف دے رہی ہے اس کا بڑا دکھ ہے۔ لیکن کیا کروں قلم
 رکے ہوں رکتا ہوں یہ مطلقاً لکھنے پر مجبور ہوں آپ کی کانٹا
 جھونٹ کا ہرگز انتہا پسندی لکھنے کے بعد میں ہلکا ہو جاتا ہوں
 پھر پورا دن نہیں کرتا کہ کیا چھپا اور کیا نہیں چھپا، البتہ اب جو ہر سنتے
 کاٹھن چھانٹنے کی طبیعت اٹھاتے ہیں اس سے شرمندہ اور محجوب
 ہوں سمجھ بیان کے اس فقرہ کا اچھا اثر ہوا کہ ہمیر کے خلاف لگسوں گا
 نہیں، میں نے کہا عارف صاحب آپ کے جھوٹے بھائی ابراہیم حسن
 خواجہ حسن نظامی صاحب کے دست میں موجود ہیں ان سے ایک اور ہفتہ اور
 احرار کو دیکھ لیں دوا دیجئے، انقلاب اس کا نام مراد اور اپنا نام بحیثیت
 ایڈیٹر اس پر لکھو اسے اور دل کھول کر بھڑاس لگائے میں انقلاب
 کی ضمانت کی رقم و بدلہ گا اور انقلاب پر اس الگ قائم کردہ دل کا حفظ
 غرض حسن بھائی کبھی جیل جانے کے شائق نہیں وہ انقلاب پر اس
 کے منتظم ہوں جسے میں روپیہ لگانے کے سوا کوئی قانونی واسطہ اخبار

انقلاب سے نہیں رکھوں گا۔ چنانچہ اپنے مکان سے دور حیدر
 پنج منگل میں انقلاب کا پورس اور دفتر قائم کیا گیا اور بقائی صاحب
 یہاں جا بیٹھے۔ مادر عذاب صاحب نے سر سے کفن باندھ لیا۔ عارف صاحب
 تقرر اچھے نہیں تھے۔ لیکن لکھنے میں ہزار در تھا۔ تبین مینے میں انقلاب
 کے ساتھ چھ چار ہزار خریدار ہو گئے تھے پونے دو ہزار بیجاپ ہیں
 اور پونے دو ہزار باقی بندرستان میں سلطانہ ۲ میں بیجاپ سیاسی
 منگیاں کا مرکز تھا۔ بیجاپ گورنمنٹ نے انقلاب کا داخلہ بند کر دیا۔
 اور انقلاب کی اشاعت لکھا اب آدمی رہ گئی ایک دن میرے ہم محمد اور
 خیر خواہ بابو عبد القیوم آئے، ہاں صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی ملے اردو
 دفتر کے میرٹھی تھے۔ انہوں نے کہا انقلاب کی دو ہزار روپے کی ضمانت
 ہفتہ عشرے میں ضبط ہوئے والی ہے، آپ اسے فوراً واپس لے
 لیجئے، میں نے عارف صاحب سے ذکر کیا وہ بادل ناخواستہ انقلاب
 بند کرنے پر راضی ہوئے۔ اور ان کے بھائی ابراہیم احسن بلینر انقلاب
 نے دو ہزار واپس لے کر مجھے دیدے اور انقلاب بند ہو گیا۔

مولانا عارف حسن مہسوی مولانا عارف مختار مہسوی کے بعد بنے
 دے سنے، آپ مہسوی کے مشورے

خاندان کے فرد ہیں آپ کے اکثر خاندان کے لوگ نظام آباد سے متعلق
 ہیں اور مولانا عارف کو بھی حبیب آباد کن کے علی حقوق حاصل تھے۔

مولانا عارف کے والد ماجد کا مہسوی کے رئیسوں میں شمار تھا
 آپ ایک صوفی فاضل بزرگ تھے۔ مولانا شاہ عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ
 جو حضرت شاہ ابوسعید شاہ احمد سعید مجددی دہلوی کے خلفاء میں تھے

ان سے رعیت تھے اور ان کے غلبہ بھی تھے۔ آخر عمر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بھی استفادہ کیا تھا۔ مصروف کا غلبہ بہت زیادہ تھا کہ اسی رعایت کی وجہ سے انھوں نے عارف صاحب سے پہلے حوازا دیں پیدا ہوئی، ان کا نام یکے بعد دیگرے عارف، رشید، نگران ہیں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا سبی ان سے پہلے وہ نہیں بچے۔ میرے جن کے نام یہ درپے عارف رکھے گئے تھے گھر کسی کے رہنے کی نہیں پائی۔

عارف صاحب کا تعلق تھوڑا سیوٹی میں تھا۔ جب عارف صاحب پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو خیال ہوا کہ یہ نام خوش ہے یا نہیں؟ یہ نام رکھا جاتا ہے۔ اندوہ زندہ نہیں رہتا اس لئے میں اپنے اس بچہ کا نام یہ نہیں رکھوں گی۔ نگران کے والد مستحکم عقبہ کے رہ گئے تھے۔ انھوں نے اس بات پر کوئی توجہ نہیں کی اور ان کا نام بھی ان سے سترہ جہاتوں کے نام پڑاں کا نام عارف ہی رکھا۔

عارف صاحب بھی اس وقت کی طرف تعلق تھے ان کے زمانہ میں کے حالات اس باب کے متقاضی تھے مگر ان پر والد نے انھیں غافل سے جو مولویت کا نام غائب آگیا اور جب تعلیم سے ملو ہو گئے تو مختلف قسم کی تہنیتیں میرا نہیں نہ تو مولویت ہی کا رنگ رہا نہ مصروف کا بلکہ ایک مدد بن گئے تھے۔ بقول مولانا عارف ہوسو،

لے مضمون مولانا عارف ہوسو سالہ نظام الشیخ دہلی حبیب اللہ علیہ السلام

” اسی زندانہ زندگی کا اثر ہے کہ سوزش آباد سیاحت میں پڑھ گیا
گو صدق و خلوص کا نام نہیں ہے اور محض ہوس جاہ کام کر رہی ہے
تاہم خدا کا شکر ادا کرنا ہوں۔ عالم آشکارانہ پیشگی ادہ آزاد تیری کی پر
محسبیت زندگی سے یہ حالت بہتر ہے اس لئے کہ ہا معتبار نتائج کے
بہر حال مفید ہے۔ خدا سے امید ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی صدق و خلوص
بھی عطا فرمائے گا اور نورد و نمائش کی آلودگی سے نجات دے گا۔“

عارف صاحب فوجوانی میں غالباً سلاطین کے وسط میں دہلی آگئے
تھے، اسی زمانہ میں حکیم اجل خاں صاحب کو خیال ہوا کہ اپنے اکلوتے
رہا کے حمیں خاں صاحب کی انگریزی کا کچھ مفید و نفع کر سچ حکیم صاحب
کے خاندان کا کوئی رٹا کا اس زمانے تک انگریزی مدرسوں میں داخل
نہیں کیا گیا تھا۔ حکیم صاحب نے بھی یہ وضع باقی رکھی اور اپنے
بیٹے خاندان کے لوگوں کے لئے ایک مدرسہ کھول دیا۔ مولانا ابوالکلام
آزاد صاحب کے مشورہ سے نیاز فتحپوری اس مدرسہ کے کرتا دھرتا
بنائے گئے۔ ملا داحدی صاحب سے بھی نیاز صاحب کے تعلقات
تھے۔ وہ مدرسہ کا کام انجام دے کر باقی وقت ان کے ساتھ گزارتے
اور شام کی نشست تو ان کے پاس ضروری تھی۔ ملا داحدی صاحب
کے مکان کے قریب ہی انھوں نے اپنے رہنے کے لئے مکان لے لیا تھا
مولانا عارف نیاز صاحب کے بیوی بچوں کو پہنچانے دہلی آئے
ملا داحدی صاحب اس وقت اپنے دفتر میں تھے عارف صاحب
وہاں آئے اور کہا میرا نام عارف ہے نیاز صاحب کے بیوی بچے
باہر تانگے میں ہیں کسی سے کھئے۔ نیاز صاحب کا گھر تباہ دے۔

نیاز صاحب کی تمام کی نشست ملا داعدی صاحب کے گھر رتی
 تھی۔ عارف صاحب بھی نیاز صاحب کے ساتھ اس نشست میں شامل
 ہونے لگے اور کئی تنہا بھی داعدی صاحب سے ملنے آ جاتے تھے
 عارف صاحب نیاز سے خاص دوستوں میں تھے عارف صاحب کو
 نیاز صاحب سے صبا کہ والہانہ لگاؤ تھا وہاں شاید ہی کسی کو ہو نیاز صاحب
 کا بیان ہے۔

”میرے قیام مختصر کے زمانے میں عارف صاحب مہسہ کم رہتے
 تھے، میرے پاس قلمبرد زیادہ رہتے تھے، اس وقت وہ اپنی شانہ
 زندگی کے انتہائی قنوطی دور سے گزر رہے تھے، درد اور مہسہ ان
 کے دم و پے میں سرایت کر چکے تھے، پاں کھانا اور البتر کے ایک
 ایک شریر ٹھنڈوں دنا ہی ان کے دد متھنے تھے۔ انھیں فتح پور جھوڑ
 کر دہلی آ جانا مجھ پر بہت ثانی تھا۔“

پھر چھینے کے بعد نیاز صاحب کو ریاست جھوپال کی نوکری مل
 گئی۔ جھوپال جاتے وقت نیاز صاحب نے عارف صاحب سے
 معلوم کیا کہ جھوپال چلنے کا ارادہ سے یا دہلی میں رہنے کا تو عارف
 صاحب کسی زمان سے بے اختیار نکلا کہ دہلی میں قیام کا انتظام ہو گیا ہے
 تو دہلی مجھ سے نہ لگتی ہے۔

ملا داعدی صاحب نے عارف کو اپنا ایک کمونڈر کر دیا تھا اور
 یہ دہلی میں رہنے لگے۔

اخبار پھر د

میں بھی کچھ حصہ دلالتہ ہے۔ لالہ شکرال صاحب کے ساتھ

اخبار کا مجموعہ جاری کیا۔ یہ کتابوں اخبارِ حریت پسند و انقلابی نئے حکومت کی نظرِ عتاب کے نذر ہو گئے۔ اور زیادہ زندگی نہیں پائی۔ اخبار کا مجموعہ بند ہوا تو دوسرا اخبار بند ہوا تو میرا اخبار وجود میں آیا۔ المختصر آج اس اخبار میں تو کل اس اخبار میں ابتری کی۔

خباخچہ سلسلہ ۱ میں اخبارِ حریت دہلی سے جاری ہوا اس کی اہمیت کی ذمہ داری بھی مولانا عارف کو سونپی گئی۔ یہ اخبار نام کا نہیں بلکہ علمی طور پر حریت پسند تھا۔ اس نے حکمران طبقہ کی کوئی حمایت نہیں کی اور نہ ہی جنگ کے لئے فوج میں بھرتی ہونے کی حمایت کی۔ حکومتِ برطانیہ کی پولیس محکموں کی حکومت پر تو بھی برداشت نہیں کرتی تھی۔ آٹھ، نو ہفتے کے بعد ضمانت طلب کر لی تھی۔ حریت کا دوڑا نہ کب باز آنے والا تھا۔ ضمانت کی مدت ختم ہوئی تھی اس اثنا میں سہ ماہی پرست حکومت کی دہریہ کے ہاتھ پر دے چاک کئے حکومت نے مدتِ ضمانت ختم ہوئے۔ یہ پہلے ہی اخبار بند کرنے کا حکم دیدیا۔ یہ اخبار مشکل تمام دو دو گنا باہر چلا۔

جب اس اخبار سے ضمانت طلب کی گئی تھی تو اس کی یہ خبر حکم مئی ۱۹۴۷ء کے مخبرِ عالم مراد آباد میں شائع ہوئی۔

”جدید دہلی سمیت حریت جس نے اپنی آزاد نگاری اور صاف بینی سے ایک عام شہرت حاصل کر لی تھی اور اب ذقت وہ آباستھادہم طہر کو فائدہ پہنچتا تو اس سے ایسے زمانے میں دو ہزار روپے نقد ضمانت طلب کی گئی۔ اگر دیگر مطالب کی ضمانتیں واپس ہو رہی ہیں مگر یقیناً شایعین حریت اس خبر کو سن کر ضرور خوش ہوں گے کہ اس کے قابلِ اہمیت

مولانا عارف مہروی نے امیتاظم کی ہے کہ جلد سے جلد ضمانت منظور
عدالت داخل ہو جسنگی اور حریت کی افواہت میں کوئی رخنہ
نہیں پڑے گا۔

خدا حریت مند ہوا نو مسئلہ ۴ میں اخبار استقلال منبہ دہلی
سے ایک ڈی ایڈیٹر جننگس کا نام ڈال کے جاری کیا۔ چنانچہ اس کا
کی صفحہ نمٹ گیا۔ مہجور کے ۲۸ جنوری مسئلہ ۴ کے خد سے میں کی گئی۔
یہ مہجور اخبار دہلی سے جاری ہوا ہے اس کی پیشانی پر جننگس
کا نام ایڈیٹر کے طور پر لکھا ہے۔ لیکن میں معلوم ہوا ہے
کہ اخبار کی پالیسی اور تحریر کے ذائقے لالہ شمس لال دہلی کے
مشیر کا تھے۔ یہی اور مولوی عارف مہروی انجام دیتے ہیں، یہ
دونوں بزرگ قوم پرستی کے میدان کے پرانے شاہور اور
نیزہ تار ہیں۔ استقلال منبہ کی پالیسی شوخ قوم پرستی پر مبنی ہے
جو اخبار ان بزرگوں کی رہنمائی میں نکلتا ہے۔ اس کی روش سے کیا
خوشہ ہو سکتا ہے، ترتیب مضامین بھی عمدہ ہے دل چسپ
ہے اور سبق آموز، سالانہ چھ چار روپے فی پرچہ ایک آنہ قیمت
تیس رسالہ سے دو، خرمک حاکم ہے وہ رسالہ روزی تنصا
اس رسالہ کی عقلی مدد مولانا عارف مہروی نے کافی سے زیادہ کی
اس رسالہ کی ایڈیٹری میں کبھی نام نہیں دیا۔ لیکن ایڈیٹری کے
ذرائع ٹری خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دئے، حسن وقت تک
عارف صاحب زندہ رہے رسالہ مولوی کو انگریز کا دشمن اقوام
ملت کا خادم، وطن پرست اور خیر خواہ ملک و ملت بنائے رکھا۔

لے سکون لکھا، بڑی اخبارات مجتہ دہلی ستمبر ۱۹۴۷ء

مفتی عبد الحمید صاحب مالک دہلی ڈیڑھ مولیٰ عبد الحمید صاحب کے مولانا عارف
مہسوی خاص مقربین میں تھے۔ عارف صاحب کا یہ بہت خیال کرتے
تھے۔

سلسلہ ۱۷ سے ہی مولانا عارف نے سیاست میں حصہ لینا شروع
کر دیا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۱۷ء میں لکھنؤ کے کانگریس کے اجلاس
میں جسک لالہ سائے لال کوردائے اور رائے بہادر سلطان سنگھ ہوم
رول لیگ کے نمائندے نگرہ گئے تو اس وقت لکھنؤ کانگریس کے
اجلاس کے ساتھ اردو کانفرنس بھی ہو رہی تھی اس میں ہوم رول
لیگ کی جانب سے مولانا عارف مہسوی نمائندہ بنا کر بھیجے گئے۔

سلسلہ ۱۸ میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی تو آپ اس کے حزل
سکریٹری منتخب ہوئے۔ اسی سال خلافت کی سول ناخروائی میں جیل
بھیج دیے گئے۔ اور چھ ہینے کی سزا ہوئی۔

۱۹۱۷ء سلسلہ ۱۷ اور ۱۸ میں ہندوستان میں اس
قد محبت و یک جہتی اور سب ملایا تھا کہ مسلمان ہندوؤں کا اور ہندو
مسلمانوں کا خیال رکھتا تھا یہی وہ اتحاد کا زمانہ تھا۔ کہ جب سوامی شردھ
جی نے جامع مسجد کے پلیٹ فارم سے تقریر کی تھی اور مسلمانوں نے
ان کا شاندار استقبال کیا تھا۔ اس طرح ہندو مسلمانوں نے مذکورہ
سالوں میں بفر عید کے موقع پر گھائے کی بہت کم قربانی کی تھی
اس پیار و محبت بڑھانے میں لالہ شکر لال، مولانا عارف مہسوی
مولانا عبد اللہ آٹے والے اور حکیم رحیل خاں دکنی اکیڈمی انصار
کا بڑا ہاتھ تھا۔

مجلس میں جبکہ خطبات اور سرکاری کاروائیوں کی حالت اور
 کالج واسکول چھوڑنے جا رہے تھے خلافت کی تحریک زور و زور پر
 تھی۔ اس وقت اردو سبر سلسلہء مطبق ہر بیچ الادل سلسلہ
 جبروت کو شب کے وقت مولوی عبداللہ صاحب کا انتقال ہوا
 ان کے مانے میں یہ خیال سیٹھ گیا کہ انھوں نے خلافت تحریک کی مخالفت
 میں حصہ لیا اور اپنا خطاب رانیس نہیں کیا۔ ان کے انتقال کے
 بعد ان کے مکان پر راجی جمع ہو گئے اور نقش کو اٹھانے نہیں دیا
 اس معاملہ میں مولانا فاروق سہری۔ مولانا عبداللہ آٹے دانے اور
 حافظ عربی نقاشی پیش پیش تھے ان تینوں حضرات کو پولیس
 نے گرفتار کر لیا۔

مقدمہ چل رہا تھا کہ یہ خبر ڈرائی کر جامع مسجد کے امام سید احمد
 صاحب جہادی نے مشہور سرکار پرست اور فساد کھلانے والے تھے۔ وہ
 مولوی عبداللہ کے مقدمہ میں سرکار کی طرف سے شہادت دیں گے
 فیصلہ جامع مسجد میں جوہ کی نماز کے وقت عوام کا جم غفیر منع کیا
 اور اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم اس امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں
 گے۔ فوراً تمام قضیوں کوٹ گئیں۔ عوام نے امام صاحب کو تیار
 رکھانے نہیں دی، بہت مشکل سے امام صاحب عوام سے سمجھا
 پھرا کہ مسجد کے حجرے میں پہنچے اور وہاں جا کر امان لیں۔
 لیکن پبلک نے سمجھا نہیں چھوڑا۔ حجرے کو باغیچہ اور اس کے

وردان سے توڑنے لگے۔ اس عرصہ میں غار شروع ہو گئی مجمع حجرے کے سامنے سے ہٹا اور نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا، موقع پا کر امام صاحب کے صاحبزادے سید حمید صاحب نے حکیم اجل خاں اور مسٹر آصف علی کو اطلاع دی انھوں نے آکر ان کو حجرے کی قید سے نکالا۔

اس مقدمہ میں مولانا عارف مسوی صاحب نے آخری دم تک ضمانت دینا خودداری کی شان کے خلاف سمجھا۔ اور ضمانت نہیں دی جیل میں رہے۔ اس مقدمہ کے ملازموں کو تین تین ماہ کی سزا ہوئی۔ چونکہ مولانا عارف حوالات میں چار بیسے ہزار چکے تھے، مجسٹریٹ نے اسی مدت کو سزا کی مدت قرار دیا۔

اس سزا کے بچھٹنے کے بعد ۱۲۱ھ کی عدم تعاون کی تحریک کے سلسلہ میں اگرہ کی ایک باغیانہ تحریک کی بنا پر جبکہ مولانا احمد سعید صاحب اور عبدالعزیز انصاری بھی گرفتار کئے جا چکے تھے جکو مفت نے مولانا عارف مسوی کو بھی گرفتار کر لیا مولانا عارف مسوی کو دو سال اور مولانا احمد سعید صاحب اور عبدالعزیز انصاری کو ایک سال کی سزا ہوئی۔

اگرہ جیل چورنگم دور تھا اس نے پہلی کی ملاقاتی جلد ملاقات نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ریر سویر ملنے والے پہنچ ہی جاتے تھے چنانچہ مفتی عبدالقدیر کے سہاکی جناب فیاض الدین احمد برنی کا ان دنوں آ رہ جانے کا اتفاق ہو گیا وہ عارف صاحب سے جیل پر ملنے کے لئے گئے۔ جیل اور سپرنٹنڈنٹ سے ملاقات کی جو انگریز تھا

اس سے ملاقات کی اجازت مانگی تو کہنے لگا تم سرکاری ملازم ہو کر
 عدم تعاون کو کرنے والے کا جھگڑا کرتے ہو، بسنی صاحب نے کہا
 ساری درست سی سبکی اور عفت کی نہیں ہے بلکہ جو چیز مشترک ہے، وہ ادبی
 مشاعرے ہیں اور اس جہانگیر اس نے فوراً مندرجہ منٹ کے لئے اجازت
 دیدی مگر ان کی ملاقات مسلسل دو گھنٹے تک جاری رہی جیلر نے اسٹنٹ
 جیلران کے ساتھ کر دیا تھا۔ جیل میں ان کو عارف صاحب نے اپنے
 دوستوں سے ملوایا۔ پھر کہا خدا کا شکر ہے آج اتنے عرصہ کے بعد
 ایک دوست کی صورت نظر آئی۔ انہوں نے بتایا بڑی آرام سے
 وقت گتہ رہا ہے۔ ہم ہیں۔ سے ہر ایک کو متفرق مل جاتی ہے
 ہم خود اپنے کھانے پینے کا انتظام کر رہے ہیں۔

واحدی صاحب کی بیٹی زائدہ کی پیدائش عارف صاحب
 کے سامنے دہلی میں ہوئی تھی۔ عارف صاحب کے کوئی اولاد نہیں تھی
 وہ اس سے اپنی بیٹی کی طرز محبت کرتے تھے اور زائدہ بھی ان سے
 اپنی محبتیں کو ان کی نگاہ سے اترتی نہیں تھیں۔ واحدی صاحب
 کو انہوں نے آگرہ جیل سے لکھا زائدہ کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے
 واحدی صاحب نے غائب ہوا حسین صاحب کے ساتھ زائدہ کو لے کر
 آگرہ جیل بھیجے۔ ملاقات ہوئی عارف صاحب پانڈان آگے آئے
 بلنگ پر بڑا جھانکے۔ عارف صاحب کے ساتھیوں نے سنا
 کہ عارف صاحب کی منہ بولی بیٹی آئی ہے تو پانچ چار گھنٹے کے اندر
 اندر اتنے معمولات اور اسے چل سکے اس کے آگے ڈال دئے
 کہ ان کا دہلی لانا خاصہ بوجھ ہو گیا۔

عارف صاحب اپنے افلاص اور اپنی بُردباری اکم گوئی اور بے
 کوئی کے باعث سیاسی قیدیوں میں دوسرے مفتی کفایت اللہ
 مانے جاتے تھے۔ مفتی صاحب سبب نہایت مخلص، سیدہ بار اکم گو
 اور بے کوت نہ رکھتے تھے۔ عارف صاحب کو مفتی صاحب جتنی
 سہی پیسے کی احتیاج نہیں تھی۔ اکیلے تھے جیل میں رہے تو گورنمنٹ
 نے خرچہ اٹھایا۔ باہر رہے تو نلکہ کھسکا کر اٹھا کھا یا کہ کپڑے صاف
 ستھرے پہن گئے۔ بے کوئی اور بے بنازی خالی نہیں جاتی،
 تول تول کر سوچتے اور تول تول کر بونے کی عادت تھی، بہت
 جلد آل انڈیا لیڈروں میں شمار ہونے لگا اور دہلی صوبہ کانگریس
 کے صدر منتخب کرتے گئے۔

مولانا عارف اپریل ۱۹۴۷ء آگرہ جیل سے رہا ہو کر آئے
 تو اس وقت سراجیہ پارٹی حکیم اجمل خان صاحب بنا چکے تھے
 اور تمام ہندوستان میں اس کی شاخیں پھیل چکی تھیں۔ لاہور کی ۱۹۴۷ء
 کو سرمد نانک سنگھ کی صدارت میں ایک جلسہ کانگریس کمیٹی کے
 دفتر میں ہوا۔ جس میں سراجیہ پارٹی کی شاخ قائم ہوئی۔ حکیم اجمل
 خان پارٹی کے صدر اور مولانا عارف مسوی جزل سکریٹری منتخب
 ہوئے۔

۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کو رات کے گیارہ بجے لاہور کانگریس
 کے اجلاس میں ہندوستان کے آزاد ہونے کی تجویز منظور
 ہوئی، اس میں یہ سبھی ملے کیا گیا تھا کہ ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو
 تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں، دیہاتوں اور گھر گھر میں

ہندوستان کی مکمل آزاد ہونے کی خبر پہنچا دی جائے۔

اس فیصلہ کے مطابق تمام ہندوستان میں ۲۶ جنوری کو یوم آزادی منایا گیا اس میں دہلی کے لوگوں نے بھی حصہ لیا۔ صبح آٹھ بجے لکھی باغ میں پہلی مرتبہ حبضہ کے کی سلامی ہوئی۔ اور کانگریس کے سکریٹری مولانا قاری محمد رفیع نے قومی حبضہ اہرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے اس وقت ایک تقریر کی، بہن سنیہ دتی اور کمری کو شیلیا دیوی وغیرہ نے نال دھوتی پہنے ہوئے حبضہ کے سلامی کے وقت قومی گیت گایا۔ جس سے عوام میں بہت جوش و خروش پیدا ہوا۔ حبضہ سلامی کے بعد ایک ہفتہ گزرا کرنے والوں کو دواغ کیا۔ جو کانگریس کے دفتر سے ہوتا ہوا راج گھاٹ پہنچا۔ اور وہاں پر سٹیج پر بیٹھ کر اپنا جیہ لگایا۔ کئی روز کے بعد یہ ہفتہ شاہی گیا اور وہاں کی دعوام سالہ میں ٹھہرا۔ جو ننگ تانوں ٹوڑنا چاہتا تھا۔ آخری دنوں میں اس ہفتے نے سلیم پور میں شاہ باغ کے پاس دہلی اور شاہ پور کے راستے میں ایک ٹیمپ گاڑ دیا۔ جس کی وجہ سے ٹیمپ کے پاس ایک سیدہ سالک گیا۔ نہراہل آدمی اس کو دیکھنے کے لئے شہر دہلی اور دہلیوں سے آئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۶ اپریل ۱۹۴۷ء کو یہ جتھا گرفتار کیا گیا اور ننگ بنانے والے برتنوں کو حبضہ کر لیا۔ پہلے جتھے کی گرفتاری سے بعد دوسرا جتھا جب پہنچا تو اس کو سبھی گرفتار کر لیا لیکن چند منٹ کے بعد تمام ہتھیار میوں کو پولیس نے ہٹا کر دیا۔ ۶ اپریل کی گرفتاریوں کے وقت جب پولیس نے سٹیج گروہوں سے برقع چھینے سے

عارف صاحب اپنے افلاس اور اپنی بزدباری اکم گوئی اور بے
 لونی کے باعث سیاسی قیدیوں میں دوسرے مفتی کفایت اللہ
 مانے جاتے تھے۔ مفتی صاحب بھی نہایت مختص، سید باراکم گز
 اور بے لوث بزرگ تھے۔ عارف صاحب کو مفتی صاحب جتنی
 بھی پیسے کی احتیاج نہیں تھی۔ اکیلے تھے جیل میں رہے تو غورنٹ
 نے خرچہ اٹھایا۔ باہر رہے تو لکھ لکھا کر اٹا کھا یا کہ کپڑے صاف
 ستھرے ہیں۔ بے لونی اور بے نیازگی خالی نہیں جاتی،
 تول تول کر سوتے اور تول تول کر بونے کی عادت تھی، بہت
 جلد آل انڈیا لیڈروں میں شمار ہونے لگا اور دہلی صوبہ کانگریس
 کے صدر منتخب کر لئے گئے۔

مولانا عارف اپریل ۱۹۴۷ء آگرہ جیل سے رہا ہو کر آئے
 تو اس وقت سراجیہ پارٹی حکیم اجمل خان صاحب بنا چکے تھے
 اور تمام ہندوستان میں اس کی شاخیں پھیل چکی تھیں۔ لارنس ۱۹۴۷ء
 کو سرحد نانک سنگھ کی صدارت میں اید علیہ کانگریس کمیٹی کے
 دفتر میں ہوا۔ جس میں سراجیہ پارٹی کی شاخ قائم ہوئی۔ حکیم اجمل
 خان پارٹی کے صدر اور مولانا عارف مسوی جرنل سکریٹری منتخب
 ہوئے۔

۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کو رات کے گیارہ بجے لاہور کانگریس
 کے اجلاس میں ہندوستان کے آزاد ہونے کی تجویز منظور
 ہوئی، اس میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ ۱۴ جنوری ۱۹۴۸ء کو
 تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں، دیہاتوں اور گھر گھر میں

ہندوستان کی عمل آزاد ہونے کی خبر پہنچا دی جائے۔

اس فیصلے کے مطابق تمام ہندوستان میں ۲۶ جنوری کو یوم آزادی منایا گیا اس میں دہلی کے لوگوں نے بھی حصہ لیا۔ صبح آٹھ بجے لکھنؤ باغ میں پہلی مرتبہ حبضدے کی سلامی ہوئی۔ اور کانگرس کے سکریٹری مولانا غلام غفران مسعودی نے قومی حبضدالہرا یا۔ ڈاکٹر انصاری نے اس وقت ایک تقریر کی، بہن سنبہ دتی اور کس کی کوشلیا دہری وغیرہ لے والی دھوتی پہنے ہوئے حبضدے سلامی نے وقت قومی گیت گایا۔ جس سے عوام میں بہت جوش و خروش پیدا ہوا۔ حبضد سلامی کے بعد ایک منیہ گراہ کرنے والوں کو دوا شروع کیا۔ جو کانگرس کے دفتر سے ہوتا ہوا راج گھاٹ پہنچا۔ اور وہاں پر سب گراہیوں نے اپنا جیہ لگایا۔ کئی روز کے بعد یہ جھڑپا دیکھا اور وہاں کا دھرم سالہ میں شیرا۔ جو ننگ تانوں توڑنا چاہتا تھا۔ آخری دنوں میں اس جھڑپے نے سلیم پور میں شاہ باغ سے پاس دہلی اور شاہ پور سے کسے راستہ میں ایک کیمپ گارڈ دیا۔ جس کی وجہ سے کیمپ کے پاس ایک میلہ سا لگ گیا۔ نزاریل آدمی اس کو دیکھنے کے لئے شہر دل اور دہلیوں سے آئے۔ جس کا مقصد یہ نکالنا کہ ۶ اپریل سن ۱۹۴۷ء کو یہ جھڑپا کیا گیا اور ننگ بنانے والے برتنوں کو ضبط کر لیا۔ پہلے جھڑپے کی گرفتاری کے بعد دوسرا ہفتا جب پہنچا تو اس کو سب گرفتار کر لیا لیکن چند منٹ کے بعد تمام متگیر میوں کو پولیس نے رہا کر دیا۔ ۶ اپریل کی گرفتاریوں کے وقت جب پولیس نے متگیر ہوں سے برقم چینیئے تھے

کچھ تہہ گر ہی زخمی ہو گئے تھے ان کو چار یا پانچ برس کر شہر میں
 لایا گیا۔ اور شام کو عوام ان زخمیوں کو چار پائی کے رے کر کپٹی بارغ
 پہنچے۔ جہاں ایک سینک ہوئی۔ جس میں دیو داس گاندھی، رادھا
 رتن اور لالہ دلش بندھو گئے۔ اس سانحہ کے حشد بید واقعات
 بیان کئے۔ دوسرے دن کانگریس کارکنوں، مزدوروں اور تماش
 بینوں کا ایک بڑا میلہ لگایا گیا اور شام تک تک بنا یا گیا کوئی گرفتاری
 نہیں ہوئی تو نمک قانون کی رخنہ بن کر وہاں سے روانہ ہوئی۔ ابھی
 یہ جلسے جسامت تک پہنچے تھے یہ پایا تھا کہ دوسرے قریب پولس کے
 سیاسی کارکنوں میں بھڑک مچ گئے۔ اور اترتے لے جانے والوں کو
 روک کر دیو داس گاندھی لالہ دلش بندھو گئے۔ لالہ دلش
 مولانا غارت ہسوی، لالہ دلش بندھو گئے۔ لالہ دلش بندھو گئے
 نائنہ، ستر و اعطاس، دو دیوالی، ختم جند، نیا بر رشتہ تواری،
 ودھیا رتن، ایو دھیا پرشاد لالہ خٹہ کی اور لالہ دلش کو گرفتار
 کر کے قلعہ کے قلعے میں لے جایا گیا۔ جب تمام بھڑیل پر
 سے گزر گئی تو انھیں دہلی کی کوٹوالی میں لایا گیا۔ یہاں پہنچے ہی لالہ
 خٹہ کی اور لالہ ایو دھیا پرشاد کو رہا کر دیا اور بقایا چودہ کارکنوں
 کو کوٹوالی کی حوالات میں بند کر دیا۔ دوسرے روز زولہر کو ستر
 فرید الحق انصاری کو رہا کر دیا۔ اور بقایا کارکنوں کو ایک ہفت
 کار مینڈوے کر جیل بھیج دیا گیا اور، اراہیل سلسلہ کو ان تمام
 کارکنوں کو دھوکے کے ماتحت تک بنانے سے ازام میں تین تین
 ماہ کی سزا دی۔

تین مہینے کی سزا پوری کرنے کے بعد، اور حوالی سلسلہ کو مولانا عارف مسوی کے ساتھ لالہ بخش ندو گیتا لالہ شنکر لالہ صاحب لالہ سید علی جنابین، مسٹر حکم چند دلیہ مگرات جیل سے رہا ہو کر واپس آئے تو پھر اسوں نے قریب میں حصہ لیا شہر پہنچ کر دیا۔

۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو شہر گڑہ آخرم امد کا انگوٹس کیٹی خلافت قانون قرار دیدی گئیں۔ امد آخرم سے یہ اکھن گرفتار کرنے آئے اور ان کا تمام سامان ضبط کر لیا۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر گیتا جی دلی آئے۔ ان کا شاندار استقبال ہوا اور ساتھ ساتھ جلوس بھی نکلا۔ اس دن ان کی تقریر کے لئے شام کو جلسہ ہوا۔ انھوں نے انگریزی میں تقریر کی اور اس کا ترجمہ چرخ لالہ پالیوال نے کیا۔ اس وقت لالہ نریندر دت اور مولانا عارف مسوی گرفتار ہوئے تھے اور مولانا عارف مسوی کو ایک سال کی سزا ہوئی۔

عارف صاحب نجف جتہ سے ان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ حاصل ہیں گزرا۔ جیلوں میں ریاں نہیں چکیاں تھیں۔ اور گندی دھار تک تو سڑیوں میں راتیں بسر کیں نہ رو رو پورٹ نے نہیں الا حار حضرت مولانا محمد علی کو کانگریس نے نریندر دت منظر اردیا تھا۔ اور دھاروں کی اکثریت کانگریس کی سمجھ نہیں رہی تھی مگر عارف صاحب نے کانگریس سے قطع تعلق نہیں کیا تھا۔ تاہم

آخر کانگریس کے ساتھ ہے۔ لیکن اس سے باوجود مولانا محمد علی نے عارف صاحب کی نیت کے غلوں کا ہمیشہ انکار فرمایا۔ مولانا محمد علی عارف صاحب کی رائے کو غلط کہتے تھے۔ نیت کو خراب نہیں کہتے تھے۔

مولانا محمد علی صاحب کے کانگریس سے الگ ہو جانے کے بعد جو مسلمان لیڈر کانگریس میں رہے تھے مسلمانوں کی نظر میں گر گئے تھے۔ عارف صاحب کی بھی یہی پوزیشن تھی۔ مسلمانوں میں ان کا اثر مطلق نہیں رہا تھا۔ اور عارف صاحب اس سے واقف تھے۔ عارف صاحب پان کثرت سے نکھاتے تھے۔ پان رات دن کلے میں دبا رہتا تھا۔ اند چرنے کی زیادتی سے ان کا منہ ہمیشہ مخرج رہتا تھا۔ آخر میں ان کے منہ میں کینسر ہو گیا تھا۔ قرد باغ دہلی کے مشہور و معروف سرجن ڈاکٹر جوشی نے اپنے عظیم الشان ہسپتال میں ان کا آپریشن کیا تھا۔ ادب بہترین کرے میں انھیں مہینوں تکھا تھا۔ داحدی صاحب ڈاکٹر جوشی کے ہسپتال میں دیکھے جاتے تھے تو داحدی صاحب کو اپنا کلام دیدیا کرتے تھے جو بڑا عارفانہ کلام تھا۔ ایک دن ان کی اپنی مناجاتیں دیں۔ جو بیماری کے زمانے میں لکھی تھیں۔ لیکن انوس وہ تمام کلام علیہ السلام کے پراشوب زمانہ کی بھینٹ چڑھ گیا۔

ایک دن ہسپتال میں داحدی صاحب کہنے لگے۔ کانگریس سے مولانا محمد علی کے الگ ہو جانے کا مسلمانوں پر اتنا خراب اثر پڑا ہے کہ وہ مجھ تک کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ میں آپ کو گواہ کر کے

کہتا ہوں کہ میں سلمان مرزا ہوں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ
 ریاضا ہوں میرے عقائد اور میری اسلام سے وابستگی میں ذرہ برابر
 شبہ و شک نہیں پڑا۔

عارف صاحب رحمہ اللہ تک داعی صاحب کے کمرہ میں ہیں
 اس کے بعد منشی عبدالحمید صاحب کے ساتھ رہنے لگے۔ جو منشی
 صاحب کے ہسپتال میں اسی مکان سے گئے تھے۔ ہسپتال کے آنے
 سے یکدم واپس عارف صاحب نے داعی صاحب سے اپنی خواہش
 کا اظہار کیا ہے کہ میں اس کمرہ میں مردوں جن میں پہلے بغیر آپ
 سے ملاقات ہوئی تھی، چنانچہ ان کی خواہش پوری کی گئی اور ان
 کو ہسپتال سے داعی صاحب کے کمرے میں لایا گیا، مکان کی دیریں
 سڑیں ان کے حوالے کر دی گئی۔ سسرار دنا آصف علی نے ضروریات
 کا سامان بھیجا کیا اللہ لالہ دلش بند ہو گیتا ایڈیٹر بیج دہلی نے علاج
 اور دیکھ بھال کی ذمہ داری کی عارف صاحب کی والدہ ان کی
 اہلیہ اور کچھ ان کے عزیز ہمسوے سے دہلی پہنچ گئے تھے ان کے
 بھائی مولانا ابراہیم حسن دہلی میں تھے کمنسٹر کی وجہ سے لوگوں
 سے لکھ کر مات جیت کرتے تھے۔ وفات سے ڈیڑھ مہینے پہلے
 جب وہ زندگی سے باہوس ہو گئے اسٹوں نے اپنے قریبی دوست
 جناب ضیاء الدین برنی کو ۲۹ نومبر ۱۹۳۷ء کو یہ خط لکھا
 برادر ڈاکٹروں کے تمام قیاسات غلط نکلے پہلے آپریشن

لے میرے زمانہ کی دلی موصوفہ علی غفلت رفتہ

کے بعد کچھ عرصہ تک حالت ٹھیک رہی اس کے بعد مرض نے پھر حملہ کیا، چنانچہ پھر آپریشن ہوا، آدرا ب میں ایک ماہ سے مہینا میں ہی پرتی۔ گو دو ایک روز کے بعد شہر جانے والا ہوں، مرض برابر بڑھ رہا ہے۔ اور سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ ایسا فضل فرمائے بظاہر حید مفتول یا چند اینیوں کا قصہ اور وہ گہا ہے کینیکاب تک علامات کا اگر ہیں برا۔ امید ہے کہ تم مرے لئے دعا کر دے گے کہ اگر صحت میری قسمت میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ مرض کے آلام اور اس کی کرب و تکلیف برداشت کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے اور خاتمہ خیر کرے۔“

شروع میں آپ نے اس مرض کا علاج ٹھنہ جا کر دیکھ لیم کے ذریعہ کرایا تھا۔ آخر وہ وقت ان کے لئے بھی تم آگیا جو مران ان کے لئے آتا ہے وہ ۱۲ جنوری ۱۳۳۷ء کو شام کے پانچ بجے انتقال فرما گئے ۱۵ یہ وہ ہینہ ہے جس کی ۸ مارچ کو برے والد ماجد حضرت علامہ مولانا شرف الحق صاحب کے انتقال فرمایا تھا۔

عارف صاحب کے جنازہ کے ساتھ مرحوم کے رفقا و اصحاب کا کثیر مجمع تھا دہلی دروازہ کے باہر حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، اور رات کو سڑھے دس بجے کو محلہ فیروز شاہ کے قریب قبرستان میں دفن کیا گیا تھا جنازہ

ہیں جو حضرات شریک تھے قابلِ ذکر نام یہ ہیں۔
 مولانا محمد سعید صاحب، سٹراٹفیلڈ علی بریسٹر شیخ محمد تقی
 ایڈوکیٹ، منشی عبدالحمید صاحب ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی۔ ملاز احمدی
 لالہ شکر لال، لالہ دلتیش بندھو گیتا، مولانا امداد صابری میر
 محمد حسین صاحب، سردار احمد صاحب، شیخ الزوار الحق صاحب، حکیم
 اقبال الحق صاحب، ڈاکٹر مدد دیر سنگھ، پروفیسر اندر خواجہ حسن
 نظامی، سٹر جنرل شریکھتہ، لالہ برت کوشن چاندی دالے، سٹر
 رینگھم سٹر رنجھو مندن سران، نواب ممتاز حسن خاں، سٹر
 ملال احمد زبیری، خواجہ عطار اللہ بریسٹر، حبیب اسان الحق۔
 عارف صاحب بہت لکھار تھے لیکن ان کی تحریریں زیادہ
 تر منجانب ایڈیٹر ہوتی تھیں، البتہ جمہوری مقالات یران کا نام
 جھٹا تھا۔ ان کی سب سے دل میں گفتگو تھی اور کافی زور دار ہوتی
 تھیں بقول واحدی صاحب ”عارف صاحب اور مولانا ابوالکلام
 آزاد میں خاصی مشابہت تھی۔“

نیاز فقہ پوری صاحب ان کے ادبی ذوق کے معترف تھے
 مناجم نیاز صاحب لکھتے ہیں ”عارف صاحب کا ادبی ذوق نہایت
 پاکیزہ تھا۔ فارسی اور اردو کے اشعار خوب سمجھتے تھے اور نقد و تبصرہ
 کی فائزانہ قابلیت ان میں تھی۔“ عارف صاحب کی سیاسی و ادبی
 زندگی دونوں قابلیتوں کے کامیاب گزری ایک طرف انہوں نے احباب

کی رنگین صحبتوں کا لطف اٹھایا دوسری طرف سیاست کی ہے آب
درنگ دادی بہار دی کے ساتھ طے کی، دلی گواہوں نے اپنا وطن
بنادکھا تھا اور دلی کی برادر پر جان دیدیتے تھے۔ شرکائی کہے
نہ ان کا کوئی دیوان ہے اور نہ کوئی تصنیف ہے ان کی ایک
عزل بمثل تمام دستیاب ہوئی ہے ۵

نہ پوچھ کہ کیوں آیا بے قرار رہا
کہوں میں کیسے مجھے تیرا انتظار رہا
علاج اے دل شوریہ کیا کریں تیرا
جب ان کے پاس بھی نہ کر تو بقرار رہا
کبھی نہ آیا نظر تیرا مبتلا سرور
جو پا کی رد نے سے فرصت تو سوغوار رہا
نہ ہو گا مجھ سے بھی ناکام باغ عالم میں
کہ میں سدا یوں ہی حسرت بخش بہار رہا
مجھے سرور دلت طرمانہ سے کیا کام
کہ میں رہیں تمنا سے روزگار رہا
نہ جانے کیا وہ غلش تھی کہ آج تک نہ گئی
کہوں میں کس سے کہ کہوں انا انتظار رہا
عطا جواب تو سکون دل کو مرے اے اللہ
یہ بد نصیب بہت دن تو مقرر رہا
نہ پوچھ اے ہنشیں اس دل کا حال غنائی
جو ساری عمر حسینوں کا جلوہ زار رہا

عجب حال تھا اللہ بخشے عارف کا
 جیبا غریب وہ جنگ بس انکبار رہا
 نفاذ اگرہ کے شہر سلطانہ غنائے شمارہ میں ملا نا عارف کی ایک غزل
 چھی ۷

آہ اے مردیٰ ذوق نشا ط
 دیکھ کر اسباب نشادی رو دے
 ان رے اپنے مدعا کی بے کسی
 اس نے پوچھا حال دل ہم رو دے
 کس قدر تھی غم فزا صورت مری
 دیکھ کر احباب اکثر رو دے
 اپنی سہی نارسا سے ہیں محفل
 داغ ناکامی یہ اپنے رو دے
 ان کی صورت دیکھ کر میں رو دے
 بیری حالت دیکھ کر وہ رو دے
 اس کے مری داستان، اں کا بھی آج
 جی بھر آیا سوخ کر کچھ رو دے
 عارف محنت کی حالت دیکھ کر
 ان کے بھی آنسو سہر آئے رو دے

اخوت
 اکھنڈ امن آباد سے مارچ ۱۹۱۷ء کو یہ بوزانہ
 اخبار دھود میں آیا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا
 مولانا فضل الرحمن صاحب ایڈیٹر اور اب ذوالقدر جنگ مالک
 نے سالانہ جینہ بارہ روپیہ تھا۔

ایک مہینہ قبل سے ہی اس پرچہ کی دھوم مچنے لگی تھی، اخبار
 رہنما مزد آباد کے ارشدی سلاوے پرچے میں اس کے
 جاری ہونے کا اشتہار چھپا۔ دعویٰ یہ تھا۔

زور دہانہ اخوت قومی شیرازہ بندی کے لئے جاری کیا جا رہا
 ہے۔ نامور خدا بان قوم سقند اہل قلم نے بیڑہ اٹھایا ہے کہ اس کو

مسلمانوں کا بہترین پرچہ بنا دیں گے۔ مسلمانوں میں فوجی اسپرٹ پیدا کرنا وہ مساوات اور اخوت پھیلانا جو ہمارے مذہب کی پاک تعلیم ہے۔ شاہ دگدا کو ایک پلیٹ فارم پر لانا قومی جذبات اور خیالات کی سچی ترجمانی کرنا، ان کو اصولی بنیاد پر سکھانا، محالہ نہ ہو گا۔ یہ کی خبریں پہنچانا اور تمام ملکی و سیاسی معاملات پر آزادی سے بحث کرنا اس کا نصب العین ہے۔

چنانچہ اس رسالہ کے اندر ہی میں جبکہ اس کے بیس پرچے شائع ہو چکے تھے اس کی آزاد خیالی کی تائید ان کے حاضرین نے کرنی شروع کر دی تھی۔ اور اخبار ہمارا آباد کرنے اپنے شمارے ۱۵ مارچ شعلہ غم میں اس اخبار پر یہ دیو بول گیا۔

”اخوت کے اب تک میں پرچے ہماری نظر سے گزرے اور حقیقت یہ ہے کہ اخوت میں جس آزادی و ملحدانہ تنگی سے قومی و ملکی مسائل پر بحث کی جاتی وہ پریس ایکٹ کے اس جہلک زمانے میں عدم المثال ہے۔ اخوت کے مضامین اور خصوصاً عنوانات میں گفتگو کی دل چاہی و مشتہ زبان و شاعریت کا وہ رنگ غالب ہوتا ہے لکھا کی چھپائی عمدہ اور کاغذ عام روزانہ پریس سے اچھا سفید و نفیس لگایا جاتا ہے۔ غرض ہر حیثیت سے قابل قدر اور لائق دید اخبار ہے۔“

جہلک پریس ایکٹ نے آخر اپنا رنگ دکھایا حضرت مولانا عبدالباقی فرنگی مہلی کا ایک مراسلہ جس میں انگریزوں پر حکمتہ چینی کی گئی تھی وہ اخوت میں شائع ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس اخبار سے

ایک ہزار روپے کی ضمانت طلب ہوئی ہے

مہنگ لیزس ایجنٹ کی موجودگی میں آزاد خیالی سوائے نقصان پہنچانے کے فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ چنانچہ اس اخبار میں سرکار کے قاضیوں کے خلاف لکھا گیا جو رد لٹ ایجنٹ کی حمایت میں حلہ کرنے والے تھے۔ ان لوگوں نے اس اخبار کے ایڈیٹر ریزٹریٹ کے خلاف بینک عزت کا مقدمہ دائر کیا۔ محسٹریٹ جج ان کو کیسے جھٹتا۔ اس نے ان لوگوں کو سزا دی، یہ خبر اخبار رہنما مراد آباد مورخہ ۱۲ جون ۱۹۱۹ء کے شمارے میں تھی۔

روزنامہ انورٹ میں لکھنؤ کے ایک طلبہ کے متعلق جوہاں کے بدعنوان تعلقہ داروں کی جانب سے ردیٹ بل کی حمایت میں ہونے والا تھا۔ ایک پر لطف مضمون جو دورہ پنج میں درج ہونے سے قابل تھانہ تھا جس پر ایمان علی نے مختلف ہوکر کاکھانہ خیریت پر دعویٰ کر دیا۔ عدالت نے محسٹریٹ لکھنؤ نے بیان سننے کے بعد اس پر ۱۹۱۹ء کو جو فیصلہ دیا ہے وہ بہت افسوسناک ہے۔ مقدمہ کی رپورٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہم کو مقدمہ کی سرحدی سے دست برداری دیدی دوسرے دکلار کی فراہمی کا موقع بھی دیا گیا۔ مدعا علیہم میں مولیٰ فضل الرحمن صاحب کمرن کا یہ مضمون لکھا ہوا تھا۔ اور جو عا بنا اس وقت انھوں نے ایڈیٹر سے دس ماہ قید کی سزا دی گئی اور مولیٰ

میرالدین صاحب کو جو اخبار مذکور کے پرنٹر پیش تھے ۶ ماہ کی قید
سزا دی گئی۔ ابتدائی قید سخت کا حکم سنایا گیا تھا مگر چونکہ
دفعہ ۵۰۰ کی مد سے سزا دی گئی ہے اس میں قید سخت نہیں
ہے، اس لئے کمرہ دار علیہم کو طلبہ کر کے قید محض کا حکم سنایا
گیا ہے۔ چودھری رحم علی صاحب ہاشمی سب ایڈیٹر اخوت رہا ہو گئے
امر تشر سے یہ مذہبی دینی مائینا مہاراج سلطانہ
اعجاز القرآن میں جاری ہوا۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا
مولوی اعجاز احمد اس کے مدیر تھے۔ اس رسالہ کا سالانہ چندہ
دور دپے تھا۔

اس رسالہ پر سالانہ سارن اعظم گڑھ مورخہ اپریل ۱۹۱۶ء
میں یہ ریویو شائع کیا تھا۔

اعجاز القرآن امر تشر سے شائع ہوا ہے اس کا مقصد
محض دینی خدمت اور تعلیمی قرآنی کی تبلیغ و اشاعت ہے ابھی
پہلا پرچہ شائع ہوا ہے جس میں کوئی خاص قابل ذکر مضمون نہیں
اس لئے مضمون کی نسبت اس میں کوئی رائے نہیں دی جا سکتی
لکھا تا چھپائی کا غدر چیز محتاج توجہ و اصلاح ہے۔ قیمت
سالانہ دور دپے۔ دفتر اعجاز القرآن، حکیم دوڑ، امر تشر (نیجاب)
حیدر آباد دکن سے یہ مائینا مہاراج سلطانہ
الواعظ کو ظہور پذیر ہوا۔ اس کے مدیر مولوی عبدالحق
صاحب تھے ۸۴ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ
تین روپے چار آنے تھا۔

رسالہ محارفِ علم گلدھمہ صرف اپریل ۱۹۱۹ء تک پہنچتا تھا مختصر سا

جب ذیل تصویر ہوا ہے۔

”اگر وہ خط حبیب آباد دکن سے ایک نیا مذہبی رسالہ نکلا ہے۔
مضامین نظم و ضبط پر مشتمل ہوتے ہیں قیمت سوائس روپے پندرہ فتر
الاعظم شاہ علی پڑھہ حبیب آباد دکن۔“

اس رسالہ کے بارے میں رسالہ محارفِ علم گلدھمہ صرف
محقق مارچ ۱۹۱۹ء میں صرف اتنا اذکار فرمایا ہے۔

محقق دہلی کے متعدد جدید رسالوں میں ایک نیا رسالہ ہے۔ جس
کا دعویٰ ہے کہ وہ مذہب کو عقل و فہم سے توڑنے کا پہلا چہرہ ہوا ہے پاس
پہنچا ہے جا سائے کہ نکلا استاذ بہارش پیدا است

۱۳ مارچ ۱۹۱۹ء کو لاہور سے یہ روزانہ اخبار
پرتاب جاری ہوا۔ چار صفحات پر نکلتا تھا۔ چارھہ کرشن

اس کے ایڈیٹر تھے۔ جس وقت پرتاب جاری ہوا پنجاب میں سیاسی
حیثیت کا دورہ تھا۔ پرتاب اس نوعی نظریہ کی حمایت کرنے لگا
تھی اس کو لیکر ہوتے چند دن ہوتے تھے کہ ہمارا اپریل ۱۹۱۹ء
کو ہائے کرشن گرفتار کر کے گئے۔ ہائے کرشن حبیب منڈوڑ میں
پہلی شخصیت تھے جنہوں نے ادارہ نگاروں میں کمال پیدا کیا۔ اور
نہایت مدلل اور پتے لکھے۔

ہائے کرشن حبیب کی گرفتاری کے بعد پرتاب بھی بند ہو گیا
ہائے جی سنہ ۱۹۱۹ء میں رہا ہوئے تو پرتاب بھی دوبارہ جاری ہوا
اور دو پہننے کے بعد اخبار پرتاب کی ضمانت حبیب کر لی گئی۔

ہائے کرشن آریہ سماجوں کے راہ نمائے اہل سماجی شروہا خاند کے
 دستور راست، ہائے جی کو ملالوں سے بعض للہی تھا۔ مسلمانوں
 کے خلاف خوب زہرا لگتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد پرتاب
 لاہور سے فرہی چلا آیا۔ ہائے کرشن بھی دہلی شریف کے آئے
 مسلمان دشمنی یہاں بھی نہیں چھوڑی ان کے انتقال کے بعد، ان
 کے صاحبزائے زہرا نے اخبار پرتاب کی ایڈیٹری کی ذمہ داری
 سنبھالی اور اپنے والد کے سچے جانشین ثابت ہوئے مسلمانوں
 کے خلاف یہ بھی دل کھول کر آگ کے شعلے برساتے ہیں۔

اللہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے اخبار میں کافی مسلمان
 ایڈیٹریل اسٹاف میں ملازم ہیں۔ کاتب بھی ان کے ہاں کتابت
 کرتے ہیں اس کے برعکس ملاپ جو قوم پرستی کا دعویٰ کرتا ہے
 اس کے ہاں مسلمان ملازم نظر نہیں آتے۔ مسلمان ملازموں کا کہنا
 یہ ہے کہ ان کا اہل حق اچھا ہے۔

یہ روزانہ اخبار **سکسٹ** ہے جس میں لاہور سے جلوہ گر ہوا
 چار صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے بانی ڈیڈیٹر
 مولانا سید حبیب تھے۔ سالانہ چھ بارہ روپے تھا۔

یہ اخبار اس زمانہ میں جاری ہوا۔ حبیب ملک میں انگریزوں
 کے خلاف تحریک شروع ہو گئی تھی۔ اور تحریک خلافت، اور
 ترک موالات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اخبار سیاست تحریک
 خلافت اور ترک موالات کا زبردست حامی تھا۔ اور اس سے
 پہلے رولٹ ایکٹ ایجیٹیشن اور جلیا نوالہ باغ کے سانحہ کے

مسئلہ میں قومی پالیسی کا مکمل احساس کی وجہ سے اس برکھوت
 ل طرف سے قناب ہوا اور اس پر مختصر مگر اس کے بننے اس کا ایک
 سبب ایڈیٹر ملک ترجمہ کی یاد دہانی میں مگر کر لیا گیا اس اخبار سے
 نمائشیں سکی طلب ہوئی اور اس مسئلہ میں مولانا سید حبیب تحریک
 خلافت میں گرفتار ہوئے اور پچیس سال کی قیدداشت کی سزا دی گئی،
 مولانا جیلوں میں کی بار گئے۔

مولانا سید حبیب احمد صاحب سیاست نے اپنی مسود کے مسئلہ میں
 مسلمانوں کے اس نگرہ کا سا بخود کیا۔ جس نے اس مسود کے خلاف ملک
 جوہر میں زبردست ہم جہانی تھی اس نے اس کو احسان اور فیاض
 شاخ کا تعاون حاصل ہو گیا تھا۔ مولانا سید حبیب اس وقت مقبول
 صحافی اور مشہور قومی کارکن درہنہ بھی تھے۔ مولانا جس تحریک میں شامل
 ہوئے اخبار سبھی اس کی حمایت کرتا تھا خطبہ الہ آباد سے پہلے لاہور
 میں علامہ اقبال کی تحریک میں شامل ہوئے۔ مغلی پورہ ایچی بیشن
 تحریک کشمیر تحریک مسجد شہید گنج وغیرہ میں نمایاں حصہ لیا۔ اس
 طرح اخبار سیاست مسلم راستے عامہ کا سمجھنا بنیاد تصدیق حقوق
 کے مسئلہ میں بھی مسلمانوں نے جو آواز اٹھائی سیاست نے اس
 کے حق میں بے در پے مقالات تحریر کئے۔ اس وقت بھی سیاست
 کی وقتاً فوقتاً نمائشیں طلب ہوئیں مسئلہ اسلام میں
 دربار ایسے واقعہ پیش آئے۔ جب مالی مشکلات کی وجہ سے غنائیں
 جمع نہ ہو سکیں۔ اور سیاست کو کچھ عرصہ بند ہونا پڑا جب موبائی
 خود مختاری کا آغاز ہوا۔ اور سکندر حیات خاں وزیر اعظم بنائے

میں۔ تو مولانا سید حبیب الہی سے سہرا گئے۔ جس سے مولانا سید حبیب صاحب نے اخبار سیاست میں کاٹھ کاٹ لیا اور عرف و ذریعہ علم کے زیرِ نظر ان مقالات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس پر حکومت پنجاب نے سات ہزار روپے کی ضمانت طلب کی یہ رقم سرکاری خزانہ میں جمع نہ ہو سکی تو سیاست بند ہو گیا۔

مولانا سید حبیب الہی بڑی وڈرو میاں کی رہنما تھے جس بات کو حق درج سمجھتے تھے اس کا اظہار بلا کر دیا کرتے تھے ان کے سلسلے حکومت کی بڑی سی بڑی طاقت و نفوذ پہنچ تھی اس کو مولانا سید حبیب کچھ گردانتے نہیں دیتے بڑے سے بڑے حاکم وقت کے خلاف اخبار سیاست میں آزادانہ طور پر لکھا جاتا تھا۔

اخبار سیاست کو "حق گو" اخبار سمجھا جاتا تھا۔ اس کے عوام خواہ میں مقبول تھا اس کے دیکھنے اور پڑھنے کے انتظار میں لوگ رہتے تھے کہ دیکھیں کہ اب کس حاکم کے بچے اوجھڑے جاتے ہیں۔ مولانا سید حبیب ایک تجربہ کار صحافی تھے ان کے مقالات میں زور تھا۔ دنیا کی سے پڑھنے والے ادبی چاشنکا بھی ہوتی تھی جو عوام کے مجمع ہدایات کے زبان ہوتے تھے۔

جناب عبدالسلام خورشید صاحب نے اپنے مقالات والی کتاب صحافت پاکستان و مہند میں "حضرت مولانا سید حبیب پر حب دلیل و دھوکہ زدنگ و شرمناک گھٹے گئے ہیں۔"

۱۔ چونکہ مولانا ادیب نہیں تھے اس لئے زمیندار کی سی بدلتی سیاست میں نہ پیدا ہو سکتی تھی نہ اس کی قوت تھی یا کمزوری تھی۔ مظلوم نگاری

اور ادارہ نگاری کے سلسلہ میں بھی اس اخبار کی کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں تھی (۱۹۱۵)

(۲) سیاست میں وقتی نقطہ نگاہ سے ایک معمولی اخبار خانہ اداروں میں جان پرتی تھی، نہ خبروں کی فراہمی کا معقول بندوبست تھا نہ اس کی ترتیب میں حسن ہوتا تھا۔ سید حبیب نہ خود ادیب تھے، نہ ان کے اخبار میں کام کرنے والے سوائے نازش رومی کے کسی خاص ادبی رتبہ کے مالک تھے، اس لئے ادبیت بھی عنفا تھی (۱۹۵۹)

معلوم خورشید صاحب نے یہ ناپاک حملہ مولانا سید حبیب صاحب پر کیا دیکھ گئے تھے۔ کیا سید صاحب نے ان کے کسی بزرگ کی مخالفت کی تھی اور کیا مولانا سید حبیب صاحب نے خورشید صاحب کو نقصان پہنچایا تھا۔

مولانا سید حبیب صاحب ملک کے نامور معروف و مشہور سید صاحب کے شاگرد ہونے کے ساتھ اخبار سیاست کے جاری کرنے سے پہلے بغول خورشید صاحب ۱۹۱۵ء کے آخر میں منشی محمد دین فوق کے اخبار کشمیری میں کام شروع کیا ۱۹۱۷ء میں ملک کے پیسے دہلا ایک چھوٹے سے اخبار ترمذی کی ایڈیٹری کرنے لگے۔ اس زمانہ میں پنجاب کے اخبار بند ہو چکے تھے۔ اردن امر کے اخبار پنجاب میں دل چسپی سے پڑھے جاتے تھے۔ چنانچہ ترمذی لاہور میں پہنچے لگا۔ جب اس کا دلفہ بند کر دیا گیا تو مولانا سید حبیب نے ایک اخبار "میر" کے نام سے نکالا۔ دو تین ماہ بعد اس کا دلفہ بھی پنجاب میں منسوخ قرار پایا۔ اس کے بعد آپ نے نقاش جاری کیا اور دو ماہ بعد اس کا

داخلہ کی بند ہو گیا۔ فائزہ جنگ پر جب آزادی تحریک کی قیادت سنبھال ہوئی تو مولانا سید حبیب نے لاہور سے سیاست جاری کیا۔ (دہ ام) سید صاحب دہلوی لندنیائی محمد دین فوق کم درجے کے صوبائی جسے کیا سید صاحب کی فائزہ کی اور منشی محمد دین فوق کے اخبار میں کام کرنے والا ادیب نہیں ہو گا۔ ادہ پانچ اخبار میں کام کرنے کے بعد وہ جیسا اخبار جاری کرے گا اس کا مطالعہ بنے جان دے ہرگز ہو گا اور اس کے اخبار کی ترتیب میں حسن بھی نہ ہو گا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ مولانا سید حبیب کے مقالوں سے حکمران طبقہ کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ ان کو اپنی حکومت کے لئے خطرناک سمجھتی تھی، اس کے باوجود ان میں ان پر مضامین دائر کرتی تھی جہاں نتوں پر ضمانتیں طلب کرتی تھی اور اس کی خواہش ہوتی تھی کہ یہ اخبار جاری نہ رہے اور اس کا ایڈیٹر مضامین میں جھنڈا ہے۔ اور جیلوں میں زندگی بتائے۔ مولانا کے مقالات کے ذریعہ علم کی وجہ سے مولانا کی علمی و ادبی حلقوں میں بے حد مقبول تھے اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر وہ ایرینڈر باسلم کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے سکریٹری بھی بنائے گئے۔

اخبار سیاست کی مولوی اخبار نہیں تھا۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مراعتیہ سے سیاری اور قابل وقعت تھا۔ مولانا سید حبیب انتہائی حق گو تھے اور معافی تھے اور اپنے دور کے بڑے نڈر اور بے خوف مجاہد تھے۔ خود شدید صاحب نے جو نازیبا خلع کئے وہ درست نہیں تھے۔ چاند پر سحر کا خلق میں آتا ہے

کے مصداق محمد شہید صاحب کو سمجھنا چاہیے چاند پر تھوکنے سے
چاند کی حیثیت کم نہیں ہوتی۔ چاند ہمیشہ چمکتا رہے گا اور ذنب
اس سے فیض حاصل کرتی رہے گی۔ یہی صورت ملا نا سید حبیب
کی ہے ان کا حق گرو صاحبوں میں شمار ہو گا۔ ان کا اخبار علامہ
لکڑہاٹھی کا ترجمان سمجھا جائے گا۔ ان کی ادبی حیثیت مسلمہ ہے
انکار کرنے والا حجت نہ رہتا ہے۔

نڈانے ملت ملا نا سید حبیب

مولانا سید حبیب صاحب

لاہور کے عہد امجد مظفر آباد (موجودہ آزاد کشمیر) سے بہ سلسلہ معاش
پہری پور پر بارہ تشریف لائے۔ آپ کے دادا کے وفات کے بعد
آپ کے والد سید سعادت شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنے بڑے بھائی
سید رحمت اللہ شاہ صاحب بنون نقل مکانی کر گئے۔ آپ کے والد
ماجد بنون میں وارد غہ جیل گئے، آپ کے والد کی فی دی جلال پور
جہان علیہ جہالت میں ہوئی۔ اور ہمیں اسلام کا یہ مایہ ناز فریضہ
جلیل میدان صافنت کا نڈر اور بیگن سپاہی انگریز کا انڈی دشمن
آزادی وطن کا دیوانہ قوم کا محسن و غم گہرا خاندان ہاشمی (بجائے)
کا ختم و چراغ ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوا۔ آپ دو بھائی تھے۔ والدین
نے نام حبیب اللہ رکھا۔ لیکن بعد میں سید حبیب کے نام سے مشہور ہوئے
میں نے بھائی کا اسم گرامی سید عنایت اللہ رکھا۔ آپ بچے ۱۲/۱۲
۱۹۱۷ء کو سیاست اخبار لاہور سے نکالا ایڈیٹر کے ذریعہ آپ
طرد و انجام دیتے تھے اور چھوٹے بھائی دفتر میں بحیثیت لیجر

کام کرتے تھے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک سب کو حکومت نے بند نہ کر دیا۔

تحلیم آپ نے ۴۴ سال کی عمر میں کراچ میں ہائی اسکول

آپ کی نیا دی ہوئی۔ اور پھر تلاش معاش میں اپنے ماموں سید محمد شاہ آف جلال پور جہان جو اپنے زمانہ میں ضلع محلات کے بے تاج بادشاہ تھے کے ساتھ حوالہ تشریف لے گئے وہاں کراچ میں سکول میں بطور پورے ٹریڈک جتنا عرصہ آپ کے ماموں وہاں رہے

یہ بھی ملازمت کرتے رہے۔ پھر حیدر دہ والپس جلال پور تشریف لائے تو شاہ صاحب کو بھی ساتھ لائے۔ شاہ صاحب نے بہت زور دیا کہ حوالہ میں ہی رہ جاؤ، کتب سید محمد شاہ صاحب ان کی تیز طبع سے واقف تھے، ان کو واپس جلال پور لے جانے کی غیریت سمجھی۔ اور مصافحہ کیا۔ بیٹا، میں تم کو زنداں میں دیکھنا نہیں چاہتا۔ سید محمد شاہ ایک بااثر شخصیت تھے اور یہی دھال ان کی

ہماریات میں مددگار اور معاون ثابت ہوئی رہی۔ کیونکہ کام وقت اس دھال کے سامنے اپنے آپ کو بوجھ پاتے تھے۔ انگریز کے توانی دشمن تھے۔ چین میں ہی گورنمنٹ کے خلاف تقریریں کرتے تھے جنوں سے واپسی پر جہد تھیں تو جلال پور میں ہی رہے پھر معلوم نہیں دل میں کیا سمجائی تھی جبری ہو کر ہانک کا ٹنگ چلے گئے کتب نوکر کی راس نہ آئی۔ اور راس آئی تھی کہے دماغ انگریز کے خلاف تھا بات کرنے سے چوکتے نہیں تھے، اسٹغنی دیا آمد کلکتہ پہنچ گئے

جہاز سے اترنے ہی پر سی۔ آئی ڈی نے حراست میں لے لیا، اور
جلال پور لاکر نظر بند کر دیا۔ حبیب رہائی نصیب ہوئی تو اپنے استاد
جانب دہری کی واسطت سے کلکتہ وارد ہوئے وہاں ایک
اخبار میں کام کرنا شروع کیا۔ تھوڑے عرصہ میں ہی وہاں ایک اخبار
خبر لیا۔ یہ ایک تجارتی اخبار تھا مگر آپ نے اپنی افتاد طبع کے باعث
اسے سیاسی رنگ دیا لیکن بات نہ بن سکی۔ لہذا آپ نے اس کو چھوڑ
نقائص کا ڈیکلریشن لیا اور باقاعدہ ایک سیاسی اخبار نکالنے لگے
انھیں دنوں میں کانپور محل بازار میں مسجد کا منگنا مہوا۔ انگریزوں نے
مسجد کو شہید کیا۔ نقائص نے بڑھ چڑھ کر
حصہ لیا جس کی وجہ سے تنہا مقبول ہوا کہ سارے ہندوستان
میں نقائص کی دھوم مچ گئی۔ انگریزوں نے سب صوبوں میں اس کا دھڑ
منہ بے قرار دیا۔ اور برٹش گورنمنٹ کی تمام نشیروں میں اس کو مذکر کرنے پر
تل لگائی بننا صاحب نے بھی رنج بدلا۔ نقائص کو چھوڑ کر "رہبر"
کا ڈیکلریشن لے لیا اور وہ کام جو نقائص کو رہا تھا وہی کام رہبر نے
سارے ملک میں کرنا شروع کر دیا۔ اب حکومت مجبور ہو گئی۔ چھاپہ مارا،
اخبار ضبط کر لیا گیا۔ اور فنا صاحب کو دوبارہ پھر سی۔ آئی
ڈی کی حراست میں جلال پور نظر بند کر دیا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے
بعد یہ نظر بندی ختم ہو گئی۔ آپ لاہور تشریف لے آئے اور لاہور
چھاپہ ڈپری کے کسی نسل میں بطور پمپر ملازمت کر لی بعد میں کشمیری میگزین میں
بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر کام کرنا شروع کیا کچھ عرصہ بطور ایڈیٹر
سہی اسی اخبار میں کام کرتے رہے آخر فروری ۱۹۱۹ء کو اس نظر بندی

سے کی رہائی ہوتی لیکن بنگال جانے کی حماقت کر دی گئی یہ ملاحظہ ہو
 مہفت روزہ اخبار کشمیر کی بگڑی لاہور، برنولی ۱۹۱۹ء اہل بیت محمد دین
 فونی مرحوم (سیر شاہ صاحب نے کافی مالی مصائب اٹھانے کے بعد
 سیاست کا ڈکٹریشن لے لیا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۱۹ء کو سیاست
 کا اقتدار شروع ہوا۔ اور پہلا پرچہ ۲۸ مارچ ۱۹۱۹ء کو شائع ہوا۔ مہفت
 روزہ اخبار کشمیر بگڑی، رابرٹیل (۱۹۱۹ء) مسلمان قوم کا یہ جریدہ
 سپر لیڈ ہے جو شوق و قدس لد آف و تاب سے جلتا رہا اور اس اسلامی
 جریدہ نے وہ وہ خدمات ادا کرنا نیاں پیش کیں جو شاید ہی کسی اسلامی
 جریدہ کے حصہ میں آئی ہوں۔

سحر یک تندگی اور سیاست | مہندوں نے ایک شریک شروع کی
 جس کا مقصد مسلمانوں کو متحد و بنا تھا
 کہ مسلمان طبقہ اب بھی تھا جو تھے تو مسلمان لیکن ان کی حرکات اور
 اد نام وغیرہ سب مہندہ تھے، مثال کے طور پر جہاں ناما جہنگ
 جی بہادر دلی ریاست احمد ملک بھارت، جو تھے تو مسلمان لیکن نام
 مہندہ تھے تھا بعد میں ان کا نام مسلمان طریقہ پر نواب نصر احمد خاں
 رکھا گیا، ان کی لائسنس آمد پر مذہب دلائل لائسنس کے ایک لاکھ چوبیس
 ۱۴ مارچ ۱۹۲۰ء کو نکالا۔ جس میں خواجہ حسن نظامی
 صاحب اور دوسرے بزرگ بھی شامل تھے۔ جب یہ مجلس و فیر
 سیاست کے پاس پہنچا تو مجلس میں شامل بزرگوں کی چاہے پانی سے
 توافیق کی گئی اور اس مجلس کا استقبال جناب شاہ صاحب لد آپ کے
 برادر اخگر سید منایت شاہ صاحب نے خود کیا، یہ انھوں نے اسلامی کا

فدیہ منیہا فعالیت کو لیک آئیکھ نہ بھایا کیونکہ ان کے نزدیک شادی کی طرح برائیکے زبردست چم کا تھا اسی لئے ان ہندوے فاقرم کے نامہ نگار نے قناہ صاحب سے بین چار سوال کے شخص کا جواب قناہ صاحب نے دیا لیکن ہندوے ملام نے وہ جواب تو اخبار میں شائع نہ کئے البتہ انہی طرف سے کچھ قناہ صاحب سے منسوب کر دیا جس کے نتیجہ میں قناہ صاحب نے خود سیاست کے ذریعہ ایسے و فطال شکن نقد ایسے تا برا توڑ حملے کئے کہ پھر کسی اخبار کو رد مقابل آنے کی جرأت نہ ہوئی (ملاحظہ ہو بعد نامہ بیانت

۱۲ مئی ۱۹۵۷ء)

سفر حجاز | بن سعود والی حجاز برسر اقتدار آئے تو انہوں نے مغربوں کو سارکنا شروع کر دیا۔ ان کی اس حرکت سے تمام عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی، اسی عرصہ میں ایک جماعت خدام الحرمین بنی جس کا اجلاس یمنی میں ہوا اس کمیٹی نے قناہ صاحب کو صمد چنانہ وفد کا لیڈر بنا کر حجاز روانہ کیا تا کہ قوم مسیح حالات سے آگاہ ہو۔ سعودی گورنمنٹ نے آپ کو ہر طرح اپنے قلم میں ہمواد کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن یہ اللہ کا بندہ نہ بکتا تھا اللہ بگا حتیٰ کہ ابن سعود نے آپ کو فوراً لم ۲ گھنٹے کے اندر اندر ملک سے نکل جانے کے لئے کہا جس کے جواب میں آپ نے کہا کہ میں یہ ملک ایک لمحہ میں چھوڑ سکتا ہوں لیکن شریعت کے فطالت کوئی چیز نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں اگر ملک کے سامنے بددیوبار سیاست صیغ رورٹ پیش کی، جو اصل مامعات تھے پیش کئے جو سعودی حکومت کے سر اسر

خلاف تھے۔ اور اس رپورٹ کے بھی خلاف تھے جو مولانا ظفر علی خاں
ان سے پہلے بذریعہ زہنیدارا پتے سفر سجاز کی دالپی پر ۱۹۶۶ء
میں پیش کر چکے تھے۔ دراصل مولانا نے بھی اصل واقعات کو
سیلک تک نہیں لائے تھے۔ - آپ نے شیخ سنوسی کے ہاتھ پر بیعت
کی تھی اور مہندہ خان کی خلافت بھی آپ کو مرحمت ہوتی تھی لیکن یہاں
اگر آپ نے سلسلہ پیری مریدی اختیار نہیں کیا۔

قوت الہیانی | ایک دفعہ آپ کو گرفتار کر کے بلدیہ کار خانگہری لے
جایا جا رہا تھا۔ کہ راستے میں عصر کا وقت ہو گیا
آپ نے نماز ادا کرنے کے لئے ہمراہ ڈیوٹی انسپرے کہا کہ گاڑی چند
منٹ کے لئے روک لی جائے تاکہ نماز ادا کر لوں۔ لیکن پولیس
انسپرنے انکار کر دیا سارے کہا کہ ہمیں حکم ہے کہ غروب سے پہلے
خانگہری پہنچا دیا جائے۔ آپ نے اپنے ایک دوست کو بتایا کہ میں نے دل میں
اپنے رب سے کہا کہ میں نماز ادا کرنا چاہتا ہوں لیکن تو دیکھ رہا
ہے کہ یہ ظالم راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں مجھے تلے کہ جوں ہی یہ خیال
میرے دل میں گزرا۔ کار ایک جھلکے کے ساتھ رکی میں نے فوراً اتر کر
نماز کی نیت کر لی اور جب آرام سے نماز ادا کر چکا تو موٹر بھی
ٹھیک ہو گئی۔

ایک دن ایک صاحب سے
پرستش ہو رہی تھی، کہنے لگے، لو، سنو میں
کے متعلق آپ کو بتانا ہوں، فرما نے لگے میں تقسیم ملک کے بعد متلا
گیا، معیار صاحب امرتسر کے پاس سے گزر رہا تھا کہ نماز ظہر کا

وقت ہو گیا۔ ہر طرف سکیم ہی سکیم تھے عقل اور دل کی شکوہ و فریاد
 ہو گئی عقل نے کہا کہ ہاں ناز نہ پڑھو، کہیں سکیم میں نہ قتل کرنے
 دل نے کہا کہ آج تک تو کسی سے نہیں ڈرا اب کیوں ڈرتا ہے
 ہمارے سامنے کیا جواب دے گا۔ حفاظت کو نہ والا وہ رب ہے
 یا تیری یہ عقل۔ سوں ہی یہ خیال دل میں گزرا، میں نے دربار
 صاحب کے حضور سے رہنما پڑھی نہایت باندھ لی اور اطمینان قلب
 سے پڑھی اور مرے کی بات یہ ہے کہ جتنا مزہ اور لطف مجھے
 اس سار میں آیا وہ پھر کبھی میسر نہیں ہوا سکیم مجھے دیکھتے تھے اور
 جید پختے، وہ کہ وہ سمجھو لو پھر وہ آپ پر عادی ہو چکے گا، اور
 ایسی سواری کرے گا کہ آپ کا اس سے جھکا رہو گا ہی نہیں
 اور اگر آپ اپنے آپ کو ہڈا کے سپرد کر دیں گے تو سچوہ ایسا غائب
 ہو گا کہ جیسے گہ سے سرے سینک۔

دستی کا معیار آپ مرزا بشیر الدین محمود مرحوم امیر جماعت
 تادیابی سے خاص دوستوں میں سے تھے
 بہ اکثر آپ کی مالی امداد بھی کرتے تھے جس کا اعتراف خود موصوف
 نے اپنی تصنیف (عقوبت قادیان) میں کیا۔ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اصل
 میں یوں لکھی گئی کہ میرزا طبری ضروری میں کسی صاحب نے قادیان
 کے خلاف سیاست نہیں متغیر نہ تھے کہ یا جس کا مجھے افسوس ہوا
 لیکن میں ابھی اس مسئلہ کو بند کرنے اور باز پرس میں ہی تھا کہ ایک
 تادیابی دوست میرے پاس آئے اور تادیابی جماعت میں داخل
 ہونے کی دعوت دی، میں سکرا دیا اور کہا تو پاگل ہو گیا ہے۔

مذہب اور وہ بھی اسلام کبھی نہیں جھوٹا سکتا، دوستی لیکر علیحدہ چیز ہے اور
 حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بہت ارفع ہے اب تو ہم اس کے بار میں گفتگو
 کی ہے آئندہ کبھی جنت کو یہ قوت دی جاتی ہے تھی جس نے دوستی پر
 ایمان کو ترجیح دی، تو نیا درجہ جاہ پرست ان کو کیا کچھ نہیں کرتا۔
 آپ کے ایک دوست بیابا میں تھاکر
لاہور جیل اور نمازی عید
 تحریک کے دوران میں بھی جیل کی چار دیواری
 میں بند کروا گیا۔ عید آئی سب خاک سوں نے مشورہ کیا کہ عید کی نماز
 باجماعت ادا کی جائے۔ اہم کی عزت در پیش تھی، خوش قسمتی سے
 شاہ صاحبان دونوں لاہور جیل میں ہی تھے۔ میں چند ساتھیوں کے
 ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا بیان کیا۔ آپ نے
 فرمایا کہ آپ خاک میں ابد میں کاٹھولیں سے نطق رکھتا ہوں اور
 ہر کچھ سوچ کر کہنے لگے، اچھا میں کوئی شے کرتا ہوں اسے میں دارو
 جیل آگیا، آپ نے اس سے کہا کہ مجھے باجماعت نماز ادا کرنا چاہتے
 ہیں۔ اس نے جب شاہ صاحب کی مرضی دیکھی اور خوشی سے اجازت
 دے دی شاہید ہندوستان کی تاریخ میں گورنمنٹ برطانیہ کے عہد کی یہی
 ایک نماز عید ہے جو جیل کے اندر باجماعت ادا کی گئی۔ یہ وہ نماز عید
 ہے جس کو غالباً "حسرت سولہ فی مرقوم نے نظم کیا تھا،
 عطار اللہ شاہ بخاری رو رہے تھے نکات کا ماہہ سعودی گورنمنٹ
 سے کہا اور جب یہ خبر لاہور پہنچی تو عطار اللہ شاہ بخاری نے زار زار
 مدنا شروع کر دیا۔ بس رو رہے تھے لیکن بتائے کچھ نہ تھے

اسی اثنا عشر شاہ صاحب بھی وہاں آ گئے اور پوچھنے لگے، بخاری
یوں نکلے ہے پر۔ لیکن بخاری صاحب کی سبکی بخاری ہی تھی جب
خلعہ صاحب نے دوبارہ استفسار کیا تو بخاری صاحب نے روتے
ہوئے کہا کہ انگریزوں نے سعودی گورنمنٹ سے تیل نکالنے کا معاہدہ
کر لیا ہے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ اس میں مدنے کی کیا بات ہے
تینے لکھے اور بے سبائی یہ اس بیانے حجاز میں داخل تو ہو گئے ہیں
مجھے ڈر ہے کہ کہیں حضور معلوم کے جسم مبارک کو جوہری نہ کر لیں جیسا کہ
یہودیوں نے کیا تھا۔ کتنا عشت تھا بخاری کو حضور معلوم سے یہ سنا
تھا کہ شاہ صاحب نے خود کہا، بخاری مجھے تیرا ایمان کمزور معلوم
ہوتا ہے تو اس کا علاج کروا۔ بندہ خدا، ادہ حبیب خدا ہیں۔ ان
کی حفاظت خود رب جلیل کرے گا۔ نہ تو کر سکتا ہے نہ میں ادہ نہ کوئی
ادہ بخاری روتے ہوئے فوراً جیب ہو گئے اور کہنے لگے حبیب
تو یہی کہتا ہے ان کی حفاظت خود رب کبہ کرے گا آج کئے
مسلمانوں دیکھو ان دونوں نے گوں کو رسول با شعی سے کتنی عقیدت
تھی اور دونوں کا ایمان اپنا اپنی جگہ کتنا مضبوط تھا۔

خدمت قرآن آپ کو قرآن مجید نفاق حمید سے عشق تھا آپ نے
بدرجہ سیاست مورخہ ۱۲۲۵ ہجری ۱۲۸۴

انجمن حمایت الاسلام سے مطالبہ کیا کہ ایک صبح قرآن محبت کے ساتھ
شائع کریں۔ چنانچہ آپ کے اس پرزور مطالبہ نے پیش نظر انجمن حمایت
اسلام نے وہ قرآن ۱۲۵۴ ہجری میں شائع کیا اور ساتھ غالباً یہ اعلان
کیا کہ جو کوئی اس میں غلطی نکالتے گا فی غلطی ایک اشرفی انعام

دیا جائے گا۔ لہذا ۲۴ زید زبر کی غلطیاں نکلیں یہ آپ کے قدر عشق
قرآن کا ثبوت ہے جس نے اجماع کو ایسے قرآن کریم شائع کرنے
پر مجبور کیا جو صحت کے لحاظ سے ہر طرف ٹھیک تھا۔ آپ نے
جتنے بھی سیاسی اخبار نکالے سب میں روزانہ قرآن کریم کی ایک
آیت کریمہ کا ترجمہ بمع ایک عدد حدیث رسول کے ساتھ زیر عنوان
(سیاسی خدا کی پوری باتیں) شائع ہوتا رہا۔

نذیبی علمیت | جہاں تک مذہبی علمیت کا تعلق تھا آپ کا مقام
اس میں بھی بہت بلند اور اعلیٰ پائے کا تھا۔ ہر
فروری ۱۹۳۴ء کو بریلوی اور دیوبندی حضرات کے درمیان مناظرہ
ہونا قرار پایا۔ دیوبندی حضرات کی طرف سے مولانا اشرف علی تھانوی
نے شرکت کی تھی اور بریلوی حضرات کی نمائندگی مولانا احمد رضا خاں
کے بیٹے مولانا حامد رضا خاں نے کرنی تھی۔ ہر دو حضرات نے شاہجہاں
کو اپنا منصف ٹھہرایا۔ آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس کو
بریلوی اور دیوبندی حضرات منصف ٹھہرائیں وہ خود کتنی علمیت
کا مالک ہوگا۔ کیونکہ فیصلہ خود ہی ہے جو خود صاحب علم کریں۔

نور اور مالک | مسجد شہید گنج کے محکمہ کے دوران شاہ صاحب
اور مولانا ظفر علی خاں گورنمنٹ ہاؤس گئے جاتے ہی
گورنر امرسن اور مولانا سید حبیب کی سبواب ہو گئی رمضان کا مہینہ
نصاحب افطار کا وقت قریب آیا تو شاہ صاحب نے کہا۔ امرسن
افطار کا بندوبست کرو، گورنر پہلے ہی غصہ میں سبھا بیٹھا تھا
کچن لگا وہ لگا لگا ہے روزہ افطار کر لو، شاہ صاحب نے

غصہ میں کہا کہ ڈائریٹمنٹ الائنس کہاں۔ یہ اس پر امرسن لہریخ پا
 ہوا۔ اندر گئے لگا کر تم کو مل ہو پوچھنے والے شاہ صاحب نے بے لطف
 کہا کہ میں قوم کا لیڈر ہوں اور تم شخص ہمارے نوکر ہو، رویہ ہمارا ہے
 ملک ہمارا ہے اور سمجھتے ہو کہ اسے جس کو کہہ رہے ہو وہ صاحب پوچھ
 سکتا ہوں۔ شاید بات اور بڑھ جاتی لیکن مولانا ظفر علی خاں نے
 یہ رنگ دیکھا تو موقع کی نزاکت کو سمجھ کر فوراً اٹھے اور نہ صاحب
 کو زبردستی سزا دے کر باہر لے آئے۔ یہ بھی حراتِ خدا سے ملتا مولانا
 حبیب کی جس کو ان سے بدترین دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں (یہ معلوم
 ہوتا ہے کہ ماؤں نے ایسے بے باک صحافیوں کو جنم دینا ہی بند کر دیا
 یہ بہ کاخِ برمودہ صحافی بنیں سیکھیں اور حق بات کہنے سے محروم نہ رہیں
 غور کیا گورنر نے کہا کہ میں کوئی جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔
 مولانا ظفر علی خاں نے بہت کہا کہ شاہ جی جانے دیں معاملہ کو۔ لیکن
 شاہ صاحب جہاں مانتے والے تھے۔ گورنر اٹھ کر چلا گیا۔ یہ بھی
 دایس لوٹ آئے دفتر آکر شاہ صاحب نے اسی وقت واقعہ کو
 پوری تفصیل سے ریاست میں شائع کیا جس پر صوبائی حکومت نے ایک
 اعلانہ شائع کیا اور اس واقعہ کو دوسرے رنگ میں پیش کرنے کی
 کوشش کی یہ اعلانہ کیا تو شاہ صاحب نے اس کی تردید کی خبر شائع
 کی جس کا عنوان تھا گورنر نے جھوٹ بولا " اگلے دن پھر ایک
 پریس نوٹ جاری ہوا۔ تراجم جب نے اس خبر کا عنوان دیا گورنر
 نے پھر جھوٹ بولا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں اور
 نہ ہی بتانے کی ضرورت ہے۔

جذبہ خدمتِ خلق ۱۵۵۰ء کی بات ہے۔ آپ کا لو کہ آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آبا اور کھنے لگا کہ فلاں اذہم نے مجھے بہت تنگ کر رکھا ہے خدا میری مدد کریں اسے کہنے لگے بڑا ذتر چاڑ میں دس بے وہاں پہنچ جاؤں گا جب وہ شخص چلا گیا۔ تو دکر نے کہا شاہ صاحب آپ یہ پوچھتے ہی نہیں کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو بس ہر ایک کے ساتھ چل دیتے ہیں۔ سدا کر کہنے لگے بیٹا میرا کام پوچھنا نہیں بلکہ میرا کام ساتھ چلنا ہے۔ کام تو خدا نے کرنا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ شخص جو یہ امید لے کر میرے پاس آیا ہے کہ شاہ صاحب یہ کام کر دے گا میں میں اسے مایوس و نادول۔ میں خدا کے سوال سے ڈرتا ہوں کہ میرا بندہ تیرے پاس گیا کہ تجھ سے امداد حاصل کرے لیکن تو نے منکر کیا اور اس کے ساتھ نہ گیا، سو بیٹا کام تو خدا نے کرنا ہے میں تو اس سوال سے بچنے کے لئے جاتا ہوں۔ اگر میری وجہ سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے تو اٹھا لے۔ آہ، اب ایسی شخصیتیں تو چراغ لے کر دھونڈنے سے کسی نہیں ملتیں۔ مولانا سائل مرحوم اگرچہ آپ کے پاس کی حریف تھے اور شاہ صاحب کی وفات کے بعد ہی ان کی تدبیر کرنے سے باز نہیں رہے۔ بہادر و متین مرنے کے بعد جھگڑا ختم کر دیتا ہے۔ لیکن سائل صاحب نے اپنی کتاب بیان کہیں میں باوجود شاہ صاحب کے خلاف لکھنے کے یہ لکھنے سے باز نہ رہ سکے، اب بھی بہت سے گورنمنٹ سرورٹ ایسے ہیں جو یہ حلیہ کی بدولت دفتروں میں نظر آ رہے ہیں۔ شاہ صاحب عوام میں سے تھے اور عوام ہی

کے تھے۔ جو کوئی ان کے پاس آگیا، اس نے شاہ صاحب کو امداد پر کمر بستہ پایا۔ چاہے وہ ناکہ کا کوچوں ہی کیوں نہ ہو۔ مالک صاحب نے یہ فقرہ لکھ کر اپنی ساری تحریر پر خود ہی پالی پھیر دیا۔
وصاف ظاہر کرتا ہے کہ شاہ صاحب ایک مخلص انسان تھے لاپٹے طبع اور دماغ سے بالاتر۔

سیاست کی موت میں سرکندر | سردار سرکندہ جیات مرحوم لعدشاہ
کا حصہ ۹ | صاحب دونوں نرنگوں کے درمیان
اجبی غامی دستی تھی اس دستی کی

نیا پر سردار صاحب نے شاہ صاحب سے نیجاہ پہلی کے لئے کھڑا
منوئے کو کہا۔ شاہ صاحب بطور امید دار کھڑے ہو گئے۔ سد مقابل
ڈاکٹر عالم تھے، وہ شاہ صاحب کے پاس آئے اور نام واپس لے لینے
کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے کہا کہ سردار صاحب کے ایثار
پر چھڑا ہوا ہوں، اگر وہ مجھے کہیں تو میں نام واپس لے لوں گا۔
ڈاکٹر عالم سردار صاحب سے بھی ملاتی ہوئے اور صورت حال سے
آگاہ کیا۔ سرمد صاحب غور مصیبت میں پھنس گئے۔ خبر دستی میں
سب کچھ ردا ہے۔ اگر حرات سے کام لیتے تو شاہ صاحب کو دستی
کی آڑ میں اپنی بات منوا سکتے تھے۔ لیکن سردار صاحب خود تو شاہ
صاحب کے نام واپس لینے کے بارے میں نہ کہ سکے شاید عدہ خلافی
اور حسد و حسد صاحب سے خوف بسیار البتہ الیکشن میں کسی سیاسی
مسئلہ کی بنا پر ڈاکٹر عالم مرحوم کی مدد کرنے کا وعدہ کر لیا جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ تمام حکر منٹ کی منتزعی ڈاکٹر عالم کی پشت پناہ پر آئی۔

اردوہ کامیاب ہو گئے۔ اس وعدہ خلافی کا ثبوت رولینڈ کے ایک
 ہندو ڈی، اٹلی پی نے شاہ صاحب کو فراہم کیا۔ یہ وعدہ خلافی
 شاہ صاحب کے نزدیک غداری اور ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ اس
 معاملہ میں رہتی بجانب تھے۔ وہ سردار صاحب کو کیسے بخش دیتے۔
 سیاست میں سردار صاحب کے خلاف دھڑا دھڑا آرٹیکل لکھنے
 شروع کئے۔ یہ جیسے کچھ اس نوعیت کے تھے کہ سردار صاحب کے
 لئے بھی ناقابل برداشت تھے۔ چنانچہ سردار صاحب نے مولانا
 ظفر علی خاں (زمیندار) جو ان دنوں سرکاری اہم اہل اسے بھی تھے
 اور عبدالمجید مالک (القلاب) یہاں سے تھے۔ ان کے میدان کارزار
 میں لائے۔ لیکن یہ دونوں حضرات بھی سیاست کی تلوار بے نیام
 کے مقابلے پر نہ پڑ سکے اور جلد ہی کھٹے ٹیک گئے۔ شاہ صاحب
 کے قلم کو اگر میں شدید طغیانی سے تشبیہ دوں تو زیادہ سوزوں ہو گا
 جب کہلنے لگے تھے تو جس طرح شدید طغیانی جو کچھ سائے آئے بہا کر
 لے جاتی ہے، اسی طرح شاہ صاحب کا قلم جو بھی سائے آیا ایسے
 رگڑتے تھے کہ وہ بارہا سائے اٹھنے کی ملکیت ہی نہ رہتی اس کی یہ جنگ
 جاری تھی کہ میرٹھ کے نواب اسماعیل مرحوم اور پنڈی کے سر قلوب الدین
 مرحوم اور چندا در بزرگوں نے

مل کر سردار صاحب اور شاہ صاحب کی، شاہ صاحب کے مکان
 پر مسلح کرائی۔ لیکن دیر پا ثابت نہ ہوئی
 زانی جیش جو دونوں بزرگوں کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی پھر غود
 کرائی جس کا نتیجہ یہ نکلا، سردار صاحب کے پاس سیاست کے

جوں نو بجے ہی نہیں اور اگر سردار صاحب خان صاحب پر مقدمہ کرتے
 تیار صاف تھی۔ لہذا انہوں نے اس عدالت کے جج کے لئے کو ختم کرنے
 کے لئے وقت کا استعمال کیا اور شاہ صاحب سے دس ہزار روپے
 کی ضمانت طلب کر لی جو شاہ صاحب ادا نہ کر سکے۔ اور یہ اسلامی جریہ
 جس نے بڑے بڑے مو کے سرے سے چھوٹے سے بند ہو گیا۔
 گورنر صاحب نے انہوں میں سیاست کی موت واقع ہو گئی۔ کیونکہ
 یہ اسلامی جریہ بند ہونے کے بعد دوبارہ نظر نہ ملتا۔

اور یہ نتیجہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ شاید وہاں جس کے بارے میں کسی نے
 کچھ سنا ہے۔ باطل سے دینے والے ایسے آسمان نہیں ہم
 سو بار کر دیا ہے تو اس میں ہمارا

شاہ صاحب اس نثری تعبیر سے آمدنی شہر سب کے سرور پر
 سر رہا۔ شاید ہی کوئی مائی کالال ایسا ہو گا جس نے اصول کی
 خاطر ایک وقت صوبہ کے اعلیٰ ترین ہستیوں سے جنگ کی۔ شاہ صاحب
 بہت بات چیت سے عادی تھے۔ گورنر افسر کو کہتے ہیں۔ گورنر
 نے حبیب بولا۔ جب وہ تروید کرتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ گورنر نے
 پھر جھوٹ بولا۔ سرگندر کو سٹر ایکڑ بنڈ۔ یا کاسٹو کا الو، اور
 دان کے جاٹ کا نام دیتے ہیں اور جیف جیس جی ایم بینک کو نا انصاف
 ٹھہراتے ہیں اور اس کے خلاف آرٹیکل لکھا لکھنے کا عنوان تھا
 پنجابی انصاف کے لئے کہاں جائے۔ ان تینوں اعلیٰ ہستیوں سے
 بینک وقت جنگ کرنا ان ہی کا دل گردہ اور ان ہی کا حصہ تھا، یہ
 جانتے ہوئے بھی کہ اس جنگ میں سر اسرقضان بے لوث تھی

لازی ہے چور بھی جنگ جاری رکھی۔ لیکن دلائل کے ساتھ جس کو دشمن
سبھی تسلیم کرتے ہیں، دنیا میں ایسے بہت کم حق گو ایسے ہوئے
میں جنہوں نے اصول کی خاطر جنگ کی اور تباہی و بربادی کو لبیک
کہا۔ اور رہتی دنیا تک اپنی شان ہمیشہ کے۔ راجپوت محوڑ محوڑ

دارا دکندر سے وہ مرد فقیر دلا
جو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیریں کو آتی نہیں رو بای

آج اگر کسی کا کوئی سیاسی حریف مر جائے تو دوسری
پارٹی خوشی مناتی ہے لیکن جب سکندر حیات

فراخ دلی

مرحوم فوت ہوئے۔ لوگوں نے شاہ صاحب سے کہا کہ سر سکندر حیات
فوت ہو گئے ہیں، فرما نے گلے اس کے فوت ہونے کی مجھے کوئی
خوشی نہیں کیونکہ مرنا چھو کو بھی ہے البتہ مجھے افسوس ہے کہ اب
میں رٹوں گا کس سے، کیونکہ اب وہ ایسی جگہ چلے گئے ہیں جہاں
سے کبھی کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔ لہذا ہماری آج سے ان کے بارے
میں تلخی جنگ بند سمجھو اور سچرا اپنے اصول کو مرتے دم تک نبھایا
سیاست کے بعد پیغام دیا یا اور غازی نکالار۔ لیکن سیاست
جیسا رنگ نہ آیا۔ آپ کا آخری اخبار غازی جو مرتے دم تک
نکالتے رہے۔ آپ خود بھی صحافت کے غازی تھے اور غازی کا
دوسرا مقام شہادت ہے، سو آپ نے بھی یہ شہادت ادا کر دی
۱۹۵۷ء کو رات کے تین بجے نبول کر لی، خدا کا یہ نیک بندہ

جب گورنمنٹ نے دیکھا کام ایس بٹ تو مجبوراً ادگوئی کوہ پر سے تبدیل کر دیا۔

آخری جیل آخری بار آپ کو جولائی ۱۹۶۱ء میں ۱۶ ڈیفنس آن انڈیا ایجنٹ کے تہمت گرفتار کیا گیا۔ ۱۹۶۱ء کی صبح کو ڈسٹرکٹ جیل گورنر ہال سے رہا کیا گیا۔ الفقید امیر کے

اگرچہ حکم ہزارہ احمد ابوالیاض) اس قید کے دوران جب

معرض علاج ۱۳ مارچ ۱۹۶۲ء کو سہ ہسپتال میں آئے تو آپ کے انگریز دوست سٹر کھنڈ کنگ ایم اے، آئی ایس کنگز لاہور ڈویژن سے آپ کو پھولوں سے گلہ سے پہنچائے۔ جس شاہ صاحب انگریز کے دشمن بنے وہاں انگریز دوست بھی رخصتے تھے

سہ ہسپتال میں علاج کے دوران یہ ڈاکٹر صاحبان آپ پر معزز ہوئے اور انھوں نے ہدایت توجہ سے آپ کا علاج کیا۔

۱۔ ڈاکٹر نسیم احمد سکھو دے گئے

۲۔ میجر شبیر جگ

۳۔ کرنل مارجو۔ ڈاکٹر منشی لال ڈاکٹر تے ای مدن رائے

بواسیر، زبرد علاج ہوئے سر جین ڈاکٹر اندریت ڈاکٹر

پودن شکو، ڈاکٹر رام جی داس اور ڈاکٹر عبدالحق میڈیکل سپرنٹنڈنٹ

تھری جب جی سراس میں تھے صاحب نے

آپ کی تصنیفات سبھی کی پہلی کتاب کا اردو اخبار میں ترجمہ کیا۔ باہا قافلے کے بائے ہیں سمجھتے ہیں کہ میں قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکا

تہ صاحب نے دیکھ میں لکھا ہے کہ لایا ناکہ صاحب نے قرآن کو
 سمجھنے کی کوشش کی، نہیں کی۔ ورنہ وہ ایسا نہ کہتے یہ کتاب مکمل
 میں بہت مقبول ہوئی (۲) مدیہ مئی باز بہار (ناول) اس میں
 وکٹن کے مشہور رومان کو بیان کیا گیا ہے (۳) کل ایضاً یہ ڈرامہ
 ہے جو ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا یہ آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے اس
 میں کسدر اور دارا نے حالات میں۔ (۴) ایوم الفتر (ناول) ۲۰ء میں
 ترکوں پر جو جو ظلم ہوئے ہیں بیان کئے ہیں یہ ۱۹۱۳ء کی تصنیف ہے
 (۵) مقدمات یہ حبیب، اس میں رب مقدمات درج میں جو آپ
 پر ہوئے (۶) شریک قادیان، اس میں قادیانی فرقہ کے متعلق
 تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ (۷) آپ نے خدیوَن کی کتاب بگبوت
 گیت کا منظوم ترجمہ کیا ہے جو مندو میں بہت مقبول ہوا۔
 (۸) آپ نے ایک کتاب فوژن لکھی جس میں غید سلمان عورتوں کے
 حالات تھے۔ انجمن حمایت الاسلام نے اس کو شائع کرنے کا وعدہ
 کیا تھا۔ لیکن وہ آج تک شائع نہیں ہوا اور وہ
 اب ہمیشہ کے لئے قلمبند ہے۔ ہے گا۔ مگر نہ اب واصل نہ
 کا ملنا ہو گا جو نے شیر لانے کے مترادف ہے۔
 (۹) آپ نے قرآن کی تفسیر لکھنی شروع کی لیکن ہماری اور مصاف
 نے ان کو نہ چھوڑا کہ اس کو مکمل کر لیتے۔ آپ کی اور بھی بہت سی
 تصنیفات ہیں۔ اگر ان کا سرخ کا۔ تو ان کو بھی منظر عام پر لایا جائے گا
 آپ کی تصنیفات زیادہ جیل کی مرسوں منت میں کیونکہ ذمہ اور
 تصنیف کے لمحات وہاں ہی میر آتے تھے۔ باہر آ کر تو اس قدر

صبرت رہتے تھے کہ پتہ نہیں سوتے کس وقت تھے۔

اقبال مراد آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار اپریل ۱۹۱۹ء کو طبعہ افروز ہوا۔ سرسہ تنہ کو آٹھ صفحات پر نکلتا تھا، مرزا اسماعیل بیگ اس کے مالک تھے، سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔ لکھائی چھپائی عمدہ تھی۔

اخبار اہل وحدت امرتسر نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں اس اخبار پر ریویو کیا تھا۔

”قومی دہلی معاملات پر عملد سخت کرتا ہے اور منہد مسلم اتحاد کا حامی ہے۔ اخبار میں کسی مشہور محب ملک و قوم کی سبق آموز سوانح عمری اسلامی تاریخ سے ماخوذ دلی چپ صفحات، انگریزی اخبارات کے منتخب مضامین اور ریورڈ کی تازہ خبریں درج ہوتی ہیں دہلی سے یہ روزنامہ اخبار سنی ۱۹۱۹ء کو طبعہ بند ہوا۔ چار صفحاتوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر مولانا عارف مسوری دہلی کے لالہ شکر لال تھے سالانہ چندہ تیرہ روپے تھا۔ کانگریس پرائس میں چھپتا تھا۔

یہ اخبار دہلی کی صوبہ کانگریس کمیٹی کا آرگن تھا۔ آزادی اور بلیا کی کے ساتھ لکھتا تھا جون ۱۹۱۹ء میں سنسکر کی ہجراتی کے علاوہ اس سے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی ہے جس کی وجہ سے بند ہو گیا۔

یہ اخبار دوبارہ نومبر ۱۹۱۹ء میں جاری ہوا۔ جس پر اخبار رہنما مراد آباد نے ۸ نومبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں ریویو کیا۔

روزانہ کانگریس دہلی گذشتہ ہفتہ کے سلسلہ میں بند ہونے کے بعد اب دوبارہ جاری ہو گیا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا غازی مہدی سابق ایڈیٹر نقطہ پ میں، اس میں پولیس کی معاملات پر بلند آہنگی سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کی آزاد تحریر سے اس قسم کے مستقل کے متعلق ہمیں اندیشہ ہوتا ہے۔ خدا چاہے وہ سے محفوظ رکھے جو اندیشہ تھا پورا ہوا۔ چشم بد بھی لگا اور اس اخبار کی زندگی زیادہ نہیں ہوئی۔ جلد بند ہو گیا۔

دستور اخبار جلوہ نکل ہوا۔ اس کے صفحات پر شعل شعل مولوی مظہر الدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ حیدر چھپے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ خلافت کی تحریک اور دوسری جنگ عظیم نے ملک میں تلطم پیدا کر دیا تھا۔ اس وقت مولانا مظہر الدین صاحب کی مبارک قلم جوگی نہیں اور دھڑلے سے نکلنے چینی کی، مولانا کو حکومت نے اپنے رعب اور دبدبہ میں دھانا چاہا مگر مولانا کب استبداد کی حکومت سے مرعوب ہو سکتے تھے قلم برابر چلتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبار کی عزت حکومت نے ضبط کی اور اخبار دستور بند ہو گیا۔

۴۲ جون ۱۹۱۷ء کے دو قوانین بدایوں میں اس اخبار کے جاری ہونے کی اطلاع شائع ہوئی تھی۔

مولوی مظہر الدین سابق ایڈیٹر مدنیہ درالست و اسمبلیٹ ایڈیٹر جمہور کی ایڈیٹر میں ادا کی جولائی ۱۹۱۷ء سے بڑی تقطیع سے

مصر دے رہے تھے کہ پتہ نہیں سوتے کس وقت تھے۔

اقبال | مراد آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار اپریل ۱۹۱۹ء کو
جلوہ افروز ہوا۔ سرسہ تنہ کو آٹھ صفحات پر
نکلنا تھا، مرزا اسحاق بیگ اس کے مالک تھے، سالانہ چندہ تین روپے
آٹھ آنے تھا۔ لکھائی چھپائی عمدہ تھی۔

اخبار اہل حدیث امرتسر نے ۳ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے
میں اس اخبار پر ریویو کیا تھا۔

”قومی دہلی مخالفت پر حملہ سخت کرتا ہے اور ہندو مسلم اتحاد
کا حامی ہے۔ اخبار میں کسی مشہور محب ملک و مہمدر قوم کی سبق آموز
سوانح عمری اسلامی تاریخ سے ماخوذ دل چسپ مقالات، انگریزی
اخبارات سے منتخب مضامین اور ریورڈ کی تازہ خبریں درج ہوتی ہیں
ذیلی سے یہ روزنامہ اخبار سی سلاٹھ کو ظہور پذیر
کانگریس | ہوا۔ چار صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر مولانا
عارف مسوی دہشتم لالہ شنکر لال تھے سالانہ چندہ تیرہ روپے
تھا۔ کانگریس پرائس میں چھتا تھا۔

یہ اخبار دہلی کی صوبہ کانگریس کمیٹی کا آرگن تھا۔ آزادی اور
ہندوستان کے ساتھ لکھنا تھا جو ن سلاٹھ میں سنسکرت لکھائی کے
علاوہ اس سے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی ہے جس کی
وجہ سے بند ہو گیا۔

یہ اخبار دوبارہ نومبر ۱۹۱۹ء میں جاری ہوا۔ جس پر اخبار رہنما
مراد آباد نے ۸ نومبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں ریویو کیا۔

روزانہ کانگریس دہلی گذشتہ ہفتوں کے سلسلہ میں بند ہونے کے بعد اب دوبارہ جاری ہو گیا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا غازی موسیٰ سابق ایڈیٹر انقلاب ہیں، اس میں پولیٹیکل معاملات پر بلند آہنگی سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کی آزاد تحریر سے اس کے مستقبل کے متعلق ہمیں اندیشہ ہوتا ہے۔ خدائیم بد سے محفوظ رکھے جو اندیشہ تھا پورا ہوا۔ ختم بد بھی لگا اور اس اخبار کی زندگی زیادہ نہیں ہوئی۔ جلد بند ہو گیا۔

دستور شیرکوٹ ضلع سمجھوتہ کے جولائی ۱۹۱۹ء کو یہ ہفتہ دار اخبار جلوہ نکل ہوا۔ اسے صفحہ پرشتی تھا مولوی منظر الدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ حیدر چوپے تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ خلافت کی ترکیب اور دوسری جنگ عظیم نے ملک میں ظلم پیدا کر دیا تھا۔ اس وقت مولانا منظر الدین صاحب کی مبارک قلم جو کی نہیں اور دھڑلے سے نکتہ چینی کی، مولانا کو حکومت نے اپنے رعب اور دبدبہ میں دھانا چاہا مگر مولانا کب استبداد کی حکومت سے مرعوب ہو سکتے تھے قلم برابر چلتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبار کی ضمانت حکومت نے ضبط کی اور اخبار منقطع ہو گیا۔

۲۴ جون ۱۹۱۹ء کے دو افریقین بدایوں میں اس اخبار کے جاری ہونے کی اطلاع شائع ہوئی تھی۔

مولوی منظر الدین سابق ایڈیٹر مدنیہ رسالت و اسٹینڈ ایڈیٹر جمہور کی ایڈیٹری میں ادا کل جولائی ۱۹۱۹ء سے بڑی تقطیع سے

آٹھ مصلوں پر یہ چینی میں دوبار تاج ہونا شروع ہو گا۔ سالانہ جہد
چھ روپے۔ حکیم مولوی انظار البنی میجر اخبار دستور شیرکوٹ
بجنور سے منگائے۔

مولانا مظہر الدین صاحب آپ شیرکوٹھ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے
آپ کے آباؤ اجداد قصبہ کے معروف و مشہور
ال علم خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم قصبہ کے
مؤدث اتادوں سے پائی اس کے بعد آپ دیوبند چلے گئے اور
مدرسہ دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ اور وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے
آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے
آپ نے اس خیال سے کہ علمی قابلیت بڑھے اور لیاقت و قابلیت
میں اضافہ ہو گا پھر اور علی گڑھ کے مسلم الثبوت اساتذہ مشہل
حضرت علامہ مولانا محمد حسن صاحب کانپوری اور دیگر مشہور آفاق
علماء سے مزید تعلیم حاصل کی۔

آپ کی علمی استعداد اور خدا داد قابلیت کو دیکھ کر مدرسہ دارالعلوم
دیوبند کے منتظم نے مدرسہ میں درس و تدریس دینے کے لئے مقرر کیا
جہاں آپ نے عرصہ تک تعلیم دی اس کے بعد کانپور کے مدرسہ البانیت
میں مدرسہ پر مامور ہوئے۔

مولانا مظہر الدین صاحب کانپور سے ہی خدمتِ خلقی، اور
اسلامی سہاروں کا جذبہ تھا۔ اسی لئے انہوں نے درس و تدریس
سے علمی اختیار کی اور صحافت کے میدان میں کود پڑے آپ کا
تقریر اخبار اہلالِ کلکتہ میں معاون مدیر کی حیثیت سے ہوا، آپ نے

عرصہ تک مکنتہ کے مشہور و معروف حریت پسند اخبار جمہور میں سچی کام کیا جس کی ادارت، تاضی عبدالغفار صاحب کرتے تھے اخبار مدینہ بجنور سے مالک مولوی مجید حسن خاں صاحب نے مولانا کی ذہانت اور لکھ کر دگی کی تعریف سنی تو آپ کو اخبار مدینہ کی ایڈیٹری کے لئے بلوایا اس زمانہ میں اخبار مدینہ کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ مولانا کی زور قلم کا نتیجہ تھی۔

مولانا مظہر الدین صاحب نے بجنور سے ۱۹۱۹ء میں اخبار دستور جاری کیا۔ اس کے بعد لکھنؤ گئے اور مشی عبدالحکیم صاحب رئیس لکھنؤ کے مشورے سے ایک ہفتہ وار اخبار فرکانے کی تجویز ہوئی، اخبار کے جاری کرنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کو فراہم کرنے میں مشی صاحب نے حسب حیثیت مدد کی، اخبار کا نام شاہ زمانہ اللہ خاں صاحب سابق دلی انتظام کے نام کی مسابقت سے اخبار الامان رکھا جو ۱۹۱۹ء میں وجود میں آیا۔ اس اخبار کے شائع ہونے سے جہاں اخباری دنیا میں ایک ہفتہ وار اخبار کا اضافہ ہوا وہاں عوام میں بھی ایک زندگی پیدا ہوئی اور شعور بے پی دنوں میں یہ اخبار عوام میں مقبول ہو گیا اور جب اس نے شہرت حاصل کر لی تو ہفتہ وار کے بجائے ہفتہ میں دو بار کر دیا۔ ایک اخبار کا تنظیم کے لئے جو فرائض حاصل ہونے چاہئیں اس کے لئے لکھنؤ موزوں جگہ نہ تھی اس لئے مسیح الملک جناب حکیم رحیل خاں صاحب کے مشورہ سے مولانا نے ۱۹۲۲ء میں دفتر الامان دلی میں منتقل کر دیا۔

ہفتہ دار اخبار میں تازہ تازہ نو خبریں شائع نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ ہفتہ دار اخبار خبروں کے لئے نہیں بلکہ خیالات کی ترجمانی کے لئے ہوتا ہے۔ اس بنا پر ہندوستان کے علوم کو دنیا کے اسلام کی اور ہندوستان کی خبروں سے باخبر رکھنے کے لئے آپ نے اخبار وحدت جاری کیا اخبار الامان وحدت اس قدر مقبول ہوئے کہ ان کا حلقہ علی الصباح ان کے دیکھنے کے انتظار میں رہتا تھا۔ اور جس وقت تک ان اخبار کو پڑھ نہیں لیتا تھا ان کو اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

خلافت کیٹی کو فوت دینے والے اور ان کا پیردھیکندہ کرنے میں مولانا منظر الدین صاحب اور ان کے اخبار الامان وحدت کسی اخبار سے پیچھے نہیں ہے۔ مولانا نے کل منہ خلافت کیٹی قائم ہونے کے بعد بخیر میں خلافت کیٹی کی تشکیل کی جس کے صدر مولانا منظر الدین صاحب منتخب ہوئے اس ضلع کی تحریک کا از صوبہ لوی پر رہا۔ اور تھوڑے دنوں میں ہی ضلع بخیر کی خلافت کیٹی کے ہر فرد کو روئے خلافت فنڈ میں بھیجا۔

مولانا منظر الدین صاحب نے دسے درے اور سخی سلم لیگ کی خدمت کی ان دنوں اخبار الامان وحدت سلم لیگ کے پیردھیکندہ کے لئے وقف تھے۔ مولانا آل انڈیا سلم لیگ کے اجتماعات ہی میں نہیں بلکہ بہت سے صوبائی، ضلعی اور دیہی اجتماعات میں شرکت کرتے تھے اور سلم لیگ کی تقویت والے کام میں حصہ لیتے تھے آپ آل انڈیا سلم لیگ کے ممبر تھے۔ ضلع سلم لیگ، اور لوی سلم لیگ صوبہ کی کونسل کے ممبر تھے اور جمینہ اعلیٰ کے جنرل سکریٹری تھے۔

مولانا مظہر الدین صاحب دومرتبہ اپنے شوق و محبت اور ادائے
 زہنیہ کے خیال سے زیارت حرمین شریفین گئے گئے آپ کا حجاز مقدس
 میں بے حد احترام کیا گیا اور سلطان ابن سعود والی حجاز نے ان کو
 یہاں بنا کر عزت بخشی، اس کے بعد ۱۳۳۷ھ میں فلسطینی کانفرنس قاہرہ
 مصر میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے
 اور اس کے خرچ کا بار ایک ہزار روپے سے زیادہ مولانا نے خود ہی
 برداشت کیا پھر مولانا نے مالک اسلامیہ شام عراق اور لبنان کی سیاست
 کی اور دہائی کے مسلمانوں کو ہندوستانی مسلمانوں کے حالات و سیاست
 سے آگاہ کیا۔ ان مالک میں مولانا کا جو احترام اور خدمات کا اعتراف
 کیا گیا وہ وہاں کے اخبارات میں شائع ہوا۔

مولانا نے مجاہدین فلسطین کی مدد دی کے خیال سے دمشق،
 مصر، حلب و شام، اور دیگر مقامات مقدسہ کا سفر کیا اور اپنے
 ذاتی مشاہدات و حالات سے ہندوستان کے مسلمانوں کو فلسطین کے
 واقعات و حالات سے باخبر کیا۔

مولانا نے ایک درس گاہ شیرکوٹھ میں دینی تعلیم دینے کے لئے
 قائم کی تھی اس کے مصنف کے وہ خود کفیل تھے آپ ایک بلند پایہ
 اور اخلاق کے مجسمہ تھے، متواضع، مہمان نواز، دوستوں کے ساتھ
 رفاقت کرنے والے عزیزوں کو نوازنے والے اور غریبوں کے
 امداد کرنے والے تھے، آپ صاحب تقاضا تھے جن میں آپ
 کی شہدہ تھیں شیردل خاتون، سندھ کی راجکھاری کامنی، بیا
 رائے پتھر والا محراب اور حیات کامل تھیں۔

۴۱ مارچ ۱۹۳۷ء کو دن کے بارہ بجے دو آدمیوں نے آکر
 دفتر میں جیلہ مولانا صاحب اخباری کام میں مصروف تھے شبیہ کو بیا
 جناب سید سردار علی تائب نقشبندی دہلوی نے حسب ذیل تاریخی
 نقطہ مولانا صاحب کی شہادت پر تحریر کیا ہے
 وہ منظر دین ، دین کا جاں باز سپاہی
 وہ عزیز وطن صحیح گراں مایہ ملت
 وہ مرد مجاہد حق آگاہ و حق اندیش
 وہ جس کا قلم کا شمع امترا حقیقت
 وہ حق کا طرفدار وہ خود درحد صدقہ دار
 شعی جس کی زباں ابرگر بار صدقت
 جو جھک نہ سکا شوکت اختیار کرتے آگے
 اور قوم سرفراز رہی جس کی بدولت
 کام آگئی آیام شہادت میں وہ اس کی
 جذبات میں ڈوبی ہوئی شہادت شہادت
 تاریخ شہادت کا خیال آتے ہی تائب
 ہاتھ نے دی ندا شرف انداز شہادت
 امر وہ سے یہ ماسود رساد جولا فی سلاسلہ عکھلوہ
 افزود ہوا۔ دے کے اور دیکھوں کے عے جاری ہوا تھا
 ۶۴ صفحات پر نکلتا تھا ، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ پر مہلکت ۱۱۱۱ھ کے اخبار پناہ مراد آباد نے
دیوبند کیا تھا۔

اس نام کا ایک ماہواری سالہ رٹ کے اور رٹ کیوں کو فطری
تعلیم و تربیت میں مدد دینے کے لئے امر ہے جسے جاننا کیا گیا ہے
مگر یہ سچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ملک میں چند پرچے ہیں۔ مگر
جس نوعیت کے دل چاہے و مفید مضامین سے آراستہ ہو کر یہ
پرچہ نکلا ہے وہ لافانی ہے اور چونکہ اس میں اسرارِ ایلین کے مضامین
مضامین چھپے ہیں اس لئے امید ہے کہ یہ رسالہ سچوں کے لئے علم و
اخلاق کا بہترین ذرائع ثابت ہوگا۔

انتخاب | ہمارے ستمبر ۱۱۱۱ھ کو یہ ماہوار رسالہ عالم و حدود
میں آیا۔ ہم معنیٰ پرستل تھا۔ چیف ایڈیٹر مولوی
سید محمد عبدالسلام صاحب ایم اے، ایچ بی، پیر زادہ حکیم سید
عبداfter شاہ ایڈیٹر تھے سالانہ چھہ ڈھائی روپے تھا۔
اس رسالہ میں تاریخی، ادبی اور تنقیدی مضامین چھپتے تھے
اس کے مصنفین نگار خواجہ حسن نظامی، سید ضیاء الحق، مولوی سید
ابوالنظر صاحب بی اے اہل اہل بی علیگ تھے۔

یادگار درد | کوچہ چیمان ہارہ درمی خواجہ میر درد ملی سے بہ ناماتہ
رسالہ ستمبر ۱۱۱۱ھ کو جلوہ افروز ہوا۔ ہم چھپوں
پر لکھتا تھا۔ مالک و ایڈیٹر مولانا سید ناصر ندیر فراتی دہلوی تھے سالانہ
چھہ ڈھائی روپے تھا۔ اس رسالہ کا اشتہار مخزن لاہور کے جنوری
۱۱۱۱ھ کے شمارے میں شائع ہوا تھا احباب عزیزوں، معقدوں

نے ہزاروں تقاضے کئے کہ جب تک حضرت مولانا سیدنا صرندیر طریقت
دہلوی بہ ذاتِ فاضل کوئی رسالہ نہ نکالیں جسے ہم لوگوں کی سیری نہ ہوگی
اس نے حکیم صاحب نے یادگار درود نام کا ماسواری رسالہ اسی ستمبر ۱۹۷۷ء
سے اپنا ملکیت و ادارت میں دارالسلطنت دہلی سے جاری فرمایا ہے
بقیت سالانہ دورہ ہے آئندہ آنے والے ششماہی ڈیڑھ سو پیسے ہے

مشک آنت کہ خود بیوید

نہ کہ عطار بگوید

جس رسالہ کا مالک و مستم حضرت فراق مومن تھے وہ حسن دہلوی میں غیرت
بارع ارم اور مدکش غلہ بریں کیوں نہ ہو نکالتے
بہ جب طلب ہے حرفوں کا جگہ موتی چمکتے ہیں

تلم گومیرے بھی اندازِ معشوق نہ آتا ہے

سیدنا صرندیر طریقت سیدنا صرندیر طریقت بن سید حسن علی بن سید فیاض
علی سیدنا سید ابوالفروج واسطی سے ملتا ہے

جو حضرت امام زید شہید بن امام زین العابدین کی اولاد میں تھے، سید
ابوالفروج کے بیٹے سید عوض مدظلہ ن محمد غفرلہ کے زمانہ میں ہندوستان
آئے اور بگرام اور بارہ نک پھیلے آب کے جدا علی کی جاگیر کنڈر لودھی
کے عہد میں تعصب لونی سے گذرہ کنڈر تک تھی اور آپ کے اکثر نزدیک
مستحب دار اور مصفت نر لوی دریج نر لوی گھر سے ہیں چنانچہ سید
محمد شاہ نے وقت میں مصفت نر لوی منصب دے دی تھی اور آپ کے دادا
سید فیاض علی تک جاگیر نر لوی مانی تھی، جب خلیفہ سلطنت زوال
پذیر ہوئی اور ان کے نر لوی کی طور پر کرتے چلے گئے تو ایسا انداز

کہنے لے دید میں اس جاگیر کا خاتمہ ہوا۔
 خطاب فراق کے والد ماجد سید حسن علی صاحب کے پاس سنا
 اور زامین شاہی موجود تھے انھوں نے پروری کونسل لندن میں سٹر
 جوزف فرانسیس وکیل کی معرفت استغاثہ دائر کر دیا سنا لیکن اسی اثنا
 میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء دہلی میں شروع ہو گئی اور سٹر جوزف
 مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے۔ لندن سے کاغذات کو منگو انیوالا کوئی
 نہیں تھا وہیں رہ گئے۔

زاق صاحب کے والد ماجد سید حسن علی صاحب نے اپنے والد
 سے خوب تعلیق سیکھا جو میر پنجگوش رضوی کے شاگرد تھے، مولوی
 نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے کتب حدیث پڑھیں، موسیقی
 میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا اس فن کو آپ نے میر ناصر احمد صاحب
 سے سیکھا اس وقت ان کا جہاد کی سکونت سہ ماہ حبش خاں میں تھی
 میر حسن علی خاں صاحب کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے کئی برس بعد
 وہیں معلوم ہوئے اپنے پاس بلایا تھا۔

جب سید حسن علی صاحب کی شادی خاندان خواجہ میر درد میں ہوئی
 تو آپ نے نقشہ یہ کے سلوک کو اپنے خسر میر امام الدین ناصری اور
 شاہ احمد سعید شاہ عبدالغنی مجددی سے حاصل کیا۔ شروع شاعری سے
 دلی جسی پیمین سے شغلی اردو اور فارسی ددلوں زباؤں میں شعر کہتے
 تھے۔ فارسی کا کلام اپنے والد سید فیاض علی صاحب کو اور اردو کا کلام
 مومن خاں دہلوی کو دکھاتے تھے۔ ملاں مختص تھا جنگ آزادی کے بعد
 سے قبل آپ نے دو دیران ایک اردو فارسی کا مرتب کر لیا تھا۔ جو

اس آزادی کی جنگ کے دوران دہلی میں تلف ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے
شوگنا نازک کر دیا تھا۔ اگر کوئی دوست شوگنے کا کافہہ کرتا تھا
تو جواب دیتے تھے سہا کی شوگنا عری کا لطف لال قلعہ اور شہر کی
آبادی کے ساتھ گیا۔ کہاں جا کر غزل پڑھیں اور کے سنائیں دہلی میں
آپیکم رجب ۱۳۳۷ھ کو فوت ہوئے اور تاج فداات جناب ناہر
نذیر فراق صاحب نے یہ فرمائی ہے

الدی صاحبی عسبۃ سیر	سیر محسن علی چون رحلت یافت
جان من سوختہ ز ناز الم	دل من داغ و رخ و حسرت یافت
خوش بیاں خوش کلام خوش تقریر	در ازل پہرہ فصاحت یافت
در لقیات کمال حاصل بود	در شریعت چو استقامت یافت

ہالغ تحیب از فراق حزن
سال ادگفت ہمیش دجنت یافت

۱۳۳۰ھ

سید محسن علی صاحب کی شادی شمس النساء بیگم دختر میرا م الدین
ناہری سے ہوئی۔ جن سے جناب سید ناہر نذیر فراق صاحب ۲ ارگت
۱۸۶۵ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اپنے والد ناہر اور جلیل القدر
استاذہ سے جملہ دینی علوم و فنون حاصل کئے فن طب میں یدِ طولی
رکھتے تھے یہ فن حکیم بدر الدین صاحب دہلوی اور حکیم محمود علی فال
صاحب دہلوی سے حاصل کیا۔ فراق صاحب کو تعلیم حاصل کرنے کے بعد

رہیں دھرم پورہ نے اپنے صاحبزادوں کے لئے اتالیق اور اپنا
 طبیب خاص مقرر کیا اور بڑی قدر دانی کی ایک عرصہ دراز کے بعد
 حبیب رقیس فوت ہو گیا تو آپ نے ملازمت ترک کر دی اور اپنے اہل و
 عیال کے ساتھ دہلی چلے آئے اور کچھ جیلان میں بارہ درہی خواجہ
 پیر درد میں سکونت اختیار کی اور حکمت شروع کر دی۔

زرق صاحب کو فقر و مدیثی نے مستفی کر دیا تھا۔ اس لئے اہل
 اور دولت مندوں سے تعلقت نہیں رکھتے تھے، طبیعت نہایت حق
 گو بانی تھا۔ آخر عمر تک اسی طریقہ پر کار بند رہے اور اپنے بزرگوں کی مشق
 کو نبھایا۔

زرق صاحب کو ادیبانے کرام اور بزرگان دین سے بے پناہ
 عقیدت تھی، پسینے ہی اس عقیدت کا اظہار ہوتا شروع ہو گیا تھا
 ایک درویش جو زرق صاحب کے مکان میں رہتے تھے ان سے انہوں
 نے کہا کہ مجھے حضرت علیؑ کی زیارت کرا دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کوئی
 بڑی بات نہیں ہے دیکھو آج جب تمہارے والد سہا میں تو چپکے سے
 ان کے منہ سے چادر اٹھا کر دیکھنا غم کو حضرت علیؑ کی زیارت
 ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے والد کا منہ ہزار نہ دیکھتا
 ہوں۔ میں تو حضرت علیؑ کی زیارت کر لی چاہتا ہوں، اور دیش صاحب
 نے کہا تمہارے باپ کی صورت حضرت علیؑ کی ہے، اہل و عیال کو ہمارے کہنے
 کے ساتھ ہی عمل کرو، خیال ہے انہوں نے ایسا ہی کیا اپنے والد کے
 منہ سے چادر اٹھائی تو حیرت زدہ رہ گئے اور خوف لے مارے
 چمک اٹھے اور لاکھڑا کر زمین پر گر پڑے چمک کی آواز سے ان

کے والدہ اسٹو گئے مگر تو انہوں نے ان کو حقیقت سے آگاہ کیا۔
 خاتمہ آپ اسی عقیدت کی بنا پر حضرت اللہ بخش تونسوی سب سے
 شہسوار احمد علیاں تونسوی کی خدمت میں توفہ گئے اور ان سے
 بیعت کی۔

وہ مخزن کے ابتدائی دور کے لکھنے والوں میں سے تھے جب
 مخزن بند ہو گیا تو انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ اس پر عبدالقادر کی
 فرمائش پر ایک نادان المور کھانا لکھنا شروع کیا۔ مخزن بند ہوا۔
 تو ان کی نہت سچی ٹوٹ گئی۔ پھر ان لوگوں نے اصرار پر اسے کل
 سہی کر دیا مگر اس کے چھینے کی نوبت نہ آئی۔ البتہ مولانا محمد حسین آزاد
 کی ناتمام تصنیف "لغاتہ الکبر" کی تکمیل ان کے ہاتھوں عمل میں آئی
 ساتی کے لئے سبھی انہوں سے لال قلم کی جھلک مسطہ دار لکھی بڑی
 پیاری زبان لکھتے تھے۔

آپ قناری اور نثر نگاری میں مولانا محمد حسین آزاد دہلوی کے شاگرد
 تھے، آپ کی نظم و نثر کی دھوم غیر راکٹ تک میں ہو گئی تھی آپ نے
 اردو ادب کی جو خدمت کی ہے وہ اظہار من الشمس ہے آپ نے قند وال
 ہندوستان کے علاوہ عدن، جدہ، افریقہ اور دیگر محاکم میں سفر
 آپ نے دہلی کی قدیم تہذیب و تمدن کے دور پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔
 دہلی کا آخری دیوار "آپ کی مائے ناز تالیف ہے جس میں اب
 سے سو سال پہلے کی دہلی کی ہوساتھی، دہلی والوں کے رسم و رواج، تہذیب
 اور تہذیبوں کے تضاد اور غریب کی طرز معیشت، لال قلم کی
 چھل پھل، چوک کی گھم گھم برسات کی نشیلمی رات میں سچول والوں کی سیر

میں میں بادشاہ دروغیت مند و سگان برابر کا حصہ جتے تھے۔ تہوار بدن کی
 رنگ ریاں حتیٰ کہ سودا سلف پہننے والوں کی مصائب تک ہیں۔
 اس کتاب کے علاوہ آپ کی تصانیف دہلی کا آخری ہوا لال
 قلم، لال قلم کی ایک جھلک، سات علاقوں کی کہانیاں بیگم کی
 جھڑ جھاڑ، چاند، دکن کی پری، معنہ میں ذائق اور بیخانہ درد ہے
 روزانہ کتاب میں حضرت خواجہ میر درد کے خاندان کے حالات
 درج ہیں۔

ان کا سرخ وسیہ رنگ، سفید کھلوناں دارمی، گول جہرہ، بھاری
 لہلہ انگشتیاں گندے پرائیوٹ فریل، سر رکھی صاف، کبھی ٹوپی،
 ہاتھوں میں سلیمت ہی جوئی پہنتے تھے تاخیر میں ہاتھوں میں ریشہ
 آٹھی تنہا باد جہرہ ریشہ کے خود ہی کہتے تھے ان کی تحریر قسمت کی
 تحریر ہو سکتا تھی جو پڑھنے میں نہ آتی تھی۔

جناب ذائق کا انتقال فالج کے مرض میں ۱۲ فروری ۱۹۳۷ء کو ہوا
 جناب ذائق کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا ہے بیخانہ درد پر جو تاریخی
 قلم لکھا ہے وہ یہ ہے

تاریخ طباعت می حستم، از شوق و تکلف می گفتم
 اس نسخہ لسانی سنبل در سماں غیرت مردم طبع شدہ
 خود روح جناب بہ گفتہ پاس ادب گلزار ذائق
 از جانب من تسلیم کن یمن نہ در دم طبع شدہ

استانی | دہلی سے یا موار سالہ اکثر رسالے کو جاری ہوا
 انہم صفحات پر لکھتا تھا نگوں خواجہ حسن نظامی
 پیر خواجہ بانو خفیں، سالانہ چند میں رد پے تھا۔

اس رسالہ پر ۱۸ نومبر ۱۹۱۷ء کے اخبار رہنما مراد آباد نے
 تبصرہ کیا تھا۔

اس رسالہ کو دہلی سے خواجہ حسن نظامی کی نگوں اور ان کی
 اہلیہ صاحبہ خواجہ بی بی بانو کی ادارت میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے
 جاری ہوا ہے، خواجہ حسن نظامی صاحب کی ادارت یا تحت میں
 جو اخبار یا رسالہ جاری ہوا اس کے متعلق کچھ لکھنا غیر ضروری ہے
 خواجہ صاحب اپنے دل آویز طرزِ تحریر میں یکتا ہیں نگوں ان کی
 کے دوسرے خبر میں خواجہ صاحب کا مضمون "چودہ بچوں کی ماں"
 پڑھ کر کم کو افسوس ہوا۔ اس مضمون میں دکھایا گیا ہے کہ ال و
 اولاد کی کثرت پیروں کی سنت کا نتیجہ ہے عجیب ہے کہ سر
 رستی کے نقائص سے خواجہ صاحب خود واقف ہیں مگر اس قسم
 کی تلقین غالباً اس لئے کی گئی ہے کہ خواجہ صاحب خود میرزا دہ
 یا پیر میں مگر ہائے خیال میں اس قسم کی تلقین لڑکیوں و ستورات
 کے لئے سخت خطرناک ہے جو جہالت سے پہلے سے ہی
 نگوں و توہمات اور پیر رستی میں مبتلا ہیں امید ہے کہ ہماری
 اس آواز اور رائے کو کسی دوسری نقطہ نظر سے نہ دیکھا جائے گا
 رسالہ کے دوسرے مضامین دل چپ و منقبہ ہیں اور لکھی
 چھپائی کا غرض عمدہ و دیدہ زیب ہے۔ n

اسانی کا ایک منظوم اشتہار حب و کلام کے نظم المثنیٰ
میں چھپا ہے نظم جناب عزیز المجد مسلم زید پوری نے لکھی ہے - ۷

اسانی کا رسالہ ہے دل صیب ملا جلوب
شکل گھر ہر ایک ہے مہوں آبدار
ترغیب علم و ستار ہے سرائے مند کو
تہذیب مرزوں کو سکھاتا ہے ہادقار
اس نے زمانہ طبقہ میں اک سچکائی طرح
کرتی ہیں قدر اس کی خواتین ہر دہار
قابل ہیں حسن خط کے اگر خوشنظران دہر
تو اہل عقل اس کی چھپائی یہ ہیں شار
کیا احتیاج ہے کہ سدا ناظر ات کو
رہتا ہے مرہینے کی پہلی کا انتظار
اصحاب قوم کیوں نہ ہوں سمجھا کس شری
آغاز اس رسالہ کا ہے بے حد شاندار

ہر اک شریف بی بی کا سلم یہ سرمن ہے
قدر اس رسالہ کی کرے جی ہو خواستگار

حقیقت | لکھنؤ سے یہ ہفتہ دار اخبار کتب و رسائل میں
ظہور پذیر ہوا سٹر افس احمد صاحب عسکری ایڈیٹر
نئے ۱۶۷۲ کے بڑے سائز پر اسٹمپوں پر لکھتا تھا سالانہ چھ
پانچ روپیہ تھا۔

اخبار ہنسا مراد آباد نے اس اخبار پر ۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء کے

کے پرچہ میں تبصرہ کیا تھا۔

اخبار حقیقت ایک مہفتہ دار اخبار ہے جو پچاسے دیر نبردست سرائیس احمد صاحب عباس کی اے کی ادارت میں لکھنؤ سے جاری ہوا ہے اس کے مدیر خائنہ سوجے میں جو باریے میں نظر ہیں۔ سرائیس احمد صاحب عرصہ تک مسلم گزٹ و مہم میں مجتہد رکن ادارت کام کرتے رہے ہیں اور اخباری دنیا کا کافی تجربہ و مہارت رکھتے ہیں، ایڈیٹر ایل مضامین میں مغزیت مہتری ہے اور واقعات حاضرہ پر آزادی نگہداشت سے سمجھ کی جاتی ہے۔ طرقات میں ایک معقول خاص ہوتا ہے اور زراعت واقعات بھی بہترین و قابل دید ہوتے ہیں۔ واقعات عالم کے تحت میں تمام نمائندگان مشتق خبریں نہایت عمدہ طریقہ سے مسکن کے ساتھ ترتیب دے کر رزق کی جاتی ہیں کاغذ سفید امداد اخبارات میں تمام اخبارات سے بہتر ہے غرضکہ فی ہری دہا طنی خوبیوں سے آماستہ اور نہایت شاندار اخبار ہے جس کو ہم اخباری برادری میں ایک مفید اضافہ خیال کرتے ہیں۔

محکمہ محلہ علی سے نومبر ۱۹۱۹ء کو یہ مذہبی حوالہ
المنہب | وجود میں آیا۔ ۸ صفحات پر لکھا تھا۔ قاری
 عباس حسین اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چھ تین روپے تھا۔
 رسالہ ککشاں لاہور مورخہ نومبر دسمبر ۱۹۱۹ء کے شمارے
 میں اس رسالہ پر دیو پوچھا تھا۔

”جناب قاضی سرسراز حسین اسلامک مشنری کے فرزند رشید

قاری عباس حسین صاحب ایڈیٹر قوم و تمدن نے اپنے والد محترم کی
 نگرانی میں ایک مذہبی رسالہ جانکی کیا ہے اس رسالہ کا پہلا پرچہ
 اس وقت ہمارے سامنے ہے اسے دیکھ کر بہت سی امیدیں بنی
 ہیں اگر قابلیت و محنت سے مرتب کیا جاتا رہا تو آئندہ نہایت عمدہ
 دینی پرچہ ہو گا۔ مسلمانہ مذہب ایڈیٹر، روح اور مادہ، گفتشِ رضا
 اور ناکہ قلم کیا ان فی فطرت ہے علامہ سید احمد کھنوی بہ تیوں
 سطون پڑھنے کے قابل ہیں کاغذ چھپائی عمدہ ہے۔

دِلنواز | دائرۃ الصوفیہ کبر در ضلع ملتان سے یہ رسالہ
 ۱۹۱۹ء میں نود و ار مو۔ ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے
 دِلنواز احمد خاں اس کے ایڈیٹر تھے ۱۲ آگے سالانہ جینہ تھا
 طباء کے ساتھ رعایت کی گئی تھی ان سے مر آنے سالانہ جینہ تھا
 معارف اعظم گڑھ مورخہ دسمبر ۱۹۱۹ء میں اس رسالہ پر تبصرہ
 شائع کیا تھا۔

دائرۃ الصوفیہ کبر در ضلع ملتان سے یہ رسالہ شائع ہوا ہے
 تصوف اس کا موضوع ہے۔ اس نمبر میں خواجہ حسن نظامی،
 خاں بہادر مرزا سلطان احمد اور مولوی احسان اللہ عبا کی کے مضامین
 میں دو نظمیں ہیں۔ کاغذ سفید اور نکاحی چھپائی متوسط اس
 میں یہ اعلان کیا گیا ہے رسالہ مذکور میں سال میں چار شمارے
 شائع کرس گئے رحمت کی مجموعی قیمت بارہ آنے ہوگی۔ طباء کے
 صرف آٹھ آنے۔

الحیات | لکھنؤ ریکٹوریہ اسٹریٹ سے یہ لمبی رسالہ سالانہ طور پر
میں شائع ہوا جو ماہانہ تھا حکیم مسیح اللہ آزاد
رہانی اس کے ایڈیٹر ہیں، سالانہ جینہ تین روپے تھا۔
۴ اراکتور برس ۱۹۱۹ء کے ذوالقنین بدایوں نے اس سال
پر یہ ریویو لکھا۔

یہ ایک ماہوار لمبی رسالہ ہے جو حکیم مسیح اللہ آزاد رہانی
کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا ہے پہلے پرچے میں حکیم محمد
مادی رضا خان صاحب ماہر لکھنوی سکریٹری مدرسہ منبع المطب
و دیگر حضرات کے محنون درج ہیں بڑے بڑے نامی اہلکار
کے ممبرات دینے کا التزام کیا گیا ہے تحقیقات جدید کی روش
سے برابر بحث کی گئی ہے۔

ریفارمر | لکھنؤ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۹ء شروع جاری ہوا
جو ۱۸ x ۲۲ سائز پر نکلتا تھا۔ لالہ بردیا لال اس
کے ایڈیٹر تھے، اس اخبار کا اقتدار اور فوہر سالانہ کے ذوالقنین
میں شائع ہوا۔

النظر | میرٹھ سے سالانہ عکویہ مذہبی سالانہ شائع ہوا
۸۰ نم صفحوں پر لکھتا تھا مولوی ابورحمت حسن
اس سال کے ایڈیٹر تھے سالانہ جینہ ڈھائی روپے تھا۔
اس رسالہ میں عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کے حملات شائع
ہونے سے اند سازوں کی کارردائیاں چھتی تھیں۔

النساء | حیدر آباد دکن سے ۱۹۱۹ء کو یہ نثری رسالہ جاری ہوا، ہم صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر صغریٰ بیگم تھیں، سالانہ چندہ ملین روپیہ تھا۔

اس رسالہ میں زیادہ تر غوروں کے مضامین شائع ہوتے تھے مردوں کے بہت ہی کم، یہ رسالہ زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکا، کیونکہ بیگم صاحبہ کے سفر یورپ کے باعث بند ہو گیا تھا۔ صغریٰ بیگم صاحبہ صغریٰ بیگم حیدر آباد کی مشہور خواتین میں سے تھیں جنہوں نے مختلف جلیوتوں سے نام پیدا کیا۔ وہ شاعری بھی تھیں اور ترنگار بھی، ان کی قوی دھمکی نہایت ڈراماٹک تھیں کی جا سکتی یہ پہلی مسلم خواتین تھیں جنہوں نے روئے کرنا لائے طاق رکھ کر بے پردہ ہو کر مردوں کے مجمع میں تقریر کی۔

حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئیں ڈاکٹر صفیر حسین کی صاحبزادی تھیں گھر پر ہی اردو فارسی کی تعلیم پائی، سید ہالوں مرزا بریسٹراٹ لا، جو چٹنہ کے رہنے والے تھے ان سے ان کی شادی ہوئی مرزا صاحب نے شادی کے بعد حیدر آباد میں منتقل ہو کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ صغریٰ بیگم نے اپنے خاندان کے ہمراہ ہندوستان کے شمال، جنوب اور مشرق کے مقامات کا سفر کیا، اور یورپ بھی گئیں۔

آپ صاحبہ تصنیف تھیں نیدرہ کے قریب ان کی کتابیں ہیں، جس میں زیادہ تر سفر نامے ہیں ناول اور مختصر افسانے بھی لکھے ہیں اصلاحی اور معاشرتی مضامین کا ایک مجموعہ مقالات صغریٰ

کے نام سے طبع ہو چکا ہے ان کا اسلوب بیان صاف اور سادہ ہے
اور عام فہم ہے، یورپ میں جب آپ گئیں تو آپ نے وہاں اردو
میں تقریر کی۔

آپ نے ایک نسوانی مدرسہ صغریہ کے نام سے جاری کیا
جس میں تعلیم کے ساتھ صفت و عرفت بھی سکھائی جاتی ہے اس
مدرسے کے لئے آپ نے اپنی جائیداد کا بڑا حصہ وقف کیا آپ کا
انتقال ۱۹۵۹ء میں ہوا ہے

آپ کو شرفِ عری کا بھی شوق تھا۔ بیا تخلص رکھتی تھیں
گل میں شجر میں تو ہے شمس و قمر میں تو ہے

ہر جا چمک رہا ہے ہر جا پہ تیری فو ہے
الہی تو دے اپنی لافیت مجھے

ہو دنیا سے فانی سے نفرت مجھے
میں دنیا میں حب تک کر نہ ہوں

عطا کر دیا یا تو صحت مجھے

آنکھ میں نور ہو، دلا مرا موز ہو جائے

جز تپتی کے ترے اور نطق کچھ بھی نہ آئے

بے خبر سب سے رہو محو تصور ہو کر

یاد تیری مجھے دہلے سکھ لوں سے میرائے

ناز کیوں کر نہ کروں اپنے مقدر پہ بھلا
مکمل غمی دل کی کل مدد نہ خواہہ دیکھا

میرے خواجہ مری بگڑی کے بنانے والے
معتقدوں اور مرادوں کے دلانے والے

کیوں کوئی آئے گا تربت پہ سبلا میرے بعد
خاک آ، آسے اڑائے گی صبا میرے بعد
جیتے جی تھر کسی نے بھی نہ جانی انوس

روئے گا کون میرے غم میں سبلا میرے بعد
مگر در اقبال سے یہ عشرہ دار اخبار علیہ السلام کو
جلوہ لیا ہوا۔ آٹھ صفوں پر مشتمل تھا، پیرزادہ

انتخاب

دلی محمد صاحب مخدومی ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دلچسپی کے لئے
اس اخبار میں افلاکی، روحانی، ادبی، طبی دلچسپ مضامین
درج کئے جاتے ہیں "بزم احباب" جسکی دلچسپ ہوتی تھی داستان
حاضرہ براہ عدال سے محبت کی جاتی تھی۔ مذہبی مضامین بھی مفید
اور قابل دید ہوتے تھے۔

لامہور سے یہ عشرہ دار اخبار علیہ السلام کو نشانہ ہوا
مجموعات آٹھ صفوں پر لکھنا تھا حکیم سید رفیع علی شاہ صاحب

مجموعات

ناجی سابق ایڈیٹر سالہ دلکش مدیر تھے سالانہ چندہ دور و بے تھا۔
اس رسالہ میں طبی، صنعتی اور مذاہب مضامین چھپتے تھے
لیکن خصوصیت کے ساتھ طبی مضامین و مجموعات کا ذخیرہ قابل قدر
ہوتا تھا۔

دلی سے علیہ السلام کو یہ مہفتہ دار اخبار نمودار ہوا ایڈیٹر قاضی عباس
حسین صاحب تھے آٹھ صفوں پر مشتمل سالانہ چندہ پانچ روپے تھا

قوم

نسائی | دہلی سے ۱۹۱۷ء کو یہ نیدرہ روزہ اخبار نکلا قاری
عاشق حسین صاحب ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ روپے
آٹھ آنے تھا۔

اخبار رنما مراد آباد نے اس پرچہ پر اپنے شمارے ۸ اربو ۱۹۱۷ء
میں یہ رپو جو چھپا تھا۔

نسائی ایک نیدرہ روزہ اخبار ہے جو قاری عاشق حسین صاحب
ایڈیٹر اخبار قوم و تمدن کی ادارت میں دہلی سے نکلے ہوا ہے
نسائی کی اشاعت کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ خواتین کو موجودہ سیاسی
حالات سے واقف کیا جائے اور ان میں سیاسی بیداری پیدا کی جائے
اگرچہ ہمارا طبقہ نسواں ابھی تعلیم سے ہی بہرہ ور نہیں ہے اس لئے
تعلیم نسواں کی ہی زیادہ ضرورت ہے۔ تاہم تعلیم یافتہ خواتین کی مسائل
کے لئے عام اخبارات کے مقابلہ میں یہ رسالہ جس میں مسائل
دلیس زبان میں مستورات کی فہم کے مطابق واقعات حاضرہ
و سیاسی معلومات پیش کی جاتی ہے۔ نہایت مفید ہے۔

لطف سخن | حسن پور ضلع مراد آباد سے ۱۹۱۷ء کو یہ ماہانہ
گلدستہ نظم و نثر پر ہوا، ۲۶ صفحوں پر نکلا تھا
دست محمد علی مرتبہ ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ فی
پرچہ ۳ آنے قیمت تھی مطبع انعلوم مراد آباد میں چھپا تھا۔

یہ گلدستہ کتابت طباعت اور کاغذ کے اعتبار سے انتہائی
گھٹا تھا۔ طباعت اس قدر خراب ہے کہ عبارت پڑھی نہیں جاتی
شواہد سبھی کچھ اونچے درجے کے نہیں ہیں جن کا اس میں کلام چھپا تھا

نومبر ۱۹۲۲ء کے شمارے کے شمارے کا منتخب کلام درج ہے۔
جناب سید عنایت علی صاحب آغا زبرہا پوری تلمیذ جناب سید عنایت
برہا پوری سے

ہر بات میں ایک رمز تو ہر رمز میں اک بات
کیا آپ کی عادت، ہمیں معلوم نہیں ہے
گھوڑے کے سرے دل میں وہ دل کیسے سدھاتا
اب خاک میں دیکھوں نہ مکان ہے نہ کہیں سے
جناب تھل صاحب و محمد ایوب، زمین گائی تلمیذ حضرت نوح نامی سے
جو ہے مری آنکھ نہیں مرنے دل میں کہیں ہے
غارت گرا بمانا ہے غارت گردین ہے
کیوں ڈھونڈتا پھرتا ہے زمانہ میں تجھل
تو غور سے دیکھو اس کو وہ ترے ہی قریب ہے
جناب دوست محمد خاں صاحب عتیق ایڈیٹر رسالہ لطیف سخن سے
جب میں نے کہا کہ مرا سٹھکا نا سچی کہیں ہے
لوئے کہ بہت خوب مگر زبرہا نہیں ہے
خوبی کی ضرورت ہے نہ کچھ حسن کی حاجت
دل چاہتا ہے حسن کو وہ دنیا سے جس ہے
کعبہ کی تمنا نہ اسے دیر کی خواہش
سنئے ہیں عتیق اب تو خرابات نشین ہے
دلی سے یہ روزانہ اخبار سلسلہء میں جاری ہوا
مالک دایڈیٹر خواجہ حسن نظامی اور سردار دیوان

رعیت

شکستہ مفتوں تھے۔ سالانہ چندہ بادہ مد پے تھا۔
 اس اخبار کی اجراء کی داستان سرور دیوان شکستہ مفتوں کی زبانی
 سنئے۔ جو انھوں نے اپنی تالیف "نا قابل فراموش" میں تحریر کی ہے
 ریاست ناسد کی ملازمت سے ایک سال پہلے ایڈیٹر ریاست اور
 خواجہ حسن نظامی مدفون نے مل کر دہلی سے ایک روزانہ اخبار رعیت
 جاری کیا۔ اخبار بہت اچھا تھا، اڑھائی سو روپے ایڈیٹر ریاست
 نے بطور حصہ دئے اور فیصلہ ہوا کہ باقی روپیہ خواجہ حسن نظامی
 لگائیں گے۔ ایڈیٹر ریاست اپنے کھانے کے لئے ایک روپیہ روز
 یعنی تیس روپے مایموات سے زیادہ نہ لے گا۔ خواجہ حسن نظامی کی
 کتابوں کے اکتھار کا ایک صنف ہر روز مفت چھپے گا جس کی اجرت
 ادا نہ کی جائے گی۔ اس کے بعد اگر منافع ہوگا تو دونوں کا مساوی
 ہوگا اور اگر نقصان ہوگا تو خواجہ حسن نظامی پورا کرے گا۔ یہ اخبار
 چند ماہ جاری رہا جب خواجہ حسن نظامی کو اس میں چھ سو روپے کے
 قریب نقصان ہوا تو آپ نے اس کو بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ
 فیصلہ ایڈیٹر ریاست کے لئے افسوسناک تھا۔ چنانچہ کوشش کی
 گئی کہ یہ اخبار زندہ رہے۔ لالہ شام لال کپور ایڈیٹر گوردھن سنگھ لال کو
 تار دیا وہ آئے۔ ان کے پاس سراپہ نہ تھا وہ چند ہند بھی نہ چلا سکے
 پھر بھیا احسان الحق نے اور بعد میں اس کو ملا دھری صاحب ایڈیٹر
 نظام المثنیٰ نے لے لیا۔ دھری صاحب کے پاس رعیت
 جانے کے بعد اس کا دفتر بھی دھری صاحب کے مکان میں
 چلا گیا۔ (۳۶)

جب اس اخبار کا انتظام وغیرہ واحدی صاحب کے پاس چلا گیا۔ اس وقت کی کہانی ملا واحدی کی قلم بیان کرتی ہے۔

سردار دیوان سنگھ فضول نے سلطانہ غم میں دلی سے روزانہ اخبار رعیت جاری کیا تھا۔ اخبار مالی دشواری کے سبب بندھا دکھائی دیا تو جیہا آسمان الحق تے اس شرط پر لے لیا کہ فقط دو سو روپے لگاؤں گا کام واحدی صاحب اور سردار صاحب کریں گے۔ میں نے اس اخبار کی چیف ایڈیٹری جناب نیاز فقیری کے خوائے کی۔ حاجی ریاض الدین وغیرہ رعیت کے سادہ و نایاب سچے مولانا اہل علم و ہوش و ہوشیاری کے سلسلہ میں نیاز صاحب کی نگرانی اخبار کی سنبھالی۔ نیاز صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ یہ اخبار نویسی سیکھنی چاہئے پس، تنخواہ نہیں لیں گے۔ بس ایک سبزادر ایک کرسی کی ضرورت ہے یہ صفات کی ابتداء اعزازی طور پر رعیت کے ایڈیٹوریل اشاعت میں شامل ہو کر سودوری صاحب نے کی۔ تین چھپنے کے بعد جیہا بھی بار گئے اور رعیت بند کر دیا گیا۔ عارف صاحب اخبار رعیت سے بے حد ناراض تھے کہ رعیت کی پالیسی محض نفسی عارف صاحب اسے کیسے پسند کرتے نیاز صاحب اکسٹریٹ نہیں پر عارف صاحب اکسٹریٹوں سے چار قدم آگے تھے۔ آخر ان کی دعا قبول ہوئی اور رعیت نے تین چھپنے سے زیادہ زندگی نہیں پائی اخبار رعیت بند ہو گیا تو عارف صاحب نے جین منایا، دلی کی مشہور ڈیرہ دارلی موٹی جان انداز کامیرے گھر پر گانا گرایا۔

نیاز صاحب اخبار رعیت کے ایڈیٹر کہوں گے اور

اور ان کے انداز کے مطابق اخبار کیوں بند کرایا گیا۔ اس کا ذکر انھوں نے سردار مفتوں سنگھ ایڈیٹر پریس کی تالیف ناقابل فراموش کی تقریر میں کیا ہے۔ اس میں انھوں نے اس کا سنہ اجراء ۱۹۱۹ء تحریر کیا ہے جبکہ نیاز نمبر نگاریکنٹن کی جلد اول کے دونوں معنوں کا نیاز فقیر کی ایک نظر میں۔ از زمان فقیری اور نیاز اور دلی از ملا دھادی میں اس کا سنہ اجراء ۱۹۱۹ء تحریر ہے۔ ہم نے ان دونوں معنوں کا اعتبار کرتے ہوئے اخبار رعیت کا سنہ اجراء ۱۹۱۹ء تسلیم کیا ہے۔ نیز صاحب کرمیوں کی عبارت یہ ہے۔

۱۹۲۰ء کی بات ہے دہلی سے ملا دھادی مدد نامہ رعیت نکال رہے ہیں اندھے سہو مال سے اس کی ایڈیٹری کے لئے طلب کیا جاتا ہے، میں آجاتا ہوں اور ملا دھادی کے مکان پر اخبار رعیت کے دفتر میں ادل اول سردیوان سنگھ سے میل تقارن ہوتا ہے جس صبح کو در دین گھنٹے کے دفتر جاتا تھا اور دار بہ وغیرہ لکھکر اپنی جار قیام رلوٹ آتا تھا۔ اس سے قبل و بعد وہاں کیا ہوتا تھا اخبار کہاں چھپتا تھا، کب شائع ہوتا تھا اس کا مجھے کوئی علم نہ تھا اس کی ملکیت سے متعلق ہر ذریعہ بات کان میں پڑی تھی کس اخبار سے پہلے خواجہ حسن نظامی کی تحریک سے بھیا احسان الحق نے جاری کیا تھا اور پھر جب ان کو کچھ دشواریاں پیش آئیں تو ملا دھادی نے اسے لے لیا۔

عوام کی آواز حکومت تک پہنچانا اس کی پالیسی تھی اور حکومت اسے کچھ اچھی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی غالباً بھیا احسان اسی لئے

اس سے دستبردار ہو گئے تھے۔ ملاواہدی سمجھتے تھے کہ حکومت
 اخبار کو زیادہ دن چلنے نہ دے گی اور ضمانت طلب کر کے اسے
 حتم کر دے گی۔ اس لئے اسطوں نے فیصلہ کیا کہ جب صورت یہ ہے
 تو کیوں نہ اس سے لب و لہجہ کو زیادہ سخت کر دیا جائے اور وہ جب
 بند ہو تو اپنا نقش عوام کے دل پر چھوڑ جائے۔ محفلہ پلانے
 کی وجہ یہی تھی جو کہ اس وقت میری سیاسی نظریات اور سیاسی مفہامین
 اہل دل اور زحیدار وغیرہ میں شائع ہوتے تھے ان کا لب و لہجہ
 بہت پر جوش ہوتا تھا اور حکومت پر میری نکتہ چینیوں پسند کی
 حالتی تھیں آخر کار جب چند دن بعد یہ معلوم ہو گیا کہ حکومت نے
 انہی جگہ رعیت کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو واہدی صاحب
 نے مجھ سے کہا کہ جب صورت یہ ہے تو کیوں نہ سبھا لایا جائے
 آخر کار میں نے مسئلہ مصر پر دو ادارے زیادہ سخت لکھ دئے
 اور حکومت کو ایک اور بہانہ رعیت کو بند کرنے کا ہاتھ آگیا
 اور یہ بات اٹھ دی گئی نہ

نیا ر قتیوری صاحب
 نیا ر صاحب مسئلہ مطبعت ۱۸۸۲ء کو
 سنی گھاٹ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے
 ان کی ابتدائی تعلیم زیادہ تر ان کے والد کی زیر نگرانی فتح پور میں ہوئی
 اور مولوی حبیب الدین صاحب اور مولوی صدیقی حسن غازی پوری بھی
 انھیں پر اتالیقی مقرر ہوئے ان کے والد محمد امیر خاں علی و فارسی کے
 عالم و شاعر اور ملا نا امام بخش مہبالی کے شاگرد تھے وہ فارسی دار و در
 زبوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ لیکن وہ تقریباً تمام کا تمام فہم

موتا تھا۔ والد کے ذوق فارسی اور ذوق شاعری کا اثر بیسے پر پڑا، چنانچہ
 نیاز کی ابتدائی تعلیم کا آغاز اس زمانہ کے قاعدے کے مطابق عربی
 و فارسی سے کرایا گیا اور سات آٹھ سال کی عمر میں انھوں نے گلستان
 بوستان ختم کر لی تھیں۔ اس کے بعد نو دس سال کی عمر میں تقریباً
 ۱۲۹۵ھ میں وہ مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہوئے اس وقت اس
 مدرسہ میں تین فاضل شعبے تھے نیاز صاحب اس کے دو شعبوں کے
 بیک وقت طالب علم تھے مدرسہ عربی میں درس نظامیہ کے طرز
 پر فقہ کا اور حدیث عربی صرف نسخہ اور منطق و فلسفہ کا درس
 دیتے تھے اور انگریزی شعبے میں علوم عمرانی و ریاضیات کے ساتھ
 انگریزی بھی پڑھتے تھے۔ محمد ریگد فارسی کا درس لیتے تھے
 مدرسہ احمد نوری کے پدرس مولانا حسرت سہانی تھے، اس وقت
 عربی مدرسہ کے صدر مدرس مولانا نور محمد صاحب کے علاوہ مولوی امام
 علی، مولوی حبیب الدین جیسے اساتذہ تھے، مولانا ظہور الاسلام
 خورشیدی درس دیا کرتے تھے۔ انگریزی شعبہ کے صدر معلم اعجاز علی
 صاحب تھے۔ اس وقت انگریزی تعلیم کا حاصل کرنا گناہ کے مترادف
 سمجھا جاتا تھا، اس لئے بعض مسلمان مولانا ظہور الاسلام کے عربی و
 فارسی کے ساتھ انگریزی پڑھانے کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن
 مولانا ظہور الاسلام نے علماء اور مدرسہ کے بعض اساتذہ کی برواہ
 نہ کر کے انگریزی کو جاری رکھا اور بہت جلد اسے انٹر سنس کے درجہ
 تک پہنچا دیا۔ گویا اس مدرسہ میں نیاز صاحب کو فاضل ختم کے علماء
 اور اساتذہ سے واسطہ پڑا۔ وہ مولانا ظہور الاسلام جیسے

ہدایتِ مادہ مزاج، رقیق القلب، وسیع النظار اور کشادہ دل تھے
 لیکن حافظ قادر بخش اور فکرمند صاحبِ تعلیم کے
 معاملہ میں قدامت پسند اور سخت گیر تھے۔ نیاز صاحب کے والد صاحب
 اگرچہ کثرتِ ہی آدمی تھے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے تھے
 لیکن ان کا نقطہ نظر اس بارے میں اپنے معاصرین سے بہت مختلف
 تھا۔ وہ بچوں کی ذہنی پرداخت اور ذہنی نشوونما کے لئے ان کو
 زیادہ سے زیادہ آزادی دیتے تھے اور انھیں اپنے طور پر ہر چیز
 پر غور و فکر کا عادی بنانے کے قابل تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نیاز صاحب
 کے مزاج میں حسین ہی سے اہل قسم کی آزاد روی روشنی خیالی اور
 کشادہ فکری پیدا ہو گئی، اس لئے کہ جب وہ مدرسہ میں داخل
 ہوئے تو انھیں بعض علماء اور اساتذہ کی سخت گیری تعلیم کے
 سلسلہ میں پسند نہ آئی، سات سال میں انھوں نے دیکھا کہ علماء کا
 طبقہ مغربی تعلیم کے حصول کو گناہ خیال کرتا ہے تو انھیں ایسے علماء
 کا تشہیر کو پسند نہیں کیا۔

نیاز صاحب نے مدرسہ اسلامیہ میں تقریباً سات سال تعلیم
 پائی، عربی، فارسی، منطق، فلسفہ، صرف و نحو اور فقہ حدیث
 کا درس لیا۔ پس سے مڈل اسکول کیا۔ اور پھر سے انھوں نے
 مدرسہ میں بیڑنگی کا امتحان پاس کیا اس وقت ان کی عمر
 تیرہ چودہ سال کی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ
 چلے گئے اور وہیں ان کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ لیکن ان کی
 زندگی میں جو مقام مدرسہ اسلامیہ فتح پور سے تعلیمی سلسلہ میں

حاصل ہوا، اتنا اور کسی ادارہ سے چل نہیں ہوا۔

تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد صاحب کے وسیلہ سے جو اس وقت قلعہ میں کوٹوال تھے، پولس میں انسٹر مقرر ہوئے۔
 سن ۱۹۰۷ء میں پولس ٹریننگ سے واپس آ کر تھانہ بنڈیا قلعہ الہ آباد
 میں تعینات ہوئے پولس کی ملازمت اور نیاز صاحب کے مزاج
 میں بعد المشرقین تھا۔ اس لئے یہ ملازمت بہت دنوں تک
 قائم نہ رہ سکی اور صرف ۲ سال ۱۹۰۷ء تک پولس کی ملازمت
 کرنے کے بعد سبکدوش ہو گئے۔ چند سال جو عمر وہ اسٹیٹ اور
 ہانسی میں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم رہے اور سن ۱۹۰۹ء میں
 میں جیب ان کے والد کا انتقال ہوا تو فتح پور واپس آ گئے، اور
 مدرسہ اسلامیہ میں شعبہ انگریزی کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ نیاز صاحب
 کا فقیر میں قیام دو تین سال سے زیادہ نہیں رہا بلکہ یہ وہ زمانہ
 تھا جب علامہ عبد اللہ یوسف علی فتح پور میں کانگریس کے صدر
 سے ملحق تحصیل سرائنوی قلعہ الہ آباد میں اردو کے مشہور دانش ور
 ہمدی اف دی تحصیلدار تھے۔ حضرت نیاز فقیر دہلی کا
 زمانہ شروع ہو گیا تھا۔

عبد اللہ یوسف علی اور ہمدی اف دی
 کے زمانہ میں ان کے کھیتے پڑھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا
 ان کی دہانت اور طرز ان کی بھرت قرب و حوا میں ہو چکی تھی

۱۰ ملحقہ فرمان فقیری نیاز بنگلہ پاکستان مارچ اپریل ۱۹۷۷ء

عبداللہ توسیف علی اور ہمدی افادی کی ملاقاتوں نے ان کے کھلے پڑنے اور فہم و فکر کی رفتار کو تیز کر دیا تھا۔

نیاز صاحب نے صفائی دنیا میں قدم رکھ دیا تھا۔ ۱۹۱۱ء
 زمیندار سے وابستہ ہو گئے تھے اور فقہرانہ سے مستقل چھٹ
 گیا تھا۔ سلسلہ ۱ میں سہ ماہی دار توحید سیرٹھ کے مدیر بن
 ہوئے سلسلہ ۲ میں سہ ماہی دار خطیب دہلی کے قلمی معاون
 رہے سلسلہ ۳ میں روزانہ اخبار رعیت دہلی کے چیف ایڈیٹر
 مقرر ہوئے اور سلسلہ ۴ میں اپنا رسالہ نگار جانا کب
 اور مدیر علی کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔ تخلیقات
 کی طبعیت دانش و ادب کا آغاز انتخاب لاجواب لاہور اور
 صلائے دہلی سے ہوا۔

فقہرانہ دور تعلیم ہی میں مئی ۱۸۹۷ء اور سن ۱۸۹۸ء
 کے درمیان شروع لکھنؤ کی کاؤتق پیدا ہو گیا تھا۔ اور طرح پر
 غزل کہنگر شاعروں میں پڑھنے لگے تھے۔ غزلوں کے ساتھ ساتھ
 نظموں کا شوق ہوا۔ چند دوسروں کے بعد دانش و لطیف اور سمانی لغت
 نگاری پر بھی قابو پایا۔ یہ سلسلہ سلسلہ ۱ سے لے کر سلسلہ ۶
 تک برابر قائم رہا، سلسلہ ۲ کے بعد علمی اور مذہبی فکر انگیز تحریریں
 کا سلسلہ شروع ہوا۔ سلسلہ ۱۹۷۷ء سے تحقیقی و تنقیدی مقالات
 لکھنے کا آغاز ہوا۔

نیاز صاحب لاہور والوں اور دہلوی، عربی و ترکی ہندی اور
 انگریزی سے واقف تھے۔ انہوں نے نگار کے آٹھ نو نمبر

نکالے۔ نگار حیدرغات نے نکلا۔ آگہ، خوری سلاسلۂ ع سے
دسبر سلاسلۂ ع تک، سحر مال خوری سلاسلۂ ع سے جون سلاسلۂ
تک، لکھنؤ جولا کی سلاسلۂ ع سے جولا کی سلاسلۂ ع تک میں کچ
ہوتا رہا۔ اور کراچی سلاسلۂ ع سے جاری ہوا اور اب تک
جاری ہے۔

نیاز صاحب نے زندگی کا کافی حصہ تصنیف و تالیف
میں گزارا۔ پیاس سے زیادہ ان کی تصانیف میں جن کے نام یہ ہیں
۱۔ ایک شاعر کا انجام۔ (۲) جذبات سجاش۔ (۳) صحابیات
(۴) تاریخ الدولتیں۔ (۵) فلاسفہ قدیم کی مدحوں کا احتماع
(۶) ترفیہات مجنبا (۷) شہاب کی سرگزشت۔ (۸) نقاب
اٹھ جانے کے بعد (۹) گہوارۃ تمدن۔ (۱۰) انتقادات و جملہ
۱۱۔ مشکلات خالق (۱۲) محمد بن قاسم سے بابر تک (۱۳) مذہب
عالم کا تقابلی مطالعہ (۱۴) تاریخ سے گشتہ لوراق (۱۵) سن و
یرداں وغیرہ

نیاز صاحب کو زندگی میں دو بہت اندوہناک واقعات پیش
کئے ہیں سلاسلۂ ع میں ان کی اعلیٰ کا انتقال ہوا۔ اس کے
بعد ان کی زندگی موت ہوئی، یہ ان کو بھی جھیل گئے
لیکن ان کو یہ خبر نہ تھی کہ زمانہ کے ٹکڑے میں ایک آخری تیر لودھی
میں ادب از سر آلود تیر کر اس سے جانبر ہونا ان کے لئے
دستوار ہو جائے گا۔ اس کی توضیح حیرت انگیز نہیں مقرر آویں
سمجھئے کہ ان کی زندگی کا یہ دردناک تجربہ سلاسلۂ ع سے لکھنا

مواہد اس نے رفتہ رفتہ ان کے نظم منظمی دل و دماغ کو اس
درجہ متاثر کیا کہ استہتا مفقود ہو گئی۔ اور غذا ترک، یہاں تک
کہ صاحب خراش ہو گئے، بلاد زندگی سے بالکل بالواس، سپراگر
یہ تنہا ہوئے تو ان کو اپنی جان اتنی عزیز نہیں تھی کہ یہ اس ماحول
میں جان دینے سے گریز کرتے۔ ان کی رفیقہ حیات اور ان
کے دو چھوٹے بچوں کا مستقبل بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان یقین
تھا کہ ان کے بعد ان کو سنت نکال بھگ کا نفع بلکہ کرنا پڑے گا
اس نے ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان
کو لے کر پاکستان چلے جائیں جہاں ان سے اور ان کی بیوی
کے تمام اعزاز پہلے ہی سے موجود تھے۔

مندستان میں اسٹوں نے جیسی کامیاب زندگی گزاری
اس کا ان کو اعتراف ہے کہ حکومت مند نے ان کی کافی قدر
اخرائی کی، اس کا اکتفا یہی تھا کہ وہ مندستان میں جان دہیچے
لیکن ان کو ناگزیر حالات نے ہجرت کے لئے مجبور کر دیا پاکستان
پہنچ کر ان کے کہنے کے مطابق میری صحت و توانائی پھر عود کر آئی
اور اس سے یہ خوشی ہوئی کہ نگار کی اشاعت کا سلسلہ منقطع
نہیں ہوا، جولائی ۱۹۶۷ء کا نگار وہ لکھنؤ میں شائع کر کے کراچی میں
پہنچے تھے کہ اگست ۱۹۶۷ء کا شمارہ کی اشاعت دہائی ہو گئی۔
نگار پاکستان کی ادارت کی ذمہ داری زمانہ فتواری کو سونپی
گئی، جوان کے ہم وطن ان کے عزیز و غصص درست تھے۔
میانہ صاحب کے صاحبزادے عارف نبازی اور قمر نبازی نے بھی

ہاتھ بٹایا۔ جن کی وجہ سے رسالہ دقت پر مشتمل ہوا اور ترقی بھی
کرتا رہا۔

نیاز صاحب سے مجھ ادا دھاری کے کوئی تعلق نہیں تھا
کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔ غالباً نہ نیاز حاصل تھا اور ان سے
مجھ کو ایک دلی رشتہ نہ تھا۔ اس وجہ سے میں ان کے ملاحظہ کے
لئے اپنی ہر تصنیف، تالیف بھیجتا تھا۔ ان کا جواب دہرہ شائع ہوتا
تھا۔ اس سے میری محنت افزائی ہوتی تھی ایک مرتبہ میری
ان سے لکھنؤ میں ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ میں نے اپنی
تازہ تصنیف پیش کی۔ مل کر بہت خوش ہوئے اور دوران ملاقات
فرمایا میں آپ کی کتاب پہلی فرصت میں پوری پڑھنا ہوں اس لئے کہ
آپ نے نئے موضوع پر لکھتے ہیں اور محنت و کاوش سے لکھتے ہیں
یہ مت سمجھئے کہ آپ کی کتاب میں کوتاہی، غلطیاں نہیں ہوتیں لیکن
اس وجہ سے نظر انداز کر دیتا ہوں کہ آپ کا رنگ ڈھنگ اور
لوگوں سے علحدہ ہے۔ آپ بہت مشکل کام لے کر رہے ہیں
لہذا کا فضل ہے کہ میرے دوست و احباب کا حلقہ کم نہیں ہے
اور ہر نوع اور ہر قسم کے احباب ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ
تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں میری طبیعت کا اگر صحیح اندازہ
لگایا تو وہ نیاز صاحب نے اور اس کا اظہار انھوں نے تاریخ مصحف
اردو کی دوسری جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا۔ یہ تبصرہ بطوریکہ
۱۹۶۷ء لنگاریکستان میں شائع ہوا۔

مولانا ادا دھاری صاحب نے اردو مصحف و ادب کی تاریخ

میں بھینٹ تو رہ گیا ایسی جگہ بنالی ہے جسے اردو کا کوئی شنبہ تحریر
نظر نہیں کر سکتا۔ تحقیق کو غمو گما کر کئی کہا جاتا ہے صرف
اس دم سے کہ ہمارے محققین موضوعات کے انتخاب میں
انادیت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ نتیجہً ان کی دیدہ ریزی و محنت
کوہ کندن و گاہ بڑ آوردن سے زیادہ اہم نہیں ہوتی امداد مبارک
کے تحقیقی کاموں کی نوعیت اس گورکھی سے بالکل مختلف ہے
چونکہ مصنف اردو کے کچھ انجمن تاربخ بہارست اور عمرانیات
سے گہرا متعلق ہے۔ اسی لئے وہ اپنی کسی علمی و ادبی تحقیق
کو نفاذیت سے الگ نہیں ہونے دیتے ان کی تالیفی و تصنیفی
کاموں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف نام موضوعات کو ہاتھ لگانے
میں اور سرسری انور پر سر نہیں کھپاتے۔

۱۹۲۷ء سے پہلے نیاز صاحب کی حیثیت ایک فاضلِ ردما
نگار کی تھی لیکن اسی زمانہ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ افسانہ
نگاری ہے، پریم چند کے ساتھ نیاز فقیر کی نے بھی امداد زبان
میں نہ صرف مختصر افسانہ کی بنیاد رکھی بلکہ ایک فاضلِ منزل تک اس
کی مکمل نمبر بھی کی، ان کے تحریری کارناموں میں افسانے اور
ادبی تنقید کے علاوہ ایک ضخیم کارنامہ مسافرات کا بھی ہے۔ جن میں
اخلاق و حکمت، اقتصادیات و معاشرت، ارضیات و فلکیات
مذہب، تصوف، مخالفیات، جنسیات، علم نجوم اور سحر و سیاحت
علاوہ دوسرے کہ زمین و آسمان کا کونسا تقصیر ہے جس کو نیاز
صاحب نے نہ چھوڑا تہو اور جس کو اپنے طرزِ تحریر سے جا بوجھ

سے بڑے بڑے مرتد پڑھنے والے کے لئے دل کش نہ بنا دیا ہو
اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نیاز صاحب نے جب کبھی کسی موضوع
پر قلم اٹھایا تو کافی تحقیقات اور چھان بین سے کام لے کر اس کو
بڑے سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔

نیاز صاحب کی شخصیت اداؤں میں گونا گوں ادبی صفات
کی حامل ہے۔ مکتوب نگاری، انشاء برداری، مترجم نگاری اور
صحافت سب میں انہوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ اور امتیازی
نشانات چھوڑے ہیں۔

یہ مانا کہ ان کی نثر ان کی شاعری کے مقابلہ میں بہت
زیادہ جا ملد ہے۔ لیکن ہمیں اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز
نہ کرنا چاہیے کہ ایک زمانہ میں ان کی اردو نثر و نظم دونوں کا سکہ
چل رہا تھا۔ بلکہ ۱۹۰۵ء سے لے کر ۱۹۲۵ء تک درمیانی
عہد میں ان کی شہرت زیادہ تر شاعری اور نثر غزلیہ کی وجہ سے
نشی ۱۹۲۵ء تک نیاز صاحب نثر سے زیادہ نظمیں اور غزلیں ہی
کہہ رہے تھے۔ یوں تو اس زمانے میں ان کے قصیدے
رباعیاں، مثنویاں، غزلیں، نظمیں سبھی کچھ ملتی ہیں۔
اور ان سب میں حسن بیان اور بیانی حسن کی کرشمہ سازیاں
نظر آتی ہیں۔ لیکن جس چیز نے ایک ممتاز و مقبول شاعر
بنا دیا تھا وہ ان کی جدید نظمیں اور غزلیں تھیں ان کا کلاں
اردو کے معیاری پرچوں، مثلاً اہلال، انتخاب لاجواب
نقاد، تمدن اور زمانہ وغیرہ میں بڑے اہتمام سے شائع

ہوتا تھا ہے

سہرا اگر ہم لیت ہیں تو بے ہمارا ہی تصور
 ہے خط اپنی اگر اخلاق ہے ہم سے نفور
 اپنی لغزش تھی اگر ہے طرست مستی چور چور
 زہرا اگر کھائیں گے ہم، تو ہم کو مر جانا ضرور
 خود تو ہوں برباد اند شکوہ کریں اللہ سے
 ہو خدا بنیاد ایسے زمرہ آگاہ سے
 تو ہی ہے جس نے دنیا کو یاد میں حیات
 تو ہی ہے، زندگی جس کی تھی طرک کائنات
 ہر قدم تیرا تھا گریہ و جہل و عزم و ثبات
 نام تیرا دیر میں تھا باعث امن و نجات
 خدا معلوم دنیا کے محبت کسی دنیا ہے
 جو دشمن جوے تمنا کا دہی جان تمنا ہے

سنہ ۱۹۲۰ء

فرات | دہلی سے قسطنطنیہ کا ماہانہ رسالہ جنوری سنہ ۱۹۲۰ء کو
 ظہور پذیر ہوا۔ ۸۴ صفحات پر لکھا تھا، سالانہ چندہ
 ڈھائی روپے تھا۔ اس کے ایڈیٹر میرزید علی الواسطی تھے مطبع
 یوسفی دہلی میں طبع ہوتا تھا۔
 بنیادگار قسطنطنیہ و فرات اشعار بنی فاطمہ اور فاس آل عب
 علیہ التحیۃ والثناء ہر گزری ماہ کی آٹھویں تاریخ کو شائع ہوتا
 تھا، سرور قی پر نما عذاب فرات شائع نہ کیا جاتا تھا۔
 اس رسالہ میں شہادت کے مضامین کے ساتھ غیر ملکی اور ملکی
 خبریں چار پانچ صفحات پر چھپی تھیں۔
 جنوری سنہ ۱۹۲۰ء میں عدم تعاون کی تحریک شروع ہو چکی تھی
 یہ رسالہ عدم تعاون کی تحریک کا حامی تھا۔ ترک موالات اور معرکہ شربلا
 کے ایک مضمون میں موازنہ کیا ہے۔ یہ مضمون گیارہ صفحات کا ہے مضمون

کی ابتدا اس عبارت سے کی ہے۔
 ”یوں تو اسلام کی حالت زار اور مسلمانوں کی کوتاہی قسمت کے مرئیے
 سعدی وغالب اہل قالی کے زمانے سے اس وقت تک برابر محفوظ اس
 پر نظر آتے رہتے ہیں اور زبانوں پر جاری ہیں لیکن گذشتہ جنگ فرنگ
 سے اختتام اور اعلان شرائط صلح کے بعد سے اسلام بلا واسطہ
 اور مسلمانوں کی نارامی نے تمام دنیا میں سچان پیدا کر دیا ہے وہ اظہار نفس
 ہے جیسے ہیں کہ حکومت اور اراکین نظام حکومت نے ترکی اور شاہ ترکی
 کے متعلق عہد شکنی کر کے تمام ہندوستان و بیرون ہند کے مسلمانوں
 کے قلوب کو گھٹا کر دیئے۔ مبروفہ کا پیمانہ برباد ہو چکا عرض و
 مبروفہ کی طاقت اس لئے نہیں رہی کہ اس پر غور کرنا بھی اقتدار
 حکومت کے خلاف ہے۔ ایسی صورت حال پر چونکہ مسلمانان ہند
 نے اس امر کا تصدیق کر لیا کہ اب ہمارے لئے صرف وہی صورتیں باقی
 ہیں، پہلی صورت افراد ملی کئے لئے ہجرت ہے اور اس پر ان اشیائیں
 کو عمل کی تلقین کرنے اور حکومت سے قطع تعلق کر کے زندہ رہنے
 کی صورت غیر محال خیال کرتے ہیں، دوسری شکل ترک موالات ہے
 جسے عدم تہاؤن، عدم اشتراک عمل یا قطع تعلق کے نام سے موسوم
 کیا جاتا ہے۔ یہ طرز عمل اس جانیازان ملک کے لئے مقرر کیا گیا ہے
 جو سر فروشی کو جو ہر اور سرکجہ رہنے کو ایمان خیال کرنے میں
 صدق دل سے خدا کے وسیع و بعیر کے سامنے تمام مصائب و ابتلا
 برداشت کرنے کا عہد مقیم در غم و ہجرم کر چکے ہوں لہذا آخری
 وقت تک استہان کی غار و در منزل میں ثابت قدم رہنا اسام کا علی

شعار جانتے ہو ۛ

ترکوں سے مقابلہ کرنے کے لئے انگریزوں نے ہندوستانی فوج
جیسی تھی دی ہندوستانی فوج ترکوں میں کام آئی تھی۔ چنانچہ ایک
معرکہ میں تین سو ہندوستانی ہلاک ہوئے یہ خبر ملائٹ سلسلہ ۶
کے فرات میں چھپی۔

" لندن - ۲۶ جولائی، عرب اب تک ریلوے اور انگریزی چوکیوں پر
حملے کر رہے ہیں۔ ایک دستہ عنقریب رزوانہ کیا جائے گا۔ ہلاکت کا
اندازہ تین سو لاکھ چار سو کے درمیان ہے لیکن مقتولین میں کثرت
ہندوستانی سپاہیوں کی ہے نصف درجن انگریز اسیر ہلاک و مجروح
ہوئے ہیں۔ عراق میں جو سابقہ ترکی فوج موجود تھی اس کے
بعض افراد عراقیوں کی مدد کر رہے ہیں ۛ

علی گڑھ میگزین

یہ ماہانہ علمی و ادبی رسالہ جنوری سلسلہ ۶
کو علی گڑھ سے ظہور پذیر ہوا۔ ۶۵ صفحات

پرنٹنگ نصاب اس کے ایڈیٹر رشید احمد صدیقی تھے۔

مؤذن اسکولہ لٹریٹریل کالج میگزین جولائی سلسلہ ۶ سے
تا دسمبر سلسلہ ۶ سرفہرے آٹھ سال تک نکلتا رہا۔ جنوری سلسلہ ۷ سے
اس میگزین کا نام بدلی کر علی گڑھ منتقل کر دیا گیا اور دسمبر سلسلہ ۷
سے یہ رسالہ اسی نام سے بار نکلتا رہا۔ جنوری سلسلہ ۸ سے
اس میگزین کا نام علی گڑھ منتقل کے بجائے علی گڑھ میگزین کر دیا گیا
رشید احمد صدیقی کے بعد سے اس کے ایڈیٹر یونیورسٹی کے

طیبا، مونتے رہے، خواجہ منظور حسین، آل احمد سرور، جان شدا اختر
 ابو البیت صدیقی، سعید الدین زرداکی، آفتاب احمد صدیقی، افتخار
 احمد آرزو، شبیہ الحسن لونہری، خلیل الرحمان اعظمی، قمر مبین اور
 شہر یار بیگزین کے ان لائق و قابل ایڈیٹرز میں سے وہ ہیں جنہوں
 نے آگے چل کر اردو شعردار کے میدان میں نمایاں شہرت حاصل

کی۔
 علی گڑھ بیگزین چند شماروں تک اردو اور انگریزی زبانوں میں علیحدہ
 علیحدہ حصول کے ساتھ مشترک شائع ہوا۔ لیکن جلد ہی اس کے دونوں
 حصے ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہو کر مستقل رسالے کی صورت
 میں الگ الگ شائع ہونے لگے اور اردو کے بیگزین کا انگریزی کے بیگزین
 سے بڑی تعلق باقی نہیں رہا۔ یہ بیگزین سلسلہ ۱۹ میں بند ہو گیا۔

بیگزین بنیادی طور پر طیار کا پرچہ ہوتے ہوئے بعبار میں ان
 زبانوں سے کسی طرح بھی نہ نہیں رہا۔ اسے ہمیشہ شعور و محروفت
 ان قلم کاروں کا حاصل رہا۔ مختلف اصناف کے بہترین کلمے والے
 اثر میں حصہ لیتے رہے جن میں کثیر تعداد ایسے ادیبوں کی تھی جنہوں
 نے علمی کردار کی دنیا میں تربیت پائی تھی اور ہمیں انھوں نے قلم پڑھانا
 سیکھا تھا، بہت سے ایسے ادیب بھی تھے جو علی گڑھ سے باہر
 تھے لیکن انھیں شہرت بیگزین میں ہی کلمے سے حاصل ہوئی۔ پروفیسر
 تہ صہ ابھی کے اپنے ہاتھوں میں لکھا ہے۔

”تکھے ۱۱ حوالہ لکھنے کی شوق اور سچا برا لکھنے کی شہرت پر صہ
 مجھے علی گڑھ بیگزین کے طویل سے لغیب ہوئی اور اس طرح کا

نفع مجیزین نے میرے علاوہ شاید کسی اور کو پہنچایا ہو نہ
 مجیزین نے دقتاً نوکشتاً اقبال، احسن، ثانی، غالب، اکبر
 اور حمزہ خیریت کے، ان کی حیثیت ادب میں نہایت اہم، مستقل
 اور شہس کار ناموں کی ہے لہ

برق سخن

آبودیداس سے جنوری ۱۹۲۰ء سے یہ ماہانہ
 گلدستہ شائع ہوا ہے ۸۴ صفحات پر لکھنا
 تھا، منشی محمد ابراہیم قدیر اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دورہ پے
 چار آ لے تھا۔

علاوہ ہم طرح کلام کے حمد و نعت کی غیر طرحی غزلیں بھی درج
 کی جاتی تھیں لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ کا تھا۔

دلکش

جنوری ۱۹۲۰ء کو مراد آباد سے یہ ادبی رسالہ ظہور
 پذیر ہوا۔ ۸۴ صفحات پر لکھنا تھا، سٹر اڈہ کرن
 انژنری اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا منوہر پریس
 مراد آباد میں چھپتا تھا۔

اعجاز

محلہ کالی پگڑی امر دہ ضلع مراد آباد سے یہ ماہانہ
 گلدستہ جنوری ۱۹۲۰ء میں نمودار ہوا ۳۲ صفحات
 پر لکھنا تھا، افسر امر دہی اس کے ایڈیٹر تھے۔

اس گلمستہ میں ہندوستان کے مشہور شاعر کا طرحی و غیر طرحی کلام
نئے ہوتا تھا۔ خاص طور سے اساتذہ کے کلام سے اس کو زینت دی جاتی
تھی۔

صحیفۃ الوارث جولائی ۱۹۱۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ بارہ بجی سے
جاری ہوا، ۲۱ صفحات پر مشتمل تھا، سالانہ چند
تین روپے چھپانے تھا۔

سرورق پر حضرت دارث غنی شاہ قدس سرہ العزیز کے دو حصے
ساری کا نقشہ چھپتا تھا۔ مضامین نثر صوفیانہ و ذرا ماکاں کے تذکرے
درج ہوتے تھے۔ حمد و نعت میں باکمال شاعر اپنا زور قلم دکھاتے تھے
کچھ کی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ تھا۔

تہذیب الاخلاق یہ ماہانہ رسالہ اہل تشیع سے ستمبر ۱۹۱۷ء

مطابق ۱۳۲۶ھ کو جاری ہوا۔ ۳۲
صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر عبداللہ اعجازی تھے۔ عام خریدار
سے سالانہ چند تین روپے اور خریداروں وکیل سے دو روپے آٹھ آنے
لیا جاتا تھا۔

برسالہ کیوں جاری کیا گیا پہلے شمارے ستمبر ۱۹۱۷ء میں یہ دو جہات
میان کی گئیں ہیں۔

”احیائے تہذیب الاخلاق کی ضرورت قوم انھیں وجہ سے
مذہبوں سے محسوس کی تھی۔ عام راستے بارہا یہ ہوئی اور یہ امانت
مستعد مرتبہ پیش کی گئی۔ لیکن فابین ان بیجملہ کا اثر

آنا غالب تھا کہ بزرگمان ملتان خاموش رہے اور پچھلے سال کی مسلسل تحریک سے جس کا سلسلہ قوم کی طرف سے اخبار دکن میں سال بھر تک جاری رہا متاثر ہو کر یہ بار ایسے علوم و جہول ان کو اٹھانا پڑا جس کی طاقت و قابلیت کا سرمایہ محض اس قدر ہے کہ حبیب اللہ انیم ہوگی۔ اغراض و مقاصد کے لحاظ سے تہذیب الاخلاق اس دائرہ سے ایک قدم سرفراز نہیں ہونا چاہتا جو سرسید مرحوم نے اس کے لئے قرار دئے تھے اور جس کی تشریح ہم کر چکے ہیں۔

اس رسالہ کے مصنف نگار پروفیسر محمود علی، ڈاکٹر صادق علی خواجہ عباد اللہ افتخاری، اے، مولوی احمد الدین مدرسہ مدرسۃ المسلمین امرتسر، علامہ عبد الحمید شکاری، شیخ جمال الدین قاسمی محدث، شام بہانج الدین، ایم، ایس، اسی، خواجہ عبدالحی فاروقی دیوبندی، ابوالبرکات محمد عبدالمالک اور محمد ناظر حسن نعمانی نقشبندی تھے۔

نوٹ ہال

یہ رسالہ حیدرآباد دکن سے سالانہ ۱۹۲۷ء کو جاری ہوا ۴۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب مرغوب الدین بی اے علیگ اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چند ڈھائی روپے تھا۔ اس پچوں کے رسالہ پر سالانہ معارف اعظم گڑھ نے مورفہ اگست ۱۹۲۷ء میں حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

یہ مامور رسالہ حیدرآباد دکن سے جناب مرغوب الدین صاحب بی اے علیگ کی ایڈیٹری میں شائع ہوتا ہے مضامین، اخلاقی تاریخی احواد اہل ہوتے ہیں غالباً یہ رسالہ خاص طور پر طلباء کے افادہ و

استفادہ کے لئے جاری کیا گیا، نظمیں بھی درج کی جاتی ہیں، رسالہ مفید ہے لکھائی چھپائی اور کاغذ ہر چیز عمدہ ہے صفحات ۳۲
مجموعت سالانہ ڈھائی روپے، پتہ دفتر کوئٹہ ہلال محلہ حیلہ پورہ
عبد آوادکن۔

دہلی سے یہ ماہانہ رسالہ سن ۱۳۱۷ھ میں نمودار ہوا
۸۴۴ صفحات پر لکھنا تھا اس کے ایڈیٹر پروفیسر
نسب جو ناتھ چوڑہ تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ پچھلے سال کے بعد تک شجھو ناتھ کی زندگی تک لکھنا تھا
یہ ماہنامہ معصوم ادبی علمی لاہور سے سن ۱۳۱۷ھ کو
نمودار ہوا۔ اس کے ایڈیٹر خان محمد حسین خان
بی اے، خان بہادر شیخ عبدالقادر بی اے سابق
ایڈیٹر غزن لاہور، جوائنٹ ایڈیٹر خان عبدالعزیز بی اے، اور
خواجہ دل محمد ایم، اے تھے ۸۴۴ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ
پانچ روپے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ نور محمد اگت سن ۱۳۱۷ھ میں اس رسالہ
پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اب تک ہماری زبان کے
صوفیہ و دینی رسالے شائع ہوئے، مضامین کے لحاظ سے
پرچہ دل حسب ہے اور نظمیں بھی عمدہ ہیں اس میں کبھی کبھی شاعر
کی تقریریں بھی شائع کی جاتی ہیں چنانچہ اس پر بھی زبان العصر
اکبر باری کی تقریر شائع کی گئی ہے اہمیت سالانہ پانچ روپے۔

ادیب

ناگپور سے یہ ماینامہ ادبی رسالہ سنہ ۱۹۲۲ء میں جاری ہوا۔ اہم صفحات پر لکھا تھا، مولوی عبد الغنی صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چند تین روپے تھا۔

معارف اعظم گرامہ مورخہ اگست سنہ ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پر ریویو ہوا تھا۔

”ماکد متوسط کے دارالسلطنت ناگپور سے یہ ایک علمی رسالہ جاری ہوا۔ جو مفاہین کے لحاظ سے قابلِ داد ہے نظم کا حصہ بھی اچھا ہے چنانچہ اس نمبر میں مولانا شبلی مرحوم کی ایک غزل شائع کی گئی ہے زبان کے لحاظ سے البتہ کسی قدما صلاح کی ضرورت ہے جو نہایت آسانی کے ساتھ دور کی جاسکتی ہے رسالہ کی سالانہ قیمت تین روپے ہے جو فضیلت اور غلطی محاسن کے لحاظ سے مناسب ہے۔“

مگر کھچید سے سنہ ۱۹۲۲ء کو یہ مہفتہ دار اخبار جاری ہوا۔ جناب وحید عباس کا اس کے ایڈیٹر بنے

سالانہ چندہ دس روپے تھا۔

اس اخبار پر معارف اعظم گرامہ مورخہ ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء میں تبصرہ کیا تھا۔

”مولوی احسان اللہ عباسی دکن گورکھپدی انی تصانیف اور قانون دانی میں مشہور ہیں، یہ اخبار ان کے صاحبزادے سٹر وحید عباسی نے جاری کیا ہے جس کے ایڈیٹر سٹر محمد فاروق ایم ایس سی اور سید کمال حسین ایم اے ہیں جس میں ادل الذکر مجدد کے سب ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور نوغوالذکر سلم عزٹ کے اسٹاف

میں آنزیری طور پر یکم کیا ہے۔ اخبار نگار ہے، واقعات حاضرہ پر آنزوی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتا ہے قیمت سالانہ چار روپے ہے۔

روزنامہ زمانہ کلکتہ سے یہ روزنامہ سالانہ ۱۹۲۷ء کو جلوہ نگاہ ہوا، چار صفحات پر کلکتہ تھا کبھی صفحات زیادہ بھی ہو جاتے تھے، مولوی محمد اکرم خاں صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، لی پرچہ قیمت روپیہ تھی۔

سحارت اعظم کلکتہ سورجہ جولائی ۱۹۲۷ء میں اس روزنامہ پر تبصرو کیا تھا۔

اس نام کا ایک اخبار مولوی محمد اکرم خاں صاحب کی ایڈیٹری میں کلکتہ سے جاری ہوا۔ جو ایک کمنہ مشق اخبار نویس ہیں اور ان کے بڑے بڑے اخبار قومی مسائل پر نہایت پر جوش مضامین لکھتا ہے لیکن بایں ہندوؤں کی ماسپوراری افسوسناک ہے بعض جگہ طرز بیان اس قدر جذباتی رکھا جاتا ہے گویا سامنے اہل مال مرحوم کا قاتل رکھا ہوا ہے بعض جگہ انتہائی فحش پیدا ہو جاتی ہے اس مزدوری اصلاح کے بعد امید ہے کہ یہ اخبار قوم دنگ سے لے ہر طرح مفید ثابت ہو، کلکتہ سے اردو روزنامہ اخبار کی سہفت ضرورت تھی یہ اخبار اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نکلا ہے اس کی قیمت فی پرچہ دو پیسے ہے اور نمبر ۲۹ اپریل کلکتہ سے مل سکتا ہے۔

نقیب سچلوی شریف سے یہ ماہانہ رسالہ سالانہ ۱۹۲۷ء کو جاری ہوا۔ جواب تک بڑی آب و تاب سے جاری ہے اور اپنی پرانی وضع پر قائم ہے۔

رہبر دکن حیدر آباد دکن سے یہ روزنامہ سلسلہء عوامی جاری ہوا
چار اور چھوڑے صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کو
احمد علی الدین نے جاری کیا۔

حیدر آباد کا یہ ممتاز اخبار حیدر آباد کی سیاسی تبدیلی تک زندہ رہنے
کے بعد ستمبر ۱۹۲۹ء میں بند ہو گیا لیکن نو ماہ بعد جولائی ۱۹۳۰ء میں
منظور حسن صاحب انصاری نے نئے اخبار رہبر دکن کے بجائے رہنمائے
دکن کے نام سے ڈیگرائٹین حاصل کیا سلسلہء ۱۹۳۰ء میں منظور حسن صاحب
نے اس اخبار سے علمی و ادبی اختیار کر لی، سید ذکار الدین رہمائے دکن کے موجودہ
ایڈیٹر ہیں اور ان کے بڑے بھائی سید لطیف الدین میمنگ ایڈیٹر کے
ذرائع انعام دے رہے ہیں ۷

رہبر دکن میں تمکین کاظمی صاحب نے بھی ادارت کے فرائض انجام

تمکین کاظمی کاظمی صاحب سلسلہء ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے آپ کو
شعرا و ادب کا ذوق در لہ میں ملا تھا ان کے والد
ماجد حضرت علی اردو فارسی کا نکھر اموا مذاق
رکھتے تھے اور شاہری میں حضرت داغ دہلوی کے شاگرد تھے، فنی
کیفی اور بازغ ان سے سمجھ اور گہرے دوست تھے، رات دن گھر میں
شعرا و ادبی کا چرچا رہتا تھا اور ان سے بے کی محفلیں گرم ہوتی تھیں۔
لیکن صاحب نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور اسی رنگ میں رنگ گئے

آپ گھر پر اور کبھی تعلیم کے پر ساختہ اور برداختہ ہیں، یوں نیا بے
 غلطی نامی کے استہان میں بھی کامیاب ہوئے لیکن یہ اس وقت کی بات
 ہے جبکہ ان کی ذہنی تربیت کل موٹھی تھی تو اخبار نویسی کا پیشہ اختیار
 کیا اور ایک مدت تک ہمدرد کن، صبح دشمن، پنج ارعیت اور
 نظام گزٹ سے وابستہ رہنے کے بعد ۱۹۵۷ء میں وظیفہ پر علیحدہ
 ہو گئے۔ وہ نذر کن، سروش لاہور اور خادم کلکتہ کی مجلس ادارت
 سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۶۷ء میں ایٹیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے
 ۱۹۶۹ء میں رائل ایٹیاٹک سوسائٹی آف گرین برٹن آئر لینڈ
 کے رکن چنے گئے۔

ان کی ادبی زندگی کا آغاز شروعاتی سے ہوا۔ لیکن جب فرائض
 شعور بلند ہوا تو ان کی عری ترک کر دی اور تنقید و تحقیق کے میدان میں قدم
 رکھا۔ صاحب تصانیف میں جن میں غنیہ، مسم، مذکرہ، رنجی، مقدمہ
 زبیر داغ، علی زندگی اور جینے کے طریقے قابل ذکر ہیں اسکاؤٹلڈ
 کے دو ڈراموں کو بھی آرٹسٹ اور جیل کے نام سے اردو میں منتقل
 کیا، یوں اردو داغ پر بھی کتا میں شائع ہونے والی ہیں لیکن کاظمی صاحب
 پرانے لکھنے والے ہیں صلیہ کی تمنا اور ستارش کی پرداۓ کے غیر کام
 کرنا کوئی ان سے کیسے انھوں نے دفتریت کے گھٹاؤ اور معاشی
 الجھنوں کے باوجود ادبی ذوق کو زندہ رکھا اور ناساۓ حالات کے باوجود
 اپنی کتا میں چھپتے رہے۔

بند کے ماترم
 یہ روزنامہ لاہور سے منسلک اخبار میں ظہور
 پذیر ہوا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا اس کے
 بانی لالہ لاجپت رائے ایڈیٹر سردار دھن
 سنگھ تھانی تھے دورانہی اس کے ایڈیٹر لالہ میلا رام دفا بھی ایڈیٹر تھے
 ابتدا کی نمانہ میں اس کے ادارہ میں ملک یوسف الہی زیدی شامل تھے
 جو آج کل ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ تعلقات عامہ منترہ پاکستان کے عہدہ سے
 ریٹائر ہو کر گزشتہ فٹن تیس ہو گئے ہیں برصغیر میں یہ پہلا اخبار تھا جو سنٹرل
 سرمایہ سے جاری ہوا۔

اس اخبار کی ان علت ابتداء میں چھوٹے قریب ہو گئی تھی
 دوسرے سال سات ہزار سے زیادہ ہو گئی تھی۔ لیکن ترک مولات
 کے بعد ان علت گھٹ گئی تھی، جن لوگوں نے اس اخبار کا مطالعہ
 کیا ہے ان کا اندازہ ہے کہ فن صحافت کے لحاظ سے یہ اخبار معیاری
 تھا۔

ضیافت پنج
 بیرون دہلی دروازہ لاہور سے یہ منعت دار
 ظریف اخبار منسلک اخبار کو جاری ہوا، اس کا
 سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ آٹھ صفحات پر
 نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا میر غلام حسین صاحب کاشمیری تھے
 اس اخبار پر نیرنگ خیال لاہور کے شمارے جون منسلک ۶ میں
 حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

”ایک منعت دار ظریف اخبار ہے جو مولانا میر غلام حسین صاحب
 کاشمیری کی زیر ادارت لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ ضیافت پنج کی

قیمت فی پرچہ ایک آنہ اور سال بھر کے لئے دسترخوان پر پہنانے کے لئے صرف چار روپے ہے۔ ہمارے خیال میں جس دسترخوان پر ضیافت پختہ ہو وہاں سیروں کا ناخبرہ کاروائے معصوم ہو جاتا ہے اس کے مطالعہ سے تمام کلفت اور رنج و فکر دور ہو جاتا ہے بھوک لگتی ہے، پس جو لوگ سوئے مضمین دایمی قبضہ یا کئی اشتہا کے شاکہ سول وہ اس چٹنی سے دارا اخبار کو ضرور خریدیں، جس میں ہر لمحہ چٹنی، دلہ اور بلاؤ وغیرہ سبھی قسم کے کھانے ادبی پیرائے میں چنے جاتے ہیں، لیبر ضیافت پنج بیردن دہلی دروازہ لاہور سے طلب کیجئے۔

فیما محل دہلی سے یہ مہنامہ سن ۱۲۹۷ھ کو نمودار ہوا

۱۶ صفحات پر مشتمل تھا، اس کے ایڈیٹر سراج

الاطبار حکیم حافظ حمید اللہ بیگ، امر دہلوی تھے

سالانہ چندہ آٹھ آنے اور نمونہ کا پرچہ مفت بھیجا جاتا تھا۔ یہ مذہبی، علمی، تاریخی، ادبی، تمدنی، معاشرتی اور تفریحی مہندستان کا سب سے ستارہ سالہ تھا۔

جواہرات

سال ۱۹۲۱ء

اُردو | اورنگ آباد سے یہ سہ ماہی رسالہ جنوری ۱۹۲۱ء کو جلوہ نگن ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب تھے۔ سالانہ چہندہ دس روپے تھا۔

اس زمانے میں اردو کس پرسی کی حالت میں تھی پرانے شعرا اور شرا کے تذکرے نایاب دنیا میں تھے لوگ ان سے واقف تک نہیں تھے بہت سے الفاظ اور محاورے تحقیق طلب تھے انگریزی الفاظوں کے استعمال کا بہت زور تھا۔ ان تمام کاموں پر عملی طور پر توجہ دینے کے لئے رسالہ اردو جاری کیا گیا تھا۔ ان ہی مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے بابائے اردو عبدالحق صاحب نے رسالہ اردو جاری کیا تھا بابا نے اردو نے پہلے شمارے جنوری ۱۹۲۱ء میں اس زمانہ کے مطابق

حسب ذیل ادارہ یہ تحریر فرمایا تھا۔

”ابتداء سے انجمن ترقی اردو کے مقاصد میں یہ داخل ہے
 اس کی طرف سے ایک رسالہ شائع کیا جائے لیکن سرمایہ کی
 قلت اور حالات کی ناساعدت کی وجہ سے یہ ضروری مقصد
 اب تک عمل میں نہ آیا۔ اب حالات اور واقعات بہت کچھ بدل چکے
 ہیں انجمن کی حیثیت بھی وہ نہ رہی جو پہلے تھی اور اگرچہ اس کا سرمایہ
 اتنا نہیں جس پر ہم غور کر سکیں مگر ایک حد تک قابل اطمینان ضرور
 ہے۔ اور جو اس کے ارکان کی تعداد جیسا کہ ہماری خواہش ہے
 بڑا ردل تک نہ پہنچتی ہو تاہم اس کے سرپرستوں اور حامیوں کی ایک
 فتنہ جاعت ایسی ہے جو اس کی ترقی کی خواہاں اور اس کی لمحات
 کے لئے دل سے آمادہ رہتی ہے۔ علاوہ اس کے اقتضائے
 وقت ایک ایسی چیز ہے جس کے سامنے سرحد کا ناپڑتا اور جسے
 وقت پر نہ سمجھنے سے ہمیشہ پھینکا ناپڑتا ہے اس کے بعد تامل
 کرنا یا کسی بہتر زمانے کا انتظار کرنا ناقابل الزام ہو گا۔ اس لئے بعد
 غور و مشورہ کے یہ قرار پایا کہ اس سال میں جس طرح بن سکے
 انجمن کا رسالہ ضرور شائع ہو جانا چاہیے۔“

اب سوال یہ ہے کہ یہ رسالہ کیا ہو، مگر اس سوال کے جواب
 میں دراصل سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا اس کی تشریح کی ضرورت ہے
 انجمن کا مقصد ظاہر ہے اور اس کا رسالہ اس کے مقصد کے تابع
 ہو گا۔ اس لئے بظاہر کچھ تشریح یا توضیح کی ضرورت معلوم نہیں
 ہوتی۔ لیکن اس بارے میں جب بعض احباب سے گفتگو ہوئی تو

معلوم ہوا کہ اس کے سمجھنے میں الجھن پیدا ہوئی ہے لہذا کیا عجیب ہے کہ ہمارے بعض ناظرین کو سچی اردو کے موجودہ رسالوں پر قیاس کرنے سے غافل ہو گا لہذا اس رسالہ کی خصوصیت کے متعلق مختصراً کچھ لکھنا مناسب ہو گا۔

سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ رسالہ حال ہی میں ہو گا۔ یہ مثل کثکول قسم کے نہ ہو گا جس میں ہر قسم کے مطلب دیالیں اور ان میں بے جواز مضامین بھر دئے جاتے ہیں اور کوئی خاص مقصد پیش نظر نہیں ہوتا۔ صرف پیشانی پر اس قدر لکھ دینا کافی ہے۔ ادبی اخلاقی، تاریخی، معاشی، سیاسی رسالہ میں نے قریباً نہیں لکھا ملک کو ایسے رسالوں کی بھی ضرورت ہے مگر الجھن کا رسالہ ادب اور اس کے متعلقات کی حد سے آگے بڑھنا نہیں چاہتا، اس پر اکثر صاحبوں نے اعتراض کیا وہ فرماتے ہیں کہ کاغذ کی یہ نادر قیمت کچھ لگی اور یہ معقول قیمت تک مسدود کرے گا، بہت ہوا تو دو سال چلے گا اور آخر یہ دفتر تھپ کرنا پڑے گا۔ میں اس کا جواب دینا چاہتا ہوں، میرا خیال ہے کہ ان صاحبوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا اور ردش عام اس رائے کا باعث ہوئی ہے اگر ذرا نظر غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ یہ میدان باوجود دشمنی کے بہت کچھ وسعت رکھتا ہے اور سچائے محمد ایک عالم ہے، قلم کا سا خراب پانہ ہو تو یہاں وہ وہ منظر نظر آتے ہیں جن کے مٹنے کا شکار ہونے اور بیان کرنے کو ایک عمر چاہیے نظر کو کچھ نہ کرے تو بہت سے خزانے ہیں جو ابھی تک پردہ اخفا میں ہیں اور جنہیں ہوا تک نہیں لگی، ہمہ تن جی نہ چرائے تو بہت سی

کانیں میں جو ابھی کھولنی ہیں۔
 کون انکار کر سکتا ہے کہ بہت سے الفاظ اور محاورے ابھی تحقیق

طلب ہیں۔
 بہت سے ایسے مصنف اور ناشر ہیں جن کا کلام ابھی تک بے
 دردِ دلی تک نہیں پہنچا۔
 بہت سی کتابیں ہیں جو کہنے کے بعد ہی گوشہ گنہامی میں رہ گئیں
 یا شائع ہونے ہی ناپید ہو گئیں۔

زبان کے رسم الخط، الفاظ اور انشائیہ میں بہت سی باتیں اصلاح
 طلب اور ضرورہ اور بحث کی محتاج ہیں۔ اردو کی تاریخ اور نشوونما
 میں بہت سی منزلیں ابھی طے کوئی باقی ہیں۔

تہا زور زبان سے مختلف شاخیں ایسی پھوٹی ہیں جن کا بار بار
 لگانا ضروری ہے مثلاً خود اردو کس خاندان کی ہے اور اس میں باہم
 کیا تفاوت اور تعلق ہے اور ملک میں اس کا کیا درجہ ہے زمانہ کی
 ترقی و انحطاط کا بہت سی ایسی تجویزیں ہیں جو ابھی تک عالم خیال
 سے صاف نظر اس پر نہیں آئیں ان پر بحث کرنا، ان کا جانچنا، اور
 ان کو عمل میں لانا ابھی بڑے کام ہیں۔

تنقید، جو ادب کی جان اور ذوقِ سلیم کی روح رواں ہے
 ابھی ہمارے یہاں ابتدائی مرحلہ میں ہے اسے صحیح رنگ میں ڈھنڈنا
 بہت بڑا فرض ہے، اس کے بغیر ادب کی خدمت اور اہمونی ممکن
 نہیں، اردو کے بہت سے ایسے محسن ہیں جن کے حالات اور
 کام نامے ملک کے سامنے پیش آئے چاہئیں اور خاص کر جو

خدمت انھوں نے اردو کی ہے اسے وضاحت کے ساتھ دکھانے اور ان کے کلام پر سمدردانہ اور تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت باقی ہے۔ اس کے علاوہ غیر زبانوں کے ادب میں لیے اصول چھاپر میں جو صاحب نظر ادیب اور کائناتین ادب کے لئے سب سے بڑا انتہہ ہیں ضرورت ہے کہ انھیں اردو کے لباس میں پیش کیا جائے تاکہ ہمارے اہل ملک اسلوب بیان اور تعمیل وادائے مطلب سے حظ حاصل کریں اور مستمتع ہوں۔

”خود غیر زبانوں کے ادب کا بیان ہمارے لئے سبق آموز اور عبرت فیز ہو سکتا ہے، مثلاً اس نے سن ذرائع سے ترقی حاصل کی اور اہل ملک کے خصائص و عادات پر کیا اثر ڈالا اور ملک کے سبھانے اور بنانے میں کیا کام کیا۔ اس زمانے میں اردو کے حامی اور بی خواہ انہی زبان کو علمی زبان بنانے کے سعی میں اداس کے لئے نہایت کچھ بھی سہی کر رہے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ کس قدر دشوار اور آٹھن نمری ہے۔ جدید اصطلاحات اور نئے خیالات کے لئے الفاظ کی تلاش کرنا لوہے کے چنے چبانا ہے باوجود نرار سرمرلنی اور جہاں کا دی کے بیان تشنہ رہتا ہے اور مطلب ادا نہیں ہوتا دوسرے اچھے اچھے ذہین اور سادہ صحاب اس کوہ سعی اور غر پاشی سے عاجز ہو کر کام معیور بیٹھے ہیں یا یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے خیال وراے کے مطابق من مانے الفاظ استعمال کر کے گفت ہے جس سے پڑھے والے کو سخت الجھن ہوتی ہے اور زبان میں کوئی لفظ قائم نہیں ہونے پاتا لیکن کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے اپنے خیالات کا

ظہار کھائی کریں۔ ان جنموں کو کیوں کر پیش کیا جائے اور فیصلہ کس طرح ہو۔ اس کے ایک ہی صورت ہے جو ہمارے آپ کے پیش نظر ہے ۵

اعلا وہ اس کے زبان و ادب کے تعلق اور بہت سے مباحث اور مسائل میں جو کتابوں میں نہیں آ سکتے جنہیں الگ شائع نہیں کر سکتے ان کی تصنیف ایسے ہی رسالہ میں ہو سکتی ہے جس کا ایک ہی مقصد ہے تاریخی اسے پڑھیں، ضرورت ہو تو اپنے خیالات اور تنقید سے دوسروں کو مستفید کریں اور عالم نہ بحث سے سب کو فائدہ پہنچے۔

محررات بات اور ہے کہ بعض اوقات پر دراز ایسے بلند نظر اور پاکیزہ دل ہیں جو اپنے فکر یا سے مولیٰ اخباروں اور عام رسالوں کے حوالہ لانا نہیں چاہتے ان کے لئے کئی کو آخر کوئی سامان ہونا چاہیے۔ طرہ سے قدر غور کیجئے اسی قدر اس مضمون میں وسعت نکلی آئے گی، اس قدر سمجھنے کے بعد اب ضرورت باقی نہیں رہی کہ رسالہ کے مقاصد بیان کر دیں۔

مخبر یہ کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ رسالہ اردو زبان و ادب کی ایسی مفید اور حقیقتاً نہ جنموں سے مال مال ہوتا کہ ناقصین ادب اسے غور و شوق سے پڑھیں اور اہل فکر کے ذوق پر اس کا اچھا اثر ہو اور وہ دل آئے کہ لوگ اس کے پرچے ڈھونڈتے پھریں۔

بعض احباب یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی اب دو حوالے بلند پایہ بناؤں گے لئے اس نہیں۔۔۔ افضل یہ ہے کہ کوئی چیز ہونی چاہیے جس کا مقصد ہوا کام کیا جائے اس کا حق پورا ہونا چاہیے خواہ وہ ایک سال یا دو سال میں نہیں۔ مگر جب تک نظر مبہنی کی طرف ہے پس کسی طرف مائل نہ ہوا، اگرچہ اس میں شک نہیں اردو زبان کو جیسی

ترقی ہونی چاہتے تھے وہ نصیب نہیں ہوئی تاہم اس کا رخ آگے کی طرف ہے لگوں کو اپنی زبان کی ترقی کا احساس پیدا ہوتا جا رہا ہے ہر سال علمی و ادبی کتابوں میں اضافہ ہو رہا ہے نئے نئے لکھنے والے پیدا ہو رہے ہیں طرزِ تحریر میں نمایاں فرق پیدا ہوتا جا رہا ہے ترجمہ و تالیف میں نئی شان نظر آتی ہے اقدردانوں کی تعداد بھی بڑھتی جاتی ہے لکھنے پر جتنے ادب کاروں کا شوق بھی پہلے سے زیادہ نظر آ رہا ہے ایسے وقت میں ایک ایسے رسالہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے کیونکہ جہاں حالت امید افزا اور ذوق بڑھتا ہوا ہے وہاں شعور بڑھتا بھی ہے بعض نئے اثر پر دازِ جدت کے دھوکے میں یا تقلید کے غیر محسوس اثر سے بے مزہ بہم اور مدارِ قیاس استعارات و تشبیہات اور جھوٹی تزیینوں کے دلہل لیں چھپس چھپے ہیں اور نثر سے آخر تک ایک عجیب قسم کا طرزِ تحریر ہوتی ہے، عربی نہ فارسی نہ ترکی بعض صاحبوں نے اب رنگ اختیار کیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اردو نہیں عربی فارسی لکھ رہے ہیں۔ اور مرزا غالب نے ابتداء میں فارسی، تہذیب سے اردو نظم میں رنگ پیدا کیا تھا وہ اب نثر میں پیدا کرنا چاہتے ہیں، ایک دو سرا ختم ان سے بھی چار قدم آگے ہے جو انگریزی کا دلدادہ ہے انگریزی الفاظ کا کہیں کہیں استعمال اگرچہ معیوب ہے مگر اتنا معیوب نہیں جتنی انگریزی کا اردو، انگریزی لہجہ اردو سے مراد وہ طرزِ تحریر ہے جو فطرتِ اردو کے خلاف انگریزی ترکیب اور وضع پر لکھی جاتی ہے جس میں اکھڑے بھڑکے فقرہ کو جو کرا انگریزی وضع کا ایک طویل طویل جملہ بنا دیا جاتا ہے

تس کے صامے ابو الفضل کی شرکی کوئی حقیقت نہیں، جمہول کا
 جھوٹا اور طولانی ہونا تو ایک طرف، اس میں الفاظ کا استہلال
 دران کی غلبہ بالوس اور بے لطف ترکیب اور غضب و محاتی ہے
 جید صاحب اس قسم کی ارد و لکھیں تو خیر کچھ سفاک نہیں۔ لیکن ڈر
 ہے کہ ان کی تقلید میں اگر دوسرے لوگ بھی اس دھڑے
 پر پڑ جائیں تو اردو کی آبرو خاک میں مل جائے گی۔ کچھ زیادہ
 زار نہیں مگر زار کہ اردو زبان کی تاریخ میں ایک ایسا وقت آبا سھا جبکہ
 اردو طرزِ سخن پر فارسی عربی سے بے عمل اور جا دے کا استعمال
 یہ فارسی کا رنگ غالب آگیا تھا سکا اردو کی حیثیت بگڑ چکی تھی۔ خدا
 کہ یہ جنون کم موقوف اب دوسری بلاناہل موتی کہیں ایسا نہ ہو
 کہ جس طرح فارسییت نے غلبہ کو کم سونے میں ایک مدت ٹکلی جس سٹے
 لئے ہم سرسید، حالی، آزاد جیسے اصفی مذاق اور عالی بابہ اثر پرانوں
 نے شہرت میں پھر ایک مدت گزرنے کے بعد ہماری آنکھیں کھلیں
 اور انگریش کے اثر لومنانے کے لئے کسی خاص جدوجہد یا لطیفہ
 نصیبی کا انتظار کرنا پڑے یہ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ ہم دوسری
 رہائوں کو بڑھ بڑھ کر خود پسندی سے یا غرورِ علمیت میں ان
 کی آمیزش اور آلائش سے اپنی زبان کو گندہ کریں۔ مرزبان خاص
 صاحب خصوصیت رکھتی ہیں مرزبان میں طرزِ اداسے خاص اسلوب ہوتے
 ہیں مرزبان کی فصاحت جدا گانہ ہوتی ہے اور اس نے اس میں
 ٹپکنے کے لئے ان خصوصیتوں کا مطالعہ ضرور اور ان کی پیروی
 لازم ہے۔ جدت کوئی مانع نہیں، یہ زبان کا حسن ہے بشرطیکہ

حسن ذوق اس کا ہم لو اہو، کسی ایک زبان کو دوسری زبان پر چڑھانا بد مذاقی ہی نہیں جہالت سے غلطی کا ہونا اس قدر قابل اعتراض نہیں جس قدر بے مزہ، بے جان اور غیر نارس طرز سخن قابل اعتراض ہے یہ گو یا زبان کا گلا گھونٹنا ہے یہ ظاہری لباس کے تغیر، تبدل سے فرسنگ کو حبشی اور حبشی کو ذرا نیکی بنانا ہے۔“

”زبان کوئی بے جان یا مردہ شے نہیں ہے یہ سبھی دوسرے جانداروں کی طرح بڑھی گھٹتی اور چلتی پھرتی ہے اس پر سبھی آب ہوا اور گرد و پیش کے دوسرے حادثات کا اثر پڑتا ہے اس لئے اگر ہم اس کی صحت اور خوش حالی کے خواہاں ہیں تو ہمیں اس کے اصول نشوونما سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔“

”زبان کے حسن و غور و خفاہ یعنی فصاحت کا دار مدار صبح ذوق پر ہے اور صبح ذوق کا میدا کرنا اور چھلنا سب سے بڑی خدمت زبان ہے، جن حضرات شہسبازی ہاتھ میں اخبار اور رسالے ہیں انھیں سب سے بڑھکر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ چونکہ ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے اور عام طور پر لوگ انھیں سے بہت کچھ متانت نہیں سمجھتے کسی کے مقابلہ میں کوئی خاص دعویٰ نہیں ہم اپنی آپا کے بوائے کو شمشل کر کے گزراہان کی حضور صدیق کو ہاتھ سے نہ جانے دیں یا کھدو اور شہسبازی زبان کا استعمال کریں اور ذوق سلیم کے پیدا کرنے میں طرح طرح سے مدد دیں۔ اس لئے جانے پہچانے سے مقبول و معروف انشا پردازوں اور زراہان کے بھی خواہاں ہونی سے نہیں بکرا ان سے بھی جو نام و نمود کے خواہاں نہیں اور گورے

عزت میں رہ کر ادبی ذوق سے غدی حفا اٹھاتے ہیں یہاں تک کہ
لہو ہماری اس سہمی میں ہمیں بدودیں، نیز ان حضرات سے جو
کسی بلند پایہ رسالہ کے نہ ہونے سے اپنے خیالات کے اظہار
میں مضائقہ کرتے تھے یہ درخواست ہے کہ اگر وہ اپنے مذاق
کے مطابق پائیں تو اعانت میں درپنچ نہ فرمائیں۔

انجمن ترقی اردو کا یہ سہ ماہی رسالہ اردو پرانے مذاقی اور
جامد کو دستخطی ہوئے اپنی شان کا ایک الگ عالم اور روشن نمونہ تھا
اس وقت نہاد کا مزاج بھی بدل رہا تھا۔ گلدستے مزور سمیتے تھے
مگر حسب ریت زیادہ طرحی غزلوں پر مشتمل ہونے سے دنیا بطور
فام اور امد دنیا کچھ لکھنا چکے تھے، علمی مواد کی کمی اور ضرورت شدت
سے محسوس کی جاتی تھی۔ مگر بہت لوگ اس طلاق کو پزیرنے کی سوچتے
تھے بہر حال وہ زمانہ ایک ذوق کے اثرات مابعد کا زمانہ بھی تھا۔ کتب
کے بغیر اپنی روش چھوڑنے پر بہر شکل آمادہ ہو گئے ہیں۔ اس لحاظ
نکھنڈ، صلائے عام دہلی۔ خزان لاہور، اردو کے علمی گراہ، ادیب
نکھنڈ، نقد اگرہ، آمادہ، صحیفہ امتنا، حیدر آباد دکن، معارف
علی گراہ، دل گراہ نکھنڈ، اور دکن ریویو حیدر آباد دکن، ہماری اردو
کا پیش خم تھے، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا
عبدالمعین شہر، سر عبدالقادر اور مولانا وحید الدین سلیم جیسے مشہور
ادیبوں کی سرپرستی اور معاونت حاصل تھی۔ گزشتہ بڑے علما نے
اتنی پھل ہوئی زبان اور نئے تقاضوں کی اتنی بڑی یلغار اور بہت
کچھ مانگتی تھی۔

چنانچہ بابائے اردو نے اورنگ آباد سے "اردو" جاری کیا۔ جس نے ابتداء میں انجمن کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دئے اور ساتھ ساتھ علمی تحقیق مضامین اور اعلیٰ پائے کی انٹرویو کا رواج بھی ڈال دیا۔ اس وقت اورنگ آباد میں کوئی صحافیہ خانہ بھی نہیں تھا۔ اور خود اورنگ آباد ایک دور دراز مقام تھا۔ خاص طور پر مسائل کے اردو دائروں کے لئے۔ مگر دہلی بابائے اردو جیسی فعال اور اعلیٰ دل شخصیت کے قیام کے سب کچھ ممکن بنا دیا۔ یہاں تک کہ بہت جلد مشی پریم چند نے کہا: سالہ اردو، اردو سالوں کا سالار کاروائی ہے۔

اردو کا کٹری بوشن تمام اردو دوستوں پر واضح ہے علمی انداز اور تحقیقی ایروج کی وہ بنا ڈالی جو اردو میں تقریباً ناپید تھی، بعد کے علمی اور تحقیقی ادب نے جو استفادہ اس آغاز سے کیا وہ پہلے پورے پچاس برس کی تاریخ پر محیط ہے۔

اردو "۱۹۶۱ء۔ سے ۱۹۳۶ء تک اورنگ آباد دکن میں ہی ہاکیونکہ انجمن کا دفتر رہا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں دلی آگیا اور ۱۹۴۸ء تک رہا مگر اردو ۱۹۴۸ء تک لکھا کہ زمانہ بہت ہی ازانی فوری کا تھا۔ جب مولوی صاحب کراچی آئے اور انجمن نے کام شروع کیا تو تقریباً پہلی ترجیح کے طور پر ۱۹۴۹ء کے وسط میں اردو جاری کیا اور تمام نامہ نگاروں کے باوجود ان کی ایک جھلک خود ان کے کتابچے "انجمن کا المیہ" میں موجود ہے اپنے مرض الموت تک جدی رکھا۔ ۱۹۶۱ء میں اسٹوں نے انتقال کیا

پہرئی فتنہ آئی، جناب اختر حسین صدر ہوتے اور جمیل الدین عالی
 مستند عزاوی مقرر ہوئے۔ اس دوران دنیا بہت کچھ بدل چکی تھی
 پاکستان میں چاروں طرف اردو کی علمی نامیت بڑھ رہی تھی نئے نئے
 اردو قیام برپے ہوئے تھے، علمی مضامین لکھنے والے اور ان
 تحقیق سے کچھ خاص کرنا ایسا آسان نہیں رہا تھا۔ کیونکہ مولوی صاحب
 کی فرائض اور سیر تکبیر اور تنہا نشینی جیسے اٹھائے عمائدوں سے لاتے
 مگر اردو کی محکم برابر محسوس کی جاتی تھی، چنانچہ ۱۹۶۶ء کو راجپوت
 سمارو ایک بار سچ شروع کر دیا گیا۔

اردو کے پچھلے تھکے ذرا تقصیر سے دیکھتے تو اندازہ ہو گا
 کہ سچے برسوں میں کیا کچھ خزانے اس نے پیش کئے تھے کچھ ناول
 کی شکل میں آگئے مگر بیشتر مضامین ہی رہے اور سالہ اردو تک
 محدود۔

یوں تو ملک میں کافی رسالوں نے اردو ادب کی خدمت انجام
 دی ہے لیکن رسالہ اردو بھی کسی سے کم نہیں رہا۔ اور برابر
 اردو کی خدمت اس نے کی اور اب بھی کر رہا ہے۔

گندری بازار میرٹھ سے مارچ ۱۹۷۷ء کو
 جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ کو یہ ماہانہ دیکھو رسالہ
 جلوہ افروز ہوا۔ ایڈیٹر غنی محمد الدین احمد شمس
 تھے سالانہ چندہ ایک روپے پانچ آنے تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔
 ہے خطا ہر سولہ مصطفیٰ ہے الرسول

سجولے سچکوں کا حقیقی رہنما ہے الرسول
 الرسولؐ کے احوال کی غرض یہ تھی کہ وہ ملکی امور اور دنیوی
 نزاعوں سے عمدہ ہو کر آقاؐ تے نامدار سرکارؐ اید قرار مدنیہ کے ناجدہ
 مولائے گبدوائے بے سہاروں کے سہائے ایک صلیب کی حیثیت
 سے حق کی آواز یعنی احکام رسولؐ و خدا بھیجتے گار دعوت الی الخیر
 یکسیر کی ترغیب دے گار بزرگاں دین کے حالات احوالات
 شانت کرے گا۔

تحریر
 لامبور سے یہ ماہانہ مارچ ۱۹۲۱ء کو جاری ہوا
 ۸ لم صفحات پر مشتمل تھا۔ حکیم مظفر حسین صاحب
 اظہر ہوئی اس کے ایڈیٹر نے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔
 اس رسالہ پر سالانہ معارف اعظم گڑھ مورخہ اگست ۱۹۲۱ء
 میں حب ذیل رلیوٹیو چھپا تھا۔

لامبور سے یہ ماہانہ رسالہ جناب حکیم مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی کی
 ایڈیٹری میں شائع ہوا ہے مضافین کی نسبت نامعلوم و بیخ پر یہ لکھا
 علمی ادبی اور مفید مضامین کا گلدستہ ادب اردو کی خدمت اور
 ترقی کے لئے "محکم سخن" کے زیر عنوان ایک باب تنقیدی بھی ہے
 نظموں کا حصہ بھی رکھا گیا ہے ناول اور افسانوں کا سلسلہ بھی قائم کیا
 گیا ہے رسالہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ کاغذ اچھا، لکھا کی چھاپی
 متوسط، ۸ لم صفحات، تقطیع بہت چھوٹی ہے سالانہ چندہ تین
 روپے پتہ۔ دفتر رسالہ تحریک موٹھی دروازہ لاہور۔

مرقزی

یہاں نامہ جریدہ مارچ ۱۹۱۱ء کو لکھنؤ سے نمودار ہوا ۱۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ خواجہ حسن مرقزی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چھ روپے تھا۔ اس رسالہ پر رسالہ معارف اعظم مولانا مودودی اگست ۱۹۱۶ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

”یہ ماہوار رسالہ لکھنؤ سے ہدی ہوا ہے اسے مفصل کے لحاظ سے یہ تمام تر حضرات تنبیہ کے ساتھ محفوظ رہے اور انہیں جنت میں عائد سب سے پہلے رسالہ سے۔ بعض فرقہ اور ریا کل و اخبارات فرقہ کی جھڑپوں میں پڑ کر ٹھنڈی کی حد تک اتر آتے ہیں لیکن مرقزی اس عیب سے پاک ہے۔ البتہ اس کو ہر لحاظ سے ضیوں کے ساتھ مختصر کرنے میں اس قدر غلو کیا گیا ہے کہ دوسری جماعتوں کے لئے اس میں مشکل سے دل چسپی کا کوئی سامان مل سکتا ہے نیز اس کے مضامین کی نوعیت ماہانہ رسائل تھے سب سے ہفتہ در اخبارات سے زیادہ مٹی جلتی ہے نہ صفا مت ۳ جز سے لکھا کی چھپائی خاصی ہے عام خریدار اس سے سالانہ چھ روپے بادی کاغذ کے فرق کے ساتھ چار روپے اور تین روپے چار روپے پتہ دفتر مرقزی باغ سکا لکھنؤ۔“

عجبان

جالندھر سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۱ء کو نمودار ہوا۔ ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا، سرپرست مولانا گرامی ایڈیٹر جناب حفیظ جالندھر صاحب تھے۔ سالانہ چھ روپے تھا۔

ہائیوں لاہور مولانا مودودی اپریل ۱۹۱۱ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے

عبرت نجیب آباد یوپی سے پر سالہ ۱۹۷۷ء کو جاری ہوا
 ۴ صفحات پر مشتمل تھا، مولانا اکبر شاہ صاحب
 اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔
 ہمایوں لاہور سورہہ فردی سلسلہ ۷ میں اس رسالہ پر یوپی
 چھپا تھا۔

مولانا اکبر شاہ خاں
نجیب آبادی
 اکبر شاہ صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کو صوبہ
 یوپی کے مردم خیز خطہ نجیب آباد
 ضلع شہر میں پیدا ہوئے، آپ
 کے والد مولوی محمد نادر شاہ خاں صاحب بھی بڑے فاضل بزرگ تھے
 ابتدائی تعلیم گھری میں اپنے والد سے حاصل کی، پھر ایک مولوی مدرس کی
 حستیت سے زندگی شریعت کی، پھر نجیب آباد کے ایک مال اسکول میں
 ٹیچر رہے پھر اسی گورنمنٹ ہائی اسکول میں فارسی مدرس مقرر ہو گئے
 مگر وہاں دل نہ لگا، ملازمت چھوڑ کر نیپاب آئے۔ جہاں عرصہ دراز
 تک مختلف صنیعوں میں کام کرتے رہے، یہیں انھوں نے اپنی پہلی
 کتاب مرقاۃ البقیۃ شائع کی، کچھ دلوں ذہال نگہ کا لج اور توکل
 میمرج میں پروفیسر رہے ایک مفتہ دار اخبار کی ادارت بھی کی اور
 چند دلوں روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر بھی رہے پھر دل برداشتہ
 ہو کر نجیب آباد واپس چلے گئے جہاں ماہوار رسالہ عبرت جاری کیا
 اس رسالہ میں اکثر تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے اس کے بعد
 مولانا تاریخی کتابیں لکھنے لگے یہاں تک کہ تاریخی سلسلہ ۷ کو فوت ہو گئے

تاریخ اسلام اُمیہ حقیقت نمایا مقدمہ تاریخ مزید، اسلامی سیاست نہ کی۔ وہ جب لکھتوار معیار اسلام، مملکت و غزوہ آپ کی لغات بن

پیش

آئینہ (۱) باد سے سال ۱۲۱۰ء کو یہ ماہنامہ نکلا اور ہوا۔ ۶۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

سالہ چار روپے تھا کہ مورخہ جولائی ۱۲۱۳ء میں اس رسالہ پر تبصرہ چھپا تھا۔

”محکم الا آباد سے کسی اچھے اردو میگزین کا نہ نکلتا آپ مدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔ الحمد للہ کہ آئینہ اس صہرہ سے کو ایسی جلوہ زمانی سے یوں کر رہا ہے کاغذ و طباعت کے ساتھ اور ملک کے تجربہ کار معنوں نگاروں کے رشتہات قلم سے ہمہ گوشہ مہوار تانتے ہو رہے جو اپنے نظم و نثر کے ادبی مضامین کی وجہ سے ملک میں اچھی قبولیت حاصل کر رہا ہے اللہ کے حسن قلم اور زیادہ سالانہ چندہ پانچ روپے ہے۔“

تحفہ خوشتر گورکھپور سے یہ ماہنامہ سال ۱۲۱۲ء کو جلوہ فگن ہوا۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ بابو مرد دوست لکھ خوشتر اس کے ایڈیٹر تھے۔ اور اس کا سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ پر جادو لکھا کہ مورخہ جولائی ۱۹۲۲ء کو حسب ذیل
ریلوں پر چھانٹا۔

تو تجھ کو ایک کافی مدت سے اردو کی سرسبزی کا فخر حاصل ہے
ادب ایک زمانہ میں ریاض الاخبار، نقضہ ادب و امن گل چین جیسے پرچے
یہاں سے نکلتے تھے۔ ادب بھی جناب حکیم برہم کا شرعی صحیح اردو
کا علم دار میں سے نکلتا ہے۔ حضرت دسبم کی شاعرانہ شخصیت
ملک میں کسی تعارف کی محتاج نہیں اور ان کی نگارانی میں ادب اردو سے
نئے جو کام ہو گا۔ غلام ربیعہ کہ وہ ہاری قریف دشمن سے مستغنی ہو گا، یہ
امراءت سرت ہے کہ اردو درندہ کی کے ناگوار ہر گامہ کے اثر سے
آزاد ہو کر بالو مردت سنگھ خوشتر اس ماہوار رسالہ کو نکال رہے
ہیں جس میں اکثر طرحی کی غزلیں موتی ہیں اور کئی صفحے شکر کے بھی
موتے ہیں جس میں سخن سنجی کی حسرتی داد دی جاتی ہے تحفہ خوشتر
اچھی حیثیت سے ادبی دنیا میں اچھا کام کر رہا ہے اور تلامذہ
خاندان امیر اعلیٰ اللہ مقامہ کے رشحات فکر سے ہر خبر بالمال نکلتا
ہے۔ چند سالانہ دور روپے آٹھ آنے ہے۔

نرم عزیزی ماہ گیارہ صلیع ناسک کا یہ دو ماہ
بگین سالانہ ۱۹۲۲ء کو نمودار ہوا ۳۳ صفحت
پر نکلتا تھا بسک لکھنؤ اس کے ایڈیٹر تھے۔

بہار

سالانہ چندہ ایک روپے آٹھ آنے تھا۔
اس رسالہ پر سوانح الکلام امرد بہ مورخہ اکتوبر ۱۹۲۲ء
میں یہ تبصرو شائع ہوا تھا۔

یہ وہی جگرین جو ضات ادب لطیف کے فرائض کی ذمہ داری
کا حوالہ ادا کر رہا ہے وہ ظاہرِ مستقل اور ترقی کرنے والا پرچہ ہے۔
یہ ماہِ دولتِ احمد سے طلوع ہو کر کوہِ جبین پہنچا
۸۸ صفحہ پر خلعتِ تنہا۔ یہ مختار حسین رس
مجددی حصہ نظم کے احاطہ نثر کے حکیم احمد شجاع
ایڈیٹر تھے۔ بعد میں عبد علی صاحب لاہوری دیگر نے اس کی ادارت
کی اور داری سنبھالی۔

نیراداستال

مولانا سید تمناز حسین سہا
مولانا سہا بلوچ شہر کے نئے والے
تھے سرخ و سفید رنگ تنہا جسم دلا
پتلا قد مشکل سے ۳۰ انچ ہو گا، ایف اے تک تعلیم پائی تھی پرنسپل
سے فحری مائل کی تھی۔ ان کا مندرستان کے ادیبوں میں شمار
ہوتا تھا۔ غزل کہنے میں تودہ اپنی فطرت نہیں رکھتے تھے مندرستان
کے شعرا سے کمال کی صفت اولیٰ میں جگہ پاتی تھی۔
کچھ عرصہ تک حیدرآباد میں اپنے عزیزوں کے ہاں رہے اس
کے بعد سالہ نیراداستال کے ایڈیٹر بل اسٹاف میں شامل
ہوئے پھر ریاست خیرپور میں پرائیویٹ سکڑی کے فرائض
انجام دیتے رہے۔

مولانا اس قدر مختصر قد کے ساتھ ایک بہترین فہم بھی تھے
ہر قسم کے انتظامات کر لینا ملازمین اور افسروں کو اپنی مٹھی میں کرنا
آپ کی قابلیت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔ آپ خود کچھ لکھ کر

اکڑ مذاق اڑاتے تھے لیکن جب کلام نہ سنانے کو جیلانہ جاتے تھے
لاہور میں مسہات عروں کی بڑی رونق تھی ہر جگہ بڑے سٹون دھلب
سے بنائے جاتے تھے آپ لاہور میں رہنے کے بعد خیر پور
چلے گئے وہاں سے پھر لاہور نہیں آئے۔

فی البدیہہ اشعار کہنے میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی پنجاب
کے اور نواز مقلوں کا حکیم فقیر محمد حسینی نظامی نے اکہد و اقوال
سبب انتھا جس سے مولانا سہا صاحب کی غیر معمولی ذکاوت کا اندازہ
ہو سکتا ہے ۷۷

ایک بے تکلف محفل جمی ہوئی تھی آرٹ اور لٹریچر کے متعلق نئے
نئے مباحث پیدا کئے جا رہے تھے کہ ایک ایک کسی شخص کا ذکر ہونے لگا
یہ عام طور پر مشہور تھا کہ مولانا سہا خواہ کس قدر شہرہ میا ہوا ہو ذرا کشر
پر فوراً فی البدیہہ توجہ دیتے تھے، موضوع دشمنی خاص قرار دیا گیا
فہم کا ذکر ہو رہا تھا۔ مولانا ذرا لگ ہو کر بیٹھ گئے محفل اسی طرف
جاری رہی اور کبھی کبھی ذرا ناگہی درمیان گفتگو فوج حسرت کردہ سے
تھے سٹوڈی ویر کے بعد مولانا نے دس بارہ اشعار کی ایک غزل لکھی
جس کے پہلے دو شعر یہ تھے ۷۸

پھر ناز حسن کا ہے انداز پائمال
ہر عشوہ بے معنی ہے، ہر غمزدہ لامبال

۷۹ نقوش لاہور نمبر ۱۳
۸۰ نمبر نگہ خیال لاہور نمبر ۱۲۷ء ۷۹

دل میں نہیں محبت اور ہر بانیاں ہیں

ما فرقتہ اب سے پر کبھی توں سے عالی

مولانا صاحب کے کلام میں ایک خاص ترکم اور جوت خیال ہے جس کی وجہ سے ہر شاوہ میں دوسرے شواہر سے زیادہ کامیاب ہوتے تھے۔

مولانا نے مطالبہ انساب کے نام سے دیوان غائب کی ایک طبع شرح بھی لکھی تھی ہے۔ یہ صفحات اتنے ہیچ مبارک علی اندر ان باجورہ دروازہ نے اس کو چھپایا تھا، وہیں فروخت ہوئی تھی۔

عابد صاحب لاہور کے رہنے والے تھے
سید عابد علی عابد
قبیلہ ذریہ اسماعیل خاں میں پائی تھی یہاں

ان کے والد فوج میں ملازم تھے، بعد میں رنگ محل انڈیا، لاہور میں تعلیم پاتے رہے اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری اور ایل ایل بی سے امتحانات مانسہرہ میں پاس اور سرسید میں بھی پاس کر چکے تھے، بی اے کے بعد آپ رسالہ دل کش اور نیر و استال کی ادارت کے ذریعہ انجمن دینیہ کے نیر و استال حکیم احمد شجاع صاحب کی ادبی رمانی کا ایک گراں قدر شریک تھے اس میں سہ ماہیہ مضامین چھپتے تھے، علاوہ ازیں اردو کا ہمارا رسالہ تھا جس میں خاص اردو ادبی اشاعت کا اثر آج بھی جاتا تھا، یہاں اور ایران پنجاب کے بہترین معنوں نگار اپنی دماغی کامیابیوں کے نتائج اسی سرے وقف کئے ہوئے تھے۔ عابد صاحب نے بھی

ان دنوں کافی افسانے لکھے جن پر بعد میں جمع کر کے کتاب کی صورت
 میں شائع کیا گیا تھا۔ نوار داستان کے زمانہ کے بعد حضرت عابد
 کا مطالعہ کا دور شروع ہوا اور اس وقت انھوں نے انگریزی اور
 عربی کے تنقیدی ادب کا مطالعہ کیا۔ اس اثنا میں آپ کو ایم اے
 کا امتحان دینے کا بھی خیال پیدا ہوا جس کی وجہ سے آپ کا ذوق
 مطالعہ لقصص و تحقیق کی حد تک پہنچ گیا۔ چنانچہ آپ نے عمر خیام پر
 ایک محرکہ آثار مغولہ لغز ان عمر خیام اور اس کا عہد لکھا۔ یہ
 مغولوں اور دہلی دنیا کی مسلسل آٹھ اٹھ سو سال کی تاریخ ہے اور اس قدر
 وقعت کا نگاہوں سے دیکھا گیا کہ اس کا ترجمہ مغلی زبان میں
 بھی شائع ہوا۔ ایم اے کی تکمیل کے بعد عابد صاحب دیال سنگھ
 کالج لاہور میں فارسی ادب کے پروفیسر مقرر ہوئے اور دو سال
 کے بعد انگریزی پڑھانے لگے دیال سنگھ کالج میں چار سال تک
 کام کرنے کے بعد پرنسپل کالج لاہور میں صوبائی شہر قیامی صدر ہو گئے
 جہاں کچھ عرصہ کام کر کے بعد دیال سنگھ کالج میں واپس چلے آئے
 نوار داستان کے دور میں جو نظمیں اور غزلیں عابد صاحب نے لکھی ہیں
 وہ فاصلہ غنائی ہیں مگر ان میں الفاظ کی موسیقی اور دل کشی کی
 طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے اور جواں نوجوان بھرے جذبات
 نہایت بے باکی سے نظم کئے گئے اس دور کی شاعری میں حسرت
 سربانی کا اثر زیادہ نمایاں ہے لیکن اس میں سادگی حیات سے قطعاً
 بے اعتنائی اہم کمی ہے، جواں کے دن تھے۔ عام غنائی شاعری کی
 طرح ان کے الفاظ بھی عشق و محبت کے محور پر مرکوز کرتے رہے

عقل و علم میں ان کی ترقی میں انقلاب عظیم پیدا ہوا، اب جدید صاحب
زندگی کے مستحق اپنا ایک نظریہ قائم کر چکے تھے جو رجائیت پر مشتمل تھا
اور وہ سبب ذاتی رجائیت نہیں بلکہ کائناتی یعنی ادبی و انسانی ناممکن حیات
میں ایک کو از ان ایک ہم آہنگی نظر آتی تھی اب ان کے حقائق و افعال ظ
ہم ان طور پر سمجھنے لگے تھے یعنی ہمیں وہ دلکش الفاظ میں لکھتے
و لکھتے تھے آپ کے اشعار کی خصوصیت بن گئی تھی، اس دور کی شاعری
میں موسیقی اور خرم کا جزو بھی شامل ہے جو غالباً ان کی جماعت یعنی
کافیو ہے چنانچہ آپ کے چند ایک گیت بھی محض مبالغہ میں لکھے ہیں
اس دور میں ان کا کلام اتنا عجیب تھا کہ اس نے انہیں کم ہے کہ ادبی دنیا
نے اس کی رسالہ میں شائع نہیں ہوا۔ اردو شاعری کو سائنسی نامہ سے رجسٹر
رہانے کے آپ ہی ذمہ دار ہیں اس سائنسی نامہ میں آپ نے اپنی اقلیتی
اسلوب فکر کو قائم رکھتے ہوئے فارسی سائنسی ناموں کے اصول کی پیروی
کی ہے لیکن سائنسی نامے کی معاشرتی فضا خالص پنجابی ہے۔

یاد صاحب محض دوست اور فاضل انسان تھے۔ طبیعت میں
نہایت کوٹ کوٹ کر سبھی سوتی تھی گفتگو تحریر بھی سے زیادہ شگفتہ
اور پر لطف ہوگی محنتوں پائیں سننے والے جو طبیعت میں نہیں سوتی
تھی اعلیٰ درجے کے نقاد اور تنقید کرتے ہوئے اپنی فطری بذلت سبھی
سے دل حبیبی کا سامان ہم پہنچتے تھے لیکن زبان پر قابو اس قدر ہے
کہ سینوار اور اسکو اٹکھاتے مذاکرات بھی اس پر لطف اندوز ہیں بیان
کرتے تھے کہ آپ کو ان کے شرب کی دوا یعنی پڑتی تھی، آپ کی
تصانیف صحابہ زندگی و صحت اور دوسرے انسان نے نیرنگ اور

داستانِ دغیرہ میں ہے
نقاشِ آزل ہے جو تصویرِ بہار
تصویر سے ہو رہی ہے تصویرِ بہار
تاروں کی طرح جک رہی ہے دنیا
تفسیر سے رنگ و بو کی تعبیر بہار
ہارنہ عہدِ جوانی ہوں میں
تصویرِ بہار شادمانی ہوں میں
دنیا کا ہے اب درنگِ تجھے قائم
یہ کس نے کہا کہ نقشِ کوئی ہوں میں

ترجیحی نظر لکھتے ہیں ادا بی انعام ۱۹۱۷ء کو جلوہ افروز
ہوا۔ ۸۷ صفحات پر نکلتا تھا، سالانہ چھپہ نہیں
رو پے تھا۔
مفامین کے لحاظ سے وہ تجربہ کار بابِ قلم کی منتوں سے
یا کہ ہے۔

یہ رسالہ سو پرہیزگار نوالہ سے ۱۹۱۷ء کو
جاری ہوا۔ ۸۷ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی عبدالمجید
مسلماں خادم اس کے ایڈیٹر تھے۔
اس رسالہ میں مختلف مباحث پر متعدد مفامین چیتے تھے

عجیب فتح مجنوں سے یہ ہفتہ در اخبار سلسلہء اکو وجود
میں آیا، سولہ صفحات پر نکتہ تھا اس کا پڑھ کر
جناب مولانا مظہر الدین صاحب تھے۔

الامان

مولانا مظہر الدین صاحب نے مجبور سے سلسلہء امیں ایک
حصہ دار دستور جاری کیا۔ حکومت نے اس اخبار کی ضمانت منسبط
کر لی تو یہ اخبار بند ہو گیا۔ اس اخبار کے بند ہونے کے بعد مولانا
عجیب نے تشریف لے گئے۔ امدادی وزیر احمد صاحب رئیس عجیب سے
ایک ہفتہ دار اخذ لگانے کی تجویز ہوئی اخبار کا نام کیا رکھا جائے
اس پر غور ہوا۔ چنانچہ اخبار کا نام شاہ امان اللہ ذوالی انخاست
کے نام کی نسبت سے اخبار لکھا گیا جس سلسلہء امیں شائع
ہوا۔ عوام نے بھی اس نام کو پسند کیا۔ سطور سے دلوں میں یہ اخبار
عوام میں مقبول ہو گیا۔ جب بہت کے خارج طے کرنے لگا۔
تو ہفتہ دار کے بجائے ہفتہ میں دو بار کر دیا گیا۔ اس اخبار کو
پورے ملک میں پہنچانے کے لئے مسیح الملک جناب حکیم اچل ولد
صاحب کے مشورہ سے مولانا مظہر الدین صاحب نے سلسلہء ام کو
دفتر الامان دہلی میں منتقل کر دیا۔

ہفتہ دار اخبار میں تازہ بہ تازہ اور نوبہ نو خبریں شائع نہیں
ہو سکتی تھیں اس لئے اس کو ہفت روزہ کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے اس
کی بے حد شہرت ہوئی اور اس قدر مقبول ہوا کہ ان کا حلقہ علی
الصباح اس کو دیکھنے اور پڑھنے کے انتظار میں رہتا تھا۔ اور
جس وقت تک اس اخبار کو پڑھ نہیں لیتا تھا ان کو اطمینان حاصل

نہیں ہوتا تھا۔ مولانا مظہر الدین صاحب کی شہادت کے بعد یہاں خلیفہ
لکھنؤ رہا ملک علی شاہ میں تقسیم ہوا دینی عقیدہ قائم رہا کراچی سے
سبھی نکال دیے لیکن زیادہ دن چل نہیں سکا اور ہمیشہ ہمیشہ
کے کے بند ہو گیا۔

یہ ہفتہ دار اخبار کلکتہ سے ۱۹۲۷ء کو ظہور پذیر ہوا
آٹھ صفحات پر مشتمل تھا
اس کے مدیر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور نائب
مدیر مولانا عبدالرزاق طبع آبادی تھے۔

پہلے شمارے میں مولانا محمد علی رشک کی گرفتاری پر حضرت مولانا
آزاد نے یہ تحریر فرمایا تھا۔

”تم سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ تھوڑا سا سامان، تھوڑی سی
جسمانی راحت، تھوڑی سی دینی اور خیالی آراکش۔ لیکن نام تر
غفلت و نفس پرستی اسی مقصد کی راہ میں قربانی کر دو، سوردیشی
کا عہد، بائیکاٹ کی تحریک، ترک سوالات کی سچی تعمیل مجاہدین انگورہ
کی مائی اعانت، گناہ و معصیت سے دل کی پائی اور خدا و شریعت
سے کامل اطاعت کا رشتہ، یہی ان گرفتار اہل حق کی قربانی کی
اصل قیمت ہے جو ملک کو ادا کرنی ہے“

پہلے شمارے میں ایک طویل اقتضا جیہ سبھی لکھا تھا جس میں ترک
سوالات کی تحریک کا پورا فلسفہ بیان کیا تھا اور لوگوں کو تلقین کی
تھی کہ وہ جرات و استقلال اور عدم تشدد کے اصول پر کاربند
رہتے ہوئے تحریک جاری رکھیں۔

کبیری
 لاہور سے یہ روزنامہ سال ۱۹۲۱ء کو جلوہ افروز
 ہوا۔ چار صفحات پر لکنا تھا۔ اس کے ایڈیٹر
 لالہ شام لال کبیر تھے۔

یہ اخبار بھی شکر مورات کا حامی تھا۔ اس کی اشاعت بہت
 جلد پانچ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

یہ اخبار مندرجہ ذیل کے مفادات کی ترجمانی بڑے زور و شور سے
 کرتا تھا۔ چنانچہ گائے کے ذبیحہ کے خلاف پیش پیش تھا، پہلے
 ہی سال میں ایک قابل اعتراض مضمون کے سلسلہ میں نہ صرف
 اخبار ضبط ہوا بلکہ تین ہزار کی ضمانت بھی ضبط ہو گئی اور حکومت
 نے پریس پر کسی قبضہ کر لیا۔ سالانہ نمبر چھ گلی اثاعت آتی
 کم ہو گئی تھی کہ اسے پہلے سے روزہ بنایا گیا، پھر بند ہو گیا۔

دین دنیا جیٹا گیتا دہلی سے سالانہ کویری علمی و دینی رسالہ
 جلوہ افروز ہوا، بانی بھی اسان الحق، چیف ایڈیٹر
 وحشی یہ تھورا امر وحشی نگر، جس نے خواجہ حسن نظامی صاحب سے
 سالانہ جینہ دور دیے تھا۔

پانچ سال وحشی صاحب نے اس رسالہ میں کام کرنے
 کے بعد عتمہ گی اختیار کر لی اور یہ رسالہ جناب شرکت قہمی صاحب
 کے ایڈیٹری اور ملکیت میں آ گیا۔ قہمی صاحب نے اس رسالہ کو
 جاریہ جاند کا سنے اور آج تک پرانی وضع پر جاری ہے اس
 کے ایڈیٹر فوٹس قابل مطالعہ ہیں، آراوی کے ساتھ نکلتے

چینی کرتا ہے۔ اس رسالہ کا دفتر حقیقہ شیخ منگلو جامع مسجد پر ہے۔

جبر آباد دکن سے یہ ماہولہ رسالہ سلسلہ ارتقاء کو جاری ہوا۔ ہم صفحات پر لکھتا تھا اس سے ایڈیٹر مولوی افضل شریف تھے۔

اپنے ادبی سجاد کی وجہ سے یہ رسالہ حیدر آباد کے اہل حقیقہ میں جلد قبولیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے لیکن والوں میں عبداللہ السدوسی، احمد الدین احمد زور، ولدیت محمد ابوالکلام، فیض محمد، غلام محی الدین، قصوری نقاشی سرور، مسٹر سعید ملکین کاظمی اور ناصر علی بنگ وندہ تھے۔

ارتقاء میں ادبی مضامین سے علاوہ مذہبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے مولوی افضل شریف صاحب کا ترجمان مذہب اور تبلیغ کی طرف مائل تھا۔ ارتقاء مالی مشکلات کی وجہ سے زیادہ دنوں تک نہ چل سکا اور بند ہو گیا۔



۱۹۲۳ء

نگار یہ ادبی علمی و تاریخی رسالہ فروری ۱۹۲۳ء کو سبھو بال سے جلوہ لگن سوا۔ اس کے صفحات کی کوئی تعداد تقریباً نہیں تھی اس کے ایڈیٹر حضرت نیاز فتحپوری اور معاون مدیر محترم آغا بابا تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ نگار آگرہ میں چھپتا تھا اور وہیں سے ہر مہینے مارسل کے ذریعے سبھو بال جاتا اور وہاں سے ڈاک کے ذریعہ روانہ کیا جاتا تھا۔ حضرت نیاز نے پہلے شمارہ میں نگار کے اغراض و مقاصد کا کوئی ذکر نہیں کیا ان کو اپنی ذات پر عبور نہ تھا وہ اپنے پڑھنے والوں پر اعتماد کرتے تھے کہ وہ رسالہ کے مضامین کی روشنی میں اغراض و مقاصد کا تعین کر لیں گے۔

پہلے شمارے میں وضاحت کے ساتھ تو اغراض و مقاصد پر روشنی نہیں ڈالی ہے لیکن چند اہم اشارے ضرور ملتے ہیں۔ پہلا اشارہ یہ ہے۔ وہی شخص جو کل قصص و حکایات سے آسودہ ہو جاتا تھا آج زیادہ

کار آمد لٹریچر کا خواہشمند ہو سکتا ہے اس کا بنیادی سبب زمانہ کے رجحانات کے ساتھ ذوقِ ادب کی تبدیلی ہے اور اسی تبدیلی نے عہدِ حاضر کے ”ذائقہ“ کو زیادہ وزنی بنا دیا ہے۔
دوسرا اہم اشارہ یہ بھی ہے کہ

ادبیات کے ساتھ فنونِ لطیفہ، تاریخِ طریبِ علوم و فنون اور سیاست - ان میں سے کوئی موضوع حلقہٴ بیرون رہے گا۔
۱۹۳۷ء میں بھی کتنے ہی رسالے مختلف شعبوں اور علوم و فنون کے لئے مخصوص تھے لیکن اردو حلقہٴ میں یہ صورت حال نہ تھی اس لئے حضرت نیاز نے نگار کو تمام مضامین و موضوعات کا افاقہ بنانے کے لئے مقصد قرار دیا اور انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں اعلان کیا۔
”نگار کو خالص ادبی رسالہ تو نہ بننے دوں گا“

ملاحظات کا سلسلہ اپریل ۱۹۳۷ء سے شروع ہوا۔ جس میں انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ۔

”میں ہمیشہ کیلئے تباہ دینا چاہتا ہوں کہ اس رنگ (نگوہیت) کا کوئی ادبی مضمون شائع نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس میں کوئی ندرت نہ پیدا کی جائے۔“ یہ رائے حضرت نیاز کے ادبی سفر کو سمجھنے کے لئے نشانِ راہ کا مہر رکھتی ہے۔ جون ۱۹۳۷ء کے شمارے میں ہزار واہستان کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ہمیں یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوئی کہ حکیم احمد شجاع بی اے جو افسانہ نگاری اور ڈرامہ نویسی کا خاص ذوق رکھتے ہیں ایک رسالہ ہزار واہستان“ لاہور سے جاری کر رہے ہیں جس کا تنہا مقصد مختصر افسانہ

فولسی کو مداح دینا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پنجاب اور اسمیں بھی خصوصیت کے ساتھ سرزمین لاہور نے جس قلد اردو ادب کی خدمت انجام دی؟ وہ ہمارے لئے باعث صد شکر ہے۔“

یہ خیال اس حقیقت کا گواہ ہے کہ یوپی والوں میں سے سب سے پہلے نیاز صاحب ہی نے لاہور کو اردو ادب کا جدید مرکز تسلیم کیا۔ اس کے علاوہ افسانہ کے رواج کو ادب کی اہم خدمت تصور کرتے ہیں۔ نگار کو انہوں نے ادب و علوم کا سنگم بنایا اور ادبی صحافت کی ترقی کے لئے انہوں نے ہر دور میں اس بات کی اہمیت کو تسلیم کیا کہ اردو میں مختلف موضوع متعلق جہاں رسالے جاری ہونے چاہیے۔

۱۹۳۷ء میں نگار کا دفتر اگرہ سے پھوپال منتقل ہو گیا تھا۔ اسی سال ملاحظات ”کی توسعت بڑھتی چلی گئی۔ اور اسمیں وہ شان پیدا ہو گئی جسکی بناؤ ملاحظات ”کی خاطر کیے ہی لوگ حلقہ نگار سے وابستہ ہوئے۔ نیاز صاحب نے اول اول ایڈیٹر کی جگہ رئیس التحریر اپنے نام کے ساتھ لکھنا شروع کیا۔ اسمیں تعالیٰ سارنگ نظر آیا تو اس کے متعلق ۱۹۳۷ء کے شمارے میں لکھا۔

یہ لفظ محض ایڈیٹر کا مترادف ہے اور مصر میں عام طور پر ایک چیپ ایڈیٹر اسی لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت نیاز بعد میں نذرانی کی اور رئیس التحریر کو مدیر اور ایڈیٹر میں بدل دیا۔

۱۹۳۷ء میں نگار کے اہم مضمون نگار و معاون ضیاء، ال احمد، محمود اکبر آبادی، احتیاز علی تاج، قمر الحسن قمر، سہیا ملیگ، لانی برابوئی، جوش ملیح آبادی، مولانا حامد حسن قادری، آغا حسین دہلوی

عزیز لکھنوی حکیم احمد ہجام، دہشت کلکتوی، خلیق دہلوی، راز چاند پوری
 اہلین حزیں اور شاد عظم آبادی تھے۔ ۱۹۲۳ء میں اس فہرست میں
 شاہ دیگر اکبر آبادی، مجنون گورکھپوری، پروتیسر نعیم الرحمن سیما، ب اکبر
 آبادی، حضرت مولانا حسرت موہانی، اور سائر نظامی کے ناموں کا اضافہ ہوا
 ۱۹۲۴ء کے نگار کے سرورق پر ایک تصویر نظر آئی۔ تصویر ط کی اشاعت
 کا سلسلہ اس سے شروع ہو گیا تھا۔ زیب النساء کی ایک نادر تصویر
 کے علاوہ بعض سائنسی مضامین کے ساتھ رنگین تصویر شائع ہوئی
 تھیں لیکن آخر میں حضرت نیاز نے اس حسن ظاہری کو نگار کا جز
 نہ سمجھا اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بعض دوسرے رسالے اس کام
 کو بہتر طور پر کر رہے تھے۔ دوسری وجہ مالی مشکلات بھی ہو سکتی ہیں
 اس کے علاوہ نگار کی اس تشکیلی دور میں حضرت نیاز ایک طرف
 نگار کیلئے مضامین و موضوعات کا دائرہ وسیع کر رہے تھے اور دوسری
 طرف اس کی ظاہری صورت سے باب میں تجربے کر رہے تھے۔ نگار
 نے آپ نے آپ کو تسلیم کرایا تھا۔ لیکن اس کا فاق مل نہیں رہا تھا۔
 ”گذشتہ حیات دو سالہ پر ایک بسیط تبصرہ کرنے خواہش میں اپنے
 اندر شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا
 کیونکہ رسالہ کے متعلق اس وقت تک میری وہ آرزوئیں پوری نہیں
 ہوئیں جو اس سے قبل پیدا ہو چکی ہیں۔“
 مئی ۱۹۲۴ء سے ہمیں نگار کے تبصروں میں زیادہ تفصیلی اور
 وسعت نظر آتی ہے، غیر اہم کتابوں پر تبصرے آگے نہ بڑھے۔

لیکن اہم کتابوں کا ذکر خاصی تفصیلی سے شروع کیا گیا۔ حضرت نیاز نے بعد میں تو اہم کتابوں کا ذکر ملاحظیات میں کر کے ادبی صحافت میں ایک مستحسن روایت کو مستحکم کیا۔ مئی کے شمارے میں ابن رشد (مولوی محمد یونس انصاری فرنگی علی)، اردو دیوان شاد حصہ اول پر سیر حاصل تبصرے کئے گئے۔ اس سال بھی دو اہم سلسلہ نگار میں شائع ہوئے۔ ہندی شاعری (نیاز)، اور زبان اردو (رشید احمد صدیقی)۔

نگار کے مضمون نگاروں میں ہر سال نئے ناموں کا اضافہ ہوتا تھا۔ لیکن اسمیں سے بیشتر لکھنے والوں کا فائرا بیان محدود تھا۔ اور حضرت نیاز یہ طے کر چکے تھے کہ نگار کبھی خالص ادبی رسالہ نہ بنیگا۔ اس لئے ان ابتدائی پرچوں میں انہیں نگار صفحات کو اپنا خون جگر پلانا پڑا۔ حضرت نیاز نے ابتدائی تین سال میں کم دہش ڈھائی ہزار صفحات خود مختلف موضوعات پر لکھے۔

اکتوبر ۱۹۲۵ء میں حضرت نیاز نے اس صورت حال کا ذکر اسلوب

بیان کیا ہے۔

”اس نمینہ تقریباً سارا رسالہ کو اپنے مضامین سے پر کرنا پڑا۔ نگار کے دور حیات میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور گزشتہ تین سال ۹ ماہ کے رسالوں کی اگر درج گردانی کی جائے تو معلوم ہو سکتا ہے ۲۴۴ صفحات میں مشکل سے ایک ہزار صفحات کے مضامین غیروں کے ہو گئے اور باقی تقریباً تین ہزار صفحات ادارت کی طرف سے پیش ہوئے ہوں گے۔“

اس کے کئی اسباب تھے پہلا سبب تو یہ تھا کہ نگار کے شروع مضامین

لکھنے والے نہیں تھے اور دوسرا سبب قبول حضرت نیاز یہ تھا۔
 ”مجھے نگار کے مخصوص حلقہٴ احباب سے گڑبہ کہ اپنے
 اپنے افکار دماغ سے میرا ساتھ نہیں دیا۔“
 پہلے لکھنے والوں کی گروہ بندی اور شکایت کے بعد حضرت نیاز
 نے اس عہد کی نئے نسل سے اپنی توقع وابستہ کرتے ہوئے لکھا۔
 ”پس ضرورت ہے کہ ملک میں نہ لکھنے والے پیدا ہوں اور لوہاں
 میں یہ ذوق رونما ہو۔“

۱۹۳۷ء میں ملا حظات کا دائرہ اور وسیع ہو گیا۔ جس سیاسی
 شعور اور سیاست کا ذکر انہوں نے نگار کے پہلے شمارے میں کیا تھا
 اس کا حقیقی آغاز نومبر ۱۹۳۹ء سے ہوا۔ دوسری خوشگوار اور اہم
 تبدیلی ۱۹۴۰ء میں یہ نظر آئی ہے کہ اہم کتابوں کا ذکر حضرت نیاز نے
 ملا حظات میں شروع کیا۔ پہلے پہل دسمبر ۱۹۴۰ء میں یاس یگانہ کی کتاب
 شہرت کا ذبہ یا خرافات عنبر پر حضرت نیاز نے تبصرہ کیا انہوں نے لگی
 کو بچانے کی کوشش کی۔ حضرت نیاز نے وقتی اور سستے ہنگاموں کو ہمیشہ
 ادب کے لئے مفر سمجھا۔ ویسے وہ ہمیشہ سے مرد میدان رہے اور اہم
 مسائل پر پیچہ نہیں دکھائی۔

نگار میں حصہٴ نظم ہمیشہ سے انتہائی مختصر رہا ہے۔ یہ بھی نگار کی ایک
 روایت ہے کہ اسے ہمیشہ شاعری کے نمونوں کو اپنے دامنِ جگہ دی جن
 میں فنی پختگی، ہلکے دوں کے تقاضے اور فکر کی عنبر موجود ہو۔ حضرت نیاز
 نے نگار کے ابتدائی دور میں بار بار حصہٴ نظم کی کمی کا شکوہ کیا ہے۔
 اقبال اور ان کے اکابر ہمعصروں کی آوازِ فضا میں گونج رہی تھی لیکن شاعروں

کا اکثریت اس وقت بھی بے رنگ گل سے بیل کے پر باندھ رہی تھی
نکار نے اس کے غلان بڑی قوت سے آواز بلند کی۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء
کے شمار میں لکھتے ہیں۔

اجراء نگار سے قبل میرا خیال تھا کہ ملک کے ذوق شعری میں خوشگوار
تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ اور گل و بیل کی داستان پارینہ سے لوگ بیزار
ہو چکے ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ میں غلطی پر ہوں اور ہندوستان علی
الخصوص یوپی ان دماغوں کو پیدا کرتے ہیں۔ ابھی تک فیاضی سے کام
لے رہا ہے جن کی عامیانہ نگاہ حسن کو صرف ظاہری سطح پر سمجھنے
پر قانع ہے اور جن کے یہاں فرسودگی، خیال اور کسی کی بیل کا
یا بندر بنانا مسدود منع میں داخل ہے۔

۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۶ء میں نکار کے ارباب قلم میں جو نام نظر آتے
ہیں ان میں محمد اکبر حیدری، آزاد انصاری، رشید احمد صدیقی، ثاقب کانیپوری،
حامد اللہ انسر، ہادی پچھلی شہری، حضرت سید ابوالاعلیٰ مودودی، مسعود
دوقی، سید عابد علی عابد، مولانا احسن مارہروی، اثر لکھنوی، وصی احمد
بلگرامی، ابوالخیر مودودی، جناب ضیاء الدین برنی، طالب الہ آبادی،
اور جلیل قدوائی کے نام ممتاز ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں حضرت نیاز نے پہلی
بار اردو صحافت کے ایک اہم مسئلہ پر اظہار خیال کیا یعنی لیتھو کی
جگہ ٹائپ کو قبول و استعمال کرنے کے بارے میں۔
”کسی ملک کی صحافت اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ
لیتھو کو ترک نہ کیا جائے۔“

اپنے اس ارادے کے باوجود حضرت نیاز نگار کو ٹائپ میں نہیں

جھانپ سکے۔ فطرت کے خالق ہمیں کوئی اہم لیکن فراموش کردہ علمی کارناموں سے بھی آگاہی بخشتے ہیں۔ مئی ۱۹۲۳ء میں حضرت نیاز نے جناب منہاج الدین پروفیسر طبیعیات اسلام آباد کالج پشاور کی کتاب ”مفہوم طبیعیات“ میں تبصرہ کیا تھا۔

”نظر ثانیات زمانہ و حال کا جدید ترین نظریہ ہے جسے جرمنی کے ایک ماہر طبیعیات ”آئین اسٹاین“ نے پیش کیا ہے۔ یہ نظریہ کیا ہے اس سے طبیعیات کے اصول میں کیا انقلاب پیدا ہوتا ہے اور ہم اس کی حدود سے کائنات کا کس قدر علم حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جنہیں فاضل پروفیسر نے نہایت سہل و آسان زبان میں پیش کیا ہے۔ چونکہ نظریہ اضافت کے سمجھنے کیلئے طبیعیات کے بعض ابتدائی مسائل علمی الخصوص علم الحریکت کو سمجھ لینا ضروری ہے اس لئے اس کتاب میں سب سے پہلے طبیعیات کے بعض ایسے ضروری مسائل کو سمجھایا گیا ہے تاکہ اصل مدعا کے ذہن نشین ہونے میں آسانی ہو۔“

۱۹۲۳ء میں مکانی اعتبار سے نگار کا نیا دور شروع ہوا۔ ضروری سائنس کو نگار سہجو پال سے لکھنو منتقل ہو گیا۔ اس انتقال مکانی کا کوئی اثر نگار کی خصوصیات اور اثرات پر نہیں پڑا لیکن لکھنو نگار کی بدولت ادبی مرکز بن گیا وہ لکھنو جسکی فضا ادبی جرأت کو راسخ آتی تھی وہاں سے نگار ۲۵ سال تک پابندی نگار با اس نقل مکانی کا ذکر مارچ ۱۹۲۷ء کے نگار میں حضرت نیاز ان الفاظ میں کیا ہے۔

”اس میں شک نہیں کہ لکھنو کو (جس حد تک صحافت کا تعلق ہے) اب کوئی علمی ادبی مرکزیت حاصل نہیں ہے ورنہ یہاں کا ذوق عام

ایسا ہے جس پر اعتماد کر کے کوشاں عمل اپنے اندر پیدا کر سکے اور
 یہی سبب ہے کہ یہاں کی آب و ہوا کو رسائل کے لئے ناموافق کہا
 جاتا ہے۔ لیکن اگر مصر کی شہانشاہی خاندان کو ترجیح دی جاسکتی
 ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میں لاہور و دہلی کی گاسنیوں پر لکھنؤ کے معاش
 و مشکلات ترجیح نہ دوں جیسے فقہور کا زیادہ نزدیک ہونے کا
 فخر حاصل ہے۔“

۱۹۲۷ء میں تمکین کاظمی، نظم لکھیا نوئی، ڈاکٹر اعجاز حسین، علامہ
 رموزی، پروفیسر محفوظ الحق، انظم کیرلوی، آسی غازی پوری، روش موی
 علی عباس حسینی، سید علی اختر حیدر آبادی اور عبد القادر سروری کے
 انکار نظم و تشریحی بارنگار میں شائع ہوئے۔ اردو کے مشہور و معروف
 نقاد ادبی مورخ جناب حامد حسن قادری نگار کے اس دور میں ایک نئے
 روپ میں نظر آتے ہیں۔ یعنی افسانہ نگار کی شکل میں۔

۱۹۲۷ء کا سال اس اعتبار سے بھی نگار کی زندگی کا ایک اہم
 سال ہے کہ ارباب قلم نے نگار کی اہمیت کو پانچ سال میں تسلیم کر لیا کہ
 کہاں اس کا یہ حال تھا کہ کہیں جو تھائی رسالہ حضرت نیاز کو خود لکھنا پڑتا
 تھا اور کہاں یہ تبدیلی ہوئی۔ چنانچہ حضرت نیاز اس تبدیلی کا ذکر
 ستمبر ۱۹۲۷ء کے شمارے میں کرتے ہیں۔

”رفتہ رفتہ ارباب قلم نے خود بغیر کسی استدعا کے نگار کو توجہ کے
 قابل سمجھا اور اپنے مضامین بھیجنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ آج اگر میں
 تمام شدہ مقالات کو رسالہ کی صفامت دو چند کرنے کے بعد یہی شائع
 کر دوں تو دسمبر سے قبل ان کی اشاعت ختم نہیں ہو سکتی۔“

۱۹۶۲ء کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۷۲ء کے مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ اس اعتبار سے اسے نگار کے پہلا خاص نمبر قرار دیا جاسکتا ہے اس وقت تک حضرت نیاز کے ذہن میں خاص نمبروں کا کوئی منصوبہ نہ تھا اگرچہ نگار کے خاص نمبر بعد میں اردو کی ادبی صحافت کا گراں قدر سرمایہ ہے فردوسی ۱۹۶۱ء کے شمارے میں حضرت نیاز نے تحریر کیا۔

”نگار کا کوئی خاص نمبر نکلتا ہے اور نہ اس کا کوئی سال نامہ شائع ہوتا ہے البتہ کبھی کبھی بغیر کسی التزام و تعین کے ضخامت زیادہ کر دی جاتی ہے۔۔۔۔۔ اگر کوئی صاحب نگار کے کسی ایسی مخصوص اشاعت کو سالنامہ وغیرہ کے غلط سے یاد کرتے ہیں تو اسکی ذمہ داری انہیں پر ہے۔“

حضرت نیاز نے اسی شمارے میں ایک بار تصویر کی اشاعت کی اہمیت کا ذکر کیا ہے لیکن اس بات کا اظہار انہیں کیا ہے کہ اس وقت تک نگار کی مالی حالت اس قابل نہیں ہوئی کہ وہ اسی معیار کی تصاویر شائع کر سکے جو اسکے مضامین کا ہے۔

اسی شمارے میں حضرت نیاز نے چند اہم ہمعصر رسالوں کا ذکر بھی نہایت تعریف و توصیف کے ساتھ کیا ہے یعنی ہمایوں شیر ننگ خیالی اور مخزن کا ذکر، ہمایوں کے بارے میں انہوں نے لکھا۔

”رسالہ ہمایوں اور نگار کی ابتداء ساتھ ساتھ ہوئی۔ جس طرح نگار نے ایک روشنی قائم کرنے کے بعد اسکو ترک نہیں کیا اسی طرح ہمایوں نے بھی اپنا سمت مقصود نہیں بدلا بلکہ اسکو یہ امتیاز زیادہ

حاصل ہے کہ نقاد ویر بھی شائع کر لیتے جن میں سے اکثر اچھے ذوق کا پتہ دیتی ہے۔“

اسی طرح حضرت نیاز نے نیرنگ خیال کے حسن اور مخصوص نمبروں کی تعریف کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ”آج غالباً اس سے زیادہ کامیاب رسالہ اس باب میں کوئی نہیں“

۱۹۲۹ء میں موقع چغتائی پر حضرت نیاز کا مفصل تبصرہ شائع ہوا۔ جس تصویر کی تصویروں کے بارے میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ مجھے قطعاً پسند نہ تھیں اس کے اس کارنامہ کی حضرت نیاز نے دل کھول کر واد دی۔ یہ بات حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت نیاز کبھی اپنی رائے بدلنے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے ان کا ذہن تعصب سے بالاتر تھا چغتائی آرٹ پر انہوں نے یہ بھی تبصرہ کیا تھا۔

”لوگ کہتے ہیں کہ چغتائی کی تصویریں ان کے ناک انگلیاں پر ناخلائے، سن اور مضحک ہوتی ہے لیکن یہ وہی لوگ ہیں جو چغتائی کے نقش کی اصل روح سے واقف نہیں۔ اور جن کی پسندیدگی آبادی نقاشی سے آگے نہیں بڑھی۔“

۱۹۳۰ء کا ساں نگار کی زندگی کا ایک اہم سال ہے۔ خاص نمبروں اور سالناموں کی روایت کا آغاز نیرنگ ضیاں اور دوسرے رسالے کر چکے تھے۔ ۱۹۳۰ء نگار نے نمبر بازی سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ لیکن جب ۱۹۳۱ء سے حضرت نیاز نے خاص نمبر پیش کرنے شروع کیے تو اسکے یہی نمبر ساری تاریخ ادب کا نہایت ایک باب بن گئے اردو رسالوں میں سے کسی رسالے کے نمبروں میں سے تاریخ ادب کی شخصیتوں

کے مقامات از سر نو تعین کا عظیم الشان کارنامہ انجام نہیں پایا۔ یہ فنر نگار کے حصّہ میں آیا۔

جنوری ۱۹۶۲ء میں نگار کا شاہ ظفر خیر شائع ہوا۔ ۵۵ اصحاف پر مشتمل تھا اور اس میں مضامین ہیں لیکن ان کے موضوعات کی تقسیم ایسی ہے کہ شاہ ظفر کی شاعری کے ساتھ ان کے عہد کے ادبی و سیاسی و تمدنی حالات ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔ اس نمبر میں یہ مضامین شامل تھے۔

ظفر کی شاعری: حضرت نیاز فتحپوری
 بہادر شاہ اولیٰ کی سیم مرزا فروغ اللہ بیگ دہلوی
 عہد ظفر میں دہلی کی شاعری طاہرہ خاتون
 دہلی کا آخری دیدار مسعود وزیر حسین دہلوی
 عہد ظفر کے سیاسی و تمدنی حالات عبدالمالک آروی
 دربار ظفر اور عہد ظفر کے شعراء
 طاہرہ خاتون

سلسلہ ۱۹۶۲ء سے سلسلہ تک نگار کے خاص نمبروں میں مصنفین نمبر، نظیر نمبر، ریاض نمبر، اردو شاعر نمبر، حسرت نمبر، غالب نمبر، اور اقبال نمبر، تنقید نمبر، جدید شاعری نمبر، اعتقاد نمبر، اضافی نمبر، افسانہ نمبر، علی تنقید نمبر، داغ نمبر نے ہماری ادبی تاریخ کے اہم خلا پر کر دیے۔ ان ادبی نمبروں کے علاوہ اس دور میں نگار نے کئی علمی تاریخی نمبر، علماء اسلام نمبر، اسلامی فرماں رواں نمبر، شیخ الاسلام نمبر، خلافت نمبر، اسلامی ہند نمبر اور پاکستان نمبر

شائع کئے۔ نگار نے ایک طرف ماضی کے ادب اور ثقافتی ترکہ سے ہمارے رشتہ کو استوار کیا۔ دوسری طرف ہمیں حال کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی اور مستقبل کے مسائل کو سمجھنے کی بصیرت عطا کی۔ حضرت نیاز فتحپوری بڑے کالج کے سندھ فتنے میں شریک نہ ہوئے اور وقت انھوں نے تعلیم پر گزارا۔ فتحپور کے مسلم اسکول میں درسی کتابوں کی تکمیل کی ابتداء میں حضرت نیاز نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز تھانے دہری سے کیا۔ ان والد ماجد بھی پولس میں ملازم تھے لیکن حضرت نیاز کو پولس کی ملازمت راس نہیں آئی۔ اور جلد ہی اس سے استعفیاء ہو گئے۔ یہ فتحپور سے آپ دہلی تشریف لاتے حضرت خواجہ حسن نظامی اور ملا واحدی صاحبان کے ساتھ خلیفہ کی ادارت میں حصہ لیا۔ کچھ سال کے بعد آپ بھوپال پہنچے۔ وہاں سے آپ نے ۱۹۳۲ء میں رسالہ نگار جاری کیا اور ادبی میدان کو اپنی جولان گاہ بنایا اور زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وہ اس میدان میں اپنے مجموعوں سے آگے نکل گئے۔ یہاں تک کہ اپنے زمانہ میں اردو کے سب سے بڑے ادیب گر ثابت ہوئے اور آپ کی تنقید نے بڑے بڑے جگہ دریوں کے تختے ڈھیلے کر دیے۔

حضرت نیاز فتحپوری ایسے جامع کمالات اور ہمہ گیر شخصیت اردو ادب نے بہت کم پیدا کی ہے۔ اردو کے صاحبِ طرز، ادیب، صحافی، شاعر، نقاد، افسانہ و ناول نگار، مورخ، ماہرِ لسانیات، ماہرِ فلسفہ کو کسی ایسی

۱۔ نگار پاکستان نیاز تبریکہ دوم سالانہ ۱۹۶۲ء مضمون نگار اور اسکی روایات از سید ابوالکیر کشفی ص ۷۱ -

صفت تھی جو اردو کے اس نابزنائی میں پائی نہیں جاتی۔

نیاز صاحب کے ادبی عظمت کے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ اردو ادب میں تاریخ و تنقید کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں نیاز صاحب نے اپنی انکمٹ چھاپ نہ چھوڑی ہو۔ ادب کے جس میدان میں بھی انہوں نے قدم رکھا ہے اسے اپنی تحقیقات اور کاموں سے شہرت دوام عطا کی۔

حضرت نیاز ادب و صحافی ہونے کے ساتھ اچھے اور بااخلاق انسان بھی تھے۔ آپ دوستی بنانا جانتے تھے۔ طبیعت میں ضد یا ہٹ نہیں تھی اپنے غلطی کو ماننے میں ان کوئی عار نہیں ہوتا تھا۔ جناب مافی جاسسی ان کے دوستوں میں سے تھے انہوں نے اپنا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے ان کے اخلاق کی بے بندی پائی جاتی ہے وہ تحریر کرتے ہیں۔

”نیاز صاحب جیسے اپنی علمی و ادبی خصوصیات میں فرد کامل ہیں ویسے ہی ہمیشہ اللہ تعالیٰ ان کے دل میں اپنے ملنے والوں کیلئے ملا راج ہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے دل میں اپنے ملنے والوں کیلئے ملا راج ہیں ایک ہی خانہ میں سب کو نہیں رکھتے۔ — نیاز صاحب کی شگفتگی اور حلم ان کے قابل رشک خصائص ہیں۔ بھوپال میں ہمارا حلقہ آج اب چند افراد پر مشتمل تھا۔ روزانہ ملاقاتیں ہوتی رہتی تھی اور کیا کہوں زندگی کس لطف سے گذرتی تھی۔ خود نیاز صاحب، ملک حبیب احمد، قمر الحسن، ابو الاعلیٰ مودودی اور ان کے بڑے بھائی ابو الخیر مودودی، ماسٹر نامہ علی، دہ لطف مستزاد، ہوتا جو دوسرے کیسے

مہینے دو چار روز کیلئے ضیائی اور اللین کے آبانے سے میسٹر ہو جاتا تھا تبھی بلند پایہ ادیب تھے۔ ضیائی تو بڑے ہی خوش گوشا و شاعر بھی ہیں۔ ماسٹر ناصر علی بھی شعر خوب کہتے تھے۔ بھوپال ہی کا ذکر ہے کہ نیر میرہ اور نیاز صاحب کے درمیان شکر رنجی ہو گئی تھی اپنا کی شرافت نفس دیکھتے۔

”ایک روز بعد مغرب میں لکھہ پورہ بھوپال میں اپنے بالا خان پر تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ دفعۃً کسی نے پکارا۔ میں اٹھ کر زینہ پر چڑھا۔ وہیں سے دیر لگا۔

کون صاحب ہیں میں ہوں نیاز محمد۔

فرمائیے کیا میں اور آسکتا ہوں۔

تشریف لائیے آئیے اور بیٹھ کر کہنے لگے۔

بھائی صاحب میں اس پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ دراصل میرا کوئی قصور ہے یا نہیں۔ جو الزام بھی آپ مجھ پر رکھتے ہوں تسلیم ہے لیکن دنیا میں اگر خطا کوئی چیز ہے تو عفو بھی کوئی چیز ہے۔

میں نے فی الفور کہا۔ اچھا نیاز صاحب معاف کیا۔

کہنے لگے یوں معافی نہیں کیا دل سے کہ ورت نکال دیجئے۔

میں نے کہا کیا آپ میرے قول و عمل میرے دل کی بات نہیں سمجھتے نیاز صاحب اب کوئی میرے دل میں ظالم نہیں ہے اور میں وہی ہوں تو آپ کے نزدیک سمجھی تھا۔ نیاز صاحب کے اس فقرہ نے اگر دنیا میں خطا کوئی چیز ہے تو عفو بھی کوئی چیز ہے۔ میری روح کو جیسے جھنجھوڑ دیا اور رگڑ طولانی سے طولانی معذرت مجھے اس طرح متاثر نہ کر سکتی تھی

یہ فقرے ان کے تفکر اور نفسانی مہارت کا کارنامہ ہے اور میں نے اکثر صحبت احباب میں ذکر کیا ہے۔

حضرت نیاز صبر و استقامت میں اپنا جواب نہیں دے سکتے تھے کتنی ہی سخت معصیت و پریشانی آجاتی بڑی آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے۔ ۵۱۔

واقعی حضرت نیاز مرد آہن تھے۔ آپ کے ایک دوست نسیم انوی نے ایک اسی قسم کا واقعہ بیان کیا ہے۔

میں اس مضمون میں نیاز صاحب کے علمی اور ادبی صلاحیتوں پر کسی طرح کی روشنی ڈالنا نہیں جاتا۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے بڑے بڑے اہل علم یقیناً بہت کچھ لکھیں گے۔ ہاں نیاز صاحب کے کردار کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ جس میں مثالی طور پر متاخر ہوا تھا۔ اور اس واقعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ نیاز صاحب واقعی ایک مرد آہن ہیں۔

جب میرا دفتر حریم نیاز صاحب ہی کے آفس میں تھا تو میں اکثر نیاز صاحب کی چھٹی بیٹی شوکت کو گود میں لیکر کھلا یا کرتا تھا اس لڑکی کو نیاز صاحب بشارت دنیا میں سب سے زیادہ چاہتے تھے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اس کی شادی ایک ایسے لڑکے سے کی جو انہیں کے ساتھ رہنے پر مجبور تھا اور اس طرح شادی کے بعد نیاز صاحب کو شوکت کی جلدائی کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ دن گزرتے گئے

شوکت گئی بچوں کلاں بن گئی تھی اور یہ بچے بھی نیاز صاحب کے بہت عزیز تھے۔ گھر پر شوکت کا ہی اقتدار تھا۔ اچانک ایک روز چھ بچے شام کو مجھے یہ خبر ملی کہ شوکت کا انتقال ہو گیا۔ میں گھبرا ہوا نکلا کہ کس پہنچا۔ اس لئے کہ جانتا تھا کہ شوکت کا انتقال نیاز صاحب کیلئے ایک ناقابل برداشت صدمہ ہوگا۔ نیاز صاحب شوکت کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ”میں سوچتا تھا تعزیت کے طور پر کیا کہوں گا کون سے الفاظ نیاز فقید پر ہی جیسے انسان کو سکون بخشن سکے۔ ان خیالات میں مگن میں ان کے کمرہ نشست میں داخل ہوا، چند لوگ اور بھی وہاں موجود تھے، کمرہ میں اس طرح کی خاموشی طاری تھی جیسی موت کے بعد گھر پر طاری ہوتی ہے۔ ایک کرسی پر میں بیٹھ گیا۔ شوکت کو میں نے گود میں کھلایا تھا۔ گواہ برسوں سے میں نے اسے دیکھا بھی نہ تھا لیکن اس کے باوجود ۲۵ سال قبل کا تعلق و محبت بالکل فنا نہیں ہوئی تھی میرا دل بھی اسکی جوان مرگ پر رورہا تھا۔ میری آنکھوں سے آنسو نکلنے کے لئے تیار تھے اور یقیناً میں سمجھتا ہوں کہ نیاز صاحب اگر سانپ کا ذکر فرماتے تو میں زار و قطار رونے لگتا لیکن آپ یقین کر لیجئے کہ ابھی میں اپنے تعزیتی الفاظ کو زبان تک لا بھی نہ سکا تھا۔ کہ نیاز صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے دفتری قلم کو آواز دی اور پھر مجھے مخاطب کر کے انہوں نے کہا آپ خوب آگئے میں بلوانے ہی والا تھا ایک کتاب چھپ رہی ہے اس میں ایک نقشہ ہے کیسے چھپے گا آپ ہی اسکا انتظام کر دیجئے۔ قادر آگیا تھا نیاز صاحب نے اسے اس کتاب کا فائل لانے کا آرڈر دیا۔ فائل آگیا اور نیاز صاحب مجھے وہ نقشہ دیکھا کر سمجھانے لگے۔ میں اس وقت

حضرت نیاز کتنی خوبصورت منطقی دلیل تراشنا کے سلسلہ میں دیتے ہیں کہ طبیعت کھل اٹھتی ہے۔ ان کا اعتراض ہے کہ تراش کر کوئی چیز بنانا اسکا مقتضی ہے جس سے کہ وہ چیز جیسے تراشتے ہیں اپنی پہلی نادر عقیدہ حالت سے چھوٹی ہو جائے نہ کہ بڑی۔ ستاروں سے ذرے تو تراشے جا سکتے ہیں ذروں سے ستارے نہیں تراشے جا سکتے بنائے جا سکتا ہے۔ حضرت جگر کی شاعری کے متعلق ان کی رائے ملاحظہ ہو۔

”جگر مراد آبادی کی شاعری کے متعلق ایک کی رائے ہے کہ وہ خلد خرم قسم کی شاعری ہے کہ آپ جتنا کہ جائیں گے اتنا ہی زیادہ لطف آتا ہے لیکن ہے بہر حال ش ہی۔ اس رائے مجھے اختلاف ہے اور وہ یہ کہ یہ خارش وہ نہیں ہے جس کے زیادہ کہجانیسے زیادہ لطف آتا ہے بلکہ آپ نے اسے کھجایا اور سور شہیدا ہوئی یعنی جب تک ان کی زبان سے آپ الکلام سن رہے ہیں غنیمت ہے لیکن جہاں آپ نے بزم سخن سے ہٹ کر اس پر غور کرنا شروع کیا اسکی قلمی اترنے لگی۔“

ان کی کڑی تنقیدوں اور عقائد شکن ضرروں نے حضرت نیاز کے خلاف ایک ملک گیر رد عمل شروع کر دیا۔ جسکو انہوں نے برداشت کیا۔

حضرت نیاز ایک صاحب طرز ادیب تھے ان کے طرز تحریر میں بڑی رنگینی اور بے ساختگی پائی جاتی تھی۔ انہوں نے افسانہ، تاریخ، تنقید اور تحقیق کیلئے جداگانہ اسلوب بیان اور طرز تحریر استعمال کیا ہے لیکن رنگینی عام ہے اور تخیل کی آمیزش ہر جگہ جھلکتی ہے اردو ادب میں حضرت نیاز ایک خاص ادبی دور کے رہنما تھے جنکو جمالیاتی دبستان کہنا چاہئے رومانیت اور جمالیات دونوں کی ادبی تخلیقات کی بہت نمایاں

خصوصیتیں ہیں۔ ۱۰

حضرت نیاز نے باتمام اور نارسا شاعری کی سمجھت گرفت کی ہے انہوں نے زبان اور خیال کے اعتبار سے اردو کی بھونڈی شاعری کے خلاف آواز بلند کر کے اردو ادب پر بڑا احسان کیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اردو کے بڑے اور نامور شاعر غالب، اقبال، جوش وغیرہ کسی کو نہیں بخشا۔ اردو شعراء میں مومن، حسرت موہانی، غالب، بدایونی اور علی اختر کے مدح - ان تنقیدوں میں مومن کا جائزہ بہت فکر انگیز ہے وہ مومن کے اتنے شیدائی اور قدرداں تھے کہ ایک جگہ انہوں نے لکھا -

”مجھے کلیات مومن دید و باقی سب اٹھالے جاو“

کتوبات نیاز میں ایسے بی شمار خطوط ملتے ہیں جو اپنی بے ساختگی اور ادبیت کے لحاظ سے خطوط غالب کا ہر تو معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت نیاز کے خطوط میں ایک دلکش اور وسیع ادبیت ہے ان میں طنز بھی ہے طعنت بھی چھاڑ بھی ہے اور تیر و نفیر بھی۔ وہ ایک ادبی شعور کے آئینہ دار تھے۔ حضرت نیاز ۸۲ سال کی عمر میں کراچی میں سرطان عیسے مرضی مرض کا ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء کو شکار ہوئے۔

حضرت نیاز نے اپنی زندگی اور اپنے فوت ہونے کے بعد اردو کے تقریباً تمام عظیم ادیبوں سے حیران تحسین وصول کر لیا۔ تھان کے محافلین اور موافقین سب ہی ان کی ادبی عظمت کے قائل تھے مثنوی گور کھپور کی لکھتے ہیں -

۱۰ جلد یادیں مولف خواجہ جمیل احمد ص ۷۷

ان کے تحریر کی کارناموں میں افسانے اور ادبی تنقید کے علاوہ ایک ضخیم حصہ متفرقات کا بھی ہے جن میں اخلاق و حکمت، اقتصادیات و معاشرت، اور منیات و فلسفیات، بنیات، علم نجوم اور سیاسیات حلقہ غرضیکہ زمین و آسمان کا کونسا قضیہ تھا جسکو حضرت نیاز نے نہ چھڑا ہو اور جسکو اپنے طرز تحریر کے جادو سے اپنے پڑھنے والے کیلئے دلکش نہ بنایا ہو۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نیاز صاحب نے جب کبھی کسی ادبی موضوع کو اٹھایا تو کافی تحقیق اور چھان بین سے کام لیکر اسے بڑے سلیقہ سے پیش کیا۔

جناب فراق گورکھپوری بھی حضرت نیاز سے اپنی عقیدت کا اظہار کر چکے ہیں۔

”نیاز صاحب ہمارے ادب اور تہذیب کے قطب مینار ہیں۔ میں قریب قریب بہتر برس کی عمر میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ میں نے ان کے تحریروں سے اردو سیکھی ہے ایک فیض کا درس گاہ رہا ہے میں تو یہ کہوں گا کہ جو ادیب معتقد نیاز نہیں وہ آپ بے بہرہ ہے۔“

حضرت نیاز پر ایک ایک نہایت قابل قدر مفکر، مقالہ نگار، افسانہ نگار، نقد و سمر نگار اور ایک بلند پایہ اسٹائلسٹ کی حیثیت سے اگر اختصار سے بھی لکھا جائے وہ ایک دفتر ہو جائیگا۔

اردو کے انقلابی شاعر جناب جوش ملیح آبادی جبکی شاعرانہ لغزشوں سے مہینوں نگار کے صفحات سیاہ ہوتے رہے۔ حضرت نیاز کے متعلق انہوں نے یہ تحریر کیا ہے۔

حضرت نیاز ان چند انے گئے استثنائی افراد میں سے ہیں جن کے پیدا کرنے کے لئے یہ دونوں پرور آسمان ازل سے اہم نگ بن کر تاجلا آ رہا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ ان کی ایک ذات کے احاطے میں اتنے اخلاقی شہر آباد ہیں۔ اتنے شعور کے لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں اور رامتش و زنگ کی اتنی براتیں اتری ہوئی ہیں تو بے ساختہ دل چاہتا ہے کہ ان کو گلے سے لگالوں۔ کاش نیاز فقہوری کا سا خالق طرر انشاء پرداز کسی زندہ قوم میں پیدا ہوتا۔ لیکن کیا کیا جائے۔

ہائے وہ عقل جو نرغے میں ہو دیوانے کے

ہمایوں یہ ماہنامہ ادبی رسالہ مزنگ لاہور سے جنوری ۱۹۷۲ء کو جاری ہوا۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر میاں بشیر احمدی 'اسے' آکسن بیرسٹریٹ لاہور انسٹ ایڈیٹر مولانا تاج محمد نجیب آبادی (فاضل دیوبند تھے) سالانہ چندہ پانچ روپے تھا کرشنا پریس لاہور میں طبع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ میاں بشیر احمد صاحب نے اپنے والد میاں شاہد بن ہمایوں کی یادگاہ میں جاری کیا تھا۔ اعراض و مقاصد یہ تھے۔

- (۱) ہمایوں بالعموم ہر ماہ کے نصف اول میں شائع ہوا کریگا
- (۲) علمی و ادبی، تمدنی و تاریخی، اخلاقی و روحانی مضامین
- بشرطیکہ وہ معیار ادب پر پورے اتریں درج کئے جائیں گے۔
- (۳) دل آواز تنقیدیں اور دل شکن مذہبی مضامین دلت نہ ہوں گے۔
- (۴) ایسے مترجم یا طبع زاد مضامین کے لئے جو پر معلومات

ہوں اور محنت و کاوش سے لکھے جائیں۔ صاحب مضمون کے ایما و ہدایت بالعموم ایک روپیہ فی مضمون صفحہ معاوضہ پیش کیا جائیگا۔

اچھے اور معیاری مضمون پر سو روپے معاوضہ دیا جائیگا جس کا اعلان رسالہ ہما یوں میں چھپتا تھا۔ جو یہ تھا۔ اردو رسالوں میں غالباً ہما یوں سب سے پہلا رسالہ ہے۔ جیسے حالات کی مساعدا نے یہ موقع دیا کہ وہ اپنی قلم کو بیکار کئے درجہ سے بالاتر سمجھ اسی لئے پہلے نمبر میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو ہر مضمون پر معلومات اچھوتے مضامین محنت و کاوش سے لکھے جائیں گے صاحب مضمون کے ایما و ہدایت کا معقول معاوضہ پیش کیا جائیگا۔ اسی سلسلہ میں اب یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ذیل کے اہم عنوان پر مضامین لکھوائے جائیں۔

۱) سب سے بہتر مضمون جو مضمون کی رائے میں اولیت کے معیار کو پورا کرے ہما یوں کے سرمایہ سے ساٹھ روپے اور اسی حیثیت میں دویم نمبر کے مضمون پر چاس روپے بطور انعام پیش کئے جائیں گے۔

۲) اور اگر مضامین سے مقرر کردہ معیار پر کوئی پورا نہ آوے مگر ان میں بعض مضامین مفید اور جاذب توجہ ثابت ہوئے تو اول دویم پر انعام کی مقدار مضمون کی رائے پر مقرر کی جائیگی۔

۳) تمام مضامین ایک کمیٹی میں پیش ہونگے۔ جسکے ایک ممبر

آنریبل قائد بہادر شیخ عبدالقادر بی اے بار ایٹ آف انجینئرنگ
یونٹے ہائی دو ہائیوں کے دونوں ایڈیٹر۔

(۴) مارچ کا ہائیوں چھپنے کے بعد تین ماہ تک مضامین کا انتظار
کیا جائیگا۔ یہ سلسلہ ہی مدت اسلئے تجویز کی گئی تاکہ زیادہ غور و مطالعہ
کے بعد مضامین پر مغز پر معلومات اور مدلل سپراہ میں لکھے جائیں۔
(۵) مضامین فلسفیکپ سائنز کے زیادہ سے زیادہ تھیں
اور کم سے کم دس صفحات پر ہونے چاہئیں۔

ہائیوں ہجاری جریدہ تھا۔ انکے مضمون نگار ملک سے مشہور
و معروف حضرات تھے جن کے اسماء گرامی یہ تھے۔

مولانا عبدالعلیم شرر، خواجہ حسن نظامی، اکبر الہ آبادی، سید
استیاز علی تاج، مولانا الطہر بلوڑی، مرزا احسان احمد بی اے۔ میا
عبدالعزیز صاحب بی اے، مولانا رضا علی دشت کلکتہ، مولانا تائب
کانپوری، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی
خال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولوی ابوالخیر مودودی، لالہ گوتم دیو صاحب
اسلامیہ کالج، ساغر نظامی، مولانا دجاہت حسین جعفری، مولوی، جناب
حامد اللہ صاحب انیسویں تھی، روشن مدنی، مولانا پوری، مولانا تادرت
میرٹھ، پروفیسر رام سرورپ کوشل بی اے علیگ، بشیر حسین خاں
دویش، مولانا شمشیرازی شادانی رامپوری، خلیق دہلوی، جناب محمد
موسنی خاں رئیس، تاؤلی علیگ، مرزا خیم بیگ خیم گوالپاری، مولوی
محمد الحسن محمود علی صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب فقیر جھوپالی،
آغا سید عابد علی صاحب لیر، امیر گدوانی، دیوانہ بریلوی، آزاد

سہارنپوری، صفدر علی شائق کانپوری، اسد علی خان صاحب،
ایڈیٹر سٹمس ملتان، شوکت قدوائی لکھنوی، مولوی سید مناس گویا
جہاں آباد کی ذمہ داری۔

ہمایوں کی ایڈیٹروں کی پالیسی یہ تھی کہ اردو زبان سہل اور عام
فہم ہو۔ اس میں عربی و فارسی کے ادق الفاظ استعمال نہ کئے جائیں
چنانچہ انہی خیالات کا اظہار ہندم ہمایوں کے عنوان کے تحت جنوری
۱۹۱۱ء کے شمارے میں کیا گیا ہے۔

عام طور پر اردو کے رسالوں کی زبان بہت ادق ہے اردو زبانوں
میں اکثر عربی فارسی لفظوں کی بہتات ہے جیسا ہندی والوں میں سنسکرت
کے لفظوں کی بوجھاڑ ہے۔ ہندی والے اگر ہندوستان ہی کی تعلیم زرا
سے اپنے لفظوں کی ذخیرہ تیار کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اگر وہ غلطی
پر ہیں تو ہمیں ہمہ گ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اب بھائے خود غلط راہ
چلنے کے یہ کیوں نہ کریں کہ آپ ان سیدھے راستے پر چلنے لگیں اردو
کیا ہے ہندو مسلمانوں کے ملانے کی زبان سو اسمیں دونوں قوموں کی
زبانوں کے الفاظ ہونے چاہئیں۔ عام زبان جو اصطلاحی نہ ہو اگر ہمیں
عام فہم لفظ ملیں تو ہم کس لئے مولویانہ اور پشندانہ فقرے استعمال کریں
ہم تاریخیں کیوں کہیں یا تحیک کیوں کہیں پڑھنے والے کیوں نہ کہیں۔
ریاض کیوں کہیں، اودیان کیوں کہیں باغ اور چلواری کیوں نہ کہیں۔
ہم کم از کم اتنا تو ہو آسان لفظوں کو کبھی کبھی لکھا کریں اور اکثر کوشش
کریں کہ اگر وہی مطلب ثقیل زبان میں ادا ہو جائے تو مشکل طریق سے
ادا نہ کریں مثلاً سیدھے راستے کے بجائے کبھی راہ راست لکھ لیا جائے

تو خیر گناہ نہیں لیکن مراد مستقیم جائز ہو توں مارا ہے۔ سبوں
 چڑھائی جائے۔ مذہبی کتابوں میں یا کسی خاص ضرورت کے بعد
 آپ مراد مستقیم یا سرل مارگ بھی کہیں لیکن اگر ہمیں کہنا ہے تو
 سیدھے راستے چل تو کیا ضروری ہے کہ یہی کہیں تو مراد مستقیم پر
 چل اور اگر یہی ضد ہے کہ اسی میں لطفاً آئے کہ بڑے بڑے حاج
 شکن لفظ بولے یا لکھے جائیں تو پھر ٹھنڈی شرک کو بھی مراد مجدد
 کہیے۔ آنکھ کو بھی عین یا نین ہی کہا سمجھیں۔ لیکن ایسا کرنا تکلف
 یا بناوٹ میں داخل ہو گا۔ قدرتی بات نہ ہوگی۔ اس سے بول چال
 میں میل جول میں قوم قوم میں آدمی آدمی میں خواہ مخواہ کی رکاوٹیں
 پیدا ہو جائیں گی۔ جنکے ہونے ہونے دلوں کا ملنا مشعل اور آہستہ
 آہستہ ناممکن سا ہو جائیگا۔

ہر دور میں اس رسالہ پر اس کے معاصرین کو پوچھنے اور اسکی
 خدمات کو سراہنا اور آفرینیں کہیں۔

فل ہون لاہور ۱۲ جنوری ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پھر کیا تھا۔
 ایک شب اردو رسالہ ہمیں اردو کا ایک رسالہ ہمایوں کا پہلا نمبر
 موصول ہوا ہے اس نمبر میں اردو کے بہت سے مشہور دانشوروں
 کے نظم و نثر کے مضامین ہیں۔ جسٹس عبدالقادر نے پنجاب میں
 اردو پڑھنے بشو نرائن ایڈیٹ کے ”شالامار باغ“ اور سر میاں محمد
 شعیب نے تعلیم پر اپنے خیالات لکھے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی
 کا مضمون ”شاہان مغلیہ کی آخری قبر“ دلکش ہے مشہور شاعر ڈاکٹر اقبال
 نے ہمایوں پر ایک نظم لکھی ہے جسکے عقائد پر ہمایوں کی نہایت خوبصورت

عکسی تصور :- جناب اکبر کے چند غیر مطبوعہ اشعار مولانا گرامی
 صاحب نے غزل کی غزل کے علاوہ مشہور اردو شاعر مثلاً طہطاہی
 محمود، شوق اور عزیز وغیرہ کا کلام درج ہے۔ ہمایوں میں بہت سی
 دلدیز جلد میں ہیں یعنی ایڈیٹروں کے نہایت دلچسپ نوٹ ہیں۔
 جو ہمیشہ موجود رہیں گے۔ ”جہاں نما“ اور ”علمی شعاعیں“ کے تحت
 دلچسپ ادبی و علمی جزیں درج ہیں۔ ایک صفحہ یاد ایام پر۔ ایک
 صفحہ لغات الیابین پر ہے۔ جو بہت پر ظرافت ہے اور اس انگریزی
 اور اردو رسالوں سے مختصر اقتباسات درج ہیں سارے کا سارا
 رسالہ دلچسپ ہے۔ اسمیں ظاہرہ خوبصورتی کیساتھ باطنی خوبیاں
 بھی موجود ہیں۔ جسکی رو سے یہ تمام اردو ماہوار رسالوں پر فوقیت
 رکھتا ہے۔ کاغذ چمپائی لکھائی عمدہ ہیں سرورق دلکش ہے۔ ہم اردو سے
 دلچسپی لینے والے حضرات کی خدمت میں اسکی یہ رود سفارش کرتے ہیں۔
 روزنامہ کیسری لاہور مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۹۲ء سے اس رسالہ پر یہ بریلو

کیا تھا۔

”اخبار کی مصروفیتوں کی وجہ سے مجھکو لٹریچر کے پڑھنے کی فرصت نہیں
 ملتی لیکن رسالہ ہمایوں کی ظاہری خوبصورتی اور دلکشی نے ہمیں اس کے
 مطالعہ کیلئے مجبور کر دیا۔ یہ رسالہ جٹس شاہ دین کی یادگار میں مستقل
 فنڈ سے زیر ایڈیٹری میاں بشیر احمد صاحب بی اے آکٹن، مولانا ساجد
 نجیب آبادی فاضل دیوبند جاری ہوا ہے۔ اسکے مضمون نگاروں کی فہرست
 میں ہندوستان کے بہتر سے بہتر انشاء پردازوں کے نام نظر آتے ہیں
 اگرچہ بل شیخ عبدالغلام بلالین لانج ہائیکورٹ، آرتھور بل نرگھ، عزیز بل کھنڈ

نواب حیدر یار جنگ لالہ تبارک چند مرحوم مولانا دیوانہ صاحب کے نام خاص خود پر قابل ذکر ہیں۔ میٹھا مین فشر نہایت دلچسپ ہیں اور لکھیں ملک کے بہترین شعراء کی ہیں۔ میاں صاحب مرحوم کی تصویر شاخ کی گئی ہے اعلیٰ درجہ کا دلنشینی کاغذ لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ پہلوؤں کے مجموعی مطالعہ سے ہم اس کو سمجھنے میں کیسیا دلکش اور دلچسپیوں سے بھرپور سالہ اور سالوں میں کوئی نہیں ہے ملک کو ایسے شاعر اور ادبی رسالوں کی تعداد کوئی چاہئے۔ انھیں ادبی اعلیٰ اخلاقی تمدنی طرفانہ جس قدر بھی مضامین ہیں اس قابل ہیں کہ ہر علم دوست انہیں پڑھیں گے۔ ان کے نظریوں سے بڑھ سناؤں کرتے ہیں کہ وہ ہمارے کو فرید کر ہمارا طرح اسکے مطالعہ سے لطف اٹھائیں۔

یہ سالہ کی غبار کی دباؤ باطنی نشان دشوکت کے متبادہ لکھی روپے سالانہ چندہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔

تیسرا تبصرہ جاوید ڈھاکہ مورخ دسمبر ۱۹۳۳ء میں اس رسالہ پر چھپا تھا۔

”جناب فشر میاں بشیر احمد باریٹ لاہور اور فاضل دیوبند لانا تاج محمد نجیب آبادی نے مشترکہ ادارت میں بیادگار حبش شاعرین یہ مایہ ناز مجلہ دیدہ افروز ناظرین کو تانا ہے یہ مشترکہ ادارت اس امر کی ضامن ہے کہ مضامین کی بلندی کی سطح کے ساتھ حسن طباعت اور مسکن خوبیاں بھی موجود ہیں پنجاب میں یہ مجلہ ہر حیثیت سے ممتاز ہے اور حسن ذائق اور قابلیت کے ساتھ ایڈٹ کیا جاتا ہے۔ ہر پڑھنے میں تصویر بھی برقی ہے اور ساتھ ہی حصہ نظم بھی بہت دلکش ہوتا ہے۔ ہم اسکے بقا اور ارتقاء کے متمنی ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اپنے جلدیاد کو ہمیشہ قائم رکھے“

اس رسالہ پہلوؤں نے کافی عمر پائی اور شہرت حاصل کی اور ہندوستان کے کافی مشہور معروف ادیبوں نے اس کی ادارت فرمائی۔ چند صحافیوں کے حالات زندگی ملاحظہ ہوں۔

ریشیر احمد زار بہ۔ نادر صاحب آفریجیل جسٹس میاں محمد شاہ دینی ہمایوں کے صاحب زادے ہیں ہمایوں صاحب ۱۲ اپریل ۱۸۸۷ء کو بلخ اپانگوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی نظام الدین فاضل ہزرگ تھے۔ آپ کے پردادا مولوی قادر بخش صاحب فارسی اور عربی کے جید عالم تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں آپ شاہی خاندان کے نوجوانوں کی اتالیقی پر مامور تھے۔ طبیعت شعر و سخن کے لئے نہایت ہوشیار پائی تھی اور قادر مخلص کرتے تھے مکن افسوس ہے کہ ان کے کلام کا مجموعہ ضائع ہو گیا۔

ہمایوں صاحب کی ابتدائی تعلیم بلخ ہان پورہ میں ہوئی۔ چھ برس عمر میں کلام مجید ختم کیا۔ سکول کے امتحان میں اول رہے اور انٹرنس میں پنجاب بہر میں انگریزی میں اول تھے۔ جلائے کا امتحان لاہور میں امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور ۱۸۸۸ء میں انگلستان تحصیل علم کی غرض سے تشریف لے گئے۔ قابلیت خدا داد تھی جب انگلستان میں سیر ہو کر واپس آئے تو اپنی انگریزی اور اردو کی تقریروں کیلئے ملک سے حرکت تحسین حاصل کیا۔ بعد میں پنجاب کی مجلس دفع قوانین کے رکن نامزد ہوئے اور پھر عدالت عالیہ میں جج مقرر ہوئے جہاں وہ عارضی طور پر جج جج کے عہدہ جلیلہ تک پہنچے۔

ان کی زندگی جہت تن عمل اور اصلاح قوم میں صرف ہوئی۔ سرسید نے علامہ کالج کی بنیاد ڈالی تو آپ نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ لاہور میں ان کی مشاعر شروع ہوئے تو آپ اس میں شریک ہوئے۔ مطالعہ کتب آپ کا مشغہ رہا جو آخر عمر تک جاری رہا۔ موت سے ۲۶ دن پیشتر چیف کورٹ میں کام پر گئے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ کام کرتے ہی جان دیدوں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ آپ نے ۱۲ جولائی ۱۹۱۷ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ علامہ اقبال نے حسب ذیل تاریخ

فطانت کہی ہے

ورنگستان دہرہ ہاپوں نکتہ - سنج + آمد مثال شبنم درجوں پرے گل و مید
 می جیت میں سپ خوش جنگ سال و سالہ ملازمہ رفیع زین جلد سوشید
 شامی کا شوق کہ چین سے تھا - انگلستان مانے سے قبل مشفقہ نرس لکھن
 لیکن انگلستان سے واپس آئے بعد ریحان میں تبدیلی آئی یہاں تک کہ جوالی کا فوجی
 کلام ضائع کر دیا -

جہاں ہاپوں آگیا تھیں وہ ہے - آپ کی عنایت کے بعد آپ کے صاحبزادے
 میاں بشیر احمد صاحب نے اپنی چند نظموں کو جمع کر دیا ہے اس
 لئے شاعرین قوم زمانہ بدل گیا
 پڑش زلف یار تہا لہ نہ بل گیا
 چھوٹے کتب تک سرورم نگر کو
 کل کی طبع سانب ٹرپ کو کل گیا
 اٹھو گرد حشر نہیں ہو گا کسی
 اس قسم کہ جم گئے ہو جملات کی طبع
 دھندل زمانہ چال قابلیت کی چل گیا
 ایک دم کہ گویا تیر کمان سیکل گیا
 ہاں ہاں سنبھالو قوم کو شاید سنبھل ہی جائے
 گر گر کے ملک ہنر و کجہ آفر سنبھل گیا -

میاں بشیر احمد راز ۲۹ مارچ ۱۹۵۳ء کو باغ بان پورہ میں پیدا ہوئے -
 تقریباً ایک سال تک اپنے گاؤں میں الہ دین کی مسجد میں تعلیم پا کر باغ بان پورہ کے
 اسکول میں داخل ہوئے - پھر چند ماہ بعد سنٹرل ماڈل اسکول میں چلے گئے - جہاں
 سے ۱۹۵۳ء میں انٹرنس امتحان پاس کیا - مسئلہ میں گورنمنٹ کالج سے ایف اے
 پاس کیا اور پھر ولایت چلے گئے - وہاں آکسفورڈ میں ڈاکٹریم کالج سے ۱۹۵۳ء میں

۱۰ شعلے پنجاب ۱۹۵۳ء

تاریخ میں بی اسے آئرز کی ڈگری حاصل کی۔ اپنے کالج اور چند ہستانی طلباء میں اس سال تاریخ کے امتحان میں اول رہے۔ اسکول اور کالج میں عربی بھی پڑھتے رہے اور ہمیشہ اس مضمون میں اول رہتے تھے۔ چھ برس کی عمر میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ابتدا میں چھپ چھپ کر لکھتے رہے اور کسی سے باقاعدہ اصلاح نہیں لی ولایت سے واپس آنے پر خزن میں ابجد خواں کے نام سے لڑکے مضامین اور چند نظمیں شائع کرائیں۔ پھر جنوری ۱۹۷۲ء میں ہاؤس رسالہ جاری کیا۔ آپ کی نظمیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی تھیں مزاحیہ نظمیں عزیزوں اور دوستوں کے دائرہ تک محدود رہتی تھیں۔ میاں بشیر احمد صاحب کی نظر اور محضراؤں شریتر و وردان کا آئینہ ہوتی تھیں۔ تکلف سے آپ کو نفرت تھی اس لئے ذہنی کیفیت کو بلا جھجک بیان کرتے چلے جاتے تھے اور سہمی چیز یا کچھ سہمی قدیم مشرقی نواز ادب سے ممتاز کرتی تھیں۔ آپ کے کئی ایک تاریخ اور فلسفہ سے متعلق مفید مضامین ہاؤس میں شائع ہوئے تھے مکن مستقل طور پر ایک کتبہ ظلم زندگی شائع کی تھی جو آپ کے طبع زلامضامین پر مشتمل ہے۔

شروع ہی سے آپ کی طبیعت طرافت پسندی پر مغربی تعلیم اور مغربی زندگی سے مانوس ہونے کی بجائے غیلات سراسر مشرقی تھے۔ ہر امر میں صفائی اور حق کا لالہ رکھنا آپ کی عادت کا خاصہ تھا پاکیزگی زندگی کا ایک جزو بن چکی تھی۔ دماغی کام کی دہر سے صحت عموماً طرب رہتی تھی۔ اشعار میں سادگی ہے لہذا

ما کہ ہے عقل کا نسانہ دنیا	کارندہ ہے عقل کا رخاندہ دنیا
دنیا کو بنایا اس نے دنیا لیکن	شاید کہ ہو عقل کا بہانہ دنیا

۱۷ شعرائے پنجاب

عزم دیکھ مجھے بنا لیا ہے اپنا کم دے کے مجھے بنا لیا ہے اپنا
اللہ رسد کم غریب الفت ترا دم دے کے مجھے بنا لیا ہے اپنا

مضمون نمبر ۱ عزم صاحب کے والد ماجد مولوی محمد حسین صادقی تھے۔ عزم صاحب ۱۸ اگست ۱۹۱۹ء کو جوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دہائی جوں میں گذار۔ لیکن سلاٹنہ میں آپ کا پیدا خاندان مستقل طور پر لاہور میں مستقل ہو گیا۔ ندیم صاحب عربی فارسی اردو انگریزی کی درسی کتاب کا گھر پر ہی مطالعہ کیا خاندان علمی تھا اس لئے عربی و فارسی کی تحصیل میں دشواری نہیں ہوئی۔ آپ نے اپنی عداود دہانت اور سسی سے انگریزی علم و ادب کی تحصیل اس طرح کی کہ مغرب کے بیشتر ادبا کی مشہور کتابوں کا مطالعہ آپ نے آسانی کے ساتھ کر لیا تھا۔

ادبی مرکز ملیت کے سلسلہ میں جہاں ملک کے مشہور رسالوں میں آپ کے مضامین شائع ہوتے وہاں آپ نے سلاٹنہ سے لیکر متواتر چار سال تک بہاول کی عداوت کے ذرائع انجام دیئے۔ جن اصحاب نے اس عرصہ میں ہمایوں کی مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہو گا کہ اس وقت کے ہمایوں میں اسکی گذشتہ روایات کے مطابق کتنے بلند پایہ مضامین نظم و نثر شائع ہوئے۔ جو عیناً ندیم صاحب کے حسن ذوق اور محنت حاق پر دال تھا۔ سلاٹنہ میں اپنی طویل عداوت کی وجہ سے بہاول سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہوئے۔ سلاٹنہ میں جب حضرت مجبور نجیب آبادی ادبی دنیا کے حقوق ٹیکٹ سے دستبردار ہو گئے تو لکڑکن انہما نے ادبی دنیا کی زمام ادارت ندیم صاحب کے سر دے رکھی۔ عزم صاحب کے اکثر مضامین نثر ہمایوں اور ادبی دنیا میں شائع ہو کر ٹھیک سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو علم ہو گا کہ آپ شعور ہی کہتے تھے آپ ہمایوں اور ادبی دنیا میں ندیم کے فرضی نام سے اپنا کلام چھپواتے تھے۔

عظیم صاحب کی پہلی تصنیف دنیا کی بہترین افسانے ہیں۔ جو مغربی افسانہ نگاروں کے شاہکاروں کے کلامیاب ترجمے ہیں۔ افسانوں کا یہ مجموعہ جدید و قدیم مغربی مصنفوں کے نتائج کاوش کا بہترین انتخاب ہے جو فاضل مترجم نے تہایت خوش اسلوبی سے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ۱۵

عظیم کے کلام میں سلامیت و روانی ہے ۱۶

یوں محسوس مجھ ہوتا ہے یہ جلوت نہیں خلوت ہے یہ
مجھ کو کسی سے کام نہیں ہے یہ دنیا نہیں جنت ہے یہ
عشق کے دیوتا کا مندر ہے حاضر میں ہم اسکے آگے
دونوں دل اک بسم کے چکاری دونوں سر خم اس کے آگے
وہ دیندار ہے کافر یوں میں لیکن مہر و وفا کا بندہ

وہ ایک صدق و صفا کی دیوی

اور میں صدق و صفا کا بندہ -

مولانا حامد علی خان صاحب مولانا ظفر علی خاں صاحب کے
چھوٹے بھائی تھے۔ ان کا وطن و مولد کرم آباد تھا۔ جہاں سے
آپ نے میٹرکولیشن کا امتحان پاس کیا تھا۔ آپ کے کالج کے ایام میں تحریک شریک الملک
زوروں پر تھی۔ کچھ گھر کی فضا سے اور کچھ عام حالات سے متاثر ہو کر آپ تحصیل
علم کیلئے مسلم نیشنل یونیورسٹی علی گڑھ میں چلے گئے۔ اس عرصہ میں آپ سودیشی پسند
جو محکمہ بلکہ صفا کھد میں طبوس رہتے تھے۔ یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے
بعد پھر پوربند پور و فیصلہ ہو گئے لیکن یکایک طبیعت اس جملہ نظام سے اچاٹ ہو گئی اور

آپ پنجاب میں واپس چلے آئے۔ جہاں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور
 بی اے کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو ہاؤس کی ادارت کے فرائض پہنچے
 ہوئے۔ تنہائی پسند انسان تھے۔ غلط ہونے کے باوجود چونکہ نام و نمود سے مستفید
 تھے۔ اس لئے عام لوگوں سے ان کے روابط کچھ زیادہ ہیں تھے۔ بلکہ جب کبھی
 کسی ادبی مجلس کی بھی آپ کو کوئی اہم رکنیت تفویض ہوتی تو آپ قبول کرنے سے
 انکار کر دیتے تھے۔ آپ اردو سبھا لاہور کے معتمد تھے لیکن جب انجمن اردو پنجاب
 کی طرف سے بھی آپ کو نائب معتمد ہونے کی دعوت دی گئی تو آپ نے یہ ذمہ داری
 لینے سے انکار کر دیا۔

آپ کی ابتدائی تعلیمیں ہیں۔

(۱) حامد کے شو شعرو آپ کے سوشل سٹڈی اشعار کا مجموعہ ہے جس میں آپ کی
 شاعری پر ایک مبسوط تبصرہ بھی شامل ہے جو مولانا منظور احمد صاحب مدیر ادبی دنیا
 لکھا تھا۔

(۲) افسانہ نگارے عشق بہ چند روحانی افسانوں کے تراجم ہیں۔ اس کی
 زبان اس قدر سستہ ہے کہ افسانے طبعاً معلوم ہوتے ہیں۔
 حامد صاحب کو شعر کہنے کا شوق بچپن سے تھا انگریزوں میں پاکیزگی اور
 مہمانت اس قدر ہے کہ صنفِ اولیٰ کے شعرا میں شاید ہی کسی کے
 کلام میں موجود ہو۔

ہے علم کیا جنوں ہے حقیقت ہی تو ہے۔ وہ بے خبر کہ راہ سلامت یہی تو ہے
 دھوکا ہے سب جانو حقیقت کا اختیار۔ بے خبر مرنے حقیقت یہی تو ہے

۱۵ شعر پنجاب ۱۵

وہ اس سے بے نیاز ہے یہ اس سے بجز انسان اور خدا کی محبت یہی تو ہے
 دنیا اگر خاندانِ جنت ہے کسبِ - ذوقِ طریقت نہیں حیرت یہی تو ہے
 غافلِ نریب و عذرہ فدا میں سر گئے - یارب وہ باغِ خلد وہ جنت یہی تو ہے
 ہے ذرہ ذرہ روئے حقیقت پہانہ ہر محرم نہیں ہے تو ہی مصیبت یہی تو ہے
 پہلو میں اک جہاں کو چم لے کے مٹ گئے - بر مشرول کا آہ قیامت یہی تو ہے
 حاضر یہی ہے آپ کی منزلِ خدا گواہ -

حضرت یہی ہے کوئے طاعت یہی تو ہے۔

مذاقِ زندگی پر شہی کو حسبِ مدعا سمجھا - فنا کے ٹھنڈ کو بھی جبرِ عبد اب بجا سمجھا
 ہر اک آفاق کے نغمے میں ہے اتنی بجا ہوئی - کہ میں اک خالق کے ذریعہ کو شہرِ آسما سمجھا
 میں نے تقدیر ہستی ممکنات اور فطرت کا خدا کو مبتدا سمجھا بشر کو منتہا سمجھا -
 کوچِ جاہک سوارانِ لاہور سے یہ رسالہ جنوری ۱۹۲۲ء کو نذر
 ہوا - ۲۸ صفحات پر لکھا تھا - محمد حنیف اللہ قریشی نقشبندی اس
 کے ایڈیٹر تھے - سلاطین چندہ دو روپے تھا کریم کی لائٹم پریس لاہور میں طباعت ہوئی
 تھی -

اس رسالہ میں زیادہ تر مضمون مضافین شائع ہوتے تھے - اس کے
 مضمون نگار مولوی محمد علی شاہ چشتی، عبد اللطیف کتا، ابو ظفر کشمیری، مولوی
 ابو محمد امام الدین رام نگر، سید محمد اشرف کشفی، صاحبزادہ علامہ دستگیر نامی،
 خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب، مولوی عبد الحمید، مولوی اکبر شاہ خان
 نجیب آبادی اور مولوی محمد سعید صاحب نقشبندی تھے -

اس رسالہ میں اس بات کا اہتمام کیا گیا تھا کہ کسی درگاہ کے سجادہ
 نشین کے حالات ہر شمارے میں شائع ہوں -

نظام کالج میگزین نظام کالج حیدر آباد دکن سے جنوری ۱۹۱۲ء کو یہ ماہانہ تعلیمی جریدہ جاری ہوا۔ ۱۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب محمد میر خان صاحب اسکے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چند چار روپے تھا۔

نکار مئی ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس رسالہ پر رپورٹ کیا تھا۔
 ”ماہوار رسالہ ہے جسے طلبہ نظام کالج حیدر آباد دکن کی ایک جماعت نے
 محمد میر خان غریب کی ادارت میں جنوری سے جاری کیا ہے اس وقت اسکے
 تین نمبر شائع ہو چکے ہیں جسکی پہلے سے نشان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ
 بجائے مختصر مقالات کے اگر بسیط علمی مضامین کا التزام کیا جائے تو زیادہ مناسب
 ہے۔ محمد میر خان صاحب نظام کالج کے نہایت ذہین اور موقع آفریں طالب
 علم ہیں اس لئے ہمیں امید ہے کہ آپ کی موجودہ طبیعت اس رسالہ کو کامیاب
 بنانے میں ناکام نہ رہے گی“

محمد میر خان غریب آپ حیدر آباد کے شرفاء میں سے تھے اور نظام کالج کے فاضل
 التخصیص تھے۔ مددگار اکثر امیر کاؤٹنس شاخ تعمیرات میں ملازم
 رہے۔ نظم اور غزل خوب کہتے تھے۔ نظام کالج میگزین کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔
 اسے نظام کالج پر ایک نظم بھی تھی جسکے چند اشعار یہ ہیں۔

اے کالجیے مثل اے میاں تعلیم و کمالی - اے شمع تہذیب مصفاے مصلح حسن فعال
 اے وہ کہ پیرا غم میں ہے اور زرد دل تو خدا اے وہ کہ نہال ہے ترے ہر ذریعے میں ایک تقابل
 ہر پیر تیری نند ہے اور ہے خدا سے یہ دعا دنیا میں جیہ تک نور ہے اور میں تعلیمی تیرا
 جب تک تری ہر حسین اہل پارہ جنت رہے اس وقت تک پہچول تیرے ہار کی نیست نہ

فیض آباد سے یہ علمی اخلاقی و سیاسی رسالہ جولائی ۱۹۲۲ء
لیل و نہار میں وجود میں آیا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ سید نجم الدین
 جعفری اور سید محمد مہدی رضوی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا
 بالمشہور دیاں بھٹناگر کے اہتمام میں مطبع آفتاب فیض آباد میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ نومبر ۱۹۲۳ء تک مطبع آفتاب میں چھپتا رہا۔ مسعود سکر کاہرہ
 بعض وجوہات کی بنا پر شائع نہیں ہو سکا۔ جنوری ۱۹۲۴ء سے باہتمام قاضی
 محمد کمال حسرت مالک مطبع قیصر ہند فیض آباد سے نکلنے لگا۔ یہ رسالہ پانچویں
 سے نکلتا تھا۔ لیکن اس کے اکثر شمارے مشترکہ بھی شائع ہوتے تھے۔ اس
 رسالہ کی خصوصیت یہ تھی کہ تین روپے سالانہ چندہ میں بارہ شمار لکے بجائے
 تیرا شمارے شائع کرتا تھا۔

مواد کے اعتبار سے اس کا حصہ نثر اور وسط مدج کا تھا۔ اس میں علمی و ادبی
 میٹرکے ساتھ ہر طرح کی سماجی، سیاسی، معاشقہ اور ثقافتی ضرورتوں کے تحت
 مضامین چھپتے تھے۔ اس میں ایک کالم ”لوکل“ کے عنوان سے تھا جس میں ضلع و
 شہر فیض آباد کی اہم علمی و سیاسی خبریں شائع ہوتی تھیں جو زیادہ تر طرحی
 مشاعروں، مذہبی محفلوں و مجلسوں کا اعلان، امن و سبھا فیض آباد کی
 کارگزاریوں، اہم مقدمات کے فیصلے، کتب خانوں اور کالجوں کی رسم اختتام
 کی تفصیلات مشتمل ہوا کرتی تھی۔

حصہ نظم کافی اچھا اور جاندار ہوتا تھا۔ مقامی شعراء کے علاوہ اس وقت کے
 معیاری شعراء مثلاً جگر مراد آبادی، منشی نظم طباطبائی، محشر لکھنوی اور
 اقبال سہیل وغیرہ کی تازہ نگارشات شائع ہوتی تھیں۔

اس رسالہ کے مضامین کے پڑھنے سے مجموعی طور پر یہ اندازہ ہوتا

ہے کہ یہ رسالہ مقامی اخلاقی اور سیاسی شعور کو پیدا کرنے کے لئے شائع کیا گیا تھا۔ جس میں ضمنی طور پر شعروادب کو بھی داخل کر لیا گیا تھا پھر بھی تاریخ صحافت میں اس کی اہمیت ضرور ہے جیسا کہ اس کے شذرات میں شائع ہونے والے تاثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مقامی صحافی مضامین کے پیش نظر عالم وجود میں آیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۲۳ء کے شمارے میں اقبال سہیل اعظمی کی جگنو شائع ہوئی تھی اس کے کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

اے شرار مضطرب اے برق بیتاب زمین
 شمع کچھ کلتاں روشن دل محمراوشین
 سج بتا اے شعلہ احساس کیوں ہے بے قرار
 کس کی شمع حسن پر مرتا ہے تو پر دانہ وار
 منتظر کس کا ہے تو اے دیدہ بے خواب کہہ
 جستجو کس کی ہے تجھ کو کرک شب تاب کہہ
 کہ کہہ اے الحاس پر ان کے لئے مضطرب تو
 بیچ بتا جگنو یاہیں تیری ہی آتش بازیاں
 یا تقصا دم سے ہوا کے اڑتی ہیں چنگاریاں
 کہہ کہہ میں اہل گردوں تیرا جلوہ دیکھ کر
 گر پڑے کیا خوشہ پرویں کے دانے خاک پر
 جگمگا اٹھا ہے ناکتاں یہ تیرے نور سے
 آتش ہے شعلہ زن ہے یارم انگور سے
 ابلق ایام کا بے شک تو نور العین ہے

نور و ظلمت روز و شب کا جمع الہم بن ہے
 شعلہ بن کو آہ نکلی ہے درون خاک سے
 یا سرشک افشاں ہے انجم دیدہ غنک سے
 ہے حصار جزیرہ پر یہ شعلہ باری کس لئے
 جنگ یہ فوج کو اکب سے ہے جا کس لئے

بہارِ وزانہ اخبار ستمبر ۱۹۳۲ء کو دہلی سے شائع ہوا۔ ۴ صفحوں پر
 مشتمل تھا۔ ایڈیٹر منشی محمد یوسف صاحب تھے۔ سالانہ چندہ
 آٹھ روپے تھا۔ فی پرچہ ایک پیسہ قیمت تھی۔ دارالعلوم پریس دہلی میں چھپ کر
 شائع ہوتا تھا۔

یہ اخبار انگریزوں کے غلامی کے خلاف لکھتا تھا اور ملک کی آزادی کا زبردست
 حامی تھا۔ محمد یوسف صاحب جو اس اخبار کے ایڈیٹر تھے یہ منشی عبدالقادر صاحب
 والا حوان کے بھائی ہیں جنہوں نے ملک کی آزادی کی تحریکوں میں حصہ لیا اور جیلوں
 میں عمر کا بڑا حصہ گزارا۔

گلے کشی کا مسئلہ پوری ملک میں نزاعی بنا ہوا تھا۔ دہلی کی میونسپل کمیٹی میں
 بھی اس مسئلہ پر بحث ہوئی۔ ہندو گلے کشی کے مخالف تھے اور مسلمان حامی تھے
 اس انداز سے میونسپل کمیٹی کی ایک مشنگ ۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو منگل کے روز
 ہوئی جس میں ممبران نے بحث کی۔

مسٹر روٹن علی صاحب بیرسٹر نے قضاہ کی مزید دکانیں کھولے جانے
 کی ضرورت بیان کی۔ اس پر لالہ سری رام صاحب نے فرمایا کہ قضاہ کیوں کی مزید
 دکانیں کھولے جانے سے ہم ہندو کے دلوں کو صدمہ پہنچتا ہے اور یہ بھی کہا کہ
 یہ جو جیلا یا جاتا ہے کہ گوشت کی دکانیں کھلنے سے اتحاد میں اضافہ ہو گا بالکل

غلط ہے۔ اور میں ایسے اتحاد کو ہر وقت بلکہ آج ہی توڑنے کیلئے تیار ہوں۔
اسکے بعد بابو قزیر الدین صاحب نے فرمایا کہ ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے۔
بلکہ بات صرف یہ ہے کہ کسی تجارت کو روکنے اور بند کر نیلے قانونا کیسی کو کوئی حق
نہیں ہے۔ جس طرح ہر طرح کی تجارتوں پر بندش نہیں ہے۔ ایسے ہی بکری کے
گوشت پر بھی بندش نہیں ہونی چاہئے۔ اور ایسا کرنا ایک ظلم ہے۔

آپ کے بول لالہ پیارے لال صاحب دکیل کھڑے ہوئے اور کہا اگر مسلمان
گائے کا ذبیحہ چھوڑ دیں تو ہم خوشی سے اجازت دیں گے کہ وہ ہمارے محلوں میں
دکانیں کھول لیں اور یہ فرمایا کہ مارکیٹیں بنائی جائیں انکو موجودہ دکانداروں کو
بھی بٹھایا جائے اور جو نئے ہوں وہ بھی بیٹھیں اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ
حفظان صحت کا پورا انتظام ہو جائیگا۔

اس پر عبدالرحمن دکیل نے اٹھ کر اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ مارکیٹ
سے کوئی نفع نہ ہوگا بلکہ پبلک کو بوجہ تکلیف ہوگی جسے کوئی برداشت نہ کر سکیگا۔
دہلی شہر کے طرز تمدن کے بھی خلاف ہے کہ قصائی مارکیٹوں میں بیٹھیں۔ اگر
دوسرے شہروں میں مارکیٹ بنی ہوئی ہیں تو وہاں کی مزدورت کے لحاظ سے بنی
ہوئی ہیں۔ دہلی شہر میں مارکیٹ کی ہرگز مزدورت نہیں۔ اگر یہاں مارکیٹ بنائی
نہیں تو نہ صرف قصائیوں کو تکلیف ہوگی بلکہ عام پبلک کی تکلیف میں بھی
اضافہ ہو جائیگا۔ خاص کر عرب طبقہ کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور یہ
امیر غازی آباد کا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ عبدالعزیز صاحب دکیل اپنے ہم عصروں
کو اشارہ دیکر کہتا ہے اس کے خلاف مشورہ دیتے رہے۔ آپ کی نسبت شہر میں
اس معاملے کے پیش ہونے سے کئی روز قبل سے سرگرم ہے کہ آپ فریق
سے جو مزید دکانیں کھولنے کے خلاف ہے چار پانچ سو بلکہ بعض چالیس

کے مطابق بارہ سو روپے اپنی حق کوشش کیلئے تھے اور یہ دعوہ کیا تھا کہ میں
مزید لائسنس کی اجازت کو مسترد کرادوں گا۔ اگر واقعی یہ بات صحیح ہے تو ہم پبلک
کو توجہ دلاتے ہیں کہ ایسے نام نہاد ممبروں کا انتخاب آئندہ عمل میں نہ
لایا جائے۔ ان سے نہ صرف کسی خاص طبقہ و فرقہ کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ اس
طبع انسانی سے عامہ مخلوق کو بھی نقصان پہنچنے کا بروقت اندیشہ رہتا ہے
حافظ صاحب رائے نے جانے کے وقت نہ تو ادھر تھے نہ ادھر آفر یہ معاملہ کرنا
رائے سے مسترد ہو گیا۔“

درپن لاہور سے یہ سیاسی اقتصادی و تاریخی رسالہ ۱۳۳۷ھ کو
نمودار ہوا۔ ۸۲ صفحوں پر مشتمل تھا۔ جناب مونس لعل صاحب
بھٹناگری اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ
چار روپے تھا۔ سلیس اردو میں ظرافت کی چاشنی کے ساتھ اہم مسائل پر بحث
اور تنقید کرنا اس کا کام ہے۔

ترقی حیدرآباد دکن سے یہ علمی مذہبی اور ادبی رسالہ ۱۳۳۷ھ
کو وجود میں آیا۔ ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ ابوالکلام محمد
انوار اللہ اس کے ایڈیٹر تھے چار روپے سالانہ چندہ تھا۔

یہ رسالہ نہایت ٹھوس اور معیاری مضامین کا حامل تھا۔ حیدرآباد سے
بعض قابل و لائق ادیب اور اہل قلم اس کے مضمون نگار تھے۔ ابوالکلام صاحب
کی طویل علالت کی وجہ سے یہ رسالہ بند ہو گیا۔

لسان الملک یہ رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۳۳۷ھ کو نمودار ہوا۔ ۴۴ صفحا
پر مشتمل تھا۔ سید محمد مناعن گنٹوری اس کے مدیر تھے۔
چندہ سالانہ تین روپے تھا۔

اس مسئلے نے بھی اپنے لائق و فاضل ایڈیٹر اور مشہور و معروف مضمون نگاروں کی وجہ سے جلد شہرت حاصل کر لی تھی مگر اس نے زیادہ عمر نہیں پائی اور بند ہو گیا۔

مشیائیرن کلکتہ سے ۱۹۱۲ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا
آخر ہمسند ۲۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے سرپرست سید کاظم حسین مانوٹس لکھنؤ کی اور ایڈیٹر سید مظہر عباس مظہر لشکر پوری تھے۔
 یہ رسالہ کلکتہ کے اور رسالوں سے زیادہ مایوسانہ سیاق و سباق رکھتا تھا۔
 کچھ مادی و دولت پائی۔ اور خاصی عمر کا ہو کر لقمہ اجل بنا۔

نمائش ۲۸ صفحات نکلتا تھا۔ مرزا رفیع بیگ اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ مین روپے تھا۔

یہ رسالہ صنعتی ہونے کے باوجود اس میں ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ مہوئی مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کے مضامین کی ابتداء اس رسالہ سے ہوئی۔ یہ مرزا صاحب شروعات میں الم نشرح کے نام سے مضامین لکھتا کرتے تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۱۳ء تک جاری رہا اس کے بعد بند ہو گیا۔

خدا دہرہ ہوشیاری رسالہ حیدر آباد دکن سے ۱۹۱۳ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ مریم بیگم صاحبہ اس کی ایڈیٹر تھیں۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپے تھا۔

اس رسالہ میں اوسط درجے کی مضامین شائع ہوتے تھے۔ عورتوں کے ساتھ مرد بھی اس میں مضامین لکھتے تھے۔ عورتوں کو خانگی زندگی کس طرح گزارنی چاہئے۔ اس رسالہ میں اس بات پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔

مریم بیگم مریم بیگم صاحبہ کپتان سید علی رضا مرحوم کی صاحبزادی اور
ڈاکٹر صفدر حسین مرزا کی بیوی تھیں۔ علم آفاقیات کی محنت
علم تھیں۔ ایرانی الاصل اور شاہانِ حصر کے خاندان سے تھیں۔ ان کو اردو و
فارسی پر پورا عبور تھا۔ شعر و شاعری کی ابتداء یہ زمانہ طالب علمی کر دی تھی۔
شعر خوب کہنتی تھیں۔ صغیر، بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا صاحبہ کی صاحبزادی تھیں۔

قصیں کا یاد کرے ہر افسانہ چاہئے حالِ برہنہ پر مر سناںو بیانا چاہئے
مہ مرنے کی خبر سن کر وہ بو گلزار سے مرنے والے کیلئے کوئی بیانا چاہئے

اس جہاں میں جل کے بیٹھیں ہم کہاں خبر کوئی دے
کوئی اپنا بھی تو آخر اک شمع کا نا چاہئے
قبر میں نہا ہے مریم استخوان کا دقت ہے
یا علی احواد کو اس دم تو آنا چاہئے

لاہور سے یہ رسالہ ۱۳۳۷ھ کو ظہور میں آیا۔ ۲۴ صفحات پر
نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر پروفیسر بھائی پر تاپ سنگ تھے۔

راگ

سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ علمِ موسیقی، ہارمونیم، سٹار، طبلہ اور تمام سازوں کو جاننے اور
پرست کرنے کے طریقے بتاتا تھا۔ عمدہ گائیں، دھریہ خیال، پٹہ ٹھمری ترانہ اس
میں گورج کی جاتی تھی۔ راگ کے متعلق سوالوں کے جواب بھی دئے جاتے
تھے۔ زمانہ حال کے ماہرینِ علمِ موسیقی کی بالتصویر سوانح عمریان بھی شائع ہوتی

تھیں۔

رسالہ رنگ کے بانی و ایڈیٹر پروفسر بھائی پرتاپ سنگ جی نے لاہور میں میوزک اسکول قائم کیا تھا۔ جو کافی عرصہ تک قائم رہا۔ پروفسر صاحب نے رنگ و دبیا پر بڑی کتابیں تصنیف کی تھیں۔

فردوسِ شاہ دہلی سے یہ طبی رسالہ ۱۹۳۷ء کو ظہور پذیر ہوا۔
۲۲ صفحات پر نکلتا تھا جناب حکیم کبیر الدین صاحب
اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رسالہ نگار بھوپال مورخہ فروری ۱۹۳۷ء نے اس رسالہ پر حسب ذیل رپورٹ کیا تھا۔

”ماہوار طبی رسالہ ہے جو حکیم کبیر الدین صاحب کی ایڈیٹری میں ایکسال سے جاری ہے اس وقت ہندوستان میں متعدد رسالے نکل رہے ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ ایک فن کی خدمت انجام دے رہے ہیں قابل قدر ہیں۔ المسیح طبی رسالہ میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے اور اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے اس میں کافی ذخیرہ معلومات ہے۔“

پاٹنالا لکھنؤ سے یہ دہلی رسالہ ۱۹۳۷ء کو وجود میں آیا۔
حسن ادب ۲۲ صفحات پر مشتمل تھا جناب ابوالکمال لطف لکھنؤ اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔

معراج الکلام اور ہر مورخہ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

حسن ادب لکھنؤ کی نفوس مذاق کی مہاں ہے حضرت افضل لکھنوی اور حضرت جلیل مانپوروی کے کلام فصاحت الشہام سے جو درجہ حاصل ہونا

چاہئے وہ تقریباً کا محتاج نہیں۔ مضامین ٹر بھی اچھے ہوتے ہیں۔

فدیب اور تصویق کا یہ ماہوار رسالہ ۱۳۲۲ھ کو لاہور سے جاری
قادری نوشاہی ہوا۔ ۱۰۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ جناب محمد فتح علی قلندر نوری
 قادری نوشاہی کی سرپرستی اور چودھری سلطان علی کی ادارت میں شائع
 ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ ادبی و علمی ماہنامہ لاہور سے جاری ہوا جہازی سیار کے
ادبی دنیا ۹۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ علامہ تاجور نجیب آبادی اس مالک
 اور مدیر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپے تھا۔

اس رسالہ کے **سلسلہ** مالک علامہ تاجور نجیب آبادی مالک و ایڈیٹر تھے
 ان کے بعد منصور احمد صاحب نے اس رسالہ کو خریدا۔ اس کی ادارت کی کچھ
 سالوں کے بعد مولانا صلاح الدین احمد اس کے مالک و ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ یہ دور
 تابناک ثابت ہوا۔ جو ربع صدی سے زیادہ رہا۔ اس رسالہ کی بڑی تقطیع اعلیٰ کاغذ
 اور اعلیٰ کتابت و طاعت نیز بلند ادبی معیار نے اسے اپنے ہمعصروں میں ممتاز
 ترین جگہ عطا کی۔ اس کے ابتدائی دور میں ادبی مواد کے ساتھ ساتھ علوم حاضر
 پر مقالے درج ہوتے تھے اور اس کی خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ یہ اپنے ہم عصر ادبی
 رسائل کے مستحب مضامین چھپاتا تھا۔ یہ رسالہ ۱۳۳۳ھ تک شعر و ادب کا
 علمبردار رہا۔

یہ رسالہ نہایت خوبصورت تھا۔ اس میں ہر مہینے ایک اعلیٰ درجہ کی عکسی
 تصویر دی جاتی تھی۔ حالات حاضرہ پر مقالے درج ہوتے تھے۔ آخر میں ہمعصر مسائل
 سے اقتباس دئے جاتے تھے اور ان کے علاوہ وہ سب کچھ ہوتا تھا جو ایک
 ادبی رسالہ کے لئے ضروری ہے۔ دوسری عالمی جنگ نے اس کی صورت بگاڑ کر

رکھ دی مگر چھ مواد کا محمولہ دستور بلند رہا اور پاکستان ہفتے کے بعد یہ رسالہ سہ ماہی ہو گیا جس ادارت اور مواد کی پاکیزگی اور بلند معیار کی بکال پر کارگر کہہ رہی ہے کہ مولانا صلاح الدین احمد کا ذوق بدستور جوان ہے۔

ادبی دنیا کے خریدار عجیب و غریب طریقے سے بنائے جاتے تھے۔ طلباء و اساتذہ ایک مقررہ تعداد کے مطابق مفت خریدار بن جاتے تھے۔ اور جو خریدار سال بھر کے بعد اپنے پرپے طلبہ کو دیتے تھے اگلے سال سے رسالہ ادبی دنیا مفت جاری ہو جاتا تھا۔ اس رسالہ کے مہتمم کا دعویٰ تھا۔ دنیا بھر میں رسالہ سستا ہے

یہ دونوں اشتہار ادبی دنیا کے خاص نمبر امیں شائع ہوتے تھے جو کہ یہ دلچسپ تھے اور معلومات بھی ملتی۔ یہ وہ نقل کئے جاتے (۱) اہل شوق کے لئے ملائے عام۔

(۲) ادبی دنیا کے چار سو تیسویں پرچے ایک سال کے بے مفت۔

”ادارہ ادبی دنیا نے فیصلہ کیا ہے کہ اردو کے شوقین طالب علموں اور باذوق اساتذہ کے محدود تعداد کے لئے ادبی دنیا مفت جاری کر دیا جائے چنانچہ اس طے میں ساڑھے تین سو سٹاک لانڈینہ جمع کر دئے گئے تھے اس کے بعد اہل دل اہل خیر کے طرف سے ایک سو تیس چنندے عطا کئے گئے موجودہ میزان چار سو تریس چنندے ہیں۔ اس پیش کش سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایف اے بی اے ایم اے کے وہ طلباء جنہوں نے اردو کے کسی مضامین میں کوئی امتیازی مقام حاصل کیا ہو ایک پوسٹ کارڈ یا سادہ کارڈ پر ہمیں اپنی درخواست بھیج دیں اور اپنے استاد اردو سے اس پر تصدیقی دستخط بھی کروادیں۔ درخواستوں کے وصول ہوتے ہی ادبی دنیا ان میں سے ۲۵۳ صاحبوں کے نام جاری کر

دیا جائیگا اور سال پر برابر جاری رہیگا اور محصول ڈاک بھی دفتر پہنچا سکتا ہے
 اور اگر نیکلہ البتہ اگر کوئی صاحب اپنے پرچہ بذریعہ رجسٹری منگوانا چاہیں تو وہ رجسٹری
 کے چار ٹکٹ اپنی درخواست کے ساتھ ملحق کر دیں۔ درخواستوں کی تعمیل
 باری باری ہوگی۔ ۱۹۵۳ء میں سے ایک سو چندے اسکولوں کے اساتذہ اور
 کے لئے اور ۱۹۵۳ء کالج کے طلباء کے لئے مخصوص ہیں۔ اساتذہ کے لئے کسی تعویق
 کی ضرورت نہیں۔ فقط ان کے اسکول کا پتہ کافی ہے۔ طلباء کو بھی ان کا رسالہ
 متعلقہ کالج ہی کی معرفت جاری کیا جائیگا۔

اس میں چندہ ادا کرنے والے

- | | | |
|------------------|---|---|
| ۲۰۰ سالانہ چندے۔ | اپنی ذاتی حیثیت سے | فزیز آغا |
| ۱۰۰ سالانہ چندے۔ | " " " " | صلاح الدین احمد |
| ۵۰ سالانہ چندے۔ | (یہ یادگار حضرت آزاد) | آغا محمد باقر بلیہ آزاد |
| ۳۳ سالانہ چندے۔ | جناب ملک عبدالرحمن صاحب خایان ہوسٹل لاہور | جناب ملک عبدالرحمن صاحب خایان ہوسٹل لاہور |
| ۵۰ سالانہ چندے۔ | جناب جگن ناتھ آزاد ایم اے اردو دہلی | جناب جگن ناتھ آزاد ایم اے اردو دہلی |
| ۲۰ سالانہ چندے۔ | جناب محمدا الدین احمد ایم اے لیکچرر پنجاب یونیورسٹی | جناب محمدا الدین احمد ایم اے لیکچرر پنجاب یونیورسٹی |

(۱) بڑے معرکے کا ایک اور اعلان۔

(۲) ادبی دنیا کے ایک ہزار نئے خریداریوں کو پہلے سال کے بعد۔

(۳) ادبی دنیا ہمیشہ کے لئے مفت۔

چونکہ ادبی دنیا کے پچھلے پرچوں کی مانگ حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اس
 لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے جو خریدار سال بھر کے بعد اپنے پرچے واپس کر دینگے
 اگلے سال ان کے نام ادبی دنیا مفت جاری رہیگا۔ اسی طرح یہ خریدار ہر سال اپنے
 پرچے دفتر کو واپس کر کے اگلے سال کے لئے نئے پرچے بلا برصفت حاصل کرتے

چلے جائینگے۔ اور یہ سلسلہ جب تک ادبی دنیا اور اس سلسلے کے اولین زمرہ میں
اسی طرح قائم رہیگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

قواعد (۱) اس سلسلہ نام سلسلہ دوامی ہے اور اس کے رکنیں
عام خریداؤں سے عقدہ ہوں گے۔

(۲) اس میں صرف افراد شامل ہو سکیں گے۔ اداروں، لائبریریوں، مدارس
کو شامل نہیں کیا جائیگا۔

(۳) اپنی درخواست طرہ داری میں سلسلہ دوامی ضروری کئے دونہ
آپ کا نام ہمارا سالانہ چندہ دینے والے باقاعدہ خریداروں کے رجسٹر میں
درج کیا جائیگا۔

(۴) سلسلہ دوامی کا آغاز موجودہ نمبر سے ہوگا۔

(۵) واپس کئے جانے والے پرچوں کا اچھی حالت میں ہونا ضروری ہے
یعنی پرچہ پٹا ہموار ہو۔ میلان نہ ہو۔ اور داغ و دھبوں سے برا نہ ہو۔

(۶) پرچوں کا مسلسل ہونا ضروری ہے ایک سال میں چار مسلسل نمبر
نمبر شائع کئے جاتے ہیں۔

(۷) پہلے سال کا محصول ڈاک بم ادا کرینگے لیکن اس کے بعد محصول ڈاک
خریدار کے ذمے ہوگا۔ صرف پرچہ مفت ہوگا۔

ادبی دنیا کا سالانہ چندہ صرف تین روپے مع محصول ڈاک تین روپے
جس میں تین تین سو صفحوں کے چار خاص نمبر پیش خدمت کئے جاتے ہیں۔
ادبی دنیا کے خاص نمبر کے مضمون نگاروں کے نام تحریر کئے جاتے ہیں۔ جو
یہ ہیں۔

جناب سید علی عباس جلال پوری، محترمہ بیگم اختر ریاض، وزیر آغا، جناب

آغا محمد باقر دہلوی، جناب فضل حسین بہترم، جناب خان فضل الرحمن ایڈووکیٹ، جناب
عبد العزیز خالد، جناب غلام التعلین، جناب امجد ندیم قاسمی، جناب ظہیر ظفر، جناب
گوپال متل، جناب حمایت علی شاعر، جناب حمید امجد، جناب یوسف ظفر، جناب محمد ظہیر
جناب عرش صدیقی، جناب بلال کومل، جناب صلاح الدین ندیم، جناب اختر پور شیخ
پوری، جناب عارف عہد المتین، جناب جمیل ملک، جناب امتیاز علی، جناب غلام
رسول الہی، جناب مشفق خواجہ، جناب سیف زلفی، جناب فائز امجد نامی، جناب
تبسم کشمیری وغیرہ۔
بقول جناب جگن ناتھ آزاد۔

اگرچہ اس زمانہ میں نیرنگ خیال کا لوطی بول رہا تھا لیکن دہلی
دنیا نیرنگ خیال سے بھی کچھ آگے ہی نکل گیا تھا۔
”تاجور نجیب آبادی کا نام احسان اللہ خان شہادرانی
پٹھان تھے۔ آپ نجیب آباد ضلع بجنور کے باشندے
تھے۔ آپ کی پیدائش نینی تال میں سن ۱۸۹۰ء کو ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ
التحصیل تھے۔ ملازمت کے سلسلہ میں لاہور شریف لے گئے تھے۔ دیارِ سنگھ
کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ علمی و ادبی خدمات کے صلہ میں سن ۱۹۱۸ء میں گورنمنٹ
نے سٹمس اعزاز کا خطاب عطا کیا۔ انھوں نے ۱۹۱۸ء میں بیغ ملک کا
خطاب دیا۔

علامہ فارسی اور عربی علوم میں اتنی کامل دستگاہ رکھتے تھے کہ ان کا ساتھ
کو بھی ان کے تبحر علمی پر ناز تھا۔ مجلہ دیوبند القاسم میں اس باریق نظر فاضل دیوبند

کے جو مضامین کسی دور میں اشاعت پذیر ہوئے ان سے اگر کہیں وقت نظر کا ترشح ہوتا ہے تو کہیں جو دت فکر تراش کرتی ہے۔ علامہ کو قدس سے ذہنی سکون میسر آتا تو نہ معلوم وہ اپنے علمی ذوق کی تسکین کا سامان کس بلند پیمانے پر بہم پہنچاتے "نجی اور ادبی زندگی" کے عنوان سے علامہ نے شاندار میں سلسلہ مضامین سپرد قلم فرمایا تھا۔ اسمیں ایک جگہ یہ الفاظ نظر آتے ہیں۔

"مدت مدبر سے اس فکر میں ہوں کہ قسمت موجودہ افکار لا حاصل سے رہائی بخشنے تو "ادب العرب" کے نام سے چند مجلدات میں ادب عربی نظم و نثر پر ایک ضخیم تصنیف سرانجام دیکر اسے زندگی کی راہ بے منزل کیلئے منزل راہ زندگی بنا لوں۔ دیوبند میں میرے دلپسند مضامین ہی سے عربی ادب اور فلسفہ بنے رہے لاہور آیا تو شمس العلماء مفتی عبداللہ ٹٹنکی جیسے عربی کے بے مثل ادیب اور بین الاقوامی شہرت کے فلسفی کا فیض مجھے نصیب رہا۔ اردو ادب میں میری دلچسپی تعزیک کی حد تک رہتی تھی مگر حالات ناسازگار نے اس تفریح کو میری زندگی بنا دیا۔"

علامہ نے پنجاب میں اردو شاعری اور انشاء پر دہائی کا کچھ اس شان سے صور پھونکا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا خواہیدہ جذبات بیدار ہو گئے۔ لکھنؤ اور دہلی میں ادب کی تحریر کا جو رنگ تھا۔ اس کے سانچے میں پنجاب کے ادیبوں کی تحریر بہ بھی ڈھلنے لگیں۔ رسائل و اخبارات کی زبان میں پہلے جو رد کھپاں تھے رفتہ رفتہ اسکی جگہ بالکل نئے لے لی۔ بیگم اردو کی نکالی زبان کی چھاپ جب پنجاب کی اردو پریٹری تو زبان کا لطف دو بالا ہو گیا۔ ۱۹۱۸ء میں جب محزن کی ادارتی باگ ڈور علامہ نے سنبھالی تو پانچ سال تک آپ نے اس کے ادارتی فرائض اس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دئے کہ ادبی حلقوں

میں اس کی مانگ بڑھ گئی۔ علامہ فرماتے ہیں -

”میں نے ایک دنیا پیدا کر لی تھی فخرن بھی میرے ساتھ ساتھ تڑپ کر تار پڑا۔
میں اس کے بڑھاپے کو جوانی میں تو تبدیل نہ کر سکا لیکن ع
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا۔

کے مقولہ کو فخرن کے حق میں میں نے غلط ثابت کر دیا -

فخرن کے بعد علامہ تاجور نے ہمایوں کی ادارت سنبھالی پانچ سال اس سے
وابستہ رہے اس مختصر سی مدت میں ان کی ادبی شہرت کے کتاب کی شامیں
ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی تھیں علامہ نے اپنی صحافی زندگی کے سیر
دور میں خود اپنا رسالہ ادبی دنیا جاری کیا۔ یہ رسالہ ۱۹۷۷ء تک شعروادب کا
علمبردار رہا۔ علامہ نے ۱۹۷۷ء میں شاہکار رسالہ نکالا، علامہ نے ہفتہ وار
اخبار پریم بھی جاری کیا تھا۔ جسکے ذریعہ آپ ملک کے بچوں اور بچیوں کے دل
میں خدا مذہب اور بنی نوع انسان کی محبت پیدا کرنی چاہتے تھے۔ لاہور میں
گنے سے قبل علامہ رسالہ نالہ بیل آنتاب اردو لکھنؤ اور رسالہ تاج الکلام
نجیب آباد کے ایڈیٹر رہ چکے تھے۔

یہ ایک قابل انکار حقیقت ہے کہ آج پاکستان کے طول و عرض میں جو اردو
روزنامے، ہفت روزہ اخبار اور ماہنامے جاری ہیں ان کے ادبی محاسن کا سہرا
علامہ تاجور کے سر ہے۔ خیر و شر کے بارے میں اسلام نے جو نظریہ پیش کیا
ہے کہ جو شخص بھی خیر و شر کی رسم ایجاد کرتا ہے اس کے حال پر اس کے صنفی
یا مثبت اثرات کی پرچائیں ضرور پڑتی ہیں اس کی رو سے بلاشبہ مبالغہ
یہ کہا جاسکتا ہے کہ اخبارات و رسائل میں جو اچھوتی بندشیں لطائف و ظرائف
پر شوکت انصاف، زبان کے محاورے اور ادب و تنقید کے سانچے میں ڈھلے

ہوئے اشعار جہاں کہیں بھی دیکھنے میں آتے ہیں زبانِ حال سے علامہ کی عظمت کی گواہی دیتے اور علامہ کی بارگاہ میں یہ خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

ترے نازک لبوں سے سیکھ لے ہم نے انداز مسکرانے کا
 علامہ اپنی شاعرانہ خصوصیت کو، کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ مدتِ عمر اپنے کلام کا ایک مختصر سا مجموعہ، شائع نہیں کرا سکے۔ لیکن اس کے باوجود علامہ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ اس حلقہ میں وہ شعور بھی تھے جو اپنے وقت میں چمکے اور شاعری میں بہت اونچا مقام حاصل کیا۔ مثلاً اختر شیرانی اور احسان دانش و جگن ناتھ آزاد۔ بقول جگن ناتھ آزاد علامہ کے ہندو شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ پنجاب میں ملکہ سارے ہندوستان میں اردو کی نشرو اشاعت کی بارے میں علامہ کا ایک خاص نظریہ یہ تھا اور وہ یہ ہے کہ جب تک اردو ہندوؤں میں مقبول نہیں ہوگی اس کا کوئی مستقبل نہیں اور ہندوؤں میں اردو کو مقبول بنانے کے لئے علامہ نے دھڑ کی بازی لگادی تھی۔ علامہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہ ایک کثیر الجمہات شخصیت تھی۔ اس وقت جب عمان کے بارے میں بات چیت کر رہا ہوں۔ ان کی زندگی کے فتنے گوشے ایک فلم کی طرح میری نظریں رواں دواں ہیں اور میں حیراں ہوں کہ ان کی بھرپور شخصیت کے کس کس پہلو کا ذکر کروں۔ ان کی ملیت، ان کی زبانِ دلی، ان کی اسلوب، ان کا طنز و مزاح، ان کی کردار نگاری، شاعری، بدیہ گوئی اور مکتبہ ان تمام باتوں کے مختصر ذکر کے لئے بھی دفتر درکار ہیں۔ یہ وہ کہانی نہیں کہ چند

سہ نقرش لاہور کا شخصیات غیر معروف تاجِ غیب آبادی از مولانا محمد رفیع شاہ تاجِ غیب آبادی

باقوں میں سنادی جلتے۔ اردوان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ اس کی شامت کے لئے انہوں نے اردو مرکز قائم کیا تھا۔

علامہ تاجور نجیب آبادی دیال سنگ لائبریری کے سرکاری اور پنجاب یونیورسٹی کے فیلو تھے۔ متعدد کتابوں کے مؤلف اور مصنف تھے۔ اردو مرکز کے سلسلہ کی کتابیں آپ ہی کی اہتمام میں شائع ہوتی تھیں۔ ۳۰ جنوری ۱۹۵۳ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

مولانا صاحب ۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء کو پیر پور سے مولانا صلاح الدین احمد ان کے والد ماجد مولوی احمد بخش صاحب تھے جو چیف کالج لاہور میں فارسی کے استاد تھے۔ مولانا کی والدہ ماجدہ دہلی کی پنجابی برادری کی ایک خاتون تھیں۔ اور شیخ عبدالقادر کی صاحبزادی تھیں۔ مولانا کی اہلیہ محترمہ بھی اسی برادری کی تھیں۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم مسلم ہائی اسکول میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم کی ڈگری سناتن دھرم کالج لاہور سے حاصل کی۔ کالج کے زمانہ سے ہی مولانا کی طبیعت ادبی ذوق کی طرف راغب تھی چنانچہ اسی زمانہ میں انہوں نے ایک ادبی رسالہ خیالستان جاری کیا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مولانا نے پولیس کی ملازمت اختیار کر لی تھی لیکن چند ماہ بعد عدم تعاون کی تحریک کے تحت ملازمت ترک کر کے ملک کی تحریک کی آزادی میں حصہ لیا۔ اور پھر اپنی فکر رقی صلاحیتوں کو بڑے کارلائیکل عرصے سے نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ اردو اور اردو ادب کی طرف متوجہ ہوئے اور تاحیات اپنے محبوبہ مشغے میں منہمک

۱۵ میرٹاب دہلی ۱۲ جون ۱۹۵۳ء مضمون تاجور نجیب آبادی از جگن ناتھ آزاد
حصہ ۳: ۱۵ نقوشن کالہور نمبر ۹۲:

رہتے ہوئے ملک میں اردو ادب کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اعلیٰ پایہ تکمیل
 نگار کا اثریت کا ایک خاص عطیہ تھی ایک آزمودہ کار با وضع مصنف اور درلودل
 کے اردو انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ انسان اور انسانی کے اقدار کے
 دلدادہ تھے۔ انسانیت پرستی اور وسیع انبیائی مولانا کے گویا ضمیر میں شامل تھی۔
 مولانا کو خوشنوائی سے کوئی سروکار نہ تھا اور غالباً یہی سب سے بڑا وجہ ہے کہ
 انہوں نے کبھی اس بات پر توجہ نہیں دی کہ جو لہجہ ان کی تصانیف اور مضامین
 میں انہیں مجموعی طور پر محفوظ کیا جائے۔ مولانا نے جو کچھ بھی لکھا وہ ادبی رسالوں
 اور میگزینوں کے سپرد کیا۔ علاوہ ازیں ان کے مضامین خصوصی طور سے ادبی
 دنیا میں موجود ہیں جسکے لئے گزشتہ ۳۵ برس سے ان کی زندگی وقف تھی
 ادبی دنیا نے اتلائی زمانہ ہی سے اردو ادب میں جلد ہی اپنا ایک خاص مقام
 حاصل کر لیا تھا اور اس طرح مولانا کی شخصیت ادبی دنیا سے ملک میں رو
 شناس ہوئی اور پہچانے جانے لگی تھی۔

ادبی اور انقلابی دولت سے قطع نظر دنیاوی لحاظ سے مولانا بہت
 زیادہ معمول لوگوں میں سے نہ تھے لیکن باوجود اس کے ادب اردو کی محبت اور
 اردو کی خدمت کے جذبے سے اس قدر غور کرتے تھے علم دوستی کا یہ عالم تھا کہ
 انہوں نے اکادمی پنجاب کے نام سے ایک دوسرا ادارہ قائم کیا جس کا مدعا
 فلاسفی اردو لٹریچر کو دوبارہ طبع کرنا اور فارسی تصانیف کے اردو ترجمے کرنا۔
 اور چھپوانا غرض یہ کہ ہر پہلو سے اردو کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا تھا اور
 اس مقصد کے لئے مولانا اپنی بیشتر جائداد کا حصہ فروخت کر کے اور اپنی دنیا کے
 تمام مملو کات اس وقف کے ارادہ کے ساتھ منسلک کر کے خود اپنی زندگی کو بھی
 ان ادبی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور ہر وقت اس کی ترقی و توسیع کی

مکروا منکر رہتی تھی۔ چنانچہ انتقال کے دس ہزار روپے قبل اپنے ایک عزیز حافظ خلیل احمد پٹنہ والا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا حافظ صاحب آپ سے ایک ضروری مشوارہ کرنا ہے میری زمین جو آٹھ کنال بڑی ہے اس زمین کے دس ہزار روپے فی کنال اسی ہزار روپے قیمت لگ رہی ہے لیکن میرے ایک واقعہ جن کی زمین کے ساتھ ہے وہ مجھ کو فروخت کرنے سے روک رہا ہے کچھ دن اور بڑی رہنے دیجئے تو قیمت ادا چھی لگ جائیگی۔ ان کے دوست نے جواباً عرض کیا کہ جہاں تک اس خیال سے زمین کو فروخت نہ کرنے کا سوال ہے کہ کچھ دن بعد قیمت ادا بہتر مل جائیگی تو قطعی چیز ہے کیونکہ زمین کی قیمتیں روز بروز بڑھتی ہی جائیگی اب یہ گیا دوسرے اور کسی پروگرام کے تحت اگر آپ فروخت کرنا چاہتے ہیں تو وہ بات اور ہے اور اس ضرورت کی اہمیت کو آپ خود زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا دیکھئے حافظ صاحب آپ جانتے ہیں تو وہ چیز دیگر ہے اور اس ضرورت کی اہمیت کو کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں میں چاہتا ہوں کہ میں بیچ کر بچوں کو جو کچھ دینا ہے وہ نقد دے دوں گا تاکہ جو کاغذ نہ رہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ادارہ امداد فائڈیشن کو بھی مزید ترقی دینے کی غرض سے مجھے نقد روپے کی ضرورت محسوس ہو رہی تو میں یہ چاہتا ہوں کہ اس ضرورت کو بھی پورا کر دوں چنانچہ مولانا نے خود ہی یہ طے کر لیا تھا کہ حافظ صاحب کسی روز میرے ساتھ چل کر جاؤ وقوع کو دیکھ کر اپنی رائے دے دیں گے۔

اس واقعہ کا یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مولانا صلاح الدین صاحب کے پیش نظر علاوہ امداد کے اور فائڈیشن کی ضروریات کو مقدم رکھنا چاہتے زیادہ کا فرما تھا۔ مولانا کی بلند حوصلگی امداد و ادب سے محبت کی یہ ایک ایسی

شال ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ اردو ناؤ ٹریشن کو اسی لڑی میں پروں اس کی
ضروریات کو پورا کرنے کا خیال پیش از پیش تھا۔ کس قلم بلند اور قاب قلم بلند
ہے۔ مولانا صلاح الدین صاحب ۶۲ برس کی عمر میں ۱۲ جون ۱۹۴۵ء کو فوت ہوئے
مولانا انتہاء درجہ سے سلیم الطبع و تقویٰ میں سے تھے۔ انموز و غیرت سے
وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جنکو ادبی فزوق اور دلانا کے نفسا میں سے شاعر ہے
اور ان تقریر اس قدر شگفتہ اور شششہ تھا کہ میں نے جانا انسان دم میں سالوار
وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جن کو تقریر شناس کا اتفاق ہوا ہو۔ انکے تقریر میں شکر
ہو انما یونیورسٹی میں دنیا کے بہترین محققین سے ادیبان اور انکا ایک
اجتماع ہوا تھا اور پھر سرسلی کی طرف سے حصر میں دو دو نومبر کو ہونے والی
وجہ سے مولانا صلاح الدین صاحب نے بھی شریک ہونے کی سلسلہ

صلحہ ادبی دنیا لاہور میں ۱۹۴۵ء مضمون مولانا صلاح الدین صاحب از حافظ
عبدلی احمد طینہ والا ص ۲۴

سنہ ۱۹۲۳ء

جبارو
 جنوری ۱۹۲۳ء کو صوبہ بنگال کا یہ آرگن ڈھا کہ
 کی دل کٹ فضا سے ماہانہ جاری ہوا کہ مہنگات
 پر لکات تھا۔ خواجہ محمد عادل صاحب اس کے
 ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دور دیے چھ آنے تھا۔ حقیقت پر لیس
 باورچی ٹوڑ لکھتے ہیں پیسہ اگر خواجہ محمد معظم علی نے شائع کیا
 تبین تھا۔ وہ کسے بند چھ تھا پر چھ باہتہ م شیخ رسول بخش رحمانیہ
 پر لیس نہارت لوی ڈھالہ میں چھپا، یہ چھ تھا پر یہ لیتو میں نہیں
 بلکہ قنائب میں چھپنا شروع ہوا۔
 جادو کے مقاصد یہ تھے۔

- ۱۔ بنگال کی ادبی دنیا میں لڑائی مہیاں پیدا کرنا۔
- ۲۔ بنگال کے کھٹے پڑے والوں کو جو صلہ و فاکر گمنامی سے نکالنا
- ۳۔ بنگال میں اردو کی طرف سے جو بے پرواہی ہو رہی ہے
 اس کو دور کرنا۔

۴۔ بنگال کے صنعتی و یکوجہ ملک کے بھائیوں کی بدگمانی کو رفع کرنا۔

۵۔ بنگال کے جادو طراز ان سمن کے کارناموں کو ملک کے سامنے پیش کرنا۔

۶۔ بنگال کے تاریخی ذخائر کے انمول جواہر کو بار بار میں لانا۔
رسالہ جادو کی خصوصیت یہ تھی۔

جادو کے مقالہ نگار بنگال کے رہنے والے ہوں گے۔ باینگال میں شریں فرما ہوں گے۔ یا موضوع مقالہ سرزمین بنگال ہو گا۔

اگرچہ یہ خصوصیت سبہ گانہ بڑی سخت شرائط میں۔ مگر ہم اس کی سختی سے پابندی کریں گے۔ بلا پابندی کے مقاصد جادو پورے نہیں ہوں گے۔

چنانچہ ایڈیٹر صاحب نے ان پابندیوں پر سختی کے ساتھ عمل کیا نہ تو نا صد اس رسالہ کے مضمون نگار بنگالی تھے۔ جنہوں نے اس رسالے میں مضمون چھپواتے وہ یہ تھے۔

۱۔ بھولا نا خدا علی خان صاحب ایم اے علیگ ڈھاکہ یونیورسٹی۔ ۲۔ مولوی

ربنا علی وحشت ایم آر اے ایس (کلکتہ)۔ ۳۔ ابو الفیض محمد عبدالعلی

صاحب ایم اے ابن آر جی ایس۔ ۴۔ جناب سید بیدار بخت صاحب

بیدار جہا نگیر نگری۔ ۵۔ مولوی حکیم حبیب الرحمن خان اخوان زادہ۔ ۶۔ غنستان

۷۔ سید ممتاز بخت صاحب ممتاز ابو العلوی (ڈھاکہ)۔ ۸۔ مولوی بدر الزمان

صاحب بدر (کلکتہ)۔ ۹۔ بواب زادہ اے ایف ایم عبدالغنی صاحب حافظ

(کلکتہ)۔ ۱۰۔ سید اطہر حسین صاحب اظہر ڈھاکہ۔ ۱۱۔ بھولانا محفوظ الحق صاحب

ایم اے۔ ۱۲۔ بھولانا عبدالوہاب صاحب ایم اے ڈھاکہ یونیورسٹی۔ ۱۳۔

مولانا بدر الزمان صاحب بدرنارائن غنی ڈھاکہ - ۱۳۱۱ء خواجہ محمد معظم صاحب ۱۳۰۸ء

مولوی شہاب الدین شائق چاٹ کام - ۱۵۱۱ء مولوی سید ابوالفتح شرف الدین

صاحب شرف ۱۳۰۸ء خواجہ محمد شائق صاحب ایم، اے (کلکتہ) - ۱۳۰۸ء مولانا

میرزا ابو جعفر صاحب ایم، اے (کلکتہ) - ۱۸۱۱ء مولانا خالد رئیس پولانی پٹنہ سنگھ

۱۹۱۱ء مولانا محمود ارب صاحب خالد سیم سنگھ - ۲۰۱۱ء مولانا حافظ نعیم احمد کلکتہ

۲۱۱۱ء خواجہ ۲۲۱۱ء نعیم صاحب نعیم جہاں میرنگری - ۲۲۱۱ء حافظ حکیم اکرم احمد شیم

بنگالیوں کے متعلق بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ان میں اردو زبان

کے جاننے والے بالکل نہیں تھے اس بات کا جواب دلائی کے ساتھ جادو کے پہلے

تھارے بنوری کلکتہ میں اس کے ایڈیٹر خواجہ محمد عادل نے عرض حال کیا

حنوف کے قمت حرا - دلچسپ مضمون ہے اس لئے اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

”یادش غیر بنگال کے متعلق اپرائز یا کی ادبی دنیا میں یہ عام خیال ہے کہ زبان

اردو کے ہا۔ وہاں بالکل نہیں ہیں مثلاً چنانچہ ایک مشہور میگزین نے

۱۳۱۱ء سرورج پر حوا اردو داں دنیا کا نقشہ بنایا ہے۔ اس میں اخیر مشرقی سرحد

کلکتہ کو دیکھا گیا ہے۔ حالانکہ بنگال نے سب سے پہلے اردو کی سرپرستی کی اور

میں موجودہ لٹریچر کی بنیاد ڈالی گئی۔

نور دے ایسویں صدی کا فورٹ ولیم کالج جو اب بھی بورڈ آف انکوائری کے

نام سے کلکتہ میں موجود ہے۔ درحقیقت نثر اردو کا معلم اول ہے۔ ہندو مسلمان

اور عیسائی تینوں قومیں دل و جان سے ترقی زبان اردو کے لئے سعی تھیں۔

میں ایک حدود دیتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ کس طرح اردو زبان آگے بڑھ

رہی ہے۔

کیفیت

سنہ مصنف نام کتاب

۱۸۱۰ء حیدری طوطا کہانی یہ کتاب ابن اثیر علی نے قدیم اردو یعنی
دستی زبان میں لکھی تھی۔

۱۸۰۲ء میرزا بدایونی حسن فخریہ نظریہ
۱۸۰۳ء گلزار دانش
۱۸۰۴ء آرائش محفل
۱۸۰۵ء معنی ترجمہ بہار دانش
۱۸۰۶ء معنی قصہ عالم طائی
۱۸۰۷ء بیسی شوی میر علی حسن کا نثر
۱۸۰۸ء لکھنؤ از مغرب القلوب فارسی
۱۸۰۹ء تھیں کے تو لہریہ و جامع بر صفا اردو میں لکھی

۱۸۱۰ء میرزا بدایونی آرائش محفل
۱۸۱۱ء گلچن نوبی
۱۸۱۲ء باغ اردو
۱۸۱۳ء تاریخ آسام

یہ خلاصہ التواریخ کا ترجمہ ہے۔
یعنی ترجمہ گلستان
شہاب الدین خان دانش کی نایاب، نکتہ محلہ
حملہ میر آسام کا ترجمہ جس کی ایک کاپی
اپشا ایک سو ساٹھ کے کتب خانہ میں ہے۔
یعنی ترجمہ عیار دانش از علامہ ابو الفضل۔

ترجمہ از ہندی

یعنی قصہ گل بکائی۔

۱۸۱۴ء مولوی حفیظ الدین خرد افروز
۱۸۱۵ء کاظم علی جوان شہنشاہ

۱۸۱۶ء دستور ہند

۱۸۱۷ء نغمہ نغمہ چند مذہب عشق

۱۸۱۸ء نغمہ نغمہ چند مذہب عشق

سنہ مصنف نام کتاب کیفیت

	۱۸۷۸ء سری لاٹو بھارتی پدمیم ساگر
ترجمہ از ہندی	” ” راج کیتی
	” ” لطائف ہندی
	۱۸۷۹ء مظہر علی بستیال پمپسی
ترجمہ از عربی	۱۸۸۰ء اکرم علی اخوان الصفا
در انگریزی	۱۸۸۱ء ڈاکٹر جاکھ لڑا تو اسرار دود
”	” ” مشرق فرکسن
	۱۸۸۲ء ڈاکٹر گل رست اردو دکنتری
	۱۸۸۳ء مشرق ٹھیکڈون

یہ تمام کتب میں بیٹھ کر دمان فرنگ زیر ترمیم موجودہ لٹریچر کی داغ بیل ڈال رہے تھے۔ مگر ان دنوں ملک میں بھی ترقی زبان کی کوشش جاری تھی۔ چنانچہ حضرت خواجہ میر درد کے شاگرد مرزا جان بخش دہلوی نے ۱۸۷۹ء میں شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان لکھا کہ میں لکھی جس کی ایک کاپی امپیریل لائبریری کلکتہ میں مصنف کی مہری موجود ہے۔ ۱۸۷۹ء میں پیش نے بہادر دانش کا ترجمہ کیا۔ جس کا انگریزی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ اس موقع پر یہ کہنا شاید بے جا نہ ہو گا کہ پریس نے بھی اردو زبان کی طرف پوری اعتنا کی چنانچہ مرقمۃ المجدول رسائل کے علاوہ انشاء کی دریا سے لطافت اور شمس البیان دونوں مرتبہ آباد میں اس زمانے میں چھپ چکی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ دربار دہلی کا اجڑنا لکھنؤ کی آبادی کا باعث ہوا لیکن

خاص بنگال یعنی مرشد آباد اور دھاکہ نے بھی اس نعمت سے کافی حصہ پایا۔ ایک مختصر فہرست ایسے مکن بنیال قادی کی حاضر ہے جنہوں نے مرشد آباد دھاکہ اور کلکتہ کو طرف قدوم بخشا تھا اور جن میں ایک خاص تعداد ایسے حضرات کی ہے جنہیں جادوئے بنگلہ استر ڈال چکا تھا۔ اور وہ وہیں ہی مدفون ہیں۔

ہوئے	نام شاعر	سنہ قدوم	کیفیت
	خواجہ میر عالم دہلوی	۱۱۸۱ھ	آپ حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔
	انظری	۱۲۱۳ھ	یعنی صاحب عالم شاہ زاد، مہر البرین علی بخت۔
	خواجہ امافی دہلوی	۱۱۸۱ھ	۱۱۸۱ھ میں مرشد آباد میں وصال ہوا۔
	حکیم رضا علی شاہ شفا گوئی	۱۲۰۵ھ	مشہور شاعر میر تسور کے شاگرد۔
	درد مند دکنی	۱۱۶۶ھ	مرشد آباد میں مدفون ہوئے تمیز حضرت منظم علیہ الرحمۃ۔
	میر سوز دہلوی	۱۱۸۱ھ	بہت نکر ہے۔
	مرزا جان پیش دہلوی	۱۱۹۵ھ	۱۱۹۵ھ میں بمقام کلکتہ مدفون ہوئے۔
	نظام الدین اختر صانع بکری	نام معلوم	مرشد آباد آتے تھے۔
	سید عبد الولی عزلت	"	عالمگیر کے مرشد زمرے
	شاہ کن عربی عشق	"	مدفون مرشد آباد میں رہے مرزا غلام آباد میں ہے
	مرزا مہکری عیشی	"	مرزا علی نقی چنگی ڈوڑی دھاکہ میں ہے ان کے لڑکے تھے یہیں مدفون ہوئے

کا نام پیش پیش سے یہ وہ لوگ ہیں جن کی تربیت نے حضرت نساخ مولا
النسخ، حکیم مسیت، اٹا اٹا علی احمد، ناظر آشفہ، حضرت سید محمود آزاد
جیسے لوگوں کو پیدا کیا۔ یہ وہ پاک زمانہ ہے جبکہ اردو شاعری اور زبانی
کا چرچا بنگال سے گزرتا تھا۔ آسام تک جا پہنچا تھا اور بنگال کے گاؤں
گاؤں میں شاعر اور ناظم پیدا ہونے لگے۔ اس دور کا پیدا استقصا، سید رشید
کام ہے مگر ان خفتگان خاک کا ہمہر حق ہے کہ ہم ان کے کارناموں سے ملک
اردو قوم کو واقف کریں۔

یہ تھی بنگال کے جادو طراز ان اردو کی مختصر تاریخ۔ لیکن اس سے کیا ہم
پہنچے تھے اور غرض سے سبکدوش ہو گئے۔ نہیں۔ بنگال جو علاوہ قدرت کی
بغیر غریب خوبیوں کے بہت سے اسلامی آثار دیتے بیٹھا ہے اور جو روز
روز زمانہ کے ہاتھوں پامال ہو رہے ہیں ہم پر غرض ہے کہ ہم اپنے اسلاف
کے کارناموں کو زندہ رکھیں۔ اور انہیں کے دستبرد سے اس کو بچائیں یہ اجراء
جادو کی دوسری غرض ہے۔

بالائے ہند کے روشن دماغ مسلمانوں کی علمی و عملی موثر کارائیوں سے
ناواقفیت اور تباہ خیالات کا کوئی ذریعہ نہ ہونا یہ ہم مسلمانوں کو روز بروز
پست سمیت بنا رہا ہے۔ درمگر اقطاع ملک کے بھائیوں سے ہم نے جو
دوری پیدا کر لی ہے اسکو دور کرنے کے لئے ایک ذریعہ مشترک پیدا کرنا
بہت ضروری امر ہے اور یہ اجراء جادو کی تیسری غرض ہے۔

مقاصد ثلاثہ پیش کرنے کے بعد ہم جناب باری سے التجا کرتے
ہیں کہ وہ ہمارے کاموں میں برکت دے۔ اور نو مولود کو پروان چڑھائے
والسلام۔ تاجیز "مدیر جادو"

خواجہ محمد عادل ایڈیٹر جادو نے بنگال کے شعراء کو روشناس کرانے کی
صحیح الوسع کوشش کی چنانچہ انہوں نے تذکرہ شعراء ڈھاکہ اپریل ۱۹۳۷ء
کے شمارے سے بلا قسط شائع کرنے کی کوشش کی۔ پہلے پاس ۳۳
کے فائل کے شمارے ہیں۔ عین شماروں میں حرف تذکرہ شعراء ڈھاکہ کی دو
قسطیں شائع ہوئی ہیں۔ ان شماروں میں یہ معلومات پوشیدہ ہے اس لئے
تین قسطوں میں جتنے بھی شعراء ڈھاکہ کے حالات و کلام درج ہے ان کو
نقل کیا جاتا ہے۔

”مجھ کو اس شہر سے ایک خاص محبت تھی۔“
اس لئے پیار سے کہتا ہوں کہ میرا گھر ڈھاکہ

اکثر مشہور زبانوں کا حال یہ ہے کہ اس میں نظم کا وجود نہر سے پہلے
ہوا ہے اور اردو تو اس خصوصیت میں بہت ہی ممتاز ہے کہ یہاں نہر سے
پہلے نظم پیدا ہو چکی تھی۔ اور سلسلہ تالیف میں بھی نظم کا درجہ اس قدر آگے
ہے کہ دوری اور بعد کا پتہ لگانا دشوار ہو رہا ہے۔

اگرچہ اردو زبان کچھ دانش بیل دکن میں پڑی اور دہلی واؤں نے اس
خود رو پودے کو اس طرح تہذیب و ترتیب کے پانیوں سے سیرجھا کر سارا
ہندوستان اس کے شیریں پھلوں کا طلبگار نظر آیا۔ اور پھر گھنوار کے قلم
بنوان معنی نے اپنے دلغریب تراش و خراش سے وہ شان پیدا کی اور وہاں
روزِ سخن میں ایسی بالیدگی آئی کہ دیرہ دراز ملک نے اسے اپنی آنکھوں کا
نور اور دل کا سرور سمجھا۔

مجیسا کہ میں نے عرض حال کے عنوان میں ذکر کیا ہے کہ جادو و طرازان ہند
نے خاک پاک بنگال کو دوسرے دور میں سرفراز کیا ہے۔ ان کی تشریف آوری

اور تربیت نے یہاں کیا گل کاریاں کیں۔ یہ مختصر سا تذکرہ آپ کے سامنے کافی رہی
لکھوں میں اس گلزارِ سدا بہار کا دھندلا سا خاکہ پیش کر لیگا۔

اب اصول تقسیم عمل کو برائے کار کہہ کر یہ تجویز کی گئی ہے کہ یہ تذکرہ سلسلہ وار
جلدوں میں شائع کیا جائے اور تدریجاً ترتیب بھی ملے آزاد ہو کیونکہ بسا اوقات
یہ قید ضمیمہ کا محتاج بنا دیتی ہے اور پھر جبکہ تجسس اور تلاش بھی
جاری ہے ایسی حالت میں آزاد رکھنا مناسب ہے۔

یہ تذکرہ ڈھاکہ ڈویژن تک محدود رہے گا۔ جن میں چار اضلاع ڈھاکہ
فرید پور، باقر گنج اور مین سنگھ ہیں۔ اسسوس ہے کہ اس طرح ایک
بڑی جماعت کے ذکر خیر سے یہ تذکرہ خالی رہے گا مگر کیا جائے کہ دائرہ
علم کی تجدید اور کامل استقصا کی دشواری اس لزوم والا نیزم ہرچیز کو
آباد رکھتی ہے دیگر اضلاع بنگال کے واسطے۔
صلائے عام ہے باران نکتہ داں کے لئے

نوٹ یہ کہ لوگوں کو معلوم ہے کہ بنگال میں مسلمانوں کی تباہی و یزائی کی
اصلی وجہ استعمالِ زبان ہے کہ ۱۸۵۷ء میں یہاں ایک عدالتی زبان فارسی
سے بنگلہ ہو گئی اور پھر کچھ کم سو برس کے اندر کہاں تو یہ حال تھا کہ
ہمارا بنگال فارسی میں خط و کتابت کرتا تھا۔ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی
اردو میں شعر کہتے تھے اور کہاں یہ نوبت پہنچی کہ اس بیچ میں نواب
سید محمد مرحوم کو یہ کہنا پڑا۔

”جو شخص بنگال میں رہے اور اردو نہ جانے یقین کر لو
کہ وہ کسی اچھے خاندان سے تعلق نہیں رکھتا۔“
یہ ۱۹۰۷ء یا ۱۹۰۸ء کا ذکر ہے اور آج تو غریب اردو

آخر تک نیچے چڑی کا انگرکھا تاج ڈپٹی کا پانچواں استعمال کہتے تھے۔ باجود
تشریع ڈالر ہی مندرواتے تھے۔ لنگوا اور آتش بازی کا شوق زندگی بھر رہا۔ اور
اس میں اچھی مہارت پیدا کی تھی۔ ایک بار انگریزی صابن بنانے کا طیل آیا۔ تو
اپنے دھن کے ایسے چمکے تھے کہ آخر کامیاب ہو کے رہے۔ اپنے اوقات کے
بڑے پابند تھے۔ مہر سے دیکر عمر تک شطرنج کھیلنا معمول تھا۔ اکثر فارسی شعر کہتے
تھے۔ اور ان کے فارسی قصائد دیکھنے کے قابل میں۔ اردو شعر بہت کم کہتے تھے
صاحب دیوان تھے۔ ۱۳۲۷ء میں فوت ہوئے۔

زادہ سریاں اور محبوب نام و نشان بگھی کہ ارباب محافی حل نہ کر دیاں مغللا
فلک امروز اگر مہلت دہر آدہ سالگی نمیدانم بدو را کہ خواہد دید فردا را
اے سنگھ نہ باشد بجا خیر و کس ما امید کہ باشی نفسی ہم نفس ما
آہ شبنم گر اثر سے دا شستے
شام فرا آتش سحر سے دا شستے

مولوی واجد محمود کے والد مولوی عبد العلی ڈھاکہ کے نامی زمیندار
تھے۔ بڑی شان و شوکت اور دبدبہ سے انہوں نے زندگی
بیسری۔ آج تک ان کے نام پر مولوی بازار شہر کا سب سے
بڑا بازار ہے۔ ان کے زمین دارانہ کارنامے اب تک عام و خاص کی زبانوں
پر ہیں۔ محمود کی تعلیم بطور شرفائے زمانہ گھریں ہوئی تھی۔ بڑے ذہین اور زیرک
تھے۔ ان کی ذات سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ افسوس کہ غفلت و انشاہد
میں فوت ہوئے۔

محمود

جناب نساخ سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ کلام ضائع ہو گیا۔ کچھ بھی باقی نہ

رہا

ہے موشعہ جسے ہوتی ہے دنیا کی طلب
اور محنت وہ ہے جو رکھتا ہے عقلی سے عرض
حرک کر مقرر دنیا کو اٹھا عقلی سے ہاتھ
تو اگر ہے مرد تو رکھ اپنے ٹوٹی سے عرض

خواجہ عبدالعلی مدیر جادو کے پردا کے والد بزرگوار کا نام
تھا۔ آپ مشہور عالم خواجہ علیق اللہ صاحب کے صاحبزادے
تھے۔ موصوف احسن القصص نے ان کا علیہ یہ بتایا ہے۔

برق

”خوش مزاج“ سلیقہ مند اور جو جو اوصاف شرفاء میں ہونے چاہئیں وہ
ان میں سب موجود تھے۔ رنگ خوب صاف تھا۔ کشیدہ قامت اور قوی الجشتہ
تھے۔ لباس و پریشاک کے متعلق آپ ارقام فرماتے ہیں۔

”برکا کرتا اور پانچامہ گھر میں پہنتے تھے۔ جاڑے میں پٹو یا الوان کی چادر
اور ڈھتے تھے اور جب باہر نکلتے تھے تو شبنم کا انگر کھا نیچی چولی کا پہنتے تھے۔
ڈاڑھی ہمیشہ منڈواتے تھے“

عدوت و خصائل کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

”فال و شگونان کے بہت قائل تھے۔ ہر کام کے شروع میں سعد و نحس کی
تحقیق کر لیتے۔ اس فن سے آپ خود بھی واقف تھے“

الرحون صلی اللہ علیہ وسلم میں فوت ہوئے۔ جناب نساخ نے ان کی یہ تاریخ

جادو ڈھاکہ مارچ ۱۹۲۳ء ۲۵ -

ہیں۔ اردو اشعار قصیدہ، غزل اور مثنوی سب ملا کر پچیس ہزار سے زیادہ شعر ہیں۔ تمام اصناف سخن پر قادر ہیں، "امت ہوئی انتقال کیا" سے

بات میری بھی نہیں سنتا ہے صحبت کا اثر

دل میں عشق تباہ میں سخت بد خو ہو گیا

شکر اس قاتل کا کرتا ہے اشارے سے ادا

بر دربان زخم ایک چشم سخن گو ہو گیا

لکھتے ہیں آج وصفِ دوا بروئے یار ہم

حاضر کے سر پہ کھینچتے ہیں ذوالفقار ہم۔

مولوی عبدالباری راجہ پور ضلع فرید پور کے رہنے والے

تھے۔ جناب نساخ کے برادر علاقائی تھے۔ کلمہ میں طرہ رسد

علیہ کے مدرس فارسی دانگریزی تھے حضرت وحشت رام

پوری سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر

کہتے تھے۔

جناب نساخ تحمید کرتے ہیں۔

"در نظم استعار و قدرت گفتار دل بود"

عالم شباب میں کلمہ میں بعارضہ سہل انتقال ہو گیا۔

دلہن بردہ جینے سے ناز نہیں حسینے ناز نہیں غم جینے

سخن گوئی سخن دانی سخن سنجے سخن فہمے تشنگی نکتہ چینی

نیاز عید شد قربان نازش

زہے ناکہ بوں ناز آفرینے۔

نادر

مولوی سید نجم الدین حسین خلیفہ سید قمر الدین رحیمیں آٹھ
 گاؤں ضلع میں سنگھ کے باشندے تھے۔ تعلیم ذریعہ
 ہندوستان میں ہوئی۔ کٹر ٹالی گنج کلکتہ میں قیام رہا۔
 نقاشی اور ریل میں بھی اچھی دستگاہ تھی۔ اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں
 میں فکر کرتے تھے۔ دفتر بے مثال دیوان ان کا تھا۔ مشنر میں فوت ہوئے۔

تمہارے پیغمبر سے نکلا ہے سانپ کا جوڑا
 لشکر کے جھوم رہا ہے آواز بند نہیں
 ہنسی کسی لہجہ شیریں کی جب سے دیکھی ہے
 پسند غنیمت گلشن کا نہ ہر خند نہیں
 میرے کمال کی شہسباز سے ہندسہ نادر
 کہاں نہیں ہے صفایاں کہاں جھنڈ نہیں

بنگالہ کی اردو شاعری درحقیقت دو خانہ داروں سے متعلق
 رکھتی ہے۔ ایک حضرت خواجہ میر درد اور دوسرے حضرت
 اگرچہ دیگر اساتذہ کے تلامذہ بھی یہاں آئے اور بعض

عطش

بہیں پوند زمین ہو گئے۔ لیکن انہیں دونوں استادوں کا سلسلہ اب تک چلنا
 ہے۔ حضرت میر درد کے تلمیذ مرزا جان طیش ڈھاکہ آئے انہوں نے یہیں شری
 کی صاحب اولاد ہوئے۔ سوئے اتفاق کہ بحالت قید فرنگ کلکتہ میں فوت ہوئے
 ان کے داماد و شاگرد مرزا غلام حسین آتش وکیل عدالت ڈھاکہ تھے۔ آتش
 کے شاگرد مرشد آباد کے رہنے والے میر امیر علی آشنا تھے۔ کبھی مرشد آباد اور
 کبھی ڈھاکہ میں رہتے تھے۔ شیخ احمد جان عطش آشنا کے شاگرد تھے۔ آشنا
 سے پہلے یا بعد میں انہوں نے غلام حیدر محبوب لکھنوی سے بھی اصلاح لی

تھی۔ گویا عطش کا سلسلہ شاعری خواہ وہ دلد علیہ الرحمۃ سے تھا۔
شیخ احمد جان عطش ڈھاکہ کے شرفاء میں سے تھے اور محلہ گرد حینی دلا
میں ان کا مکان تھا۔ فارسی کے بڑے منشی تھے۔ آمدنی بہت قلیل تھی مگر اجلی حالت
میں بسر کرتے تھے۔ سالوں رنگ دہلے پیلے آدمی تھے اور ہمیشہ قدیم لباس پہنتے
تھے۔ حکیم حسن مرزا حرق اور یہ دونوں معاشرے اور باوجود معاشرت کے آپس
میں بڑی دوستی تھی۔ اکثر ہم طرح ہوتے اور پہلو بہ پہلو مشاعروں میں شریک ہوتے
تھے۔ قدیم شاعری کا ان دونوں صاحبوں پر خاتمہ ہو گیا۔ عطش آخر زمانہ میں بحیثیت
منشی فارسی مبارجہ لکرتلا (دھن تیرہ) کی شرفاء میں ملازم ہو گئے تھے۔ یہ آج سے
چالیس پچاس برس کا واقعہ ہے۔ اب فارسی رہی درکنار اردو بھی وہاں کوئی نہیں
جاتا ہو گا۔ اگر تلا سے وہ خدا جانے کس خیال سے حیدر آباد دکن گئے اور زمین
دکن کی محبت نے ہمیشہ کے لئے ان کو وہاں رکھ لیا اور مدتوں کے بعد معلوم
ہوا کہ یہ مسافر بنگال دہلیں رہ گئے ملک جاودان ہوا۔

عطش ہی سے حضرت میر درد کا سلسلہ شاعری اب تک یہاں جاری ہے۔
عطش نیش گویا شاعر اور زبردست منشی تھے۔ نسخہ کے بھی دوست تھے سراج
جنم جی متر نے بھی اپنے تذکرہ دلکش میں عطش کا ذکر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ اب
عطش کے اسناد بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ ایک قدیم بیاض اور تذکرہ دلکش
دسمن شہرار سے کلام کا انتخاب درج کرتا ہوں۔

یہ وہ دل ہے کہ جو الجھان تار گریباں سے
یہ وہ ہے پاؤں جو بارہنیں نکلا سلاسل سے
یہ تھا تھی لطافت پر ہوا تھی میں نہ تھا
اب رہا لکڑاڑ تھا کیا کیا فضا تھی میں نہ تھا

محفل اغیار سے یک سر اٹھا لایا انہیں
یہ بھی ایک تاثیر آہِ نار سا تھی جس نے تھا

تذکرہ شعور ڈھاکہ مارچ ۱۹۲۳ء کے شماروں میں تین
قسطوں میں ناکمل شائع ہوا۔ ہو سکتا ہے آئندہ شماروں میں قسط وار شائع
ہوا ہو۔

جادو کے شماروں میں بنگال کی علمی ادبی شخصیتوں اور تاریخی عمارتوں
کو روشناس کرانے کی عیود کو شمش کی جاتی تھی چنانچہ امتقادِ آئندہ صوبہ
دار بنگال اسلام اللہ خاں کے حالات اپریل میں مولانا حفیظ الدین بردوانی
کے حالات جولائی میں، محمد سیہ نیگ کی دردناک داستان اور دھاکہ جیل کی تاریخِ داد
موسمِ محرم ڈھاکہ اگست ۱۹۲۳ء کے شماروں میں شائع ہوئے تھے

”مراسمِ محرم ڈھاکہ“ میں ”الامضون جادو کے ۲۱ فائپ صفحات پر تو طویل ہے
لیکن اس دور ۱۹۲۳ء کی یادگار ہے دلچسپ معلومات ہے اس لئے پس اس
طویل مضمون نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگست ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا تھا
”خوانین شفیق مغرب میں خنجر آسا اھلالِ محرم کی نمودارن اس واقعہ فاجہ کی

یاد دلاتی ہے جو حق گوئی اور حق پرستی، صداقت اور عدالت، ایشیاء و قربانی کا سب سے
مثال نمونہ امامِ مظلوم سید شباب اہل الجنۃ سیدنا حسین علیہ السلام کے ساتھ
پیش آیا اور جس پر تیرہ سو برس سے اسلامی دنیا کے ہر حصہ کے باشندے، بلا
محاذ مذہب و عقائد کیساں اٹھک نیر اور سو گوار ہیں۔ ہندوستان کے دیگر شہروں
کی طرح ڈھاکہ کے میں بھی ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی، بقدر مراتبِ مراسمِ محرم میں شریک
ہوئے ہیں اور یہاں کے رسومات میں ایک خاص باقاعدگی اور ترتیب پائی جاتی ہے
اور یہ نتیجہ ہے بنگال کے اس قدیم آبادی کے اسلامی تمدن کا جس پر اب جادو

سب مسلمانوں کو ماتم دار ہونا چاہئے۔ ہمارا خیال ہے کہ دکن کو چھوڑ کر سارے ہندوستان میں ڈھاکہ کو بیجا فخر حاصل ہے کہ یہاں سب سے زیادہ قہریم امام باڑہ حنیسی والان کو مگر جو رہے۔ یہ امام باڑہ شاہ جہاں ملہ کے عہد سلطنت میں تعمیر ہوا۔ اس کا بانی میرزا دلاؤڑہ محال کا اضر امیر البحر تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ میرزا دلاؤڑہ اس امام باڑہ کے احراجات کے لئے کیا سامان کیا تھا۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ ہر ایک صوبہ داری میں مراسم محرم یہاں انجام پاتے رہے اور تفریہ داری ہوتی رہی حتیٰ کہ شہزادہ عظیم الشان اور مرشد علی قلی خاں کی رنجش باہمی اور ہنگامہ آرائی کے وجہ سے ڈھاکہ کی قسمت نے پٹا کھایا اور ہنگال کا دار الحکومت مرشد آباد شکار میں بنایا گیا پھر بھی ناظم کی حکومت گاہ ہونی کی عزت ڈھاکہ کو حاصل رہی اور وجہ اہل تشیع ہونے کے مراسم تفریہ داری اور امام باڑہ کی رونق میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ آخری خاندان نائب ناظم نواب جسارت خاں میر توپہ ہایت پی برائے نام تھی اور ساری حکومت آئرلینڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تھی لیکن بزرگوار کا اندوخت اور قدیم رعب داب سب جالی تھا اور پھر ضعف حکومت کا نتیجہ بغیر دلدہی رہ جان بھی بہت تھا اس لئے امام باڑہ اور مراسم محرم میں کمی کے برے مزید رونق بڑھ گئی کیوں کہ ان حضرات کو سال بھر میں تین ہی مواقع ایسے ملتے تھے جس میں وہ دبیرہ اور طہرات کی مناش کر سکتے تھے۔ ایک محرم دوسری عید عیسوی بقرہ عید لیکن آخر قدیم سلوت و حکومت نے آخری نام لیا نواب غازی الدین حیدر نے سلطنت میں لاؤر استقال کیا اور ساری احلاک و جاہلاد کوئی سکار

لے تاریخ دالان مقدس فارسی۔ ۱۱۰۰ تاریخ نہرت جنگ فارسی۔ ۱۱۰۰ و
ایسی گونش آن ڈھاکہ انگریزی۔

ضبط ہو گئے مگر سرخاں بشمول بیٹا آن ڈی ریٹرس کی منظوری سے خواجہ عظیم اللہ صاحب اس کے متولی قرار پائے اور سرکار سے ایک رقم مبلغ دو ہزار چھ سو اڑھائی روپے آٹھ آنے کے اخراجات محرم و متغواہ ملازمین امام باڑہ کے لئے قائم ہوئی۔ تب سے آج تک خواجہ عظیم اللہ کے جانشین اس کے متولی ہیں۔ اگرچہ یہ مختصر رقم اخراجات کو کفایت نہیں کرتی ہے۔ لیکن سرسليم اللہ بہادر کی حیات تک باقی اخراجات وہ اپنے جیب خاص سے پوا کرتے رہے۔

روادری کی اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے۔ جو خواجہ عظیم اللہ کے وقت سے برتی جا رہی ہے۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے باوجود سونے کے امام باڑہ میں جو اضافہ فرمایا

روادری

وہ آج تک ان کی بے نقبی کی شہادت دے رہا ہے۔ تھانہ والا اور منزلیہ رکان اور گنج شہیدان کی عمارت انہیں کی یادگار ہے۔ ان کے باند نام نرینہ نواب سرخاں عبد الغنی کے، سی، ایس، آئی المتوفی سکندر نے بھی شیر رقم شکست و رنجت میں صرف فرمائی اور اسی طرح نواب سرخاں احسن اللہ نے تو کمال ہی کیا کہ ۱۹۱۹ء کے تباہ کن زلزلہ نے جب اس قدیم یادگار کو ناکارہ کر ڈالا تھا۔ تو تقریباً ایک لاکھ روپے کے صرف سے اس کی دوبارہ تعمیر و تجدید فرمائی۔ نواب سرخاں عظیم اللہ بہادر جی، سی، آئی، اے، کے سی، ایس، آئی المتوفی ۱۹۵۷ء نے یہ بڑا کام کیا کہ ضلع مبارک پور جو بوجہ قدامت کے بہت شکست ہو گئی تھی۔ اسے کئی ہزار تول چاندی سے تجدید کرائی اور حسینی دالان میں ایک نئی صورت آٹرنی کی پیلہ فرمادی یعنی تہہ بازاری کا باقاعدہ انتظام فرمایا۔ قارئین کرام کو یہ سمجھنا چاہیے کہ مراسم محرم کی ابتداء شاہ جہاں کے وقت سے پرانی ہے۔ یہ تو اس عمارت کا ذکر تھا جو اس وقت یہاں تمام مراسم محرم کا مرکز ہے ورنہ قدیم امام

بارہ جسکو امتداد زمانہ نے تباہ و برباد کر ڈالا۔ آج بھی ڈھاکہ کیشری مندر کے
 قریب پرانا حنفی دالان کے نام سے اپنی یاد دلاتا ہے۔ یہاں اندھی امام
 بارے اور تعزیر خانے موجود تھے۔ جس میں سے ایک امام بارہ "میر یعقوب" کا
 اس وقت بھی کسی قدر آباد ہے یہاں سال بھر ایک منزع رکھی رہتی ہے اور ایام
 پہلیم میں ایک دو مجلسیں بھی ہو جاتی ہیں اور محرم میں برائے نام روشنی بھی کی
 جاتی ہے۔ اس امام بارہ کے متعلق بہت سی زمینیں تھیں لیکن وہ غاصبوں
 کے قبضے میں ہے۔ اسٹیشن کے قریب محلہ پھول بڑیہ میں ایک عظیم الشان امام بارہ
 تھا مکان اب بھی موجود ہے لیکن غیر مسلموں کے قبضے میں ہے اس میں جو تعزیر
 اٹھتا تھا سو برس سے زیادہ ہو گیا ہے کہ ہندو مالک مکان نے محلہ کے ایک
 سنی لالہ بچا والا کے گھر میں اسکو منتقل کر لیا لیکن اب تک ان کے یہاں سے
 تعزیر داری کچھ لٹے سالانہ مختصر سی رقم اس مسلمان کو دی جاتی ہے۔ ایک
 امام بارہ محلہ چیمپائی میں تھا جسے اب ڈھاکہ کے تاریخ دان اور آثار قدیمہ کی
 شافظ میونسپلٹی اپنے کاغذات میں چھوٹا کٹرہ گھاڑ ٹانھتی ہے۔ یہ مکان بھی
 موجود ہے مگر مالک اس کے ہندو ہیں۔ ایک امام بارہ مرزا معیم کا تھا۔ مرزا
 معیم کا کٹرہ ایک ہی جگہ تھا۔ اب نہ معیم کا کٹرہ ہے اور نہ وہ امام بارہ۔ ان کٹرے
 کا نام موجود ہے جہاں محلہ بس گیا ہے اور کتنے حصہ داروں میں یہ زمین تقسیم ہو گئی
 لیکن امام بارہ کی صرف اس قدر یاد گار موجود ہے کہ ایک خد آدم چھوٹا سا گنبد بنا
 لیا گیا ہے جہاں محرم میں کچھ روشنی اور نذر و نیاز ہوتی ہے۔ دس دن تک
 حلیم بھی رکھے جاتے ہیں اور یہ تمام مراسم سنہوں کے ہاتھ میں ہیں۔
 اسی طرح قدیم محلہ چودھری بازار میں مدرک کے کنارے ایک چھوٹا سا گنبد
 موجود ہے۔ جہاں محرم میں صرف نشان کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور سہرے

میں رکھائے جاتے ہیں۔ مخصوص سفینوں کا ایک امام بارگاہ "بانی روضہ" کا محلہ فلرنس
 گنج میں ہے۔ اس تعزیر خانہ کو امیر خان نے سلسلہ میں بنایا تھا لیکن اب جو
 عمارت نظر آتی ہے اور اس پر جو کتبہ لگا ہے اس میں نئی بات یہ ہے کہ آدھا
 کتبہ انگریزی میں اور آدھا فارسی میں ہے لیکن فارسی حصہ اس قدر خراب ہے
 کہ صاحب مڑھا نہیں جاتا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت ناقابل استعمال
 ہو چکی تھی اور مسٹر ڈوسنجی نے جو نام سے کوئی پارسی معلوم ہوتے ہیں سلسلہ
 میں پھر سے اس کی تعمیر کرائی۔ بہر حال یہ امام بارگاہ بھی موجودہ حسینی دلائل
 قدیم ہے اور یہ اب تک آباد ہے۔ اور محرم میں یہاں ابھی رونق ہوتی ہے۔
 یہاں کے مخصوص مراسم کا ذکر اپنی جگہ ہو گا۔

مراسم محرم
 چاند دیکھا شیعی آبادی اور سلسلہ تعزیرہ دار کی کیلئے
 آمادہ ہو جاتی ہے اور چاند رات ہی سے حسینی دلائل کے
 نوبت خانہ میں نوبت دھری رہ جاتی ہے جس کی آواز
 آدمی رات تک دور دور آدھرم کی خبر دیتی ہے۔ آج ہی سے مجلس شروع ہو جائے
 گی اور ضروری دکانوں کا بازار لگنا شروع ہو گا۔ پہلی تاریخ۔ آج روشنی بھی کل سے
 کس قدر زیادہ کی جائے گی مجلس بدستور ہو گی۔ اور نوبت نوازی بھی جاری رہے
 گی۔ اسی طرح تیسری بھی گزر جائے گی۔ اور درحقیقت چوتھی تاریخ سے حسینی دلائل
 میں پوری رونق اور گرم بازار شروع ہو گی جب کہ بھٹیال مرثیہ "شروع ہو گا
 یہ اپنی جگہ عجیب و غریب چیز ہے جب تک اس کی پوری تفصیل نہ کی جائے مشکل
 سے اس کی صورت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ قدیم الایام سے ایک محلہ دوسرے
 محلہ کا حریف یا مد مقابل ہے۔ بیس ایسے محلہ تھے جو ہادی کہلاتے تھے اور بانی
 محلے گروہ اور ایک کی تاریخ پہلی سے لے کر عاشورہ تک دہادی محلوں سے

مخصوص تھی۔ اب بہت سے محلے اس ہنگامہ آرائی سے کنارہ کش میں پھر چکے
 چوتھی سے لیکر آٹھویں تک سے مرثیہ خواں محلے اپنی تاریخوں کی پابندی کرتے
 ہیں۔ مگر وہ کس سے معنی ہیں کہ وہ ہادی کے ساتھ مرثیہ خوانی میں شرکت کرے
 یہ تمام محلے والے اہل سنت و جماعت ہیں۔ ہر فرقہ اپنی مقررہ تاریخ پر جمع ہوتا
 ہیں اور جس فرقہ کا پہلا پڑھنا تسلیم ہو چکا ہے وہ پڑھتا ہے اور دوسرا فرقہ
 اس کا جواب دیتا ہے اسی طرح ہر بات ختم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات
 دوسرے تک سوال و جواب کا یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور آخر میں ہر فرقہ خوش خوش
 گھر جاتا ہے کہ وہ بازی لے گیا۔ اس میں بید خوش و خروش کا اظہار ہوتا ہے
 اور چونکہ نہایت بلند آہنگی اور مخصوص طرز ادا میں دو دو چار آدمی مرثیہ پڑھتے
 ہیں۔ اس لئے مجال نہیں کہ اس پاس کے محلہ والے موسکین ان مجاہد و غریب
 تک بندویں کے خاص شاعر تھے اور اب بھی ہیں۔ جو قدیم مرثیہ گو میں ادلاب
 تک پڑھے جاتے ہیں اس میں قدیم زبان کا کافی اثر پایا جاتا ہے۔ مثلاً سستی
 بمعنی کثرت۔ یہ استعمال ہوتا ہے۔ ”شہر کی عام زبان اگرچہ مقامی اردو ہے
 لیکن مخصوص چند محلے ایسے ہیں جو مسلمان ہنگامہ بولتے ہیں۔ مرثیہ خوانی بھی محلہ
 والوں کی رعایت سے دو زبانوں میں ہوتی ہے اور ان لوگوں کی الگ الگ تاریخیں
 ہیں۔ ہر لطف امر یہ ہے کہ یہ مرثیہ خوانی رنگ رانی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔
 اور کہتے ہیں کہ یہ بھاگ ہے اور پرچہ دو دو اور تین ہزار آدمیوں کا ایک ساتھ
 بھاگ تہرج ہلالستان سین کی مدوح پر تبر اکرتا ہے۔ ان مرثیہ خوانوں کے
 بعض دستور قابل ذکر ہے ہر ایک پارٹی میں ایک ایک محلہ سلام پڑھنے والوں
 کا ہے اور یہ ہادی نہیں بلکہ گردہ ہیں۔ جب تک یہ سلام پڑھنے والی پارٹی
 حسینی دالان پہنچتی۔ زینہ کے سامنے سلام پڑھ کر اوپر نہ جاتے تب تک ہادی

کے دیگر گروہ اور خود ہادی کی بھی ادھر نہیں جاسکتے۔ مثلاً امام گنج والے ہادی بھی ان کے ساتھ بہت سے محلے مرثیہ خوانی کرتے ہیں یہ گروہ کہلاتے ہیں۔ ان میں ایک محلہ مرغ بازار بھی گروہ میں داخل ہے اور سلام پڑھنا ان کا عقیدہ حق ہے۔ اب جب تک یہ گروہ حسیفی والا ہی ہوا ہے کہ سلام پڑھ کر ادھر نہ جاتے تمام محلے والے اور خود حربی یعنی امام گنج والے اوپر نہیں جائیں گے۔ ہر محلہ اپنا نشان لے کر آتا ہے اس کو اڑانی کہتے ہیں۔ اس کی زیارتیں اور سماوٹ اب روز بروز برسی ہے۔“

”یہ مرثیے کھڑے ہو کے غول بانڑہ کے پڑے جاتے ہیں۔ اور مرثیہ خوانی کی طرف دار پارٹیوں میں آتش بازی کا مقابلہ بھی ہوتا ہے لیکن یہ چھٹیوں اور ساتویں تاریخوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ یہ دونائیکلیں ان محلوں کی ہیں جو کثرت آبادی اور نسبتاً متول میں بھی ممتاز ہیں۔ مرثیہ کی ابتداء دراصل بقرہ عید کے دن چوک میں ہوتی ہے۔ بعد مغرب کبھی امام گنج کبھی حجت گنج کے مرثیہ خواں شریک پر کھڑے ہو کر اور غول بانڑہ کو ایک مختصر سا مرثیہ پڑھ کر جاتے ہیں۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ اب محرم کی آمد آملہ ہے۔ یہ امر تعجب سے خالی نہیں کہ یہ لوگ اپنے قدیم دستور پر اس طرح جیسے ہوئے ہیں کہ ایک ایچ آگے یا پیچھے ہٹنا پسند نہیں کرتے مثلاً امام گنج والے اپنی اڑانی“ لے کر چلتے ہیں اور چھوٹا کٹرہ کے موڑ پر کھڑے ہو کر مرثیہ پڑھتے ہیں۔ چھوٹا کٹرہ والے جو پہلے سے تیار رہتے ہیں ان کے ساتھ مل جاتے ہیں اور پھر اچانک مقیم کٹرہ روڈ کے طرف جا کر موجودہ قصابی پٹی کے پتلی گلی سے گزیر کر چوک کے پورے اتر کونے میں نکلنے میں اور پھر وہاں سے سیدھے حسیفی والاں جاتے ہیں۔ ابتداء اس عادت کی یوں ہوئی کہ شاہی وقت میں بھی گلی شاہراہ تھی یعنی یہ شریک

مقیم کلوہ کے نیچے سے گذرتی تھی جہاں اب قصائیوں کی دکانیں ہیں لیکن اب تک یہ لوگ اس لکیر کے فقیر ہیں۔ یہ مرثیہ خوانی حسینی دالان کے دکھن طرف کے وسیع ہال اور اس کے شاعرانہ برآمدہ میں ہوتی ہے۔ درحقیقت حسینی دالان سنی اہل شیعہ اتحاد کا عملی مرکز ہے۔ یعنی ٹھیک آدھے حصہ میں سنیوں کی یہ مرثیہ خوانی اور دیگر مراسم محرم الحرام پاتے ہیں اور اتر جانب کے ہال اور برآمدوں میں اہل تشیع حضرات اپنے مذہبی مراسم بجالاتے ہیں۔ وہیں ”حریک مبارک“ ہے علم ہیں اہل ممبر رکھے جاتے ہیں۔ وہیں نوحہ خوانی، سوز خوانی ہوتی ہے۔ ادھر کے مراسم میں کوئی نئی بات نہیں۔ برجگہ جس طرح شیعہ حضرات عمل فرماتے ہیں۔ یہاں بھی ہوتا ہے صحن اصطلاحانہ مرثیہ کو جس طرح ”بھٹیاں“ مرثیہ“ کہتے ہیں ادھر کی سوز خوانی وغیرہ ”رنگین مرثیہ“ کہتے ہیں۔ شاید کسی زمانہ میں خوش آوازی کی بنا پر رنگین مرثیہ دکھایا ہو گا مگر اب تو یہ رنگ پھیکا ہے۔ ادھر کے مجالس اگرچہ عملاً تمام شیعہ اصحاب سے مختص ہیں مگر پھر بھی سنی شائقین شریک ہوتے ہیں اگرچہ اس کی تعداد بہت مختصر ہوتی ہے۔ پہلے اس طرف مجلس ہوتی ہے اور دس بجے تک یہاں تمام قریب ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد دکھن جانب قیامت خیز شور و غل شروع ہو جاتا ہے غرضیکہ اسی طرح پانچویں آجاتی ہے۔ آج بھٹیتے بٹنے کی تاریخ ہے۔ ڈھالہ میں بہشتیہ محرم کے ایک شاندار جزو ہیں اس میں زیادہ مسلمان اہل تقریباً سب سنی اور خال خال ہندو ہوتے ہیں۔ بہشتیہ اکثر منت میں بنائے جاتے ہیں اور کبھی خاندانی رواج بھی اس کا موجب ہوتا ہے۔ بہشتیہ ڈھاکر میں واقعی حسین قریب ہے۔ چھوٹے بچے سے لیکر بستر برس کے بڑھے تک بہشتیہ بناتے ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار کی ہے اور ہر بہشتیہ کے لئے لازمی یونیفارم ہے۔ اور مشعل ہے۔ ایک کھاروا کی لنگ جو اکثر پاجامہ کے اوپر

پہٹ لیجے ہیں۔ بہتر کرتا یا اچکن پر۔ گلے میں کفن اور سینہ پر بدھی، ہاتھوں اور گلے میں زرد ناکلاوے۔ ننگے سر نہ بھی لازمی ہے اب اکثر ننگے سر ہوتے ہیں مگر پہلے بگڑی لازمی تھی اور بگڑی آزار بند لپٹا ہوتا تھا ایک ہاتھ میں جام اللہ بغل میں چھوٹا مشکیزہ۔ دوسرے ہاتھ میں قیمتی بیریق جسے یہاں بہشتوں کا چھڑ کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہشت سب سے زیادہ خراج اپنی بیریق کو شاندار بنانے میں کرتا ہے۔ صاحب حیثیت چاندی کا چہرہ بناتے ہیں۔ نمر نشان سہوں کا شاندار ہوتا ہے۔ بہشتوں کی قیغ "تقدیم الامام" سے بہشتوں کے چند سرداروں سے یہی سردار نئے بہشتے بناتے ہیں۔ ان کو بہشتہ بنانے کے لئے بہشتہ کی طرف سے کچھ نذرانہ بھی وصول ہوتا ہے۔ چھٹی شب کو حسین دالان کے میدان میں تمام بہشتی سرداروں کے ماتحتی میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ان کی بیریقوں کی قیغ لگائی جاتی ہے یہ تیغ اس قدر مزید کی ہے کہ لڑکوں کی بہشتہ بھیروری حاضر نہیں ہو سکتا ہے تو وہ اپنی بیریق (چھڑ) مزید بھیج دیتا ہے۔ اس قیغ کے نیچے موی شمع اور لڑکی بٹیاں روشن ہوتی ہیں اور یہاں لڑو پر نماز دلائی جاتی ہیں۔

آج حسینی دالان میں بڑی رونق ہوتی ہے۔ آدمیوں کی کثرت سے چلنا دشوار ہوتا ہے روشنی بھی آج بہت اچھی ہوتی ہے اور میلہ اپنے شباب پر آجاتا ہے۔ علی العموم پانچویں سے "ہاتھ بندھائی" وغیرہ سیاہ چادر ڈال کر دوسرا ستر سے پھر حسینی دالان پہنچا دئے جاتے ہیں اگرچہ اب اصلی مرکز مسم یعنی حسینی دالان میں بالکل سناٹا ہو جاتا ہے لیکن فی نفسہ تقریبات محرم کا خاتمہ نہیں

۱۔ اسلامی پنچایت ڈھاکہ مطبوعہ سال ۱۳۸۶ھ

ہو تہ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ شیعہ آبادی کی تقریب فتم ہو جاتی ہے۔ مگر سنی اپنا مشہور اور مجید مقبول تعزیه بولتا گہوارہ نکالنے کے بعد چمن لیتے ہیں۔ بولتا گہوارہ اس تعزیه کا نام ہے جو بی بی کے روضہ سے اٹھایا جاتا ہے۔ ایک زمانہ میں یہ بہت بڑا اور اونچا تعزیه تھا لیکن اب بوجہ بجلی اور ٹیلی گراف کے تاروں اور بہت کچھ غربت کے سبب اس قدر بڑا نہیں بنتا قدیم رسم ہے کہ ایک شخص روزہ رکھ کر صبح سے سجدہ میں بڑا رہتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس کو اشارہ ہوتا ہے کہ ہاں وقت آگیا اب اٹھاؤ اور اس عالم حیزب میں کہتا ہے "ہوں" تو گھبراہٹ سے تیار ہوتے ہیں تعزیه کے چل دینے میں۔ مابعد شہادت روایت کی جاتی ہے کہ بعد شہادت حضرت سیدنا الحسینؑ جسم مبارک خاک و خون آلودہ بے محور دفن میدان کربلا میں پڑا ہوتا ہے قریہ والے جو اخراج پر یڑی کے ڈر سے ہمدردی امام بظاہر نہیں کر سکتے تھے شام کی سیاہی میں آتے ہیں اور جسم مبارک مناسب جگہ دفن کر دیتے ہیں۔ اب ہم بولتا گہوارہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ اس سے ناظرین اندازہ کر لیں گے۔ کہ بولتا گہوارہ واقعہ کی تمثیل ہے۔ سب سے پہلے تقریباً چابجے ۴-۴ شخص ایک نشان ایک یا دوسہرے کی گھڑی جس میں چڑھاوے کے سہرے ہوتے ہیں۔ اور راستہ میں جو درخت کی ڈالیاں آڑ سے آئیں ان کو تراش دینے کے لئے بالنس اور داؤ لے کر آتے ہیں اور محلہ فراش گنج سے عید گاہ تک جاتے ہیں۔ اس کے آگے ایک تاشدہ بچتا جاتا ہے اس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اب آمد تعزیه میں زیادہ دیر نہیں۔ شام سے گھنٹہ بھر قبل ایک بڑی جماعت سہرے بچنے والوں کی دوڑتی ہے جو سہرے سنی سہرے سنی کہتے ہوئے اور لوگوں کے ہاتھ سہرے سنی بچتے ہوئے گزرتی ہے یہ علامت ہے کہ بولتا

گہوارہ "اب کوئی دم میں آ پہنچا۔ سہو سنی خرابی ہے تہو شیرنی بھی۔ یہ تتولے
 کا سہو اور برائے امام ایک پڑیہ میں شکر ہوتی ہے جو تعزیہ پر چھینکے جاتے
 ہیں۔ یہ تعزیہ جیسا کہ کہا گیا بعد مقبول تعزیہ ہے چنانچہ ہندو، عیسائی،
 مسلمان اور مسلمانوں میں شیعہ سنی سب ہی اس کو ماننے میں۔ تعزیہ آنے
 سے پہلے چند عورتیں راستہ میں ایک لوٹا پانی میں ڈال کر سجدہ کر کے الگ
 ہو جاتی ہیں۔ عیسائی جو تمام لڑائی ہیں یہ صرف سہرا اور کبوتر تعزیہ پر چھینکتے
 ہیں اور مسلمان اور ہندو سہرا سنی کو تو اس کثرت سے چھینکتے ہیں
 کہ تعزیہ گزرنے کے بعد بھی راستہ میں جدمر دکھو سہرا ہی سہرا نظر آتا ہے
 یہ تعزیہ شیعوں کے کر بلا میں ٹھنڈا نہیں کیا جاتا ہے بلکہ الگ کر بلا عید گاہ
 قدیم کے سامنے ہے وہاں ایک قلاب ہے اسی میں اس کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔
 جو فرانس گنج سے ۵ میل سے کم ہیں اور یہ ۵ میل زمین ایک گھنٹہ کم میں طے
 کی جاتی ہے دستور یہ ہے کہ ہر محلے کے نوجوان اپنے محلے کی سڑک پر انتظام
 میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور جہاں تعزیہ پہنچا اس میں شامل ہو کر محلے سے آگے
 بڑھا دینے میں لیکن زیادہ پر جوش دور دور سے استقبال کرتے ہیں اور
 بہت سے ایسے ہیں جو ابتداء سے انتہاء تک شریک رہتے ہیں۔ قصور
 کیجئے کہ دو تین ہزار نوجوان کا مجمع کھڑا ہے تعزیہ دس ہندو مضبوط کھار
 اٹھائے ہوئے ہیں چاروں طرف رسیاں اور ناڑے بندھے ہوئے ہیں اور یہ
 مجمع تمام رسیاں پکڑے ہوئے ہے اتنے میں ہوں کی آواز آئی اور چشم زدن
 میں تعزیہ روانہ ہو گیا۔ سب سے پہلے ایک زبردست گروہ اچھلتا کودتا اور
 ہرادا سے سرشار دوڑتا آتا ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی بیٹھا رہے تمام گاریاں
 بہت پہلے سے بند ہو جاتی ہیں۔ لڑکے اور کمزور لوگ سڑک چھوڑ کر دکانوں

اور مکانون پر چڑھ جاتے ہیں کہ اس انسانی سیلاب کا مقابلہ کرنا حماقت ہے اور اس کے ساتھ ہی اس سے زیادہ پرچوش مجمع ریشیاں پکڑے ہوئے اور حسین حسین کہتے ہوئے دھڑکتا ہوا آتا ہے اسی میں بولتا ہوا گہوارہ گھوڑا ہے جس کی برعیاں کلس غرضیکہ ہر چیز شکستہ ہوتی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو نظر بہر کر اس تعزیر کو دیکھ سکتے ہیں کہ اس کی تیز رفتاری چشم زدن میں نظروں سے اچھل کر دیتی ہے یہ اس قدر پابند وضع تعزیر ہے کہ جو قدیم راستے میں اب تک اسی سے گزرتا ہے مثلاً چوک پہنچ کر چوڑی بلہ کی پتلی لگی سے اس قدر مجمع کے ساتھ گزرتا کہس قدر دشوار ہے لیکن بولتا گہوارہ "و میں سے گزرے گا اور کسی مزاحمت کی پرواہ نہ کرے گا۔ لکھنؤ اور کانپور میں جب تعزیر نکلتا ہے واقعی اس سے بڑا اثر ہوتا ہے لیکن یہ بولتا گہوارہ " جس شان اور دہرہ سے نکلتا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے "

اس کے بعد ڈھاکہ محرم ختم ہو گیا اور اب کوئی پبلک تقریب نہیں ہے لیکن یہ شاندار موقع نہ ہو گا کہ ان خاص امور کے متعلق بھی ذکر کر دوں جو محرم ہی میں نظر آتا ہے۔ سب سے پہلے پن سلا " کا ذکر مناسب ہے۔ پن یعنی پانی اور سلا سلا کا مخفف یعنی پانی کی جگہ بے یوں تو معمولی سیبلین ملتے ہیں لوگ لگاتے ہیں اور خاص کر عاشورہ میں اردو روڈ سے نیکر اعظم پونٹنگ اکثر مسلمان اور کچھ ہندو احباب کی طرف سے سیبلین لگتی ہیں جس میں بھیگے چلے اور اب سرد تقسیم کرتے ہیں لیکن پچرام کی ڈیوڑی کا پن سلا ہی نوعیت محراب و عریب چیز ہے یہاں قدیم و جدید تصویروں کی نمائش ہوتی ہے۔ یہاں تابل دید تصویروں کا مجموعہ ہے جو نواب نفرت جنگ بہادر کے جلوس غار عمید اور گہوارہ تخت " کا قدیم منظر پیش کرتا ہے یہ موقع مشہرہ تصور عالم کی صنعت کاری

اعلیٰ یہ ہے کہ لوگ محرم کی اس ضروری تقریب کو بانی بلاناہول
 گئے ہیں چنانچہ یہ بہشتی بھی شریعت کجا خالی خشک مشکیزہ لگا کئے پھرتے ہیں
 اور وہاں کچھ دنوں سے انجمن رضاکار اسلام کا حبیہ میدان اعظم پورہ میں بڑی
 کامیابی سے منعقد ہوتا ہے۔ اس سے لوگوں کو بہت آرام پہنچتا ہے اور مسلمان بچے
 آرام کرشن مشن کے اصول پر نمودار غلامانِ حق بنے تیار کئے جاتے ہیں۔ محرم کے
 کچھ دنوں میں غریب حسبِ حیثیت سب ہی بچاتے ہیں اور ہر نظرِ ثواب تقسیم
 کرتے ہیں۔ امراء کے یہاں بلاؤ کی دیکھیں بھی تقسیم ہوتی ہیں۔ شریعت مانڈی
 میں بدلتے جاتے ہیں۔ تیجہ کی شام کو حسین دالان کے متعلقہ باورچی خانہ سے
 شیر مرغہ غائبین شہر میں تقسیم ہوتی ہیں اور ہر سال بھر کے نئے علیٰ طور پر
 محرم کی تقریبات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس مضمون میں بیک وقت اختصار سے کام لیا
 گیا۔ حسین دالان کی عمارت اور اسلی روشنی کے جزئیات ضروری بحث تھی تعلیم
 تصویر کے سلسلہ میں یہ بیان کرنا ضروری تھا کہ اب ان جلسوں میں کس قدر
 فرق ہو گیا ہے۔ اور لوگوں کے پوشاک میں کیا انقلاب ہوا۔ طے ہے اور
 مناظر کے طرح بدل گئے۔ پھر محرم کی حاضرین کی کوٹ اور دھنیا کا ذکر باقی رہ
 گیا۔ حسین آباد کی تاریخی حیثیت نظر انداز ہو گئی۔ اکھاڑوں کی تفصیل رہ گئی
 مرنے والے کہ اس اختصار پر بھی ۲۲ صفحہ حادو کے صرف ہو گئے۔ یکم احسن
 رسالہ حادو کا ہر مضمون مفید اور نافع و معلوماتی ہے۔ اس میں ڈھاکہ
 کے اردو شعراء کا تذکرہ بھی چھپا ہے۔ ڈھاکہ میں تب اردو ختم کر دی گئی ہے
 اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ رسالہ حادو میں جن ہنگامی اردو شعراء کا کلام
 طبع ہوا ہے ان کے نام ان کے دردِ شعر بھی درج کئے جائیں۔

جناب مولوی رضا علی صاحب وحشت ناکہ سے

میں ہی سہا ہوا لفظ سوز عشق کا
کچھ مرے دل میں رہے کچھ میرے دل میں رہے
غیر ہر کھایا کئے وحشت نہ سہا آرزو
پھر کیا ناکہ وہ ارمان کئے دل میں رہے

جناب سیوانہ بنت جہان گبر گری سے

میان کس سے کرب ہم فراق کے صدمے
تیرا ہر لمحہ کے گزرتا ہے میں دن اھیبت کے
دردِ غم کو ہم میں چھپ چھپ کے دیکھنا میرا تر
نور آدمی نہیں بڑی چامیلی طبیعت سے
جناب سیرت سار جنت ممتاز ابو العلاء ڈھاکہ سے

پھلے پہلے طرح چھنکے میں ملائے بہتہ بچائے تم سے دل لگائے
یہ میرے جزئیہ دل کا اثر ہے کہ وہ ناکارہ پوچھیں غفلت آئے
جناب مولوی بدر الزماں صاحب بڑا دیکھائے سے

نری در درہ نگاہ نے دل کو گھائیں مردہا
یا میرے دل ہی نے فیکو کچھ پر مائل کر دیا
تازہ و ناز و ادا اور اس پر آغاز شباب
ایسے سامان سے لڑے ہوش و تریش و شباب

جناب نوب زادہ اے ابن ایم عبدالغنیہ صاحب حافظ رئیس

کلاکتہ ملا در زادہ حضرت انساع مرحوم سے

مجھ سے کہتے ہیں کہ جب تم آؤ گے شمع مغل سے اٹھالی جاسکے

شیخ کو شربت بلائیں گے ہم آج تھوڑی بے بھی اس میں ڈالی جائیگی
توڑنا حافظہ نہ تم ساتھی کا دایستہ
توبہ کیا ہے توڑ ڈالی جائے گی

جناب سید انور حسین صاحب اظہارِ حقائق صاحب
گم ہوا تہذیبِ باہقہ میں اپنے کسوٹی رہ گئی
خداوندِ یغما حفرِ ہمتا مشکل سے دیو رہ گئی
حلقہ سے جو کڑا لیا آخر یہی اس کا مالک
ایسی رکھنے میں یوں استیلا کے لٹو رہ گئی

جناب مولانا عبد الوہاب صاحب شفقِ اہلسلم استیلا یونہی رہی ۵
قلم لکھیں بھول گئے ہم بھی تہیں بھول گئے
اب وہ دل ہی نہ رہا جس میں تیرا یاد رہا
جس سترہ کو شفق پر تیرے جسم آ گیا
اب مرو کا دل نہ اس سے دل ناشار رہا

جناب مولوی شہناز اللہ صاحب شاقبہ ہڈی دلوں گورہ میں مسلم باقی رہا

جانسگام - ۵ -

جس نے دیکھا یہ جمالِ رخِ نرِ سائبر
جان نودن - مے بہا چاہیہ والا سیر
آج تک ہے وہی شاقبہ سکھ و شاقبہ
مرزا پر صفائی پہ دل آیا تیرا
حضرت مرزا ابو جعفر ایم - ۵ - کلکتہ

فوجِ سرور کے مقابل شکر ہے پیسہ ہے
اس طرف باجوں کا غل ہے اس طرف تکبر ہے

زرگوں شکر کہنے میں تو کر طرح حسین
افضل افکار ذکر حضرت شیخ

جناب مولوی سید ابوالفتح شرف الدین صاحب شرف سے

حاصل عمر گرانمایہ عظیمیہ ار کے پاس

کہتے کیوں جائے کوئی زاہد مکار کے پاس

مغفرت اپنی ہے موقوف شفاعت یا شرف

اک ندرت کے سوا کیا ہے گنہگار کے پاس

حضرت مولانا خالد رئیس بولائی یمن سنگھ سے

نویہ یاروں کو میر ساعت سجدائی ہلاں میونے کی جوش میں پھر اٹھرائی

تیا نہ رندوں کے گایا جوش مستی میں حسین حسن بڑا اپنی قمر نے دکھلائی

جناب میر وزیر علی صاحب نامی جہاں گیر نگری شاگرد حضرت آزاد سے

عاشورہ کی شب پیٹ کے کہتی تھی درائی — خالق کی دھائی

مل جلے گی کل خاک میں زہرہ کی کمالی — خالق کی دھائی

جناب حکیم حسن مرزا صاحب حرق سے

سلامی قافلہ زہرا کی ہے تو قیر پہلے سے

خدا نے ان کو بخشی جادو ظہیر پہلے سے

طفیل پنج تن اسے حرق تسنن میں میرے حق نے

لکھی ہے جنت فردوس کی جاگیر پہلے سے

جناب مرزا گوہر علی صاحب گوہر جہاں گیر نگری سے

مجزائی میں ہوں عاشق شیدا حسین کا

دکھلائے کبریا مجھے روضہ حسین کا

گو تر ہے مبتلائے مرض اک زمانے سے

یا ساقی دے شفا اسے صدقہ حسین کا

جناب خواجہ عبدالنعیم صاحب نعیم جیساں گبر نگری سے
غضب ہے یہ بتوری چڑھانا کسی کا جگر پر یہ خبر چلانا کسی کا
نعیم ان کو قلاب میں لاؤں تو پوچھوں
کہو! یاد ہے وہ ستانا کسی کا

خواجہ صاحب ڈھاکہ کے ایک معزز و متمول
واہل ثروت خاندان سے تعلق رکھتے تھے
ان کے جد امجد جناب خواجہ عتیق اللہ صاحب

شہزادہ میاں شیوا تھے۔ جن کا ذکر خواجہ محمد عادل صاحب نے صفحہ ۱۸۷
میں جادو ڈھاکہ کے شمارے اگست ۱۹۹۱ء میں کیا ہے۔
”میرے جد امجد حضرت خواجہ عتیق اللہ صاحب شیوا کا ایک بندہ آپ کے
درج جادو کیا جانتا ہے۔ اور یہ بھی ماری جادو گری ہے کہ حضرت موصوف اس کی
استاعت پر راضی ہو سکے۔“

خواجہ عتیق اللہ کا ایک بندہ اسی شمارے اگست ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا تھا۔

غم حسین میں ہر لب پہ آہ و زاری ہے
وہ کون چشم ہے جس کو نہ اشک باری ہے
وہ کون دل ہے جس کو نہ بے قراری ہے
وہ کون جان ہے جسے اب نہ سو گوار کی ہے
خدا کے پاک ہمیں بھی غم حسین ملے
نہ ہووے دل کو قرار ایک دم نہ چین ملے

خواجہ محمد عادل صاحب کے والد خواجہ محمد اعظم بن خواجہ عبدالعلی بن
خواجہ مولانا عتیق اللہ شیوا تھے۔ ان کے نانا صاحب احسن القمص تھے۔

آپ کے علم عظیم خواجہ محمد معظم تھے جن کا ایک تاریخی مضمون جادو ڈھاکہ مورخہ
اپریل ۱۹۲۳ء میں اعتقاد الدولہ اسلام خان چشتی پر شائع ہوا تھا۔
جناب خواجہ محمد عادل صاحب ایک اچھے ادیب تھے۔ تمام جنگاں کے علمی
ادبی مسقوں میں دقت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ نے تذکرہ شعراء
اردو ڈھاکہ مرتب کیا تھا۔ جو جادو ڈھاکہ میں الاقساط شائع ہوا۔ تین قسطیں
میں مضمون میں نقل کر دی گئی ہیں۔ یہ تذکرہ غالباً علیحدہ کتابی شکل میں
تسلیں پھیا، مگر چھپا ہو گا تو میری نظر سے نہیں گزرا۔ آپ کے تاریخی و ادبی مضامین
آپ کے دور کے مسائل میں شائع ہوتے تھے۔ آپ دل سے اردو کی ترقی کے
خواہاں تھے۔ جادو میں آپ کا مستقل عنوان ”صفیہ تعارف“ تھا اور آپ ہی اپنے
زمانہ کی اردو مطبوعات اور اردو رسائل پر جادو میں ربوہ تحریر کرتے تھے۔
یہ نامانہ گلرستہ ایساڈوں صنف ناسک سے جنوری ۱۹۲۳ء
کو جاری ہوا۔ ۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ عبداللطیف الحق اس
کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چند روپے تھا۔ بطبع مصطفائی
کلباؤن بمبئی میں طبع ہوا تھا۔

معیار سخن

اس رسالہ کے سرپرست حضرت عارف خرمایاڈوں تھے۔ اس کے سر
ورق پر یہ شعر درج ہوا تھا۔

ربا بنائیں جن بند و کس کا ہر کھول ہے گلرستہ معیار سخن کا
اس گلرستہ میں اساتذہ سخن اور ممتاز شعراء کا پاکیزہ منتخب کلام
چھپتا تھا۔ سیاسی جھگڑوں سے یہ گلرستہ پاک و صاف رہتا تھا۔
دسمبر ۱۹۲۳ء کے شمارہ کے چند شعراء کا منتخب کلام درج ہے۔

جناب احمد اورنگ آبادی تلمیذ اب انصاف بیگ بیادہ حضرت جلیل مظاہر

وہ آتے پاتے تجھ کو اس سے کیا غیب تھا
 میری حالت کا ان پر کم سے کم اظہار ہو جاتا
 نہ پوچھو وصل کی شبہ اس طرح گزری اس اند
 اگرچہ چھپرے اس کو تو وہ نہ بڑا ہو جاتا
 جناب محمد عبدالرحمن خان صاحب اظہار ابرہہ تھیں حضرت قبلہ

پوری ۵
 مہر و خورشید کی آنکھیں نہ دیکھتا کبھی فردیں
 اگرچہ پیش نظر وہ دو تہیہ الوداع ہو جاتا
 جو ہوتی الفت لیلی میں تجھوں کو تھیں اظہار
 کبھی اتنا نہ دیوانہ خدائی حواری ہو جاتا
 جناب اللہ بخش صاحب اظہار نصیر آبادی تھیں جناب سائبرہ بانپوری
 تجھے معلوم ہوتی ہے سچا عاقبت اس کی
 اگر تو بھی کسی کے عشق میں بیمار ہو جاتا
 دکھلاتا جو ساقی تجھ کو اپنے دیرہ مہگون
 تو اسے بادہ کشوں میں بے ہوش رہتا ہو جاتا
 عالی جناب مولوی سید محمد نوح صاحب شہر چلی شہر دارہ
 جو وہ آتے تجلی طور کی گھر میں نظر آتی
 اسے کچھ اور ہی رنگ در و دیوار ہو جاتا
 اگر دو گھونٹ بھی تجھ کو شے عرفان سے مل جاتے
 شہر اس مستی غفلت سے میں ہوشیار ہو جاتا
 جناب طریق جونپوری فیض یافتہ حضرت نوح ناروی ۵

المومن

کلکتہ سے یہ مومن برادری کا آرگن جنوری ۱۹۲۳ء کو نمودار ہوا۔ کبھی ماہانہ، کبھی ہفتہ وار، کبھی پندرہ روزہ اور کبھی سہ ماہی نکلا۔ مختلف پرچوں کی صفحات مختلف ہوتی تھیں۔ جس کے ایڈیٹر جناب محمد یحییٰ صاحب تھے۔

اس رسالہ و اخبار کو مومن تحریک و مومن برادری کا اولین ترجمان سمجھنا چاہیے۔ جس نے مومن برادری اور اس کے اغراض و مقاصد کو پہلا نے میں بڑی مدد کی۔

المومن اخبار پر رسالہ جامعہ دہلی مورخہ اپریل ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل رپورٹ کیا تھا۔

”المومن جو مومن برس سے قوم مومن کا ترجمان تنظیم مساوات کا علمبردار تمام فریب و کمزور مسلم قوم کا حامی ہے۔ ماہوار شائع ہوتا ہے۔ الحمد للہ ابادہ قوم و ملت اور ملک کی قدر دانی سے انشاء اللہ جنوری ۱۹۲۶ء سے ہفتہ وار شائع ہوا کریگا مگر آپ تاریخ زمانہ حال کی سچی تصویر اور علمی معاشرتی اخلاقی اقتصاد کی صنعتی تجارتی معامین اور تعلیم دنیا خصوصاً ممالک اسلام کی تازہ خبروں کا خلاصہ ہر ہفتہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ہفتہ وار مومن خریدیں۔ ہر نمبر کم از کم آٹھ صفحہ پر ہوگا۔ کاغذ سفید، کتنا کتابت، طباعت کے لئے المومن کا نام کافی ضمانت ہے۔“

یہ غریبی، سیاسی، علمی، اخلاقی اور ادبی رسالہ مارچ ۱۹۲۳ء کو دہلی سے جلوہ مگن ہوا۔ ۵۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر مولانا زاہد القادر کی اتروولی، پرنٹر اسٹریٹنج فضل حسین

الہلال

صدر لقی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ ہلالی پریس میں چھپتا تھا۔

اس زمانہ کے دستور کے مطابق رسالوں میں ایک ناول بالاقساط چھپتا تھا۔ لیکن رسالہ الہدای میں دو ناول بالاقساط شائع ہوتے تھے۔ اس کے جلدیں انفرادی قلم کاونٹ "انشائی" کے دل سوز ناول کا ترجمہ دل کا لٹا اور جناب نمبر کا مکتبہ الارارہ ہی ڈرامہ آدم ابتدائی پریوں میں بالاقساط طبع ہوئے۔ اس رسالہ میں بھی ملک کے مشہور و معروف اہل قلم کے مضامین رسالہ کی زمینت ہفتے ہفتے۔

حمید آباد دکن سے مارچ ۱۹۱۸ء کو یہ ماہانہ رسالہ نمودار ہوا۔ ۲۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ سراج الدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے اور مالک خواجہ محی الدین صاحب جدت تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

معلم العلوم

یہ رسالہ طالب علموں کے لئے نکالا گیا تھا۔ جس میں طلباء کے زیادہ مفہوم تھے۔ نہ معلوم کبھی یہ رسالہ زیادہ نہیں چلی سکا اور جلد بند ہو گیا۔

خواجہ محی الدین جدت سے تھے وکالت کے امتحان پاس کرنے کے بعد وکالت کی۔ پھر کوٹوالی بلڈ کے صدر امین مقرر ہوئے

شعر و شامری کا بھی ذوق تھا۔ جدت تخلص کرتے تھے۔ معلم العلوم ایک رسالہ جاری کیا تھا۔ ان کے بھائی وجودی تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۱۸ء میں ہوا۔ ۱۹

صدر لاکھوں میں الم لاکھوں مصائب لاکھوں اور میں ان کے مقابل میں خدا یا تنہا

ہم اپنے آپ دشمن ہیں زمانے کی خطا کیا ہے
گھٹی قدر شرافت جب شریفوں کا چلن بگڑا

حوسے بڑھتی نہ اگر مہر و محبت اپنی

نام برنام نہ ہوتا کبھی میرا تیرا

۱۳ مارچ ۱۹۱۷ء کو لاہور سے بچوں کا ہفتہ وار اخبار جاری

ہوا۔ ۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ لالہ گھونا کھائے اس کے

مدیر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

گلدستہ

یہ رسالہ ۱۹۱۷ء تک نکلتا رہا۔ اس نے بچوں کی عادی سنوارنے

میں بڑی مدد کی۔ بچے اس کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے تھے۔

سہائے صاحب بہت ہی خلیق نیک دل

متواضع خاکسار مخلص بزرگ تھے۔ پانی

پت میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں لاہور چلے گئے

لالہ گھونا کھائے

تھے اور تقسیم ملک تک وہیں رہے۔ رسالہ رفیق التعليم لاہور سے آپ نے جاری

۱۹۱۷ء کو جاری کیا۔ اس نے طلباء کی تعلیمی معاطوں میں بڑی اعانت کی۔

بچوں کے لئے مفید ثابت ہوا۔ کئی اخلاقی کتابیں بھی آپ نے تالیف کیں۔

دیال سنگھ ہائی اسکول لاہور کے ہیڈ ماسٹر اور دیال سنگھ ٹرسٹ کے ٹرسٹی

تھے۔ برہم سماج سے تعلق رکھتے تھے۔ تعصب اور تنگ نظری سے پاک و صاف

تھے۔ ۱۹۱۷ء کے پراشوبہ دور میں ہندوستان چلے آئے تھے اور سولن میں

فوت ہوئے۔ آپ کی تصانیف یہ تھیں ۱۔

اب گلدستہ اخلاق - یہ کتاب بچوں کے اخلاق سوسدھار نے کے لئے نہایت مفید ہے۔ ۲۔ خاتونان ہند - اس میں اٹھارہ ممتاز ہندوستانی نورتوں کے حالات درج ہیں۔ ۳۔ گلدستہ مہناتین - بات نہایت کے پیرایہ میں بہت سی سوشل و مذہبی خرابیوں پر مہنات کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ ۴۔ کاپیا بنجاہ ٹیکسٹ بک کمیٹی نے خرید کر تقسیم کی تھیں۔ ۴۔ سوانح عمری راجہ رام بانی برہمہ سماج۔ ۵۔ سوانح عمری مہرشی دینندرناتھ ٹھاکر لیڈر برہمہ سماج۔ ۶۔ سوانح عمری مہاتما کیشنب چندر سیلن لیڈر برہمہ سماج۔

لاہور سے یہ دروازہ اخبار ۱۳ اپریل ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا
ملاپ حار صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مہاشی خوش
 حال چند خورشید تھے۔ چند سالانہ اخبار روپے
 اور ششماہی نور پے تھا۔ اس اخبار کے سرورق پر یہ شعر شروع میں درج
 ہوا تھا

ہر ایک شکستہ دل کی ہمت بڑھائے گا یہ
 جب وطن کے دل کش نغمے سنائے گا یہ -

ملاپ اخبار لاہور کن دجوات و اسباب کی وجہ سے معرض وجود میں
 آیا۔ شری رشیبر ایڈیٹر ملاپ نے اپنے والد شری خوش حال چند خورشید کی
 زندگی پر ایک کتاب لکھی تھی۔ اس میں سے وہ حصہ جس میں یہ بتایا گیا
 ہے کہ ملاپ کا آغاز کیسے ہوا۔ ۱۳ اپریل ۱۹۲۳ء کے شمارے میں
 شائع کیا تھا۔ اس مضمون میں سے ہم ضروری اقتباسات نقل کرتے
 ہیں۔

شری خوش حال چند خورشید آریہ گزٹ کے ایڈیٹر تھے۔ ان کے سبوا بھلاؤ

اور تنظیمی قابلیت کو دیکھ کر مہاتما ہنس راج جی نے فیصلہ کیا کہ انہیں مالا بار بھیجنا چاہئے۔ لیکن ماتاجی کو یہ فیصلہ اچھا نہیں لگا۔ ان کے ہاتھوں بیٹے ستیہ پال (دیرہ ویر) کا جنم کچھ ہی مہینے پہلے ہوا تھا۔ ان کی اپنی صحت کافی کمزور تھی۔ اڑھائی برس کے لیش کو ان دنوں نمونیا تھا کافی خراب حالت تھی۔ اس کی ماما کو کسی نے یہ بھی بتایا تھا کہ مالا بار میں کسی بھی ہندو کو زورہ نہیں چھوڑا جاتا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے یہ نستے ہی کہ شری خوش حال چند جی ایک لمبے عرصہ کے لئے ہزار ہامیل کی دوری پر چلے جائیں گے۔ وہ چلا اٹھیں بہت روئیں۔ دعوے کے ساتھ کہا کہ وہ شری خوش حال چند جی کو جانے نہیں دیں گی۔ لیکن شری خوش حال چند ایک مرتبہ جو فیصلہ کر لیں اسے بدلنے کی طاقت کسی میں نہ تھی۔ منسوبطی کے ساتھ انہوں نے کہا تم رو نہ کرو۔ مجھے تو جانا ہی ہے۔

ماتاجی نے روتے ہوئے کہا ”اوش“ جو اتنا بیمار ہے اس کا کیا بنسکا؟
 بتاجی نے کہا میں جانتا ہوں اس کی حالت خراب ہے تمہاری صحت کمزور ہے لیکن کسی آدمی کو اس کے سوا کئے اور تو کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ مر جائے اس سے زیادہ کوئی بات ہو تو مجھے اخلاص دیدینا۔ میں آجاؤں گا ہمارے ایک رشتہ دار نے ان سے کہا رنیر کی ماما اتنی دکھی ہے تو آپ جاتے کیوں ہیں۔ بتاجی نے جواب دیا میں وہاں جاؤں گا جہاں ہزاروں رنیروں کی مامائیں زیادہ دکھ میں جہاں ہزاروں بچے مرد چاہتے ہیں۔ صرف ایک بچے کے لئے ہزاروں بچوں کو کیسے بھلا دوں۔ جنہیں میری زیادہ ضرورت ہے اور تیسرے دن وہ دور دکھشن بھارت کی طرف چل پڑے ایک ایسے علاقہ میں جس کی زبان وہ جانتے نہیں تھے۔ لیکن دوسروں کی تکلیف کو وہ۔۔۔ اپنی تکلیف

سے بھی زیادہ ضروری اور زیادہ اہم سمجھتے تھے۔

”مالا بار میں وہ تقریباً چھ مہینے رہے۔ اس لمحے عمر میں وہ اور ان کے ساتھیوں نے کس طرح کام کیا۔ جن لوگوں نے یہ ٹیکہ سنے اور یہ تصویریں دیکھیں ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے لیکن یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ اصلی کمی پوری نہیں ہوئی جو روزانہ اخبار نہ ہونے کی وجہ سے محسوس کی گئی۔ یہ سوال پیدا ہوا کہ اخبار کو شروع کون کرے اور اس کی پالیسی کی حیثیت کیجہ کون کرے؟ تدریقی طور پر مہاتما پٹرسراج جی کے سامنے جو سب میں سے ایک آتا وہ شری حوش حال چندر جی کا تھا۔ شری حوش حال چندر جی نے کہا میں تیار ہوں کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایسے اخبار کی ضرورت ہے جو بنگالی کے ساتھ انصاف کرے انگریزوں کی بھونڈی ڈانٹے والی پالیسی کے خلاف تیار کرے اور ملک میں اتفاق بنائے رکھے لیکن روزانہ اخبار ملانے کے لئے بہت روپے کی ضرورت ہے۔ شروع میں کئی برس تک گھر پر بیٹھا اس کے لئے روپیے چاہئے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ تو آب جاس میں ہیں۔ ننگراہ بعد میں لٹا ہوں اسے خرچ پہلے کر دیتا ہوں۔ مہاتما بولے روپے کا انتظام ہو سکتا ہے ایسے لوگ موجود ہیں جو اس کام کے لئے روپیہ دے گئے ہوں۔ مہاتما پٹرسراج کی ہمت انسانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ شری حوش حال چندر جی سے فیصلہ کیا کہ وہ روزانہ اخبار نکالیں گے۔ لڑائی جھگڑے سے بچھوت اور مادگان کو نفرت ختمی۔ ان کا مشن تھا۔ دیش اور سماج کی ایکتا۔ اس لئے انہوں نے اخبار کا نام ڈاکٹر گوکل چندر نارنگ کے مشورہ سے ملا پٹام رکھا۔ کافی سرچنے کے بعد بھی اس کا فیصلہ وہ کر نہیں سکے۔ فیصلہ کے بغیر ہی اعلان کر دیا کہ دس دسمرا اور سماج کے سیوا کے لئے ہر جگہ ایکتا کی بھادونا کو جگانے کے لئے اور

درست خبریں دینا اور اس کی درست رہنمائی کے لئے روزانہ ملاپ لاہور ۱۲ اپریل ۱۹۲۳ء کے روز میساکھی کے شبہ اور پر شائع ہوا اس کے لئے شاہد دوسب ایڈیٹر رکھے گئے۔ مہاشہ امر ناتھ جلال پوری اور شری پریم ناتھ اننت کاتبوں کا انتظام ہو گیا۔ ایک منیجر کا بھی۔ سب لوگوں کے بیٹھنے کا ایک کمرہ تھا۔ آریہ سماج انارکلی لاہور کی عمارت کے باہری حصہ میں پہلی منزل پر وہ کمرہ جس میں کبھی آریہ گزٹ کا دفتر ہوتا تھا۔ اس کمرہ کے علاوہ سیر جیوں کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جو شری خوش حال چند جی کا دفتر تھی اور جہاں سے وہ بڑے کمرہ میں ہونے والی بات کو دیکھ سکتے تھے۔ اس کمرہ اور کوٹھڑی میں جس میں ملاپ کا آغاز ہوا تھا وہ آج ایک عظیم السنٹی ٹیوشن بن گیا ہے۔ اس چھوٹے سے پردے کو ایک منظم السنٹی ٹیوشن بننے کی شگفتگی ملی۔ تو یقیناً اس محنت کی وجہ سے شری خوش حال چند جی نے اپنے جیون کا مشن بنایا۔ جن لوگوں نے قرض کے طور پر شری خوش حال چند جی کو مدد دی ان سب کے نام مجھے یاد نہیں۔ اتنا یاد پڑتا ہے کہ بخشی ٹیک چند جی نے جو اس وقت لاہور کے سرکردہ وکیلوں میں سے ایک تھے جو بعد میں پنجاب ہائیکورٹ کے چیپ جسٹس بنے ایک ہزار روپے دیا۔ فردز پور کے ایک شخص سینٹھ ہرجی مل نے پانچ سو روپے دئے اسی طرح کچھ دوسرے لوگوں نے وقت وقت پر مدد کی جو بعد میں واپس کر دی گئی۔ لاہور میں ان دنوں ایک بنک تھا۔ یونائیٹڈ بینک اس کے مینیجنگ ڈائریکٹر لالہ لال چند جی نے شری خوش حال چند جی سے کہا آپ کو جتنے روپے کی ضرورت ہو وہ میرے بنک سے بنا ضمانت کے قرض لیجئے۔ اس طرح یہ بھی ایک مدد ہوئی۔ ایک دن ملاپ کی پرائی فائلس دیکھ رہا تھا وہ پرچہ مل گیا جو سارا اپریل ۱۹۲۳ء کے روز شائع ہوا تھا۔ اس کے پہلے صفحہ پر ملاپ کے

مشن کا ایک شعر درج ہے :-

ہر ایک شکستہ دل کی ہمت بڑھائے گا یہ جب وطن کے دلکش نغمے سنائے گا یہ

شعر کے اوپر ادم کا جھنڈا تھا۔ اس کے نیچے پہلے بندوق میں پھر ہر دو

روزانہ ملاپ لاہور لکھا ہوا ہے۔ ساتھ ہی لکھا ہے ایڈیٹر خوش حال

خود سنو پہلے صفحہ پر ایک نظم ہے ملاپ کا فقیر مقدم "جیسے شری برہم ناتھ جی

اننت نے لکھا۔ اس کے شروع کا بند ہے :-

کیا پرامید مژدہ نور در زلار ہا ۔ پیہ یعنی ملاپ ہر دو نے نام ہر بار ہا ۔ پیہ

آتا ہے بالکین سے دل کو لکھا ہوا ہے ۔ سر مست جام الفت سے کہ ہر بار ہا ۔

اوانے والے آجاتا بھی مبارک

بھارت کے شکستوں میں گانا بھی مبارک

اسی پہلے پرچہ میں شری خوش حال چند جی نے خود ایڈیٹر لکھا ہوا ہے :-

تھا اس کے یہ الفاظ ملاپ کے "ش" کو عیاں کرتے ہیں۔

سوراجیہ حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کے مختلف قوموں کا اتحاد

ناز می چیز ہے۔ بھارت کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان جب تک متحد نہیں

ہوئیں جب تک آزادی ایسی نعمت مبسر نہیں ہو سکتی۔ اس کے چند روز ہی بعد

پنجاب کے مشہور قومی شاعر شری لال چند فلک نے ملاپ میں لکھا تھا :-

دھوم ہے شہر میں اخبار ملاپ آتا ہے خوش خرم میں خریدار ملاپ آتا ہے

مگر خورسند کو کتنی قوم کی خوشحالی کی درد کو دینے اداوار ملاپ آتا ہے

دھوم کا حاشیہ و ہمدرد ٹوک کاروں کا قوم کا ملک کا غم خوار ملاپ آتا ہے

حق پہ ہوتا ہے سدا جور و ستم کا جندہ ان غریبوں کا مددگار ملاپ آتا ہے

ہوش کر ہوش دراز تانہ ۔ بے سونے الے خواب غفلت سے زہوار ملاپ آتا ہے

چارہ ساز غم اندوزہ اسمیراں بن کر حسرت حق کا طلبگار ملاپ آتا ہے
 آریہ درت کو غفلت سے جگانے کو فلک
 ہمت و جوش میں سرشار ملاپ آتا ہے

ان دنوں پہلے صفحہ کا ادھا حصہ اخبار کی پیشانی ہوتی تھی باقی اُدھے صفحہ
 میں خبریں نہیں بلکہ کوئی نظم یا مضمون چھاپا جاتا تھا۔ کافی عرصہ ایک صاحب
 شری موبن لال بھٹناگر ایڈووکیٹ ملاپ کے پہلے صفحہ پر اپنے مسلسل مضامین
 لکھتے رہے دوسرے اور تیسرے صفحہ پر بھی خبریں نہیں ہوتی تھیں۔ دوسرے
 صفحہ پر لیڈنگ آرٹیکل ہوتا تھا تیسرے صفحہ پر واقعات درانگھا کے عنوان
 سے مختصر نوٹ۔ لیڈنگ آرٹیکل کی بجائے میں پورا ایک کالم وید و منتر کی
 کے لئے مختص ہوتا تھا۔ ہر روز ایک نیا وید و منتر ترجمہ اور یا کھن کے ساتھ
 دیا جاتا تھا۔ جیسے شری امر ناتھ جلال پوری لکھتے تھے

ملاپ ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کی خبریں پڑھتا تھا لیکن انہیں
 شائع کیا جاتا تھا اخبار کے پانچویں چھٹے اور سب سے پہلے صفحہ پر باقی آٹھ صفحے مضامین
 یا نظموں سے بھرے رہتے تھے۔ اخبار شائع ہونے کے بعد بھی ملاپ کے جنرل منیجر میں ملاپ
 تھا۔ شری تیرتھ ناتھ کی پورے چار سو برس کے بعد بھی ملاپ کے جنرل منیجر میں ملاپ
 یہ وہ اس وقت کے ملاپ کے آغاز ہونے سے ایک مہینے پہلے۔ شری خوشحال
 چندر جی نے انہیں یہ کام سونپا تو یہ دیکھ کر کہ وہ محنت کرنے میں ہار نہیں مانتے۔
 انسان کی عجیب و غریب فطرت و عادت ہے کہ وہ جو سوچتا ہے اور کرے خواہ وہ
 درست ہو یا نہ ہو۔

کوئی مذہب و دھرم دنیا میں ایسا نہیں ہے جو اپنے پیغمبر و نبی، رشی منی

وادار کی عزت نہ کرتا ہو اور ان کی جائے پیدائش کا بے پناہ احترام نہ کرتا
 ہو۔ دوسرے فریبوں کے مقابلہ میں اپنے ہم مذہب کو فوقیت و اولیت نہ دیتا ہو
 اسی طرح اپنے ہم مذہب و ملک سے عقیدت نہ رکھتا ہو۔ ہر دوار، متھر اور بازار
 وغیرہ کے متبرک مقامات کی ہندو عزت کرتا ہے۔ گرجن چیدر جی اور رام چندر جی
 کی جائزہ ولادت سے بے پناہ عقیدت رکھتا ہے اور ان مقامات کو اپنے لئے
 قابلِ صدا احترام سمجھتا ہے اور اپنے ہم مذہب ملک چیمال وغیرہ سے ہمدردی
 رکھتا ہے اگر کوئی مسلمان کسی ہندو سے کہے کہ تم ان لوگوں اور ان مقامات
 مقبوسہ کی عزت نہ کرو مسلمانوں کے پیغمبروں اور ان کے مقامات پیدائش کی
 عزت کرو جب تم ہندوستانی مانے جاؤ گے تو کیا کوئی ہندو ایسا کرنے کے
 لئے تیار ہو جائے گا اور ایسے خیالات کی تائید کرے گا ہرگز نہیں قطعاً نہیں
 کرے گا۔ بلکہ بہت برا مانے گا اور اپنی بے عزتی سمجھے گا۔ اسی طرح اگر کوئی
 ہندو مسلمانوں سے یہ کہے کہ تم اپنے پیغمبروں کی عزت نہ کرو ان کی جادو لاچ
 کا احترام نہ کرو اپنے ہم مذہب ممالک ترک، مصر و قسطنطنیہ سے ہمدردی نہ
 کرو اور ہندوؤں کے اوتاروں اور ان کی جائے پیدائش کی ہی عزت کرو اور
 ان کے ہم مذہب ممالک سے ہی ہمدردی رکھو تو تم سچے پئے ہندوستانی مانے
 جاؤ گے۔ خرمائیسے کوئی مسلمان ان خیالات کی تائید کرے گا یا ان پر عمل کرے گا
 قطعاً نہیں مرنے کے گا یہ ان پر طریقہ قطعاً اختیار نہیں کرے گا۔
 مسلمان اپنے ہم مذہب سے روحانی و قلبی تعلق رکھتا ہے اسی طرح ہر ہندو
 ہندو سے مذہبی تعلق رکھتا ہے غیر ہندو سے یہ مذہبی تعلق ہرگز نہیں ہو سکتا
 نہ مسلمان کو اپنے ہم مذہب کے مقابلہ میں روحانی و قلبی تعلق ہو سکتا ہے نہ
 مسلمان سے ہوگا

طلاپ لاہور اخبار کے بانیوں کے خیالات انسانی فطرت اور مذہبی اور
 دھارمک خیالات کے خلاف ہیں وہ مسلمان کو جب ہندوستانی نہیں سمجھتے
 جب تک وہ اپنے پیغمبروں نبیوں سے تعلق نہ توڑے اور ہندو اوتاروں کو
 تسلیم نہ کرے۔ اسی طرح ہندو اوتاروں کی جاودادیت سے عقیدت نہ رکھے
 مکہ معظمہ و مدینہ سے بغیر تعلق نہ ہو جائے اور مسلم ممالک میں ترکی مقسطنطنیہ
 سے جلد دی ختم نہ کرے۔ جنگ بلقان طرابلس انگریزوں سے ہوئی ہے اگر
 خلافت کا خاتمہ کر کے ترکی کے ملکوں پر قبضہ کرے تو کریت دین مسلمانان سے
 ہندو دی نہ کرے نہ ہلاردی میں ان کی مالی امداد کرے۔

یہ عجیب و غریب و خود ساختہ قومی نظریات و خیالات اگر آپ کو دیکھنے
 ہوں اور پڑھنے ہوں تو طلاپ لاہور اخبار کے پہلے شمارے ۱۳ اپریل ۱۹۲۳ء
 کے لیڈنگ آرٹیکل ملاحظہ فرمائے اور ایسی قوم پرستی پر داد دیجئے۔

”پتھر پیرا ہوتا ہے تو پیر کا وید منتر کے ذریعہ اسے پیغام پہنچاتا ہے کہ جری
 اس دنیا میں آنے کی غرض و غایت کیا ہے۔ بڑا ہوتا ہے تفصیل علم کرتا ہے
 تو پھر برہما کا کے ذریعے اس کے مقصد کی یاد دلاتا ہے۔ گوروؤں سے ہڑتے ٹھو
 کر دینیوں کاموں میں قدم رکھتا ہے تو پھر ایک بار اور بڑا تارشی (کی بوفت
 اس کے آدیش اور نکش کی طرف اشارہ کرتا ہے بلکہ پوری تفصیل کے ساتھ
 اس کا پروگرام اور منزل مقصود اس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ دنیا سے مرطلو
 کو طے کرتا ہوا بھی انسان پرہتا کے ان پیغام کو سننا چھتا ہے کہ جو یہ ان کی
 منزل کی طرف چلنے کی ہدایت کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ موت کے بعد اس سرزمین پر
 جہاں جا کر مادی عناصر بھی جلا دیئے جاتے ہیں اور جسے انسان جسم کی آرام گاہ بھی
 کچھتے ہیں وید منتروں کے ذریعے آہوتیاں ڈالتے ہوئے اسی منزل کی فکر کیا جاتا

ہے جہاں انسان نے پہنچنا ہے۔ دنیا بھی ہر اس انسان سے جو میدان میں قدم رکھتا ہے جو کسی راستہ پر گامزن ہو تا ہے پوچھتی ہے کہ تھلاؤ تمہیں کہا پہنچنا ہے تمہارا اس سفر سے مطلب اور مقصد کیا ہے..... ان چند سطور میں ہماری منزل مقصود پوشیدہ ہے لیکن ابھی مالپ کا ظہور ہی نہیں ہوا تھا محض اس کی آمد آمد کی صدا نہیں بلند ہوئی تھیں کہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے شوچنا شروع کر دیا تھا۔ اور ایک مسلمان ہم عصر نے یہ بھی لکھ مارا کہ لالہ خوشحال چند کا اخبار اور ہندو مسلم اتحاد کا مقصد متضاد باتیں ہیں۔

”ہم بھی سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے موجودہ رویہ کو دیکھا جائے۔ ان کی میلان طبع کو ملاحظہ کیا جائے اور ان کی جب الوطنی کھانگرہ لیا جائے تو کہنا پڑتا ہے ان حالات میں واقعی ہندو مسلم اتحاد ایک خواب نظر آتا ہے۔ ہم اس ہندو مسلم اتحاد کے حق میں نہیں جو آشورہ اور قسطنطنیہ کے فائدہ کے لئے ہوتی ہیں تنگ دل کہہ لو یا فرار خذل۔ لیکن حقیقت کو پوشیدہ نہیں رکھا جاسکتا کہ ہندو مسلم اتحاد ہندوستان کی بہتری اور بھلائی کے لئے کیا گیا تھا نہ کہ ترکی اور افغانستان کے لئے۔ ایک سچا محب وطن تنگ دل بھی ہوتا ہے اسے اپنی پیاری مائتری بھئی کے سوا اسے باقی کل دنیا اندھ نظر آتی ہے اپنے وطن کی مٹی اس کے لئے اکسیر ہوتی ہے اور اپنے وطن کے کانٹے اس کے لئے نرم و نازک پنکھڑ پور والے شگفتہ پھول ہوتے ہیں اور جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کے وطن میں رہنے والے دوسرے لوگ جو اپنے آپ کو بھی ہندوستانی کہتے ہیں۔ اپنے دل و دماغ اپنی قوت سب کچھ وطن سے باہر والوں کے پاس بیچ چکے ہیں تو اس کے دل پر ایک گہری چوٹ لگتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ شیر ممالک ہر سال کروڑوں روپیہ تجارت کے ذریعے باہر لے جاتے ہیں اور بھارت کو دن بدن کنگال کرتے

جاتے ہیں۔ اس اندھا دھند تجارت کے خلاف جو ہمارے امکان میں ہو کر گزرنا چاہئے لیکن وہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہندوستان کا گڑھے پیسے کی کافی کاروبار مغرب کے نام پر عرب مصر اور ترکی میں یا انگورہ اور قسطنطنیہ میں ہر سال لاکھوں کی تعداد میں چلا جائے اور کسی ہندوستانی کے دل پر چوٹ نہ لگے یہ کیسے ممکن ہے اگر یورپ والے تجارت کے نام سے ہندوستان کو کنکال بنارہے ہیں تو یہ اپنے ہی وطن والے اپنے آپ کو ہندوستانی کہنے والے بھارت کے میٹھے پانی پینے والے اور اس کے تنگ پر پردریش بانے والے مغرب کے نام سے دھڑا دھڑا روپیہ ہندوستان سے باہر نکال رہے ہیں۔ خیر اسے چھوڑو!

ذرا مسلمان بھائیوں کے دل کی حالت دیکھی جائے۔ تجارت کے گن گاتے ہیں۔ نہ گنگا جمن کی روانیاں انہیں پسند ہیں نہ ہالیوڈ کی برفانی چوٹیاں انہیں ٹھنڈک پہنچا سکتی ہیں نہ یہاں کے ہشتی میوے اور بھل کچھول انہیں لبھا سکتے ہیں۔ ان کے اندر سے آواز نکلتی ہے تو عرب کے ریگستان کی۔ کوئی صدا اٹھتی ہے تو وہ اسی جگہ گلیوں کی سیر کرنے کی حسرت بھری نگاہوں سے دن گزار رہے جاتے ہیں کہ کب انگورہ اور قسطنطنیہ پہنچیں ان کے اشعار دیکھ لیجئے ان کے گیتوں کو ملاحظہ کیجئے۔ ان کے اخبارات کے نام دیکھ لیجئے کوئی مزید ہے کوئی انگورہ ہے کوئی خلافت ہے اور کوئی افغان ہے۔ بتلاؤ ایسے دل کے مالک ہندوستان میں رہ کر کبھی ہندوستانی بن سکتے ہیں۔ شاعر لکھتا ہے

غربت میں ہیں مگر چہ رہتا ہے دل وطن میں

سمجھو دین میں ہمیں بھی دل ہے جہاں ہمارا۔

غضب تو یہ ہے ہمارے مسلمان بھائیوں کا ترکی اور عرب کے ریگستانوں میں اتنا دل بھنگ چکا ہے اگر وہاں سے ذرا سی آواز آجائے کہ روپیہ کی ضرورت ہے تو پانی کی طرح روپیہ بہا دیا جاتا ہے۔ ہندوستان سے انکوڑا تک ابھی سے قسطنطنیہ تک ایک دو پھری کھودی جاتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اگر ہندوستان ہی کے مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس وقت دل منجمد ہو جاتا ہے۔ ابھی کالا بار کے اندر جب مسلمانوں کی طرف سے یہ خبر شائع ہوئی کہ مسلمانوں کے امداد کے روپیے کی ضرورت ہے تو بہت کم اس کی طرف توجہ دی گئی۔ یہ حالات اس بات سے گواہ ہیں کہ مسلمان کی مددنی، انگوری، عربی، خراسانی اپنے آپ کو سمجھتے ہیں اور جب تک اس سمجھ کو بدل نہیں دیا جاتا تب تک سات کروڑ مسلمان ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی غیر ہندوستانی بنے رہیں گے۔

میں کسی کی نیت پر شبہ نہیں کر سکتا۔ خورشید صاحب نے بیک وقت یہی سہم یہ طریقہ ہندو مسلم اتحاد کیلئے سوچا ہو گا اور اسی جذبہ سے یہ آریٹھا لکھا ہو گا لیکن ان کا یہ طریقہ اور ڈھنگ مسلمانوں کے لئے باعث کشش نہیں بلکہ باعث نفرت بنا ہو گا۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی اہمیت کو جس انداز سے کھٹایا گیا ہے ایسی صورت میں مسلمانوں کی توقع کرنا کہ وہ ایسے خیالات والے لوگوں سے اتحاد کرے گا۔ قطعاً ناممکن ہے ایسے خیالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی تقسیم ہو گیا۔

ملاپ اخبار کے ایڈیٹر دہلی کٹر ہندو تھے۔ پالیسی بھی ان کی اسی قسم کی تھی اس کو قوم پرستانہ کہہ دیجئے یا ہندوانہم میں ڈوبی ہوئی فزیرتا کہہ دیجئے۔ یہ بات حقیقت ہے۔ ملاپ نے اس کے بانی اور ایڈیٹروں نے ملک کی آزادی کی حمایت میں نمایا حصہ لیا اور ملاپ نے ملک کی آزادی کا جمالیست

آرمیکلز بھی لکھ اور اپنے آپ کو آزادی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس میں دو رائے نہیں ہو سکتیں۔

مہاشے خوشحال خورسند کو بطور ایڈیٹر ملا پمین مرتبہ گرفتاری دینی پڑی گرفتاری کی وجہ بھی بڑی دلچسپ تھی۔ ان کی پہلی گرفتاری کا تعلق ملا پمین مطبوعہ کارٹون سے تھا۔ یہ کارٹون اس وقت چھپا تھا جب شہید بھگت سنگھ کے کیس کی سماعت کے بعد ان کو اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی کی سزا دی گئی تھی۔ اس کارٹون میں کرسی عدالت پر بیٹھے جج کے کان میں جلدھر شہید بھگت سنگھ راج گورو اور سکھ دیوتھ کے جیسے کیل ٹھونکا ہوا دیکھا جا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جو بیان بھگت سنگھ جی دے رہے ہیں اسے وہ سنا نہیں رہا ہے دے رہے کان کی طرف انگریز کھڑے تھے جن کو سن کر جج اپنا فیصلہ نکال رہا تھا۔ یہ کارٹون اس وقت کے انگریز سرکار کے انصاف کی ایک منہ بولتی تصویر تھی۔

دوسرے مقدمہ کا تعلق ایک دلچسپ ڈرامہ کی اشاعت تھی۔ ملا پمین ایک ہسپتال کے متعلق کوئی خبر آئی۔ ایڈیٹر نے اسے ایک ڈرامہ کا روپ دے کر چھاپ دیا۔ اس ڈرامہ میں ایک سین دیکھا یا گیا تھا کہ ایک انگریز بیمار ہسپتال میں داخل ہونے کے لئے آتا ہے اس ہسپتال میں کوئی چارپائی خالی نہ تھی انگریز مریض کے لئے چارپائی خالی کرنے کے لئے ایک ہندوستانی مریض کو فوراً ہی زہر کا ٹیکہ لگا کر رہی ملک عدم کر دیا گیا اور وہ چارپائی خالی کر کے ابتر لگا کر انگریز بیمار کو اس پر لٹا دیا گیا یہ ڈرامہ تھا تو بہت مختصر مگر جتنا کہ جذبات انگریزوں کے خلاف بھڑکانے والا تھا اس لئے فوراً سنڈجی کو ملا پم کے دفتر سے اٹھا کر سسٹرل جیل میں بند کر دیا گیا۔

تیسرا مقدمہ جو شری خوش حال چند جی کو بھگتنا پڑا۔ وہ کہہ اس نوعیت کا تھا کہ ملاپ میں چھپے کہہ لیڈنگ آرٹیکل جو صبح معنی میں عوام کی ترجیحانی کرنے تھے فراہم کئے گئے اور انہیں لے کر ہوم ڈیپارٹمنٹ نے فیصلہ کر دیا کہ خوش حال چند خورسند ملاپ کے اخبار کے ذریعے انگریزوں کے کار کے خلاف نکتہ تار بغاوت پھیلانے کا کام کر رہا ہے۔ اس لئے اس پر مقدمہ چلایا جائے۔

آجاریہ پر تھوئی سنگھ آزاد ایم ایل اے اپنے ایک معتمد ملاپ دہلی مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۳۸ء میں شری خوشحال چند جی خورسند کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”شری خوش حال چند جی خورسند نے جہاں ایک اخبار نویس کے نام سے دیش سوا کی خدمت میں شہرت حاصل کی وہاں دھارمک اور سماجک سوا کے میدان میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے آریہ سماج میں ان کا اپنا خاص مقام رہا ہے مولانا تحریک ہویا تعمیر کی مسلم کانفرنس کا انہوں نے خلاف انہوں نے شری خوشحال چند جی ہمیشہ سب سے آگے رہے اور جب ۱۹۳۸ء میں حیدر آباد دکن میں نظام شاہی کے خلاف سنیہ گروہ شروع ہوا تو اس میں بھی انہوں نے آریہ سماج کی چلائی ہوئی تحریک کی رہنمائی ہی نہیں بلکہ تیسرے ڈکٹیٹر بن کر اپنی گرفتاری دی اور حیدر آباد کے نظام کی کال کو ٹھہری میں بکندہ پیشانی مصائب جھیلنے رہے۔“

”۱۹۳۸ء سے لے کر آج تک ملاپ ملک کے لئے جی جان ایک کرتا ہوا آیا، کیونکہ ملاپ کوئی بے جان کاغذ کا ٹکڑا نہیں ہے بلکہ ایک جیتا جاگتا انسان رہے۔ جس میں خدمت کا عشق ہی خون میں دوڑ رہا ہے اس میں ملک و ملت سانس بن کر زندگی دیتی ہے۔ پڑھنے والوں کی تعریف و توصیف اس کے مانگیں ہیں جو اسے آگے چلا رہی ہیں اس کے ایجنٹ اور ہاکر اس کے کان ہیں

جو اس کے بارے میں سن کر اس کو خردخت کرتے ہیں اور ملاپ میں کام کرنے والے مالک سے لے کر چیر اسی تک ایک ساتھ اس کا دل ہے جو لگاتار دھڑک رہا اس سلسلہ کو جاری رکھا ہے جب ملک آزادی کا جنگ لڑ رہا تھا تو ملاپ نے بھی اپنی آواز ان ظلموں کے خلاف اٹھائی جس کی وجہ سے ہندوستان کا دم گھٹا جا رہا تھا اس کے لئے جیل ہوئی جیل کی مشقتیں برداست کیں لیکن صرف آزادی ہی ملاپ کا ایک نصب العین نہ تھا وہ شروع سے لوگوں میں ایکتا کی اہمیت دیتا رہا۔ مگر فرقہ پرست زبردنگ ہیں۔

ملاپ کو شروع کرتے ہی خوش حال چند جی نے ایک اصول اپنا یا کہ خود چاہے کتنی ہی تنگی میں گزارہ کرنا پڑے ملاپ میں کام کرنے والوں کی تنخواہیں ٹھیک وقت پر ادا ہونی چاہیے اور کسی بھی آدمی کو اگر روپیہ دینا ہو تو ٹھیک اس تاریخ کو دینا چاہیے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ زندگی بھر انہوں نے کسی وقت بھی اپنے اصول کو بدلنے نہیں دیا۔ ایک بار انہوں نے اپنے صاحبزادے رنبیر سے کہا دیکھو اگر کبھی بھوکے رہ کر بھی گزارہ کرنا پڑے تو کر لینا مگر ملاپ سے تب تک کوئی پیسہ نہ لینا جب تک ملازموں کو ان کی تنخواہ نہ مل جائے اور آزادی کو جس کا روپیہ دینا ہے اس کا روپیہ واپس نہ کر دیا جائے۔ ان کے اصول آہستہ آہستہ جیسے ان کی عادت بن گئی تھی۔

رنبیر جی اپنے ایک مضمون میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ ایک دن ہمارے گھر میں گھی نہیں تھا۔ ماما جی نے مجھ سے کہا کہ اپنے پتا جی سے کہو گھر میں گھی نہیں ہے میرے پاس روپے نہیں ہیں مہینہ کا آخر آگیا ہے کچھ روپے

۱۹۴۷ء ملاپ دہلی۔

دے دیں تاکہ ملگوالوں۔ ملاپ کے شروع کرنے کے بعد دوسرے برس کی بات ہے۔ میں پناجی کے پاس گیا۔ انہیں ماتاجی کا پیغام پہنچایا اس وقت ڈاکیہ کہنے ہی مٹی آؤر دیکھتا جی سے دستخط کرانے کے بعد ان کا روپیہ گن کر انہیں دے دیا تھا پناجی روپے سمیت ہوئے بولے اپنی ماں سے کہو کہ ابھی روپیہ نہیں ہے۔ گھی کے بغیر کام چلائے میں نے حیرت سے کہا لیکن روپیہ تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ ہمارا نہیں، لیکن ملاپ کا روپیہ ہے جب تک کام کرنے والوں کا تنخواہ نہ مل جائے اور جن کا دنا نہ ہے ان کو دسے نہ دیا جائے تب تک اس کا طرف دیکھنا بھی نہیں۔

جلاں پور جٹاں ضلع، گجرات پاکستان میں ایک
شری خوشحال خید نور سند
 قصبہ ہے جس میں ہندوؤں کی ایک عورت کی نقل وہاں کے لوگ اسی لیے کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اس گدی کی اس قصبہ میں ہی نہیں بلکہ سارے علاقہ میں عزت، تعلق گوی کے آخری گوی نشین مہنت بابا تخت مل جی تھے جن کی پیدائش سوری خاندان میں ہوئی۔ اس گدی کے کسی بزرگ کو گورو۔۔۔ براس کو پنجاب میں اکثر بابا اور داس سے پکارتے ہیں۔ کاشیر داد حاصل ہوا جس کے بعد وہ بزرگ انسان نہ رہا اس جی کی طرح ایک ہوئے ہوئے مجذوب فقیر کے رتبہ تک پہنچ گئے ان کی موت کے بعد ان کے عقیدت مندوں نے اسی اسم کی گدی سنبھال لی۔ جس طرح گورو پیدائش ہوئی اس طرح کاموں میں لگے اسی جلاں پور جٹاں کے اسی اسم کی گدی کے عقیدت مند سماج سما میں منہک ہو گئے۔

اس گدی کے مہنت بابا تخت مل ایک مست فقیر تھے۔ ان کے صاحبزادے کا نام گنیش داس جی تھا۔ گنیش داس جی اردو اور فارسی کے اچھے عالم تھے۔ ملاپ

علی کے زمانہ میں ان پر عیسائیوں کے ساتھ رہنے سے کچھ ایسا رنگ عیاں ہوا
 کا چرٹہ گیا تھا۔ کہ انہوں نے مہنت با باحت مل جی کے موت کے بعد اس گوری
 کا مہنت ہونے کے بجائے عیسائیوں میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ لوگوں نے
 بہت سمجھایا کہ لام راسیہ گوری کے مہنت دوسروں کو بھیج راستہ دیکھلاتے ہیں
 تم بھی اسی راستہ پر چل کر یہ کا انعام دو مگر گنیش داس جی۔ پر عیسائیت کا
 دعوت کچھ اس طرح سوار ہو چکا تھا۔ کہ انہوں نے کسی کی بھی بات نہیں مانی اور
 سیدھے گجرات کے گرجا میں پہنچ گئے۔ گجرات کے گرجا کا بارڈا ایک انگریز تھا۔ اس نے
 گنیش جی کو اپنے بنڈل میں بٹھرایا اور ۱۱ سے کہا اتوار کے روز تمکو یہاں مڑہا
 میں داخل کروں گا۔ عیسائی بننے کی بات سے گنیش داس جی بہت خوش تھے۔
 اس خوشی میں وہ شام کو گجرات کی سیر کرنے کے لئے نکل گئے۔

اتفاق کی بات ہے جس عیسائی کتاب سے مناش ہو کر گنیش داس جی
 عیسائی مذہب کی طرف مائل ہوئے تھے سو وہی دیانند جی اسی کتاب کے خلاف
 ایک بازار میں تقریر کر رہے تھے۔ یہ ان کی تقریر سننے کے لئے کھڑے ہو گئے
 انہوں نے پوری تقریر سنی تو عیسائی مذہب سے نفرت ہو گئی اور اپنے وطن
 جلال پور جٹھان پور نیچے، آریہا کے پرجادک بن گئے اور مہاشے کے نام سے
 پوکار پانے لگے یہ مہاشے گنیش داس جی سری خوش حال چند خور سنو کے والد ماجد تھے۔
 سری خوش حال چند ۱۸۸۳ء کو جلال پور جٹان گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ
 نے فارسی مولوی عنایت اللہ صاحب سے مسجد میں پڑھی۔ ورنہ یہ کے انتقال
 کے بعد جلال پور جٹان میں ایک اسکول قائم ہو گیا تھا۔ آپ نے اس میں داخل کیا
 اس میں انٹرنس پاس کیا۔ اس اسکول میں اردو ہندو اور انگریزی پڑھی۔ سابع
 لے تک تعلیم پائی۔ ریوے میں ملازم ہو گئے۔ اس کے بعد جرابے اور بنیان

بننے کا کام شروع کیا۔ ۲۵ مہینوں سے اپنا کاجلاتے تھے کہ آپ ایک آریہ سماج کے جلسہ میں پہنچ گئے۔ وہاں مہاتما ہنسراج بھی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کی تقریر نوٹ کی اور صبح کو صاف کر کے ان کو پیش کی اور کہا آپ اسے دیکھ لیں یا سس لین تاکہ پھر اسے پریس کو بھیج دیا جائے۔ مہاتما جی نے غور فرمایا تقریر سن کر معلوم کیا کہ کیا تم سارٹ ہنڈ جانتے ہو۔ انہوں نے انکار کیا۔ پھر پوچھا کس کے لئے ہے ہوائے میں ان کے والد بھی آگئے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو مہاتما جی نے ان سے پوچھا اسے کس کام پر لگایا ہے۔ والد کے والد نے جواب دیا جرابیں اور بنیان بننے کی ۲۵ مہینیں لگادی ہیں۔ یہ ان پر کام کرتا ہے۔ مہاتما جی نے کہا یہ اسکی قابل نہیں ہے۔ آپ کے والد نے کہا آپ جس کام پر کہیں اس پر لگادوں۔ مہاتما جی نے کہا اچھا میں لاہور جا کر خط لکھوں گا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد مہاتما جی کا کارڈ آیا۔ خوشحال چند کو لاہور بھیج دو۔ آپ لاہور بھیجیے تو انہوں نے ہفتہ وار آریہ گزٹ میں سب ایڈیٹر مقرر کر دیا۔ اس وقت آریہ گزٹ کے ایڈیٹر لالہ رام پرشاد جی اسے تھے۔

خوردسند صاحب کو شاعری کا شوق اسکول کے زمانہ سے شروع ہو گیا تھا۔ آپ اپنے دوستوں سے اپنے اس شاعری کے ذوق و شوق کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ شوق اسکول کے زمانہ ہی سے تھا۔ میں نظمیں اور کہانیاں لکھتا تھا۔ پہلے اپنے اسکول کے ساتھیوں کو سنایا کرتا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہوئے کہ بعد حمد و ہر دس کے لوگوں اور دوستوں کو سناتا رہتا تھا۔ مگر وہ چھپنے کے لئے کبھی نہیں بھیجیں۔ اسکول میں ایک مرتبہ ہمارے فارسی کے ماسٹر کا کارام جی نے نظم کا مقابلہ کرایا تھا۔ میرا خلص خوردسند انہوں نے جو یہ کیا تھا میری غزل کا مقطع یہ تھا۔

۵

بھلا خورشید کے دل بند میں بنو کیا لکھوں پریشاں لفظ ہے ہر بند میں نہ ہر بند پریشاں ہے
 اس وقت خورشید صاحب کی نحوڑہ تیس روپے ماہوار تھی۔ یہ وہ زمانہ
 تھا جب در روپے من گیبوں کا آٹا اور ایک روپے کا دوسرا اصل گھی درخت
 ہوتا تھا خورشید صاحب آر یہ گزٹ کے نائب ایڈیٹر ہونے کے بعد ایڈیٹر ہو گئے
 اسی دوران لارڈ لاچپٹ لائے جی نے بندے ماترم جاری کیا۔ انہوں نے خورشید
 صاحب سے کہا تم بندے ماترم میں آ جاؤ۔ خورشید صاحب نے ان کو جواب دیا
 مہاتما ہنس راج فوجکو آر یہ گزٹ میں لائے تھے۔ میں ان سے مشورہ کر لوں۔
 انہوں نے مہاتما جی سے اس بات کا ذکر کیا تو مہاتما جی بولے تم اپنا اخبار کیوں نہیں
 نکالتے۔ بیساکھی کے دن لاپ جاری ہوا جب پہلا پرچہ چھپا تو طرح طرح کی باتیں
 نکلیں کچھ لوگوں نے کہا خود مسند پاگل ہو گیا ہے روزانہ اخبار نکالنا
 ٹھٹھا غول سمجھا ہے کسی نے کہا آٹے ڈال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا غرض شک متی
 منرانی ہی باتیں لالہ دینا ناتھ جو ان دنوں ہنرستان ہفتہ وار نکالتے تھے۔ انہوں
 نے خورشید صاحب سے کہا اوسے یہ تو نے کیا کیا ہے کیسے چلائے گا۔ خورشید صاحب
 نے جواب دیا بھگوان کے بھروسے پر نکالا ہے اور چلاؤں گا۔ چنانچہ خورشید
 صاحب نے بڑی جان توڑ محنت کی۔ رات کو تین بجے اٹھتے تھے اور اگلے دن رات
 کو بارہ بجے سوتے اور رات تین بجے آرام کر کے اٹھ جاتے تھے۔

توڑ سنو جی نے بنا یا لاپ پر پہلا وار اس کے ایڈیٹر بل بھارتا کے
 خاموش سپاہی پر ہوا تھا۔ سرکار نے مقدمہ قائم کیا۔ اس میں نو ماہ قید کا حکم ہوا
 تھا لیکن جیل میں صرف نو دن رہا۔ اپیل پر شری مہر چند مہاچن نے جو بعد میں کسٹوڈین
 جیل مقرر ہوئے تھے یہ حکم دیکر رہا کر دیا تھا کہ جتنے دن جیل میں گزر گئے ہیں وہ
 کافی ہیں۔ جیل میں ان کو نوڑ بننے کی مشقت ملی تھی جس پر انہوں نے ایک نظم

لکھی تھی۔ دوسرے مقدمہ کے بارے میں خورشید صاحب نے یہ الگ کفایا۔
 دوسرے مقدمہ خان عبدالغفار سے متعلق تھا۔ جو خان عبدالغفار صاحب کی
 ایک خبر شائع ہونے پر سرکار نے دائر کیا تھا۔ خان عبدالغفار صاحب کی خبر فری
 پریس کی انٹریا کی تھی۔ اس میں کئی ایڈیٹر گرفتار ہوئے تھے۔

باغیانہ لیڈر پیکر کے سلسلہ میں ملاپ کی کئی بار تلاشیاں ہوئیں۔ اس زمانہ میں
 سان فرانسسکو سے غور ہارٹی کا لیڈر پیکر آتا تھا اور خری خوشحال چند جی اس کو ملاپ
 میں بھاپتے تھے۔ دوسرے پنڈت سندھ لال جی کی کتاب بھارت میں انگریزی راج تو
 اور د میں چھپی تھی۔ خوشحال چند جی کے پاس آئی ہوئی تھی۔ آپ اس کو چپکے چپکے
 تقسیم کر کے پڑھواتے تھے۔ یہ کتاب خلاف قانون قرار دیکر ضبط کی جا چکی تھی۔
 اس لئے پولیس اس کی تلاش میں تھی کہ وہ کس کے پاس ہے ایک دن تو ملاپ
 کی پورے دن تلاشی جاری رہی۔

خوشحال چند جی سے اپنے معاصرین سے نوک جھونک رہی تھی۔ ان کی آراء یہ
 گزرتے۔ کہ زمانہ میں مہاشہ کرشن جس زمانہ میں پرکاش نکالتے تھے نوک جھونک
 رہی۔ یہ دونوں مہاشے شام کو ملتے تھے۔ آپس میں مشورہ سے ایک دوسرے
 مخالفت میں لکھا جاتا تھا بقول سبزی خوش حال چند۔

”ہم عام طور پر شام کو ملتے تھے کبھی میں ان سے کہتا اور سمجھتا وہ مجھ سے
 کہ تم یہ لکھو اور میں یہ جواب دوں گا۔ تو یہ اشاعت برصغیر کی نوک جھونک
 ہوتی تھی۔ مولانا ظفر علی خان سے بھی نوک جھونک رہتی تھی لیکن ان کے ساتھ
 بھی براہر ملنا جلنا اور اٹھنا بیٹھنا تھا۔“

شری خوشحال چندرجی نے ملاپ کے کافی نمبر، ہولی نمبر، دیوالی نمبر، شہیری نمبر نکالے لیکن ایک ماٹھا نمبر پہاڑ نمبر بھی نکالا تھا۔ اس میں ہندوستان کے تمام پہاڑوں کا ذکر اور دلچسپ معلومات تھی۔ یہ بہت مقبول ہوا تھا۔

ہم اپنے خوشحال چندرجی کی طبیعت سنیاں کی طرف مائل تھی۔ آپ نے باقاعدہ سنیاں تو ایک دسمبر ۱۹۳۷ء کو لیا تھا۔ جس کو آپ نے کافی عرصے پہلے تیاری کی تھی۔ آپ ہر سال میں دو ماہ کے لئے اکیاس واس لیتے تھے یعنی نو نمبر گمنامی میں جا بیٹھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو دنیا مافیہا سے الگ تھلگ کر لیتے تھے۔ اور کسی کوئی رابطہ و تعلق نہیں رکھتے تھے۔ کسی جنگل میں جا بیٹھتے تھے۔ کسی سے بولنا چاہنا کچھ نہیں ہوتا تھا۔

شری خوشحال چندرجی ۲۸ برس سنیاں ہی رہے۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ان کا انتقال ہوا۔

دسمبر ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ وہ شری سے دلش بھگتی کے بچاری تھے۔ ایک دور تھا جب رنیرجی بھگوان کو نہیں مانتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے یہ بات اپنے چھوٹے بھائی کو کہی کہ میں روز دیکھتا ہوں کہ تم نیم کی پوجا کرتے ہو تو کیا بولتا ہے مجھے معلوم نہیں۔ رہی رنیرجو بھگوان کی بھگتی کے بارے میں پوچھتا تھا آگے چل کر ایسا شخص بنا جس نے اپنے مضامین پر بھگتی کا ایک سا اثر جمع کر دیا۔

رنیرجی ایک انقلابی انسان تھے انقلابی تحریکوں میں انہوں نے حصہ لیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب پنجاب کے گورنر کو گولی سے اڑا دیئے کا فیصلہ کیا گیا تو اس سلسلہ اسٹیم کو کامیاب کرنے کی ذمہ داری رنیرجی پر ڈالی گئی تھی۔ رنیرجی نے اس اسٹیم

کو سب چڑھانے کے لئے جس پریشیاری ہے کام لیا۔ وہ ان کا ہی حصہ تھا۔ پنجاب کے گورنر پرگولی چلانے کی ڈیوٹی کا مریض سر کی کشن کی لگائی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں سرکار نے دو مقدمہ چلائے ایک مقدمہ کا مریض ہیکشن پر چلا گیا۔ جس میں عدالت نے انہیں بھانسی کی سزا دی۔ دوسرے مقدمہ رنیر جین للل مروان اور درگاداس کھنہ ایڈووکیٹ سابق پیرمین پنجاب کو نسل پرست لڑکے تھیں تینوں کو بھی بھانسی کی سزا ہوئی تھی جب اس سزا کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی تو ان تینوں کو بری کر دیا گیا۔ اس طرح رنیر جی بھانسی سے بچ گئے مگر انگریز سرکار نے ۱۸۸۰ء کے قانون کے تحت دھر لیا اور گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ اس طرح رنیر جی دو سال تک جیل میں شاہی قیود کی حیثیت سے رہے جیل سے رہا ہونے کے بعد رنیر جی نے اپنا زمانہ وقت ملاپ کے ذریعہ قریب آزادی کو تقویت دینے میں لگا لیا جب وہ پنجاب سے واپس آئے پنجاب کی طرح سماجی حرکات بجالاتے رہے۔ جس طرح وہ پنجاب میں رہتے ہوئے حرمت کرتے تھے۔

رنیر جی کا ہندوستانی اخبار نویس بھی بنا ایک مقام تھا۔ ان کا نظریہ بھی قومیت کا پرچار کر کے سماج وادی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والا تھا۔ وہ کسی تنظیم کے ممبر نہ ہوتے تھے بھی اپنے مضمون اس ڈھنگ سے لکھتے تھے کہ سماج وادی طاقتوں کو طاقت ملے اور خاص طور پر کانگریس کے لئے لکھتے تھے تاکہ وہ ترقی پسندانہ پالیسیوں کو عوام کی بہتری کے لئے ٹھیک ڈھنگ سے چلا سکے۔ رنیر جی اور بودھ یہ تین بھائی ہوئے۔ یہ تینوں بھائی ملاپ خاندان کے درخشنہ ستارے ہیں۔ رنیر جی کے بیش جاننہ سر سے اور بودھ ویر جید آباد دکن سے روزانہ ملاپ شائع کرتے ہیں۔ رنیر جی کی زندگی میں اتنا چڑھاؤ آئے انہوں نے طبعی بھی دیکھی تھی اور امیری کی لذت بھی حاصل کی تھی۔ انہوں نے وہ وقت بھی دیکھا تھا جب موت ہر

اتصال سے کافی برس پہلے رنبرجی کو سگریٹ پینے کی عادت تھی یہ عادت اتنی بڑھ چکی تھی اور پکائی ہو چکی تھی کہ وہ بنا سگریٹ ہاتھ میں نہ لکھ نہیں سکتے تھے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گئے تو ادم جی ان کی دوائی سے کمرہ میں داخل ہوئے۔ رنبرجی کچھ کمزور سے معلوم ہوئے ادم جی نے دوا سرانے کے پاس رکھتے ہوئے بھائی صاحب اگر آپ سگریٹ چھوڑ کر نوکٹا اچھا ہو سارا خاندان اس سے خوش ہو جائے گا۔ بھائی جی تو بہت ہی خوش ہوں گے۔ رنبرجی نے کچھ نہیں کہا۔ وقت گزر گئے وہ تندرست ہو گئے روزانہ کی طرح کام کرنے لگے۔ ایک دن وہ کمرہ میں لکھ رہے تھے تو ادم جی ان سے کچھ پوچھنے لگے ہاتھ میں قلم تو پکڑی ہوئی تھی لیکن لکھ نہیں تھا۔ ادم جی یہ دیکھ کر حیران ہوئے اور سگریٹ چھوڑنے کی وجہ پوچھنے لگی تو رنبرجی نے جواب دیا تو نے ہی تو کہا تھا کہ سارا خاندان خوش ہو جائے گا۔ اب حیران کیا ہو رہا ہے خوش ہو۔ انہوں نے برسوں سے لگی عادت ایک دن میں چھوڑ دی یہ ایک عظیم انسان ہی کر سکتا ہے عام آدمی نہیں کی بات نہیں ہے۔

رنبرجی صاحب نے چاہتی ہے کہ رنبرجی کی اس قسم کی باتیں جھکو معلوم ہو رہیں اور میں ان کو لکھتا جاؤں۔ بھلے آدمی کی بھلی باتیں اور بھلی عادتیں۔ اچھی لگتی ہیں لیکن آخر انسان ہے اچھا ایموں پر تا کچھ غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔

انجمن زندگی کی رن بھومی کا ور رنبرجی از نوین ملاپ دہلی ۱۳ مارچ ۱۹۸۳ء

مذکورہ کی امر جنسی میں کافی وہ لوگ جو کانگریس کے خلاف تھے نظر
 بند کر دئے گئے تھے اس زمانہ میں اس نظر بندوں کے خلاف بہت سے
 ب. آر. ٹیکال طالب میں لکھے گئے اور رلیک الزامات لگانے لگے جو انگریزی
 جیسے مشہور صحافی کو زیب نہیں دیتے۔ یہ آئینہ کھل جس نے اور میرٹ ساقی
 نے ایسا لہجہ میں پڑے تھے جب بھی ان کا خیال آتا ہے دکھ اور آفسوس ہونا
 نہیں رہتا۔ اچھا نیکوں کی تعداد زیادہ ہے یہ غلطی لکھنا ان کی اچھا ہوں میں
 رہا نہ ہوگی۔ میں اس غلطی پر اپنی معافی کا اظہار کرتا ہوں اور مجھے اس پر یہ کہ
 مرے ساتھیوں نے معاف کر دیا ہوگا۔

موت ہر فرد بشر کو آتی ہے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا اس لئے وہ فخر
 ۱۹۸۳ء کو رنجی کا دیہی میں انتقال ہوا۔ ان کی اسی کے ساتھ لافانہ
 نگہ بردگھاٹ گئے تھے۔

جو دھری پٹنوسویں صدی کے آغاز سے چند
 مہینے پہلے کج و زوستان میں ایک چھوٹے
 زمین دار جو دھری ہر گولہ جی کے گھر میں

جو دھری گوری نکر ساگر

پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ کاشتکاری تھا۔ قصبہ کے اسکول میں تعلیم پائی اسکول
 کا آخری امتحان پاس کرنے کے بعد بریج معاش کی خیر ہوئی۔ لمبا قند بھرا ہوا
 جسم فوج میں ملازمت اختیار کی رسالہ میں بھرتی ہوئے لیکن کچھ ہی عرصہ کے
 بعد فوج کی ملازمت چھوڑ دی اور لاہور پہنچ کر اخبار نویس کے میدان میں کود
 پڑے بطور جرنلسٹ اپنی زندگی کا آغاز لالہ لاجپت رائے کے اخبار نرس
 ماہرم سے کیا جہاں کھنہ مشق اخبار نویس منشی رام راجپال سنگھ مشد کام
 کر رہے تھے۔ آج اخبار نویس کا درس لیا۔ پہلے پوٹری کی پھرا پوٹری کی

لائسنس نہ آئے۔ ۱۳ اپریل کو درخواست عرض حال چند کی زیر اداوت روانہ طلبہ پرید سے جاری ہوا۔ عد براہی کا منصب سونپا گیا اور طلبہ کے ایڈیٹر بن گئے اس سلسلے میں جیل بھی گئے۔ برسوں میں کام کو خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ آخر اسی منصب پر ریٹائر ہوئے۔ ریٹائر ہونے کے سال ڈیڑھ سال کے بعد چودھری صاحب پھر طلبہ میں آئے۔ اس وقت ان کو سنڈے ایڈیشن کا اچھا راج بنایا گیا۔ اس میدان میں چودھری صاحب نے بہت سی یادگاری نادیہ و ناخشیدہ لکھاریاں اور رحمت طرازیاں کیں۔ آخر اسی حیثیت میں دہلی جیل کی لٹیک کہا چودھری صاحب صحیح معنوں میں کامیاب ایڈیٹر تھے۔ دن رات اخبار اٹھارہ گھنٹے کام کرنا ان کا معمول تھا مانتوں سے اکثر کہا کرتے تھے اخبار کا دفتر سرکاری دفتر نہیں ہے عوام کی خدمت کا ادارہ ہے جس کسی کی سرکاری دہار میں شجوائی نہیں ہوتی وہ تنگ کر اخبار کے دفتر میں آتا ہے۔ کامیاب ایڈیٹر وہ ہے جو چاہے اپنی مرضی کے مطابق کام کرے لیکن سنے سب کی شاکہ کو مطمئن کے بغیر بھیجنا ادا اب کے خلاف ہے۔

دلی کی بات ہے سناتن دھرم پر پی نرہی سبھا کے ایک پرمہارک کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ وہ شخص غصے سے نڑھال طلبہ کے دفتر میں آیا۔ اور ایک لمبا چوڑا مراسلہ اشاعت کے لئے چودھری صاحب کو دیا۔ مراسلہ کیا تھا سناتن دھرم پر پی نرہی سبھا کے کارپردازان اعلیٰ کی شان میں طبع طرح کی گستاخیاں اور ایک پندہ تھا۔ اس شخص کے معلوم کرنے پر کیا یہ مراسلہ شائع ہو جائے گا چودھری صاحب کا ایک ہی جواب تھا جلد شائع ہو جائے گا مگر وہ مراسلہ ناقابل اشاعت تھا۔ مراسلہ نگار ہر میسرے چوتھے روز آتا اور ہر چھتا ہر مراسلہ کب شائع ہو گا چودھری صاحب اپنا جواب دہرا دیا کرتے تھے۔ مہینہ ڈیڑھ

مہینہ گزر گیا۔ ایک دن وہ شخص بھڑ آیا اور اپنا پرانا سوال پوچھا اس وقت میلاد رام ماہر دفتر میں بیٹھتے تھے چودھری صاحب نے وہ مراسلہ ماہر صاحب کو دے دیا انہوں نے پڑھ کر کہا چودھری صاحب یہ تو ناقابل اشاعت ہے چودھری صاحب نے بھی یہی بات مراسلہ نگار سے کہی۔ وہ سخت جوش میں آیا اور کہنے لگا چودھری صاحب آپ نے مجھ سے اتنی چکر گوائے اگر یہ ناقابل اشاعت تھا تو پہلے ہی دن کہہ دیتے۔ بیشتر اس کے کہ چودھری صاحب جواب دیتے میلاد رام ماہر صاحب نے برجستہ جواب دیا اگر پہلے ہی دن یہ بات کہہ دیتے تو آج کیا کہتے۔ اس وقت دفتر قہقہوں سے گونج اٹھا اور مراسلہ نگار بھی لطف اندوز ہوا۔

چودھری صاحب اخبار نویس ہونے کے علاوہ کرکٹ کے بھی اعلیٰ پایہ کے کھلاڑی تھے۔ فاسٹ باؤلنگ میں ان کا خاص مقام تھا۔ ان کے اس کمال سے متاثر ہو کر ایک بار مہاراجہ بیپالہ نے انہیں اپنی ٹیم میں ملازمت کے لئے کہا لیکن چودھری صاحب نے کرکٹ کا پروفیشنل کھلاڑی بننے سے انکار کر دیا۔ اور اخبار نویسی ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ موجودہ کرکٹ کنٹرول بورڈ کے نائب صدر شری رام پرکاش مہرہ اور لال امر ناتھ بھی کرکٹ کے میدان میں چودھری صاحب کے ہم عصر تھے۔

چودھری گوری سکر ساگر نہایت متحمل مزاج اور بردبار تھے۔ عام فہم زبان رکھتے تھے۔ ذاتیات پر حملہ کرنے سے گریز کرتے تھے چودھری صاحب نے اپنے عہد میں ملاپ کے دوست زیادہ بنائے مخالف کم۔ ان کے ساتھیوں نے چودھری صاحب کو شاذ و نادر ہی غصہ میں دیکھا تھا۔ ان کے لباس میں سادگی اور مزاج میں رنگینی تھی۔ غضب کے بدلہ سنی تھے۔ بعض اوقات ہنسی ہنسی میں

ایسی چوٹ کرتے کہ سننے والا بھن کر رہ جاتا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ملاپ کا دفتر کنٹ پلیس دلی میں تھا۔ پنجابی کے نامور کوئی سردار بشن سنگھ آپاسک دفتر میں آنے جاتے تھے۔ ان کی ایک مشہور کوتیا کا ٹیپ کا مصرعہ ہے۔ ”پاشو جوان ہو گئی۔“ سردار آپاسک جب بھی دفتر میں آتے ہمارے ایک ساتھی انہیں چھیڑنے کے مواقع دیتے آپاشک جی پاشو جوان ہو گئی ہے۔ ۹۔ بچارے کو لاھی اس نہر خنداں کو طوطا کر پئی جانے۔ ایک دن کی بات ہے آپاسک جی دفتر میں آئے ہمارے اس ساتھی نے ان سے تین چار بار یہی سوال پوچھا۔ آپاسک صاحب چپ رہے ماسٹر ٹیک جنوری سیال ان دنوں ملاپ میں تھے اور اس وقت دفتر میں موجود تھے انہوں نے اس ساتھی کی اس ناگوار حرکت پر ناراض ہو کر اس سے کہا۔ تم بار بار یہ کیوں پوچھتے ہو کہ آپاسک جی پاشو جوان ہو گئی ہے۔ تمہیں کیا لینا دینا ہے؟ چودھری گودی شنکر جی نے فوراً کہا۔ اس نے جوٹا منسنا ہے یعنی پاشو کے بیاہ پر ماموں بن کر جوڑا دان کرنا ہے۔ اس پر خوب قہقہہ بلند ہوئے۔ مزاق کرنے والے ساتھی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ یہ تھا چودھری صاحب کی ہڈیہ سنجی کا عالم۔

ایک قابل ایڈیٹر کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ وہ جو کچھ لکھنا چاہتا ہے لکھ جائے لیکن اس کی تحریر قانون کی گرفت سے آزاد رہے۔ ٹریبونل کے اس دور کے ایڈیٹر بابو کالی ناتھ رائے کی مانند چودھری صاحب میں بھی یہ خوبی بلکہ اتم موجود تھی۔

میلارام ہائر تحریر کرتے ہیں۔ ملاپ میں آنے سے پہلے بھی چودھری صاحب سے میرے مراسم تھے۔ بات ان دنوں کی ہے جب میں ہواہ ملاپ میں شریک تھا لاہور کے ایک اور روزنامہ اخبار میں کام کرتا تھا۔ ان دنوں لاہور میں فرقہ

ولاء فسادات ہو رہے تھے۔ اہل عدول پر سنسر بیچ گیا تھا۔ ہر جہر حتیٰ کہ خبریں
 ایک سنسر سے پاس کرانا پڑتا تھا۔ میں اپنے چیف ایڈیٹر کا دیر پرایت لاہور
 کی صورت حال کے متعلق پورے صفحہ کی ایک نظم سچر قلم کی اور چیف سنسر
 کو بھیجنے سے پہلے میں نے یہ نظم اپنے دوست کو جو سنسر انکس میں کام کرتا تھا
 دکھائی۔ اس نے بڑھ کر کہا۔ یہ نظم کس طرح پاس ہو سکتی ہے؟ اس سے
 میں تو لکھا ہے کہ لاہور میں خون کی دریاں بہہ رہی ہیں بھائی کو بھائی
 قتل کر رہا ہے۔ کشتوں کے پشتے لگے ہیں وغیرہ۔ چیف ایڈیٹر کا امر ہے
 تھا کہ یہ نظم جوں کی توں سنسر سے پاس کرا لے کے بعد ضرور شائع ہونے
 چاہیے۔ اسی ادھر میں نے یہ نظم چودھری کو دکھائی۔ انہوں
 نے پڑھی اور کہا۔ شائع ہو سکتی ہے لیکن قلم کے تبدیلی کی ضرورت ہے
 چنانچہ ان کے کہنے پر میں نے نظم کا عنوان بدل کر ”اللہ والے کی صدا“ رکھ دیا
 اور اپیل کے دو شعر اور بڑھا دیے جن میں شہریوں کو تلقین کی گئی تھی کہ
 ایک ہی آپ دگل کے بیٹے ہیں امن و امان سے رہیں۔ نظم مکمل کر کے میں
 خود ہی چیف سنسر کے پاس گئے اور چودھری صاحب کے ہدایت کے مطابق
 ان سے عرض کیا کہ کسی نظم پر قانونی نظر ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس
 کے مرکزی خیال کو مد نظر رکھا جائے کہنے کی ضرورت نہیں ہے چیف سنسر نے
 نظم صفحے کے بعد اسے پاس کر دیا۔ یہ تھا چودھری صاحب کی قانون سے گہری
 واقفیت کا کرشمہ۔

چودھری صاحب فقط جرنلسٹ ہی نہیں خبرنلسٹ گزرتے تھے۔ ان کے عہد
 ادوار میں اخبار کی قلمی اور سیاسی دنیا کے کئی سرکردہ اصحاب کسی نہ کسی
 صورت میں ملاپ سے منسلک رہے اور چودھری صاحب کی ادارتی قابلیت

سے فیض حاصل کیا۔ ان میں سے سرد شری رہبر۔ قمر جلال آبادی، گلال ہروی،
اپنور ناتھ اشک، الالہ درگاداس سابق ایڈیٹر، سندھوستان ٹائیز، کین مغالی،
جگن ناتھ آزاد، مسٹر انیکر سابق پرنسپل انفارمیشن آفس سرگرمیہ لال بہاولپور
ہود شری دہلی کے مبین کے نام قابل ذکر ہیں۔ چودھری صاحب فطرت شناس
تھے کسی کچھ جہرہ ہمزہ اور ذیل ڈول کی مناسبت سے اس کا ایسا نام تجویز کرتے
کہ سننے والے چہرہ کی اٹھنے ان کے تجویز کردہ ادا لایان غفل کے منظور کردہ چند
نام ملاحظہ ہوں۔ سیتارام سوختہ۔ پریم سنگھ بھن۔ مکھی رام مالکونش، ہنس راج
چلوری۔ شوناتھ شودیدہ سر۔ شورام ترجمی۔ سنبوہن ناتھ شرما چھوٹی موٹی۔ ہری
چند ہنڈو۔ ٹیک چندر کو۔ کرشن کارگے زئی ہود ساگر سیوہاروی سرخ مرچ۔
بقول شری رہبر چودھری گوشتگر ساگر اخبار نویسی کے میدان میں ایک فرد
نہیں ایک انسٹی ٹیوشن تھے۔ سلاپ کے کامیابی میں ان کا بہت بڑا ہاتھ رہا۔ اور
اخبار نویسی کی تاریخ میں سرگرمیہ چودھری صاحب کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔
یہ ماہانہ علمی و ادبی رسالہ دہلی سے ہمارے اگست ۱۹۶۳ء
کو وجود میں آیا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا اس کے
ایڈیٹر جناب غلام احمد خان برہان الخیر الحارثی تھے۔ سالانہ
چندہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ میں علم دین، فقہ، حدیث، تفسیر یا تصوف کی کسی کتاب
کے ترجمے شائع ہوتے تھے۔

برہان پورہ سے یہ ماہانہ گلدستہ ستمبر ۱۹۶۳ء کو جلوہ
نکلتا ہوا۔ بیس صفحات پر نکلتا تھا۔ نگر اس پیرزادہ
محمد مطیع اللہ صاحب راشد و منشی فضل حسین صاحب

بہار نسیم

صاحبزادہ ایڈیٹر شیخ جمن کو کٹر ناچر کتب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔
 نمونہ سکہ برہم کی قیمت لا آئے تھی۔ مطبعہ اگر اخبار میں چھپتا تھا اس کے
 سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

بے لکڑی کھجوریں لکڑی کا آگے عالم میں ہے حد نسیم بہا آگے
 اکتوبر ۱۹۳۳ء کے شمارے میں جو شمارہ کلام چھپا ہے ان میں سے ایک
 شمارہ کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

جناب منشی غلام حسین صاحب آفاق رام پور بنارس سے
 ریاض محبت کی خواہش کیا کہوں تم سے کبھی غصہ کوئی لینا کبھی غم ہانے کھالینا
 خدایا دامن رحمت سے ہی تیرے بھروسے اسی کلام ہے آفاق کے صاحبزادہ چھپایا
 یہ خواہش کے خیالات کا ماہانہ ترجمان ستمبر ۱۹۳۳ء کو نکلتے سے
 نمودار ہوا۔ چالیس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کی ایڈیٹر بیگم
 قریب انصاری تھیں۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ کے پہلے شمارے میں حور کی تعریف میں علامہ جمیل مظہر
 کی ایک طویل نظم بھی تھی۔ یہ رسالہ اپنے مضامین کی وجہ سے کافی مشہور ہو گیا
 تھا۔ اس کے خاص نمبر بھی نکلتے تھے جو سو صفحات پر ہوتے تھے۔ اس رسالہ
 کی مدت بمشکل تمام دو سال ہوئی۔

یہ ادبی رسالہ اگرہ سے ۱۹۳۳ء کو جلوہ فگن ہوا۔ ۲۸
 صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر علامہ سیام اکبر آبادی
 دساعر نظامی تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

یہ ہفتہ وار اخبار اگرہ سے ۱۹۳۳ء کو وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات
 پر مشتمل تھا۔ جناب عبدالرؤف خان ہاتف الہ آبادی کی

پیمائش

العزیز

ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

عبدالرؤف باقی
آگاہی

باقی صاحب کے والد مفتی عبدالرسول
خان مختار خلع محو ہر خاں الہ آباد کے
رہنے والے تھے۔ مفتی عبدالرسول خان
صدر نظامت کے زمانہ میں اگرہ میں آئے۔ مختاری کا شغل تھا۔ باقی صاحب
۱۹۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ اگرہ کالج میں انٹرنس تک تعلیم حاصل کی۔ فارسی مولوی
نثار علی صاحب بنار سے تحصیل کی۔ آپ کے والد حضرت میاں نظیر اکبر آبادی
کے نواسے تھے۔ انقلاب ترکی، عروج کابل، رسول عربی، آداب نسوان، امت
کی مائیں، محرکہ تقدیر و تدبیر آپ کی تصانیف ہیں۔ لکھنؤ، اگرہ میں مطبع
عزیزی قائم کیا۔ ہفتہ وار مکتبہ، عزیز ماہانہ آپ کی ادارت نکلتا تھا۔

زیر جامع مسجد جنتہ شیخ، منگو دہلی سے یہ مذہبی، علمی اور بولی
مجلہ دسمبر ۱۹۳۳ء کو عالم درجہ میں آیا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا
تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا زاہد اللہ قادری، پریور انٹر شیخ
فضل حسین صاحب اور سرپرست نواب عزیز محمد خان تھے۔ سالانہ چندہ
ایک روپیہ تھا۔ ہلالی پریس دہلی میں طباعت ہوتی تھی۔

اس رسالہ میں ملک کے مشہور و معروف اہل قلم رہنماؤں مولانا ابو
الکلام آزاد، میج للک حکیم اجمل خان صاحب، جناب نیاز فتح پوری مولانا
محمد سعید دہلوی، علامہ راشد الخیرنی، مولانا عبدالباری اور مولانا اشتر کے مضامین
چھپتے تھے اگرچہ یہ مضامین بہت مختصر ہوتے تھے۔ لیکن جاندار ہوتے تھے۔

۱۵ شاعر اگرہ نمبر۔ جون، جولائی ۱۹۳۳ء۔

یہ مذہبی رسالہ حیدر آباد دکن سے دسمبر ۱۹۲۲ء کو نکلنا
ہوا۔ ۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ سید باقر حسین طالقانی
کی ادارت میں نکلتا تھا۔ تین روپے سالانہ چندہ تھا۔

النور

اس رسالہ کے نگراں مولوی عبدالقدیر ہندوستانی صاحب تھے۔ جو اپنے
دور کے ایک حیدر عالم اور قلم کار و معروف ادیب تھے۔

یہ اخبار ہفتہ وار میرٹھ سے ۱۹۲۲ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۸
صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر پنڈت پیارے لال
شرما ایم، اے، ایل، ایل بی ایڈووکیٹ میرٹھ تھے۔ سالانہ

قوم

چندہ چھ روپے تھا۔

اس اخبار میں مقامی و ملی سب خبریں شائع ہوتی تھیں اس کے
ادارے میں جناب سید محمد یحییٰ میرٹھی، پنڈت گوپی ناتھ سنہا اور مولانا
ندرت وغیرہ کام کر چکے ہیں۔ پنڈت پیارے لال شرما کے بعد کچھ عرصے انہا
پر شاد عظمیٰ نگر کی بھی قوم کو شائع کرتے رہے۔ یہ قول مولانا ندرت باقبلہ
زبان اوردہ لحاظ لب و لہجہ میرٹھ سے نکلنے والے اردو کے ہندو اخبارات
میں یہ سب اخبار سے بہتر تھا۔

یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو دہلی سے ظہور پذیر ہوا۔
۹ صفحات پر مشتمل تھا حضرت قوی امروہی اس کی
ادارت کرتے تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

سوز و ساز

اس رسالہ میں علمی و ادبی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔

اور ہندوستان کے مشاہیر اور اہل علم حضرات اس کی طرف توجہ فرماتے تھے۔

لطف سخن یہ پنجم روزہ مکتوب حسن پور ضلع مرہا آباد سے ۱۹۲۲ء کو جلوسہ افروز ہوا۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ حضرت عتیق اس کے ایڈیٹر تھے۔ دو روپے چار آنے سالانہ چندہ تھا۔

عالمگیر یہ ہفتہ وار اخبار میرٹھ سے نمودار ہوا۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر حضرت صوفی صدیقی میر علی تھے۔ سالانہ چندہ میں روپے تھا۔

البدر یہ ہفتہ روزہ اخبار درجہ سنگھ سے ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا۔ ۲۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ ملک و مدبر پر مبنی ہونے کے بعد میں مولانا ظفر الہی ٹکری اس کے ادارہ میں شامل ہو گئے تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ ہاسٹی پریس درجہ سنگھ سے طبع ہوتا تھا۔

مشاعر میر یہ ماہنامہ رسالہ بدایوں سے ۱۹۲۳ء کو نمودار ہوا۔ ۱۲۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ کا مقصد نثر و شاعری کے سوانح حالات اور ان کے قابل ذکر کارناموں کو ملک میں پھیلانا تھا۔ مولانا عبد المجاہد بدایونی کے اکثر مضامین اس میں شائع ہوئے تھے۔

مسلمان سو پہلے ضلع گوجرانولہ سے یہ ماہنامہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو جلوسہ افروز ہوا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ مولوی عبد الحمید صاحب غلام اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چار آنے تھا۔

معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۲۳ء میں اس رسالہ پر یہ رپورٹ شائع ہوئی تھی۔

مولوی عبدالحمید صاحب خادم نے مسلمان نام کے ایک رسالہ سہ ماہیہ
ضلع گوجرانولہ سے نکالا ہے اس میں مختلف مباحث پر متعدد مضامین ہیں کچھ
وہ نام کی لاغ رکھتے اور اس بات کو سمجھتے کہ ہر شخص کو خوش رکھنے کی کوشش
کے معنی کسی کو خوش نہ رکھنا ہے۔ قیمت سالانہ دو روپے چار آنے تھا۔

ترجمہ نظر لکھنؤ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا۔ ۳۸
صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر
تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

مضامین کے لحاظ سے یہ تجربہ کار ارباب قلم کی ذہن سے پاک ہے۔

دہرہ دون سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو وجود میں
آیا۔ ۳۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر
تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

منظاہر جدید سائنس کے چٹکوں اور علوم جبریل کے علمی فوائد کا مبلغ ہے مستقل مضامین
اس میں نہیں ہوتے۔ علمی خبروں کی ترتیب بھی اس میں کچھ بہتر نہیں ہوتی تا
ہم اس مقصد کے رسائل کی موجودگی میں نہیں سے ہاں بہتر ہے
میرٹھ سے ۱۹۲۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات
آئینہ پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا شعیب احمد نذرت میرٹھ
تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے آٹھ آنے تھا۔

اس اخبار میں ملکی و غیر ملکی اور میرٹھ کے مقامی خبروں کے علاوہ انجمن
روئیدادیں شائع ہوتی تھیں حضرت نذرت اور دوسرے شعراء کے کلام بھی

شائع ہوتا تھا۔

کوکب ہند یہ بھائی فرقہ کا ماہانہ رسالہ قزو لبلاغ دہلی سے شائع ہوا۔
نمودار ہوا۔ چالیس صفحات پر نکلتا تھا۔ مہر محمد خان

شہاب باہر کوٹلوی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

اس رسالہ میں بہاد اللہ جو نام نہاد بھائی فرقہ کا بانی تھا۔ اس کے خلاف

زندگی اور بھائی فرقہ جو عقائد میں وہ شائع ہوتے تھے۔ اور جو کتابیں بھائی

فرقہ کی حمایت میں نکلتی تھی اس کا ترجمہ اس میں شائع کیا جاتا تھا۔ مسٹر

چارلس امرکیہ نے "بہاد اللہ کا ظہور اور پیغام" ایک کتاب انگریزی میں

لکھی تھی۔ جس کا ترجمہ میرزا خاں شہاب مایہ کوٹلوی نے کیا تھا۔ اس کو دسمبر

۱۹۲۸ء کے کوکب ہند کے شمارے میں شائع کیا۔

تحفہ یہ ماہانہ رسالہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ کو جلوه افروز ہوا۔

۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب حب اللہ علی اس کے

ادارت کرتے تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

یہ رسالہ انجمن الیاب اردو کا آرگن تھا۔ عموداکن کے ذی علم

اصحاب اور خصوصاً طلبہ جامعہ عثمانیہ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ ایک

سال کے بعد بند ہو گیا۔ اس کے محسوس علی اور ادبی مضامین حیدر آباد کے

علی ذخیرہ میں اضافہ کا موجب ہوئے ہیں۔

محبت اللہ علی نواب مظفر جنگ بہادر کے صاحبزادے اور حیدر آباد

کے مشہور امیر حیدر الدولہ کے پڑپوتے تھے۔ عربی و

فارسی زبانوں کے ماہر اور اردو میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ حضرت لمہا لہائی سے مشورہ کرتے تھے۔ فن عروض پر ایک کتاب لکھی تھی جو طبع ہو چکی تھی۔ نہایت زندہ دل ترین متواضع انسان اور شریف الطبع انسان تھے۔ حضرت تمکین کاظمی کے قریبی عزیز تھے۔ سرورہ گھر میں بچپن اور اب اردو قائم کی تھی۔ رسالہ تحفہ ایک مرت تک اپنے ذاتی سرمایہ سے نکلتے رہے ۱۹۲۶ء میں سکندر مقلب کی بیماری میں فوت ہوئے ۷۵

کہتے ہیں مست باغ ہے مینا نہ رہیار۔ فنیان گل کو سمجھے میں بیکانہ بہار۔
اوان گل پر خطر رکھا لکھا ہو ا۔ عالی چمن میں آیا ہے پروانہ بہار۔
دعوت وصل کو وہ تشریف تھیرا کے چلے۔ تجھ کو دھوکا یہ ہوا دھو نہ روا سمجھا۔
حسن نے شب کو ہوا اور دن کو مبادا نہ شیخ۔ ایک لحاس کو برا ایک نے اچھا سمجھا۔
عشق میں ہو گئی ہے عقل بھی اندھی زباں۔ عیب کیا عشق بتاں میں ہے غولڑا سمجھا۔
یہ رسالہ میدوی طبقہ کا سنہ ۱۳۱۰ھ کو حیدر آباد دکن سے وجود میں آیا۔ ۸۸ صفحات پر۔ سید محمود کی ادرت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چنودھ چھائی روپے تھا۔ رسالہ ۷۵
زیادہ عمر نہیں پائی کچھ عرصہ کے بعد نذر ہو گیا تھا۔

سید محمود صاحب بد الہی گھرانے کے پسر زادے تھے۔ حیدر آباد میں اپنی پوری زندگی بتائی۔ یہیں تعلیم حاصل کی۔ عزت تک رسالہ المصدق نکالتے رہے شعر کہنے کا شوق ہمیں سے تھا۔ شعر خوب کہتے تھے ۷۵

ادا نہیں تھی ایسی کہ بھول جاتا میں رہے گی یاد نظر ہاتھ واپسیں برسوں
 کہیں نہ خونِ شہیدوں سے سرخ ہو وہیں لباس سرخ ہی پہننا ہے ناز میں برسوں
 جبہ کو کندہ رو کے سوتا ہے کسی کی یادیں بہر تسکین خواب میں استغود کھا جاتی تھیند
 دیوئی ہوتا ہے رنگِ نشہ ر دو آتشہ جس کسی کی چشمِ یگوں کا جاتی ہے نیند۔
 ۱۲۲؎ کو یہ تعلیمی رسالہ حیدر آباد دکن سے جلوہ فگن ہوا
 ۱۲۳؎ صفحات پر مشتمل تھا مولوی عظمت اللہ صاحب اس
 کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ کو پہلے سرشتہ تعلیمات نے جاری کیا۔ پھر ٹریننگ کالج سے
 جاری ہونے لگا مولوی سجاد مرزا کے زمانہ میں اس رسالہ کو بہت ترقی ہوئی
 عرصہ دراز تک اب و تاب سے شائع ہوتا رہا۔ اس کے فنی و ادبی مضامین
 بڑے اعلیٰ پایہ کے ہوتے تھے۔ ۱۲۴؎
 سجاد مرزا صاحب محکمہ تعلیمات کی اعلیٰ خدمتوں پر فائز رہے اور تصنیف
 و تالیف کا ذوق بھی جاری رکھا۔

اس عہد کی ایک اہم شخصیت خان صاحب کی تھی جو
 نشر اور نظم دونوں میں ایک طرز کے موجد تھے۔ ان
 کے مضامین شوخی بیان، ندرت خیال اور مطالب
 کی گہرائیوں کے باعث ممتاز تھے۔ اسی طرح ان کی نظمیں جرت معزن، شہد
 بحر وں اور قزو طلی رنگ کی وجہ سے اردو شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ
 کرتی ہیں۔ ان کی نظم و نثر کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اس

شہر کے لاتعداد نوجوانوں اور بیوں اور شاعری کی عمر افزائی کی اور ان کے ذوق کی تعمیر میں ناقابل فراموش حصہ لیا۔

عظمت اللہ صاحب کے والد ماجد نعمت اللہ خاں دہلوی تھے۔ عظمت صاحب ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ ملہ آباد پورسٹی سے بی اے کیا۔ حیدر آباد ہجرت کر کے بڑے ماسٹر مقرر ہوئے۔ پھر مددگار ناظم قلیات و مکشہ امتحانات نہر کار علی پر مامور ہوئے۔ نہایت شریف نیک دل، پر خلوص و وسیع النظر انسان تھے۔ فطریہ مضامین آپ کے بڑے اعلیٰ درجے کے ہوتے تھے مروض و تافہ پر عبور تھا۔ حیدر آباد کو آپ نے اپنا وطن بنا لیا تھا۔ دق کے مرض نے آپ کو بہت ستایا۔ اس موزی مرض سے شفا پا کر یہ ایک سکتہ قلب میں مبتلا ہو کر عین جوانی میں ربیع الثانی ۱۳۳۷ء میں فوت ہوئے۔

بہت بھلے کی تھی نہ برے کی تھی مجھ کو جہاں کی خبر نہ تھی۔
تمہیں عیش ہی کا جو دھیان تھا تمہیں مری چاہ اگر نہ تھی۔

مرے حسن کے لئے کیوں مرے نہیں بیٹے تھے تمہیں یوں مرے۔
بہت اپنی چاہ جتا تھا مرے دل کو موہ کے لے لیا۔

مرے واسطے یہ بہت تھی تمہیں زندگی تھی یہ کھیل تھا۔
مرے حسن کے لئے کیوں مرے نہیں بیٹے تھے تمہیں یوں مرے۔

مری چاہ تھی بڑی جیتی میں غریب تھی یہ امیر تھی۔
تم امیر تھے یہ نہ چاہ تھی یہ امیر تھی یہ فقیر تھی۔
مرے حسن کے لئے کیوں مرے نہیں بیٹے تھے تمہیں یوں مرے۔

نہ تھا اس جہاں میں آسرا، مری جان تھی یہ جہاں تھا۔

مرے سکے نہیں، تمہیں جبین تھے مجھ میں چاہ ہے یہ گمان تھا۔

مرے حسن کے لئے کیوں مرے نہیں لینے تھے تمہیں یوں مرے۔

یہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو مرزا غلام

محمدی الدین بیگ خانقاہ دوگراں ضلع شیخواریہ

سے جاری ہوا۔ ۸۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس

کاشتکار ہند

کے ایڈیٹر مرزا سلطان احمد بیگ صاحب تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ زمینداروں کی کاشت کو اعلیٰ پیمانہ پر پہنچانے کے خیال کو

در نظر رکھ کر جاری کیا گیا تھا۔ اس میں اصول باغبانی، فصلوں، سبز یوں

ترکاریوں اور چارہ کی تفصیل کاشت و موسم اور ان کے منافع کا اندازہ بیان

کیا جاتا تھا۔ نسل کشی مویشی گھوڑے، بھیر، بکری اور مرغی، بھینس پال کر دودھ

مکھن گھی وغیرہ سے فائدہ اٹھانا اور مختلف کھادوں کے ذخیرہ کرنے اور استعمال

کے متعلق ہدایات درج کی جاتی تھیں۔ زمینداروں کو اپنی مالی قدرتی معاشرتی اور

تعلیمی حالت درست کرنے کی طرف مائل کیا جاتا تھا۔

جولائی ۱۹۲۳ء سے یہ طبعی رسالہ ۱۹۲۳ء کو جلوه افروز

ہوا۔ ۸۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر شیخواریہ ملک

مشیر الاطباء

محمد حسن قرشی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے دس آنے تھا۔

یہ رسالہ قابل داد ہے جو اپنے مخصوص پرچہ پوسٹ مفید اور معجزہ مضامین

پیش کرتا ہے۔ آپ ۱۹۲۶ء میں گجرات پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی

تعلیم گجرات میں حاصل کی اس کے بعد لاہور آ گئے اور

محمد حسن قرشی

یہاں اس وقت کی عظیم درس گاہ مکرانہ نواحیہ میں داخل ہوئے یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر پنجاب یونیورسٹی سے بھی اسٹوڈنٹ حاصل کیں پھر حکیم حاذق اور زبیرہ انکوار کے امتحانات پاس کئے۔ طبیہ کالج دہلی سے بھی مستفید ہوئے اور اسی کالج میں پروفیسر رہے اس کے بعد بمبئی چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ مطب کرنے کے بعد سندھ میں لاہور چلے آئے یہاں مطب جاری کیا اور طبیہ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ قرشی صاحب اردو و عربی، فلسفی اور انگریزی کے ماہر تھے۔ آپ کا ادبی ذوق نہایت اعلیٰ تھا۔ اپنے زمانہ کے بزرگ ماہر اہل علم سے تعلقات تھے۔ جس میں علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ کئی عربی کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ طبی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں جامع الحکمت بہت مقبول ہوئی۔ آپ کی طبی خدمات کی بناء پر حکومت برطانیہ نے آپ کو شرف الملک کا خطاب دیا تھا۔ طب میں آپ کی حیثیت ہمیشہ قائم رہی آل پاکستان طبی کانفرنس کے صدر تھے۔ عرض یہ کہ آپ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ طبیب، ادیب، مصنف اور مفکر تھے۔ ماہنامہ مشیر الاطباء آپ کی زیر ادارت شائع ہوا تھا۔

قرشی صاحب حج بھی کر آئے تھے۔ حجاز مقدس میں آپ شاہ سعود کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے تھے۔ بے شمار خوبیوں کے علاوہ آپ میں ایک خوبی یہ تھی کہ ترقی و تحفظ کے لئے دل سے نوازاں رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے حکیم اجمل خاں صاحب ہمیشہ مطمئن رہے اور پاکستان کے نواسے فی صدر طلباء آپ کو اپنا قائد تسلیم کرنے میں غرور محسوس کرتے تھے۔ سہ

سہ نقوش لاہور کا لاہور نمبر نکلا۔

تبلیغ لاہور سے یہ تبلیغی رسالہ ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب غلام حیدر خان صاحب تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ نگار بھی کامیاب فروری ۱۹۲۳ء میں اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

تبلیغ لاہور کا ماہوار رسالہ ہے جو غلام حیدر خان صاحب کی ایڈیٹری میں لکھا ہے اس کا مقصد صرف اس کے نام سے ظاہر ہے بلکہ ساری ترتیب اس کی شاہد ہے ہندوستان میں پہلا رسالہ ہے جو اس مقصد کو لے کر جاری ہوا ہے اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ غلام حیدر خان صاحب اس مقصد کو تانے میں اپنی پوری مساعی صرف کر رہے ہیں۔ صفحات ۲۸، قیمت سالانہ چار روپے میرٹھ سے یہ شعرو سخن کا ماہانہ گلدستہ ۱۹۲۳ء کو جلوہ گن

خورشید ہوا۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی سید ضیاء الاسلام صاحب عیال بی، اے، ایل، ایل، بی وکیل سرپرست تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رسالہ سوز و ساز مورخہ فروری ۱۹۲۳ء میں اس رسالہ خورشید میرٹھ پر یہ تبصرہ چھپا تھا۔

”شعرو سخن کا ماہوار رسالہ مولوی سید ضیاء الاسلام صاحب عیال کے سرپرستی میں میرٹھ سے شائع ہوتا ہے فخر کا حصہ بھی ہوتا ہے مگر بہت کم بکھائی چھپائی کی طرف سے منجبر صاحب کی بے نیازی کا درجہ بہت بلند ہے وہ شاہد حسن صورت کو مدفول تصور فرماتے ہیں“

مرج البحرین

یہ ماہانہ رسالہ دہلی سے جولائی ۱۹۲۳ء میں مطابقت ذیقعدہ

۱۳۴۱ھ کو نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر حافظ

محمد باقر علی ایمن جشتی نقادری اور مالک دہتم حکیم فیاض

علی صاحب اشرفی دہلوی خلیفہ جناب حکیم محمد قاسم علی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ دو

روپے تھا۔ قاسمی پریس میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ اخوت ملت، تقویٰ، روحانیت، حسن معاشرت، اخلاق، تہذیب و

تہذیب اور سیاست کے تحت مسلمین ملت و قوم کی سبکی آموزانہ اور لطف کے

ساتھ شائع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے معنوں نگار خواجہ حسن نظامی غلاوادی سکھانہ ہند

مولانا حاجی محمد سعید صاحب۔ حکیم سیدنا مرزیز فراق دہلوی، اکبر الہ آبادی لیڈر

فتحپوری، مولانا ماری حسین عارف اور علامہ راشد انجیری دہلی اور

ملک کے مشہور و معروف اہل قلم تھے۔

چتر چندر سے مجاہدین چتر چندر نے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۳ء کو

جاری کیا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی محمد بشیر صاحب

المجاہد

اس اخبار کے ایڈیٹر تھے۔

یہ اخبار برطانیہ کی مخالف خبریں اور تبصرے شائع کرتا تھا۔ قبائلی عوام

میں انگریزی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرتا تھا۔ یہ ہرچہ سائیکلو سٹائل

ہو کر مفت تقسیم ہوتا تھا۔

دہلی نیا بانس سے یہ روزانہ اخبار ۱۹۲۳ء میں ظہور پذیر

ہوا۔ چار یا چھ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے بانی سوانحی

نثر دھاندر اور ایڈیٹر لالہ دیش بدھو گپتا تھے۔

نتیجہ

یہ اخبار پہلے شرمعی اور سنگھٹن کا حامی تھا۔ اس کے بعد کانگریسی خیالات کی ترغیب کرنے لگا۔ اس کے ایڈیٹر لالہ دیش بدھو گپتا کا کانگریسی لیڈروں میں شمار ہوتا تھا۔ انہوں نے دہلی کانگریس کمیٹی میں بڑی جادہ دلی کانگریسی ورکرز کی اقتصادی حالت درست کرنے میں بڑی کوشش کی اخبار بھی اسی پالیسی کا حامی تھا۔

اس اخبار میں درج ہونے والی محافیوں نے کام کیا جس میں اس کی لکھنؤی ایڈیٹر لالہ دیش بدھو گپتا اس ایڈیٹر دیش بدھو گپتا کی ذمہ داریاں تھیں۔ اس اخبار پر کوئی ممبر یا ممبرانہ لکھا نہ اس کو حاصل کرنے کی ہر کوشش کی، دھرم پال دھرم لالہ دیش بدھو گپتا سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ————— افسوس کسی نے بھی اس سلسلہ میں دل چسپی نہیں لی۔



دسمبر ۱۹۲۷ء

دلفگار لاہور سے جنوری ۱۹۲۷ء کو یہ ادبی رسالہ جاری ہوا
۲۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ خواجہ غلام نقشبندی
نقاش اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ قیمت ایک روپے تھا۔

رسالہ سوز و ساز دہلی مورخہ فروری ۱۹۲۷ء میں رسالہ دلفگار
لاہور پر یہ ربوہ شائع ہوا تھا۔

”یہ اردو نظم و نثر کا ماہوار رسالہ ۲۰×۳۰ کی خوشنما قلعے پر ماہ
جنوری سے زیر ادارت خواجہ غلام نقشبندی صاحب نقاش لاہور سے
نکلنا شروع ہوا ہے۔ مضامین سوز و گھواڑ، لطائف ادیبہ اور المناک
جذبات کا دلچسپ مجموعہ ہے نقوٹ کی چاشنی بھی موجود ہے۔“

امرتسر سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۷ء کو ظہور
پزیر ہوا۔ ۲۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ ادارہ تحریر میں
شہباز کشمیری ایم، اے، مسٹر اصغر بی، اے اور مسٹر

ڈاکٹر چودھری علم الدین مونسپل کمشنر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ ثنائی

برقی پرنس امرتسر کوہ شیر سنگھ کھنڈ میں طبع ہوتا تھا۔
 رسالہ جاری کرنے کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔
 ۱۔ صرف قرآن مہین کو جمیع ضروریات وحی کے کتنی ثابت کرنا۔
 ۲۔ قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت۔
 سوید حکمت اور موعظ حسنہ کے ذریعے سے مراط مستقیم کی طرف دعوت۔
 ۴۔ اختلاف اہم کا ازالہ۔

یہ رسالہ خالص علمی اور دینی تھا محمد عبداللہ مہاس، خواجہ عبداللہ
 اختر بی، اے، ڈاکٹر صلاح علی، مولانا مولوی احمد الدین امرتسری، مولوی فتح
 محمد، مولوی احمد دین، شیخ عطاء اللہ، مرزا سلطان احمد، سید محمد الحق عظیم
 آبادی، آغا محمد صفور، شیخ غلام حیدر اس رسالہ کے مضمون نگار تھے۔
 عرصہ تک یہ رسالہ جاری رہا اور اس نے دینی خدمات کافی عرصہ
 تک انجام دیں۔

دہلی ضلع جنگ سے بہ ماہانہ زرعی رسالہ اپریل ۱۹۲۴ء کو
 جاری ہوا۔ یہ صفحہ پر مشتمل تھا۔ مولوی کھنڈ علی قریشی
 کی ادارت میں نکلتا تھا۔ شاوہن دین مد ہے تھا۔

اس رسالہ پر سود مند ہزاروں مورفہ اگست ۱۹۲۴ء میں ریویج کیا گیا۔
 یہ ماہوہ رسالہ اپریل ۱۹۲۵ء سے ضلع جنگ سے نکلتا شروع ہوا
 ہے۔ اس کا مقصد زمینداروں اور کاشتکاروں میں اتحاد پیدا کرنا اور ان کی
 علمی، اخلاقی، اقتصادی اور حمدنی اصلاح کے لیے کوشش کرنا ہے۔ ہر ایک
 خاص کام مخصوص ہے۔ زراعتی ترقی کے مضامین بھی ہوتے ہیں۔ ہر پرچہ
 میں کسی دہکسی مشہور آدمی کے ہاتھوں ہلاک کی تصویر بھی ہوتی ہے کاغذ

چھپائی ہوئی ہے۔ امید ہے کہ یہ رسالہ اپنے قابل آنرری ایڈیٹر مولوی محمد معصوم قریشی کی ادارت میں اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرے گا۔
 امرتسر سے یہ ماہانہ رسالہ مئی ۱۹۲۲ء کو وجود میں آیا۔
جماعت ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ پیر عبدالعزیز مخدومی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ بین روپے تھا۔

یہ رسالہ برجماعت علی شاہ صاحب کے ارشادات، ملفوظات اور مکتوبات کے لئے مخصوص تھا۔ اور ان کا آرگن اس کو سمجھنا چاہئے۔
 بلاغ امرتسر نمبر ۱۵ مارچ ۱۹۲۲ء کے شمارے میں اس پر یو پیو شائع ہوا ہے۔

”جماعت نامی ماہوار رسالہ ہمارے دوست پیر عبدالعزیز صاحب مخدومی نے امرتسر سے نکالا ہے۔ جس کا پہلا نمبر دفتر بلاغ میں موصول ہوا ہے تین روپے سالانہ ہر سہے۔ لکھائی چھپائی کا قدر وغیرہ کا انتظام بوجہ احسن کیا ہے“

سب سے بڑی غرض اشاعت جماعت کی پیر جماعت علی شاہ صاحب کے ارشادات، ملفوظات اور مکتوبات کی مسلسل اشاعت کا الزام ہے اور انہیں ارشادات کے ذریعے جماعت احسانی کی غیر مقلد اور احمق کی دوزخ و توبہ کی تریلی کو روکنا مقصد ہے لیکن اگر انسانی ارشادات اور ملفوظات کو بجائے قرآنی احکام کی اشاعت کی جاتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اور جس جھوٹا کی سنوار اور طوائف قدس کی ذات پاک ہے ان الفاظ سے بنو گاہی غلامانہ وہ کتنی ہی حقیقی دنیوی ترقی کے اعلیٰ حواری طے کر چکے ہیں منسوبہ مخاطب کرنا غنائی اسلوب ہے

فروغ ہند

یہ ماہانہ ادبی و سیاسی رسالہ دہلی سے مئی ۱۸۵۷ء کو جاری ہوا۔ یہ صفحات پر نکلتا تھا۔ منشی ہر گونو پرشاد نگم ایم اے دہلوی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ طور پر تین

روپے تھا۔ فروغ ہند پریس محلہ رندوگرن دہلی میں طباعت ہوتی تھی۔ اس رسالہ کے مضمون نگار منشی سوہن لال رنکھر، سی راجگوپالا جاپریہ پرونیسی ایندیز، مسٹر جورج جوزف، سوامی رام تیرتھ اور شعرا میں منشی مہاراج بہادر صاحب برقا، آغا شاعر دہلوی، منشی چندر بھال صاحب کیفی منشی پیارے لال رندوگرن وغیرہ تھے۔

یہ رسالہ گاندھی جی کا بڑا عراج تھا۔ ان کی تعریف و توصیف میں مضامین لکھتا تھا۔ اس زمانہ میں مولانا محمد علی نے اپنے مذہبی عقیدہ کا اظہار کیا تھا کہ مسلمان فاسق و فاجر کے مقابلہ میں ایک مشرک خواہ کتنا ہی اچھے اخلاق و سیرت کا مالک ہو خواہ اس میں گاندھی جی ہی کیوں نہ ہو ان پر مسلمانوں کو فوقیت دوں گا اس لئے کہ وہ خدائی واحد کا پرستار ہے۔

مولانا کے اس عقیدے کے خلاف فرقہ پرستوں نے بڑی دھم مچائی تھی جس کا جواب مولانا نے اخبارات میں دیا اور سوامی شرودھاننڈ کے نام ایک خط بھی لکھا تھا۔ یہ خط فروغ ہند دہلی کے شمارے مئی ۱۸۵۷ء میں شائع ہوا تھا۔ جس میں مولانا اس عقیدے کی وضاحت فرمائی تھی۔

” میں یہ بتلائے دیتا ہوں اور بڑے زور سے عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں نہ ہندوؤں میں نہ یہودیوں میں نہ نصاریٰ میں نہ پارسیوں میں کوئی اخلاقی مثال نہیں ہے۔ جو گاندھی جی پر فضیلت رکھتی ہو۔ مجھے تاہنوز کوئی ایسا شخص دیکھائی نہیں دیتا جسکو میں اخلاق میں گاندھی جی سے برتر و ممتاز

مان سکوں۔ مگر مذہب اور اصلی اخلاق میں ایک دہر دست فرق ہے بحیثیت
ایک مسلمان کے میں اسلام کو ان سب عقائد پر ترجیح دوں گا جیسے کہ غیر مسلم
لوگ پابند ہیں۔ میں ایک گروے ہوئے اول پنجے درجے کے مسلمان کو ایک غیر مسلم
کے مقابلہ میں بالادیمہ ترجیحتا ہوں۔ خواہ وہ غیر مسلم کتنا ہی صاحب اخلاق ہو
ہو اور چاہے وہ گانڑی جی ہی کیوں نہ ہوں ۛ

الکلام میسور سے سلطانہ کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا ہے۔
آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ حکیم الملک بیہوشی الدین کی ادارت
میں نکلتا تھا۔ چار روپے سالانہ چنبدہ تھا۔

یہ اخبار ایک سال تک ہفتہ وار نکلتا رہا۔ اس کے بعد روزانہ ہو گیا جو
۱۹۴۷ء تک جاری تھا۔ اخبار الکلام نے اردو زبان کی گراں بہا خدمت
انجام دی ہے۔ بیسویں صاحب نے اس اخبار کے ذریعے مسلمانوں میں تعلیم کو مقبول
عام بنانے کی خاص طور سے کوشش کی سہ

معراج الکلام یہ رسالہ ماہوار محلہ سلو امروہہ سے جون ۱۹۲۴ء کو
نمودار ہوا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ محمد فیاض علی
خان فیاض امروہوی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ
چنبدہ ایک روپیہ تھا۔ اجلا پریس امروہہ میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ انجمن معراج الادب امروہہ کا آرگن تھا۔ ادبی، اخلاقی و تمدنی
رسالہ تھا۔ اس رسالہ میں زیادہ تر امروہہ کے شاعروں کا کلام چھپتا تھا۔
فیاض صاحب کے بعد اس کے ایڈیٹر سید طاہر حسین گویا نقوی مقرر ہوئے اس

رسالہ میں نشر کا حصہ بھی تھا۔

جون لاٹنہ کے شمارے کے چند شعراء کا کلام درج کیا جاتا ہے۔

جناب سید رفیع الحسن صاحب اختر اردہوی تلمیذ حضرت مغلطیر آبادی سے
غیروں کو کبھی پاس سے ٹٹنے نہیں دیتے وہ دل کا پہلو بھی نکلنے نہیں دیتے۔
رہتے ہیں شب و نسل بھی دلچسپی سے لگے ہی ارمان میرے دل کے نکلنے نہیں دیتے۔

جناب شملور افاض الدین صاحب ارشد اردہوی تلمیذ جناب اختر اردہوی کا
ہر روز لڑائی ہے ہر اک وقت ہے جھگڑا اک دم بھی مرے دل کو بہلنے نہیں دیتے
بوسے نہیں دیتے مجھے سبب ذوق کے اس نخل تمنا کو وہ پھلنے نہیں دیتے

جناب سید سجاد علی صاحب انور اردہوی تلمیذ حضرت انور اردہوی سے
روشن ذہن ہے نام مرا بعد فنا بھی بول شمع سر قرہ جلتے نہیں دیتے
کاپنگی زمین اور لرز جلتے گا گردوں اس واسطے ہم دل کو پھلنے نہیں دیتے

جناب لالہ بانجی لال بسمل اردہوی تلمیذ جناب تاج اردہوی سے
دنیا میں ہیں پائیز زبان سینکڑوں ایسے جو مرے کے دعوے کو بھی ٹٹنے نہیں دیتے
اُجانے ہیں فرقت میں کچھ ایسے بھی نقور پھر دل دل مغلطیر کو بہلنے نہیں دیتے۔

جناب مفتی سعادۃ اللہ صاحب سفا صدیقی اردہوی سے
رونے پر میرے ہنستے ہیں دیکھو تو تماشہ آنسو میری آنکھوں سے نکلنے نہیں دیتے
کیوں آتے نہیں پاس بلاتے بھی نہیں ہو کیوں جاں مرے قالب سے نکلنے نہیں دیتے

فیاض صاحب اردہوی کے قدیمی باشندے
محمد فیض علی خاں فیاض تھے۔ ان کی پیدائش اردہویہ میں ہوئی
وہیں انہوں نے اردو فارسی و انگریزی

کی تعلیم پائی۔ حکیم محمد راحت علی خاں حاذق اردہوی آنریری مجسٹریٹ کے

فرزندِ مراد چنود تھے ادا ان ہی کی شاعر کی شاکر دتے۔ خوش اخلاقی نیک نیت دلاست
احمال اور سلیم الطبع تھے۔ شادی شوہر تھے۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی ۱۲۱۵ھ
کو عالم جونی میں فوت ہوئے۔ عرصہ تک رسالہ معراج الکلام میں آپ کی وفات پر
تاریخی قلعہ شائع ہوتے رہے۔

جناب غلام مصطفیٰ خاں اظہر رئیس جلائوں نے حسب ذیل قطع کہا ہے
اٹھ گلیہات وہ شیریں زباں شاعر خوش فکر مشہور زماں
کرد یا اظہر نے سال مرگ نقل آہ۔ فیاض علی خاں گنج حفلیہ۔
فیاض صاحب امروہے کے مشہور شاعر تھے۔ علامہ شعر بیک تھے ۱۲۲۵ھ
انہوں نے قلم کہہ الفت لکھا ہے بعد مرنے کے

میرے مرقد پہ آئے ہیں بیت اندوہ گین ہو کر۔
اگر اے دل تجھے منظور کی تھا خاک ہو جانا
تو اے حکم بخت رہتا اس کے کوچہ کی زمین نہ تو کر۔

ہارود خانہ لاہور سے جولائی ۱۹۲۲ء کو یہ علمی تاریخی
وادبی رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔
حکیم محمد یوسف حسن صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ
چندہ میں روپے تھا۔ کرمی پریس نزد کوٹوالی قریم لاہور میں چھپتا تھا۔

نیز گخیال

اس رسالہ کی کتابت طباعت نفیس اور کاغذ عمدہ تھا۔ معیار کی پرچہ
تھا۔ اس کے ایڈیٹر اس کو ترقی دینے کے لئے کوشش کرتے۔۔ چنانچہ ان
کی کوشش بہت جلد کامیاب ہو گئی۔ ملک اور پنجاب کے اہل قلم حضرات نے ان
سے بھرپور تعاون کیا اور اچھے مضامین لکھ کر بھیجے۔ جن میں چند کے نام یہ ہیں۔
نیاز فتح پوری، حفیظ جالندھری، محمد علیم الدین سالک، صوفی محمد حسین بی

اے سری نگر، جناب ہر الدین صاحب مدد، مولوی غلام حیدر پاک پٹن، سردار
 اودھ سنگھ شائق وکیل، اصغر حسین نظیر لہریانوی، بلقیس خاتون جمال،
 خوشد اقبال، سید احسان علی کوثر علی گڑھ، جناب صابو ہروی، سید امتیاز علی
 تاج بی اے، محمد دین تاثیر ایم، اے، عاصمہ سلطانہ، شیخ عبدالرحمن بی اے
 علامہ سراقبال، آغا اختر کاشمیری، میر ولی اللہ وکیل، بیخود دہلوی، سائل دہلوی،
 بادی جمعی شہری، شاد عظیم آبادی، مولانا غلام رسول مہر، محمد عبداللہ قریشی،
 محمد یعقوب منہاس، حامد اللہ اختر مرٹھی، مولوی عبدالحق صاحب دہلوی، مرزا حسین
 بی اے، ڈاکٹر عبدالحمید صدیقی، حکیم عبدالعلی بسمل علیگڑھ، سید محسن شاہ، سید کاظم
 علی بانی حیدر آبادی، میاں تصدق حسین خانکیر وزیر، ابو محمد امام الدین رام ٹکری
 مولانا شوکت علی خاں بدایونی، سید عابد علی صاحب بی، اے ایل ایل، بی وکیل
 عبدالشکور شاگرہ کانپوری، مالک رام صاحب، مولانا وحید الدین سلیم، تہذیب
 قاضی عباسی، منشی پریم چند، خواجہ دل محمد ایم، اے، نظام الدین شاہ دیگر اکبر
 آبادی، ذوالفقار علی بخاری، پشت ہری چند اختر، اکبر حیدری، محمد اکبر دیال سنگھ
 کالج لاہور، مرزا نسیم بیگ گوالیاری، صوفی غلام مصطفیٰ اتبسم، مولانا تمکین کاظمی
 مرزا ایاس بیگانہ کھنوی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا اختر علی خاں، نوح ناروی،
 خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت کھنوی، حضرت گرامی جوش علیج آبادی، ریاض خیر
 آبادی، اقبال احمد سہیل، محی الدین قادری زور بی اے وغیرہ۔

کس انداز سے یہ رسالہ ملک میں کامیاب ہونے کے لئے جتن کرتا

تھا۔ اور مقبول بنانے کے لئے نقشے اور پروگرام بناتا تھا اس کا ذکر اس کا

بڑے نے جولائی ۱۹۴۷ء کے شمارے میں کیا ہے۔

المحمد للہ آج رسالہ نیک خیال کے دوسرے سال کا پہلا نمبر آپ کی خدمت

میں بھیجے گا نیز حاصل کر رہا ہوں اس میں کہ شک نہیں کہ نیرنگ خیال حیرت
انگیز برکت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے اس کے فریادوں کا حلقہ روز بروز بڑھتا
ہمدا ہے۔ رسالہ کی چھپائی لکھائی کا وہ اور تصاویر میں نمایا ترقی کی داری ہے
لیکن جس معیار ترقی پر میں اسے لانا چاہتا ہوں اس کے لئے ناظرین کو بھی
توجہ دلا کر کرنی پڑے گی۔ نیرنگ خیال کے مقاصد کا اعلان جابگ دہل کیا جا
چکا ہے ہم اسے ہندوستان کا بہتر علمی ادبی دستور رسالہ بنانا چاہتے ہیں۔
اور ساتھ ہی اس کی قیمت میں کبھی بھی اضافہ کرنا نہیں چاہتے پس رسالہ
اپنے معیار کے مطابق تیار کرنے میں صرف اسی وقت پوری کامیابی حاصل ہو
سکتی ہے جبکہ رسالہ کی اشاعت پانچ ہزار تک پہنچ جائے اور یہ کام بھی مشکل
نہیں مگر آپ اس جانب تھوڑی سی توجہ کریں کیوں کہ اس بارے کے رسالہ کے
لئے کسی دوست کو خریداری پر آمادہ کر لینا معمولی سا کام ہے۔

رسالہ نیرنگ خیال کے اجراء سے ہندوستان کے رسائل میں ایک قسم
کی سرگرمی پیدا ہو گئی ہے جو رسائل کی گئی ماہ دیر سے شائع ہوا کرتے تھے
بھی اب نیرنگ خیال کے طرح پابندی اوقات پر مجبور ہو رہے ہیں نیز تمام رسائل
کو تصاویر شائع کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے چنانچہ لاہور کے ایک رسالہ نے
تصاویر شائع کرنے کا انتظام کر لیا ہے۔ بنگلہ کا علی و تدریجی رسالہ شمع بھی بونگ
خیال کی طرح بالتصویر شائع ہونے لگا ہے۔ سو فرما ہر نیرنگ نگار لکھتا ہے۔

گزشتہ چار سال کے اندر متعدد بار مقاصد نگار واضح طور پر بیان کر
دیئے گئے ہیں لیکن اب بھی گاہے گاہے یہ آواز کسی نہ کسی گوشہ سے آتا ہے
ہے کہ تصاویر کا انتظام ضروری ہے..... اپنی نظر کی ہر اہم چیز
دل میں ایک خزانہ بن کر محفوظ رکھنا ضروری ہے اور رسالہ کی اشاعت اور

امثال امر سے باز نہ رکھے۔

”رسالہ کی اقتصادی حالت کو مد نظر رکھیں تو نیرنگ خیال بھی اس پابستھا شائع کرنے کے قابل نہیں لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ رسالہ کی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا جائے اور جو ترقی کا قدم اردو رسائل اٹھا چکے ہیں وہ اب پیچھے نہ پڑے لیکن رسائل کی اس ترقی کے دور میں بھی اردو کا ایک رسالہ اردو کی جو ترقی کی تصاویر نقل کر کے اپنی بد مزاجی کا ثبوت دے رہا ہے بنگالی رسائل کی اشاعتیں دس اور بیس ہزار کے درمیان میں گویا ہر پڑھا لکھا بنگالی کم از کم ایک ماہوار رسالہ ضرور خریدتا ہے اور صاحب حیثیت کئی کئی رسائل کی سرپرستی اختیار کرتے ہیں کیا اردو دان حضرات اپنے ہاں اس کی مثال پیش کر سکتے ہیں اس پر کہا جاتا ہے کہ اردو رسائل ترقی نہیں کرتے نیرنگ خیال کے اس نمبر میں حسب وعدہ دو تصاویر شائع کی جا رہی ہیں۔“

”ابہرقاصہ۔ یہ تین رنگ کی تصویر جناب عبدالرحمن چغتائی کے حسن تحریر کا نمونہ ہے۔ تصویر صرف چند خطوط کے امتزاج کا ایسا مجموعہ ہے جس کو بخور دیکھنے سے آرٹ کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں اگرچہ تصویر میں رنگ نہیں بھرے گئے لیکن رنگین خطوط ہی ان تمام خوبیوں کے مظہر ہیں جو آرٹ کی جان ہیں اس تصویر پر جناب اختر شیرانی کی ایک دلچسپ نظم شائع کی گئی ہے اور مولانا مومن کی نیا فتویٰ ری ایڈیٹر نگار کے ایک مضمون ”تیکہ قاصد“ سے جو نگار میں شائع ہوا تھا اس تصویر کو سانے دیکھ کر بڑھنے سے لطف مزہ حاصل ہوتا ہے جناب مولانا حفیظ جالندھری کی مشہور نظم ”ہندوستان“ جو ابھی کہیں طبع نہیں ہوئی اس کے ایک حصہ کو ایک وقاصہ سے خطاب کے عنوان سے کس دوسری جگہ شائع کیا گیا ہے پڑھنے سے تصویر کا دوسرا

نمایا ہوتا ہے۔“

”دوسرا تصور بر ملک کے محترم و واجب التعظیم لیڈر دیش بھوشی ٹیپا کی ہے آپ کی تصویر کے ساتھ آپ کی پمپلی کی تصویریں شائع کی جا رہی ہیں ان میں سے ایک آپ کی دسترنیک اختر، ایک آپ کی زوجہ محترمہ اور ایک نرزنہ کی فوٹو ہیں۔ اس آزداس ملک کے متفقہ لیڈر تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ نے ہندوستان کے غمات کے لئے جن اصولوں کو وضع کیا تھا ان میں ہندو مسلم اتحاد، ایک مزدور کا جہز تھا۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے رہائی خواہش مند تھے بلکہ ہندوستان کی فلاح و ترقی کے لئے اس کو عملی صورت میں لانے کے متمنی تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ ملک کی سسٹمز اور میونسپل کمیٹیوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے لحاظ سے حقوق دئے جائیں۔ ملازمتوں اور ذمہ دار عہدوں پر مسلمانوں کا مساوی تقرب ہو اور ہندوستان میں کسی جگہ بھی ہندو اکثریت مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو کچن نہ دے۔
مضامین بھی اعلیٰ پایہ کے مثلاً خاموش حکمران سے خطاب۔ کرن لیڈر کی خود کشی، مرقع عبرت (افسانہ) افغانستان جو برہمچکر کا راجہ سلطان المنصور اور عامر (افسانہ) پیٹ فام کارکیٹ، آنسو، کفارہ، مٹی کا تیل، نوب اور رولی، خندہ، نقد، برنسوانی دنیا مورت اور مرد، سچائی کی جستجو، پنجاب کی اقتصادی رپورٹ، اُتر خزانہ ہوتا، ہندوستان کی زراعتی زندگی، دنیا کی بہترین بجلا، لاہور، مشرق کے لئے ایک خطرہ، عظیم، غازی عبدالرحمن شہید، صنف نلاک کا ایک نمونہ، غذا کی قدرت کا ملہ ختم انسان، ترکی حور، ہندوستانی ڈرامہ، کیا تھلہ لاؤں، چٹمہ راہ زندگی، مہیں، ایک مہیں، ہوں، اصول زراعت، میلنمو، لاسکی، ترکیب، جہیز اور دو ڈرامہ اولہ آفاقہ معارف اور علامہ اقبال، شعور و شاعری، سدا کا، قمر ثانی، فاتحہ قسطنطنیہ، عرب کی گرم خندہ، تہذیب، نوجوان ایران اور ہندوستان

کا اعلان شد و مزید جیسے معلوماتی کو دلچسپ، تاملی، زندہ معنی، ثقافتی مضامین پر
پر رسالہ شائع کرتا تھا۔

رسالہ غیر ملکی خیال کے ایڈیٹر حکیم محمد یوسف حسن صاحب غیر متعصب و
فراخ دل انسان تھے اس رسالہ کو وہ مسلمانوں کا رسالہ بنانا نہیں چاہتے
تھے بلکہ ہندو مسلمان کی دلچسپی کے لئے مضامین شائع کرتے اور خاص نمبر
نکالتے تھے۔ آپ نے عید بیکر شائع کیا تو رامائن غیر بھی چھاپا جس میں لکھن
جی اور سیٹا اور چندر جی کا دھنک توڑنا، شیوجی اور پاربتی اور نامہ تاپ، برما
میں دسہرہ، سری رام چندر جی کا سوانح، لاہور میں دسہرہ کا تیوہار، گوسا میں
تلسی داس مصنف رامائن کی تصویروں کے ساتھ رامائن کی مصنف گوسا
تلسی داس جی مہاراجہ رام چندر جی کے کردار پر ایک سرسری نظر، مہا بھو جیتر
عہد رامائن کی معاشرتی زندگی، تلسی کرت رامائن کا ایک سینہ، رامائن پر ایک
ظائرانہ نظر، اٹھارہ آئین قوم کے اوصاف ہندوستان پر رامائن کا ایک فاری
ترجمہ، ایک محققانہ علمی مقالہ، رامائن جزائر شرق الہند میں نشر میں مضامین اور
تکلم میں رامائن علامہ اقبال، رام کی عظمت اور پڑت میلاد رام و فادیش بھٹ
میں پھر آجائے، زمانہ رام کا از جناب بسمل الہ آبادی، سو بیکر از جناب نقیس
نیللی جیسے مصنفین نے ہوتے تھے۔

اس رامائن نمبر کی ضرورت پر ایڈیٹر صاحب نے روشنی ڈالتے ہوئے اسی
رامائن نمبر مورخہ نومبر ۱۹۵۹ء میں تحریر کیا ہے۔

”رامائن نمبر کی ضرورت وہی اسی طرح مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے
ہندو بھائیوں کے متعلق اپنی معلومات کو بڑھائیں ان کے بزرگوں کے کارناموں
سے واقف ہوں اور پھر ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرنے سے ملک میں امن

دانا کا زیادہ امکان پیدا کرتا ہے نیز نگ خیال کی یہ کوشش کہ کے ساتھ ہے اس میں ہندو مذہب اس کی بعد کرداریات اور ان کے ایک مشہور سوری رام چندر جی مہاراج کا جیون چتر پیش کیا گیا ہے۔ یہ تمام مضامین تاریخی، علمی اور علمی رنگ میں لکھے گئے ہیں ہندو اخبارات اس سے غنی و سہرہ خیز با نام نمبر شائع کرنے کے علاوہ ہیں۔ لیکن اس باب کے علمی مضامین آج تک کسی ہندو اخبار میں شائع نہیں ہوئے اور یہ فقر صرف نیز نگ خیال کو حاصل ہے کہ اس قلیل قیمت میں اور اس قلیل وقفہ میں ہم اس شان کارنامہ نمبر شائع کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔

اکھر کا گورنمنٹ اس نمبر کی تیاری یا تدوین میں کسی ہندو بھائی کی خدمت حاصل نہیں کی گئی۔ اس لئے اگر اس نمبر میں کوئی لفظ یا فقرہ یا مضمون غیر شائع ہو جائے جو کسی وجہ سے ہندو بھائیوں کو خوشگوار نہ ہو تو اس کے لئے مجھے معذور سمجھے میں جو کہ شائع کر رہا ہوں تک نیتی سے شائع کر رہا ہوں۔ اس لئے اگر اتفاقاً کوئی فرد گزارشت ہو جائے تو مجھے معاف کیا جائے۔ رسالہ نیز نگ خیال کے ایڈیٹر کی قلمباز کوشش کامیاب ہو گئی اور یہ رسالہ ملک کے علمی و ادبی طبقوں میں چار سال میں ہی بے حد مقبول اور پردے پر ہو گیا۔ اس کے ہم عصر اپنے بچوں میں اس کی تعریف و توصیف کوئے گئے چنانچہ ہم چند رسالوں اور اخباروں کے رپورٹ اور تبصرے نقل کرتے ہیں۔ یوپی کے مشہور اخبار مدینہ بخبور نے ۷ مئی ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس رسالہ پر رپورٹ کیا تھا۔

”نیز نگ خیال لاہور کا ایک نہایت کامیاب رسالہ ہے جس نے جوت اسلوب اور نظر فریب ظاہری و معنوی حسن کے باعث ادب اللہ کے شائق

حلقہ پر اپنا قبضہ کر لیا ہے کارکنان نیزنگ خیال سطل میں متعدد خاص نمبر نکلتے ہیں اور اس وقت ہمیں اس کے عید نمبر پر اظہار رائے کرنے کا فخر حاصل ہوتا ہے فی الجملہ اردو رسائل کی تاریخ میں یہ ایک بے مثال کارنامہ ہے۔ بعد ازاں ہمیں مضامین کے اعتبار سے بھی حجم و ضخامت کے اعتبار سے بھی اور حسن ظاہری اور تصادیر کی بردلعزیزی و کثرت کے اعتبار سے بھی اور ہمیں آفریت ہے کہ ایک دو پیر میں کارکنان نیزنگ خیال مطالعہ مضامین کے ۲۴ صفحات اور تین سہرنگی تصادیر ۲۴ صفحات، تین فوٹو کارٹون اور ایک تقریبی تصویر کیسے دے سکے۔

تصادیر ہر قسم کے مضامین پر مشتمل ہیں مضامین نظم و نثر میں اعلیٰ عہد سے متعلق ہیں مطاببات کے عنوان کے نیچے پانچ مضمون دئے ہیں۔ تین ڈرامے، دو مقالے، نو افسانے اور تین کے قریب نظمیں ہیں۔ جن میں سے عزیز علی بھی شامل ہیں حصہ نظم میں علامہ اقبال، خواجہ دل محمد ایم اے، حفیظ شاہ ولیکر، اصغر سہا، قالی، آزاد انصاری، سائب و میر وغیرہ کے نتائج انکار دئے گئے ہیں اور حصہ نثر میں خواجہ حسن نظامی، مولوی محمد حسین آزاد، خواجہ عبدالرحمن بجنوری، لطیف، امتیاز علی تاج، نائیر، نظامی قدوسی، خواجہ عشرت گھنوی اور منشی پریم چند وغیرہ سے اسکا عمرامی خاص طور پر نمایاں ہیں۔ بعض افسانے بے حدود پزیر ہیں مثلاً صومرا کا لڑکا، نسبانی فطرت کے گویا کیوں، ہر ایک بے نظیر افسانہ ہے ادبی مضامین ’ان‘، ’ت‘ از سید ممتاز علی صاحب اور ہمارے شاعروں کی نفسیات از مولانا سلیم خوب ہیں۔ الغرض عید نمبر پر اعتبار سے جاذب قلوب ہے اور اس ادبی کارنامے پر کارکنان نیزنگ خیال سے زیادہ اہل ملک مبارکباد کے مستحق ہیں جن کی قدر افزائی حکیم محمد یونس

حسن صاحب کو اس قسم کی علمی و ادبی نیرنگیاں پیش کرنے کا موقع ملا تو فرمایا: ”
 جمعہ حیات اسلام لاہور مورخہ ۱۳۳۷ھ میں اس رسالہ پر یہ
 تبصرہ کیا تھا۔“

مگر اذ عنوان شاہکار اپنے بولکھوں محاسن اور گونا گوں لطائف کے
 اعتبار سے اس حقیقت صلاحہ کا ایک بین ثبوت ہے کہ اردو رسائل
 کو مغربی صحائف کے ہم شان بنانا محال اور مستحج نہیں۔ یورپ نظریات و
 سائنس کے پیشرو اور اپنی ہولاد سے یہ آشکارا کرتا رہتا ہے کہ ہر شے کا نقش
 ثانی بول سے بہتر و برتر ہونا چاہئے۔ اردو صحافت نیرنگ خیال پر جس قدر
 فروغ و مہمات کا اظہار کرے بجا ہے اس کے ہر تازہ سیبوع کی گزشتہ ہفتہ
 سے عمدہ تر اور خوش تر ہوتا ہے اس دعویٰ کی روشنی میں نیرنگ
 خیال کا عید منبر ہے جو مشرق و مغرب کے بعض مشاہیر صورتِ محروں کی
 تیار کردہ بتقیس رنگین تصاویر مختلف مباحث پر ایک سو سے زیادہ جہان
 ادب مضامین، متعدد درود منظومات، کئی ایک نفسیات آموز ڈراموں
 بصیرت افروز افسانوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ صحافت کامل ڈھائی سو
 طباعت و لکھرب، کتابت دیدہ زیب، سرورق نہایت عمدہ۔ بایں پھر
 نوادرات قیمت صرف ایک روپیہ۔ معصوری اور ادب کے اس جامع
 الحاسن مرقع کی اشاعت پر ہم نیرنگ خیال کے معجم الذوق فاضل اور
 ہمہ کار مدیر حکیم محمد یوسف حسن کی خدمت میں ہدیہ تبریک و تہنیت
 پیش کرتے ہیں۔“

لاہور کے کثیر الاشاعت ہفتہ وار اخبار پارسی نے ۱۳۳۷ھ میں
 کے شمارے میں برائے اس رسالہ کے عید منبر شائع کیا ہے۔

”لاہور کے مشہور ہونے کے بعد ادبی و سائنس کے خیال کا عید نمبر شائع ہوا ہے۔ عید نمبر نمبر ۲۵۸ صفحات پر ختم ہوا ہے جس میں کتابت کی و لغوی معنی کے ساتھ قریباً ۵۰ صفحات کے برابر معانی و درجہ میں تمام معانی غیر مطبوعہ ہیں اور جہاں تک ہمارا خیال ہے جس قدر اچھے لکھنے والے نیرنگ خیال کو میسر ہیں یہ دیگر ادبی رسائل کو میسر نہیں اس لاجواب اور حقیقتاً بے مثل نمبر میں ایسے ایسے دلچسپ اور بلند کیا یہ معانی ہیں جس کی نظر اردو صحافت میں ہمیں نہیں مل سکتی اور بلا مبالغہ ظاہری اور معنوی اعتبار سے ہم اسے یورپ کے بہترین رسائل کے مقابلہ میں پیش کر سکتے ہیں۔ علاقہ مضامین، نظمیں، فرائض، طاعت، اعلیٰ علمی اور اچھا معانی، ادبی نثر اور دلچسپ ڈرامے، مشاعرہ، نثر وغیرہ سبھی موجود ہے اس کے علاوہ دس نہایت دلچسپ اور سبق آموز آفسانے بھی درج ہیں۔

جن میں سے ہر ایک جواگنڈہ شان رکھتا ہے ان خوبیوں پر تصاویر کا انتظام سونے پر سپاہی کا کام کرتا ہے تصاویر تو اب کئی رسائل شائع کرتے ہی ہیں۔ اسی قسم کی اور کسی اردو رسالے میں شائع نہیں ہوتیں۔ عید نمبر میں بھی کم از کم پندرہ تصاویر ہیں جن میں سے تین تصاویر سہ رنگی میں دو دہلی اور سنہری زمین پر چھپی ہیں۔ باقی تمام فوٹو بکس ہیں اور جموٹی جھوٹی تصاویر کے بجائے بڑے بڑے بلاک ہیں۔ اس اوزان حریر اور کامیاب رسالے کا عید نمبر

ہر پڑنا ہر علم دوست ہندوستانی کا فرض ہونا چاہیے۔“

یہ حقیقت ہے کہ نیرنگ خیال ایسا نکلے کہ اس نے ہمارے اردو صالوں کی روش ہی بدل دی حکیم یوسف حسن نے ایک نئی بات یہ کہ

کہ برچے کی ظاہری خوبیوں کی طرف بھی توجہ دکا نیرنگ خیال سے پہلے رسالوں کے فائیل بالکل سیدھے سادھے ہوتے تھے رسالے کا نام اور ایڈیٹر کا نام بس حکیم صاحب نے طرح طرح کے ڈیزائن بنوا کر کئی کئی رنگ میں ہلاک کی چھپوائی شروع کی مضامین لکھنے کے لئے انہیں لاہور کے چند اچھے لکھنے والے مستقل مل گئے تھے یہی حضرات بعد میں "نیا زمین" لاہور بن گئے ساک امتیاز، پطرس، ہری چند اختر، تاثیر اور ایم اسلم کے مضامین نے نیرنگ خیال کو ایک دم سے اچھا ل دیا۔ جب اس کی ساتھ بن گئی تو نیرنگ خیال کے تمام اچھے لکھنے والوں کے مضامین بھی نیرنگ خیال میں آنے لگے، دوسری تبدیلی حکیم صاحب نے یہ کی کہ نیرنگ خیال کا سائز عام رسالوں سے بڑا کر دیا۔ تیسری اور سب سے بڑی تبدیلی جسے انقلاب کہنا چاہئے یہ کہ نیرنگ خیال کے خاص نمبر اور سال نامے شائع کرنے شروع کر دیئے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے رسالوں نے بھی خاص نمبر چھاپنے شروع کر دیئے۔ عام روش سے بچنے کے لئے حکیم صاحب نے نیرنگ خیال کے خاص نمبروں کا سائز بڑھا کر شائع کر دیا یہاں تک کہ ان کا ایک خاص نمبر گز بھر لکھا نکلا تھا۔ آئسکر اوائل کی تمثیل سلوی کا ترجمہ ڈاکٹر تاثیر کا کیا ہوا۔ اسی خاص نمبر میں چھپا تھا ان کے ہر خاص نمبر میں ایک نہ ایک مضمون ضرور شائع ہوتا تھا مثلاً ایک میں شوکت تھا نوری کا مضمون "سودیشی ریل" چھپا دوسرے میں عظیم بیگ چغتائی کا مزاحیہ افسانہ "انگوٹھی کی مصیبت" اور تیسرے میں قاضی عہد الغفار کے بیٹی کے خطوط۔ ان مضامین کی اشاعت سے "نیرنگ خیال" کی شہرت ہوئی اور نیرنگ خیال کے ذریعہ ان مضمون نگاروں کو شہرت ملی۔ حکیم یوسف حسن صاحب کو صحافی برادری میں عجیبہ کا درجہ حاصل

حاصل تھا

اردو اخبار مار سالہ کوئی ایسا ہو گا کہ اس کی اپنے کسی معاشرے پر بغض نہ چلی ہو کسی نہ کسی بات پر مخالفت ہو جاتی ہے اور بڑے زور شور کے ساتھ قلمی جنگ شروع ہو جاتی ہے اس میں علمی مباحث بھی ہوتے ہیں عبارت پر اعتراض کئے جاتے ہیں اشعار میں غلطیاں نکالی جاتی ہیں اور اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ قلمی جنگ نیرنگ خیال اور پیمانہ میں شروع ہوئی نیرنگ خیال لاہور مورخہ فردری السلطانیہ میں عبارت کی غلطیوں کی گرفت کرتے ہوئے قلمبر کرتا ہے۔

”تصویروں کو جانچنا تو خیر ہمارے معاصرین کو تصاویر لگانے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ پیمانہ نے سپہ سالار جنگ کا فوٹو مچا پادیا نہ دیکھئے کہ اسے فقط حیدر آباد کے خریداروں اور معامروں کو بھیجا باقی ہر جے خالی رکھے‘ فوٹو بیغوی‘ کا قلم جو کورا اور حاشیہ معنی جیسے سانپ کی چال‘ یہ سلیقہ ہمارے عمر خیام“ ہی پر ختم تھا۔ پورپ کی نقل کرنے کو بھی عقل چاہئے۔“ فنون لطیفہ سے ہندوستان میں جس قدر بے اعتنائی برتی جا

رہی ہے اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ادبی رسالوں کے ایڈیٹریہ بھی نہیں جانتے کہ مصوری قلم سے کی جاتی ہے اور مجسمہ سالہ قلم سے نہیں کی جاتی۔ حدیر پیمانہ کا یہ کہنا کہ مرمریں مجسموں میں صنائع کے قلم کی ملکوتی نظر آتی ہے ایک حد تک معنیٰ خیز معلوم ہوتا ہے ایک اور معنوں نگاہ پیمانہ لکھتا ہے۔۔

”موجودہ زمانہ میں موسیقی مصوری اور نظم گوئی ایجاد ایسی نہیں جو زمانہ قدیم سے اعلیٰ نمونہ سے برابری کا دعویٰ بھی کر سکے۔“
 ”نظم کے متعلق پیمانہ میں ساغر و سیلاب کے ہوتے ہوئے یہ لکھنا واقعی بڑی اہمیت کا کام ہے مگر جس کاوش و تحقیق پر ناز کیا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل فقروں میں مفقود نظر آتی ہے۔“

”اجنٹا کی قدیم ترین مصوری حضرت مسیحؑ سے ایک صدی قبل کی ہے۔۔۔۔۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ایلورا اور ایلینفٹا کے نمونے ہائے سنگ تراشی وجود میں آئے۔۔۔۔۔ اجنٹا کے منہدم آثار ایلینفٹا کے غار امراتی کے پتھر سمیت کھنڈر اور ایلورا کے مندر اہل بھ کی یادگاریں سراپا اندھ و ظلال بنے ہوئے ہیں۔“

”مضمون زنگار صاحب نے کہیں سے کچھ باتیں سنکر جمع کر دی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فقط اجنٹا کی غار میں اہل برہ کی صنائی کا نتیجہ ہیں چنانچہ ایلینفٹا کے شولنگ کے مندر تمام ہندو مت کے مظہر ہیں ایلورا کے شو اور پار جی کے قصے بھی خالص ہندو عہد کے نمونہ ہیں جو سات سو عیسوی سے شروع ہوتا ہے یہ وہ عہد ہے جب مصوری مفقود ہو جاتی ہے اور سنگ تراشی کا دور دورہ ہوتا ہے لیکن مضمون نگار کی اس قاش غلطی سے زیادہ مضحکہ خیز غلطی خود غتاب ایڈیٹر کی ہے جو لکھتے ہیں۔“

”علیگزہ کا شہر ہندوستان کے مغرب میں ۱۹۴۶ء میں رقبہ میں آباد ہے۔“

خدا جانے یہ معلومات کہاں سے یہم پہنچائی گئی ہیں۔ معلوم ہوا ہے

میر رسالہ میرے دوست میں اور دوست کے ساتھ کوئی زیادتی میرے
مذہب میں جائزہ نہیں۔“

مسلک میں ملک تقسیم ہوا۔ پاکستان بنا۔ اس کا سب سے بڑا نقصان
نیرنگ خیال لاہور کو ہوا جسکی بنا پر نیرنگ خیال گولڈن جوبلی میگزین ۱۹۷۹ء میں
شائع ہوا جسکا عنوان ہے۔ اب آخر میں نیرنگ خیال کی کہانی بھی سن لیجئے۔
بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ نیرنگ خیال جو پاک و ہند کا کثیر الاشاعت
ماہنامہ تھا جس کے پڑھنے والے پشاور سے ٹیکر لاہور تک اور لاہور سے
دہلی، لکھنؤ، آلہ آباد، آگرہ، کانپور، حیدر آباد، کلکتہ اور بمبئی تک پھیلے ہوئے
تھے۔ آج تک کسی اردو رسالے کے سالانہ چنودہ ادا کر کے خریدار بننے والوں کی
تعداد آٹھ ہزار نہ دیکھی نہ سنی تھی۔ یہ کاحیلی لامثال تھی۔

ہم نے پاکستان کے لئے شب و روز دعائیں مانگیں اور اس کی آہو
کے انتظار اور شوق و ذوق ہی دیوانوں کی طرح سربراہ آنکھیں بھجھائیں اور
روح اور زندگی کو قربان کئے بیٹھے تھے۔ ہم ہندوستان سے آئے ہوئے
مہاجرین کو گلے سے لگاتے تھے اور ان کو زندگی کی نئی دوز میں حصہ لینے پر
مستعد بناتے اور ہر طرح کی امداد ہم پہنچاتے تھے۔

پہنچا پاکستان کے قیام کے دنوں میں اس کا سالاد نمبر دنیائے اسلام
کے نام سے شائع کیا تھا۔ اور اس رسالہ کا کثیر حصہ جو پانچ ہزار دیکھا جلی
کاپیوں پر مشتمل تھا۔ علاوہ چار ہزار سرسری ماہانہ ڈاک کے لئے جب ڈاک
خانہ میں پہنچا تو سب سے اول پوسٹ ماسٹر صاحب نے ہمیں اطلاع دی کہ
قیام پاکستان کے بعد پاکستان اور ہندوستان کی سرحدیں جدا ہو گئی
ہیں اب معمولی ڈاک تو جاسکتی ہے مگر نہ دی جاسکتی نہ مٹی آرڈر آج

سکتے ہیں۔ لہذا اس عام ڈاک کے علاوہ تمام دیہی جٹلوں کو واپس لے جائیں اس کو جاکر چھانٹ لیں اور جو ڈاک پاکستان کی ہے وہ بھی دے دیں تاکہ ہم پوسٹ کر دیں باقی واپس لے جائیں یہ ہے اس پتہ کی اجازت۔

چنانچہ ہم نے چھرا سی کو گھر بھیجا اور خانی پور یاں ڈاک خانہ میں منگوا لیں۔ جو ڈاک اور دیکھی ہندوستانی علاقہ کے تھے وہ ہم نے پوری میں بھر کر واپس دفتر پہنچا دیے۔ باقی پاکستان کی ڈاک حوالہ ڈاک خانہ کر دی اس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ پاکستان کے خزانہ داروں کی تعداد دو ہزار سے بھی کم نکلی اور ہندوستان کی خزانہ داروں کی تعداد چھ ہزار سے اوپر تھی

ہمیں بہت فکر اور پریشانی پیدا ہو گئی۔ یکایک ہماری حالت ایسی ہو گئی جیسے کہ ہم آسمان سے فرش پر آن گرے ہوں جیسے نیرنگ خیال دلا رہے ہو گیا ہو۔ ہماری آمدنی اور رسالہ کی اشاعت سب سے سمیٹ کر چھٹائی سے بھی کم رہ گئی تھی۔

کچھ عرصہ ہم اس موہوم خیال میں کھوئے رہے کہ بالآخر ڈاک دیہی اور منی آرڈر گھل جائیں گے۔ ایسا دوائی نہیں ہو سکتا کہ یہ سب کچھ کاغذی ہے مگر ۶ مہینے کی پریشانی کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے خطرات صحیح ہیں۔ حکومتوں میں دیہی اور منی آرڈروں کے تبادلے نہیں ہوئے۔ وہ ایک دوسرے پر بھروسہ اور یقین نہیں کر سکتے؟ ہمارے بعض ہندوستانی احباب نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم پاکستان سے ہجرت کر کے دہلی کو اپنا مرکز بنائیں اور نیرنگ خیال کو دہلی سے جاری کریں اور پنجاب میں ایک چھوٹا سا سب آفس نیرنگ خیال کا بھی رہے مگر ملک کی سیاسی فضا یہ کہتی تھی کہ ہم سے یہ سب کچھ یعنی ہجرت اور دہلی میں دفتر کا قیام نہ ہو سکے گا۔ ان دنوں

دہلی اور پنجاب میں بھارتی سکھ صوبہ میں جو چپقلش اور بے چینی دونوں
جگہ پائی جاتی تھی۔ اور آئے دن ہندوستان میں ہندو مسلم نزادات ہمیں
آگاہ کرتے تھے کہ یہ برصغیر قومیات کے مصائب جھیلنے کے بعد بھی اتفاق و
اتحاد سے مل بیٹھنے کے حق میں نہیں ہیں۔

پنجاب سے دہلی جاتے ہوئے بعد ہندو احباب نے اپنے مکان کا دروازہ
اور دکانیں اور کارخانے تک ہمیں بلا غلط فہم سوئچ دینے پر آمادگی کا
اظہار کیا۔ مگر ہماری طبیعت ایسے ہر وہم بھرنے اور اس سے اپنی قسمت بدل
لینے پر کبھی مستعد نہ ہوئی اور ہم ایسی تمام اشیاء کو قبضہ میں لینے کا مطلب
نہ کہہ اور پے ہم تو انہیں چھوڑنے تک کے لئے تیار نہ تھے اور ایسا کرنا بھی کفر
و گناہ سمجھتے تھے۔ ایسے ضعیف و کمزور طبع انسان سے آپ کسی گراڈریلے
کا رنامہ کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ پس اگر ہم نے نیرنگ خیال شائع کر کے ایک
کارنامہ کہا تھا اور اسے ۲۵ سال تک انتہائی شہرت کی چوٹی اور کامیابی
کے آسمان تک پہنچا بھی دیا تو پاکستان کے قیام سے ۱۹۴۷ء تک ہم نے
آخری ۳۰ سال قریباً پاکستان میں نیرنگ خیال کو قائم اور زندہ رکھنے کے
لئے اور اس کا ڈیگریشن قائم رکھنے کے لئے ہم اس دیوالیہ دم کو کندھوں
پر اٹھائے پھرے اپنی طبابت کی جدوجہد سے جو کچھ ہم کماتے اس میں
انتہائی تنگی ترسٹی سے گزار کرتے تھے اور ہر ماہ جیسے ہوتا دو تین سو
روپے رسالہ کے نقصان بولا کرنے کے لئے گرہ سے نیرنگ خیال پر خرچ
کرتے اُسے باقاعدگی سے نکالتے تھے اور ہم کسی آنے والے خوشحال زمانے
کا انتظار کرتے تھے جو شاید کسی بخومی نے ہمیں بتلایا ہو گا کہ ایسا وقت
حرور آئے گا اگر آسوس کہ ایسا دور نہ آیا بلکہ پاکستان جیسے محدود

ذرا نیکے والے ملک کی زمین جنگیں لڑنا پڑی اور ایک جنگ میں اس نے قومی دشمن کا منہ پھیر دیا تو دوسری جنگ میں پاکستان اپنی آدھی ملکیت گنوا بیٹھا ان حالت میں کسی خوش گوار دن کا سامنا نہیں ہو سکتا بلکہ تکلیف میں اضافہ اور پریشانیوں میں زیادتیاں ہی مشاہدہ میں آتی رہیں۔ ان ہی حالت سے مجبور متاثر ہو کر میں نے اپنی عمر کے اس حصہ میں ملازمت کر لی تھی جس کے ساتھ نیرنگ خیال کے دور مثالی گیارہ اور اپنی طبابت کے بن پوتے پر ہی کام چلا تا رہا مجھے ہر ماہ دو تین سو روپے نیرنگ خیال کو زائدہ وقائم رکھنے اور باقاعدگی سے شائع کرنے پر مرفی کرنے پڑتے تھے ان سے متاثر ہو کر جناب شاہد احمد صاحب دہلوی مدیر ساقی دہلوی نے لکھا تھا۔

”حکیم یوسف حسین کو ہمدانی برادری میں مجتہد کا درجہ حاصل ہے مگر افسوس ہے کہ ادب کے اتنے بڑے خدمت گزار اور محسن کو زمانے کی گردنوں نے ماضی کے دھند لکوں میں محو کر دیا۔ اس عالم ضعیفی میں جفا کھا کر کے حکیم صاحب نیرنگ خیال شائع کر رہے ہیں اور یہ انہیں کی بہت ہے۔“

شاہد احمد صاحب مدیر ساقی نے درست لکھا۔ نیرنگ خیال کو اس حالت میں قائم رکھنے اور بروقت شائع کرنے میں مجھے دو تین سو روپے آمدنی میں سے نیرنگ خیال کی بھینٹ کرنے پڑتے تھے۔ ہم اس عہد کو نیرنگ خیال کا دورِ ثانی کہتے تھے۔ پہلا دور جتنا درخشاں تھا دوسرا دور اتنا ہی ضعیف اور پڑمردہ تھا۔ اس طرح رسلے کو زائدہ رکھنے کے لئے مجھے کم از کم ۵۰۰ روپے خرچ کرنے پڑے۔ اب

جنگ کا اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ نیرنگ خیال کو لاکھوں کا سرمایہ کھلا کر بھی اس مقام تک نہ پہنچا سکتے تھے۔ نیرنگ خیال کا دور ثانی پاکستانی رسالوں کے معیار کے مطابق تھا لیکن یہ ہمارے بے عزتی اور بدنامی کا ذریعہ تھا۔

”عزیزو اور دوستو یہ نیرنگ خیال کی پمپا اور جس میں ہم نے ۵۲ سال کسمپرسی میں گزارے ہیں اس زمانہ میں کاغذ کی گزائی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ گزشتہ چھ سال سے پاکستان قسم قسم کی ملکی بے چینی اور جھگڑوں کا مرکز رہا۔ ہماری زندگی میں لیاقت علی سردار ایوب خان سردار یحییٰ خان اور سردار بھٹو خان گذرے ہیں، ہماری زندگی ان چاروں دوروں کا ہر رخ ہو چکا ہے اور سب سے متاثر ہوئی ہے۔ خدا کی قدرت ہے پاکستان میں جو قسم قسم کی لاکھوں پیڑا ہو گئی ہیں ان کے جو اسباب ہیں ان میں گزشتہ چھ سال سے جنگ کا اس کا جزو اعظم ہے آج وہ مزدور جو تین روپے اجرت لیتا تھا اب ۲۰ روپے لیتا ہے اور راج ۴۰ روپے تک طلب کرتے ہیں گو باہر شخص کی مزدوریت یکایک آٹھ دس گنا بڑھ گئی ہے وہ یہ رقم ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ حالسہ تاثرات پرزور اور کاغذ آراء پیرکتوں اور رسالوں کی جلدوں اور تصاویر کی تیاری اور طباعت پر خرچ ہوتی ہے اب وہ دور آ گیا ہے کہ اچھے اخبار اور رسائل کو صرف حکومت یا لابیوں اور کثیر منافع کمانے والے مانفان مل ہی چھاپنے کا حوصلہ کر سکتے ہیں۔ نیرنگ خیال کی عمر کثیر ہے اس کا یہ پرچہ ٹھیک ۵۲ سالوں کے بتاؤں پر ہو رہا ہے پہلا پرچہ جولائی ۱۹۴۴ء کو شائع ہوا تھا۔ خوش قسمتی یا بد قسمتی ہے میں ابھی زندہ ہوں کہ اپنے ہاتھ سے لکائے ہوئے پودے کا آخری ٹھہر آپ کی خدمت میں اپنے ہاتھ سے پیش کر دوں میں برہمن نیرنگ خیال میں کسی جیلے بہانے یا عنوان کے تحت باتیں مزدور لکھا کرتا تھا۔ آج نصف صدی کے بعد یہ

رسالہ نیرنگ خیال کے جوہلی نمبر کے لئے آخری بات کہہ رہا ہوں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رہے نام اللہ کا باقی سب بیخ۔

میں نے اپنے محترم دوست سلطان رشک صاحب کو نومبر ۱۹۷۶ء میں ہی نیرنگ خیال کا ڈیکلریشن منتقل کر دیا تھا اب وہ جملہ پریس ضابطوں کے ساتھ اس کے پرنٹر اور پبلیشر میں۔ میں اب اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔ سلطان رشک کافی دیر سے نیرنگ خیال کا جوہلی نمبر تیار کر رہے تھے جو اس زمانہ میں ہر لحاظ سے ایک گراں قدر مسئلہ ہے اور یہ کام اتنا بھاری بھر کم تھا کہ مجھے اپنے علاوہ طبع کے باوجود ان کی کچھ نہ کچھ اعلاذ کرنی پڑی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہ جوہلی نمبر شائع ہو گیا۔

اس حقیقت نگاری کے بعد جیسے میری باتوں کی آخری قسط قرار دیا جاسکتا ہے اور جن کے طول ہو جانے کا مجھے افسوس ہے میں بزم نیرنگ خیال سے مدد ختی کے موقع پر اپنے دوست و احباب اور قارئین کرام کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے ساتھ میں نے تقریباً ۵۵ سال کا عرصہ اور بعض کے ساتھ چند سالوں کی خوشگوار رفاقت ہمارے لئے مسرت و اطمینان کا باعث ہے خصوصاً اپنے ساتھی سلطان رشک کا جنہوں نے اس عرصہ میں نیرنگ خیال کی سآکھ اور شہرت کو برقرار رکھنے کی قابل قدر کوشش کی جس کا صدمہ بھی نیرنگ خیال کی چند یادگار طرے سے لبریز ہے ان میں نیرنگ خیال کا پانچ سو گواں عمر، چینی افسانہ نمبر منزل نمبر اور اب یہ گرانڈ پل جوہلی نمبر بھی شامل ہے آخر میں سید منیر جعفر صاحب کا ذکر بے محل نہ ہو گا جو نیرنگ خیال کے اس آخری دور میں ہر قدم پر نیرنگ خیال سلطان رشک اور حکیم یوسف حسن کی حوصلہ افزائی کے فرائض ادا کرتے رہے۔ زندہ باد۔

ایڈیٹر نیرنگ خیال حکیم محمد یوسف حسن لاہور کی آپ بیتی بھی ان کی فلم

سے سننے پر رنگ خیال گوڑن جنگ جوئی محنت میں چھپی ہے۔ جس کا
مناوان ہے آخری بات " (۲۰ سالہ دو لہا کے روپ میں)۔

جناب حکیم محمد یوسف حسن کی آبائی
اس طرح جی کہ بعد مرنے کے " یاد کوئی تو گاہ گاہ کرتے

میں اپنی سرگزشت کیا لکھوں ۵۰ سال کی عمر میں " میری ماں " مر گئی! وہ
ماں جو مجھے اس عمر میں یعنی ایک پانچ سالہ طفل کو اپنے سامنے از غولی صاذ
سر پہ بندھوا کر دو لہا کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے بستر
مرگ پر اپنا اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرے بچے یوسف کو لاؤ اور میرے
سامنے کر سی پر بیٹھا کر اس کے سر پہ سرخ دود پٹہ کا صاذ باندھو۔ دو لہا
بناؤ۔ میں کر سی پر بیٹھا تھا گھر کے تمام افراد جمع تھے۔ چاروں طرف آنکھیں
بھینگی ہوئی تھیں۔ ماں نے انک حسرت بھری نظر سے دیکھا جس میں مسرت
بھی بکھر رہی تھی! پھر ماں نے دم توڑ دیا۔!! اپنے دو لہا بچے کے سامنے۔

میری ماں تو مر گئی، لیکن ان کی جانشین بھی میرے لئے شفیق و احسن
ثابت ہوئی۔ والد صاحب بھی میری تعلیم و تربیت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اس طرح
میں اسکولی تعلیم میں بڑی تیزی سے بڑھتا ابھرتا چلا جاتا تھا۔ فلاسین بھلائی
ہوا دسویں جماعت تک آن پہنچا۔ مگر میری اسکولی تعلیم کوئی گھن لگ چکے تھے
اس وقت میرے والد صاحب ریوے میں گارڈ تھے۔ انہیں دوسرے
چھٹی ملتی تھی۔ انہیں پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ وہ اپنے فرحت کے وقت
میں پیسہ اجارے کے ادارے میں جاتے اور وہاں سے رتجے وغیرہ کے کام
کرتے تھے۔ انہوں نے کئی نادلوں کے رتجے کر کے دیئے اور ان کے تھیلے میں

حکم کے ناول اور افسانوں کی کتابیں ہوتی تھیں۔ جنہیں میں والد صاحب کی غیر حاضری میں پڑھتا تھا۔ اسکوئی کتابیں اور حساب والمبر کے دقیق مسائل پر وزن نہ لگتا تھا۔ ناول اور افسانے پڑھنے کی جگہ تھی۔ یہ ذوق و شوق اتنا بڑھا کہ لکھنؤ والوں کی عظیم نفسیات طلسم ہوش رہا کی لاکھوں صفحات کی افسانہ نوی رنگین کتابیں دو تین برس متواتر میرے مطالعہ میں رہیں۔ ان کتابوں سے علم و فن کا ایک قیمتی درس تو مجھے حاصل ہوتا رہا۔ اس کے سوا اردو فاضل چٹک نہ تھی۔ البتہ کبھی کبھی کچلے میدانوں میں بھی جاتا۔ اور بس۔

تو بہ ناول و افسانہ اور رسائل و میگزین سے تعارف حضرت والد صاحب کے وسیلہ سے حاصل ہوا۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ والد صاحب سے علم و فن کے دفتر کے دفتر لکھنوی قصہ گو افسانہ نگاروں نے بنایا۔ سہ ماہی کی ترقی اور نشوونما کی تربیت کے لئے چار دانگ عالم میں کچھ نہ کچھ بکھرتے تھے۔ ہمارے لئے اب یہی حبلہ و سیدہ علم بن چکے تھے۔ اسکوئی اردو فاضل تعلیم نے علی الرغم ہمارے بچے میں اب کوئی استعداد نہ تھی اس لئے والد صاحب نے ان کے لئے ایک ہاؤس بھی دیا اور ملازمت کی درخواست

دیا۔ ہاؤس دینے والا نہ پر ملازمت مل گئی چھ ماہ لاہور کے مال گودام میں تربیت ہوئی۔ ہاؤس ہو گئے۔ ان ہی دلیوں حضرت والد صاحب ترقی کرتے ہوئے مال گودام لاہور سے پیشہ نفس کے ہٹ کر کیرا نامزد ہو گئے تھے اور ان کی سفارش سے یہی تعلیم پرانی ملازمت پور ہو گئی۔ اب زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ایک با حشرت زمانہ گھر ملا۔ ۱۸ روپے تنخواہ۔ اور کچھ اور پری آمدنیاں۔ حضرت والد صاحب کی دفتری حکومت اور عزت و رسوخ و رعب و دبدبہ بالکل پور

زندگی کے ساٹھ سال میرے لئے کیمبرج اور لندن کی طرح عظیم تہذیبوں اور ترقیوں کا ذریعہ بن گئے۔ لائل پور میں ایک خلا پرست نیک اور فیاض مسلمان عالم کے دستِ حق پرست ہاتھ رکھا، اور جناب مولانا حکیم نواز الدین صاحب دلال پوری سے طب پڑھنا شروع کی۔ چند سال سبقتاً طب پڑھی۔ ان کے مطب کا طور طریقہ اور رنگ ڈھنگ بھی دیکھا۔ انہوں نے سندھی اور مطب کی اجازت بھی بخشی۔

۲۔ لاہور میں ڈاکٹر کرم چند ندیشی نے پہلا ہومو پیتھک کالج کھولا جس نے بھی اس کالج میں داخلہ لے لیا۔ سال کے بعد امتحانات ہوئے اور اہل ایچ ایم ایس ۱۸ طالبہ علم امتحان میں بیٹھے تھے اور میں ان ۱۸ طالبہ سرور میں سے سرفہرست تھا۔ مجھے طلاقی تمغہ اور سند بھی ملی۔

۳۔ لائل پور سے سکھوں کا ایک ہفتہ وار اخبار خالصہ اخبار نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر لال سنگھ ایم اے تھے ان معاون مجھے رکھا گیا، ورہ رو پئے ماہوار معاوضہ ملتا رہا۔

۴۔ بجنور سے ایک ہفتہ وار اخبار الخلیل نکلتا تھا اس سے خط و کتابت تھی۔ اس اخبار کا ادارہ اور ادارتی شذرے بھی میں ہر ہفتہ بھیجتا تھا۔ لائل پور سے ۲۰ روپے ماہانہ معاوضہ ملتا تھا۔ یہ معاوضہ بہت کم تھا۔ ایک تو اس زمانہ میں شرح کچھ ایسی ہی تھی۔ اور میں تو یہ دیکھتا ہے کہ ایک گمنام نوجوان کے لئے یہ سب کچھ بڑا اعزاز معلوم ہو رہا تھا اور ساتھ ساتھ ملازمت کے فرائض بھی یہ حسن خوبی سر انجام دے رہا تھا۔

۵۔ اسی خوش بخت عہد میں علامہ اقبال کو بڑھا۔ اسرارِ خودی حریر اور لائل پور کے مال گودام میں درپہر کے وقت جب شدت کی گرمی کے سچے

دور دور تک انسان نظر نہ آتا تھا۔ میں بڑھ چکا ہوں تلے بیٹھا اسرار
خودی کا درس لے رہا تھا۔ انہی دنوں میری نظر سے یہ شعر گزرا
الحذر از نان چاکسرا لحد زلف خویش از دست دیگر لحد
نوکری اور چاکری کے خلاف علامہ نے جس پیرایہ میں آواز بلند کی
ہے کہ اس نے مجھے مجنون بنا ڈالا۔ اس دن سے نوکری چھوڑ دینی آزاد
زندگی کی راہیں استوار کرتا رہا۔

چنانچہ سات سال کی نوکری کے بعد اپنی ملازمت کو ٹریفک آفس میں
بطور کلرک تبدیل کر لیا۔ لاہور پہنچ کر ۶ ماہ بعد میں نے ریوے کی ملازمت
سے استعفا دے دیا اور لاہور میں باقاعدہ اپنے مطب کی بنیاد رکھی۔
ریوے کے بعد ایک سال تک میں نے رسالہ الحکیم جو پاکستان کے کامیاب
ترین طبیب حکیم فیروز الدین کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا اور حضرت حکیم
مصائب پنجاب میں طب یونانی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والوں میں سے
تھے۔ ان کے ساتھ ایک سال تک کام کیا۔ یہاں مجھے ۵۰ روپے ماہوار تنخواہ
ملتی تھی الحکیم کی ادارت مجھ سے پہلے حکیم محمد حسن ترمشی کر رہے تھے۔ ان کے
بعد دیر قدم پنجاب کے متمول ترین طبیب ادارہ ہندت تھا اگر دت کے ساتھ ان
کے ہفتہ وار اخبار دلش او پکارک میں کام کیا۔ دلش او پکارک کے
دستریں بیٹھ کر میں نے مشکل سے ہفتہ دو ہفتہ کام کیا ہو گا۔ یہاں تنخواہ
۱۰ روپے سے شروع ہوئی اور ۱۲ روپے تک پہنچی۔ اس کے بعد باہر کے
مریضوں کے خطوط پڑھ کر ان کے لئے علاج تجویز کرنے کا کام دیا گیا تو یہ
معاوضہ اڑھائی تین سو روپے ماہوار جا پہنچا تھا اور تمام کام گھر پر ہی
ہوتا تھا اس سے مجھے اپنے مطب پر پوری توجہ دینے اور اسے کامیاب

بنانے میں بڑی مدد ملی اور میری آمدنی میں معقول اضافہ ہو گیا۔ ان ہی ایام میں اپنی پہلی طبی تصنیف طبی و محقق شائع کی اس کتاب کا حجم ۵۰ صفحات کتاب جلد تھی اور قیمت ۵ روپے تھی۔ یہ کتاب بڑی تیزی سے مقبول ہوئی اور پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہوا پھر دوسری جلد صنعت اگر تمام سے شائع ہوئی۔ یہ ۳۰ صفحات پر شائع ہوئی۔ دونوں کتابوں کے میں مین چار چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ میں طبی تحریکوں اور پنجاب طبی کانفرنس میں بھی شامل تھا، اور لاہور کی طبیہ کمیٹی کا جنرل سکرٹری بھی تھا۔ میں نے اپنے والد محترم میا بدر الدین جن کے متعلق سرسری طور پر لکھا تھا کہ

سیری نرسیت کے آبائی

انہوں نے ریلوے میں سیکنڈ گارڈ سے ملازمت شروع کی مگر انہیں علم و ادب سے بھی لگاؤ تھا۔ ریلوے کی اس نوکری میں ایک دن کام ہوتا ہے ایک دن چھٹی۔ اس لئے حضرت طالب صاحب کچھ ترجمہ کے کام ادارہ پیسہ اخبار سے لایا کرتے تھے اور انہوں نے چند ناول اور افسانے کی کتابیں بھی ترجمہ کیں۔ میں ان ہی کے پھیلے سے ناول اور رسالے لکھا کر ۱۲ سال کی عمر ہی میں پڑھتا تھا۔ گویا یہ ذوق درحقیقت گھر سے شروع ہوا تھا اور آبائی تھا۔ والد صاحب ڈی ٹی ایس آفس میں ہیڈ کلرک ہو گئے تو انہوں نے ترجمہ کا کام بند کر دیا۔ اب دفتر کا کام ہی کثیر تھا اور اکثر فائلیں گھر پر بھی آتی تھیں دوسرے سیکنڈ گارڈ کی تنخواہ ۳۰ روپے اور ہیڈ کلرک کے تنخواہ ۵۰ روپے سے شروع ہوتی تھی۔ اس لئے اب انہیں ترجمہ کر کے آمدنی بڑھانے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اسی طرح حضرت میا صاحب لائسنس پور، خوشاب، مریہانہ اور

ملتان میں بطور ہیڈ کلرک تعینات رہے اور ان دفاتر میں کام کیا۔ ملتان میں تو کئی سال قیام رہا۔ پھر وہاں سے ان کی تہذیبی سکھر ہو گئی اور سکھر ریلوے آفس میں تنخواہ ۲۰۰ روپے ہو چکی تھی۔ ان کا آخری دفتر کراچی تھا۔ جہاں وہ سات آٹھ سال تک کام کرتے رہے اور چیف کلرک ہو کر ساڑھے چار سو روپے پر ۵۵ سال کی عمر میں رٹائرڈ ہوئے۔ انہیں نصف لاکھ کے قریب گزبھوٹی ملی تھی۔ انہوں نے لاہور میں اپنا مکان تعمیر کیا۔ وہ ارزانی کے دن تھے۔

ریلوے کی ہڈ کلرک سے پہلے حضرت والد صاحب ۵۱ افسروں کے ایک ڈیپوٹیشن میں بھی شامل ہوئے تھے۔ جسے حکومت انگلستان نے نائیجیریا میں انتظامی معاملات میں مرد لینے کے لئے منتخب کیا تھا۔ یہ لوگ لاہور سے بھجوائے گئے تھے۔ یہ جماعت ایک سال نائیجیریا (مغربی افریقہ) میں رہی اور اس طرح آتے جاتے ہوئے انگلستان کی سیر و سیاحت کا بھی موقع آپس ملا۔ رٹائرڈ ہونے کے بعد حضرت میاں صاحب زیادہ وقت آرام سے گزارتے رہے۔ ۱۲ اولادیں تھیں جن میں سے بعض بڑے اچھے کاموں پر تھے ایک وسیع کنبہ تھا۔ اس رٹائرمنٹ کے بعد حضرت والد صاحب چند سال نیرنگ خیال کے دفتر کا انتظام بھی کرتے رہے اور رسالہ کی اعلیٰ بڑھانے کے وسائل بھی سوچتے رہے۔ آپ کا نام نیرنگ خیال ادارہ میں کئی سال چھپتا رہا۔ نیرنگ خیال کے فائل اس کے شاہد ہیں۔ اللہ پاک مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دیں آمین۔

ذوق صحافت سے اجڑے نیرنگ خیال تک

رہوے کی چار دیواری میں جب مقید تھا تو اخبار زمیندار کا لائل پور میں نامہ نگار خصوصی تھا اور میرے نکمے ہوئے کئی نیچر زمیندار اخبار میں شائع ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی نے اخبار تو حید جب میرٹھ سے نکلا تو اس میں فرنسیسی ڈیوک کا اکلوتا لادلا نامی ایک افسانہ چھپا تھا جس پر ایک اشرفی انعام ملا تھا۔ تحلیل بجنور کے ادارہ اور نوٹ لائل پور سے میں بھیجواتا تھا۔ سکھوں کے خالصہ اخبار کا میں نائب مدیر تھا۔ لاہور منتقل ہو جانے اور طبابت شروع کرنے تک الحکیم اور دیش او پکارک کی ادارت بھی کی۔

میں نے سر عبدالقادر کے ماہنامہ فزوں میں ۸ مضامین لکھے۔ ماہنامہ ہمایوں میں ایک افسانہ بھی لکھا۔ اس طرح میں تندرستی پنجاب کی ادبی دنیا کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔

لاہور میں اپنی طبابت میں نمایاں قدر منزلت ہو جانے کے ساتھ پنجاب کی طبی سیاست میں نمایاں شخصیت تھا۔ اور جناب شفا الملک حکیم محمد حسن قریشی کا دایاں ہاتھ سمجھا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر اصل چیز یہ تھی کہ میرے سینے میں اور میرے قلب میں ایک لاوا پھوٹ نکلنے اور بہہ نکلنے کے لئے ہر قول رہا تھا۔ اس عہد کے انگریزی رسائل اور اخبارات کے مطالعہ کا بھی شوق دامنگیر تھا۔ انگریزی رسائل کے محنت آپ کو دیکھ کر شرم و ذلالت سے آنکھیں جھٹک جاتی تھیں۔ ہمارے رسائل خوب صورت رنگین اور منقوش ٹائٹلوں سے محرم ہوتے تھے۔ کتابت کاغذ ہلکا اور ناز اور بھدی ہوتی تھی۔ آرٹ کی رنگین تصویر شائع کرنا شاید ہم نے کبھی خواب میں بھی تصور نہ کیا تھا۔ فوٹو کے اخباری اور یادگاری بلاک

بھی چھاپنے کی ہمت نہ تھی۔ ہمارے چوٹی کے اہل قلم اپنے ملکی رسائل میں شاذ و نادر ہی کبھی لکھتے تھے۔ ہماری مطبوعات انہی روی اور گھٹیا ہوتی تھیں کہ بہت کم لوگوں کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے رسائل میں لکھیں۔ اس لئے اپنی مگر ہوتی مصحفیت اور کمزور ادبی جدوجہد کو زبردہ اور کامیاب بنانے کے لئے میرے دل میں ایک امگ اور ایک جوش اور ایمان تھا۔ اور یہ جوش اتنا قوی تھا کہ اس نے جنوں کی سی پوزیشن حاصل کر لی تھی۔ بغیر سرمایہ اور بغیر کسی ادبی ادارہ میں ترتیب و تعلیم حاصل کرنے کے میں اس عظیم اقدام کے لئے دیوانہ وار سر پٹ دوڑا چلا جاتا تھا۔ دوست احباب سب روبرو کہتے تھے۔ وہ لوگ جو اس میدان میں جہاد کر چکے تھے وہ سب مجھے سمجھانے اور کہتے تھے۔ اس کے خطرات جو یقینی موت اور ہلاکت تھی۔ اس سے ڈراتے تھے۔ باوجود ان تمام باتوں کے

بے خطر کو دہڑا آتش غرور میں عشق

اور یہاں وہ عقل ہی مٹ چکی تھی جو محبوب بام ہو سکتی تھی!!!۔ میں نے جیسے بھی بنا جولائی ۱۹۲۴ء میں نیرنگ خیال کا پہلا شمارہ شائع کر دیا اور یہ بغیر کسی دنیادی بن بوتے کے، بغیر دولت و سرمایہ کے، علم و فضل کی بلند بلندی پر گزرنے کے بغیر ہندوستان اور انگلستان کی سفارت سے تہی دست ہونے پر نیرنگ خیال کا پہلا پرچہ لفظ خدا شائع ہو گیا جولائی ۱۹۲۴ء کے نیرنگ خیال کے پہلے نمبر کا ٹائٹل چغتائی نے بنایا تھا۔ اس کے ٹائٹل کی کتابت صاحب علم و فن شہزاد الملک حکیم فقیر محمد چشتی نے کی تھی۔ چغتائی کی تصویر ملنے والی رسالہ کے پہلے صفحہ پر اپنی پیاد سمیت ذوق پیشوائی کے لئے موجود تھی ٹائٹل پر صرف دو نام تھے، حکیم محمد یوسف حسن اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر۔ ۷۲ صفحے کا رسالہ اور

قیمت مرہ ۵ آنے۔ سالانہ چندہ ۳ روپے۔ لیجئے مبارک سلامت کا
شور مچا۔ مرجبا آخری کے نعرہ بلند ہوئے۔

ہم نے نیرنگ خیال کے پہلے نمبر میں رسالہ کی ضرورت اور پالیسی پر نیک
طوبی مقالہ لکھا تھا مگر آج اس کو دہرانے کا نہ تو موقع ہے نہ تو ضرورت۔ البتہ
اس اعلان کی آخری چند سطور بیان نقل کرنا ہوں جس سے ہمارے عزائم
اور پروگرام کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔

”ہم نے نیرنگ خیال کا اجراء الادبیات میں اس
کمی کو محسوس کرتے ہوئے کیا کہ ہمارا طبعانوم کے
احاطہ نظر کو وسعت دینا ہے۔ اور یہ بھی اس طرح ہو
سکتا ہے کہ مہذب دنیا کے ہر شعبہ خیال کو ادبی لباس
میں پیش کیا جائے۔ مذہبی معاشرتی، تعلیمی، تاریخی، علمی،
ہر قسم کے مضامین ہوں گے۔ مگر اس تنوع کے ساتھ
ایک مقصد وحید ہر وقت پیش نظر رہے گا کہ ہر
مضمون ایک ادبی تحریر ہو۔“

جولائی ۱۹۳۴ء کو نیرنگ خیال کی اس کاوش پر سب سے اوّل علامہ اقبال
نے اظہار خیال فرمایا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ اقبال نے نیرنگ خیال کا پہلا نمبر
دیکھا تو چند سطور بطور رد ہو کر لکھیں۔

”رسالہ نیرنگ خیال جولائی ۱۹۳۴ء سے نکلنا شروع ہوا ہے
بہت ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مضامین میں
پختگی اور متانت پائی جاتی ہے مجھے یقین ہے کہ

رسالہ پنجاب میں صحیح ادبی ذوق پیدا کرنے میں معین
 ثابت ہو گا۔ ایڈیٹر دونوں حکیم محمد یوسف حسن ایڈیٹر
 ڈاکٹر محمد دین تاثیر جاسٹ ایڈیٹر نوجوان ہیں اور
 دیگر بزرگ کی خدمت کا شوق رکھتے ہیں۔ جناب عبدالرحمن
 چغتائی کی تصویر بھی ایسی بہت خوب ہے، دیکھ کر
 مسرت ہوتی، دیکھئے اب بھی انیس کب نکلتا ہے۔
 (لاہور ۷ اگست ۱۹۲۴ء مجلہ اقبال)

چار سال بعد جبکہ نیرنگ خیال کی عز و شکوہ ہندوستان گیر شہرت حاصل
 کر چکی تھی تو نیرنگ خیال کا پہلا سال نامہ شائع ہوا۔ علامہ اقبال نے یوں اظہار
 خیال فرمایا۔

”رسالے کے مضامین و نقاد پر خوب ہیں۔ حکیم یوسف حسن کا انتخاب
 واقع قابل داد ہے۔ غالباً نیرنگ خیال کا سال نامہ اردو رسائل میں سب
 سے اچھا ہے۔ نیرنگ خیال کے خاص غوروں نے تمام اردو رسائل کو اپنا
 اظہار بلند کرنے پر مجبور دیا ہے بالخصوص ان کے ظاہری محاسن میں
 اضافہ ہو رہا ہے ملک کو حکیم صاحب کی اس مسعودی بے دریغ درشنائی
 اور ذوق سلیم کی قدر کرنی چاہئے۔ جنوری ۱۹۲۸ء مجلہ اقبال۔

علامہ اقبال نے جس وقت اور جن الفاظ میں نیرنگ خیال کی محبت
 انفرادی کی تھی اس سے نیرنگ خیال کی بنیادیں مضبوط اور گہری ہو گئیں اور
 نیرنگ خیال کے لئے سہارا اور اعلا دین گئیں۔ نیرنگ خیال کی عمر ۵۵ سال
 ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ نیرنگ خیال نے ہر سال ایک خاص ادبی نمبر دسمبر
 میں شائع کرنے کا اہتمام کیا تھا جس کی روایت آج تک قائم ہے۔

مولانا طفر علی خان کا قیمتی ربلو جو روزنامہ زمیندار نے سالنامہ نیرنگ خیال ۱۹۲۸ء پر لکھا تھا ہم اسے یہاں نقل کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

اردو ادب پر پنجاب نے جو احسان کئے ہیں وہ زائواذہر و شمار ہیں یہ خود ستالی نہیں۔ خود غالب اور انیس نام بینے والے معترف ہیں جو نام دہلی اور لکھنؤ سے نہ ہو سکا لاہور والوں نے کر کے دیکھا دیا۔ صوابت کے موقت الشیوع ضیاء آج کل ادبیات کی جان سمجھی جاتی ہے۔ اس صنف سخن میں پنجاب گریز پا ترقی کر رہا ہے اور متعدد بلند پایہ صحائف کا وجود اس پر گواہ ہے۔ یوں تو ان میں ہر ایک گنجِ ثنائگان ہے۔

لیکن بلا خوف تردد کہہ سکتا ہوں کہ نیرنگ خیال جس کا اجراء حکیم یوسف حسن کے باسلیقہ ہاتھوں میں ہے۔ ان سب کا سر تاج ہے۔ میرے سامنے اس وقت ”نیرنگ خیال“ کا وہ فائن نمبر ہے جو سالنامہ کے نام سے شائع ہوا ہے اور دو سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کی بھان کو دیکھ دیکھ کر ہی حیران ہوں کہ اس کی ترقی کہاں جا کر رکے گی اور اس کی بے مثال خوبیوں پر نظر ڈال کر لسان الغیب کی زبان سے بے اختیار اٹھد

غنا خط بیوشانید خورشید رخس یارب

حیات جاہ و دانش دہ کہ حسین جادواں دارد۔

ان چند سطور میں رسالہ نیرنگ خیال کی واجبی ستائش کے حق سے عہدہ برہونا کسی طرح ممکن نہیں۔ مصارف اور حقائق کے رنگارنگ جو اہرات کا ایک ڈھیر ہے جس کی چمک دمک نگاہ کو خیرہ کئے دیتی ہے۔ نثر اگر دلکش ہے تو نظم دلربا۔ اس پر ایک دو نہیں اکٹھی سوسر تصویریں جو صنعت گری کی جان ہیں، سونے پر سہاگہ ہیں اور لطف یہ کہ باوجود ان

تمام محاسن کے سالانہ بدل اشتراک صرف ۳ روپے بادل آنے۔ آپ خود ہی
اسے پرہیز اور اس کی خوبیوں کا اندازہ لگا لیجئے۔
ہے جو شوقی جلوہ حسن زلیخائے ادب
دیکھئے یوسف حسن سے ملے کے نیرنگ خیال

جنوری ۱۹۲۸ء از قلم علی خاں

مولانا ظفر علی خاں کی اس جامع تحریر کے بعد ہمیں کسی مزید تشریف کی
کی ضرورت نہ تھی لیکن ہم آخر میں جو رپوڈرچ کر رہے ہیں اس کا درجہ
صحافت میں مثل آفتاب ادب کے ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں پنجاب
کے ادیب ادب و احترام سے ان کے سامنے جھک جاتے ہیں کیونکہ اہل زبان
کا اپنا ایک خاص مقام ہے مولانا عبداللہ بابا کے اردو کہلاتے ہیں اور ہندوستان
کی سب سے بڑی لسانی انجمن ترقی اردو کے جنرل سیکریٹری تھے۔ جنہوں
نے مدت العمر اس کی آبیاری اپنے مل و جاہ اور اپنے خون سے کی۔ اسے
بروان چڑھایا۔ اس عظیم ملک میں اس عظیم زبان کی جاہ و ترقی کی نایاب استوار
کیں۔ اب یہ پودا اس قدر سرسبز ہے کہ اس کی جڑیں اقصائے عالم امریکہ
روس اور یورپ تک ملک بردھک اپنا سکہ جما رہی ہیں اور اردو اس
وقت دنیا کی چوتھی زبان سمجھی جاتی ہے۔

رسالہ نیرنگ خیال کے متعلق بابائے اردو نے رسالہ اردو میں

لکھا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

”نئے رسالے نکلتے ہیں اور بھانت بھانت کی جڑیں کرتے ہیں۔ مگر
حکیم یوسف حسن صاحب کو کہہ دے کہ ان سے کوئی بازی نہ لے جائے
اور سچ یہ ہے کہ ان کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا ہے۔ سال بھر اپنے سانپانے

کی دھن میں رہتے ہیں۔ شہد کی مکھی کی طرح پھول پھول سے رس جمع کرتے ہیں اور وقت آنے پر ایسا بھاری بھر کم رسالہ لاتے ہیں کہ توہین کرنے ہی جتنی ہے۔ مصلحتوں کی پوجہ تو یہ گویا ایک فرس ہے جس پر بچے کاری کی گئی ہے۔ ایک ایک کر کے دیکھئے تو کوئی ٹکڑا ڈھنگ سے تراشا گیا ہے اور کوئی ٹکڑا بھرا ہوا گیا ہے مگر سب کو ملا دیکھئے تو آنکھوں کو راحت معلوم ہوتی ہے۔ نیرنگ خیال کے احسانات اور دو صحافت پر سب زیادہ ہیں اس کی اشاعت اور مقبولیت ہمارا زبان کی ترقی کا باعث ہوگی۔ (عبداللطیف)۔

نیرنگ خیال کے خاص نمبر اور رسالے
ہم نے اس نصف صدی میں پچاس سالانہ نمبر

نمبر تین ایڈیٹر نمبر مشرق نمبر مصر نمبر افغانستان نمبر ہندوستان نمبر افسانہ نمبر خواتین نمبر رام نمبر فلم نمبر بعض کی تو اب یاد بھی حافظہ میں موجود نہیں رہی۔ اندازہ ہے کہ ہم نے کم و بیش ایک سترہ سو سے زائد خاص نمبر شائع کئے ہوں گے اور برصغیر ہندو میں انگریزی اردو اخبارات نے ان پر جو رپو بولے لکھے ہوں گے تو ان کی تعداد پانچ سو سے کیا کم ہوگی۔ اگر تمام رپو بولے نقل کر لئے جائیں تو پانچ سو صدی کی ایک ضخیم کتاب شائع ہو سکتی ہے۔ یہ رپو بولے شہد ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ اس وقت ہمارے کارنامے ہی تعریف و توصیف کے مستحق تھے۔

لیکن ہم آج نصف صدی بعد ان میں سے دو چار رپو بولے گوٹرن جوہری میں نقل کر سکے ہیں جگہ تگ اور ذرائع محدود ہیں مجھے حکم ملا ہے کہ اٹھ صفحات سے زیادہ ایک لفظ بھی نہ لکھوں۔

سردہنگی پٹیوں سے مرصع ہوتے تھے۔ اور ایک رنگ تصاویر کی ریلنگ ہوتی تھی۔ ان دونوں نیزنگ خیال کا ایک سالانہ ایسی ٹیچوں کی وجہ سے کسی بچے کو ادبی رجحان نہ دیتا تھا جو اس کا مقابلہ میں رکھا جائے۔ ہمارے دوست محترم فخر طفیل نے ایک بار فرمایا تھا کہ آپ نے یہ مسہد کچھ سستے زمانے میں کیا تھا لیکن آج اگر ہم اس وقت کے ایک سالنامہ کو اس زمانہ میں نقل کرنا چاہیں تو صرف ایک نمبر کے لئے یہ پاس ہزار درکار ہوں گے اور پھر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔

بہر حال ہم سے جو کچھ ہوا ہم نے نیزنگ خیال کے لئے کو دیکھا لیکن اس کے بعد نیزنگ خیالی کا دور سرد و سرخ ہوتا ہے جو ہماری مصائب و آلام کی ایک داستان ہے۔ ذرا چند منٹ اس کے لئے بھی وقف کریں کہ یہ علامت کیوں اور کیسے ۵۰ سال کے بعد دھڑام سے زمین بوس ہو گئی اور کسی طرح سے آفات کی لپیٹ میں آگئی اور اس عظیم قعر الادب کے نئے دب جانے کے جہم نے اپنے ہوش و ہوا اس قائم رکھے اور پوری چوتھائی صدی کسی خوشگوار سسے اور ساعت نیک کے انتظار میں گزار کر، پڑھالے کا وہ ٹوپ بھی اوڑھ لیا جس سے پیغمبروں نے بھی پناہ مانگی تھی۔

کریا ست دہلی بازار جامع مسجد سے یہ سفتہ دار اخبار نکلتا تھا کہ
جلوہ افروز ہوا، ہم صفحات پرستیں تھا، سردار دہلوان نگہ
مفتوں اس سے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ دس روپے تھا۔
اس اخبار کی حق گوئی نے اس کو تھوڑے عرصہ میں مقبول بنا دیا تھا
یہ اخبار اپنی آزادی رائے، بے لاگی تنقید و تبصرے اور زور بیان کے

اعتبار سے میٹرین اخباروں میں شمار ہونے لگا تھا۔

اخبار ریاست مظلوموں اور مظلومیوں کا ترجمان بن گیا تھا لوگ اپنی فریادیں لے کر دفتر ریاست میں پہنچنے یا کھڑک بھجواتے تھے ان میں اس پر غریب سب قسم کے لوگ ہوتے تھے، جب حقیقت ہو جاتا کہ شکایت صحیح ہے تو اخبار ان کی حمایت کے لئے کمر بستہ ہو جاتا۔ ان میں اکثر مظلوم جاہل و بے داد و ادب ان ریاست کے تائے ہوتے تھے جس کے مقابل آئے ہوئے بڑے بڑے بہادر سرداروں کے پتے پانی ہوتے تھے سردار دیوان سنگھ مفتوں نے ایک جگہ سڑ پار فی مین کا بہ قول نقل کیا ہے۔

”اخذ نویس دنیا میں ان لوگوں کا ساتھ دینے کے لئے پیدا ہوا ہے جو مصائب میں ہوں ان لوگوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں جو عیش و آرام میں ہوں۔“

ایڈیٹر ریاست نے ”بارہی میں“ کے اس قول پر مصیبت علی کیا ہے اور حال جو کھوں میں ڈال کر مظلوموں کی اخبار ریاست میں حمایت کی اگرچہ اس کی بدولت اسے بہت بڑے دن دیکھنے پڑے پندرہ بار گرفتار ہوئے اور آٹھ جلیوں کی سیر کی، لیکن ان پر جتنی تعیناتی نازل ہوئی اور جتنے مقدمات قائم ہوئے اسی قدر ان کی عزت اور وقوت بڑھتی چلی گئی وہ جانتے تو اخبار ریاست کے ذریعہ بغیر پریشانی کے بے شبہ و دولت کا لیتے لیکن بڑی سی بڑی ثنوت اور بڑے سے بڑا لالچ بھی انہیں اپنے اصول میں ڈالواں ڈول نہ کر سکا، اخبار ریاست نے اپنے طریقہ سے تحریک آزادی میں حصہ لیا، ہندوستانی ریاستوں کی رعایا غلامانہ زندگی گزار رہی تھی ان میں زندگی پیدا کر کے ان کو بیدار کیا، جگایا۔

کر کرتا تھا۔ اور غیر محدود اقتدارات وسیع ذرائع اور طاقت کی پشت
پناہ کی بدولت سب کچھ کر سونے کی طاقت رکھتا تھا ان لوگوں نے
ریاست اخبار کو سنا ڈالنے کے لئے مختلف بلوڑوں سے بے درجے
جملے کئے ہر طریقہ اور ہر اختیار سے کام لے اور ایک ویدک فنر سمجھ کر
اس نے اپنے دشمن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینے کی ہر ممکن کوشش کی
اخبار ریاست کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں سب سے ممتاز اہل قلم
اور زماں والے مل رہ چکے ہیں تین اہل قلم اور زماں والے حضرات
دوسرے سفاین کھاکر تھے یا اور ان کے سفاین کی اصلاح کیا
کرتے تھے اخبار ریاست کا ایڈیٹوریل سمیٹہ سردار دیوان سنگھ مفتوں
نے ہی لکھا۔ کبھی اتفاق سے مفتوں صاحب بیارہ پور سے اور ایڈیٹوریل
اہل قلم اور زماں والے حضرات کو لکھنا پڑ گیا تو اخبار ریاست سچیتا
پس صاحب سمجھا جاتا تھا۔ اور پڑھے والوں کو مزا نہیں آتا تھا۔

ایڈیٹر ریاست نے مصافحت کے اصول پر پیش رفت سے عمل کیا اخبار
نوس کی حیثیت سے ان کے کرسمس کی ملندی کا بیٹہ اس بات سے لگتا ہے
کہ انہوں نے پاداش کے ڈر سے اپنی خبروں کے مآخذ کو کبھی افٹ ہر
کیا انہوں نے اپنی حالت کوئی سے بڑے جگہ زبوں کو برسم کیا لیکن اگر
کبھی ادھر سے کتاب نازل ہوا تو اس کا دارا انہوں نے اپنے ادھر
اور ان لوگوں کے نام کبھی ظاہر نہیں کئے جن کے ذریعے ان تک لکھیں
پہنچتی تھیں، مثلاً ایک مرتبہ سر فہیم لال جہر دے اسٹیں باقوں باقوں
میں بتا دیا کہ نہایت مہولی لال جہر دے نے جو پال سے ایک قانونی مشور
کی فیس میں برابر روپے دھون کی اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ

کہ قانونی مشورہ اور مقدمہ کیا ہے یہ فرمایا ہے میں اصل مقصد یہ ہے
 کہ سب پال میں کالکھوئیں کے لوگ ایسی لفٹیں نہ کریں اور مجھ سے گہری دوستی
 ہو اس پر مفتوں صاحب نے ریاست میں ایک نوٹ لکھا جس میں نواب
 سب پال پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ ملک کی آواز کو دبائے کے لئے ملک کے
 لیڈروں کو دھمکیاں دیتے ہیں اور قانونی مشورے سے نام پر نہیں ہیں
 بنواری رو پہلے مذکور کیا جاتا ہے جسے آخرت قرار دیا جاسکتا ہے نواب سب پال نے
 بذاتِ خود کو سب سے بڑا نام کہ آپ ریاست لینے کا الزام لگایا گیا ہے، بذاتِ خود
 برکھتے ہوئے، نوٹس دیا مقدمہ کی دھمکی دی لیکن مفتوں صاحب نے کہا یہ
 بھی یہ ظاہر نہیں کیا کہ میں بنواری کے متعلق خراجیں بذاتِ خود کے لئے
 نتیجہ پنڈت شام لال نہرو نے دایم کی تھی۔

ملک کی آزادی کے بعد ریاست اخمد کی مالی حالت بگڑتی چلی گئی
 سردار دیوان سنگھ اخبار کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تھے اس
 کے مفتوں صاحب نے حافظ یوسف کو اخبار نکالنے کے لئے دیا، جب سب
 نہیں مل سکا۔ حالات خراب سے خراب ہو گئے چلے گئے، آخر اخبار ریاست
 مفتوں کی وفات سے بہت قبل ہی بند ہو گیا تھا۔

یوں تو اخبار ریاست پر بڑے تبصرے شائع ہوئے بہت سی
 تنقیدیں اخبارات و رسالوں میں چھپیں ان میں سے ایک تبصرہ ملاحظہ
 فرمائیے۔

”ہماچل لاہور ورڈسبرسٹ ۱۹۱۷ء میں ریاست دہلی پر یہ تبصرہ
 شائع ہوا تھا۔

”ہم صفحات پر شائع ہونے والی مفتوں والا اخبار زیادہ تر

سرحد دیوان سنگھ مفتوں دہلی سے شائع ہوتا ہے ہندوستانی ریاستوں کی اصلاحات اور سیر دینی محلوں سے ان کی حفاظت اس کا نصب العین ہے ہر ہفتہ دلی حبیبوں کا الہم بن کر لکھتا ہے ہر نمبر میں دالیان ریاست میں سے کسی مشہور راجہ یا گواہ کی دیدہ زیب فتویٰ مہجرتی ہے۔ اظہار رائے میں میاں، قوم پرستانہ خیالات کا پرچارک ہے کاغذ لکھائی، چھپائی، اردو کے بہترین رسالوں کا مقابلہ کرتی ہے، اردو ہیئتہ دار اخباروں میں اس سے بہتر سوائے بھارت درشن، دوسرا کوئی اخبار نہیں ہے۔

علم جوگش کے مطابق اگر سرحد دیوان سنگھ مفتوں کی پیدائش ۱۸۹۵ء کو صبح ۱۲ اگست

سرحد دیوان سنگھ مفتوں

پانچ بجے بارہ منٹ کی بجائے صرف بندہ منٹ لہجہ میں ہوتی تو آپ ہندوستان کی کسی بڑی ریاست کے حکمران ہوتے مگر مغربوں کی تاثیر نے اپنا رنگ دیں دکھایا کہ مفتوں صاحب مملکت صحت کی ریاست کے لیے مطلق العنان حکمران ہوئے کہ جن سے ہندوستانی ریاستوں کے حکمران کا پتہ تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا قول ہے کہ دنیا میں حق و صداقت کی آواز کبھی تاج و تخت یا دیوان و محل سے نہیں اٹھتی بلکہ ہمیشہ اس کا سرحدیہ دیوان جنگلوں، چٹانوں اور انسان صہجہ آؤں کے آواز رہا ہے۔ اور حق و صداقت کی آواز بلند کرنے کا شرف انفرادی بلکہ ان ہی سرسبز سے بندگان خدا کو دعویت ہوتا ہے جن کا سوا

خدا کے دوسرا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سرورِ دیوان سنگھ مفتون اس دنیا میں آئے ہی اس لئے تھے کہ وہ حق و صداقت کی آواز بلند کریں، سردار صاحب کا جہم ایک کھاتے پیتے خوش حال گھرانے میں ہوا، روپیہ افراط سے تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر خوش حالی کی زندگی بسر کرتے تو پھر جس مقصد کے لئے وہ اس دنیا نے فانی میں آئے تھے وہ مقصد پورا نہ کرتے چنانچہ ابھی پالیس دن کے ہی تھے کہ ان کے والد محترم کا سایہ پلٹ کے سر سے اٹھ گیا اور رستہ داروں کی ریشہ دوانیوں سے انھیں لئے لیت ہو گئی کہ جب یہ بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو گھر میں کھانڈہ رعیت کا۔ چنانچہ سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا اور آپ پراگرتی پاس ہی لاہور پہنچے، آبائی وطن حافظ آباد منتقل ہو جاتے (مغربی پاکستان) میں ہوا ملا دھند کا مکان پر پانچ روپیہ پر ملازمت گئی، اس مکان پر ایک مسلمان سنگھ رعیت کے تاجدار تھے اس کی فرمائش سنائی اور محنت کا اثر مفتون صاحب نے دن براس طرح نقش ہوا کہ آپ نے پیشہ بارہ گھنٹے کے اٹھانہ گھنٹے تک جہم کر کا کام کیا۔ یعنی ان کی فطرت ہمیشہ کام پر رہی اس کے عطا کردہ برہنیں۔

بڑائی کی وہ مکان کی ملازمت چھوڑنے کے بعد دو برس مٹی کی یہ کام پسند نہ آیا۔ تو سولہ سال کی عمر میں موگا کے میٹال میں ایئر سنس بنے۔ ۱۹۱۲ء میں کمونڈر کی ملازمت چھوڑ کر پرائیویٹ میڈیکل پریکٹس شروع کی اور کثرت سے ساتھ ہوتا بند اور آنکھوں کے دوسرے آپریشن کئے، ماٹہ منڈی میں اپنا پرائیویٹ میٹال جاری کیا جہاں سے زمانے میں چار سو روپے ماہوار کی آمدنی تھی۔

گر قدرت کو تو ان سے کوئی آمد ہی کام لینا تھا ماف کے قیام کے دوران ہی میں آپ نے اخبارات میں مضامین لکھنے شروع کئے پھر جرنلزم کے جس سے باعث ڈاکٹری جھوڑ کر لاسپد کے اخلاقی غلطیوں میں ملازم ہوئے اور چار صد روپیہ ماہوار کمانے والے ڈاکٹریوں ان سنگھ ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ پر سب ایڈیٹر ہو گئے وہاں سے چند ماہ بعد علیحدہ کر دئے گئے، کیونکہ قانون سے ناراض ہونے سے باعث ایسے مضامین لکھ گئے جو قابل اعتراض تھے اس کے بعد لاہور کے متعدد اخبارات میں کام کرتے رہے۔ اسی دوران میں اخبار "میدوستان" میں بھی ملازمت اختتامِ فرائض کے ساتھ

۱۹۱۴ء میں لکھنؤ کے اخبار "سہ یوان سنگھ" میں لکھنے لگے۔ اور وہاں چند ماہ بلا تنخواہ کام کیا، دن بھر سہ ماہی میں ۱۴ اراکت نام کو چھ بجے سے رات کے بارہ بجے تک امین آباد ریلوے منٹ بھلی بنگالی کمیٹی کے ہاں ملازمت کرتے اور رات کو گوردوارہ میں سوتے، ایک روز لوگنے کے باعث بیمار ہوئے تو گوردوارہ کے گزشتی نے ان سے دریافت کیا کہ اپنا اتنا بستاؤ تبت و تاکہ اگر مر جاؤ تو تمہارے گھر اطلاق نہ جائے، سردار صاحب نے اپنا پتا حافظ آباد کا دیا تو گزشتی کہنے لگا، کہ جہاں کے سردار گزشتی سپرنٹنڈنٹ ٹیلی گراف لکھنؤ میں سردار صاحب نے گزشتی کو بتایا کہ سردار گزشتی سنگھ سو صرف ان کے مجاز و سجاوے میں، گزشتی نے فوراً سردار گزشتی سنگھ کو اطلاع دی اور وہ گوردوارہ میں آئے تو سردار دیوان سنگھ کو خوشی ناک حالت میں دیکھ کر حیرت کیا کہ تم کو خوشی پر کیوں نہ چلے آئے گوردوارہ میں رہنے کی کیا ضرورت

نہی، تو مفتون صاحب نے جواب دیا کہ جب انسان اچھی حالت میں نہ ہوتا بلکہ بزدلی کے رشتہ داروں کو اطلاع نہ دیتا ہی مناسب ہے سرور گورنمنٹ سنگھ مفتون صاحب کو اپنی کوشش پر تے ملے اور چند دنوں کے علاج کے بعد جب مفتون صاحب اچھے ہوئے تو واپس لاہور آ گئے۔

۱۹۱۹ء میں خواجہ حسن نظامی (مروم) کی شرکت میں دہلی سے روزانہ اخبار "رعیت" جاری کیا۔ سرور صاحب ایک روپیہ روزانہ اپنے کھانے کے لئے لیتے تھے مگر جوہ نقصان خواجہ حسن نظامی صاحب نے اخبار "رعیت" سے کنارہ کشی کر لی، سچو اخبار لاہور لاہور لال ایڈیٹر مگر گھنٹا لاہور، سچا شیخ احسان الحق وغیرہ اصحاب کے ہاتھوں سے پوتا ہوا ملا دھادی صاحب ایڈیٹر نظامی ان سب کے ہاتھوں میں آیا، سرور دیوان سنگھ رعیت کو کامیاب بنانے کے لئے دن رات کام کرتے تھے، ایک رات ملا دھادی کو کئی بار اسٹنا پڑا تو انہوں نے دیکھا کہ سرور دیوان سنگھ دفتر میں کام کر رہے ہیں وہ رات کے ایک بجے سرور صاحب کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ سرور صاحب آپ اپنی محنت اور لگن سے کام کیوں کرتے ہیں تو سرور صاحب نے جواب دیا کہ انسان کی کامیاب زندگی کے لئے ضروری ہے کہ وہ سخت محنت کا عادی ہو اور اپنی زندگی میں بہت کام کرے۔

رعیت کے بند ہونے کے بعد مفتون صاحب نے بی بی کی ایک فرم میں ملازمت کر لی مروم جاراہہ ناہر جن کو انگریزوں نے جیل خانہ کی جرم میں کوڑائی کنال میں نظر بند کیا تھا (سرور صاحب کے

سیاسی لیڈروں کی عام گرفتاریاں ہوئیں تو سردار دیوان سنگھ مفتون بھی گرفتار کر لئے گئے اور انھیں دہلی سے ملتان نیوٹرل جیل میں بھیجا دیا گیا۔ میں ان دنوں ملتان ہی سے "شانِ بلند" شائع کرتا تھا، لاگتیش واس ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل نے اطلاع دی کہ سردار صاحب ملتان جیل میں آئے ہوئے ہیں مجھے سردار صاحب کو دیکھنے کا انتہائی فرق تھا اور سیاسی قید یوں سے ملاقات ان دنوں کافی مشکل مرحلہ تھا میرا بھائی ان دنوں جیل دار ڈسٹھا دس سردار صاحب کے خطوط جیل سے لاکر باہر لوٹ کر دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ سردار صاحب کے خطوط سن کر اے ہاتھ لگ گئے تو تحقیقات ہوئی کہ یہ خطوط جیل سے باہر کیسے آئے اور اصل نوعیت معلوم ہو جانے پر لاگتیش واس کو ملتان جیل سے کسی دوسری جیل میں تبدیل کر دئے گئے اور میرے بھائی کو جیل کی ملازمت چھوڑ کر پولیس میں فوری کرنی پڑی اور سردار صاحب کو کسی دوسری جیل میں بھیجا گیا۔

مجھے ۱۹۴۵ء میں نقشِ صحرائی (جو ان دنوں سبکدوڑاں واس چمن منظر گڑھی تھے) کے ہمراہ دہلی آنا پڑا۔ تو میں دونوں سردار صاحب کے ہاں حاضر ہوئے ان دنوں ریاست کا دفتر محلہ کڑھیا میں تھا دو گھنٹے تک سردار صاحب سے باتیں ہوئی رہیں اور ریاست کے معاملہ سے ذہنی طور پر سردار صاحب کی جو تقریریں صدر میں تھیں، عین اس کے مطابق مفتون صاحب کو پایا، یعنی حمزہ باربع، بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی کے دورے انداز گفتگو میں سخت ہنسنا کر کے توت اور فطرت میں محبت و خلوص کے جذبات۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے باعث مجھے بھی دہلی آنا پڑا ان دنوں

ریاست کا دفتر مفتی دالان میں تھا اور مجھے مفتی عبدالقدیر صاحب کی کوششوں سے محلہ سوئیوالان میں رہائشی مکان ملا۔ ۱۹۴۷ء کے آخر سے لے کر جب تک سردار صاحب دہلی میں رہے قریب قریب ہر روز ہی سردار صاحب کی قدمبوسی کا شرف حاصل رہا، اسٹریمر حیدر محمد احمد دوسرے احباب شام کے وقت سردار صاحب کے یہاں آتے اور اکثر رات کا کھانا سردار صاحب کے ہاں ہی کھاتے سردار صاحب سنری (عام طور پر گوشت) خود پکاتے، ملازم تنہا نے روٹیاں لگوالاتا اگر کسی شام کو جاگھڑی دینے میں دیر ہو جاتی تو سردار صاحب کا ملازم بلا لے آ جاتا، شام کا وقت اکثر سنری مذاق میں گزرتا کسی زکشی کو سو قوں بنایا جاتا اور یہ سلسلہ سفیوں بلکہ لہیوں چلتا اور کیا مجال کہ بے وقوف بننے والے کو یہ محسوس بھی ہونے دیا جاتا کہ اس کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔

سردار صاحب ایڈیٹوریل صبح چار بجے سے آٹھ بجے تک لکھتے ان کا معمول تھا کہ وہ کسی خاص ضرورت یا مجبوری سے ہی باہر تشریف لے جاتے وہ اپنے احباب اور ملنے جلنے والوں سے باتوں باتوں میں سب حالات دریافت کر لیتے تھے اور اخباری کے مطالعہ سے ملک اور ملک کے باہر کے حالات سے آشنا رہتے سردار صاحب کے احباب میں سے کسی کی یہ محبت نہیں تھی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق سردار صاحب سے ایڈیٹوریل میں لکھوانے کے ہاں یہ بات ضرور تھی کہ آپ جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں وہ سردار صاحب کے کالوں میں ڈال دیجئے مگر اس اعتبار سے ساتھ سے آپ کی کوئی ذاتی غرض نہ سمجھتی ہو اور دیکھو کہ اس خوب

سے بیان کیجئے کہ اس سے عوام کی خدمت اور حق و انصاف کی آواز بلند کرنا مقصود ہو تو ریاست کے آئندہ خمارے میں آپ اپنا مطلب پیدا ہوا دیکھ سکتے تھے۔

میں نے سردار صاحب سے فرادہ لی، فیاضی، جہان نوازی اور اعلیٰ تے کلزہ الحق، برائے ان سے محبت کرنا سیکھا۔ لہٰذا کذب بیانی اور بددیانتی سے گریز کرنا سیکھا، سردار صاحب ایک انتہائی اچھے درست اور بدترین دشمن تھے یہ وصف بھی میں نے ان سے ہی اپنا یا ہے وہ عمر بھر دستوں سے گھرے رہے لیکن ہمیشہ ان پر غلبہ پائے رہے سردار صاحب نے روپیہ سے کبھی محبت نہیں کی ایک ایک دن میں ہمیں چھپس فریرو روپیہ آیا سا در شام کو جیب خالی ہوتی بلکہ سردار صاحب نے قمیض میں کبھی جیب لگرا کی کبھی نہیں سچی مٹھوں صاحب کی فیاضیوں اور روپیہ کی بربادی کی طویل داستان بیان کرنا اس مختصر سطروں میں ممکن نہیں لہٰذا اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ سردار صاحب اس قدر کثیر آمدنی کے باوجود ہمیشہ مفرد من رہے میرے دوست دوپاساگر چوہڑا اور میری بیوی چھتے ہیں کہ میں نے مفرد من رہنا بھی مٹھوں صاحب سے ہی سیکھا ہے۔

سردار صاحب کے ہاں نام کی جائے کے وقت عجیب سیال ہوتا تھا محلہ سبر کے چھوٹے چھوٹے بچے مستقل طور پر مقام کی جائے پر مدحور پتے تھے، سمو سے مٹھائیاں اور پھل وغیرہ بچوں کو کھائے جاتے اور جائے کا ایک ایک کپ دیا جاتا بچوں کو اس دل دہا سے جہاں سردار صاحب کو نو پنج سکون اور قلبی راحت ملتی تھی وہاں ان

بچوں کی باتوں سے وہ محلہ بھر کی تمام اچھی بُری خبروں سے بھی باخبر رہتے تھے، دفتر ریاست میں بیکراؤں اخبارات و رسائل آتے تھے جنہیں مہینوں کھولنے تک کو بت بھی نہیں آتی تھی چند خاص خاص رسائل و جرائد کو ہی سردار صاحب سرسری طور پر دیکھتے تھے اور ان کی "پریم" نگاہ کر سیکھ دیا کرتے تھے محلے کے نیچے عجیب و غریب بہاؤوں سے سردار صاحب سے رومی اخبارات حاصل کر کے بارہا میں ذرا وقت کر دیتے تھے مفتوں صاحب بچوں کی ان تمام بہادریاں سن کر واقف تھے مگر وہ چپ رہتے تھے۔

محلہ کے غریب بچوں کی پریشانی کی فہم سردار صاحب ادا کرتے اور انہیں نصیحتیں کرتے ہیں بھی خرید دیتے، کئی بیوہ عورتوں کو ماہوار کچھ نہ کچھ سہجوا دیا کرتے ان اس کھد خیر میں مذہب و ملت کا امتیاز نہ دیکھا جاتا۔

مفتوں صاحب کا جب کسی سے بگڑا پیدا ہو جاتا تو چیرنا گنتا ہیں سے تھا کہ دوستی کا رشتہ دوبارہ انوار ہو سکے سردار صاحب کسی سے تعلقات نہ بناتے دقت کا فی عند و غمناظر مانتے اور جب کسی سے تعلقات توڑتے ہوتے تو بھی برابر ہارسو جیتے مرحوم سرشنہ رانی آٹھ بی بی صاحبہ ملا سے مفتوں صاحب خوش نہیں تھے اور کنور لہند سنگھ بیدری استور کے مرحوم کے ساتھ درستانہ تعلقات تھے چنانچہ ایک دو ایسوں نے لگائی بھیجائی کر کے سردار صاحب کے دل میں کنور مہندر سنگھ بیدری کے بارے میں بھی ناخوش گواری کے جذبات پیدا کر دئے۔

حضرت جوش ملیح آبادی اور راقم الحروف نے بیدری صاحب کے بارے میں

سردار صاحب کا دل صاف کیا۔ اور جب کنوڑ صاحب دریا گنج میں
ڈاکٹر سپن کے ہسپتال میں زیر علاج تھے تو مفتون صاحب ہسپتال
میں جوش صاحب اور محبوب نیاز مند کے ساتھ بیدری صاحب کی
مزاج پر کسی کو شک نہ ہو اور اس دن سے آج تک بیدری صاحب اور مفتون
صاحب میں دوستانہ تعلقات قائم ہیں۔

مردم نیاز مختوری، مولانا عبدالجبار آبادی اور کئی مشہور شعرا
اور ادیب جب بھی دہلی تشریف لائے، سردار صاحب کے ہاں ہی
مہمان ہوتے، مفتون صاحب نے ایک مرتبہ نیاز مختوری صاحب کی موجودگی
میں گھریلو ملازم کی کسی فرد گدازشت پر گالی دی تو نیاز صاحب نے نہایت
تانت سے فرمایا، دیوان سنگھ جی اب آپ کی گالیوں میں جلدت
نہیں رہی اس پر خوب تہقہ بلند ہوا۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سردار صاحب میں یہ کمزوری
ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں ملازمین کو گالیاں دینے سے بھی اجتناب
نہیں کرتے سردار صاحب انتہائی صفائی پسندانہ نفس مزاج رکھتے
میں اور ملازمین عام طور پر ان کی مرضی کے مطابق صفائی کا خیال نہیں رکھتے
تھے تو انہیں غصہ آ جاتا تھا اور ملازمین کے علاوہ بعض اوقات
ملازمین کو بیٹ بھی ڈالتے تھے، چنانچہ جب سبھی کسی نئے ملازم کو رکھتے
تو تنخواہ مقرر کرنے وقت اس سے کہہ دیتے کہ تنخواہ کے علاوہ پانچ
روپے گالی الاذنی اور دس روپیہ ہانا الاذنی بھی ملے گا سردار
صاحب غصہ میں چلنے سے ہی ملازمین کو پٹیتے تھے اور چل بیٹہ ہاتھ
کھینچتے تھے۔

مفتوں صاحب کے ہائے میں یہ مٹھور ہے کہ آپ شراب کثرت
 کے استعمال کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی
 میں کبھی سبھی شراب ایک دو پیگ سے زائد نہیں پی۔ اردو باہمی بلانڈی
 دسکی سے انھیں قطعاً رغبت نہیں ہے۔

ریاستہ اردو صحافت میں درستگی کا ایک بنیاد تھا اور سردار
 دیوان سنگھ مفتوں اردو صحافت کے ایک ایسے ستون تھے جن پر اردو
 صحافت کو اتنا ابد ناز رہے گا سردار صاحب نے صحافت کو ہمیشہ
 ایک بلند مقام دیا اور وہ چاہتے تھے کہ ہر صحافی اپنی ذاتی اغراض سے
 بلند رہ کر ملک و قوم کی خدمت کرے اور ہر پہلو سے دیانت دار
 رہے چنانچہ اس سلسلہ میں ذیل کا واقعہ کافی اہمیت کا حامل ہے اخبار
 دین دنیا نے نواب سہو پال کے لکھنؤ کی ایک مضمون لکھا نواب صاحب
 سہو پال نے دین دنیا پر دہلی میں مقدمہ کیا تو نواب صاحب کا ایک
 نمائندہ دہلی میں مقدمہ کی پیروی کے لئے آیا اور اس نمائندہ کے اعزاز
 میں سردار صاحب نے دفتر ریاست میں ایک پارٹی دینے کا اہتمام
 کیا جب تمام جہان پارٹی میں آ گئے تو باتوں باتوں میں سردار صاحب
 نے نواب سہو پال کے اس نمائندہ سے ذرا بات کیا کہ مجھے آپ کے
 مقدمہ کا کبہا رہا۔ اس پر ان صاحب نے فرمایا کہ اخبار والوں کا یہ ہے
 یہ تو ہوتے ہی دڑ پوک میں نواب صاحب کے مقدمہ سے ایڈیٹ
 دین دنیا کا پیشاب خطا ہو گیا اور اس نے غور کر کے معافی مانگ لی پس
 یہ نہ تھا کہ سردار صاحب نے ان صاحب سے کہا کہ اچھا سٹرکٹ بائی
 اب ہم دیکھیں گے کہ تمہارے نواب صاحب کس طرح معافی مانگو اتنے ہیں

یہ کہتے ہوئے ماکولات کی میز کی چادر کا پلو سپرد کر کھینچ لیا جس سے تمام پلیٹیں وغیرہ نیچے آ رہی اور اسی دن سے لواب جھوپال اور سردار دیران سنگھ کی مخالفت کی بنیاد پڑ گئی۔

ریاست اخبار یکم جنوری ۱۹۶۰ء کو سمیٹہ کے لئے بند ہو گیا۔ مفتوں صاحب کی اردو ادب کی خدمات کے پیش نظر ۱۹۵۸ء میں حکومت ہند نے دو صد روپیہ مہولہ کی لمبری پیشین مقرر کی جو اب تک جاری ہے۔ ۳۱ مارچ ۱۹۶۳ء کو پنجاب سرکار کے محکمہ اعلیٰ مفتوں صاحب کو خدمت اعلیٰ گزشتہ اور گیارہ سو روپے کی جینی پیش کی آج کل مفتوں صاحب راج پور (دہرادون) مقیم ہیں اور نہایت سکون سے رہنا شروع کر چکے ہیں۔

ریاست بند ہونے سے پہلے ادارہ شمع میں معلم ہو گیا تھا مگر سردار صاحب اپنے ادارتی کوکوں پر مندر شپ برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے ریاست کو بند کر دیا بہنر کجا بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے بیک فلم پر کوئی پابندی قبول کریں۔

ریاست اور مفتوں صاحب نے ایک پوری کتاب لکھی جاکتی ہے ماہ فروری ۱۹۶۰ء کی گائیڈ میں یہ مضمون اس دعا کے ساتھ ختم کیا گیا کہ خدا کے دوا بھلائی کے ساتھ ساتھ اس دعا کے ساتھ ختم کیا گیا۔

۱۰ مئی ۱۹۶۱ء کو مفتوں صاحب نے سرمد ٹورس کی ایڈمینیسٹریشن ہند

میں۔

سرور دیران نگہ مفتون اور بڑا راست دہلی سے میرے قریبی تعلقات
تھے ان کی حق گوئی کی میرے دل میں بڑی وقعت تھی وہ بڑے بہادر
ان تھے کسی بڑی سی بڑی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔
سلاطین کی تحریک آزادی میں مفتوں صاحب نظر بند کئے
گئے اور بیشتر حصہ ان کا انبار جیل، اولڈ بلٹان جیل اور فیروز کیمپ جیل
میں میرے ساتھ گزرا، مفتوں صاحب محفل آدمی تھے بروقت ان
کے کمرے میں محض جی رستی تھی دل چاہے لطیفے اور واقعات سناتے سناتے
تھے انہوں نے اپنی قابل قدر کتاب "قابل فراموش" میں اس جیل پائرا
کا مختصر سا ذکر کیا ہے جس میں نظر بند حضرات یادہ جو شرارتیں کرتے
تھے اس معرّن میں ان کا ذکر ہے جو انتہائی دل چاہے ہوتے ایک دو
دائے نقل کرتے جاتے ہیں۔ عنوان ہے جیل کی بدعاشیاں۔"

"مولانا ادا دھاری نے ایک روز کہا کہ بلٹان جیل میں آکر زندگی
بے لطف ہو گئی کوشش ہوئی چاہیے کہ ہم واپس دہلی یا کسی دوسری
جیل میں چلے جاتیں، میں نے کہا یہ کیا شکل ہے ایک ہفتے میں چلے
جاتیں گے میں انتظام کر دیتا ہوں، سیرٹنڈنٹ جیل سرور رام سنگھ
نہیوں کو دیکھنے کے لئے پرورد صبح آیا کرتے تھے اگلے روز صبح آئے
اور انہوں نے حسب دستور میرے قریب آکر پوچھا سرور صاحب مزاج اچھے
ہیں کوئی تکلیف تو نہیں، میں نے جواب دیا۔ تکلیف کا کیا سوال ہے یہاں
ہم بات کئے ساتھ تو نہیں آتے، جو آرام و راحت کی تلاش میں ہیں
اور نہ ہمیں آرام کی ضرورت ہے مگر سرور صاحب سنا ہے کہ آپ اگر طلب
کھتیز ہیں اور آپ کی پوزیشن ایک ممبر ٹیٹ کی بھی ہے سرور رام سنگھ

چنانچہ اس جیل میں جیل کی کوئی ایسی بدعاشی نہ تھی جو میں نے نہ کی ہو،
 مرد روز خطوط آتے، خطوط جاتے جو سامان چاہتا بازار سے لگوانا،
 یہاں تک کہ جیل سے سڑل اکی کے بعض ممبروں اور ممبران انتظامیہ
 داکٹر رائے تلکے بھی پیغام بھیجتے اور ان کے جوابات لگوانا اور چیف
 کمشنر دہلی اور گورنمنٹ آف انڈیا کے دفتر سے بھی اپنے تعلق تمام
 اطلاعات حاصل کر لیتا تھا۔ ۲۲۸

جو کہ فرید امرتسر سے یہ علمی ماہنامہ ۱۹۲۳ء کو نکلا،
الفیض ہم لم صفحات پر شل تھا۔ نگراں دہلی مولوی فخر محمد
 صاحب محمد سلیمان بی اے، ابوالعباس محمد داؤد فاروقی اس کے ایڈیٹر
 تھے سالانہ چھ مہینے روپے تھا۔ آفتاب برقی پریس امرتسر میں چھاپی
 ہوتی تھی۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ شعر دھج ہوتا تھا۔

مسلم کوئی کام آنے کی گئے پیدا کر

پیمانہ جو رکھتا ہے تو سے پیدا کر

قرآن و حدیث کے حقائق و معارف کا دلنواز مجموعہ، نقیصہ کا مخزن
 اسلامی تاریخ کا طر، سیرتِ مسلم کا مرقع اسلامی تمدن کا مجلی آئینہ، مذہب
 کا شہدائی، تبلیغ کا روح رواں، اصلاح السالین کا حامی، بزرگانِ دین و
 صاحبانِ قلم کے مضامین عالیہ سے مبریز اپنی قلم کا لیج نہ رسالہ فیض
 تھا۔ اس رسالہ میں ہر غیر القرون و تہذیب و مہذبائے عظم کے
 حالات و زندگی لکھے ہوئے تھے اور انبیاء کرام کی سوانح عمریاں بھی اس
 میں چھپتی تھیں۔

تک

لاہور سے یہ پاک دہلی کا پہلا رسالہ **مسلم** کو
نمودار ہوا۔ ہم صفحات پر پستی تھا ایڈیٹر لاہور

داس تھے۔ سالانہ چھ دہائیے تھیں۔

دہری دہلی کے ۲۹ دسمبر **مسلم** کے شمارے میں اس سال
پر حسب ذیل تبصرہ ہوا تھا۔

”اس نام کا ایک ماہوار رسالہ لاہور سے **تک** ہمارا ج کی یادگار میں
شائع ہوا ہے جس کے بارے دفتر میں بغرض دیوید مولیٰ ہوا ہے
چھوٹی تعلیم پر ہم صفحہ کی ضخامت ہے سرورق پر **تک** انجمن
کی تصویر درج ہے ایڈیٹر لاہور داس صاحب راہن میں ساکنہ
چھ دہائیے سے سیاست میں **تک** ہمارا ج کے **مسلم** کا بیڑ ہے
جہاں تک آزادی ملک کی خواہش ہے ہم رسالہ مذکور کے بالکل ہم آہنگ ہیں
البتہ راجی حصول میں گاندھی اور **تک** کے اختلافات سب کو معلوم ہیں
ایڈیٹر صاحب ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی ہیں اور یہ امر باعث
سرت ہے لیکن ہندوؤں کے اتحاد پر جو محزون اسی خبر میں
انہوں نے سیر و قلم کیا ہے اس میں انہیں مسلمانوں کے متعلق اظہار
کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت تھی، اور من پاک سے ساتھ محبت
و شفقت مسلمانوں کا جزو ایمان ہے، خدا معلوم ہمارے ہندو احباب کو یہ
تعلیق کیوں ناگوار گزرتا ہے، آزادی ملک کی کوششیں اس سے بالکل
الگ تھے ہے اور یہ بھی ہمارے ایمان کا ایک جزو ہے۔

المیٹر
بالکی پوریشن سے یہ صفحہ دار اخبار **مسلم** کو وجود
میں آیا آٹھ صفحات پر **تک** تھا ایڈیٹر مولوی غلام محمد

تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔
اس اخبار میں جہاں ادبی، تاریخی اور علمی مضامین وغیرہ شائع
ہوتی تھیں وہاں سیاسی مضامین بھی چھپتے تھے یہ اخبار عرب و آزاری
کا حامی تھا۔

اخبار المشرق پر سالہ عفت کے نزدیک جنوری ۱۹۱۷ء میں حسب
ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

”المشرق صوبہ بیکار کا مشہور مفسدہ دارا خبا ہے جس کی داغ بیل مولوی
غلام محمد صاحب وکیل ہائیکورٹ ملٹن نے سلسلہ میں ڈالی تھی، چھ
ہینے کے بعد جب آپ عظیم الفرستی کے باعث اس سے علیحدہ ہو گئے
تو فوراً مولوی سید سکفر علی صاحب ندوی نے اس کو اپنے ہاتھوں میں
لے لیا اور محمد اشد آپ کی ادارت میں نہایت کامیابی کے ساتھ بزرگ
رہائے آزادی ہند کے ساتھ مل ٹوں کی اصلاح و فلاح کی طرہ اس
کی خاص توجہ ہے اس کے پاکیزہ مضامین اور بے لوث خیالات تعلیم
یافتہ طبقہ میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، بیکار کی سز میں
تعمادت سے لے عیسیٰ ٹور ثابت ہوتی ہے وہ واقف کار سھائی اور
بہنوں پر اچھی طرح روشنی ہے اس نے مولوی سید سکفر علی صاحب ندوی
کی محبت و انتقامت لائق حدت فتن و مبارکباد ہے کہ آپ نے سکرانہ
عمل سے پورے صوبہ میں صحافی ذوق کی ایک ولولہ انگیز لہر دوڑادی۔

یہ بیدار روزہ اخبار ہمارے شریف سے سلسلہ کو نواد
ہوا ہے اسے صفوں پر نشانی تھا، مولوی علی حسین صاحب
عالم اور حافظ ظفر حسین صاحب تکفیر انصاری اس

الاکرام

ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔
اس اخبار پر سالانہ عفت گورگاہ نے اپنے نئے جلدی شکر
میں ریویو کیا ہے۔

”اس کا مقصد تمام مسلم اقوام میں مساوات کی افاعت باہمی اتحاد
یکانیت کی تبلیغ اور قوم سوکن کی تعلیمی و اقتصادی اور معاشرتی زندگی
کی اصلاح و ترقی ہے ارباب علم و ذوق کو باعموم اور قبیلہ سوکن کو خصوصیت
کے ساتھ کارکنان الاکرام کی بہت افزائی کرنی چاہیے۔“

یہ رسالہ دس روپے دوں سے سیکڑے کو طبع ہوا، ۲۳
صغوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر عبدالعزیز تھے، سالانہ
چندہ ایک روپے چار آنے تھا۔

رسالہ مزاج الکلام اردو ہر سورہ کو برسرِ سلسلہ میں اس رسالہ پر
یہ ریویو چھپا تھا۔

یہ رسالہ دس روپے دوں سے ستر گزیری ماہ کو ادبی، اخلاقی علمی مضامین
سے پُر اور شعور حال کے کلام سے آراستہ ہو کر نہایت آب و تاب سے
نکلتا ہے اس کا پہلا نمبر دفتر میں پہنچا ہے۔

لاہور سے یہ کثیر یوں کا ترجمان سیکڑے کو نو روپے
۱۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ چندہ تین روپے تھا۔
مزاج الکلام اردو ہر سورہ کو برسرِ سلسلہ میں
اس رسالہ پر تبصروں سے ہوا تھا۔

اسلام نام کا ایک رسالہ لاہور سے نکلتے ہیں جس کا خاص کام
یہ ہے کہ کشمیری ہندوؤں کی قومی، علمی، تجارتی، تمدنی ترقی کے مسائل پر

غور و تبصرو کر سہ تمام مضامین باعوم مفید اور کارآمد ثابت ہوئے ہوں گے۔
 یہ رسالہ قومی اظہار کا بھی کام دیتا ہے گواہیت سے اسے کوئی شک
 نہیں ہے لیکن اصحاب مذاق کی قبیح موزوں کبھی کبھی گہرا فتنہ لے
 نہیں چکے اور ہر نمبر میں ایک آدھ کٹھیری پنڈت کی نظم ضرور لکھتے ہیں۔

تبصرۃ الاطبار شاہدہ لاہور سے یہ طبعی ہندہ معذہ رس
 سالانہ آنکھ وجود میں لایا۔ اس کے بارے
 میں صاحب نے تھے سالانہ چند ڈھائی روپے تھا اس میں حد
 مجرات، خاص و عام اور مضامین لکھتے ہوتے تھے ایک کا
 انفسار کا بھی تھا، سب سے عجیب بات یہ تھی کہ طب یونانی اور ہومیو
 پتھی کا حامل تھا۔

حکیم احمد دین صاحب حکیم صاحب اپریل ۱۸۹۶ء کو شاہدہ لاہور
 میں پیدا ہوئے، آپ نے مختلف اسکول
 سے طبی کتابیں بقا سیکھا پڑھیں، دیکھا

ابو شیک بو میوینیک سہرازم، چنا ازم اور تجرب و پستی کتابوں کا بہت
 مطالعہ کیا۔ آخر اس نتیجہ پہنچے کہ تمام مروج علاج نامکمل اور ناقص
 میں چنانچہ آپ نے تمام طبوں میں سے ایک خیال کے مطابق
 لے کر ایک نئے طریق علاج کی بنیاد رکھی جس کو طب جدید کے نام
 موسوم کیا آپ نے ان خیالات کی اشاعت کے لئے انجمن خدام
 شاہدہ لاہور قائم کی، تبصرۃ الاطبار نامی رسالہ جاری کیا جس کے
 مختلف راؤں میں مختلف لوگ رہے۔ لیکن نگرانی حکیم صاحب

اس کے علاوہ مہینہ طبع جدید اور تاؤ الاطبار بھی آپ نے رکالے
اور مختلف طبی کتابیں تصنیف کیں جس میں کلیات طبع جدید مشہور ہے
ملاویرہ میں طبع جدید کی تعلیم کے لئے ایک درس گاہ بھی قائم کی آپ ۲۲ دسمبر
۱۹۳۸ء کو فوت ہوئے ۷۵

ماگن شکار پورہ سے ۱۹۲۷ء کو یہ مہفتہ دار اخبار نمودار
ہوا۔ ۸۷ مضمون پر نکلتا تھا لو اب حاقی داد فال
اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ سندھ کا مشہور قومی اسلامی تاریخی ادبی معائن کا مخزن تھا
اور ملکی معاملات میں محققانہ بحث کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے عوام کا پسندیدہ
بن گیا تھا۔

آگرہ سے یہ مہفتہ دار اخبار ۱۹۲۷ء کو شائع ہوا۔
۸۷ مضمون پر نکلتا تھا۔ جیل اکبر آبادی اس کے
ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس اخبار کے سردار پر یہ قلعہ درج ہوتا تھا
لو سامنے صمت کا نوشتہ آیا
تکین و دودل برشتہ آیا
دیکھا جو طول اہل عہدیاں کو تحصیل
ہنٹا ہوا رحمت کا فرشتہ آیا

بلاغ امرتسر سے ۱۹۲۲ء کو یہ دینی رسالہ نمودار ہوا،
چالیس صفحات پر مشتمل تھا، ایڈیٹر حکیم شہاب الدین صاحب
تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا، آفتاب برقی پریس امرتسر میں طبع ہوتا تھا
اس رسالہ کے اطراف میں مقاصد یہ تھے۔

۱۔ قرآن کی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت

۲۔ اختلافات کا ازالہ

۳۔ حکمت و موعظت کے ذریعہ سے صراطِ مستقیم کی دعوت

۴۔ صرف کلام اللہ کو جسے ضروریات دینی کے لئے کفایت نہایت کرنا۔

اس رسالہ کے معنون نگار حکیم طالب علی، محمد علی احمد، بابا صاحب

مولوی احمد الدین صاحب، مولوی عبدالصاحب نہاس مفتی محمد الدین شکیل
خواجہ عبداللہ اختر بی، اے طفس احمد صاحب اور مولوی حافظ محمد اسحاق تھے
کسی کی دل آزاری یا فاس فریبہ یا گورنمنٹ کی دل آزاری یہ رسالہ اپنے
مقاصد کے خلاف بکھتا تھا۔

امرتسر سے یہ علمی و ادبی رسالہ ۱۹۲۲ء کو بطور ہفت روزہ

ہوا، ۲۴ صفحات پر لکھتا تھا، ایڈیٹر دیر دیر امرتسر

ایم محمد غریب الدین غریب آزر بی ایڈیٹر کلام حسن لکھتے تھے سالانہ چندہ
ایک روپیہ بارہ آنہ تھا۔ اور فی پرچہ تین آنہ قیمت تھی کتاب برقی پریس
امرتسر میں چھپتا تھا۔

کئی کئی دستخطی جواب ادبیات و علمیات سے جو دو مختلف
حضرات کی زیر نظر مرتب ہوتے تھے۔

حصہ ادبیات میں ادب لطیف و لغزین مضامین سیر و کھانہ سہلی

اہد اہل قیلم پیدا کرنے والے شہزاد کی عمدہ غزلیات عشق و محبت کی
دل بہا دینے والی داستانیں اور حیرت انگیز ان کے
دوسرے حصے یعنی باب عجایب میں نکلنے والی تاثیرات، اصطلاحات
روحانیات، معجزات، ایجابات، تعجیبات، اجتہادات، انکشافات
آفتابیات اور اشادات وغیرہ کے تحت ہر ماہ معلوم جعفر، رمل، نجوم،
خبرہ، کیمیا وغیرہ کی گہری روزانہ پر عام فہم پیرایہ میں مدنی ڈالی جاتی
تھی، ہر ماہ اس حصہ میں انسانی سوالات --- دئے جاتے تھے۔

غریب نواز یہ پندرہ روزہ اخبار سلطانی شریف بہار سے نکلتا
کے جلد نگہن ہوا آٹھ صفحات پر مشتمل تھا، مولانا حاجی
سید حسین ہالی صاحب خلیفہ جناب مولانا قاری
سید شاہ ولیاں صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا، سالانہ چھ دفعہ دور دورے تھا
اس رسالہ میں حضرت شاہ معین الدین حسینی غریب نواز کے حالات کے
ساتھ ہندوستان کے ادیبوں نے کرامتوں کے حالات زندگی بھی چھپتے تھے
ادراوی علمی مضامین بھی لکھتے سوتے تھے۔

حضرت گراما گروں نے اپنے شمارہ جنوری ۱۹۲۷ء میں اس رسالہ
پر جو پوچھا تھا۔

غریب نواز پندرہ روزہ زیر ادارت جناب مولانا حاجی سید شاہ حسین
ہالی صاحب عرصہ پندرہ سال سے شائع ہو رہا ہے اور نہایت قابلیت
کے ساتھ ایڈٹ کیا جاتا ہے، تبلیغ احکام شریعہ منظم طریقے سے کراہے
شائع عظیم اس کا اصل مقصد تعین ہے اس پر علی، سیاسی اور تاریخی
نوادر مضامین اس کی دل چسپی میں اور بھی اضافہ کرتے ہیں اس لئے

ہندو مقبول ہے اور ہمارے علاوہ دوسرے صوبہ جات اور غیر ملک ہیں
اس کی کافی اشاعت ہے۔

شخصیت شریعت
مطالعہ مل، بنگلہ گنج کا پور سے یہ ماہانہ سالانہ ۱۹۱۲ء
کو خود دار ہوا۔ ۲۲ صفحات پر مشتمل تھا اس
کے ایڈیٹر جے بہادر حسرت شاہ صاحب صوفی
نور عزیز احمد صاحب قادری قوم کا تیسرا فتنہ رکھتے، سالانہ چند سوا
روپیہ تھا۔

یہ سب سے دور انہماگرہ سے سالانہ ۱۹۱۲ء کو جاری ہوا۔
آئندہ صفحات پر نکلتا تھا، مگر اس سلسلہ کو لایہ
بی اے اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چند چار روپے تھا
یہ ماہانہ سالانہ ہر سال گزری بیٹے کے پہلے سب سے ماہانہ
سے اکثر برس ۱۹۱۲ء میں بطور پذیر ہوا۔ ۲۰ صفحات پر
مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر حضرت سید ابراہیم
سالانہ چند سوا روپیہ تھا۔

پرکرم چارک

ہلال

یہ سالانہ روحانہ محدث حوالے ال سے ماہانہ اگست ۱۹۱۲ء
کو خود دار ہوا۔ ۲۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے
ایڈیٹر غازی محمود و صرم پال صاحب تھے حنیف پرنس لورہانہ
میں چھپتا تھا۔ سالانہ چند چھ روپے تھا۔

حنیف

اس سال کا اصل مقصد ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا تھا لیکن
اس کے باوجود اس میں تاریخی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی مضامین بھی
شائع ہوتے تھے۔

بلاغ امرکسر کے شمارے اکتوبر ۱۹۱۱ء میں اس رسالہ پر تنقید
چھپی ہے۔

اس نام کا ایک ماہواری رسالہ غازی محمود صاحب کی
ادارت میں حلیف پریس لودھانہ محلہ دھوسے والے نکلنا شروع ہوا
پچھلے سالانہ جبکہ چھپ رہے ہیں دو پرچے اس وقت تک نکل چکے
ہیں اس کا طبع نظر منہد و علم اتحاد ہے سائے خیال میں یہ مقصد
حسب قدر سارک ہے اس کے ذرا وہ مشکل بھی ہے اگر جناب غازی
صاحب اس کو آسانی کرنے کے لئے پہلے مختلف اسلامی فرقوں کا معائنہ
و معائنہ کرانے کی کوشش میں مصروف ہو جائیں تو بہتر نتائج مرتب
ہونے کی توقع ہے تاہم یہ دور سالے غازی صاحب کی روحانی تحریر
اور مفید تاریخی، مذہبی، اخلاقی و سیاسی مطالب سے معمور ہیں دوسرا
نمبر ہا محفوض دل کش ہے اس میں چار تاریخی قصے ہیں

- ۱۔ آغشتہ نام ایک سیکی شہیدہ کے بے حد استقلال کی داستان
- ۲۔ ہارٹاس کے ناظم لائبہ کرگس کے بے نظیر ریاست دانی اور عایا پردہ
و فائیت کے حالات۔

۳۔ زہد و شہادت پارس کی مذہب کے بانی کی تاریخ انوس ہے کہ اس پر
تحقیق واقعات کی کمی ہے۔

۴۔ علی محمد بانی فرقہ کا پرست صبر و شہادت اس کے پیروں کا غلام
ہا فقر و شہی اس مذہب کی مختصر سی تاریخ، غازی صاحب بعض جگہ
غیر انوس مذہبی الفاظ استعمال کرتے ہیں اگر ان کا ترجمہ دیا جائے تو بہتر
رسالہ کا کاغذ اور ادراچھا ہونا چاہیے۔

احمدیہ پبلنگس لاہور سے یہ مفتہ واریٹینی رسالہ
۲۲۷ صفحہ کو وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل
تھا اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ

پیغام صلح

پانچ روپے تھا۔

اس رسالہ کا اختتام سالہ سو ستر ہزار اولیٰ حرف جولائی سنہ ۱۹۱۸ء

میں چھپا تھا۔

قرآن کریم و احادیث کے معارف و نکات اور یوں خوبیاں یوں
کے احکامات و احادیث کے وراثی تفسیر جواب میں دستاویز اور کتاب فیہ
انتاعت اسلام کی رفتار اور اس کی حاضری و پرانی سبب غیارت کا اظہار
ہے تو اخبار پیغام صلح کے خریدار جو ہر بدھ کو یا ہنگ وقت سے
۲۲۷۱۸ کے آٹھ صفحات پر لاہور سے شائع ہوتا ہے سالانہ چندہ
پانچ روپے طلباء سے تعین روپے سالانہ مالک غیر سے ۱۲ مالک

ریاست سجویالی سے یہ رسالہ سنہ ۱۹۱۸ء سے
شائع ہوا۔ ۸۰ صفحات پر لکھا تھا اس کے
سرپرست نواب زادہ سعید النظمی خاں تھے۔

محسن الملک

اور حضرت حامد سجویالی ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔
رسالہ محسن الملک پر سالہ ڈیڑھ سجویالی مودہ رہبر سنہ ۱۹۱۸ء
میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

”چار جزو کا نام ہوا رسالہ ہے جو سجویالی سے جزل صاحب بہادر
مرحوم کے فرزند اکبر نواب زادہ سعید النظمی خاں صاحب کی سرپرستی اور
حضرت حامد سجویالی کی ادارت میں ستمبر سنہ ۱۹۱۸ء سے شائع ہوا تھا۔“

ہوا ہے اس وقت تک اس کے دو پرچے میری نگاہ سے گزرے ہیں
ان کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ جناب مدبر اس کو مفید و دل چسپ بنانے
میں پوری محنت سے کام لے رہے ہیں اللہ است و کما بہت اچھی ہوتی
ہے اور سرور پی رنگیں میں اپنے معصوم کا دلی خیر قدم کرتا ہوگی اور اس
کی کامیابی کا متخی ہوں، میجر جن اللہ کے نواز طلب کیا جاسکتا ہے سالانہ
بجٹ پانچ روپے۔

نوٹیل
یہ ادبی دلی رسالہ نمبر ۲۳۱ کوئٹہ سے لکھا جو
انجن ترقی اردو کوئٹہ کا آگم تھا۔ ۲۴ صفحات پر
فلکاتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر عبدالجباری صاحب تھے
حیدر سالانہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ پر ۲۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کے اخبار سہارن پٹی میں حسب
زیر ریویو ناسخ ہوا تھا۔

انجن ترقی اردو کوئٹہ کا ہمارا رسالہ سے نمبر دو بائیس ماہ دسمبر ۱۹۷۱ء
بہار میں، برادر سرسولی ہوا ہے ضحمت ہر جز تقطیع ۲۶ x ۴۰، ایڈمیلر
علیہ الباری محمد بٹائی ہیں اس کا دائرہ محض ادبی اور محض علمی مضامین تک
محدود ہے اس نمبر میں مضامین اوسط درجہ کے درج ہیں۔ جدید
الہ آبادی کے حالات اور مقتدا سید نجم یہ دونوں مضامین اس کے
قابل ذکر ہیں۔

حیدر آباد سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۷۱ء کو جاری ہوا۔
۲۶ صفحات پر مشتمل تھا، نواب مولوی سید محمد حسین صاحب
حبیبی فی اس کا اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے

المعلم

نقد نے جتے۔

شیخ آگرہ سرخ جنوری ۱۹۱۵ء میں بس رسالہ پیرسہ وراثت سے ہوا ہے۔
 یہ اپنے عزیز دروہ رسالہ نواب سید محمد حسین صاحب جمہوری بی سے
 انکس لکچر مد اس حیدر آباد وکن کا بی شد یہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں
 نے ہر دو جو کتابت اشغال کے رسالہ المجمع جارج فرہ یا کلام برے کر لیے
 رسالہ سے واسطے میرا ہ صفائین کا فراع کرنا اور پابندی وقت سے ہر
 امتاعت کرنا سخت و شزار کام ہے۔ لیکن آخر میں یہ ہے جناب نواب
 ہاتھ قبلیہ کی محبت پر کہ اس رسالہ کردہ پابندی نواقات نے ہاتھ
 شائع فرما ہے یہ اور اب تک ہر سالی کے ہاتھ پابندی نیکال چکے ہیں
 اور در ہاں میں ایسے رسالہ کی سنت ضرورت تھی رسالہ کا مجموعہ مستحق ہے
 لکھائی پھیائی پاکیرہ اور کاغذ خاص حیدر آباد کی راحت کا پلٹا اور ہر
 ہرے ملکیت صرف میں دو سے آئے آئے ہے زیادہ نہیں۔

میں امید کرتے ہیں کہ ہاتھ ناخر رسالہ کو شوق سے ساتھ
 تہ ہیں گئے اور اس کی اشاعت میں اعانت فرمائیں گے جناب نواب
 صاحب سلم الثبوت اور غیر معمولی قزاق اور محبت کے لوحان میں آپ
 کی تحریر صاف و درست ہے ہر افلاکی فرض ہے کہ اس کو نہائی کی
 حرا کو مقبول کریں اور اپنے سر مندرجہ برتنہ اور رسالہ متحدہ کو شوق سے
 ایک تا حد درخت ہادیہ تعلیمانی تعلیم ریاضی زہن و تدریس میں ہر
 طلبہ کی بد شوقی کیونکر ودر کی جائے تعلیم خرافیہ ایک نظر مقصد تعلیم
 تعلیم خرافیہ کا اصل مقصد وغیرہ دل میں ہر مین جو واقعہ کا جعفر
 کے دل دگا کر کھسے ہیں۔ در پڑ گئے گئے قابل امید

سفیرالتجار

دہلی ضیق ہار سے یہ ماہانہ تجارتی رسالہ سلسلہ ۱۹۲۷ء
کو وجود میں آیا۔ ۶۴ صفحات پر لکھا گیا۔
اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چند چار

روپے تھا۔

اس رسالہ کے سلسلہ میں رسالہ سود مند ہدایوں مورخہ جولائی ۱۹۲۷ء
میں حسب ذیل اکتھار شائع ہوا تھا۔

سفیرالتجار دہلی تجارت، صنعت و حرفت، معاشیات، اعلیٰ معیار
کے سب سے زیادہ شائع ہونے والا ماہوار رسالہ ہے اس میں تجارتی
و صنعتی معاشین کے علاوہ تجارتی چیزیں وسیع پیمانہ پر مباحثہ کی جاتی ہیں
اس کے مطالعہ سے آپ اپنے آپ کو تجارتی دنیا سے روشناس
کر سکتے ہیں اس کے متعلق معلومات یہ ہیں۔

ہندوستان کی تجارتی و صنعتی رفتار، صنعت و حرفت، اکم سرمایہ
داروں کے لئے دکانی معاش، ایجادات و معلومات، سودے و موافقے
ہندوستان میں کوئی چیز کہاں ملتی ہے۔

قیمت سالانہ چار روپے نمونہ ۵ آنے

رسالہ سود ساز دہلی مورخہ فروری ۱۹۲۷ء نے رسالہ سفیرالتجار
دہلی پر تبصرہ کیا تھا۔

یہ ماہانہ پرچہ تجارتی دنیا کے لئے قیمتی غیر مترقبہ اور بہترین
شیر ہے ہندوستان میں ملکی تجارت کو فروغ دینے کے لئے ایسے
رسالوں کی ضرورت ہے سفیرالتجار کا نصب العین یہی ہے کہ ہندوستانی
انعام میں تجارتی لائق پیدا کرے اور ہندوستانی تجارت کو فروغ دینے

کے مسائل و ذرائع ہمیا کرتا ہے۔ بڑا سائز عمدہ کاغذ سالانہ قیمت چار روپے فی پرچہ چھ آنے، ممبر رسالہ سفیر التجار فنیق بازار دہلی کے نکانا چاہیے۔

منسکوف کانپور ہے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۲ء کو جاری ہوا ۲۴۰ صفحوں پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر راجی صاحب تھے سالانہ چند ایک روپیہ بارہ آنے تھا۔

ہمایوں لاہور مرخص تھی ۱۹۲۶ء میں یہ ریویوشاٹ ہوا تھا۔ یہ نظم و نشر کا گلہ سہ کانپور سے جناب راجی کی امداد میں لکھا ہے مضامین کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا امدت کسی خاص مقصد کا حامل ہے البتہ روس کے مہو فلسفی طانتی کے افسانہ راز حیا کا ترجمہ کام کی چیز ہے۔

ہاتف یہ ماہانہ رسالہ اردو سے ۱۹۲۷ء کو جلوسہ افروز ہوا ۳۴ صفحات پر لکھتا تھا۔ مرزا نعیم بیگ چیفتی اس کے ایڈیٹر تھے یہ رسالہ خادم التعلیم پریس میں چھپتا تھا اس کی طباعت بہت شاندار تھی کاغذ بھی عمدہ تھا۔ تاہم سہ ماہی صحت کے لحاظ سے یہ رسالہ اعلیٰ درجہ کا تھا اس لئے جلد بند ہو گیا ایک ہرکاری ریلوے کے مطابق یہ پرچہ مذہبی سماجی اور تہذیبی خبریں اور تبصرے شائع کرتا ہے اس کے مقصد صوبہ کے مسلمانوں کے حالات کو بہتر بنانا ہے تاہم ابھی تک یہ کوئی خاص توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرا سکا۔

رافل سین

یہ فوجی سالانہ دور سے سیکلنگ میں دہائی میں دہائی میں آیا
سورہ صفات پر شکل تھا۔ تین روپے سالانہ چھ
تھا۔

اس زمانہ میں رافیل بریگیڈ سے متعلق امر شائع ہوتے تھے اور
اس کی اشاعت فوقی افسروں اور فوجی لوگوں تک محدود تھی۔

یہ مائیکس ڈیسک اس میں خاں سے سیکلنگ کو نشان
ہوا۔ شریع میں اس کی اشاعت پانچ سو تھی
عین میں کافی اضافہ ہوا اس رسالہ کے مالک ایک
زینید اور دیوان سوناسگہ ولد لوان یہ تھے، اس میں آریٹ صفت
اور دھرم کی لٹریچر زیادہ ترجمہ دی جاتی تھی دس سیکلنگ میں یہ رسالہ
نہایت قیمتی تھا۔

دلچسپ

یہ نیا دور اخباری سے سیکلنگ میں جاری ہوا
مہم صفات پر شکل تھا حضرت مولانا مظہر الدین
صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چھ روپے
تھا۔

رسالہ نگار جہوپالی گورنمنٹ جرنل کی سیکلنگ نے اس رسالہ پر سبب
ذیل تبصرہ کیا تھا۔

یہ ایک پندرہ روپہ اخبار ہے جو دلی لٹریچر میں سے مولانا مظہر الدین
صاحب ایڈیٹر لٹریچر کی امداد میں گزشتہ چھ ماہ سے شائع ہو رہا ہے
اس اخبار کا مقصد اس کلام سے ہے جو اس میں کلام نہیں کر
دیتا تھا صدیق کو پوری طرح ابھام دے گا ہے مولانا مظہر الدین ایک

محضوں تک گئے لکھنے والے ہیں۔ ان کے مذہبی مضامین میں ان کے
 خاص لطف پایا جاتا ہے اس اخبار کے شذرات جو زیادہ تر قطعی سچوتہ
 پرستیاں ہوتے ہیں اور وہ مضامین جن میں تعلیمات اسلام کی صداقت
 سے بحث کی جاتی ہے، محضوں طور پر قابل مطالعہ ہیں، سالانہ چندہ
 چار روپے ہے۔

یہ علمی و ادبی رسالہ حمید آباد دکن سے شائع ہوتا ہے
 کہ جاری ہوا م ۶ صفحات پر شائع تھا اب اس کا
 ادارہ اللہ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ

ترجمان

چار روپے تھا۔

یہ رسالہ اپنی نیک جھلک دکھانے کے بعد بند ہو گیا۔ ایک نمبر سے
 کے بعد دوبارہ اشعار نہیں نکلا۔

یہ بیعت دار اخبار امرتسر سے شائع ہوا تھا
 صفحات پر لکھا تھا۔ ڈاکٹر سید الدین پکھو اور صاحب
 قرشی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔
 اس اخبار کا اشتہار سو مندرجہ بالا مورخہ جو دہائی سالہ ہوا
 شائع ہوا تھا۔

جنگراؤں سے پاک، مریدان کی عزت کا محافظ اسلامی سرائوٹ
 اور اس کے اخلاق سے قوم اور ملک کی خدمت کرنے والا، ڈاکٹر پکھو اور
 جناب قرشی کی ایڈیٹری میں قلم ہو رہا ہے اگر آپہ بحث مباحثے سے اکتا کر
 اپنی روحانی خوشی اور بطور کے علوم کرنے کے لئے کسی سچے اور صادق
 دلی اخبار کی تلاش میں نہیں تو تنظیم کی حیدرانی منظور فرمائیے، اخبار کے

کے وہ حصے ہیں پہلے حصہ میں ہندوئی واقعات اور خبریں مکمل درج
 ہوئی ہیں دوسرے میں اسلامی تاریخی مضامین سے دل روشن ہو
 قابلیت بڑھے اور واقعت میں اضافہ ہو خوبصورت نمائش پیچ
 عمدہ نگاشتی وغیرہ ۔



سنہ ۱۹۲۵ء

شمع

آگرہ حسن منزل محلہ ٹاہ گنج سے جنوری ۱۹۲۵ء کو یہ
ماہنامہ طلوع ہوا ۹۲ صفحات پر لکھا تھا۔ اس کے
ایڈیٹر محمد حبیب آکسن بیروٹر پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور سٹر
حسن شاہ جعفری آکسن بیروٹر آگرہ تھے، سالانہ چند چھ روپے تھا طبع
آگرہ اخبار میں چھپتا تھا۔

سالانہ سیمے کے پبلشر تھا سہ جنوری ۱۹۲۵ء میں رسالہ کے اغراض و
مقاصد پر عرض حال کے عنوان سے شمت یہ روشنی ڈالی تھی،

مندرت ان کی تاریخ میں دہ عید زریں بھی گزر چکا ہے جبکہ اہل ہند
کیا بلکہ ظفر بنی لطیفہ و بہادیات و فدا کی خدائی میں کسی سے پیچھے نہ تھے
ان کی شہرت و زندگی عراض سے پاک تھی ان کا نظام حکومت فوجی تھا جس میں
لنگ دلی کی گھمبائش نہ تھی اور ان کی حکومت رعایا کے لئے رحمت تھی۔ لیکن
دہ زمانہ اب خواب و خیال سے بڑھا وہ وقف نہیں رکھتا ہے اسلین ماضیہ

کے ہائے تاریخی کارنامے معنی اف نے اس آج دنیا کی دیگر اقوام سپردان
ترقی میں فروغ حاصل کر رہی ہیں اہم تاریخی میں ان کے نیچے جھلکتے ہیں
رہے ہیں ہماری روحانی اور معنویت سے متاثر ہو کر پاکستان کے ان
معنوں ذمہ دار سرگرم آ رہے ہیں کہ ان پر ۱۱۔

۱۱۔ ہم یا تو دنیا کی مہذب اقوام میں سے زیادہ غیر تربیت یافتہ ہیں
یاسب سے زیادہ مہذب ہیں۔ ۱۱۔

۱۲۔ ہماری قومی زندگی کے انحطاط کے ساتھ ہمارا قومی ادب بھی برباد ہو رہا
ہے۔ نیا نیا فی زمانہ حصول علم کی راہیں سدود ہائے تشدد میں کے علمی کارنامے
فراوانی اور ان کی بے مثل تصانیف کم خوردہ یا احسان فراوانی اولاد کی
مال نفع کے باعث فروخت ہو کر انبار کے کتب خانوں کی رونق ہیں۔
۱۳۔ کو اپنی بد نصیبی سے انکار نہیں لیکن بہت دامن غفلت کے ساتھ ان
خراہیوں کو جو شہرہ ترقی میں حاصل ہیں رفع کرنے کے مستحکم تہیہ سے
مقابلہ میں بدستوری یا بد نصیبی کی شکایت نہیں رہتی ہے جس طرح مرہب
کے لئے سائنس طرز زندگی کے بدلے کے واسطے مریض کا وجود باری تعالیٰ
کی جانب سے تنبیہ کا حکم رکھنا ہے اس طرح ایک قوم کی بدستوری، دعوت
آسانی ہے کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔ ۱۲۔

۱۴۔ ہماری قومی حیات کے لئے منجملہ دیگر اصناف کے ادب کی تجدید و تعمیر
کی بھی ضرورت ہے اور اس مرتبہ کے لحاظ سے جو خوش قسمتی سے
میدرت فی زمانہ کو حاصل ہے ہمارے قومی زبان بننے کی اس میں صلاحیت
بدرجہ اتم موجود ہے لیکن جب تک اس کو حصول علم کا مستقل ذریعہ قرار
دے کر اس کے ادب کو دنیا کی اہل زماں کی طرح وسعت نہ دی جائے

کامیابی ممکن نہیں ہے، سائنس کے جدید ترین انکشافات سے لے کر دنیا کی قدیم ترین اقوام کی فراوانی شدہ تاریخ میں نہایت پسند آئی تحقیقات تک ایک کو اپنی مادری زبان میں مل سکتی ہیں اس طرح عہد ہائے وصال کے بعد بھی انکشافات یعنی ہندو ادب پر حکمران کے تصانیف سے شرمناک کر کے گورنمنٹ کی شہری اور فلاطون کا فلسفہ کی نام مہیداد ہو کر غور و فکر ضروری ہے اس کے پیش نظر رہتی ہیں کہیں ہر ایک اردو داں ان مسئلوں سے محروم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا مطلع علم اس کی زبان کی طرح محمد دہ سے ہر گمان شخص کی دلی تمنا ہے کہ ادب اردو کی خدمت پر گہری دقت ہے اچھے گزیر تھیں اور اس کے ذریعہ ثابت کئے اسکا کی کوششوں سے دریغ نہ کریں، اسی لئے پہلے کے سامنے لیے جوڑے سے متاثرہ کا اظہار ہمارے لئے زیبا نہیں ہے اور حصول مقاصد سے قبل ہم کسی تعریف سے مستحق ہیں اور نہ طلبہ کا لیکن ہم اس اصول کو کبھی فراموش نہ کریں گے کہ ناظرین کے خیالات میں غور و فکر کی ترکیب پیدا کریں یہ ہر سالہ کا اصل مقصد ہے، ادب اردو میں ایک بڑا نقص ہے جو بدقسمتی سے ہنوز موجود ہے وہ یہ کہ زبان کو اظہار خیالات کا ذریعہ بنانے کے لئے بجائے محض زبان کی طرف توجہ کی جاتی ہے اس بارے میں ہم اپنی کسی ذاتی رائے سے ناظرین کو پابند نہیں کرتے ہیں ہم ناظرین کے سامنے ایسے سفاین پیش کرنا چاہتے ہیں جو معقول اور ختمہ رائے قائم کرنے میں معاون ہوں، اسی خیال سے ہم بھی اپنے لئے کوئی مددگار نہیں کر کے ہیں اس سالہ میں مرتبہ کے سفاین کے واسطے جگہ موجود ہے ہم تاریخ فلسفہ ریاضات، سائنس اور مذہب وغیرہ کے متعلق اس قسم کے سفاین

لندے کریں گے جن سے فی زمانہ ایک لکھم یا نہ آدمی کو دل چسپی ہے یا مصلحت ہے
 شیعہ کا جواز کسی ذاتی فائدے کی غرض سے کیا جاتا ہے اور نہ کسی مالی
 فائدہ کی نیت سے، ہماری کادشوں اور معروف زندہ گئیوں کے عزیز
 لمحات کا بہترین معاوضہ اور ہماری تمناؤں کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ
 شیعہ اپنے نام کی قبیح معنوی سعادت کے ساتھ محرک خیالات ثابت ہو
 اور یہ روشنی مصلحت ادب کی عبید کرن کو شیشوں میں پہنچ سکے۔ ہریان،
 شیعہ کے پہلے نمائندے کے مضامین سے رسالہ کے ہریان کے
 عزائم کا پتہ چلتا ہے کہ چودہ گھنٹے میں اس پر عمل کرنے کی سعی کرتے ہیں
 چنانچہ رسالہ کے مضامین ہندوستان اور حکومت خود اختیاری حزب عمال
 و ہندوستان، انتخابات میں ناکامیابی کے پانچ اسباب، آتش فشاں پہاڑوں
 کے حالات، پہلے انسان کی تلاش اور جناب مشیر قدوائی، نظم میں نواب
 حیدر جنگ بہادر، مرزا محمد آبادی صاحب عزیز لکھنؤی شیخ مشیر حسین صاحب
 قدوائی مشیر جناب محمد محمد رضوی بی اے، نواب جعفر علی خان صاحب
 اثر، جناب طاہر فرخ آبادی جناب محمد اکبر آبادی کا کلام بے حد معیاری تھا
 چنانچہ اس رسالہ شیعہ کو اس کے معاصرین نے بے حد پسند کیا اور اپنے
 معطر و مرقر جری دی ہیں سے اس کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار
 کرتے ہوئے ریویو اور تبصرے ہوئے، چند ریویو ملاحظہ ہوں۔

ہندوستان کے بے حد علمی جریدے معارف اعظم گڑھ مورخہ دسمبر ۱۹۲۵ء
 میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے جو تعجبی ہے۔

شیعہ اردو کا ماہوار رسالہ ہے جو آگرہ سے نہایت عمدہ لکھائی
 چھاپائی کے ساتھ عمدہ کاغذ پر نہایت لطافت کے ساتھ نکلتے ہوئے ناہر

اب تک پانچ نمبر لکھ چکے ہیں، شمع کے ساتھ ہماری توقع اس نے ہے کہ یورپ سے تعلیم پا کر آئے ہوئے چید لو جوان بقیم بایہ اہل قلم کے ہاتھوں میں ہے جس کے دل دماغ تانہ، حوصلے بلند علم و کفایت اعلیٰ ہیں اور جو علوم و مسائل سے آگاہ اور زمان کی ترقیات اسلوب و طریقے سے واقف ہیں اور جو حقیقت میں سچائی کے ساتھ اپنی زبان کی بہترین خدمت کرنا چاہتے ہیں، رسالہ کے مدیر ہائے درست محمد حبیب صاحب، کنسیرٹراٹ لایرو فیئر تارینچ مسلم یونیورسٹی اور حسن عابد صاحب جعفری آکسیریٹرافٹ لایو ہیں ہم کو ان عزیز دوستوں سے ان کی خدمت میں بہترین توقع ہے اس موقع کے برعکات اگر دوسرا پیدا ہوا ہے تو صرف یہ ہے کہ پیش رفتی نہ ہونے کے کم واقف ہیں اور تجربہ یافتہ ہیں کہ جب تک عربی فارسی کا اچھا ذوق نہ ہو اور خدمت میں نہیں آسکتی، رسالہ میں پروفیسر حبیب کے تاریخی مضامین اہمیت رکھتے ہیں ان کے مضمون محمود غزنوی کے نظریوں سے گوسب کو کا اتفاق نہ ہو تاہم ان کی خوش دھمتی کی داد نہ دینا ظلم ہے، پروفیسر بادی کا فارسی مضمون ستر دین یا اچھا ہے رسالہ میں تاریخی مضامین کے علاوہ سیاسی اور ادبی مضامین کو بھی جگہ دی جاتی ہے بعض نئے ماسکی پر اچھے مضمون لکھنے میں توجہ دینے کا سلسلہ بھی ہے آخر میں تبصرے اور تذکرات کی جگہ بھی یہ سلائی ایڈیٹر کے متعلق معلوم ہے کہ رسالہ کا بلند حید ان کے پیش نظر ہے یہ یقیناً خوشی کی بات ہے کہ اب اور رسالہ کا وہ دور ختم ہو رہا ہے جب ان کی ایڈیٹری کے لئے صرف جمع و ترتیب کی صلاحیت کافی سمجھی جاتی تھی اور اب پروفیسر اقبال، پروفیسر شفیع، پروفیسر محمد حبیب اور حسن عابد

حعفری وغیرہ کا اردو رسالوں کا ترتیب و اشاعت میں حصہ لینا ہماری زبان کچھ لمبے اکابر کے دور کا آغاز ہے ۔

شیخ کے توفیق کی خدرت میں یہ گزارش ہے کہ مشرق و مغرب کو یکجا کیا جائے ، مغربی خیالات مشرقی زبانوں میں اس وقت تک بلند ہوا ہوں نہیں کر سکتے جبکہ مشرقی زبانوں کا بھی مطالعہ نہ کیا جائے شیخ کے قلم میں قرآن مجید اور علوم عرب پر جو محضون چھاپے اس میں افسوس کا کچھ نہیں ہے نام یقیناً اور میں تعینات سے بے کچھ لے گئے ہیں ۔ غم غمت کی پہلوئی تصنیف کا نام کتاب الآئین نہیں کتاب العین ہے دوسری کتاب اساتذہ لکھتے ہیں اساتذہ اللغہ ہے اس میں عربی زبان کے صنائع و بدائع کو جمع نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس میں عربی محاوروں کا بیان ہے جو تمام کے دل میں محاسن کا خیال اساتذہ اللغہ سے نہیں پیدا ہو سکتا تھا کہ اول ان دونوں میں کوئی وجہ اشتراک نہیں ہے سچو اساتذہ کا مصنف جابر اللہ محمد بن عمر زعفرانی سلمہ میں پیدا ہوا ۱۲۴۵ھ میں وفات پائی اور تمام سنیہ پیدا ہوا اور سلمہ میں وفات پائی ۔ وہ کوہنہ زعفرانی کی کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا اور یہ بھی صحیح نہیں کہ اس لغت کی دوسری کتاب فلاسفہ میں دقبالوس کا نام عجیب چیز ہے وحیدی نام کا کوئی ابتدائی سلمان مورخ نہیں ابن قتیبہ کو ابن خنبلہ قبری کو تبری ، ابن حبان کو ابن ہشام کہنا شیخ کی زبان کے کتاب برا معلوم ہوتا ہے اسی نمبر کے صفحہ ۱۲ پر " آئندہ گان کے اسطے " اچھا نہیں معلوم ہوتا ، صفحہ ۵۲ پر مرزا پور کے باقیات صاغات وغیرہ صفحہ ۵ پر شرح ولست ارجا تے لفظ صفحہ ۶ پر مصون بیان کے مصون یا مصون اسی طرح تبصرہ کو تبصرہ یا تبصرہ جان

لکھا صحیح نہیں ہے، اگست کے تذکرہ میں روز پوچھتا ہے پاس لکھنؤ کی
رکبہ قابل احترام ہے۔

”اس ستر کے پرچے میں ہائے فاضل دوست پر فیروزادی حسن کے فانی
مذہب کے عنوان میں گزشتہ سے یوستہ قابل اعتراض ہے ان میں سے
میں فرد گزشتہ امید ہے کہ مطبعی غلط یا سہو کا تب یوں لگی جن سے
مرحوبہ فلم کو دو چار مونا پڑتا ہے تاہم عربی فانی الفاظ کے صحیح اہل
کی طرف تصحیح کے وقت فاضل طبع سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے اس حال
کے متعلق ہماری نہایت امید افزا توقعات ہیں اور یقین ہے کہ بہترین
معلومات کے ساتھ آئندہ ترقی کرے گا اور نئے علوم کو ان میں منتقل
کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔“

سورندھار جیوں کے سہارے حوالہ کی سلسلہ علم میں سالہ شمس برجہ پیل
ایرپو چھپا تھا۔

”بادشاہ اور صدر اہل ان کے سہوار اور لکھنؤ کے مایہ ناز قدم شہر
کی علمی تصاویر عہد مغلیہ و عہد جدید کی مصوری کے بہترین نمونے جو اب تک
ناتجہ نہیں ہوئے ہیں اور نہ کسی دوسری جگہ مل سکتے ہیں رسالہ
شمس میں سلسلہ شمس پور ہے ہیں شمس تاجی علمی ادبی اور سیاسی مضامین
اور اخباروں کا مزید برکتان میں سب سے زیادہ حجم ۱۱۲ صفحات کا رسالہ
ہے جنوری سلسلہ علم سے نہایت آب و تاب سے شمس پور ماہیہ تذکرات
دسمبر سے قابل قدر ہوتے ہیں، لکھنؤ کی چھپائی نہایت دیدہ زیب کاغذ
چھپا اور کم از کم سالہ ۲۰ فقہ بریں چھپتی ہیں تاکہ متوسط دوسرے کار
آمنہ حیدر آباد نے قلم کو عمارت میں جاری کیا ہے الہ آباد لکھنؤ“

دُعا کہ، پنجاب اہل کلکتہ کی یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں اور سکولوں میں خریدی جائے گی۔
سالانہ دہلی کے شہرے اپریل ۱۹۲۶ء میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ شائع ہوا ہے۔

”جنوری ۱۹۲۵ء سے شش ماہیت آبد تاب سے شائع ہو رہا ہے لکھا کی چھپائی کا غرض خاطر سے آپ بے نظریے ہر معنوں مہذب لوگوں خیال اور صورت جدیدہ کا بہترین نمونہ ہوتا ہے اور تاریخی، سیاسی اقتصاد و ادبی مضامین شائع ہوتے ہیں اس کے مصنف علمی و ادبی ہیں، لاکھ مدیران شمس سر جلیب آگن برسٹر، ریڈ فیلر تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سر حسن عابد جعفری آگن برسٹر آگرہ ہیں یہ حضرات بہترین تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے فنکار ادیب ہیں رسالہ کی ترتیب میں مصروف ہیں اس میں ان کی کوئی ذاتی ذمہ داری نہیں اہل نہ کسی تنہائی اصل پر اس کو پیش کرتا چاہتے ہیں، براہِ پابند وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ تقاریر بھی نئے ہوتی رہتی ہیں حجم ۱۱۲ صفحوں کا ہے سالانہ چند سو روپے، خورد کار چھ حار

المنشر، فیبر سال شمس حسن نزل، شاہ گنج، آگرہ۔
سال شمس کے برابر ایک ہم عصر نے تعریف کی ہے چنانچہ سالانہ برنگ خیال لاہور ورورہ جولائی ۱۹۲۵ء میں اس کے متعلق یہ رائے دی تھی کہ ہنس وقت تک ۵۰ نمبر شائع ہو چکے ہیں کبھی کبھی تقاریر بھی دی جاتی ہیں رسالہ کی ادارت تجربہ کار اور تعلیم یافتہ ہاتھوں میں ہے۔
آگرہ کہ اس وقت تک پیانہ اور دل کی اشاعت کا غرض مل تھا۔ لیکر

اب فصیح کے اجزاء سے اس میں نہایت قیمتی امانت ہو چکے تھے تاریخی ادبی اور محققانہ معانی سے لبریز ہوتا ہے ہر معنوں جدید نقطہ نگاہ سے لکھا جاتا ہے اور قدیم ہوتا ہے روش کی باندی لازمی نہیں سمجھی گئی کہ وہ سنیہ میں لٹائے ہوئے دالے راستی میں فصیح کی زبان سب سے سلیس اور سادہ ہے اس میں نہ کوہماں جیسی عریاں رنگینی ہے اور نہ ہی نگار جیسی ادنیٰ اور ٹھوس علمی زبان مجمع میں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ روزمرہ میں لکھ لکھا جاتا ہے اور غیر اس علمی اصطلاحات و جدید غلط سطرل اور لغوات سے پرہیز کیا جاتا ہے ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ اردو کے قدرواں اس تاریخی ادراہی رسالہ کی قدر کریں گے۔

بازار جامع مسجد ہارمور سے
جنوری ۱۹۱۵ء کو یہ صنعتی و تہذیبی
مانشاہ موجود میں آیا۔ ۱۰۰۰ جلدیں
پیشکش صاحب اسماعیل لاہوری اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ بین
روپے تھا۔

اسی رسالہ پر رسالہ حسابوں لاہور مورخہ اپریل ۱۹۱۵ء میں
حسب ذیل تبصرہ فرمائی تھی۔ جو اتھا۔ حجم ۱۰۰۰ جلدیں ۱۰۰۰ جلدیں ۱۰۰۰ جلدیں
چھاپائی کاغذ بہترین و قیمت سالانہ بین دو روپے دو فرس رسالہ صنعت و تجارت
بازار جامع مسجد سب سب پور سے طلب کریں یہ مفید رسالہ جناب اسماعیل
حسب حد بھی نہایت لائق کی زیر ادارت
کا موضوع صنعت و تجارت ہے اور اس میں رسالہ کا مباحثہ ہے ہندوستان
سفر میں محدودے چند رسالے صنعتی معانی میں شائع کرتے ہیں اہل ان میں

صنعت و تجارت سب سے بہتر پہلے ملک کی ترقی کے لئے صنعت و تجارت کا احیا لازمی ہوتا ہے پس ہندوستان کا صنعتی و تجارتی ترقی کے لئے بھی مخصوص رسائل و اخبارات کا ہونا ناگزیر تھا الحمد للہ کہ صنعت و تجارت کا وجود اس سلسلہ میں غنیمت ہے۔

ملک میں بڑے کچے آدھوں کو اب تک ملازمت کا ملنا محال ہو رہا ہے اس لئے ملک کی آئندہ نسلوں کو ہر لحاظ سے تقسیم پر ڈالنے کی غرض سے ان کو صنعت و تجارت کی طرف توجہ دلانی چاہیے۔ اس لئے ہر مدرسہ اور ہر لیب علم کی میز پر صنعتی و تجارتی رسائی کا موجود ہونا لازمی ہے تاکہ ادا کی عمر ہی سے ان کو اس ضروری شعبہ زندگی کی طرف رغبت رہے اور ضرورت پر وہ اپنے دماغ کو اس کے لئے تیار پائیں، ہمیں ایہ رکھنی چاہیے کہ تمام سرکاری و غیر سرکاری عمارتوں میں صنعت و تجارت جیسا اچھا رسالہ ضرور خریدیا جائے گا اور حکمہ تعلیم اس ضرورت کی طرف مناسب توجہ کرے گا اس نام کا رسالہ لاہور سے بھی شائع ہوتا ہے۔

الحفاظہ کو چھ ماہی خان لاہور سے شیعوں کا یہ رسالہ بھی شائع ہوا۔ ۳۳ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر ایم ایم

عبداللہ اور سرپرست شمس العطار علامہ جباری مجتہد المعروف

تھے، سالانہ چھ دفعہ درود پڑھ آٹھ آٹھ لے کر میتوں کی پرچہ چار آنے تھی، پرکاش اسٹیٹ پریس لاہور میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں امامت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ایمین چھپتے تھے اور تینوں خلفاء کی مخالفت کی جاتی تھی شہید مقدس کے حالات اور اس کی خراب نشانی کی جاتی تھیں، مخالفین شیعہ کے جوابات دے جاتے تھے

خاص طور پر مولانا عبد الشکور کے رسالہ انجم کلمہ کے حواہات تفصیل کے ساتھ
چیتے تھے۔

گورکھپور سے یہ ماہانہ رسالہ جنوری ۱۹۲۵ء کو وجود
میں آیا، ۱۰۰ لم صفحات پر لکھتا تھا اس کے مدیر
مولانا آزاد سمجھائی تھے، سالانہ چند مین رو پے تھا۔

روحانیت

یہ رسالہ مجلس روحانی کانپور کا آرگن تھا۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ
روحانی مضامین شائع ہوتے تھے کچھ ادبی مضامین بھی چھپتے تھے
رسالہ اردو کے محلے کانپور سورہہ اپریل ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر ریلوے
تاج سوانحہ۔ مجلس روحانی کا یہ ماہوار رسالہ زیادہ مدت ۵۵ ماہ آزاد
سمجھائی گورکھپور سے شائع ہوتا ہے اس وقت تک جنوری فردی مارچ
۱۹۳۰ء کے پرچے نکلا چکے ہیں وہ برصغیر سے قابل دید ہیں سواہ میں
شعور روحانی و علمی مضامین کے علاوہ رسالہ کے چند ابتدائی مضامین
ایہاں آزاد سمجھائی کا انتخاب بھی ردیف وار شائع کیا جاتا ہے اختتام
سال پر ان ادراقی کا مجموعہ سبائے خود ایک چیز ہو جائے گا۔

دسمبر ۱۹۲۵ء کے رسالہ معارف اعظم نمبر ۱۰ میں اس رسالہ پر
تبصرہ چھپا تھا۔

چارے درستی مولانا آزاد سمجھائی برگشتہ سے متعلق اٹھا کر بالآخر ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ اب گوشہ عزلت میں بیٹھ کر وطن در انجمن یا سفر و حضر
کا نصف اٹھا کر چاہتے ہیں گو یہ قیاس بڑے یقین کے ساتھ نہیں بنتی
کیا جا سکتا ہے تاہم یہ یقینی ہے کہ اب ان کی متفقت ہمارے زندگی سامان
تصرف ہوگی، چنانچہ اس سلسلہ کا سب سے پہلا ثبوت یہ ہے کہ

موصوف نے جنوری ۱۹۲۵ء میں رومانیہ کے نام سے ایک صوفیانہ رسالہ
 بڑی عمان سے نکالنا شروع کیا ہے جس میں اپنے خاص انداز میں
 عقل و نقل، علم و عمل، حقائق قرآنی، روح الامادیہ، فلسفہ امام
 ربانی، بصیرت سماوی، مکاتیب کبانی اور اطلاعات سلسلہ وغیرہ کے عنوان پر
 سے اپنے علمی و روحانی فیوض کو وقف عام کیا ہے، مولانا کی علمی لیاقت
 قابلیت، حسن تقریر اور بعض دیگر خصوصیتوں کے ہم معترف ہیں ان کی
 خدمت میں مدت سے تعارف حاصل ہے اور اس لئے ہم دل سے ان
 کی کامیابی کے متمنی ہیں اور داعی میں کہ خدا ان کو توفیق دے کہ وہ استفادہ
 کے ساتھ ملک و ملت کی ہدایت کا صحیح ذمہ انجام دیں۔

یہ ادبی، اخلاقی تمدنی رسالہ جنوری ۱۹۲۵ء کو چھپ کر
 شاد دمال سے نودار ہوا ۴۴ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر
 حکیم فرامسن مدنی صاحب نے سالانہ چندہ پانچ روپے

تھا۔

اس رسالہ کی کتابت و طباعت نہایت اعلیٰ درجہ کی شعی کاغذ نقیص
 تھا۔ ٹائپلر بیج رنگیب اور خوشنما ہوتا تھا۔
 دسمبر ۱۹۲۵ء کے معارف اعظم گڑھ میں اس رسالہ پچھریو لوشٹ

ہوا تھا۔

”دعوت میں جہاں گئی اور وہاں بھی اردو کے لوہاں لے کر گئی
 پیدا کیا ہے، راجپوتانہ کی مشہور ریاست جے پور سے شاد دمال نام اور کا
 ماہوار رسالہ نکلا جے حکیم فرامسن مدنی صاحب اس کے ایڈیٹر ہیں مضافات
 نہادہ تر ادبی ہیں۔“

سچ، صدق

لکھنؤ سے جنوری ۱۸۷۱ء کو یہ مفتہ دہا اخبار
جاری ہوا، آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ ہتم مالہ پٹر
ظفر الملک صاحب ٹکری رینیٹ ایڈیٹر مولانا سید الرحمن

وہ حب نگر امی اور مولانا عبداللہ جہاںی اسے تھے چند سالانہ تین روپے تھا۔
اس اخبار کے نام میں تبدیلی ہوئی سچ کی جگہ صدق اور صدق کی جگہ
صدق کی تبدیلی آئی انداز کے ایڈیٹر مالک بھی آخر میں حضرت
مولانا عبداللہ جہاںی مقرر ہوئے۔ یہ اخبار اب تک لکھنؤ سے نکلتا ہے
جبکہ مولانا عبداللہ جہاںی صاحب فوت ہو چکے ہیں۔

اس اخبار ۱۸ ستمبر ۱۹۶۹ء کو سب سے پہلے ۱۱ کے سہارہ دہلی میں تبدیلی
کرائی گئی پراسخا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، خدا کا نام لے کر سچ جاری کیا جاتا ہے
میراثہ اللہ (جنوری ۱۸۷۱ء) سے ہر جمعہ کو شائع ہوا کرے گا۔

سچ، عاتہ السالین کو انگیزی تعلیم یافتہ اصحاب کو عربی مدارس
کے اخبار و شائع کو غرضتہ مسلمانوں کے ہر طبقے کو اسلامی زندگی بسر کرنے کی
دعوت دینا چاہتا ہے، مسلمانوں کے سب فروع الی سنت والجماعت خصوصاً
اس اخبار کو ضرور ملاحظہ فرمائیں، سچ کی سالانہ قیمت تین روپے فی پرچہ
ایک آنہ سچ کی قیمت پیشگی آئی جائے، وہ بی پرگز نہ سمجھا جاتے۔
فادہ السالین ظفر الملک ہتم اخبار سچ لکھنؤ۔

المدون سچائی و مدارہ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۹ء

صنعت و تجارت
کے جاری ہوا۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل

نشا۔ یہ محبوب علی شاہ کیمی کا انجمنیہ کی ادارت میں نکلنا تھا اس لئے چند
تیس روپے تھا۔

رسالہ نیرنگ خیال لاہور مورخہ جولائی ۱۹۲۷ء میں اس رسالہ پر
یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

”یہ مفید رسالہ جناب یہ محبوب علی شاہ کی ادارت میں سات ماہ سے
جاری ہے رسالہ کا تدوین و تہاری میں ایڈیٹر صاحب محنت و زور سے
کام لے رہے ہیں اور ہر نمبر نیچے سے مفید اور بہتر ہوتا ہے رسالہ کا
موضوع صنعت و تجارت ہے اور اس میں رسالہ کا مایاب ہے صنعت
سحر میں معبود سے چند رسائل صنعتی مضامین شائع کرتے ہیں اور ان میں
صنعت و تجارت کا احیا لازمی ہوتا ہے پس صنعت رستان کی صنعتی و تجارتی
ترقی کے لئے بھی مخصوص رسائل و اخبارات کا ہونا ناگزیر تھا۔ الحمد للہ
کہ صنعت و تجارت کا وجود اس سلسلہ میں غنیمت ہے۔ ملک میں پڑے
کلے آدمی کو اب ملازمت ملنا محال ہو رہا ہے اس لئے ملک کی آمد
لوگوں کو ہر دستہ پر ڈالنے کی غرض سے ان کو صنعت و تجارت کی طرف
توجہ دلائی جا رہی ہے اس لئے ہر مدرسہ اور ہر طالب علم کی سیر پر صنعتی اور تجارتی
رسائل کا موجود رہنا لازمی ہے تاکہ ادراک عمری سے ان کو اس ضروری علم
زندگی کی طرف رغبت ہے اور ضرورت پر وہ اپنے دماغ کو اس کے لئے
تیار پائیں۔

ہیں امید رکھی جا رہی ہے کہ تمام سرکاری و غیر سرکاری مدارس میں صنعت
و تجارت جیسا اچھا رسالہ ضرور خریدیا جائے گا اور محکمہ تعلیم اس ضرورت
کی طرف مناسب توجہ کرے گا۔“

اونٹنی کا لچ میگزین

اور نیکل کانچ میگزین لاہور کا شہد
مشرقی درگاہ اور نیکل کانچ کا
آرگن ہے جو جوہر سے لڑی مشعل ہے

کوسہ دہائی نومبر فروری ۱۹۰۷ء اور دہائی میں لکھا ہے رسالہ در حصوں میں منقسم تھا پہلا حصہ عربی فارسی اردو، اور دوسرا حصہ شکریت، منیدی احمد گورکھی پر مشتمل تھا، اس رسالہ کے حقیقت ایڈیٹر پر فیبر محمد شفیع ایم اے اور حصہ اہل کے ایڈیٹر پر فیبر ڈاکٹر محمد قباں ایم اے بی ایچ ایم اے ایچ ایم اے شکریت منیدی ڈاکٹر فکشن سرورپ ایم اے بی ایچ ڈی اور حصہ عربی کے بھائی بے انت سنگھ بی اے ایم اے ۱۹۰۶ء میں تیار کیا گیا تھا سالانہ چند عین روپے اور دہائی نمبر ایک روپے تھا۔

سالِ سعادت اعظم گزیدہ مورخہ دسمبر ۱۹۲۵ء عربی اس سکرین پر
تعمیل شیعہ رو کا ہے جو دلنا عجیب ہے۔

اور انہیں کالج میگزین لاپور کی مشہور نشری درمگاہ کا ترجمان ہے جو سالیت میں دہندہ یعنی کالج کے تعلیمی مالی کے لحاظ سے نو مہرہ فردری اور ہستی میں نکلتا ہے ہالفضل اس کے ورغیر فردری، ادب کی کے لکھے ہیں اور نو مہرہ کا انتظار ہے اس رسالہ کا مقصد یہ ہے کہ علوم شرقیہ کی ترویج اور احیاء کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شعری تحقیق پیدا ہو جسے سنسکرت عربی، فارسی اور دیہی زبان کے مطالعہ میں مصروف ہیں رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے پہلا حصہ عربی، فارسی اور اردو، اور دوسرا حصہ سنسکرت منیدی اور گورکھی پر مشتمل ہے رسالہ کے چیف ایڈیٹر پروفیسر

محمد شفیع ایم اے میں اور حصہ اول کے ایڈیٹر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے
 بی ایچ ڈی، حصہ سنگرت و بندہ کی ڈاکٹر گلشن سرور ایم اے
 بی ایچ ڈی اور حصہ نیما کی کے سہانی بنے انت سنگھ بی اے ہیں۔
 اور نیکل کالج اس وقت خوش قسمت درگاہوں میں ہے جس سے
 عدم نشر تہ کی دوسری تعلیم یافتہ ماہرین پروفیسر محمد شفیع اے ڈاکٹر
 محمد اقبال شفیق رکھتے ہیں۔ اس سے اور نیکل کالج بیگزین کی خوش قسمتی
 کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے، رسالہ کے درجہوں میں اور اسے پروفیسر
 محمد شفیع، پروفیسر اقبال، پروفیسر مبین عبد العزیز پروفیسر غلام محمد بشیر والی
 کے مضمون شائع ہوتے ہیں، پروفیسر شفیع کا مضمون فرقہ و فوجی پر
 پروفیسر اقبال کا مضمون لکھتا ہے کہ آغا پروفیسر شیری والی کا مضمون
 راجہ ہندو کعب انفرادی شاعر، شیخ فرید الدین عطار اور حکایات
 سلطان محمود پر اور پروفیسر مبین عبد العزیز کا مضمون ابوالعلا اور ابو
 سعید فاضل پر نہایت محنت اور کوشش سے لکھے گئے ہیں گو، ان
 مضمون میں حسب معمول زبان کی شیرینی اور ان کی فصاحت نہ ہر
 بحر حقیقی و تحقیق میں حسب توقع کی کہ نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ
 احرار میں حقیقی اور حقیقت کے خلاف فساد کا چیز سمجھا جاتی ہے
 توجہ چاہتا ہے کہ کاش یہ معمولی چھاپا یا کسی اس خوبصورت چھپکے پر
 نہ ہوتا۔

رسالہ امیہ میرٹھ علی گڑھ کے صفحہ ۲۰ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں
 خطیب باید کہ قلعہ و گمانے دست گبر و بدال اعتماد کند و کامر در دا
 برد یا یکے ازاں ہو و سپاہ افتد کند۔ اس عبارت سے اول تو

مذہب کا حکم معلوم ہوتا ہے اور موجودہ عمل کا ثبوت نہیں ملتا دوسرے یہ کہ
 یاہ پوریش ہونا یا عمامہ دھار دوڑوں یا لہرت عمامہ یا لہرت چادر کا یہ
 ہونا دو باتیں ہیں، اسکا کہ بعد قرآن مجید کی آیت میں مُشْتَق فوراً کو
 منعم کوزہ لکھا گیا ہے حالانکہ قرآن پاک میں لفظ بابا افعال سے ہے نہ
 کہ تفصیل ہے۔ صلوٰۃ ۱۸ میں یرو فیہا قبل کہنے تعابی کا نام سفر لکھا ہے
 حالانکہ یہ غلط ہے تعابی کا نام عبید الملک اور کنیت اس کا یونس ہے
 اس قسم کی غلطیاں تو ستر اجماع ہی کے لئے مخصوص ہوئی چاہئے یرو فیہا
 اقبال نے عربی مورخین سے ان مورخوں کی تعبیر کی ہے جنہوں نے عربی کو
 اپنی ادبی زبان قرار دیا ہے خواہ وہ بدلت خود عرب ہوں یا نہ ہوں ادبی زبان
 سے ان کا مقصود عاقبت یہ ہے کہ اپنی تصنیف کی زبان عربی قرار دی ہے
 ہم اس اصطلاح کو تسلیم کرتے ہیں مگر آگے چل کر وہ صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں۔
 تعابی، طبری، جلالی اور دیگر عرب مصنفین کی کتابوں کے سببی قائلہ اٹھا یا
 ہے۔ عرب مصنفین کی اصطلاح سے کیا مراد ہے اگر فاضل عرب نژاد
 اور عربین مراد ہیں تو وہ کون ہیں اور تعابی، طبری اور جلالی میں سے
 کوئی بھی اس لحاظ سے عرب تھا اور اگر ایسا نہیں تو عربی مورخین اور عرب
 مورخین کی اصطلاحوں سے ہم کیا فرق ہوگا۔ ہم کو سب سے زیادہ حیرت
 یرو فیہا اقبال کے اس حاشیہ کی اس تحقیق پہ ہے جو صفحہ ۱۹ اور ۲۰ میں
 رقم ہیں کتاب الاغانی جو خلیفہ الواثق کے عہد کی تصنیف ہے آغانی جیسی
 نامور کتاب کی تاریخ میں ایسی فائن غلطی علوم شرقی کے ایک مغربی حکم سے
 مدد و حیرت انگیز ہے اگر کسی سیدھے سادھے عربی دان مولیٰ سے
 یہ غلطی ہوئی تو معافی کے قابل تھی کہ ان بیچاروں کو یورپ کے طرز تنقیدی

مباحث سے دل چسپی نہیں ہوتی، لیکن علوم شرقی کتبے ایک ڈاکٹر صاحب کا واسطہ ہے۔
 سبھی تنقیدی مباحث ہیں ناقابل غور ہے، غلبہ دائمی نے مسئلہ ۳ میں
 وفات پائی ہے و طبری ۶۳، ۶۴، ۶۵ اور افغانی کے مصنف ابو
 الفرج اصفہانی کا سال پیدائش مسئلہ ۲۸ میں ہے عجم الادبیہ کا لغت اور
 سال وفات ۴۵۶ میں ہے ہر مصلح کا عہد ہے کیا قیامت ہے کہ جو مصنف
 غلبہ دائمی کے وفات کے ۱۵ برس بعد پیدا ہوتا ہے وہ اس کا معاصر
 سمجھا جاتا ہے۔ فارسی کے مشہور محقق پر فیروز خان فہرست محمود شیرانی اپنے معنون
 کے صفحہ ۳۰ پر دو جگہ الف تہ کو الف ثانی لکھتے ہیں ایسی نائن غلطی
 ایسے محقق سے بڑے حد حیرت انگیز ہے دوسرے نمبر کے صفحہ ۱۷ میں
 حافظ صاحب کا ایک عہد مغلہ من عشق و عقبہ دات ات تہا میں قن
 بڑھا دیتے ہیں اور دات کو قنات لکھتے ہیں جو صحیح نہیں ہے اس سال
 کے درمیان سے بعض قلمی رسالوں اور مستطومات کی انتانت کا بھی سامان کیا
 گیا ہے مگر ضرورت ہے کہ ہمارے یہ ذکر کا ترجمہ جس فن کو سالہا سال میں
 یورپ سے سیکھ کر آتے ہیں اس کو بندہ رستوں میں سبھی رواج دینا مستند
 یورپ کے سترقین اس قسم کے چیزوں میں الفاظ اور نسخے کی سنت اختیار کرتے
 ہیں مگر یہ احتیاط ہمارے ان منہ رستانی سترقین میں نظر نہیں آتی۔
 ص ۵۲ میں کشف الہوا یقیناً غلط ہے اصل نسخہ میں کشف الہوا کا ہو گا
 چاہیے قافیہ کی رعایت سے کشف الہوی کر لیجئے صفحہ ۵۵ میں تجرید
 شریعہ پر چہرہ الدین رہ نہ در خواست چھاپا ہے حالانکہ آخری لفظ درخواست
 کی جگہ تھے درخواست ہے صفحہ ۸۹ میں اتاذ و حلوک چھاپا ہے حالانکہ
 اتاذ و حلوک چاہیے صفحہ ۹۱ میں طحاہ و تحقیق اثبات شفا نے تاوان

بینی میں نشاۃِ نازاں مینی، ہونا چاہیے اس قسم کی خردہ گیرلوں سے
 ہذا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان مستشرقوں سے اسی احتیاط نخل
 اور صحت کی خوش فہمی رکھتے ہیں جو دیرین سنسکرتین کا لٹنا ہے خریسے،
 ”یہ بیکزین ہذا کے عمر دراز پاسے کو اردو کو ان جہد گان علم کے
 حقیقہ منہج سے بہت کچھ سیراب ہونا ہے ہم اس رسالہ کے اجراء پر
 اور عقل کا مہم کو جا رک باد دہستے ہیں اور اپنے درمیان کی خدمت میں
 عرض کرتے ہیں کہ ان کی زبان ان کی اعانت کی سوت ہونا ہے۔

برہان رسالہ فقید حضرات کا آگاہ ہے جو
 مارچ ۱۹۲۵ء کو مہدی نزل مبارک پور

امامیہ گزٹ

فصلی انہالہ سے مہور پذیر ہوا، عام طور پر
 ۶ صفحات پر لکھا تھا۔ ایڈیٹر مہدی اکبر زید او اسلی سے، سالانہ
 چھ دفعہ دور و پہلے تھا۔ پرکاش اسٹیم پریس سرکل لاہور میں طبع ہوتا تھا
 اس رسالہ کے سرورق پر کبھی کوئی آیات قرآنی اور کبھی کوئی شعر درج
 ہوتا تھا۔ یعنی ۱۹۲۵ء کے شمارے کے سرورق پر یہ شعر درج ہے۔

نام مہدی لے کیا جب عقدہ غیبت کو حل
 کوہ سے آگے مسافت علیٰ خیر حاصل

اس رسالہ کے انوار من و مقادیر صاحب اولیٰ تھے۔

۱۔ توحید و رسالت و امامت کے مضامین و اہلکلمات

۲۔ اسلامی آداب و اخلاق و احکام کا نشر

۳۔ مذہب حقہ تنبیہ کی حمایت و ترقی۔

۴۔ امامیہ تشن لیگ کی تعلیمی اور تبلیغی خدمات کے آثار

۵۔ ادارت مذہبی دعویٰ کی ترتیب و تنظیم

یہ رسالہ شیعہ مذہب کا آرگن قرار دیا گیا تھا۔ اور ان کے عقائد کی بھی تبلیغ کرتا تھا۔ لیکن اس کی پالیسی صلح کن تھی۔ شیعہ دینی حضرات میں اتحاد کا ہستی تھا۔ اور متحد کرنے کی کوشش بھی کرتا تھا۔

نثر کے ساتھ نظم کا بھی حصہ تھا۔ منقبت حضرت علی اور حضرت یام حسین پر کافی قطعیں بھیجے تھیں۔ اس کے معنون نگار سید ابوزاب صاحب محمد عسکری، بہر جاسسی، مولوی سید یحییٰ حسن (سامات)، مولوی محمد علی صاحب لاہور امرتسری، مولوی سردار علی وغیرہ تھے۔

حکمدہ مکی لوہا بان بریلی سے اپریل ۱۹۲۵ء کو یہ علمی و تحقیقی رسالہ جاری ہوا۔ پھر ۱۲ صفحات میں نکلتا تھا، بعد میں صفحات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اس کے ایڈیٹر مولوی محمد اعتماد الدین احمد عرش فاروقی تھے سابقہ مشکل پرنٹنگ دیکس بریلی میں چھپتا تھا۔ چند سالانہ دور ہوا تھا سرورق پر یہ طبع رہتا ہوتا تھا۔

ایک مہینہ بعد کا اے خوشتر

اس کے قواعد و ضوابط حسب ذیل تھے۔

۱۔ کل کہہ ہر انگریزی مبنیہ کی پہلی تاریخ کو دفتر سالہ گل کہہ سے

بریلی سے قیام ہوا کرے گا۔

۲۔ اس مرتبہ گل کہہ کی ضخامت ۲۰ صفحات میں محدود دے مگر ان علت میں

آئندہ سے اضافہ ہوگا،

۳۔ وہ معنون حسن میں ادبی عنصر غالب نہ ہو ورنہ سالہ نہیں کیجا سکتا۔

۴۔ وہ مضامین نظم و نثر جس کا معیار لیت ہوگا۔ داخل نظر کر دئے جاتیں گے۔

۵۔ اجرت طلب مضامین کا سامنا نہ ان کی نوعیت پر موقوف ہے اس کے متعلق ہر صاحب رائے گفتگو کر لیا جائے۔

پہلے شمارہ اپریل ۱۹۲۵ء میں عرض حال کے عنوان کے تحت رسالہ کے اغراض و مقاصد کے لئے دوستی ایڈیٹر صاحب نے ڈالی ہے اس کے اقتباس ملز خطہ ہوں۔

”گل کدہ ایک خاص نصب العین حیات رکھتا ہے اس کا سب سے بڑا مقصد اچانک تنقید اور تردید پر تنقید سے علامہ ملی وغیرہ و ایک نوجوانوں نے بہت پہلے اس ضرورت کو محسوس کر لیا تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ صحیفہ کی علمی خوشنقوشوں سے عام دنیا سے ادب کو سب سے پہلے تنقید عالمیہ کے صحیح مفہوم سے آشنا ہوئی مگر ہمارے خیال میں عام طور پر تنقید ابھی تک وجود پذیر نہیں ہو سکی، سوئی سوئی مگر بیجا تنبیہوں کا اکثر برا بھلا کرنا مذہم اشعار ہا ہے گل کدہ کا سب سے پہلا اور سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ اس کا پر زور تدارک کر سکے

فائدہ کلام پر یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں باہتقا منت و نفع کار عطا فرمائے اور جو مصفا صاحب گل کدہ ادبی سے وابستہ ہیں وہ تمہارا خیر ثابت ہوں۔

پہلے شمارہ کے ۲۲ صفحات تھے جن میں حب و دل آٹھ مضامین اور غزلیں تھیں جو لقیہ معیار کی تھے جن کے عنوان یہ تھے۔

۱۔ عرض حال۔ (۲) مقدمہ میں شعراء اردو، (مدیر ۳) بی گل کدہ

(غنی) ۴۱) گلدرست (مدیر) ۵) مسرات درو، جناب ابوالکمال آزاد
سہواری بریلوی (۶) پاداش رنگ (۷) فرودہ غالب (غیر مطبوعہ)
(۸) غزل (مدیر)

مستقدمین شعراء اور دہلی، مصحفی، جرات اور انشائے کلام
پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، مصنفین کی ابتدائی عبارت یہ ہے -

”قد ماتے اسلام کا کلام سادگی، جلالت، کیف اور سوز کے لحاظ سے
ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اور لائق رنگ مثال، ان کی شاعری زیادہ
تر ان تاثرات و سنجی کی آئینہ دار ہے جو ایک درد سحرے دل کا پر
اقتدار کارنامہ کہے جانے کا مستحق ہیں ان کا دلی ناکام علم کھانے میں
بہت بردا ہے لہذا وہ اپنے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے
مالفاظ دیگر وہ اپنے جذبات اور محادثات کو ادا کرتے ہیں مگر کچھ
اس طرح کہ دل درد آستان میں ایک اور ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے -
دلی کے اشعار بطور نمونہ چند حسب ذیل تحریر کئے گئے

یونانی نہ کر خدا سوں ڈر	جگ نہائی نہ کر خدا سوں ڈر
آرسی دیکھ کر نہ ہو مغرور	خود نمائی نہ کر خدا سوں ڈر
ہے جدائی میں زندگی مشکل	آجہائی نہ کر خدا سوں ڈر

اے دلی غیر آستان بار
حبیب سائی نہ کر خدا سوں ڈر

ان اشعار پر یہ تبصرہ ملاحظہ ہو -

یوں تو از مطلق تا مطلق ہر شعر ایک منفرد تاش کاستی ہے۔ مگر
تاہم خصوصیت کے ساتھ شعر سریم قابلِ توجہ ہے جس میں نہایت

تے نکلے اور بے ساختگی کے ساتھ ایک حسرت نیز جذبہ کا اظہار کیا
گیب ہے۔ آجہا کی نہ کرا کا لطف کچھ اچھا ذوق ہی مان گئے ہیں۔

یہ کلیدن جان والے معنوں میں ایک طوائف کے تھنہ اتروائے
رزلہ واقفہ ناصرہ انداز سے تحریر کیا گیا ہے پاداش رنگ والے معنوں میں
آئینہ کارخانہ سے ایک متعصب انگریز کے فال نہ کردار کو بیان کیا ہے یہ رسالہ
آزاد خیال رسالہ تھا۔ انگریزوں کے مظالم بیان کرنے سے جمعیّت نہیں تنہا
یہ ماہنامہ سالہ ۲۵ مئی ۱۹۱۵ء کو سرٹھ سے جلوہ افروز ہوا

یاد کی

۳۶ صفحات پر لکھا تھا۔ اس کے سرپرست ڈیڈیٹر ٹولانا
یوسف حسین صاحب تھے، سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

یہ رسالہ تنبیہ حضرات کا آئینہ تھا۔ اس میں جہت میں بالآخر ہتکتے
ہوئی شروعات ہوئی، امامیہ گزٹ مبارک پور کے شمارے جولائی ۱۹۱۵ء
میں اپیل کی گئی کہ کومسنی کو اس علمی ڈھیرے کی قدر کرنی چاہیے اور دل
ہاں سے اس کی خریداری کی درخواست سمجھا چاہیے۔

علی گڑھ سے یہ ماہنامہ سالہ جون ۱۹۲۵ء کو جاری
ہوا، ۳۲ صفحات پر لکھا تھا اس کے آئینہ پر کی

سودمند

ایڈیٹر ڈیڈیٹر حسین تھے، سالانہ چندہ درود پے
تھا۔ نومبر ۱۹۱۵ء میں بدین صاحب کا نام ادارت میں چھپنے لگا تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا:

سود بہبود اعد فلاح قوم ہے جھکولپنہ

قوم کا خادم سچوں میں ہے نام ملا سودمند

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

۱۔ افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور طریقہ زندگی بسر کر کے مسلمانوں کو افلاس و گدگداری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

۲۔ مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اچھن جائے اور باہمی قومی اور ملکی بینکوں اور ہر قسم کے گلدان میں لگاؤ جس سے عام شہریت سود گھٹ کر ملک سے رہا کو جویر بادکن اور وام پے مناسفے۔

۳۔ فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

۴۔ مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

۵۔ مسلمانوں کی صحت جسمانی، ذہنی ترقی اور عام ہیروئی کے متعلق مضامین شائع کرنا۔

یہ سارا سود مند سود لینے دینے کو جائز سمجھتا تھا اس سلسلہ میں مضامین بھی شائع کرتا تھا۔ اور ایک رسالہ جواز سود مع فتاویٰ بھی شائع کیا تھا۔ جس میں مختلف طور پر سود کی حقیقت رہا اور سود کا فنی، فقہی سود کے جواز کی صورتیں مع علماء کرام کے فتوؤں کے پیش کی گئی ہیں۔

ایک رسالہ اپریل ۱۹۱۷ء پر منظرِ آج ہے۔

شہرِ دہلی کے سلطان پور کے واسطے اور سود کا چکر اپنا کام اپنے ہاتھ سے امورِ سندھ پنجاب کی طرف سے سوزہ باقی کا ایک سرکاری

حکومت ہند کی آمد و خروج کا سالہ حساب، میں چلیں کیوں شہید ہوا، اسی کے حصول کی تہمت اور ہندوستانی صنعتی ترقی میں صوبہ پنجاب اور بنگالہ کا مقابلہ، روس و بے جا اور سولوں کا اسراف، مالدار بننے کی ترکیب، درختوں سے مصنوعی ریٹم کی پیداوار حاصل کرنے کا عمل، زراعت میں اشتہاس کی مصیبت،
 یہ روزانہ اخبار کلکتہ سے جولائی ۱۹۱۵ء کو نکلتے ہوا
 چار صفحات پر نکلتا تھا۔ مسعود حسن زبیری اس کے
 ایڈیٹر تھے، سالانہ چند چھ، دو بے ادنیٰ پرچہ ایک ہیہ

قیمت تھی۔

اس روزانہ اخبار نے چند دلوں میں وہ تہمت و مقبولیت حاصل کر لی تھی کہ ہر اخبار اور ہر سالہ کے ایڈیٹر نے اس کو پسند کیا تھا اور اپنے اخبارات و رسائل میں مدبر پر اچھے تبصرے شائع کئے۔ اخبار نگاروں کو بھی پیسے نہیں دیا، اس کے ایڈیٹر مولانا محمد علی جوہر نے بھی اس اخبار کو پسندیدہ نظر سے دیکھا اور ۲۰ ستمبر ۱۹۱۵ء کے شمارے میں یہ یوٹیوٹ فرمایا کہ کلکتہ سے ایک نیا روزانہ اخبار مدبر شائع ہونا شروع ہوا ہے اخبار کا نام روزانہ اخبارات کے سائز سے بہت چھوٹا ہے لیکن اسی نسبت سے اس کی قیمت بھی بہت مختصر ہے یعنی سالانہ چند چھ، دو بے ادنیٰ پرچہ ایک ہیہ، اس وقت تک مجھے خبر ہمارا نظر سے گزر چکے ہیں وہ مسعود حسن زبیری کے حسن مذاق کا پورا ثبوت ہے اس قدر کہ بہت پر اس قدر قیمتی مضامین اخبار کو مستحق تلاش بنا دینے کے لئے کافی ہیں۔

اکبر
 ابن دارالادب والاہاد کی طرف سے ایک اہم نامہ شبر
 ۱۲۱۵ء کو لکھ کر پیر ہوا۔ ۱۰ صفحات پر لکھا تھا
 اس کے ایڈیٹر جناب شبیر الدین شرعی بی اے جناب
 حسین احمد شفی بی اے، سید طالب علی چودھری، سید افضل احمد لد جناب
 اسرار احمد خاں نے سالانہ چندہ سارے ہمارے لیے لکھا۔

اس رسالہ پر حسب ذیل دیویرنگ خیالی لاہور محمد طرود کا ۱۲۱۵ء
 میں چھپا تھا۔

ابن دارالادب والاہاد کی طرف سے ایک نامہ رسالہ اکبر جاری
 ہوا ہے جس کا قلمبر نامہ سارے سال سے لکھا جاتا ہے جس کا
 نامہ دیروں میں شبیر الدین شرعی بی اے حسین احمد شفی بی اے سید طالب علی
 نقیب، سید وحی الدین احمد اسرار احمد کے نام لکھے میں معزین نگار
 میں محمود ایل قلم سکھام موجود ہیں یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور شاعر اکبر
 کی یادگار میں جاری کیا گیا ہے، اس نمبر میں سب سے اولیٰ ایک مکتبہ
 راجہ ہے اور آئندہ جناب اکبر کا غیر مطبوعہ کلام کثرت سے کرنے کا ارادہ
 ہے اس لیے اسی مقالات اور ڈراموں کے علاوہ ایک ناول سلسلہ ترجمہ بھی
 کیا گیا ہے۔

رسالہ صرف اعظم گڑھ اور حیدرآباد میں اس رسالہ پر تبصرہ نہایت
 ہوا ہے۔

ادب الاہاد کا جنابی اکبر اب اس عالم میں اب وکل میں نہیں لیکن اسی کی سہ
 سے ایک کاغذی اکبر اس کی یادگار میں ہے شبر میں اس کا پہلا نمبر اور
 نمبر میں دوسرا نمبر چھپا ہے ادب الاہاد کی آب و سہا میں لد دعا خجانات

انتخاب

بہ ماہنامہ رسالہ اکثر بر شمس ۱۴۱۵ م کو لاہور سے نمودار ہوا
ہم ۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب ابوالمعالی اختر غفرلہ
افغانی اس کے ایڈیٹر تھے رسالہ چاند پانچ روپیہ

تھا۔

اس رسالہ پر معارف اعظم گڑھ مورخہ دسمبر ۱۳۱۵ء میں یہ رپو یو

شائع ہوا تھا۔

جناب ابوالمعالی اختر شیرینی افغانی نے انتخاب کے نام سے رسالوں
کے منتخب مضامین کا ماہوار مجموعہ لاہور سے شائع ہونا شروع کیا
ماہ کو ہر مہینے دوسرا نمبر نکلتا ہے جس میں ان صاحبوں کے مختلف مضامین
نظم و نثر مضامین کو دوبارہ چھپایا گیا ہے ساتھ دستہ گل، معلومات، حدیث
دیگر ان اہمیات، آثار قدیمہ، فقہ اللغہ، روح انتخاب، حکایات، تہذیب
مصر کے متعلق معلومات ہیں۔ کام اچھا ہے مگر ضرورت ہے کہ انتخاب
حسن ذوق امداد ملت، اسے کام لیا جائے ورنہ وہ ہے کہ انتخاب اب
بہرہ ور نہ جاسکے اسی قسم کی کوشش زبدۃ الرسول کے نام سے علی گڑھ
سے کی گئی تھی مگر کام وہی رہا یہ بھی مناسب ہے کہ صرف مضمون نگاروں
کے ماسوں پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اصل رسالہ کا بھی بقید نمبر نام دیا جائے
ورنہ پست بہ رہے گا کہ صاحب مضمون کا یہ نیا مضمون ہے یا یہ کوئی پرانا
مضمون ہے اسی طرح اس کے لئے حصول اجازت کی بھی افلاقی ضرورت
ہے۔

محذوف اخباری بہت سے یہ رسالہ اکثر دسمبر ۱۳۱۵ء کو
نمودار ہوا، آئیہم ۲ صفحات پر مشتمل تھا اخبار

کائنات

صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چند ایک صدیہ آٹھ آنے تھا۔
محبوب المطالع دہلی میں چھپتا تھا۔

سہیل
عل گڑھ سے پچیس ماہی رسالہ سہیل نام کو جاری
ہوا۔ ۱۶۲ اصلیات پر شکستہ اخبار شیعہ محمد صہ بقی
ماہی واہڈیٹر تھے۔ سالانہ چند آٹھ روپے تھا۔
فی پچہ کی قیمت و درو پہ تھی۔

دہار سہیل پراشبا، ہمدند، ہارستہ رسالہ کے محکمہ میں صاحب
دیو پور چھپا تھا۔

عل گڑھ مولوی کی تقریباً تہ کے سلسلہ میں جہاں بہت سی دلچسپیاں
ہیں گی مگر تعجب و ہالی اس سے متعلق یہ فیروز شاہ احمد مدنی کی تجویز سے
اور ان ہی کی زیر ترتیب و انتظام انجمن اردو کے علمی و فنی بورڈ نے اپنا
سہ ماہی رسالہ سہیل بھی شائع کیا۔ انجمن اردو کے علمی کی بنیاد مولانا حسرت
سورہانی نے زمانہ علمی میں کالج میں رکھی تھی اور اسی زمانہ میں انجمن
کا اردو کے علمی کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالا تھا۔ رسالہ قومیات کے
ازدادہ تھے نہ طریقہ لکھا جا رہا ہے کہیں انجمن خورشید عرصہ کے جو ختم ہو گئی
تھی علمی و فنی بورڈ نے سالانہ ششہ چھ ماہی نام سے ایک انجمن کی بنیاد
ڈالی بلکہ رشید احمد مدنی کے الفاظ میں اسی انجمن کا ایجاد ہوا اور اس کو
بی سانشو یہ بھی ملے پایا کہ انجمن ایک رسالہ بھی لکھے گو گزشتہ سال
بوجہ سالہ کا اجراء نہ ہو سکا، لیکن اس سال جولائی کے سلسلہ میں رشید احمد
مدنی کو اپنے ارادوں میں کامیابی ہوئی اور سہیل بڑے انتہام سے شائع
ہوا۔ رسالہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

لوکب

یہ ماہانہ رسالہ گونڈا (اودھ) ۱۹۲۵ء کو لاہور پبلشر
ہوا۔ محمد علی صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، مہتمم
صفحات پر نکلتا تھا۔ اس رسالہ کا سالانہ چندہ صرف
دو روپے تھا۔

ستراج

یہ ماہانہ رسالہ کشمیر سے ۱۹۲۵ء میں جاری ہوا،
محمد جہاں بیگم کی ایڈیٹری میں۔ یہ صفحات
پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔
رسالہ پراخوار ہمدرد دہلی نے ۱۹۲۵ء کے شمارے میں
حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

یہ ایک زمانہ پراخوار رسالہ ہے جو کشمیر سے محمد جہاں بیگم کے زیر ادارت نکل
چکا ہے۔ یہ کشمیر کی خواتین اور بچوں کے لیے رسالہ کی ضرورت ہے
میں میں پاکیزہ دل، چسپادہ، مفید مضامین شائع ہوتے ہیں کہ ہماری بھینس اپنے
فخر کے دھندوں سے جب فاسد ہوں تو وہ ان رسائل کے ذریعے سے یہ
بان بیک کر دیا میں آج کیا جہاں ہے، اب تک دو تین شماروں میں جو مضامین
شائع ہوئے ہیں، دل چسپ پاکیزہ، شستہ اورد پر از معلومات ہے میں
محمد آباد سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۵ء کو مدتی لکھنؤ پبلشر
۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب علی خاں نشتر اس
کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

نشتر

اس رسالہ پراخوار دسے مئی کا پور مورخہ جہوری دہلی ۱۹۲۵ء میں
پبلشر کیا تھا۔
سرینج افغان جناب علی خاں نشتر نے احمد آباد سے اس

اولیہ اعلیٰ مذہبی رسالہ کو جاری کر کے اردو زبان کی ایک بڑی خدمت اپنے ذمہ لی ہے۔ محمد آباد گزٹ، حضرت ولی دکنی کا مدفن احمد ابدو شاہی کا ایک قدیم مرکز ہے، امید ہے کہ یہی خاں صاحب زبان کے حق میں اہم ہاسٹن ثابت ہوں گے۔ امدان کی کوشش سے رشتہ دکن کے غالب مدد میں دوبارہ جان پڑ جائے گی۔

سائیں کی خدمت یہ مضمونانہ سالانہ پید آباد دکن سے ۱۹۲۷ء کو بطور نکلن سہ ماہی پر ۲۲ صفحات پر سہ ماہی پرست دکنی ادارت میں نکلتا تھا ڈیرہ رورپیہ سالانہ چند تھا۔

اس سالہ میں مذہبی و اخلاقی مضامین بھی چھپتے تھے اہل عقوت کے اکثر مضامین لکھے ہوئے تھے۔

مسلم گزٹ کلکتہ سے یہ روزانہ اخبار ۱۹۲۷ء کو بطور پیر ہوا چار صفحات پر مشتمل تھا اس کے مدیر جناب محمد اسحاق صاحب امرتسر تھے اس کا سالانہ حیلہ آٹھ روپے تھا۔

یہ اخبار مسلم لیگ کا سرگرم ترجمان تھا۔ اس کی فہمیت بہ سخی کر یا اپنے قلم کاروں کو تعاون دیا کرتا تھا جس کا آج کے زمانے میں کوئی چلن یا دستور نہیں ہے۔

پیر وین یہ ادبی رسالہ اسلام میں آگرہ سے بطور پیر ہوا ۸۸ صفحات پر مشتمل تھا بابو پر سجد پال شام اختر آباد کی ادارت میں نکلتا تھا۔

فرشتہ

یہ ہفتہ دہا اخبار آگرہ سے شائع ہوا کہ وہ جس میں
آیا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا، خواجہ تہ الحسن
لٹا جیل اکبر آبادی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چند

چار روپے تھا۔

اس اخبار میں آگرے کی جرم کم امداد ملی مالک کی خبریں زیادہ ہوتی
تھیں علمی و ادبی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے۔

خواجہ تہ الحسن شاہ جیل
اکبر آبادی
پیر زادہ جیل کے دالہا بعد خواجہ
تہ الحسن صاحب تھے جن کی
ڈپٹی امداد ملی سے قربت دہری

تھی، اخبار فرشتہ کے مالک اور مدیر تھے، ان کے علاوہ شوق رکھتے تھے
مولانا سیاب کے شاگرد تھے۔

برہان میں دعوت کے آثار نظر آئے

برنگی میں جیل اس کی تصویر نظر آئی

یہ علمی و ادبی و تاریخی تمدنی اور سیاسی و اصلاحی اخبار

شائع ہوا کہ علوہ افروز ہوا۔ اس صفحات پر

نکل تھا۔ اس کے ایڈیٹر مفتی اسحاق اللہ ٹھہالی

دربار

اکبر آبادی تھے۔

یہ اخبار آگرہ میں اپنے علمی و ادبی و تاریخی و معلوماتی مضامین کی وجہ

سے بہت جلد مشہور ہو گیا تھا۔ اور علمی طبقہ میں قدر و منزلت کی نگاہ

سے دیکھا جاتا تھا۔ ٹھہالی صاحب بڑی محنت سے اس اخبار کو مرتب

کرتے تھے ان کی وجہ سے اس اخبار میں ملک کے مشہور و معروف

مضمون نگار اپنے مضمون شائع کراتے تھے امد وہ اس اخبار کی زمیئت
ہننے تھے۔

بروز نامہ سلسلہ ۱۱۷ میں پٹ در سے جاری ہوا،
چار صفحات پر لکھا تھا۔ جناب اللہ بخش یوسفی
اس اخبار کے ایڈیٹر تھے سالانہ جیڈہ چار روپے تھا

سرخ

اس اخبار کے نکالنے سے یوسفی صاحب کی بڑی عزت ہوئی آپ کو
سرحد کا بابائے صحافت کیا جالے لگا۔ آزاد خی وطن کے نئے آپ نے
مران قہ طرات انجام دیں۔ سرحد کے اجاز کی کوششوں کے بائے
ہیں خود اللہ بخش یوسفی تحریر کرتے ہیں۔

"میں نے سلسلہ ۱۱۷ کے شروع میں اخبار جاری کرنا چاہا مردان
سے سولوی گل کا خیال نے ایک مذہبی مانیہ کی اجازت مانگی تو حکومت نے
غور کیا کہ وہ کی حکومت اس وقت کلمہ اخبار سالہ کی اجازت ضروری خیال
نہیں کرتی چنانچہ جب ایک مذہبی پرچے کی اجازت نہیں دی گئی تو سیاہی
پرچے کا کو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ہا کچ در خواست
دئے حالات سرحد کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کرنا شروع کر دیا
یہ ایک ہزار کی تعداد میں چھپتا اور اس کی قیمت دو آنے بارہ پیسے تھی
خلافت کے رہنما کار اسمے کے آئے اور ہبل پر چھپتے گھنٹے میں
فروخت کرتے یہ پمفلٹ شائع ہوتی پر بس راولپنڈی میں چھپا تھا خفیہ ڈیڑھ
سہ ماہ بعد پولس نے قومی کارکنوں کو گرفتار کیا اور شائع ہوتی پر لیں میں
چھاپہ مار کر دوسرے شمارے کی کاپیاں ضبط کر لیں دو سال قید کے
قید نگار ایک مانیہ کی اجازت مانگی سلسلہ ۱۱۷ میں سرحد کے نام

سے ہلا کر نشانے کیا۔ جس کے اجرو پر اولین پیغام سولانا ابوالکلام آزاد کا تھا۔ کوئی لینے والا دھڑکتا تھا۔ کہ دارنگ نہ ملتی، بلکہ ایک نہ ایک سقدہ قائم ہو جاتا تھا۔ سرحدی مصلوب اخبار تھا سا درپٹا لوں کا خاصہ جگہ اس کا خریدار تھا۔

سرحد کے مقابل ایک طرف حکومت کا اخبار "اصلاح سرحد" تھا دوسری طرف جہاں سب کے ایما پر فرانٹیر ایڈ دکیٹ تھا۔ سرحد کو روزانہ بنائے کے بعد اس کی چھپائی کا مسئلہ تھا، ایک دستا پر لیس لگایا۔ چھوٹے سائز کے دو صفحے روزانہ نشانے ہوئے میدان میں شام میں طباعت کا نظام بہتر ہو گیا۔ ۱۸۵۲ء کے آٹھ مصلوب پر نشانے ہوئے لگے۔ ادلی دلوں میں ڈپٹ نہ کا کوئی پر لیس چھاپنے کے لئے تیار نہ تھا لہذا خارج بخاری اس پر چھپنے کے لئے میں کھینچے۔

اخبار کا پہلا نام حالات سرحد تھا۔ بعد میں یہی اخبار سرحد کے لیے ہفت روزہ نامے کی صورت میں جاری ہوا۔ حکومت کی قرضیوں اور قسطنطین کے باوجود نہایت حوصلہ مندی سے جاری رہا۔ عزیز ہونے کے باوجود نہایت حوصلہ مندی سے جاری رہا اور ہر وقت موت حیات کی کش مکش میں مبتلا رہا۔ سرحد کی سیاسی بیماری میں اس کا بڑا ہاتھ ہے اس کے مالک قید و بند کی مصروفیت بدانت کرتے تھے اور عوام بھی دل بھول کر ہر جوتے پر اپنے بھرپور صبر کی مدد کرتے تھے یہ پھر چھپاؤ کم کم ۱۴ برس تک پوری باقاعدگی سے نکلتا رہا۔ روزنامہ سرحد کی فرمیں اور قسطنطین

کوئی شہ کا نہ ہی نہ تھا۔ اگرچہ سرحد کا اولین اخباریں تھا۔ لیکن باغی
 اور علی گ کے اعتبار سے اسے اولیت ہی اس کے علاوہ اس نے
 طویل زندگی میں ۴۲ برس باقی اس اخبار میں غیر رسمی صحافی کا کام کرتے
 رہے جس میں باری علیک آمد مرزا نسیم بیگ جغتائی شامل ہیں۔

۱۹۲۵ء میں جب وہ بخشش بھی جاتے گئے تو سرحد کا انتظام
 ایک پڑا نے باسی کارکن اور اپنے چپ جسم بخش غزنی کو سونپ دیا
 اس طرح اخبار سرحد کا درس و تدریس ہوا مسئلہ کے میں وہ بخش یوسفی
 نے سرحد کا ماہانہ ادبی ایڈیشن نکالنا شروع کیا جو معتبر سے بلند پایہ ہے
 اس کے صفحہ میں محسوس اور جاذب تھے کا غذائیت و طباعت اور ترتیب
 عمدہ تھی ادبی مصادر بھی بلند تھا، سرحد ماہانہ ایک سال تک نہایت کامیابی
 سے نکلتا رہا۔ ڈاکٹر اعلیٰ پانے سرحد کے بارے میں اپنی پورے دیکھی۔

۱۹۲۵ء میں یوسفی کا سرحد منصفہ شہود پڑا جو ایک اردو ماہانہ
 تھا اور بہت جلد پرچے نے ایک اچھے نقاد پرچے کی شہرت حاصل کر لی
 بعد میں اسے منصفہ اور سپر وڈ نامہ بنادیا گیا جو پشتو میں چھپتا تھا
 میں یہ بند ہو گیا۔ تاہم ۶ ماہ بعد جنوری ۱۹۲۵ء میں پرچے نے اپنا
 سفر اٹھات و دوبارہ شروع کر دیا اس وقت اس کی اشاعت سودگرمی۔

سرحد بعد میں ۱۹۲۵ء تک ہی کے ہوتا رہا جب قیام پاکستان
 کے بعد نسیم خاں وزارت نے اس کے مدیر جم بخش غزنی کو سونپ دیا
 کے تحت گرفتار کیا اور روزنامہ سرحد کا ڈیکٹریشن منصفہ کر لیا گیا ایک سرکاری
 رپورٹ کے مطابق روزنامہ سرحد انکی سماجی اور مذہبی معاملات پر تبصرہ
 کیا کرتا تھا جن سے صوبہ سرحد کے مسلمانوں کا کسی صورت سے متعلق تھا۔

یہ پرچہ بدستان کی آزادی اور سرحد میں اصلاحات کرنے کے لحاظ
کا حامی تھا اخبار صوبے میں سوشلسٹ گریڈوں کے انتہا بات کرنے کا مطالبہ
کرتا رہا اور تحریک خلافت کے اسید داروں کی حمایت کرتا تھا۔ مسئلہ اس میں
اخبار سرحد کی اشاعت سولہ سو تھی۔

اخبار کے صفحہ اول پر یہ عبارت شائع ہوئی تھی۔

صوبہ سرحد بطور حبیان لکھا تھا جسے ن کاسب سے پہلے اور مقبول د

کثیر الاشاعت اخبار۔

برسنی صاحب مسئلہ کو آپ مد میں پیدا

ہوئے، ابتدا کی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم

کے لئے انگلستان چلے گئے وطن واپس

ہونے کے بعد انہوں نے فرانسیسی کالج لیسبوری میں ملازمت کی لیکن بعد میں

ملازمت ترک کر کے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس میں پہلی بار مسئلہ

میں رولٹ ایکٹ کے خلاف تحریک میں گرفتار کیا گیا جب آپ نے اپنے

اخبار سرحد کا اجراء کرنے لگے تو صاحبزادہ عبدالقدیم خان نے انہیں ملوث

دیا۔

”برسنی لم آگ سے پھیلے ہوئے ہیں، اسی اسی کا اتیان دے

کوئی اچھی سی ملازمت کر لے۔“

ان کا اخبار تحریک خلافت کا زبردست حامی تھا جب آپ جیلر بار

جیل سے رہا ہوئے تو مولانا محمد علی جوہر نے انہیں بمبئی طلب کیا اور آل انڈیا

خلافت کمیٹی کا سکریٹری مقرر کیا اور انہیں نورنامہ خلافت کی ادوارتی ذمہ داریاں

سہی تفویض کیں یہ اخبار مولانا محمد علی کی ملکیت تھا۔ انہوں نے بمبئی

کے روزنامہ سرحد ایک انگریزی روزنامہ پر مگر اس "اور بہتہ دار فریڈر
ٹریڈز" بھی لکھنے کے شوق کی۔

اگرچہ اس نے فرانز ٹریڈز کے نام سے ایک پیڈٹ لکھا جس میں
۳۲ ہزار پبلشنگ کے کوئٹہ عوازاں بازار میں بہتے عوام کا نام نہ فارنگ پر
شد بدکتہ چینی کی اس پر ان کے علاوہ تو زیارت ہند کی دفعہ ۱۳۳۱ کے
تحت کا دعائی کا لگا۔

قائد اعظم نے جب مسئلہ ۶ میں آواز دیا مسلم لیگ یا ہیمانی
بروز قائم کیا تو اس میں اس کا منہ مقرر کیا۔ قائد اعظم کے توشہ پر ہی
اسخوں نے مسئلہ ۶ میں "ہلال پاکستان" کے نام سے ایک اردو روزنامہ
جاری کیا اس کے تمام اخراجات قائد اعظم نے برداشت کئے۔

صوبہ سرحد میں سردار احمد نگ دہلوی کی مسلم لیگ وزارت کے
قیام کے بعد اس میں حکومت سرحد کا پبلیٹی آفیسر مقرر کیا گیا اور دوسرے
جرائد اطلاعات اور انفورمیشن کی ادارت کے خزانے ان کے پاس
کئے گئے لیکن آپ دوبارہ دیر تک حکومت کے ساتھ نہ چل سکے اس لئے
ملازمت چھوڑ کر بنگلہ میں چلے گئے۔

بقیم ملک کے بعد آپ کراچی میں مقیم ہو گئے اور سہ روزہ اشتیاق
کی ادارت سنچال جو انجمن اتحاد پختون کراچی کا ترجمان تھا آپ
شعبہ ۶ میں مشعل راہ اور ام جلال کے مدیر بھی رہے۔

مسئلہ ۶ کی ایک سرکاری رپورٹ میں سرحد اضداد کو اس طرح

بیان کیا گیا ہے، اس وقت ۸۰۰ سالاجیدہ بارہ روپے
مالک مدیر، رحیم بخش، پالیسی کاغذیں، کاغذ اور لکھن کاغذ

مسلّمہ کی رپورٹ کے مطابق اشاعت آٹھ سو ساٹھ چھ بیس
روپے ادب پالیسی سلم بیگ کے حق میں۔

مسلّمہ کی رپورٹ کے گواہ بھی وہ ہیں، سوائے پالیسی
کے جو سالوں کے حق میں ادب برطانیہ سے مستحق آزادانہ جانی جاتی ہے

یہ مفتہ دہرہ اسلام کو بعد پیر ہوا۔ یہ
دس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے مدیر حکیم آزاد

افغان

محل جسے سالانہ چھ پانچ روپے تھا۔ اس رسالہ

کا پہلا شمارہ اردو، پشتو اور فارسی، عربی میں شائع ہوا۔ حکیم آزاد محل
فاضل و تجربہ کار صحافی تھے اور ان کا تعلق کاخیل قبیلہ سے تھا، ان
کے اخذ کی اشاعت پانچ سو تھی۔

حکیم آزاد محل نے اپریل ۱۹۴۷ء میں ایک رسالہ کے ڈکٹریشن
کے لئے درخواست دی جسے مسترد نہیں کیا۔ بلکہ حکومت نے تحریر لکھ با
کہ اسکی کسی نئے رسالہ کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، تاہم ۱۹۴۷ء میں
اسلوں نے پھر درخواست دی، اسٹیٹ کیشنز نے سپرمنڈنٹ پولیس کا
رپورٹ پر حکیم آزاد محل کی سیاسی دغا داریوں کو محکمہ قرار دیتے ہوئے
ڈیفینسین کی درخواست نامسترد کرنے کی سفارش کی تاہم ڈیفینس کیشنز
نے اپنے ماتحت افسر کی سفارش قبول نہیں کی اور ڈیفینس کیشنز پر یکسر منظور
کر لیا کہ جس اجازت کی درخواست کی گئی ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا
تاہم اگر ضرورت پڑی تو درجہ دست ہند کے خلاف تعزیرات ہند کے تحت

یہ اخبار آزادی کا محرک اور اصلاحات کا حامی تھا۔ جولائی ۱۹۱۷ء میں
اخبار کو بند کر دیا گیا۔

یہ ہفتہ دہا اخبار ڈیرہ اسماعیل خاں سے ۱۹۱۷ء
میں جڑھو کے جلیہ افروز ہوا۔ چھ صفحات پر لکھتا تھا اس
کے بانی دمالک دایہ پرنکندن لال کھنہ تھے۔

یہ اخبار انگریزی اور ہندی میں چھتا تھا۔ اس کی ماہانہ انتاعت ایک سو
پچاس تھی اور ان کو مفت تقسیم کیا جاتا تھا۔

تھا نہ سبوں کے منظر سے یہ مونیہ مذاقی کا سالہ
۱۹۱۷ء میں جلیہ افروز ہوا۔ ہم صفحات پر لکھتا تھا
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اس کے ایڈیٹر تھے
سالانہ چھ دورے تھے۔

رسالہ راعین نگرین لاہور مورخہ اگست ۱۹۱۷ء نے اس سالہ
پر حسب ذیل رپورٹ کیا تھا۔

الامداد مونیہ مذاقی کا بہترین رسالہ ہے اس سالہ میں مونیہ
کرامت کے اقوال اور حالات، حضرت درج کر کے طالبانِ طاعت کی
رہنمائی کی جاتی ہے حسن ظاہری سے سبھی آراستہ ہے مولانا اشرف علی
تھانوی اسے ایڈٹ فرماتے ہیں، سالانہ چھ دورے ہوتے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اس سالہ میں جاری ہوا چالیس صفحات پر لکھتا
تھا سالانہ چھ ایک مونیہ تھا مولانا شبلی پرنکندن

رسالہ علی گڑھ نگرین مورخہ مارچ، اپریل، مئی ۱۹۱۷ء نے اس سالہ

پر حسبِ دل تبصرہ لٹائے ہوا

درتگین دائرۃ العارف قرآنِ نبیؐ کا اپنا رسالہ ہے جو جناب مولوی انتظام اللہ شہابی کی ادارت میں لٹائے ہوئے ہے رسالہ کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی اصلاح ہے رسالہ کو ہر طریقہ سے دل چسپ اور کارآمد بنانے کی کوشش کی گئی ہے اپنے پاکیزہ مقاصد کے لحاظ سے یہ رسالہ پوری قدر اخلاقی کاستحق ہے، دائرۃ العارف مسلمانوں کے لئے بہت سی مفید عملی کام انجام دے رہا ہے، سب سے زیادہ قابلِ قدر خدمت جو اس نے اپنے ذمے لی ہے وہ مسلمان بچوں کے لئے ایک ابتدائی اسلامی درس کی تیاری ہے اس سلسلہ میں اکثر ابتدائی کتابیں بچوں کے لئے تیار ہو چکی ہیں اور سبھی زیرِ تالیف ہیں، ضرورت ہے کہ تمام ملک سے اس مفید تحریر کی پشت پناہی کی جائے اور مولوی انتظام اللہ شہابی اور جناب انعام اللہ صاحب کو جو اس دائرہ کے روحِ رواں ہیں برحسبِ کی ادارہ اہل علم حضرات سے ملتی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ناظرین شگورین دائرہ کی تعابیف پر خاص طور پر توجہ فرمائیں گے اور ان کی توسیعِ اناعت کو ایک مذہبی ضرورت تصور کریں گے۔

پیرا منڈی لاہور سے ۱۹۲۵ء کو یہ بچوں کا رسالہ
وجود میں آیا ہم ۶ صفحات پر مشتمل نسخا ساس کے ایڈیٹر
ماسٹر لالہ رگھوناتھ سہائے بی اے سے سالانہ چندہ

پانچ روپے نسخا۔

اس میں دل چسپ کہانیاں، مسوواتِ تعلیم، تصویریں، نغمے پیدیاں
اور لطیفہ درج ہوتے تھے۔

سرحدی یہ رسالہ شمار سے سالانہ کو ماہانہ جاری ہوا۔ جو اردو اور پشتو زبانوں میں نکلتا تھا۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب مولوی عبدالرحمن تھیں سالانہ چند چار روپے تھا۔

رسالہ نیرنگ خیال لاہور کے شمارہ کو سرحدی عام میں سالانہ سرحدی پر حسب ذیل تبصرہ لکھے ہوئے تھا۔

"اردو زبان کی ہم گیری ملک کے ہر حصہ میں اپنا ثبوت پیش کر رہی ہے، ہندوستان کا شمالی مغربی سرحدی صوبہ جس میں ۹۵ فیصدی بھٹان، بلوچی، آفریدی، مسعودی، اور منغل وغیرہ اقوام نسبی ہیں اور جن کی زبانیں اردو زبان پشتو سے ایک ادبی رسالہ اردو زبان میں شائع ہوا ہے، یہ سالانہ شمارہ سے مولوی عبدالرحمن صاحب کی زیر ادارت ۵ ماہ سے برابر نکل رہا ہے۔ لکھنے کی، چھپانے کی گوارا، کاغذ دہائی، پختہ پیر ماہ ایک فوٹو کی تصویر بھی ساتھ لگائی ہے ہم نیرنگ خیال کے اس نمبر میں جناب غازی محمد الرحمن شہید کی تصویر کا ایک ٹکڑا لگائے کر رہے ہیں یہ رسالہ سرحد کے لیے ہے۔"

سرحد میں نظم و نثر کے ادبی مضامین کے علاوہ ماسلامی مضامین بھی درج ہوتے ہیں جن سے رسالہ سرحدیت مقبول ہوا ہے۔

رسالہ کے آخر میں ایک منیہ پشتو زبان میں بھی لکھا جاتا ہے۔ تاکہ غیر اردو دان اصحاب بھی رسالہ سے فائدہ اٹھا سکیں، ہمیں امید تھی چاہیے کہ سرحدی اصحاب جو گاہ اور سرحد کی تمام اقوام اس کو دل چاہے پڑھتی ہیں گی سالانہ چند چار روپے

تہمیر سالانہ کے احاطہ اعظم گذرم میں اس سال پر یوں لکھتے ہیں

میدستان کی سرحدیں در سے سرحد نام کا ایک رسالہ سرحدی لوہوں کی
 قلمی اعانت سے لکھنے والا ہے میدستان جن کو اہل سینہ دیکھنا چاہتا
 ہے ان کا اہل قلم جو نامناسب جو بانیہ ہو تاہم صبیح خیالات کی اعلیٰ امت
 اور لوگوں میں زندگی کی نئی روش پیدا کر کے گئے اس کی ضرورت تھی
 یہ اردو پستروں زبانون میں لکھتا ہے مولوی عبدالرحمن اس کے
 ایڈیٹر ہیں اچھے خیالات اور بلند ادراکوں اور صبیح حکومات کی
 اس کا سید ہے کہ خدا کرے پسرحدی مولود زلمہ رہے اور آزاد
 آب دہوا میں اچھی نشوونما پائے۔

لاہور کے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۵ء کو جاری ہوا
 ۲۲ صفحات پر لکھا تھا۔ ملک چمن الدین
 نقشبندی صاحب مجددی اس کے ایڈیٹر تھے

سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

رسالہ سارف اعظم گڑھ مورخہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر
 تبصروں تلے ہوا تھا۔

لاہور کے ائمہ داری کی قومی دکان سے حضرت قدوة السالکین
 سیدنا چمن کا آؤداری کا یادگار میں ملک چمن الدین نقشبندی مجددی کی
 ادبیت میں رسالہ اسرار تصوف لکھا ہے مولوی یوسف نعیمی تھی تصوف کے
 اسرار گفتی نہیں ہیں اگر میں تو برا دروازا گفت و سبز تھوان گفت۔ مگر
 اس چودھویں صدی میں کا کیا القاب ہے کہ اب تصوف گفتی رہ گیا ہے
 اور کاغذ کے بیوں پر اس کے اسرار غلامیہ فاش گئے جا رہے ہیں رنگین
 سرور قی پر جو حدیث قدسی زیر عنوان ہے وہ حدیث تو نہیں کسی

صوفی عالی کا قول ہو گا جس نے حدیث قدسی کا درجہ پایا ہے، رسالہ
کے مشتق دعویٰ ہے کہ وہ امام عالی خاوندوں کے اہل ائمہ اور سالکان راہ
اور سالکان حقیقت کی آواز باریکست ہے

شاہدہ گو جراثیم نیجاب سے بہرہ ماہی رسالہ
مشکوٰۃ اعر میں لکھا ہے۔ سورہ صفوں پر مشتمل
نقطہ۔ جناب امام خاں صاحب لکھنوی اس
کے مدیر تھے سو اردو یہ سالانہ جلد تھا۔

اس رسالہ میں اس قبیحہ کی ناپنج روایات و نسب اور احادیث
دینی کے معاینہ کیے تھے۔

الوار القدر
تمام شریف لکھی سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۲۵۷ھ کو
علمہ نکلن ہوا، ۶ صفحات پر مشتمل تھا اس
کے مدیر جناب جودھری شریف احمد راز لکھنوی
تھے سالانہ جلد چار روپے تھا۔

رسالہ تجارت اعظم گڑھ سورنم دسمبر ۱۲۵۷ھ میں یہ تبصرہ شائع ہوا تھا
"الوار القدر تمام شریف لکھی سے ایک صوفیانہ رسالہ جودھری شریف
احمد راز لکھنوی کی زیر ترتیب شائع ہوا ہے زیادہ تر مضامین کوئی سید
محمد صاحب حس کا صوفیانہ لقب اور نام ہے کے قلم سے لکھے ہیں
شاہ صاحب انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اس کے تصوف کے اسرار کوئی بونی
میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچا ہے حضرت محمد
لہذا ان کے نزدیک انساب بھی اس کو حاصل ہے مضامین سچے ہوئے
ہیں فیض عام صوفیانہ رسائل سے ملتا ہے۔"

الطیب سلام ہمارے یہ ماسود سالہ ۱۹۲۵ء کو وجود میں آیا
۴۴ صفحات پر لکھا تھا۔ حکیم کریم الدین احمد صاحب
انفاری قادری اس کے ایڈیٹر تھے۔

سالانہ چھپنے دو روپے تھا۔

طلیحہ سلم پریس میں بوائے اسکاؤٹس علی گڑھ کا یہ ماہانہ مجلہ
۱۹۲۵ء میں جاری ہوا، اس کے ایڈیٹر عبدالغفور
صاحب ایم اے، بی اے تھے ۶۴ صفحات پر لکھا تھا۔
سالانہ چھپنے چار روپے تھا۔

اس رسالہ میں بوائے اسکاؤٹس کے ذرائع تعلیم اور شوق سے منسلک
مذاہب پر توجہ بوائے اسکاؤٹس کو ہر دل عزیز بنانے کے لئے یہ رسالہ نکالا گیا
تھا۔

حفاظت اردلی بازار بنارس چھاپڑی سے یہ ماہانہ ۱۹۲۵ء
کو نرو دار ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا، جناب شاہ
عشرت حسین صاحب بی اے علی گڑھ کی ادارت میں
نکلتا تھا۔ سالانہ چھپنے پانچ روپے تھا۔
رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر یہ
رہنویر چھپا تھا۔

بنارس اور سلم پرستیا کس قدر بے جواز ہے تاہم دنیا اسی صنعت فساد
کے بل پر قائم ہے، بنارس ایک مسلم پرست ماسود رسالہ کی حفاظت
جناب عشرت حسین صاحب کی ادارت میں نیا نکلا ہے جس نے اپنا اصول اتحاد
حق و انصاف اور مساوات کو لے دیا ہے اور حقیقت میں اس کا مقصد

سرحد کی اسلحہ کی طرف سیاست کو منہ کرنا ہے اور مسلمانوں کو انگریزوں سے قریب اور ہندوؤں سے دور کرنا ہے، بھارتی مسلمانوں کی ایک خاص سیاسی سنگ کا رسالہ ہے اور اس نے قابلِ فہم ہے کہ اس کا مقصد ہندو بیکار و فرسودہ فہم و فکری اشیاء کے بجائے علمی سیاست ہے سالانہ جیلہ پانچ روپے۔

کثیر کی باز اور سور سے یہ ماہنامہ ۱۳۱۵ء کو مبلوہ اور ۵۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ کوئی لکھنؤی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ جیلہ تین روپے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ ورور ۱۳۱۵ء میں اس رسالہ پر یہ ریلو سپاہی تھا۔

نقاد یا رسالہ اس کے جاسٹس نرجان حقائق کو ترغیب دے کر ادارت دفتر سفیر ملن دارالمنین لاہور سے لکھنا شروع کیا ہے اس لئے دارالمنین سے ہم واقف نہیں شاید اہل لاہور واقف ہوں ادلی و نوری تحقیقات اس کا مقصد معلوم ہوتا ہے۔

یہ دہائی رسالہ ادنگ آباد کالج کا آرگن ۱۳۱۵ء کو وجود میں آیا، ایڈیٹر کا نام بھی سرور کی پرنسپل ہے ادنگ ہی اب کوئی سالانہ یا ماہوار جیلہ نہیں ہے۔ اس دہائی رسالہ پر ہندوستان کے نامور اور قدیمی رسالہ معارف اعظم گڑھ میں یہ تبصرہ لکھا تھا۔

ادنگ آباد کے علمی باغ میں ایک سیوہ نورس ہم سہما ہے ادنگ آباد کالج کے طلبہ کا یہ دہائی رسالہ ہے جو جو ان طلبہ کی داخلی گفتگوں کے

مجموعے کے تحفہ میں اتنا اچھا نام ہے خصوصاً یہ تاریخی مناسبت جان کر
 کسی درد کان کی سرزمین کا ایک بادشاہ کورس کے لفظ کا عاشق زار ہے
 نورس میں پہلے تذرات سوتے میں پورا خبار علیہ رحیدہ صفین، آخر
 میں کالج کی خبریں ایڈیٹر کا نام کو سرور کی پر نہیں تھر کسی بیت کا قلم کا نتیجہ
 معلوم ہوتا ہے، اندنگ آباد کالج اس لحاظ سے خود جامعہ عثمانیہ سے بڑھ گیا
 ہے اس کا کئی آرگن ہیں اند اس کی بیٹ نے یہ تھر نورس رکھتی ہے قیمت لکھی
 نہیں۔

قوس قزح لاہور سٹی گہٹ سے بہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۵ء کو نمودار ہوا
 ۶ صفحات پر لکھا تھا صاحب محمد وحید صاحب
 عہدہ فی اس کے ایڈیٹر ناشر تھے۔ سالانہ چہنہ
 چار روپے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ سورگھر دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر یہ
 تبصروں شائع ہوئے تھے۔

لاہور سٹی گہٹ کے قوس قزح کے نام سے ایک مجلہ علمی و ادبیہ
 کی اشاعت ہو رہی ہے مدیر ناشر جناب محمد وحید صاحب گہٹانی ہیں
 پہلا صفحہ ۱۸ صفحات کا ہے اس کے بعد ۶ صفحوں میں ایک ایک دو دو
 صفحوں کے ۳ صفحوں ہیں، صفحوں نگاروں میں بعض اچھے لکھنے والوں
 کے نام بھی ہیں، سالانہ چہنہ چار روپے ہے

حسن ادب پاننانالہ لکھنؤ سے بہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۵ء میں
 نمودار ہوا ۳۳ صفحات پر مشتمل تھا اس کے
 ایڈیٹر اراکین محمد ابراہیم علی لکھنؤ ہی تھے

سالانہ چندہ لڑائی رو پے تھا۔
اس سالہ میں کچھ نثر میں خیالی، ادبی مضامین اور نظم میں نثری عروں
کی غزلیں جیتتی تھیں۔

یہ دہنا سا خبر لگی قاسم جان بلپاران سے ۱۹۲۵ء
کو جاری ہوا۔ چھ مہینے پر منتقل تھا۔ حضرت
مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس کے ایڈیٹر تھے

اجماعت

سالانہ چندہ بارہ رو پے تھا۔
اس اخیار کے مختلف ایڈیٹر مولانا حامد اللہ غازی، مولانا محمد

عثمان فاروقی، اور جناب بلال احمد بیری وغیرہ رہے۔
یہ اخبار تشددی شخصوں کے مکتوں کا جواب دیتا تھا، اقلیتی معاملات
میں دل چسپی لیتا تھا۔ ملک کی عسکریت آزادی میں کل طور پر حصہ لیتا تھا، اقلیتی
عوام پر غیر ملکی حکومتیں دیتا کرتی تھا اس کو طشت ازہام کرتی تھا۔
ملک کی آزادی کے بعد اس کے ایڈیٹر مولانا محمد عثمان فاروقی مقرر ہوئے
جمیہ العلماء کے سربراہ کانگریس کی تقصیر عوامی میں لگ گئے تھے لیکن
مولانا فاروقی نے اپنی قلم کو اس غنہ کی سے پاک رکھا اور آزادی کے ساتھ
فرقہ وارانہ فادات کی مذمت کی اور کانگریس کی فرم پرستانہ ذہنیت کے
پرچے اڑائے۔

چنانچہ کانگریسی حکومت نے مولانا عثمان فاروقی کے خلاف مقدمات
جلدائے اور ہراگست کو تہذیب کا دل مولانا فاروقی نے کانگریس
کی جیل میں گزارا۔

اخبار الجمیہ کے کل مال حضرت مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب کے

صاحبزادے کے پاس ہیں۔ ان سے پہلے سال کا فائل پیکر مہ کیجئے
گیا اسٹروں نے عنایت نہیں فرمایا یہ قید نگاہی گھر پر ہی بیٹھ کر دیجئے۔
یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ تاریخ صفا فت اور در جلد پنجم کی کتابت
جاری تھی اور کا تب سید علیہ کے اخبارات و رسائل کا سال ختم کرنے لگے تھے
اور سید علیہ کے سال کے اخبارات، و رسائل کو لکھنے کی مانگ تھی ایسے وقت
میں اخبار جمعیت کے لئے یہی ختم کر کے پراکتفا کیا

مولانا محمد عثمان فاروقی
ہندوستان میں میرٹھ وہ تاریخی
و انقلابی شہر ہے جس نے
انگریزی سامراجیت کے

حالات جنگ آزادی عظیم کی ابتداء کی اور اس جنگ میں اس میرٹھ
قصبہ پکھوہ کے افراد نے بھی حصہ لیا۔

مولانا محمد عثمان فاروقی کا آبائی وطن پکھوہ ہے ان کے اجداد کا
شمار بھی اس جنگ آزادی عظیم کے مجاہدین میں جوتا تھا۔ مولانا
فاروقی صاحب کے دادا انوار اللہ پکھوہ کے مشہور عالم تھے فارسی زبان
کے نامور تھے پکھوہ کی مسجد میں خطبہ دیا کرتے تھے، بہترین مقرر تھے
حین کی وجہ سے بہت سے بے جا اسراف والی رسمیں پکھوہ سے ختم ہو گئیں
انھیں انتہائی شفیق و پر نیکار تھے، خدمت خلق کا جذبہ بڑا تھا، فقہ
کے نیک و صلحان قدم، منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور چیخ صاحب کہہ
دیا، انہ تھے بندہ قوں کی مرمت کرنا ان کا پیشہ تھا۔ جس سے گھر کے
اخراجات پورے ہوتے تھے۔

جنگ آزادی عظیم میں باپو پکھوہ کے درمیان انگریزی فوج

کے کچھ سپاہی شاہی فوج کے کچھ سپاہیوں کے ہاتھ مار دئے محض شاہی فوج کے ساتھ بیکسہ تھے لوگوں نے سہی حصہ لیا تھا۔ اور انگریزی فوج کو نقصان پہونچایا تھا۔ انگریزی فوج نے اس کا انتقام اس طرح لیا کہ بیکسہ کے کچھ نو جوان جب ہارڈ پوچھے تو وہاں انگریزی انسر نے ان کو سچائی دیدی۔

جب دہلی پر انگریز حملہ کر رہے تھے اور فتح گڑھ لہاری سے توپ کے گولے شہر میں پھینکے جا رہے تھے اس وقت مولانا فاروقیپ کے دادا دہلی میں تھے ان پر یہ الزام تھا کہ بہادر شاہ ظفر کے فوجیوں کو بندھن فراہم کرتے تھے، جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا تو آپ کے دادا روپوش ہو گئے اور عزمہ دراز کے عہدہ حبیب بیکسہ میں اس زمانہ میں گیارہ ماہ تک رہے آپ کا زیادہ وقت یاد الہی میں گزرتا تھا۔ سائل فقہ میں ان کی تلمیذ کتابیں اب تک موجود ہیں بقول مولانا فاروقیپ ہمیں میں آپ کے دادا الکتاب کے چند ید واقعات سب کو یاد کر کے مجھے جن کو قلم بند نہیں کیا جا سکا۔

مولانا فاروقیپ کے والد ماجد محمد احمد صاحب تھے جو ۱۲۸۱ھ ع میں بیکسہ میں پیدا ہوئے، آپ اردو فارسی جانتے تھے اور اپنے والد ماجد کی طرح فارسی میں بڑی مہارت رکھتے تھے فارسی کے شوا کا کلام میں جن میں خاص طور پر حافظ شیراز کا کلام کالی یاد تھا گفتگو سے دوازدہ مونیہ واصل پران کے اشعار دیا کرتے تھے حافظ شیرازی سے ان کو خاص عقیدت تھی اس کے دیوان سے نال کی لکاتے تھے، کتبہ بینی کا شوق تھا۔ کالی اردو فارسی کی کتابیں اور اردو فارسی کے شوا

دہلی ان کے کتب خانہ میں موجود تھے۔ حکمت سے بھی دکارِ شہادہ کے شریعی خاندان کے حکماء سے تعلقات تھے ان کے پاس آنا جانا بہت تھا۔ اور حکیم اہل خانہ صاحب کے دہلی خانہ میں کافی وقت گزارتا تھا۔ وہیں آپ کی مولانا محمد علی جوہر سے ملاقات ہوئی اس کے بعد گھر میں تعلقات برپا ہوئے تھے۔ خلافتِ عربیہ میں حصہ لیا بلکہ وہ میں خلافتِ کبھی قائم کرانے میں ان کا بھی حصہ تھا۔ تحریکِ اری کا کام کرتے تھے، دہلی میں اسٹون نے کٹیری دروازہ میں ایک مکان خریدا سفاحس میں رہائش اختیار کی جس کو بعد میں فرخت کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد دہلی ہی میں کوچہ پنچ بندوں المعروف کوچہ استاد داغ چاندلی چوک میں کوایہ یا ایک مکان لیا اور اس میں رہنے لگے آپ کی دہلی ہی میں رہائش تھی بلکہ وہیں آنا جانا رہتا تھا۔ آپ کا انتقال بھی بلکہ وہی میں ہوا، اس وقت ان کی عمر اسی سال کی تھی۔

مولانا قلی محمد صاحب کو دہلی میں کوچہ پنچ بندوں المعروف کوچہ استاد داغ چاندلی چوک میں پیدا ہوئے دہلی کے کوچہ قابل عطار میں مولانا ایوب اکبر شہیدِ سلفی رہتے تھے جو ہندوستان کے شہیدِ سلفی مولانا اسحاق رامپوری کے نانا گرو تھے اور مڑبک سلفی حکمت میں اسٹون نے کمال پیدا کیا تھا۔ سلفیوں کا داغ عام طور سے مذہب کے خلاف جایا کرتا ہے لیکن مولانا ایوب سلفی سے اسلام کی حقانیت ثابت کرتے تھے علمی و دینی سفین الیہ عام فہم ہوتے تھے کہ جن کو بے پڑھے کچھ عام مسلمان اور اسلام سے ناواقف غیر مسلم بھی سمجھ لیا کرتے تھے مولانا ایوب عقل و عرفان کے ایک سندھ تھے اور ایسی جگہ میں پورے جاتے تھے کہ جہاں بڑے بڑے

درمیان عقل نہیں پیریں پکھلتے تھے۔

قبول مولانا فاضل، مولانا ایوب میرے سین کے دوست تھے
اسکول نے مجھے تعلیم کا شوق دلایا۔ خود شعبہ منطق کی کئی کتابیں پڑھائیں
مولانا فاضل نے علم معانی کی تعلیم کی ابتدا رسد فقیرہ کے ایک افتائی
عالم مولانا سلطان صاحب سے حاصل کی وہ آپ کو بہت شوق سے پڑھایا
کر لے تھے، مختصر معانی و غیرہ آپ نے ان سے پڑھی سید و مدرسہ حاجی
علی جان لکھا سرکار دہلی کے مشہد محدث و عالم مولانا عبد الرحمن سے بعض
دینی کتابوں کا سبق لیا بعد اسکا مدرسہ کے لکھے الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب
کے درس ترمذی میں شریک ہوئے۔ اور کتب صحاح کی اکثر کتابیں
جناب مرزا صاحبک رشتہ دار ذوالاب و وارث سے تحصیل کیں انگریزی کی
تعلیم اینٹنگو عربک اسکول میں پائی۔ چنانچہ آپ انگریزی کی دقیق
کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے ادب آسانی ترجمہ بھی کر دیا کرتے تھے۔
آپ کو مطالعہ کا شوق تھا۔ ۱۹۱۷ء میں آریہ سماج کی غوغا
پڑائی اور اسلام کے خلاف عیسائیوں کی دھیمہ دلیری سے متاثر ہو کر
اسلام کی حمایت میں کچھ مضامین لکھے اور مولانا ثناء اللہ صاحب جو
ہندوستان کے بہترین مناظر تھے، عیسائیوں اور آریوں اور قادیانوں
سے معاملے کرتے تھے ان سے اخبار اہل حدیث امرتسر کو بھیجے وہ اس
میں شائع کر دیتے تھے جس سے آپ کی بہت بڑھی اور آپ نے
سلسلہ لکھنا شروع کیا۔

۱۹۲۰ء میں سہماں الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے
قابل طلبہ کو فن مناظرہ سکھانے کے لئے انجمن اصلاح المومنین

قائم کی جس کے اجتماع منہری سجدہ و تقابل فہماہ یا مندی چوک ملی میں جو لے گئے
مولانا احمد سعید صاحب مراجعہ میں شرکت فرما کے شے سے آپ نے بھی
اس اجمن میں تقریر کی شریعت کی سپر یہ اجتماع مولانا کے دولت کدہ
پر جو لے گئے، چند سال کی شائی کے بعد آپ نے جہا تیریں اور آریوں سے
سافرہ شروع کر دئے تھے، اجمن کی جانب سے آپ لے پادری احمد سیج
پیڈاٹ رام جیڈر و حرم بھگتو، پیڈاٹ کالی چرن اور پیڈاٹ گلکیش دیرہ
سے دہلی بلنبہ سفیر لکھنہ حیدر آباد، سندھ دار سندھ وغیرہ مقامات میں
سافرہ لے گئے۔

۱۹۲۹ء میں موصی قاضی کے گرجا میں پادریوں سے مسرتہ الاما
سہا ملے جوئے ان ہاٹوں میں ۱۲۵ برس کی عمر کا پادری آئے جو الیس
پی، جی کے مشن کا انچارج تھا، ہمدارت کے خرائض ادا کرتا تھا سادہ
شیدہ ستائیوں کے ماحٹوں کے دلا کی سن کر تعجب کرتا تھا کہ انھوں نے
ترقی حاصل کر لی ہے، خاص طور پر جب مولانا کا تعلیم صاحب سے
سافرہ پوتا تھا تو ان کی بوٹ سنئے کئے آتا تھا اور بڑے عمر سے
بحث نہتا تھا۔

پادری احمد سیج جو نابینا تھا اور حافظ قرآن تھا اور سلاٹوں
سے عیائی پوتا تھا۔ جب اس سے مولانا کا تعلیم کا سافرہ پوتا تھا باوجود
چالاک اور ذہنی سافرہ سے ماہر جوئے کے مولانا کے مدلل دلائل کا جواب
دینے سے عاجز ہو جاتا تھا سادہ فاسٹکا اختیار کر لیتا تھا۔ اور سافرہ کے
معدہ کہتا کہ مولانا میں اب بھی مسلمان ہوں، پیٹ بھرتا ہوں مہاجر اعمیائی
بننا چاہوں۔

یادری محمد سیح کے علاوہ آپ نے شاہدہ لکھنؤ کی آماج میں بھی
منظرے کئے۔

۱۹۶۴ء میں مولانا قلیب شیخ عبدالمجید ندھی کی دعوت پر
کراچی چلے گئے اور وہاں ندھی اخبار الوحید میں کام کرنے لگے، عربی
اخبارات کا اس میں ترجمہ کرنا آپ کے فرائض میں داخل تھا مگر
اسے ندھی میں منتقل کر لیا کرتے تھے مولانا کو وہاں ایسے اتفاقات پیش
آئے کہ سندھ کے اکثر مقامات پر ندھی ترکیب کا زور تھا۔ جس کی وجہ سے
آرٹین سے منظرہ کرنے کی نوبت آئی سندھ کے مناظروں کی تفصیل
سلمانہ سندھ کی رپورٹ مرتبہ شیخ عبدالمجید ندھی میں درج ہے۔
دو ڈھائی سال کراچی میں رہنے کے بعد مولانا قلیب شیخ اپنی آنے
جہاں ۱۹۶۷ء میں سحبان اللہ مولانا محمد سعید صاحب ناظم جمعیت علماء سندھ
نے اخبار الجمعیۃ میں سنسک کر دیا۔ اس وقت اخبار الجمعیۃ کے چیف ایڈیٹر
مولانا ابوالفضل علی مددی تھے، حبیب دہ جید آباد چلے گئے تو ان کی جگہ
اخبار کا چیف ایڈیٹر ملال احمد زبیری کو مقرر کیا تو آپ سادق ایڈیٹر
کی حیثیت سے کام کرتے رہے مہم میں آپ چیف ایڈیٹر بناتے گئے
آپ نے دینی مجیزہ اور سالہ فاران میں بھی کام کیا اس کے بعد لاہور سے
بلوا آیا تو وہاں جاکر سہ روزہ اخبار زمزم کی ادارت کی چھ سال تک
ان سے منسلک رہے تاہم ۱۹ جولائی ۱۹۷۴ء کو محمد بدلت حضرت
مولانا حفصہ الرحمن صاحب ناظم حسین علیہ صید کے ایثار سے روزنامہ الجمعیۃ
میں کام کرنا شروع کر دیا جس کا سلسلہ ۱۹۷۴ء تک جاری رہا
اخبار انقلاب لاہور میں ساٹھ دہرہ کا طنز و مزاح مشہور تھا، جو

انکار و عداوت کے عزمان کے تحت کھاتا تھا۔ اس میں ملکر سیاسی
ساکل کر لیجئے انداز میں پیش کرتے تھے جس کو لوگ بڑی دلچسپی
کے ساتھ پڑھتے تھے اور بہت سے لوگ کو انکا مدعا و ادعا ہی کہ
پڑھتے تھے ان اخبار انقلاب خریدتے تھے۔

لیکن مولانا فاروقی کا انداز اس سے بالکل جدا گانہ تھا اخبار
الجمیۃ کے ادارہ جے، کرلیجئے دیکھ گاہہ خبر سوتے تھے۔ اور نہ اس میں
کوئی دُروغہ ہوتا تھا۔ ذاتیات سے تو بالکل مبرا ہوتے تھے، وہ
ملائی و حقائق کے فائل اور اپنے موقف کے حق میں سنجیدگی و ثبات
کے ساتھ دلائل و براہین کا اہل سلسلہ پیش کرتے تھے جس کا جواب
دینا آسان کام نہیں تھا۔ وہ اپنے ادارہ جے ابھی میٹھی و آخر اعلیٰ
چنگی لیتے تھے کہ مجرم و دشمن دہن اور فساد و طبع بلبلا اٹھتا تھا
۱۹۱۷ء میں ملک آزاد ہوا، اس کے بعد جو حادثات اور بحرناک
واقعات مظلوموں اور فاضل طور پر فرقہ پرست حمایتوں کی طرف سے
سلاخوں پر گزریں اور فرقہ وارانہ فسادات پے در پے ہونے لگے
جو رکنے کا نام نہیں لیتے تھے اور لائق ہی سلسلہ معلوم ہوتا تھا، ان
واقعات و حالات پر مولانا فاروقی نے جو ادارہ جے لکھے وہ بڑی
اہمیت کے حامل اور تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ وہ حقائق ہیں جو
تاریخ کے ادباء کی اہمیت ملتے ہیں جن کو میسرستان کا عوام و خواص
ہی نہیں نہیں کرتا تھا بلکہ ہر طبقہ و درجہ اس کے پڑھنے کے انتظار میں
رہتے تھے وہ اب کی صفائی رنگ کا حصہ صحت یہ رہی کہ آپ نے دوسرے
صحافیوں کی طرح رنگ نہیں بدلے کبھی کسی رحبت پسند اخبار کی ادارت کی

زیر داری نہیں سمجھائی جن اخباروں میں کام کیا ان میں آزادانہ پالیسی کو آخر تک نبھایا۔

آزاد کی ملک کے بعد ۱۹۶۴ء سے اردو صحافت کا مطالعہ کیا جائے تو قید سے بندش ان میں ایک مرد مجاہد صحافی اور ایک ہی حقیقی صحافی مولانا فاروقی نظر آتے ہیں۔ ان کے سامنے ان کے ہم بدلہ مرنے کی کئی حرات دہشت نہیں ہو سکتی ان کا ذات گرامی ایسی غمی کو برقعہ جہلی کا انسان ان کو قدر و شرف کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کا ماحول نظر آتا ہے ان پر کسی کو اختلاف نہیں تھا۔

بحیثیت ایڈیٹر اخبار الجمینہ ان کے خلاف کافی مقدمات قائم ہوئے سکڑا ہوا انھوں نے سختی سے لڑا تھا وکیل کی چار دیواری میں بھی بند ہوئے۔ لیکن انھوں نے اپنی آزادانہ روش کو نہیں بدلا۔

جیل کے ان ایام میں ان سے میری ملاقات ہوئی تو مولانا ہاں اس پیرز سالی میں بھی خوش نظر آئے، ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے اخبار الجمینہ کا ایڈیٹر ہوں جس جماعت کے بانی و اکابر ہیں حضرت حاجی امداد اللہ ہاجر کی حضرت مولانا قاسم نالوتی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے حق گوئی کی پاداش میں جیل کی چار دیواری کو پسند کیا۔ اور مصائب آزارم کو ختم پیشانی سے قبول کیا اور اللہ کا فضل و کرم پسند کیا میں بھی ان کے ساتھ پرچل رہا ہوں۔

مولانا فاروقی کی پوری زندگی ان کے رہن سہن کا ڈھنگ سادہ تھا، لباس میں بھی سادگی کی کچھ تھی۔ ان کے مکان میں طے یا دفتر میں ملائی کیجئے ایک ہی سادہ دھنچہ طے میں رہتے طے زیادہ وقت دفتر یا

نصر میں گزارتے تھے، اخبارِ مجید کا دفتر گل فاسم جان میں رہا ہے اور ہے،
 آپ کو کبھی تازہ چائے پیو کی خواہش ہوگی تھی تو دفتر سے چل کر احاطہ کا مے چھو
 کے پھاٹک کے سامنے ایک چائے کے بوتل میں چلے جاتے تھے مدتوں امد
 ملنے والوں کو دیاں چائے پر خواہش کرتے تھے اہل ثروت و صاحب اقتدار
 لوگوں کی کوشیوں کے طواف کاٹنے اور ان کی دعوؤں میں جانے سے پرہیز
 کرتے تھے۔

یہ سنی سے ابن و یکھنے میں بالکل معمولی سے نظر آتے تھے لیکن ان
 نادل و دماغ بڑے عظیم المرتبت ملکردوں اور دانشمندوں کو مات کرتا تھا۔
 انسانیت کو ذلیل و خوار کرنے والے شیعہ و متعصب طبقوں کی تحریرات اور
 اپاک و خوں کے شعلہ نڈوں کی نقاب کشائی کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے
 مولانا قاضی نے اپنی زندگی صحافت کے لئے وقف کر دی تھی
 جس کی وجہ سے وہ تقیف و تالیف پر زیادہ توجہ نہیں دے سکے پھر بھی
 اس معروضیت کے باوجود زمین چارکتا میں آپ نے تقیف فرما کر "از ہلا
 (رواضی) میں آپ کی شہرہ و مقبول تقیف ہے اس کو پڑھنے کے بعد
 خوش اس کو ذہن نشیں کرنے کو ایک مناظرین ملتا ہے اور اس کو پادریوں
 سے متاثرہ کرنے کے لئے اس کتاب میں کافی مواد ملتا ہے۔

اذہا، اسپن کا تاریخی اور مذہبی افسانہ ہے اس میں اسلام کی عظمت
 اور مسیحیت کی لطلان پر جو وہ کی پیش کرتے ہیں وہ وہی ہیں جو سلطنت
 میں عیسائی دنیا کے سامنے پیش کرتے جاتے رہے ہوں گے اور جس کا
 استہلال اسلامی مبلغین نے مشزیوں میں کیا ہوگا مولا کا مقصد یہی ان
 دراک کو پیش کرنے کا یہی تھا کہ جن حضرات کو عیسائی مشزیوں سے

سابقہ پڑھا رہا ہے یا وہ مسیحی حلقوں میں تبلیغی فرائن انجام دیتے رہتے ہیں ان کے لئے ان تمام سائنس کے متعلق دلائل کا ذخیرہ ایک ہی جگہ فراہم کر دیا جائے جو اسلام اور عیسائیت کے درمیان ابتدائے اسلام سے بہت ملکہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

یہ تاریخی افسانہ اخبار الجمیۃ میں ایک عرصہ تک قسط وار چھپتا رہا یہ کتاب ۱۸۷۲ء کے سالز پر ہے جو ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور جدید برقی پریس بلیران دلی میں چھپی ہے اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ رنگون کے ایک سیلٹر نے اس کو انگریزی زبان میں چھاپا، ہنگالیوں نے ہنگالی میں۔

از ہل کے علاوہ مولانا فارغلیہ کی تصانیف حسب ذیل میں رہائے عقل لاہور میں اخبار زمزم کی طرف سے بھی شائع ہوئی جس میں عقل کے قبیح استمال کرنے کے طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔

کلید خود شناسی، یہ علمی نصاب کا کتاب ہے جو بہت مقبول ہوئی اور عوام و خواص نے اس کو بہت پسند کیا اس کو سب اخبار زمزم لاہور نے شائع کیا۔

انہی والد ماجد کی طرح مولانا فارغلیہ کو کتب بینی کا شوق تھا۔ اس شوق نے کافی کتابیں جمع کرائیں جنہیں پڑھنا کے کتب خانہ میں ہزاروں عربی و فارسی، انگریزی اور اردو کی نایاب کتابیں ہیں جو زیادہ تر لکھنؤ میں ہیں اور سمرٹھی بہت مولانا کے دلی کے گھر جو احاطہ کالے صاحب بلیران میں یہ رکھی ہوئی ہیں۔

یوں فرمولانا فارغلیہ تین چار سال سے بید چلے آہے تھے، کئی

بارہستان داخل ہوئے۔ نازک حالت ہونے کے باوجود شفا باب ہو جاتے تھے
 لیکن اس مرتبہ انتقال سے ایک سبقت قبل آپ پر نالوج کا حملہ ہوا کہ زور
 انسان برداشت نہیں کر سکے۔ اور وہی موت کا سبب بنا، چنانچہ آپ ۲۴
 جون ۱۸۸۷ء کو صبح چار بجے اپنے مکان اعظم کا لے صاحب میں فوت
 ہوئے دن کے گیارہ بجے مولانا عبید اللہ رحمانی لوشکی ناظم جمعیت اہل حدیث
 صاحب دہلی نے جامع مسجد دہلی میں نماز جنازہ پڑھائی، نماز کے بعد جنازہ کو
 ان کے آہائی وطن پلکھو لے جایا گیا جہاں دوبارہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔
 اور عمر کے لگ بھگ سیرد آفریقہ رحمت کر دیا گیا، پلکھو میں میرٹھ منظور
 باپوڑ اور دوسرے مشہور مقبروں کے بڑی تعداد میں لوگ پہنچے گئے
 تھے۔

حضرت مولانا محمد عثمان فارقلیط صاحب کے متعلق اردو صحافیوں کی ایک
 جماعت تھی کہ ایسے میں بہترین ناقد تھے، ان کا قلم سببستان کے طریب
 عوام اور مظلوم مسلمانوں کی ترقی خانی کرتا تھا۔ چنانچہ سببستان فی مشہور ادیب
 شری لکھنؤی آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

اردو کے صحیفہ ادب کے صحافی حضرت مولانا محمد عثمان فارقلیط بھی
 اس دنیا سے رخصت ہو گئے، نصف صدی سے زائد عرصہ تک اردو
 صحافت کے میدان میں مولانا کا قلم بیباک اور مدبر انداز میں ملک و ملت
 کی خدمت کرتا رہا۔

تہذیب کی جدوجہد کے زمانے میں مولانا تارقلیط نے انگریز سامراج
 اور فرقہ وارانہ سیاست کے خلاف جرأت و ہمت کے ساتھ جہاد کتب
 آزادی کی شریک کے سرمرحلہ پر مولانا فارقلیط اپنے فرائض، اور

ذمہ داریوں کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

جنگ آزادی میں مدینہ منجیدہ، الحبشہ، ہنسی اور زمزم لاہور میں مولانا فاروقیہ کے حکم کی روشنی میں انہوں نے ان کی انہوں نے دلوں کو گرا لے، حوصلوں کو بلند بنائے ہیں اور جدوجہد میں سرگرمی سے حصہ لینے کے لئے آمادہ کرتی رہی اور ہزاروں لاکھوں انسان ان کی پرجوش تحریروں، نکتہ انگیز مقالات اور مدبرانہ پیش گوئیوں سے متاثر ہوئے اور آزادی کی لڑائی میں حصہ لینے کے لئے بے چین ہو گئے۔

اس زمانہ کے قوم پرست صحافیوں میں مولانا نصر اللہ خان وزیر جن کا بعد میں رجحان جماعت اسلامی کی طرف ہو گیا تھا۔ مولانا حامد اللہ خان، غازی، مولانا ابوسعید زری، مولانا محمد عثمان، فاروقیہ، سر عبدالرزاق علیچ آبادی بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ان کا شمار صف اول کے صحافیوں میں ہوتا تھا۔ ان کی ادارت میں لکھنے والے اخبارات مدینہ الحبشہ، زمزم، ہندوستان اور بعد میں قومی آواز کا لگ بھگ بے عینی سے انتظام کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک تحریروں، مقالات اور تبصرے بڑی توجہ اور دل چسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے اور ان تحریروں کے ذریعہ اور انقلاب کو ان کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے۔

آزادی کے بعد کا زمانہ حکمرانیت کے ساتھ مسلم اقلیت کے لئے سخت ابتلا اور آزمائش کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑے تھے قافلے سرحد پار کرنے کے لئے لائن لگائے ہوئے تھے جگہ جگہ فسادات لوٹ مار، فرقہ پرستی اور فتنوں نے مسلمانوں کی ہمت و حوصلہ کو پست کر دیا تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے اپنی جگہ سے نہ ہٹنے

اور حالات کا بہادری سے مقابلہ کر لے کا شورہ دیتے اور سہارا دیتے۔
مولانا فاروقیہ نے الجمعیت کی ذمہ داریاں دوسری مرغیہ سنبھالنے کے
بعد اس کو جس طرح چلایا وہ ان جیسے ہی بلند محبت و حوصلہ اور مضبوط کردار
صاحب اراستے اور خداوند قدس پر سیکر دوسرے سمجھے والے بہادر انسان کا ہی
کام ہو سکتا ہے جسے مولانا فاروقیہ نے انجام دیا۔

مولانا فاروقیہ نے مسلمانوں کے احسان کمتری کو ختم کرنے اور مضامین
میں رہ کر مسلمانانہ طور پر اپنے حقوق اور فرائض کو انجام دینے کے لئے
جس درمندانہ طریقہ پر جس خوش اسلوبی، لیاقت و صلاحیت اور جس خلوص
اور لگن کے ساتھ کام کیا وہ ہمیشہ یادگار رہے گا، روزنامہ ان کا اخبار
الجمعیت نہایت عمدہ معائنہ فکر انگیز مقالات اور جرائد مسلمانانہ تحریروں کا ایسا مجموعہ
ہوتا تھا جو سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتا تھا۔

مولانا فاروقیہ، ذاتیات، ذاتی اغراض و مفادات سنگ نظری نفرت
فرقہ داریت وغیرہ باتوں سے کوسوں دور تھے، اس لئے وہ حق بات کہنے میں
کبھی نہیں چوکتے تھے وہ ہمیشہ محبت، اتحاد، بھائی چارہ، ان بنیت اور اخلاص
کی دعوت دیتے تھے اور غلط راہوں پر چلنے والوں کو جرات کے ساتھ ڈالتے
تھے۔

مولانا فاروقیہ کی دور رس نظریں سرکاری منشی کا گہرائی سے جائزہ
لیتی رہتی تھیں اور ان کی کوتاہیوں، خامیوں اور غلط فیصلوں پر کڑی تنقید
کرتے تھے ان کی تنقید کبھی کبھی بہت سخت بھی ہوتی تھی جس سے اقتدار
اور اختیار سے مالکوں کی جبینوں پر ٹکٹیں پڑ جاتی تھیں لیکن مولانا کے خلوص
اور نیک نیتی، حق گوئی اور مہیا کی وجہ سے یہ تلخ ٹھونس بکس مینا پڑنے لگے

تقریبی کہنا پڑتا ہے کہ اس دور میں مولانا اپنی خصوصیات، خوبیوں اور
 صلاحیت، عظمت، قابلیت اور کردار کے اعتبار سے مندرجہ ذیل ان تھے
 ان کی کمی کی تلافی نہ ہو سکے گی البتہ ان کی تحریریں ہماری رہنمائی کرتی ہیں یہی
 حضرت مولانا عثمان فاضل کی قابلیت و طاقت اور عظمت و نگاہی
 کے قائل آپ کے صاحبزادے تھے۔ چنانچہ چند ارسلان و پاکستان کے اخبار
 نے مولانا کی وفات پر بڑے بے دریاہ انداز میں تبصرے کئے ہیں اخبار
 محرم سہ ماہی اور نوری آواز لکھنؤ کے جذبات و خیالات سے اعلیٰ انداز پر
 موت ملی روح ان کا دلور ہے بیرونی روح کا جمل کا ذائقہ
 پھینکا ہو گا اس اعتبار سے ۶ سال کی عمر میں دربارہ الجنت دلی کے سابق مدیر
 علی مولانا محمد عثمان فاضل کا ساتھ ارشاد کوئی غیر معمولی حادثہ نہیں ہے، عزائی
 جمل اسی طرح اپنا کام کرتا رہا ہے اگر ان نام سے صرف گوشت پوست
 و ہڈی بھر دیں گے جو کہ کا جو متحرک رہتا ہے اور جس پر خواہش کا غلبہ
 جیتا ہے تو اس وجود کا منتشر ہو جانا کوئی بات نہیں ہے کیونکہ موت و نفس
 شعری و فانی رہتے رہتے ہیں اور مگر روح پرور اگر کرتا رہا ہے اگر آدمی نام ہے
 یرت ذکر و دعا و ایان و عقیقہ کی حد و حدت کا تو سچا وادی وجود کے فنا ہونے
 کے بعد احمد اس کے کہنا مولانا کا اقبال باقی رہتا ہے اور آلے دلی نسیم
 اس سے کب نہ کرتی رہتی ہیں۔

مولانا فاضل اردو صحافت کا ایسا سورج نئے حسی نے طویل عرصہ
 نبی روشنی سے دھندلا کو فائدہ پہنچایا، صاحب طراز اور اہل قلم کو ادب و ادب
 حسی میں گئے لیکن کردار کی صلاحیت اور عقائد پر پیدار کی طرح ڈالے پہنچے
 نا انتقامت اور باری بہت کم کو گمراہ کے حصہ میں آتی ہے اور ہونے

احول پرستی کے مقابلہ میں مصلحت اندیشی کو کبھی قریب نہیں آنے دیا، ان کے علم میں تلوار کی کاٹ تھی، ان کا ایک فقرہ سینہ کی سبٹی میں سے بچ کر نکلتا تھا۔ اس سے دل کے تار جھنجھٹا اٹھتے تھے۔

وہ راسخ العقیدہ مذہبی انسان تھے مگر ان میں وہ لعقب نہیں تھا۔ جس سے فرقہ پرستی جنم لیتی ہے وہ ہمیشہ قوم پرست خردیگات سے وابستہ رہے، ملک کی تقسیم سے پہلے لاہور میں تھے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ امد صہنت کا سفید دھبہ بخش کاروبار لاہور میں ہے دلی میں نہیں ہے مگر ان کے دل میں رہنے کا ہی فیصلہ کیا اپنے سیاسی افکار و عقائد کی خاطر اس نوع کی قربانی دینا ہر شخص کے لیے کاروگی نہیں ہے پاکستان اہم تحریک پاکستان کے بڑے بڑے مخالفین نے محض مادی آسائشوں کی خاطر زندگی بھر کے عقائد و اذکار کو ترک کر دیا۔ باطلاات سے سمجھوتہ کر کے محمد کو دقت کے تقاضوں کے سانچہ میں ڈھال لیا مگر مولانا صبح معنی میں صوفی فنش اور قلندر صفت انسان تھے انھیں جب مال و جاہ سے کوئی مناسبت نہیں تھی۔ وہ درباب اقتدار کے تقرب اور وسیلے سے اپنی دنیا بہتر بنانے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے ان کا سینہ ہمیشہ ہی سوز و درد کی دھڑ سے بھی کی طرح سلگتا رہا اور ان کے علم سے شعلے لکھتے رہے، ان کی کیفیت صرف ملی مسائل کے بائیں میں بھی ان کا اندازہ ہی تھا، فرقہ پرست، انتہا پسند اور رجعت پسند عناصر کے خلاف ان کا قلم کبھی خاموش نہیں رہا اسٹوں نے ہر سانحہ کے رجعت پسند فرقہ پرست عناصر کے خلاف زبردست جہاد کیا، مولا بہت دہان انسان تھے، مولا رحم گہاڑ قلب رکھنے والے انسان تھے

اس انقطاع اور زوال کے دور میں جبکہ قدآور شخصیتوں کا فلاح پر ہونا محال ہو گیا ہے، مگر ہمارا کامائے امت اسلامیہ اور دینی فتنہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے، خدا اس بے یار و مددگار کو اپنی آغوش رحمت میں لگے دے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (الحمد للہ سبحانہ)

— (۲) —

مولانا محمد عثمان فاروقی ایک جید عالم اور تاجر سیاحی کے علاوہ جنگ آزادی کے ایک نڈر سپاہی تھے ان کی ان تینوں خیریتوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اور ان خیریتوں کے امتزاج سے بننے والی شخصیتیں اب رفتہ رفتہ معدوم ہوتی جا رہی ہیں، مولانا فاروقی اس محفل کی تاسیس آخری شعبے تھے اسٹوں نے ۷۶ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور تقریباً ۵۰ سال تک اخبار نویس کی۔ دین سے ان کے شغف نے ان میں غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کا جذبہ پیدا کیا۔ اور ان کی مصروفیت اس جہاد کی ایک شکل تھی۔ اسٹوں نے اس پیشہ کو اپنے زمانے میں اختیار کیا جب یہ کانٹوں کی بیج تھا۔ اور چونکہ وہ ایسے اخباروں سے وابستہ رہے جو آزادی کی تحریک کے حامی تھے اس نے ان پر حکومت وقت کا عتاب وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا ان کی مالی حالت بھی ہمیشہ خراب رہی مگر اپنے خدا پر اپنی قوم پر اور اپنے آپ پر ان کا عقیدہ اور اعتقاد اتنا پختہ تھا کہ وہ اپنے کام میں لگے رہے اور ہر طرح کی مصیبت برداشت کرتے رہے آزادی کے بعد بھی ان کی تحریروں میں تنبیہا پین برقرار رہا۔ وہ جن بات کو نامناسب سمجھتے تھے اس پر نظر ہو کر تنقید کرتے تھے۔ اسٹوں نے ایک طویل مدت تک حبشیہ علامہ سید کا عبد الحمید

کی ایڈیٹر کی اور اس دوران بعض ایسے مرحلے بھی آئے کہ بعض حلقوں میں مولانا کی عزت برکھنا پسند کیا گیا۔ لیکن مولانا فارغیت اپنے اصول پر جمے رہے اور جمعیت کے لیڈر ہمیشہ ان کا احترام کرتے رہے ان کے لہجہ میں طنز و بعض اوقات تلخی زیادہ سوجاتی تھی۔ لیکن ان کے غلوں پر کبھی کسی نے ٹک نہیں کیا اور اس نے ان کی اپنی ہی برداشت کھلا جاتی تھی۔

مولانا فارغیت ہر قسم کی فرقہ پرستی کے خلاف جدوجہد کرنے رہے تھے اس نے وہ کسی قسم کی فرقہ پرستی کو برداشت نہیں کئے تھے اور جہاں بات میں فرقہ پرستی کی قد اسی جھلک آجاتی تھی اس کی شدت سے مخالفت کرتے تھے۔

اسی طرح تعمیر زرعی کے کاموں میں مولوی سی کوٹاہی بھی ان کو رادی تنقید پر آمادہ کر دیتی تھی گمان کی تنقید میں تخریب و عناد کی بجائے ایک مختصر مزاحیہ پہلو بھی تھا اس خطبہ میں جھلکتی تھی جو اسوں نے لوہر سڑک میں آل انڈیا اور راجپوت سروس کالونائزیشن لکھنؤ کی صدر کی حیثیت سے پڑھا تھا۔ اس وقت ان کی صحت خاص خراب ہو چکی تھی۔ مگر صحت سے دیرینہ لگاؤ اس میں دہلی سے کھنڈھ کھینچ لایا تھا۔ اور اسوں نے مقصدی صحت ریحوا اختیار کیا تھا وہ ان کے طویل تجربے کا خوب نشانہ اسے اخبار نویسوں کے لئے ایک ایسی نکتہ اور بصیرت قرار دیا جاتا ہے جس کی اہمیت ہمیشہ بڑھ رہی ہے، (قومی اور لکھنؤ شہر، محلہ)

دسمبر ۱۹۲۶ء

تجلی
محکمہ خزانہ خانہ دہلی سے جنوری ۱۹۲۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ
جلوہ لگن ہوا۔ ۲۲ صفحات پر مشتمل تھا، مولوی سید
ظہور احمد دہشتی نے سجاویداری اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے
تھا، اشلی پریس میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ علمی، ادبی اور اصلاحی مضامین کے برائے اعتبار سے منصفہ
حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے مضامین علمی طبقہ میں بڑی دل چسپی کے ساتھ
پڑھے جاتے تھے۔

رسالہ سو مند بدایوں مورخہ جون ۱۹۲۷ء میں رسالہ تجلی پر میر
ایم تبصرہ چھپا ہے۔

سہ ماہیہ مصنف و دانش ور مولوی سید ظہور احمد دہشتی نے سجاویداری
دہ جسٹس ۱۹۲۶ء سے دہلی سے یہ ماہانہ رسالہ شائع کرنا شروع کیا ہے
تھے۔ اسٹون

رسالہ پڑھنے سے پہلے ہی یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس رسالہ کی ملک کو ضرورت تھی یہ کوئی لغزبگی یا ادبی رسالہ نہیں ہے جو تھوڑی دیر کے لئے نشا و خاطر کا باعث ہو بلکہ اصلیت و اثر کی عملی تدبیر بتانے والا یہ رسالہ ہے اور ایسے مضامین شائع کرتا ہے جو ان کی زندگی کے مختلف منازل میں اپنے ناظرین کی رہنمائی کرتا ہے۔ سالہ سال میں متعدد متغیلات و مسائل یا باب قائم ہیں مثلاً تزکیہ خیال، تہذیب اخلاق، حسن معاشرت، صحت جسمانی، تدبیر و علاج ادبی، ادبی سرگتیاں، ہر پرچہ میں ان سب عنوان کے تحت متعدد مضامین شائع ہوتے ہیں جو تمام تر مفید و ضروری ہوتے ہیں۔ ایک مختصر لیکن موثر و قیمتی فیروز اہل و سبھی ہر پرچہ میں شائع ہوتے ہیں ایسے مفید پرچے جو کارآمد و عملی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ عموماً ادبی محاسن سے عاری ہوتے ہیں لیکن اس رسالہ کی یہ خصوصیت ہے کہ تمام مضامین اس نالہ سے لکھے جاتے ہیں کہ ان کا اثر پر وازی اور لطف زمان پر بھی داؤدینے کو دل چاہتا ہے۔

اجلہ مدینہ منورہ کو رسالہ ۱۲ اگست ۱۹۲۲ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

”تجلی دہلی سے شائع ہوتا ہے مولوی سید ظہور احمد وحشی ایڈیٹر میں سرورق خوبصورت ہے مضامین مفید ہیں اور ان کا زیادہ حصہ مذہبی اخلاقی، اقتصادی بہتری کے شعور پر مشتمل ہے وحشی صاحب اپنے تنقید کے طواف مدینیت اور محاسنات کے متعلق عمدہ معلومات رکھتے ہیں اور یہ رسالہ ان کی معلومات کی اظہار کا ذریعہ ہے۔“

مولوی سید ظہور احمد وحشی ایڈیٹر نے سادہات سے ان کا تعلق تھا، محمد

حضرت الکلاں یا حضرت اخوند میں رہتے تھے اس لئے کہ ان مملوں میں
سادات آباد ہیں سین سے ہی بڑے ذہین تھے مختلف اساتذہ سے
عربی و فارسی کی تحصیل کی، مدۃ العمار میں علامہ سید سلیمان ندوی صاحب کے
ہم درس تھے ۱۹۰۷ء میں جب لواء حسن الملک نے دارالعلوم کھنٹہ کیا
تو علامہ سید سلیمان ندوی صاحب کے ساتھ انھیں بھی امتحان پاس کیا گھبرا
دستی صاحب نے مفتی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا تھا سادہ شاخہ پور سے
۱۹۱۷ء کو اخبار میں رہا بھاری کیا تھا۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۸ء سے ۱۹۱۹ء
میں عربی میں مترجم کے فرائض انجام دینے شروع کئے تھے۔ عربی
کے بعد ادیب جرجی زیدان کے ناولوں کا ترجمہ کیا جن کو میرا اخبار الدنیا اور
دوسرے پبلشروں نے چھاپا ۱۹۱۷ء میں وحشی صاحب دہلی آ گئے تھے
بھیا احسان الحق میرٹھی نے ۱۹۱۷ء میں دہلی سے دین دنیا رسالہ جاری
کیا جس کے ایڈیٹر وحشی صاحب مقرر ہوئے سنگواری شمس احمد مصروف طرہ خواجہ
حسن نظامی صاحب فرماتے تھے، پانچ سال دین دنیا میں کام لیا
اس سے ملکہ گی اختیار کر لی جتہ گھٹ کے ایک مال خانہ برکونت رکھتے تھے
اس محلہ میں انھوں نے ۱۹۱۷ء کو اپنا ذاتی رہائش گاہ بنانا جاری کیا
ایک سال کے بعد حکیم ابراہیم صاحب کی اعانت سے جلی پریس قائم کیا اس میں ابتداء
میں مندرستہ لی دوا خانہ کا کام چھپا تھا۔ بعد میں متفرق لوگوں کے کام چھپنے
لگے، پانچ سال تک رسالہ جلی جاری رہا، سالہ بند ہوئے کے بعد اپنے دو گراں
لال کنہ اس میں سکونت اختیار کر لی تو وہاں جلی پریس تبدیل کیا۔ پریس نے
دس سال کی عمر پائی۔ سالہ بند ہوئے کے بعد تصنیف و تالیف میں
مصرف ہو گئے۔ کالی کتابیں تصنیف کیں، جن میں اسلامی زندگی فن شاعری

و ساری جماعت فن دکانداری، فن انتہا زوہبی عیادت میاں بیرو اندری کے
 فرائض کافی مشہور ہیں لہذا اب تک طبع پوری میں ان کی کھانا میں جناب
 مفتی سرکنٹ بھی صاحب ایڈیٹر دین دنیا دہلی نے شائع کیے انتقدات پر
 ان کو کافی عہد تھا۔ اس نے جو کہ میں اسٹون نے لکھیں ان سے عوام کو بہت
 فائدہ پہنچا۔

میاں بیرو کتاب میں زن دشو سر کے تمام تعلقات پر بحث کی گئی ہے
 یہاں تک کہ ان خاص تعلقات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جنہیں لوگ غلط
 طور پر غلط تہذیب خیال کرتے ہیں۔

بیرو کے فرائض میں ایک طرف تو نہایت موزوں برائے میں عورتوں
 کو ان کے فرائض بتاتے تھے ہیں اور دوسری طرف وہ طریقے سمجھاتے
 تھے ہیں جن پر عمل کر کے عورتیں اپنے طور میں کو اپنا دالا دشتیا بنا گئی ہیں
 آخر میں عورتوں کے متعلق نصیحت آموز ہن نے بھی درج میں۔

فن شاعری میں بغیر اتاد کے شاعری کی تعلیم دی گئی جن کا کمال یہ ہے
 کہ کسی بھی معمولی قابلیت کا آدمی کیوں نہ ہو اس کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد
 اپنے اندر شعر کہنے کی غیر معمولی صلاحیت محسوس کرنے لگتا ہے اس میں علم
 عروص کو آسان طریقے پر سمجھایا گیا ہے۔

فنی بلدا محمد صاحب کو شاعر شاعری سے بھی دل چسپی تھی حکیم اہل خانہ صاحب
 ان کی شاعری کی بڑی قدر کرتے تھے ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی صاحب
 حکیم جیل خان صاحب نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی ان کے اصحاب کا طبقہ
 بڑا وسیع تھا، یوں تو ان کے دوستوں میں جناب انور ہاشمی صاحب جناب
 شرکت بھی صاحب اکبر حیدری صاحب سیع آرٹسٹ اور ملا دھادی صاحب

تھے لیکن ان کا انتہائی خصوصیت دہلی کے مشہور خانہ الی واپس رہتے بعد
 پاس پاس دہلی سے تھوڑے علم و دست انسان تھے وحشی صاحب کی بڑی
 عزت کرتے تھے اور ان کی ہر ایک بات کا خیال رکھتے تھے
 منشی ظہور احمد صاحب بڑے پتلے درمیانہ قد کے تھے ڈاڑھی رکھتے
 تھے شیر دانی پختے تھے بالوں دار لڑکی اور اسے تھے اور حیرت انگیز تھے
 لطافت لہذا آدمی تھے بہت خوش گفتار، خوش ذوق اور خوش مزاج تھے
 لطیف گوئی میں کمال حاصل تھا، بات بات میں لطیفے سناتے تھے اور دے
 مشہور شعرا کے اشعار بہت یاد تھے حافظ شیرازی کے اکثر اشعار کثرت سے
 پڑھتے تھے کبھی کوئی پرث نی اور مشکل پیش آتی اور کسی معاملہ میں الجھ جاتے
 تو خانہ کے دیوان سے فال نکالتے تھے۔

سید صاحب کو اپنے سید ہونے پر بڑا فخر اور ماز تھا۔ مذاقیہ طور پر
 کچھ ملنے والے ان کے سید ہونے پر شک کا اظہار کر دیا کرتے تھے چنانچہ
 ایک مرتبہ اس قسم کی بحث چھڑ گئی، عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ حواصل نسل
 سید ہوتا ہے اس پر آگے فر نہیں کرتی، چنانچہ بحث کے دوران وحشی صاحب
 نے حلقہ ہوئی چھٹی کو اپنے ماتھے سے پتھر لیا، ستر زمین بہت ٹرسا ہونے
 اور پھر کبھی ایسی گفتگو نہیں گئی۔

وحشی صاحب کے دفتر کی نشست انتہائی دل چسپ ہوتی تھی چہرہ
 طرفت میں سچلی، ہنسی عجب اور یہ کہ بول کے درمیان بڑے ہوتے
 کتا بول کے پڑھتے یا معاینہ کسے میں مگن رہتے تھے آپ کا کتب خانہ

کافی بڑا تھا، عربی فارسی انگریزی اور اردو کی تاریخی، ادبی، علمی اور
سیاسی کتابیں اچھی تعداد میں تھیں۔ اردو فارسی اور عربی شعرا کے دیوانوں
کی معتدل تعداد تھی، نادر و نایاب قلمی کتابیں بھی تھیں ان کے پاس ہمارے
قلمی اور قدیمی دیوان حافظ بڑا خوش خط لکھا ہوا تھا اس کتب خانہ
کیا ہوا، اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

دعوتی صاحب بابت معلوم و معلوۃ تھے، نماز عام طور پر جامع مسجد
چند گھنٹے یا دو گراں کی مسجد میں پڑھتے تھے، رمضان کی تزاراج بھی
نہیں چھوٹی۔ پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے، حج بیت اللہ کے لئے
بیتاب و سیرار رہتے تھے، بڑی خواہش تھی حج کرنے کی اور حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۃ اطہر پر ہاضری دینے کی لیکن وہ پورے
نہ ہو سکی۔

ان کی پہلی شادی شاہ جہاں پور میں ہوئی تھی جن سے ایک لڑکا
اور دو لڑکیاں ہوئیں، دوسری شادی پیر جی عبدالحمید صاحب کی بیٹی
سے ہوئی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، دعوتی صاحب کا انتقال ۱۳۴۰ھ
میں دہلی میں ساٹھ برس کی عمر میں ہوا، درگاہ حضرت نظام الدین
ادبیار میں دفن ہوئے۔

دعوتی صاحب سلم ادیب ہونے کے ساتھ قادر الکلام شاعر تھے
دعوتی تخلص تھا فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے کچھ
نثر نگار نہیں تھے۔ دہلی کے کثرت عددی میں شریک نہ تھے

کیوں مجھ کو سنتے ہو کیوں خواب میں آتے ہو
 بھولا ہوا افسانہ کیوں یاد دلاتے ہو
 سچ رکھائے قسم جھوٹی سپر نام و فناء کر
 کیوں آجی دکھائے ہو کیوں مجھ کو جلاتے ہو
 اظہارِ تاسف سے زور دے کھلف سے
 کیوں دل کو دکھاتے ہو کیوں مجھ کو رلاتے ہو
 سچ قدر پوئی شاید وحشی کی، پس مردن
 کیوں اٹک بھائے ہو کیوں رنج اٹھائے ہو

کبھی اس کی نگاہ شر گیس اٹھے نہیں دیکھی
 سکھایا کس نے یارب آسمان کو فتنہ گر ہونا
 کوئی آیا ہے سچر دل میں ہزاروں حسرتیں لیکر
 خذرا سچر برکتی خرمین سوز بنکر جلوہ گر ہونا
 اگر اس پردہ قدرت میں کوئی سننے والا ہے
 تو وحشی ایک قیامت ہے دعا کا بے اثر ہونا

چنیں کریم و چنیاں مہرباں خداوندے
 اگر خطائے کند بندہ اتھو اب کند
 دعائے ہمت ترک دعا کس قسم وحشی
 بود کہ حقائق کو نین مستجاب کند

اے دلِ بیاراب سوز و رول کا کب علاج
 اب تو لب تک آہ کا آنا بھی مشکل ہو گیا
 یہ سمجھ کر آج جان لکھتے تھے ہم سوئے چین
 یہ تماشا اور درجہ کلفتِ دل ہو گیا
 اس طرف کچھ سوچ کر دے گئے تیمار دار
 اس طرف بیمارِ غم کچھ کہہ کے غافل ہو گیا
 تم قصہ میں بھی کرتے ہو مگر تیرا سنگینی
 در نہ کیوں بیٹھے ہی بیٹھے کوئی بسمل ہو گیا
 لے گیا تھا ایک مرگ ناگمانی کا مڑا
 پاس کے صدف کے کردہ بھی آج غافل ہو گیا

خیالِ مالوہ اگست ۱۹۳۶ء

خوابِ حشی صاحب کے رسالہ امتیاز میں سورہہ نسی سورہہ ۳۶ء میں ایک شخص جو
 خدمتِ خلق پہ چھپی تھی جن کے آٹھ منہ ہیں پہلا اور آخری منہ ملاحظہ ہو
 بڑھاکے دل میں تپش سوز و ساز پیدا کر دیا گئے آگِ جگر میں گداز پیدا کر
 ملا کے خاک میں ہستی نیاز پیدا کر طریقِ عشق میں کچھ امتیاز پیدا کر
 فردغِ داغ سے سینہ کو نوہر رہنا
 در سرِ شک سے دامن کو زنگار بننا

مقیم ہوں کہ سا فریادِ عید ہوں کہ قریب فقیروں کہ غنی ہوں اہل ہوں کہ غریب
 سید ہوں کہ شقی ہوں رذیل ہوں کہ کفیل سمجھ رہے ہیں تجھے اپنے دردِ دل کا طیب
 ہر ایک تجھ سے طلبِ حقی ہے سن تو ہی
 یہ کائنات کو از بر سبق ہے سن تو ہی

پر کشتہ قصور، پر طمس خواب دیکھا کہ نزار بارہم نے نہیں بے گناہ دیکھا
 کبھی شعل شمع کھشت نہ کی کہ ازلم کے نرئی انجن میں قلم جسے مار یا ب دیکھا
 دی آئینہ ملا کیوں نہ کسی کو دل کے بدلے سر بزم ناز جس نے بٹھے بے جواب دیکھا
 ہمیں میری در بانی کے فریب یاد آئے کسی نوا سیر الفت کو جو کا بیابان دیکھا

سحر کا آہ دزاری تو بہت دلوں کے تم تھی
 مگر آج شب کو جشتی کوئی تم نے خواب دیکھا

یہ سیفہ دلا اخبار لاہور سے ہاتھ پر جنوری سلاسلہ ۴
 سے جاری ہوا ہے ۴ صفحات پر مشتمل ہے
 اس کے مدیر فاضل دیوبند مولوی تاج محمد خبیب آبادی
 تھے جناب سیفی سوباری جاسٹ ایڈیٹر اور جناب لالہ چرمیو لال ایم اے
 دہلی آئری ایڈیٹر تھے سالانہ چلہ چھ روپے تھا۔
 سالانہ فیرنگ خیال لاہور سورہ فردی سلاسلہ ۴ میں اس اخبار پر حسب
 ذیل تبصرہ چھپا تھا

پریم سنگھ لاہور سالانہ ۴ کے ۴ صفحات پر پکوں کا یہ سیفہ دلا ہاتھ پر
 اخبار جنوری سلاسلہ ۴ سے جاری ہوا اس کے مدیر مولوی تاج محمد خبیب آبادی
 ہیں جناب سیفی سوباری جاسٹ ایڈیٹر اور جناب لالہ چرمیو لال ایم اے
 دہلی آئری ایڈیٹر ہیں اس وقت تک نہیں غور کیا کہ جو بچے ہیں ادھر نمبر
 میں مسند فرخ بلاک کی تقاریر بھی پرتی ہیں پنجاب میں پراقری دہلی
 تعلیم کی توسیع کو مد نظر رکھتے ہوئے بچوں کے لئے جدید اخبارات کی
 ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ اس لئے ہم پریم کا دلی فیرقہ م کرتے ہیں۔
 پریم کے صفائیں اچھے ہیں اور امید ہے کہ بہت جلد مولوی کا لڑکا

لیکن چند باتیں بطور غلط فہمیانہ مشورہ پیش کی جاتی ہیں امید ہے کہ فاضل مدبر ارادہ
الکمال ان کو جہدیں گے۔

سب سے اول یہ ہے کہ رسالہ کی زبان بچوں کی زبان ہونی چاہیے
کہ نہ کم پھول جیسی سادہ زبان لکھا جائے اور نہ سادہ زبان سے یہ مراد نہیں
ہے کہ عربی کے عام جم الفاظ کو ترک کر کے سنسکرت کے غیر مالوس اور تخیل
الفاظ استعمال کئے جائیں اور نہ استاد کے یہ منہا ہیں کہ منہ دہم دونوں اپنی
خصوصیات ترک کر دیں۔ دویم رسالہ میں جو تعداد پر مشتمل ہے ہر سی ہیں وہ
بالکل ادنیٰ اہم کی برکتی ہیں، پرانی ریڈروں اور دوسری کتابوں کے بلاک
لے کر چھاپنا بچوں کے لئے کوئی دل چسپی پیدا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تمام
تصویریں اور ان کے متعلق کتابیاں وغیرہ بچے اپنی کتابوں میں پڑھ لیتے
ہیں۔ اس قدر مصارف برداشت کرتے ہوئے یہ یحکم کو اطمینان کوئی چیز اور
نئی تصویریں پیش کرنی چاہئیں خواہ تصویر ایک ہی ہو۔ لیکن اگر بچوں کے
لئے تھیں معلومات کی منظر ہو اور بچوں میں تفہیم کے متعلق اچھا مذاق
پیدا کرنے والی ہو تو رسالہ بہت جلد ہر نوعی زبانی مائل کرے گا، نیز
سرورق کو بھی بدل دینا چاہیے اور کوئی اس سے کم مصارف سوز اور زیادہ
پُر سنہ ڈیزائن اختیار کرنا چاہیے اس کے علاوہ مسئلہ تجدید اور اسی قسم کے
غیر مالوس صحیفہ اردو میں بچوں کو ڈالنا اچھا نہیں۔ ان میں منہ داستان
کی ان خبروں سے مالوس کیا جائے، بعض کتب کی اطمینان ضرورت ہے
یا جغرافیائی اور تاریخی خبروں کو جسے کہ اسے ان کی تشریح کی جائے
ہم نے تفصیل پر اس لئے بغیر لکھا ہے کیونکہ ہمیں اچھی طرح
معلوم ہے کہ یہ یحکم اچھے ہاتھوں میں ہے اور اس کے با مذاق لکھنے پر

رہا کہ کوئی مستقل طور پر چلانا چاہتے ہیں۔
 یہ ہفتہ دار اخبار جنوری سلاسلہ کو لاہور سے وجود
 میں آیا۔ ہم صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر
 سردار سردار دل سنگھ کوئیتر تھے سالانہ چندہ دس

روپے تھا۔

حسب ذیل تبصرہ اخبار ہندوستان پر نیرنگ خیال لاہور مورخہ
 فردی سلاسلہ میں شائع ہوا تھا۔

۱۶ سالہ کے ۴ صفحات پر ایک ہفتہ دار اخبار جناب سردار دل سنگھ
 کوئیتر کی ذمہ داری لاہور سے شائع ہوا ہے سالانہ چندہ دس روپے ہے
 اخبار میں تقریباً سات نوؤں کی تقریریں بھی ہیں جو معمولی کاغذ پر
 چھاپی گئی ہیں اور ہر ہفتہ متعدد قضاویہ چھاپنے کا وعدہ کیا گیا ہے
 اخبار کی چھپائی قابل امداد ہے ہمارے خیال میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک
 ہفتہ دار اخبار شائع کرنے کے لئے بہت بڑے انتظام کی ضرورت
 ہے، قابل ایڈیٹر کی قابلیت ملے ہے اور ہمیں امید ہے کہ وہ ہفتہ
 دار مصور ہندوستان کو بہت جلد پنجاب بلکہ ہندوستان کی بہترین
 اخبار بنا دیں گے۔ جو لوگ ہفتہ دار آزاد خیالی اخبار خریدنا چاہیں
 انھیں جلد رستان کی سرپرستی اختیار کر لی جائے۔

یہ سالہ جنوری سلاسلہ میں کوچہ جیلان دہلی سے
 وجود میں آیا۔ ۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر
 سید عزیز حسن بٹالائی تھے۔ سالانہ چندہ صرف ایک روپہ

تھا۔

تھا۔

یہ رسالہ تبلیغی، علمی، دینی، اصلاحی، تاریخی اور سیاسی مضامین کا مجموعہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر سید عزیز حسن بنگالی حریت پسند صحافی تھے۔ اخبار ہمدرد دہلی نے اپنے شمارے ۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں اس رسالہ پر یہ رپورٹ کیا تھا۔

”بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہو گا کہ اس کی کوئی جیلڈن سے جبار سے روزانہ ہمدرد دہلی سے ہوتا ہے۔ دہلی کے ادب بہت سے ممتاز رسالے شائع ہوتے ہیں ان میں سے ایک بھی ہے، خواجہ سید عزیز حسن بنگالی نیرہ حضرت خواجہ باغی باللہ، نعمت خواجہ حسن نقوی اس کے ایڈیٹر ہیں، بیشتر آکر لکھے ہوئے ابھی صرف نو ماہ ہوئے تاہم اس پر مذہبی، تبلیغی اور اصلاحی مضامین کے اعتبار سے بعض پرانے رسالوں پر ترقیت کے گپا ہے، رسالہ میں بنگالی صاحب کے تذرات خاص خصوصیت رکھتے ہیں، آپ نہایت بے باکانہ کہتے ہیں اپنے خیال کو ظاہر کرنے میں صداقت کے بعض مسلم طریقے بھی بنگالی صاحب کا پابند نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حلقوں میں یہ رسالہ دلی سے پڑھا جاتا ہے، زیر تنقید رسول نمبر ہے اس نمبر میں علاوہ رسالہ کی خصوصیات کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مبارک حالات طیبات پر کئی اہل قلم حضرات کے اچھے اچھے مضامین ہیں جو یقیناً قابلِ مطالعہ ہیں، رسالہ کی کتابت، طباعت بہت اچھی اور دیدہ زیب ہے۔“

نورجہاں

اگر تشر سے یہ نوائی رسالہ جنوری سال ۱۳۸۷ء کو
جلوہ افروز ہوا ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا سعادت
سلطانہ اس کی ایڈیٹر تھیں ، سالانہ چندہ مسم

ل پانچ روپے اور مسم دوم تین روپے تھا۔

رسالہ نورجہاں پر نیزنگو خیال لاہور مورخہ فردری سال ۱۳۸۷ء میں
بہ ذیل ریلوینجیا تھا۔

یہ نوائی رسالہ اگر تشر سے زیر ادارت محترمہ س دت سلطانہ
تے ہوا ہے اگر مزارات پامی شہد جرنلٹ مولانا محمد عبداللہ منہاس
۲۰۸۲ء سائز کے ۸۰ صفحات ہیں کاغذ چھپائی اچھی ہے کتب گوارا
۷ قیمت سالانہ قسم اول پانچ روپے مسم دوم تین روپے رسالہ میں تصویر کا
نا انتظام ہو چکا ، چند رستان میں عورتوں کے لئے جو رسائل شائع ہوتے
ہاں کی تعداد انگلیوں پر شمار کی جاسکتی ہے اس لئے ہم نورجہاں کا دلی
مقدم کرتے ہیں۔

رسالہ کے پہلے چار صفحات اردو ثانیہ میں شائع کئے گئے ہیں تاکہ
بہنیں ٹائپ سے آہستہ آہستہ مالوس بنوں یہ مبارک اقدام ہے اور
یہ امید ہے کہ کم از کم نورجہاں میں ابتدائی چار صفحات سیدہ ثانیہ میں
تے ہوا کریں گے نورجہاں جو نمونہ کا نمونہ ہے اس کی ترتیب
نامین بہت اچھی تھی لیکن جنوری نمبر میں ترتیب کا چند ای سی ظاہر نہیں رکھا
جو معقول جیسے ملا۔ اور جب ملا درج رسالہ کراہ گیا معاشرتی اصلاحی
رتارہ بنی مضامین کے لئے علیحدہ جگہ رکھنی چاہیے تھی۔ نقد زمانہ
دنیا کے سواں سب سے آخر میں ہوتے تو بہتر تھا صفت و دشنام کی

اور نوانِ فہمت ایک دوسرے کے قریب، مدیر تہذیبِ لنواں پر جو قلم کیا گیا ہے اس کے لئے محفلِ نور بہتر قسمی مولوی سید ممتاز علی صاحب کے خلاف جو تہذیب کہ جہاں میں کھنگایا ہے وہ نقص کی کیا انتہائی پروہنگیڈ ہے، مولانا نے تہذیبِ لنواں میں جدید لنوانی مسائل کا غیر مقدم کرتے ہوئے چند باتیں بطریقِ فصاحت کئی شخصیں اور جدید مسائل کو لکھ کر بیٹے شمار جدید ہندوؤں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے جدید مضمون کے لنوانی مسائل میں شائع کرنے کی ترغیب دی تھی یہ مشورہ مخلص اصلاح کی غرض سے تھا۔ نہ کہ جدید مسائل کی توجیب کے لئے، ہمارے خیالی میں مدیر نور جہاں کا یہ مضمون مناسبت کے خلاف ہے۔ اگرچہ تہذیبِ لنواں میں نور جہاں جیسے عنوانات قائم نہیں لیکن سچر ہی اس میں بہت سی قسم کی بہترین مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور ہمارے خیالی میں جیسی صحیح سلیس اور سادہ زبان تہذیبِ لنواں کی ہے اور کسی رسالہ کی نہیں، ہمارے جدید لنوانی مسائل کو ابھی تہذیبِ لنواں سے ابھی بہت منہجہ لکھنا ہے اور لکھنا چاہئے۔

ہوئی مردان ہو برسرِ حد سے یکم جنوری ۱۹۲۶ء کو

یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ ہم صفحات پر لکھنا تھا
ابوالخانی آزاد اس کے ایڈیٹر تھے۔

افغان

رسالہ جامعہ دہلی کے شمارے ۱۹۲۶ء میں افغان رسالہ پر چھپ کر
انتہا چھپا تھا۔

افغان آسمانِ علم کا چمکتا ہوا بلبل اپنی نورانی یلین سمیت سرحد
سے یکم جنوری ۱۹۲۶ء کو طلوع ہو کر کفر و طاغوت کی تاریکیوں پر
چھانے والا قرآن مقدس کی حکیمانہ تعلیم کا مبلغ، عروج و ترنن کے راستوں

کاکھوج لگانوالا آرگن، بہارِ دینِ اسلام کے حالات بتانے والا مورخ، دنیا بھر کے مذاہب کی تنقید کرنے والا محقق، کوہِ ارض کے ہوا کی دانتھا پر تبصرہ کرنے والا مبصر، برصغیر کا تیرہ ہفت علاج بتانے والا صالح ادبی، اخلاقی، گلدستوں کا پیش کرنے والا باغبان، دلی آدین شہدِ نانیوالا ہے نظیرِ شاعر، اور سائنس کی جدید مصنوعات کی حقیقت ظاہر کرنے والا۔ سہیتِ دال، پردہ نشین خوانین اس کی بہترین اخلاقی تعلیم سے بہرہ اندوز ہو سکتی ہیں، حصہ پشتو افغانی ستورات کے لئے مخصوص ہے کاغذ لکھائی، چھپائی دیدہ زیب، چند سالانہ چار روپے صرف دست پشتو ڈیڑھ روپے نمونہ کا رخ چھپانے کے لئے کاغذِ اہلِ اعلیٰ آزاد مدبرِ افغان ہوتی مردان ہو بسرِ حلیہ۔

سہیل علی گڑھ سے ریاجن اردو سے معنی علی گڑھ کا سہا پی آرگن جنوری ۱۹۷۷ء کو نمودار ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ پردہ نشین احمد صدیقی ایم اے علیگ اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ سات روپے تھا۔

اس رسالہ پر سالہ اشناظر لکھنؤ سرفہ جولائی ۱۹۷۷ء میں حب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

سہیل انجن اردو سے معنی سلم یونیورسٹی علی گڑھ کا قابلِ قدر ادبی سہ ماہی رسالہ پردہ نشین احمد صدیقی ایم اے علیگ کے زیرِ ادارت جنوری ۱۹۷۷ء سے جاری ہوا سہیل بے نظیر علمی بلند پایہ مضامین انتہائی کاوش سے جاری ہے رشید صاحب سائنس مغز "بنامِ اقبال" ایک محرکِ آثارِ مضمون ہے اردو کے کسی شاعر پر اس تفصیل کے تنقید اور تشہیح

کے ساتھ اس سے پہلے نظر نہیں ڈالی گئی فارسی شاعری اور اسلامی علوم
پر پردہ پیر شیر دالی، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کے خیالات بلند و رفیع
اور لائق توجہ ہیں لکھا کی چھپائی دیدہ زیب، سالانہ قیمت سات روپے ہے
بمبئی سے انجن اشاعت اردو کا پیرامن مارچ ۱۹۱۲ء
آفتاب کو ظہور پذیر ہوا۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا، ثناء ہابوئی
مکرمی انجن اشاعت بمبئی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ
چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ میں جہاں دینی، علمی، تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے
وہاں شعراء کا کلام بھی چھپتا تھا۔ اور شاعروں کی غزلیں بھی نہایت مہنت
تھیں مئی ۱۹۱۲ء کے شمارے کے یہ مضامین تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوریٹس اور حضرت علی کا ایثار
سیرتواریخ از ایچ اے صدیقی بی اے، اردو زبان از مولوی محمد شفیع الدین
خان ایم اے، عورت کی عمر کا تجربہ از منضائی سیانی لکھی، تعلیم نسواں،
مولانا محمد عبدالغفار الثیری دھلوی، ادبی شعاعیں از ڈاکٹر فصیح الزماں
خان صاحب ایم، ایچ ڈی کلکتہ، ستمبر ۱۹۱۲ء (نادر)

کو علمی ۱۲ دریا مجمع دہلی سے مارچ ۱۹۱۲ء

کو عربک اسکول اولڈ ہائز ایبوس الین دہلی
کا آرگن تھا، ۸۴ صفحات پر کلکتہ تھا

سید محمد روف علی بیرسٹر لکھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا، محبوب المطابع
دہلی میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ اس طرح سے نکالا گیا کہ جملہ قدیم طلباء کے لئے

جو اوراق برائیاں کی طرح دور دور پھیلے جوتے ہیں ایک مضبوط مثیلہ بن جائے۔ اور خلائی عامہ کے لئے بھی اقتصاد، علمی، سیاسی اخلاقی اور ادبی اصلاح اور تفریح کا ایک منتقل ماحول کی مجموعہ ثابت ہو جائے۔ انہیں کے مخصوص اغراض کا تحفظ اس کا اولین مقصد ہوگا۔ وہاں عام دل چسپی کی خاطر اس رسالہ کا میدان عمل اس قدر وسیع ہوگا جتنی ہندوستان کی فضا اور اسے ہندوستان میں دارالسلطنت کی اہمیت ہے علماء، طلباء، تدبیر کی امداد کے باری توقعات۔ یہ ہیں کہ پڑھے کئے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے عام طور پر اس کو جاذب توجہ بنایا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ ہر لحاظ سے یہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو سکے۔

لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ فروری ۱۹۲۷ء کو نمونہ دار ہوا۔ ۵۶ صفحات پر مشتمل تھا رام جی داس گاجر یہ ایڈیٹر تھے، سالانہ چھپنے دور پہلے تھا۔ مرکز کل پریس ریلوے روڈ لاہور میں چھپتا تھا۔

کرنل گنج گانپور سے فروری ۱۹۲۷ء کو یہ مگدستہ جلوہ افزہ ہوا۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا افق گانپوری اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چھپنے سوار پیتھا۔ صحیفہ صحفی بطور جینیہ کے منتقل طور پر ہر سال سے ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔

یہ سہ ماہی اخبار لاہور سے مارچ ۱۹۲۷ء کو جاری ہوا۔ ۸ صفحات پر مشتمل تھا اس کے پہلے ایڈیٹر مولوی احمد بابا مخدومی تھے اس کے بعد

حمایت الاسلام

جناب عبدالحکیم خاں فشتہاوند ہری اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے تین روپے سالانہ چندہ تھا۔

اس اخبار پر پیرنگ خیال لاہور مدفہ جون سلسلہ غمیں حسب ذیل تبصرہ لکھ کر ہوا تھا۔

”الجن حمایت الاسلام کی طرف سے ایک مفت و ماخذاً ۱۲۲۲ھ سالہ پرنٹ ہے جو اس کے ایڈیٹر جناب عبدالحکیم خاں صاحب فشتہاوند ہری ہیں۔ جو ایک تجربہ کار ایڈیٹر اور ایک مشہور شاعر ادیب ہیں اس وقت تک تین چار نمبر شائع ہو چکے ہیں ان سے آپ کی علمی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے اخبار کے تمام مضامین قابل مطالعہ ہیں ترتیب بھی اچھی ہے چند سالانہ تین روپے جو لوگ الجن حمایت الاسلام کے رکن ہیں ان کی خدمت میں مفت بھیجا جاتا ہے چندہ رکنیت بھی تین روپے ہی ہے اس سے نوے رکنوں کو الجن کا رکن بننا چاہیے تاکہ وہ صوبہ پنجاب کی سب سے بڑی قلعی الجن کے رکن بھی بن جائیں اور ہر مفت اخبار حمایت الاسلام مفت مطالعہ کریں۔ دفتر الجن حمایت الاسلام سے طلب کیجئے۔“

مولوی احمد بابا مخدومی
مخدومی صاحب ۵ جون ۱۸۶۵ء
کو اس سر میں پیدا ہوئے عمان
ہوکر لاہور چلے گئے۔ اور

پھر مداری عمر لاہور میں گزارا شروع میں ریلوے کی ملازمت کی مگر سفون نگاری کے شوق اور تقنیف و تاقیف کے ذوق نے بہت جلد نوکری سے منصرف کر دیا۔ استعفیٰ دے کر علم کی خدمت میں مصروف

ہو گئے۔ آپ انجمن حمایت الاسلام کے ابتدائی معاونین میں تھے
آپ نے تمام عمر نہایت خلوص کے ساتھ انجمن کے مختلف مہموں پر
کام کیا۔ التبیح فی دلائل مسیح اور آخری "مضامین سرسید" آپ کی
تالیفات ہیں انجمن کا رسالہ حمایت الاسلام جب جاری ہوا تو اس کے
سب سے پہلے ایڈیٹر آپ ہی تھے ابتداء میں یہ پرچہ ہارسٹارٹ لئے
ہوتا تھا۔

عدالت

یہ ہیئت دار اخبار امر دہ سے مارچ ۱۹۱۷ء کو
جاری ہوا۔ ۸۸ صفحات پر لکھا تھا۔ حکیم عثمان علی
خال اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چند چار روپے تھا۔
اس رسالہ میں ملکی، قومی، معاشرتی، فنی، تجارتی مضامین کے علاوہ
قومی مسائل پر بنیاد پر بحث و تنقید اس کا شعار تھا۔

تبلیغ نسواں

بہ حضرت نظام الدین ادیب دہلی سے اپریل
۱۹۱۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ لکھا سو صفحات پر
شکل تھا۔ مجوز خواجہ حسن نظامی مدیر خواجہ باؤ
ادبیت بن عربی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ حمید پرپرس دہلی
میں چھپا تھا۔

اس رسالہ کے جاری کرنے کا مقصد مسلمان عورتوں میں تعلیمی ترقی
اصلاح معاشرت، پابندی مذہب اور احساس تبلیغ پیدا کرنا تھا
اس کے علاوہ عورتوں میں مذہبی و تاریخی معلومات پڑھانے کے لئے
مضامین لکھے گئے کہ عورتوں کو حفظِ صحت کے قاعدے بتا دے۔
عورتوں کو نئی و قدامی کی فضول رسوں سے بھی نا عورتوں کو بچوں

کی تعلیم و تربیت کے طریقے بتانا، عورتوں کو خدمت اسلام، خدمت قوم کو اور خدمت ملک کی ترغیب دینا۔ عورتوں اور مردوں کو آپس میں اخلاص و محبت سے رہنا اور مرد کے عورت کے اور عورت کے مرد پر جو حقوق ہیں ان کا بتانا تھا۔

اس رسالہ میں اور رسالوں کے مقابلہ میں یہ خصوصیت تھی کہ ہر ایک مسلمان ایک صفحہ کا ہوتا تھا۔ لیکن یہ خصوصیت زیادہ عرصہ نہیں چل سکی اور طویل مضمون بھی چھپنے لگے۔

تہذیب نسواں لاہور کے اپنے شاہی مہتمم نے اس رسالہ کی تبلیغ نسواں پر تبصرہ کیا ہے جو سیر حاصل ہے اس سے رسالہ کی اہمیت معلوم ہو جائے گی۔ ملاحظہ کیجئے۔

اس رسالہ کو ہم نے اول سے آخر تک پڑھا اور اسے بحیثیت مجموعی دل چسپ و مفید اور پڑھنے والا، سمولٰی معمولی باتیں بھی اس خوبصورتی سے بیان کی ہیں کہ وہ پڑھنے کے قابل ہو گئی ہیں۔ ایک خصوصیت اس میں یہ پائی کہ کوئی مضمون ایک صفحہ سے زیادہ کا نہیں اور چونکہ رسالہ کی ضخامت سو صفحوں کی ہے اس لئے اس کے مضامین کی تعداد سو کے قریب ہے چنانچہ بعض مضامین کے عنوانات یہ ہیں اسلام کا اہل بلا دار۔ بچے کے کان میں اذان، عیدیں بھی نماز، رخصتی بیویاں نکون کر کے ہیں، گھر کی دوزخ، میاں بگنے ہو گئے، مولوی صاحب آپ کی کتنی بیویاں ہیں، مولانا کی بڑھیا بیوی، کنیا دان، بڑھے دہا، بدچلن میاں، پھر بیوی، عورت کے نام کا پردہ، دار کا پردہ، تعویذ گندھے جا دو اور جن، نجوم درمل، ادیری خلل برے

ادا چئے خواب، سب بیماریوں کی جڑ، چکا پیو، اہل خیال کا پڑانا پاتی
 عورتوں کو کہنے اور بولنے کی تعلیم، درد ازا، بند کھو، مشکہ نام کھٹنا
 ٹھوس ہے میں رات دن کیا کرتی ہوں۔ اسلام کا پہلا اعلان منہ میں
 مسجدوں کے سر پر کڈاں چلی، میٹرواعوز میں دیر و نیزہ اس طرح ایک
 ایک ہفتہ کا مضمون کہنے سے دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ مختصر مضمون
 کہنے میں غیر مستحق بالوں سے بچاؤ رہتا ہے اور مطلب کی بات خوب ذہن
 نشیں ہو جاتی ہے دوسرے بہت سے کہنے والی جہیوں کو کہنے کا
 سرفہ ملے گا جس سے رسالہ ہر دن عزیز اندکھ آمد بن جاتے گا۔

بہ سبقت دار اخبار ایریل سلسلہء کورہ دون
 سے نمودار ہوا، ہم صفحات پرستی تھی تھا اس
 کے ایڈیٹر محمد صادق صاحب محلے، اساتذہ چندہ

صادق

بین رد پے تھا۔

رسالہ سود مند بدایوں کورہ جون سلسلہء اغ میں اخبار صادق
 پر ریلوئی ٹاکنے پر انتھادہ یہ ہے۔

اس نام کا اخبار درہ دون سے حال ہی میں
 نکلتا نشر مع ہوا ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ
 آفتقادی اور تعلیمی مضامین قابل ملاحظہ ہیں، اس
 زمانہ میں سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ
 تعلیم کو عام کیا جائے اور لوگوں کو کفایت بخشد تاکہ ان کی
 مالی حالت درست کی جائے یہ دونوں امور صادق کے مین غر
 میں ہماری رعایہ کہ صادق قوم دلد کے لئے ملیہ ثابت ہو۔

الہادی

کتب خانہ اشرفیہ درسیہ کلاں سے مئی ۱۹۱۱ء کو یہ
علمی دینی رسالہ بطور تذکرہ حوالہ چالیس صفحات پر لکھا تھا
مولوی محمد عثمان غامی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ

چند ڈھائی روپے تھا۔

رسالہ الہادی پر ادراک آباد کے رسالہ اردو کے شمارے ہولائی سالانہ
میں تنقید چھیٹھی۔

الہادی برطانوی مہینے کی پہلی تاریخ کو کتب خانہ اشرفیہ درسیہ کلاں دہلی
سے شائع ہونے لگا ہے اس کے مالک و مدیر مولوی محمد عثمان صاحب
عامی ہیں اس میں زیادہ تر مضامین اور عوام اعظا مولانا اشرف علی صاحب فاضل
کے درجہ ہوتے ہیں رسالہ کا مقصد مسلمانوں کے عقائد، اخلاق و معاشرہ
کی اصلاح قرار دیا ہے، علم حدیث، کلام اور تصوف کے چند مسائل مفتاح
کے علاوہ رسالہ میں امیر اردو آیات کے نام سے ایک نہایت دلی چپ
مغید کتاب بالافراط چھپ رہی ہے جس میں شاہ اسماعیل شہید مولانا محمد قاسم
اور مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہم کے حالات زندگی صحت و روایات کا پورا
پورا لحاظ رکھ کر چھاپے جا رہے ہیں یہ روایتیں نہایت پُرکٹھن
اور سب سے آواز ہیں مجموعی طور پر دینی مذاق رکھنے والوں کے واسطے یہ رسالہ
بہت خوب ہے لکھا کی چھاپی بھی اچھی ہے۔

مزید لاہور سے یہ مذہبی رسالہ مئی سالانہ م کو
جلوہ افروز ہوا۔ ۱۲ صفحات پر لکھا تھا اس کے

السوہ سنہ

ایڈیٹر مولانا محمد دوست تھے سالانہ چند ایک روپیہ
تھا۔ اس رسالہ کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی اخلاقی اور تمدنی زندگی

مضامین کے ساتھ مسالوں کی مالی امداد کے متعلق محمد مضامین شائع کرنا تھا۔

مرنگ لاپور سے یہ ادبی رسالہ جس علامہ کو پہلوا
 افرورجوا - ۸۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر
 اختر شیرانی، معاون ایڈیٹر رفیع امیری سے ملا نہ
 چیلہ پانچ روپے تھا، مرکز کی پریس لاپور میں چھپنا تھا۔

بہارستان

کتبت طباعت و کاغذ عمدہ تھا۔ تصور تھا۔ ملک کے نامور
 ادیب حکیم ناہرندہ پرفرازی دہلوی، علامہ عبدالمدیونی، مولانا سید اطہر علی آزاد
 کاگھدی، مولانا شوکت علی خاں خانی ایم اے علیگ، مولانا انصاری حسین
 کھنڈہ، مولانا سید جمیل حسن احسن کھنڈہ، مولانا طیف احمد صاحب
 عارف بدایونی، جگر راء آبادی مسٹر کنیا لال، نائب مسٹر سلیم الحق
 حق دہلوی، مرزا یاس چنگیزی، خواجہ حسن نظامی مرزا باقر علی دہان گو،
 حکیم مغرب حسین صاحب مغرب دہلوی، شیخ غلام قادر لڑائی، حضرت طاق
 اللہ آبادی، مسٹر غلام حسین، شاہرمدی، کوآب سید نصیر حسن خاں عظیم آبادی
 خاں بہادر سیرنا علی خاں دہلوی، مولانا دکنبر آبادی، مولانا علی دہلوی
 مولوی سید حمید الدین بنیود دہلوی، ملک محمد حیات خاں، محمود اسرائیلی
 مرزا نسیم بیگ چغتائی۔ نیت میا نام دنا، عبدالستار قادتی وغیرہ لگانے
 روزگار معقول نگار تھے۔

بہارستان ایک بیماری پر چھپتا تھا، دیکھ اور باوقار رسالہ تھا، اس
 رسالہ نے چند بینوں میں مقبولیت حاصل کر لی تھی۔

معین نسواں

علی گڑھ سے رہنمائی ماہانہ سلسلہء جون سے
موردار ہوا۔ ۴۴ صفحات پر نکلتا تھا اس کی
ایڈیٹر عطیہ بیگم اور حافظ علی بہادر خاں، بی

ایس، اسی علیگ میں، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔
رسالہ میں نسواں پر ادراک آباد کئے سالہ اردو مورخہ جولائی ۱۹۲۶ء
میں تنقید بھی ہے۔

”معین نسواں کے نام سے ایک رسالہ نکلا ہے اس کی ایڈیٹر عطیہ بیگم
صاحبہ اور حافظ علی بہادر خاں بی، ایس، اسی علیگ ہیں یہ دونوں مشہور
ہیں لائق ہیں اور انشا پرورداری میں نام کر چکے ہیں، عطیہ بیگم صاحبہ
سلمان عورتوں میں بڑی روشن خیال اور صاحب لیاقت ہیں ان کا سالانہ پتی
اور معلومات کے لحاظ سے بہت بڑھا ہوا ہے تصویریں بہت دل چسپ
اور اچھی دی ہیں مضامین بھی مختلف قسم کے ہیں، ڈراما، لطائف
و ظرائف اور نظم لے بھی اس کے لطف میں اضافہ کیا ہے۔“

پہلی ہیئت سے جون سلسلہء کو رہنمائی رسالہ جاری ہوا
۴۴ صفحات پر نکلتا تھا، ڈاکٹر بیگم عبدالغفور اہل
ایم پی کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا، سالانہ چندہ تین

حرم

روپے تھا۔

رسالہ اردو ادراک آباد کئے شمارے جولائی سلسلہء ۶ میں اس پر

ریویو لکھتے ہوئے تھا۔

حرم کے نام سے ڈاکٹر بیگم عبدالغفور اہل ایم پی کی ایڈیٹری میں پہلی ہیئت
سے نکلتے ہوئے۔ ایڈیٹر بہت قابل بی بی ہیں رسالہ بڑے سلیقہ اور لیاقت

سے لکھا گیا ہے۔ مضمون لکھنے والے بہت اچھے میں معلومات کا خاصہ ذخیرہ اس کا پڑھنے والا چاہی نہیں رہ سکتا۔

سرتاج
لنجان شہر یہ زمانہ رسالہ جون سالانہ م کو طبع میں آیا
۴۴ مضمون پر مشتمل تھا۔ اس کی مدیرہ امتیاز خاں صاحبہ
تاج بیگم حبیبی سالانہ چندہ احوالی مدے تھا۔

اس رسالہ کا اشتہار سرمد بدایوں نور محمد نمبر سالانہ میں شائع ہوا تھا
زمانہ سالوں کا سرتاج رسالہ سرتاج لنجان (زیر ادارت امتیاز
خاں بیگم عرف تاج بیگم اردو میں اس وقت نامور رسالے موجود ہیں
مذاق و معیار کے لحاظ سے بالعموم راکھیوں اور کم علم مسکرات کے لئے میں مگر
طبقہ نسوان کی اور افریقہ قلمی رسائی ترقی اس بات کی متفہمی ہے کہ اب
زمانہ رسالے بھی اس معیار کے سونے چاہیے جو راکھیوں اور کم علم مسکرات
کی دل چاہی بڑھانے کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور چمک خیال خواتین کے مذاق
مسلیم کو بھی تسنی کر سکیں اسی طرح کو مد نظر رکھتے ہوئے لنجان سے ایک اعلیٰ پایہ
کا زمانہ ماسوا رسالہ بنام سرتاج جاری کیا گیا ہے جو علمی معاشرتی مضامین کا
ایک نامور مرتفع ہے اور جانتے عنقی نسوان کا سرگرم حامی و تعلیم مغربی کے بڑے
نتائج پر روشنی ڈالتا ہے اور نیک اثرات سے مستفید ہونے کی ترغیب بھی
دیتا ہے۔

مسنوی خوبوں کے علاوہ کھائی چھپائی اور کافہ کے کاف سے بھی
کسی اہم مقصد معاشرے کم نہیں اور ہر ماہ کی چندہ مارچ کو نہایت پابند وقت
کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

منادی

کوچہ چیلان دہلی سے یہ ادبی رسالہ اگست ۱۹۲۷ء کو
جلوہ آرزو ہوا، صفحات مقرر نہیں بنے کچھ بدو
کچھ سولہ صفحات پر لکھا تھا۔ ایڈیٹر خواجہ حسن
نظامی صاحب تھے۔ اس رسالہ میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب
کا روزنامہ جمعیت تھا اور اختصار نامہ پوسٹل سمیت تھے۔
تہ صحت منشی اور تبلیغی کھڑا ہوا اور مرکز دہلی تھا، شادی سنگھن کی
ابتداء سوامی شرودھانند نے کی ان کا ارگن بیچ اخبار تھا۔ اور اس کے جواب
میں خواجہ حسن نظامی نے منادی میں سلسلہ شروع کیا۔

منادی رسالہ اب بھی جاری ہے جو خواجہ حسن نظامی کے صاحبزادے
حسن ثانی بستی حضرت نظام الدین سے لکھتے ہیں حسن ثانی صاحب
اپنے والد کے کچے جانشین ہیں ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور
جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں اس رسالہ میں اچھے قابل قدر مضامین اور
ادبیات کرام کے حالات ملتے ہوئے ہیں۔

تقریباً ادب بگی اور دواڑہ لاہور سے اگست ۱۹۲۷ء کو
یہ ادبی رسالہ جاری ہوا، نگراں علامہ سیاح اکبر کوٹاہی
اور مدیر ساعر نظامی صاحب تھے ۸۰ صفحات پر لکھا
تھا سالانہ چند ساڑھے پانچ روپے تھا۔

رسالہ نمائش حیدر آباد دکن مورخہ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں اس رسالہ
کا حسب ذیل اختصار لکھا ہوا تھا۔

دورِ حاضر کا سب سے اچھا رسالہ یہاں جو اپنی ان عتوں کی نرلیں
طے کر چکا ہوا اس کے مقبول و مطبوع ہوئے میں کسی شبہ کی گنجائش

نہیں، اس صراحت، تعصب، مالی مشکلات، انتفاعات، اشتاعت کی دشواری گندہ
گھٹائیوں سے یہاں نہ سکون مطلق اور ویرودام کے مشرق پر طلوع ہو گیا
اس کی کیفیات بار کرتیں ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی ہیں اور ذوق سلیم
فیصلہ کیا ہے کہ آج ہندوستانی صحافت میں اعلیٰ ترین شیرازہ بند صرف
یہاں ہے۔ ملک بھر کے بہترین افسانہ پرداز بھی یہاں کے صحافت ادب پر
قلم اٹھاتے ہوئے لڑتے ہیں اس لئے کہ بلندی میں صحیبا کا تنا سب
اور تدوین میں تنوع کی کو زور دینت یہاں کا اصولی ادب ہے۔ طلب دیانہ
مضامین سے پاک حشود و اند سے مبرا اور زبان کی یسیتوں سے مبرا
صرف یہاں سے ملک کی صحیح و بہترین کلمے والی خواہشیں اچھے سے اچھے
مضامین یہاں کو سمجھتی ہیں باقی دوسرے رسالوں کو تقسیم ہو جاتے ہیں۔
اب گوچاہ ہندوستان کا ایک بہترین بے نظیر جرنل ہے جس میں علامہ علی
تاریخی اور ادبی مضامین نظم و نثر کے ہندوستان اور مادہ کے ہندوستان
کے اہم واقعات اور ضروری خبریں قصیدہ معلومات ماہانہ درج ہیں ہر خبر
میں وہ مختصر افسانے بھی جوئے ہیں ایک ڈرامہ کا سلسلہ بھی جاری ہے
ماہر نثر کے لہذا ایک دل چاہ اعلیٰ ترین نظم ضرور ہوتی ہے کیا یہ باتیں یہاں
کا اہلیانِ خصوصی نہیں ہیں، یہاں کارپڈنگ میٹر صفحات نگارش اختیار
اور لائسنسی منڈیوں سے گندہ نہیں کیا جاتا۔ اس لئے کہ یہاں خط و کتابت
سے بہت بالا صرف نرا م ہے۔ اس کے مدیر ملک کے مشہور صحابہ قلم
اور مستند قلم فیماں اور سرانغ نظامی علیگ ہیں۔ اس کے صحابہ ملک کے
مستند ادیب اور ماہر فاضل علامہ سیاب آکر کا دی ہیں اس کے طریقہ کار
سب سے اعلیٰ طبقہ کے افراد ہیں اور اس کی محتاجات ملک کے عظیم باقیہ

ادب پرست طبقہ میں نہایت وسیع ہے۔ پیماہ میں مناظر منہر
اور آرٹ فلک نقاد پر میں ادب دل چسپ کار، کون تھی شائع ہوتے ہیں
جگہ ۸۰ صفحے مقرر ہیں مگر سرچھپنے پر صفحات بڑھ جاتے ہیں کیا ایک ایسا
ماہیہ دو قیغ رسالہ ایک سال کے لئے ساڑھے پانچ روپے میں گواہ ہوتا
ہے، تمام بے اصول، بد مذاق، استہمت اور غیر معیہ رسالوں اور مکلف
و مانع اخباروں کو اپنی نیز میسٹاکر معینہ کے آج ہی ساڑھے پانچ
روپے بھیکر پیماہ کے خریدار ہو جائے۔ جس کے مردور میں آپ کے
سرور و اطمینان، کیف نظر اور نشط و سعت محفوظ ہے اور جس کے
پر جہت مختصر سے آپ کے دل و دماغ کو فرحت اور قوت ملے گا اور
حاصل کیا امکان ہے نمونہ ۸ روپے میں مل سکتا ہے۔

ڈاؤر لین زو، بمبئی سے یہ ماہانہ رسالہ ستمبر ۱۹۲۵
سے شائع ہوتا ہے ۶ صفحات پر مشتمل سخت
رشید صدیقی، نیر و خلیل کی ادارت میں نکلتا تھا

ادبستان

سالانہ چندہ یا روپے سٹھا۔

یہ رسالہ انجمن تعین الادب بمبئی کا آرگن تھا رسالہ صحت گور کا نو
نے اپنے شمارے جنوری ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے
"ادبستان علمی و ادبی ذوق رکھنے والوں کے لئے ایک بہترین نظر
ڈسٹرپٹیشن کرنے والا رسالہ ہے جو عروس البلا دہشتی سے حیناب رشید
صدیقی اور حضرت نیر و خلیل صاحبان کی ادارت اور انجمن تعین ادب
کی سرپرستی میں گذشتہ ستمبر سے شائع ہوتا ہے ہر مہینہ ملک کے اہل
قلم حضرات کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔"

تین دن

یہ قانونی رسالہ ستمبر ۱۹۲۲ء کو حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ ۸۸ صفحات پر لکھا تھا۔
فدا حسین صاحب کی ادارت میں لکھا تھا۔ سالانہ

چند تین روپے تھا۔

اس رسالہ میں قانونی مشوروں کے ساتھ ہائیکورٹ کے فیصلے بھی
مائع کئے جاتے تھے یہ رسالہ اپنے ایڈیٹر کی وفات کے ساتھ بند ہو گیا۔
آستانہ گورگاہہ کو ایک خانہ کھگولی ٹیپہ سے دسمبر ۱۹۲۲ء
کو یہ مسلم نوائین کا ادبی رسالہ بطور پذیر ہوا ۸۸ صفحات
پر لکھا تھا۔ ہمارے قانون اس کی ایڈیٹر تھیں۔

سالانہ چند تین روپے تھا۔

اس رسالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور ہندوستان
کی سچے دوسرے نوائین کے حالات زندگی کے علاوہ حفاظی تصانیف اور
ان کی تعلیمات پر مضامین شائع ہوتے تھے، کوشش یہ کی جاتی تھی کہ
نوائین کے ہی زیادہ مضامین ہوں۔ چنانچہ محترمہ سیدہ بیگم مظفر الدین
ایم، اے، محترمہ حافظہ جمال، محترمہ بیگم مرزا، محمد مجتبیٰ آصفی اور
محترمہ خدیجہ الکبریٰ اپنے مضامین شائع کرا لیں۔

یہ ادبی، دینی رسالہ دسمبر ۱۹۲۲ء کو حیدر آباد دکن سے
دو ترقی افروز ہوا، ۶۸ صفحات پر مشتمل تھا سید سردار علی
صاحب کی ادارت میں لکھا تھا۔ سالانہ چند تین روپے

تجلی

تھوڑے سا تھا۔

یہ رسالہ اپنے قابل اور کہنے شوقیہ صفوں نگاروں کی وجہ سے بڑی

آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا اور اس کی شگوش علی اور ادبی مضامین قدر
منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے مگر ناقدوں کے فیصلے یہ رسالہ کچھ عمدہ
کے جہز بند ہو گیا۔

جائیوں کا سہ ماہی دسمبر ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پر دوبارہ چھپا تھا۔
مولانا محمد سرور علی صاحب کی ادارت میں۔ یہ وہی حیدر آباد کن
سے شائع ہوتا ہے۔ اس پرچے میں علی، ادبی مضامین درج ہوئے ہیں
اس وقت اکثر برکات پرچہ سامنے ہے اس نمبر میں یوں سب ہی مضامین
بہت عمدہ ہیں۔ لیکن درجہ فاضلہ اور اس کے اساتذہ مرغز فاضلہ
دہ کا آغاز ایرانی علم و فضل اور میرامن دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
یاری رائے میں یہ رسالہ ہندوستان کے بہترین رسالوں میں شمار کئے
جانے کے قابل ہے۔

دہلی سے دسمبر ۱۹۲۲ء کو پیر دینی دنیاوی علی، اخلاقی
تاریخی اور تمدنی ماہوار رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ ۲۴
صفحات پر مشتمل تھا۔

راز و نیاز

ایڈیٹر نظر احمد زبانی اے علیگ آزری ایڈیٹر دیر و پراٹھا ایم اے روف
عبرت دہلوی تھے سالانہ چندہ نو آئے تھا۔ حیدر بقی پرنس میں چھپتا
تھا۔

حافظہ شریف کانپور سے یہ رسالہ سلسلہ ۱۹۲۲ء میں ظہور
پذیر ہوا۔ ۳۴ صفحات پر مشتمل تھا اس کے مدیر جناب
میدان محمد ثاقب تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

نظارہ

نظارہ رسالہ پر نیرنگ خیال لاہور سورہ فردری سلسلہ ۱۹۲۲ء میں جب

حب اہل حق تعالیٰ کیا ہے۔

نظارہ کے ۱۲۲۱ء تا ۱۲۲۲ء کے ۳۲ صفحات میں کھائی چھپائی کاغذ گوارا، رسالہ کے چیف ایڈیٹر جناب سید ابوالفتح تائب میں رسالہ کے نصف مضامین پر انے رسالوں سے بلا حوالے نقل کئے گئے تھے میں حصہ نظم فاس طور پر ناقص ہے رسالہ کا مقصد مضامین سے ظاہر نہیں ہوتا حنیفہ دو روپے ہے۔ خانقاہ شریف کا پورے مل سکتا ہے۔

مسلم سیوک
مگرہ سے یہ سفتہ در اخبار سلسلہ کو نو در ہوا،
آٹھ صفحات پر لکھا تھا اس کے ایڈیٹر جانتے علیہ السلام
نظائی کے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

حسن خیال
مندی سپور ریاست سجوپال سے بزم شوار کا یہ آرگن
سلسلہ ۱۲ میں ظہور پذیر ہوا سیرت حسنہ کی اس
کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۰ صفحات پر لکھا تھا۔ سالانہ
چندہ دو روپے تھا۔

علی گڑھ میگزین علی گڑھ مورخہ مارچ اپریل دہائی سلسلہ ۱۲ میں رسالہ
ہے حسن خیالی پر بیرونی یونٹ سے ہوا تھا۔

۱۱ بزم شوار کا یہ رسالہ ہے جو زیر ادارت سرشار کسمندی سہو
سجوپال سے شائع ہوتا ہے۔ ارکان انجمن اور نیز دوسرے شہرہ تھا
تغیب اور حنیفہ کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ کبھی کبھی ادبی مضامین بھی نظر آتے
ہیں شوار کے بہت افزائی کے لئے پرچہ ایک اچھا درجہ ہے۔

مجلہ عثمانیہ

پہلے ہی رسالہ ۱۹۱۷ء کو مجبوراً بادکن سے وجود
میں آیا۔ ۹۶ صفحات پر لکھا تھا۔ کبھی اس سے
زیادہ صفحات موجود نہ تھے۔ سرسالی اس کے ٹیڑھے
تبدیل ہوتے تھے چنانچہ امین الدین قریشی انک سید محمد اکبر دفتاری جلد التعلیم
باتی اور بنی الحسن شمیم اور میر حسن وغیرہ تھے، حالانکہ چندہ چارویں تھا۔
اس رسالہ میں اس تہذیب اور طلبہ قدیم کے مضامین نظم و نثر شائع ہوتے
تھے، ایسے ہی مضامین ہوتے تھے جن کا سیدار کمر در پرتا تھا یہ رسالہ چار
جامد عثمانیہ کا آخری تھا، جس کا وجہ سے اس رسالہ نے اچھی قریشی کی بعض
خاص نمبر قابلِ قدر شائع ہوئے جو دنیا تھے اور میں ہمیشہ یاد رہیں گے کہ
قریشی صاحب مجبوراً بادکن میں لکھا
میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم سنی اسکول
میں پائی۔ جس کے بعد عثمانیہ میں داخل

معین الدین قریشی

ہو گئے۔ ۱۹۱۷ء میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ اور محکمہ تعلیم میں
ملازم ہوئے ان ہی کے زمانہ میں مجلہ عثمانیہ جاری ہوا۔ جس کے وہ پہلے
ایڈیٹر منتخب ہوئے، ان کی ادارت میں مجلہ کے چھٹے شمارے لکھے وہ
ادبی معیار اور حسن ترتیب کے اعتبار سے بہت مقبول ہوئے، آپ
انجمن اتحاد جامد عثمانیہ کے صدر بھی مقرر ہوئے۔
قریشی صاحب کا ادبی مذاق اور تنقیدی شعور بہت نکھر چکا تھا
اسلئے نے بہت کم لکھا ہے کہین جو کچھ لکھا ہے اس کے مطالعہ سے

ان کی ذہانت اور انفرادیت کا اپنا نقش دل پر جتنا ہے کہ مٹنے نہیں پاتا
ان کا اسلوب پورا دل کش تھا۔ ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے
البتہ مرتبہ سخن ہدیہ سریم اور ڈاکٹر عبد الحلیم کی تصنیف غالب
کا ترجمہ ان کی یادگار ہیں۔

فرشتی صاحب جانشین ثنائیہ کے دورِ اول میں سے ان صاحب ہیں تھے
جنہوں نے کالج کی زندگی کے تمام شعبوں پر اپنی شخصیت اور انفرادیت
کے گہرے نقوش چھوڑے لیکن زمانہ کی نا قدریوں نے انہیں حرفِ
عظمتی طرح مٹا دیا۔ وہ اپنی ذہانت بلند نظری اور خوش مذاقی کی
وجہ سے اپنے معصروں میں بے حد مقبول تھے اور ان کے اساتذہ
کو ان کی ذات سے بڑی توقعات والستہ تھیں لیکن عملی زندگی
گنہگار میں بسر کی اور وقت سے پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے حالات
سازگار ہوئے اور ان کے ذاتی جوہر کی قدر کی جاتی تو وہ آسمانِ ارباب
پر چاند بن کر چلتے لیکن ان کی قسمت میں نہ تھا وہ ان لوگوں میں سے
جن کو اپنے جہ پر ذاتی کا پورا پورا احساس ہوتا ہے اور جب اس
کو نا قدریوں کا شکار ہوتا دیکھتے ہیں تو خود ہی بڑھک اس کا گلہ
گھوٹ دیتے نہ یہ اور ساری زندگی اپنے آپ سے انتقام لیتے رہتے
یہی ہے

میر حسن صاحب حیدر آباد دکن کے قدیمی دانشور
تھے وہیں ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئے ۱۹۳۵ء

میر حسن

میں جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا۔ ایک مدت تک سٹی کالج اور نظام کالج
میں اردو کے اساتذگی حیثیت سے خدمت انجام دینے کے بعد
نشتہ گاہ حیدر آباد میں منتقل ہوئے وہاں سے آپ کا تبادلوہ حیدر
ہو گیا تھا جہاں سے آل انڈیا ریڈیو کے لئے ان کی خدمات حاصل
کرائی گئیں۔

میر حسن صاحب کا لب علی ہی کے زمانہ سے اپنی غیر معمولی ذہانت
اور سلیسہ ہوئے ادبی مذاق کی وجہ سے ادبی حلقوں میں عزت کی نظر
سے دیکھے جاتے تھے وہ بزم اردو کے معتمد، انجمن طلباء ہائے عثمانیہ
کے صدر، مجلہ عثمانیہ اور مجلہ طیل ساقی کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں ان
کو سیرانِ طریف کیا جاتے تو بجا ہے بڑے محسن آدمی تھے ہر بزم
میں گلہ سستہ اور ہر محفل میں سچوں تھے جس محفل میں بیٹھے وہ لطائف
و لالائف سے زعفرانِ زار بن جاتی۔ جہانستان کے خالقوں میں سے
تھے آج بھی ان کی بدولت سخی اور حاضر جوابی کے چرچے عثمانی برادری کے
حلقوں میں گرمی محفل کا باعث ہوئے ہیں۔ وہ شریکِ چہتے تھے اور
اپنے رنگ میں منفرد تھے ان کی تصانیف میں پوش کے ناخن کے
علاوہ مٹری تصانیف کے اردو تراجم اور دزد و دزدخ اور اس کا شاعری
قابلِ ذکر ہیں۔

اشک صاحب سلسلہء حیدر آباد
دکن میں پیدا ہوئے نوابہء حیدر آباد

جلال الدین اشک

کے صاحبزائے اور پرنسپل ملازم الدین کے سبکی تھے ابتدا کی تقسیم
 مفید کام باقی اسکول میں ہوئی اور وہیں سے میزک کا امتحان
 پاس کر کے ہامو عثمانیہ میں داخل ہوئے سلسلہ ۴ میں بی۔ اے
 اور سلسلہ ۶ میں ایل ایل بی کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور
 محکمہ کرورنگری میں ملازم ہوئے۔ ابتداء میں ان کا فخر اسپن کی
 جاتی اور پربو تھا۔ لیکن بعد میں ترقی کر کے مددگار مہتمم ہو گئے
 تھے، انکے صاحب سلسلہ ۴ میں ہامو عثمانیہ کما بلڈ ٹرن ملے تھے
 انکے صاحب ہامو عثمانیہ کے ابتدائی دور کے خوش فکری عہدوں
 میں تھے اور اپنے صلیب کل مشرب اور بھیسے ہوتے ذاتی کی وجہ سے
 ادبی حلقوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے انکے شاعر
 ہونے کے ساتھ نثر نگاری بھی کرتے تھے ان کی دو تصانیف تنبیہ
 کا انتقام اور ملک گوہر بھی شائع ہو چکی ہیں تنبیہ کا انتقام ایک طنزیہ
 ہے جو ان کی انداز میں لکھا گیا ہے اس طنزیہ میں بغول پرنسپل
 عبدالمعین خان باقی کہ "ہماری تہذیب بھیمان کا انتقام ہے جو ان کی
 کے بچوں کے ساتھ لیا جاتا ہے ملک گوہر میں مستطوم ڈرامہ ہے، ان
 کی طیر مطبوعہ تصانیف میں مجموعہ کلام کے علاوہ ٹرکٹوں کا مشہور قابل
 ذکر ہے یہ بھی ایک طنزیہ ہے انکے صاحب سلسلہ ۶ میں پاکستان
 چلے گئے تھے وہیں ان کا سلسلہ ۶ میں انتقال ہوا ہے
 انکے صاحب نے سلطان رضیہ کے میدان جنگ کا نقشہ کھینچا ہے۔

ہاتھ میں تیردکانی اور کمر میں تلوار لے
دو دھ پیر زلف سیاہ گوش میں در شہوار
زیر و ان اسب بیک پر دو ہر زقار
تنتائے ہوتے گرمی سے وہ دونوں رخسار
آج میدان میں رعبہ کی سپہداری ہے
سکھانے لکھی یہ زمانہ سے طرہداری ہے

غنیے کھلنے ہیں خدا سے تیری	طور چلتے ہیں ندا سے تیری
گو ہر اٹک مہل ہے نسبہ	نشاہ بھی ایک گدا ہے قبرا
شدت غم سے سو بر تخت جگر	دید کا تر سے لگتا ہے باہر
دلی معطر میں غلش ہو جس دم	سوزِ ذقت کی تپش ہو جس دم
باتے اس وقت ترا کیف وجود	دردِ مزدوں کا ہے نہنا معنود
تو نہ پوتا تو جہاں تھا یہ خراب	
گو ہر اٹک یہ ہو تے نایاب	

سید محمد اکبر وفاقانی
اکبر صاحب حمید آباد دکن میں پیدا
ہوئے ابتدائی تعلیم دارالعلوم میں
پائی اس کے بعد جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں سے بی اے ایل ایل
بی کا امتحان پاس کیا اس کے بعد دکانت کرنے لگے۔

اس نے شعر بھی کہے، ان کے لیے اوتھتھو یہ بھی کہیں کہیں جہاں آباد
 میں ان کی شہرت حسن کاری کے نقاد کی حیثیت سے ہوئی۔ اسلوں
 نے فنون لطیفہ و لطیفہ مصری اور اس کی تاریخ کا طبعی نظر سے
 مطالعہ کیا۔ مختلف کا ترتیب کے ہیکل سے ہیکل لڑی کر سمجھتے
 تھے اور بڑے سے بڑے معرکہ کو لاکھ دیتے تھے جہاں آباد
 کے معرکہ ان کا بڑا احترام کرتے تھے وہ ایک دہائی تک اسکول
 آف فائن آرٹس میں تاریخ حسن کاری کی پڑھائی ہے ان کی کوئی
 مستقل تصنیف نہیں ہے۔ لیکن معائنہ کی تعداد اتنی ہے کہ کئی مجموعے
 شائع ہو سکتے ہیں۔ ۱۷

حکایتوں میں محبوبہ ثانیہ کے ایڑے پڑتے "حسن کار" نام کا
 ایک سارہ دہائی تک ڈکالا اعلیٰ کلام سے زیادہ دل سچے نہیں تھے
 غزل کی کہتے تھے۔ نظم میں انھوں نے کمال حاصل کیا سفا تاج
 محل کو دور سے دیکھ کر کہا۔

ایک خوب کی دنیا میں کھڑا دیکھ رہا ہوں
 میں دہریہ میں تعبیر نہ دیکھ رہا ہوں
 وہ گنبد و محراب، وہ مینار و منکب
 ہوں محو جسم، کوئی خواہیدہ حسینہ
 یوں دور درختوں میں جو جلوہ نظر آیا
 بادل سے کوئی چاند نکلتا نظر آیا

برخاستے متناسب کوئی گوبر کی ردا ہے
 اک حور ہے جو مری جالی میں کھڑی ہے
 برقبہ چیتا ہوا، پیرے کی گنتی ہے
 یہ مند کا احرام، زلیخا بدنی ہے
 مدخیزہ اقبال سلاطین کہیں اس کو
 تیمور لنگی اولاد کی تمکین کہیں اس کو
 گنبد ہے کہ یہ لوح دل شاہجہاں ہے
 جوانی بٹھکانے کے نمود گراں ہے

باقی صاحب جید آباد کے ایک
 نوجوانی حال گھرانے میں پیدا ہوئے
 البتہ تعلیم مختلف اسکولوں میں پائی

عبد القیوم خاں باقی

جامعہ عثمانیہ سے فارسی میں ایم اے کیا۔ اور دو سال تک ریسرچ اسکالر
 کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں محکمہ تعلیم سے وابستہ
 ہو گئے، جہاں سے ۱۹۴۷ء میں جامعہ عثمانیہ میں تبادلہ ہوا بارہ فیروزہ
 سال تک مختلف کالجوں میں پڑھاتے رہے۔

باقی صاحب ادب اور فنون لطیفہ کی انسائیکلو پیڈیا نیچے، فارسی
 انگریزی لہجہ اردو ادبیات، مشرقی، مغربی فلسفہ، رقص، مصوری، موسیقی
 اور فن تعمیر کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اور جدید قدیم ترکیوں اور کاتب
 سے ماخوذ کتب سے زیادہ سے کہیں پڑھنے میں ریکارڈ ٹوڑ دیتے تھے
 تعجب اس بات پر ہوتا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے باوجود وہ مصوری اور نثار
 کے ریاہن کے لئے کیسے وقت لگاتے تھے، فن سار کے ماہر تھے

حیدر آباد میں جو اس فن کے استاد تھے وہ بھی ان کے کمال کے معترف تھے۔ ہاتھی صاحب مردہ اہانت میں بطبع آزمائی کرنے کے لئے مولوی زہانوں کے بعض بنی ہیکاروں کو لہزد میں منتقل کیا تھا۔ اس میں جرمن شاعر گوٹے کے ڈرامے فادرسٹ کا محکوم ترجمہ کیا ان کی غنائیوں میں یوسف زلیخا کا مرتبہ بلند ہے یہ شاعر اور نثر نگار دونوں حیثیتوں سے ایک انتہائی مقام رکھتے تھے لیکن نہ کووندگی میں وہ خراج عقیدت نصیب ہوا جس کے وہ مستحق تھے اور نہ موت کے بعد ان کی وہ تصانیف منسلک عام پرائسنگس جو سودوں کی معصرت میں پڑی اردو ادب کے تھکیہ اروں پر قائم کر رہی ہیں۔ ان کے تنقید کے معنی میں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کی تنقید دل میں جمالیات کے داخلی تصور انفرادیت اور ہیئت کو بڑا دخل دیتا تھا۔ بنیادی طور پر وہ رد مانی اور تالواری رہتے تھے دلداد نہ تھے وہ پی ایچ ڈی کئے اردو شاعری کا جمالیاتی مطالعہ کے موضوع پر کام کر رہے تھے اگر موت نے انھیں بے وقت چھین نہ لیا ہوتا تو یہ مطالعہ یقیناً اردو ادب میں ایک متعلیٰ اضافہ ہوتا۔ ان کا سلفیہ خیال میں عارضہ قلب کی وجہ سے انتقال ہوا ہے سلفیہ میں مجاہدانیہ کے مدیرہ چکے ہیں محمود غزنی سے چین سے دل چسپی شاعری، شغوب کہتے تھے ان نے آدم ایک نظم ملاحظہ ہو

ہے چین میں شور مستانہ مرا برنگی دلچیز ہے افانہ مرا
 جاں فزاغوں کی سن کرندیب جھانکتا پیرتی ہے کاشانہ مرا

قطرہ نئے بن گیا، دریا مجھے سے
 اُسے اے موسیٰ کہ بس اب کچھ نہیں
 سچتے تھے لوہا دان جین
 موت ہے اس پر سکون سستی بڑی
 سحر نہیں بکنت تھا پس اندھ مرا
 جلوہ تھا اک بے حجابانہ مرا
 عشوہ دانداز ترکانہ مرا
 حشر ہے اک شور زندانہ مرا
 مجھ میں پنہاں ہے زمین و آسمان
 میرے اندر ہے پرکھانہ مرا

خاک سے نیچا ہے میرا آستان

عیش سے ادنیٰ ہے کائنات مرا

نبی الحسن شمیم

فہم صاحب حیدر آباد کے قدیم رہنے والے ہیں
 خانہ عثمانیہ کے تعمیر یافتہ تھے سن ۱۲۹۹ھ میں
 محلہ عثمانیہ کے مدیر رہے، تعلیمی کرائے
 تھے، شورش عری سے دل چسپی تھی، شور خوب کہتے تھے، غزل پر
 توجہ نہیں تھی نظم پر زیادہ وقت صرف کیا،
 نزد دور سے مخاطب ہیں

تیری محنون ہے دنیا کی بہ بن چل ساری
 ترا احسان ہے کہ نہیں ہیں عمل کی جلدی
 ترے قربان کہ ~~میں~~ تدبیر ہوا
 خانہ کعبہ نیرے ہاتھ سے تعمیر ہوا
 تجھ کو دیتے ہیں دعا مسلم و کافر دونوں
 ترے محنون ہے مسجد و مندر دونوں

حیدر آباد میں جو اس فن کے استاد تھے وہ بھی ان کے کمال سے معترف تھے، ہاں صاحب مردہ المات میں طبع آزمائی کرنے کے لئے مولیٰ زبانوں کے بعض ہی ہیکاروں کو لہو و لہجہ میں منتقل کیا تھا۔ اس میں جرمن شاعر گوٹے کے ڈرامے فاؤسٹ کا مستلزم ترجمہ کیا ان کی غنائیوں میں یوسف زلیخا کا مرتبہ بلند ہے یہ شاعر اور نثر نگار دونوں حیثیتوں سے ایک انتہائی مقام رکھتے تھے لیکن نہ کووندگی میں وہ خراج تحسین نصیب پاسا جس کے وہ مستحق تھے اور نہ موت کے بعد ان کی وہ نصیب یافتہ نظر عام پرائسز جو سودوں کی مصدات میں بڑی اردو ادب کے تنقید اوروں پر قائم کر رہی ہیں۔ ان کے تنقید کے معنائین کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کی تنقید دلی میں جمالیات کے داخلی تصور انفرادیت اور ہیئت کو بڑا دخل دیتا تھا۔ بنیادی طور پر وہ رومانی اور تالرائی رنگ کے دلدادہ تھے وہ پی، ایچ ڈی کے اردو شاعری کا جمالیاتی مطالعہ کے موضوع پر کام کر رہے تھے اگر موت نے انہیں بے وقت چھین نہ لیا ہوتا تو یہ مقالہ تحقیق اردو ادب میں ایک مستقل اضافہ ہوتا۔ ان کا سلف لاء میں عارضہ قلب کی وجہ سے انتقال ہوا سلف لاء میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر رہ چکے ہیں غرض عری سے چمن سے دل چسپی تھی، شغوب سمجھتے تھے افسانہ آدم ایک نظم ملاحظہ ہو

چمن میں شور مستانہ مرا بر غل و غنچہ ہنے افسانہ مرا
 چمن زانوں کی سن کر فلیب بجا نکلا سیرتی ہے کاشانہ مرا

قطرہ لے بن گیا، دریا جے سے
 سحر نہیں ممکن تھا پیمانہ مرا
 اسے اے موسیٰ کہیں اب کہیں
 جلوہ تھا اک بے محابانہ مرا
 کیسے تھے لوہا دان چین
 عشوہ و انداز ترکانہ مرا
 موت ہے اس پر سکون مستی بڑی
 حشر ہے اک شور زندانہ مرا
 مجھ میں پنہاں ہے زمین و آسمان
 میرے امد ہے عرفانہ مرا
 خاک سے نیچا ہے میرا آستان
 عشق سے ادنیٰ ہے کائنات مرا

نبی الحسن ستیم

نہم صاحب حیدر آباد کے قدیم رہنے والے ہیں
 خانہ عثمانیہ کے تعمیر یافتہ تھے
 محلہ عثمانیہ کے مدیر رہے، تعلیمی کارئے
 تھے، شورش عری سے دل چسپی تھی، شور خوب کہتے تھے، غزل پر
 توجہ نہیں تھی نظم پر زیادہ وقت صرف کیا،
 نزد دور سے مخاطب ہیں
 تیرا نمون ہے دنیا کی بہل چل ساری
 ترا احاطہ ہے کہ نہیں ہیں عمل کی جدی
 ترے قربان کو ~~میں~~ تدبیر ہو
 خانہ گنج تیرے ہاتھ سے تعمیر ہوا
 تجھ کو دیتے ہیں دعا مسلم و کافر دونوں
 ترے نمون ہے مسکند و مسذر دونوں

نجم سے معمور ہوئے تہذیب کے سب گچھوارے
 تیرے کاوش کا نتیجہ ہیں تمدن سارے
 اپنی فطرت میں صبر ہے یہ معموری ہے
 دھن جو کر تے ہیں ان اں وہ مزدوری ہے
 تو نے فطرت کے ذخیروں پہ کیا ہے قبضہ
 تیرے ہاتھوں سے کر سبلی کا لڑ ہے پیدا
 جوش اپنا رنگی راہوں میں دکھا با تو نے
 اپنے مقصد کے لئے خون بہا یا تو نے
 اس طریق پر سبھی پر ہے اثر لوگوں پر
 آج بھی تیری حکومت ہے مٹی ملکوں پر

آفتاب گنگا و حیرا بوسین، لیوا بازار کلکتہ سے یہ رسالہ نکلا
 کوٹھورہ پر سوا ۸۰ صفحہ پر نکلتا تھا، سودنا
 صورت کا تیسری اس کے ایڈیٹر تھے علاوہ معمول ڈاک چند سالانہ
 در دیے بارہ آنے تھا۔

مہندوستان کے مولر جوبیل نے اس رسالہ پر نیشنل انڈیا ریویو کے
 پانچویں کے شمارہ اخبار مہندو دہلی نے مورہ ۱۲ جون ۱۹۱۷ء کو اس
 پر تبصرہ کیا تھا۔

”شترتی مہندوستان کا واحد معبود مصحف جس میں اسرائیل قلم کے منجید
 طبقہ پانچویں دلی حبیب افغانے اور شہید معبود کے ساتھ ہمارے لئے
 آج کے ہیں زبردست مولانا حسرت کا تیسری زمین کلکتہ سے نکلتا خراج

ہوا ہے رنگیں تھا در کی اشاعت کا فاضل انتقام کیا گیا ہے جو اصحاب
نظم اگت سلاطین عہدنگ خریداریوں گئے ان کی خدمت میں ایک بار د
ضلع کے کا دلا دیزا دلی عیاشی کا انجام صفت نقد کیا جائے گا۔

چراغ حسن حسرت کا تمبیری کے

والد ماجد شیخ در الدین تھے

حسرت علیہ السلام میں کثیر کے

چراغ حسن حسرت کا تمبیری

ایک چھوٹے سے گاؤں ببار میں پیدا ہوئے جو بارہ تولہ سے چند ہیں دور
ادھر دریائے جہلم کے کنارے واقع ہے جو آپسے نام تاریخی ہے چین میں تاپا
نے گولے لیا تھا۔ چنانچہ اسوں نے ہی ان کی پرورش کی ان کے نانا
بھی نعرے حسن شخص تھا ان سے اور اپنے والد ماجد سے اقتدار میں
گلستان اور بوستان پر بھی بعد میں سکندر نامہ، یوسف زلیخا، اور نیرنگ عشق
کا مطالعہ کیا عربی میں بھی کئی قدر استعداد تھی، انگریزی کی تعلیم میٹرک تک
پہنچ چکے تھے، جہاں آپ کے نانا لبلبہ ملازمت معین تھے اس کے بعد
ملشی فاضل اور ایف اے کے امتحانات میں شامل ہوئے کچھ دلوں تک
معتدل مدارس میں بیٹھ اور ٹیبل ٹیپر کے فرائض انجام دیتے رہے، تعلیمی
کے کام سے دلی لگا رہا تھا۔ اس نے کلکتہ گئے وہاں صحافی زندگی
گزار لی شروع کی۔ مقتدر جرائد، عصر جدید، نئی دنیا، جمہور اور استقلال
میں فرائض ادارت انجام دینے شروع کئے چھوڑ کر تک مولانا ابوالکلام
آزاد کے اخبار نیلام میں بھی کام کیا آفتاب کلکتہ کے ایڈیٹری کے
فرائض بھی انجام دئے۔ لاہور میں بھی آفتاب جاری کیا، زمیڈر
الفان، احرار اور دیگر لاہور کے اخبارات کے اداروں سے تعلق

باساد سید دارالملک حضرت پنجاب میں ملازم ہو گئے، جہاں کتابوں کی نظر مانی اور تہذیب لٹروں کی ادارت کا کام آپ کے سپرد ہوا۔ اس احسان اہد سے ادارہ میں شامل رہے آپ کی منتقلی اور بلند پایہ تصنیف تاریخ اسلام ہے اگر اور کوئی کتاب لکھی ہے تو اپنے نام سے نڈنے نہیں کی ہے جو اخبار لولہ نہ تھی رسالوں میں معنایں بہت کم لکھے لیکن چند اشخاص نے اعلیٰ پایہ کے طبع زاد نسخے نشر میں زبان اور محاورہ کی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے۔

آپ نے شاعری میں بھی سے شرف تلمذ حاصل نہیں کیا لیکن اہل فہم تاد عظیم آبادی سے خواہش قاصر کی تودہ اس وقت بصارت و ممانعت سے محروم ہو گئے تھے اس نے اظہار ح نہ دے سکے آپ بغیر استاذ ہی رہے۔

آپ کا میلان عربی کی طرف زیادہ تھا اور نہایت ماکثرہ اشعار کہتے تھے عورتوں اور بچوں کے بے تعلیق لکھی ہیں شہر سیاسی تعلیم بھی لکھی ہیں جو فارابی اور لیس بابا کثیری کے فرضی ناموں سے شائع ہوئیں۔ سخن نہیں اور شکر گوئی نہیں آپ کا مذاق نہایت شستہ اور لطیف ہے نام خود سے سمجھا گئے ہیں۔ کلام پڑھتے ہیں اور محفوظ دہوئے میں ملکہ محبت کس قدر مایوس آؤں معلوم ہوتی ہے

ترے ہر عطر کی بربطش "نہیں معلوم ہوتی ہے"

یکس کئے آستانِ رجب کو زودتی سب سے کیا
 کہ آنج اپنی جبین اپنی جبین معلوم ہوتی ہے
 محبت تیرے جلوے کتنے ہنگامہ علیہ میں
 کہیں محسوس ہوتی ہے، کہیں معلوم ہوتی ہے
 جوانی مٹ چکی، لیکن غلشِ بد و محبت کی
 جہاں معلوم ہوتی ہے وہیں معلوم ہوتی ہے
 امید وصل نے دھوکے دتے میرا سنا قدِ حسرت
 کہ اس کا ذکر کی پالی بھی اب نہیں منقوم ہوتی ہے

دل بلا سے نثار ہو جائے آپ کو اعتبار ہو جائے
 قبرِ تر بار بار ہوتا ہے لطف بھی اک بار ہو جائے
 دل پہ مانا کہ اعتبار نہیں اور اگر اعتبار ہو جائے
 اے تیس رنجہ ناؤ لیلیٰ نہ ہو کہیں،
 بجلی سی اک چمکتی یہ منزل کے سامنے
 حسرت کو لے آئیں قریٰ بزمِ ناز میں
 کج بحثِ دوزخ دے کہیں محفل کے سامنے
 رات کی بات کا ذکر ہی کب چھوڑائے رات گئی بات گئی
 اب کی برسات میں بھی پی نہ سکے ہم پہ روئی ہوئی برسات گئی
 دمِ آخر وہ آگئے حسرت
 موت سے اب کوئی بہانہ کریں

ستارہ میور
یہ ہفتہ دہا خدیو میور سے ۱۲۲۱ھ کو جاری ہوا،
تندرہ صفحات پر مشتمل تھے۔ محمد سلیمان پرورد از
بنگوری کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا۔ سالانہ چند

چار روپے تھا۔

محمد سلیمان پرورد از
پرورد صاحب بنگور کے ارچنے والے تھے
ان سے والد ماجد عبدالمکریم صاحب نسخے
لی لے کر تعلیم پائی۔ یہ وہ دور تھا
جب بنگور میں مسلمانوں میں انگریزی دالوں کی بے انتہا کمی تھی مگر جو میٹ
بنے کے بعد سبھی آپ کے ملازمت نہیں کی۔ کپڑے کی تجارت شروع کی۔
پرورد صاحب کو شروع کی عری کا حقوق تھا، غنہ خاں صاحب
اور محمد اعلیٰ کو کلام دکھانا شروع کیا۔ اور حضرت سیات اکبر آبادی سے
بھی شروع کیا۔ ۱۲۲۱ھ میں سندھ میور ہفتہ وار جاری ہوا۔ تا دم
زیست علی داد بی اور صفائی سرگرمیوں میں مصروف رہے ۱۲۹۹ھ میں
فوت ہوئے۔

دکھائے کیوں درنگ قناعت رسول کی
مومن کو نام حق سے بے دولت رسول کی
سالم نہ کیوں رہے دلی پہ از خاک میں
دل میں بھر کہ ہے اس کے محبت رسول کی

دل

آگرہ سے یہ ہادیہ بنی حنا کے علاوہ کوہاری سوا ۴۸
مضامات پر لکھا تھا۔ اس کے ایڈیٹر حکیم سعید علی الحسن
نشاب اکبر آبادی تھے مگر انہ چنیدہ ذہنی مدد پرے تھا۔

نشاب صاحب کے
والد حکیم بہشتی
علی ابن مولوی حکیم

حکیم سید وحی الحسن نشاب اکبر آبادی

سید محمود علی رئیس آگرہ بن حکیم مولوی سید امام علی ابن مولوی سید محمد میر
برادر مولوی سید امجد علی اکبر آبادی علی گھرانے کے خود تھے علمی علوم کے
معمول کے بعد فن طب کی تحصیل کی، آپ کا شمار ہدی طور پر سیر اطباء
اکبر آبادی میں تھا۔ آپ کو شوق عری کا شوق تھا، مرزا انجن حسین فلک
سے اصلاح لی، ایک ماہانہ رسالہ عرصہ تک آپ کے زیر ادارت دلی
جاری رہا۔ ایک کتاب و خانہ زیر تالیف تھی لے
آگئی شان عاشقی حسن جفا شہر میں

حسن کو کر کے مضطرب خود بھی نہیں قرار میں
طور یہ کل جو چنگ تھی میر کی شبلی جمال
آج سمٹ کے آگئی سرے دل نگار میں
اس سے ڈبا دہ اور خطا کچھ نہیں رہی
انک سانس لی تھی عالم ناپا سنے دار میں

یہ ماہ ذی الحجہ ۱۲۸۲ء کو آگرہ سے نمودار ہوا۔ ہم ۱۰ صفحات پر نکلتا تھا اس کے مدیر جناب مسٹر صدیقی تھے۔

سالانہ چنڈہ عین رو پے تھا۔

اس لئے سے ہندوستان کے مسلم راجپوتوں کا آئین
۱۲۸۴ء سے ہفتہ وار جاری ہوا۔ ہم
۱۰ صفحات پر مستقل تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی
محمد عبداللہ منہاس تھے سالانہ چنڈہ چار روپے تھا۔

اس اخبار کا اختصار سالانہ سودمند بدایوں مورخہ اگست ۱۲۸۴ء
میں حسب ذیل شائع ہوا تھا۔

زمانہ حال کا بہترین ہفتہ وار اخبار اور ایک کردار مسلم راجپوتوں
کا داہد آرگن ہے مسلم راجپوت جو عہد حاضر کے نامور ادیب اور
صائب الائے اخبار نویس جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب منہاس کے
ذریعہ ادارت تمام کاہری و معنوی خوبوں کے ساتھ امرتسر سے سلسلہ وار
شائع ہوتا ہے، اخبار راجپوت نے نہایت قلیل مدت میں جو سلسلہ
درجہ امتیاز اردو اسلامی اخبارات میں حاصل کر لیا ہے وہ اس کی
دونوں اذول تعداد اشاعت سے ظاہر ہے اور باب نظر لے نہ صرف
مسلم راجپوتوں کے لئے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے معانین اندیز کا غنہ نکھلتا
چھپائی و غیرہ کے لحاظ سے عہد جدید کا بہترین ہفتہ وار اخبار تسلیم کر لیا گیا
ہے۔

قرطاس

یہ ہفتہ در اخبار سلسلہء عام کو اردو سے خود اردو
۸۸ صفحات پر مشتمل تھا، مالک ایڈیٹر سعید
دلی حیدر صاحب تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔
نہی اور قومی اخبار تھا۔ اس زمانے کے قومی مسائل پر
آزادانہ تنقید کی جاتی تھی۔ عام چیزیں ملکی وغیرہ ملک کی رونق پونے
تھیں، فوشس بھی تحریر کئے جاتے تھے۔

سہیل مین

دستور بہ سٹریٹ لکھنؤ سے یہ ماہانہ ادبی رسالہ
سلسلہء عام کو وجود میں آیا۔ ۸۸ صفحات پر
مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر سید لو اب علی رمضانی
تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ فورالمطالع لکھنؤ میں چھپتا تھا۔
رسالہ سحر و اعظم گڑھ نورظم جون سلسلہء عام میں اس رسالہ
پر یہ رپورٹ کیا تھا

اردو کے مرکز لکھنؤ سے سہیل مین نام کا جریدہ ابو البراء سید ظفر
ہمدانی اور سید لو اب علی رمضانی کی ادارت میں انقی فورالمطالع
دکنڈیہ اسٹریٹ لکھنؤ سے طلوع ہو کر دفتر سہیل مین سے ضیاء بار سوا
ہے تعجب ہے کہ لکھنؤ جو ہمیشہ لکھنؤ کی مل اردو کو تولیہ دے رہا
ہے ابو البراء السید الرمضانی مرکز القلم اور انشائیہ عیسوی ترکیبوں
کو تکیہ کر برداشت کر سکا۔

سہیل مین کا موٹو "انکر سوتھ" یعنی یہ تینوں یہ بار وجود اس کے
لفظوں میں ان نمبر یوں پر اعتراض کرے گا جو سنی بنکر شیعوں پر
حملے کرتے ہیں۔

جہان عزیز
لکھنؤ سے یہ امانہ رسالہ سلسلہ ۸ میں جاری ہوا
۸۰ صفحات پر لکھا تھا۔ اس کے ایڈیٹر دہلی

بگراہی تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس سال پر معارف اعظم گڑھ سورہہ جون سلسلہ ۸ میں یہ
تبصرہ لکھا ہوا تھا۔

لکھنؤ سے ایک جہان عزیز پرچہ مرتب لکھتا ہے ہم کو شبہ ہے کہ
تایید خود لکھنؤ نے جہان عزیز کو نہ سمجھا ہو تھا، لیکن پرچہ اپنی نوعیت کے لحاظ
سے خاص ہے اس کے مدیر جناب دہلی بگراہی کو شروع شاعری میں خالوادہ
امیر سے نسبت ہے اس نے ابھی اس درخواست کی گنجائش ہے کہ پرچہ
اس ادبی تفریح کا آئینہ نہیں معلوم ہوتا جسے لکھنؤ، پنجاب، حیدر آباد علی گڑھ
دیگرہ کے دوسرے مقامات پر حال ہونا چاہیے تاہم تا بلو مذمت نہیں ۱۱

۶۶ کو نوٹہ اسٹریٹ لکھنؤ سے یہ طبعی رسالہ خود ارسوا

۸۰ صفحات پر مشتمل تھا حکیم احسان اللہ صاحب اس

کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

شفا

معارف اعظم سورہہ جون سلسلہ ۸ میں اس رسالہ پر ایڈیٹر کیا تھا۔

بند رشتہ میں طبعی پرچوں کی جس قدر ضرورت ہے ظاہر ہے لیکن

انوس مارے ملک میں اردو کے پیچ پرچے دو ہی ایک ہیں جن سے کسی کا

بھی میاں بلند نہیں حال میں لکھنؤ سے شفا نام کا ایک پرچہ لکھنے لگا ہے

اس پرچہ کے مضامین کی نوعیت بتا رہی ہے کہ اگر کوئی شخص کی جائے

تو اس کا میاں بلند ہو سکتا ہے لیکن ضرورت ہے کہ گزشتہ سے

یہ سستہ کے سلسلہ میں کمی ہوئے

الجمال

لوگوں کو ال سالنگالی پنجاب سے سالانہ کو بیہناہ
وجود میں آیا۔ ۱۶ صفحات پر لکھنا تھا، حکیم جمال
الدین احمد اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ایک روپیہ
تھا، لاہور پرنٹنگ پریس میں طبع ہوتا تھا۔

الاکرام

خاص گنج بہار شریف سے یہ مندرہ روزہ اخبار ظہور
میں سالانہ کو آیا۔ ۸۸ صفحات پر مشتمل تھا مولوی
محسن عالم بہاری اور حافظ ظفر صاحب ظفر بہاری
کی ادارت میں لکھنا تھا سالانہ چندہ تین روپے تھا۔
الموسن لکھنؤ عرطہ ۲۸ فروری ۱۹۲۷ء میں اس اخبار پر حسب
ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

الاکرام ایک قومی مندرہ روزہ اخبار ہے جو مولوی محسن صاحب
عالم بہاری، حافظ ظفر صاحب ظفر بہاری کی ادارت میں لکھنا ہے سفین
نہایت پیچیدہ اور دلکش آمد ہوئے ہیں، جمعیۃ المؤمنین اور قوم میں اصلاحی
و نیداری کا خواہاں ہے، ترتیب سفین لکھائی چھپائی نہایت اچھی
کاغذ سفید اور چمکنے ہے۔

فردوس

برادری تاریخی و سیاسی انہماک سالانہ کو سفین آباد
سے نکودار ہوا۔ ۱۰ صفحات پر لکھنا تھا۔ ماسٹر
ادامین صاحب ناسد اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ

چندہ تین روپے تھا۔

روزگار

جائیدہ سے بہاؤ نہایتی رسالہ سالانہ کو ظہور پذیر
ہوا، ۵۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ جمعیۃ لبث دہس

اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چنڈہ دو روپے تھا۔ کٹن اسٹیم پریس جالندھر
میں طبع ہوتا تھا۔

درجہ ۴ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۲ء کو جاری
ہوا۔ ۴۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ مہینہ خیر سمودی
کی ادارت میں جاری ہوا تھا۔ تین شمارے لکھے
اس کے بعد بند ہو گیا ۱۹۲۹ء میں اس کو دوبارہ جاری کرنے کی
کوشش کی گئی، لیکن اس مرتبہ کمی درندوں سے زیادہ نہ نکال سکے
اس کے مدیر مولانا قمر الدین صاحب نے ۱۹۲۹ء میں منیری مرتبہ
جاری کیا اس مرتبہ اس کے ایڈیٹر مولانا طہ الہی نگر تھے وہ بھی دو
شماروں سے زیادہ نہ نکال سکے۔

یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۳۰ء کو نمودار ہوا
۱۰۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ادارہ تحریر
میں شاہ دلی الرحمن صاحب کا کئی وقتہ اذعان
الرحمن لعل اور شاہ فیصل الرحمن سمندر می تھے۔
سالانہ چنڈہ تین روپے تھا۔

لاہور سے یہ بزرگ بیعت دار اخبار خود ادارہ ہوا
۱۰۰ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چنڈہ چار روپے
تھا، اس اخبار کا اشتہار جولائی ۱۹۳۰ء میں بہارستان میں شائع
ہوا تھا۔

الغلاب

لاہور سے یہ ماہانہ معرور رسالہ لکھنؤ میں
علیہ افرود ہوا۔

۸۰ صفحہ پر لکھا تھا۔ جناب فتح چند
نسیم اور سر کنھیا لال ثاقب بی اے آنر اس کے ایڈیٹر تھے،
سالانہ چند تین روپے تھا۔

رسالہ بہار نان لاہور عرصہ جون ۱۹۲۷ء میں رسالہ الغلاب
لاہور کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوا تھا۔

یہ ہفت روزہ نامیہ رسالہ ادبی و سیاسی طور پر ایک بہترین رسالہ
ہے جو پرائیگ ریڈی کی ہینڈ کی سات تاریخی نوکر کرپٹیاب
بھی لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم
اور جاوید گارٹھراٹھ کرام اس کے دل چپ و مضامین
بنانے میں تندی کے ساتھ سرگرم و مستعد ہیں۔

مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ
ہے بلکہ اس کے اکثر مضامین یونیورسٹیوں اور خواہش کے
لئے بھی مفید اور دلنشین دہو کرتے ہیں اس کی مصداق
قریباً ۸۰ صفحات ہیں اور سائز ۲۶x۳۰ ہے اس میں
پرہیز ایک یا دو ہفتوں ہلاک کی رعین نقد ویر
نقد ناظرین کی جاتی ہیں اور ملاقات حاضرہ پر متعدد
پُر لطف سیاسی کارٹون بھی پیش کئے جاتے ہیں بالعموم
پر نقویہ کے متعلق مشہور عہد کی بلند پایہ نقیب زینت
ہوتی ہیں، قدر دانوں کی پیش کے ساتھ اس کے مجھ

لیکن غیر معمولی تاخیر اور صبر شکن انتظامیہ کے بعد ہم اس ارادہ پر فہم نہ رہ سکے اور صرف ان چند عربی اور انگریزی اخبارات و رسائل سے جو اس مہفتہ کی ذرا سی ڈاک میں ہم کو ملے ہیں تفویج کو مرتب کرنا پڑا۔ اس لئے تفویج کا پہلا نمبر ہماری کوششوں کا نمونہ ہے جبکہ مجبور یوں کا خاکہ ہے اس مہفتہ سے تا قاعدہ و لاہری ڈاک کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور آئندہ دو ایک مہینوں میں انتہائی عمدہ تمام رسائل و اخبارات جو ہم نے امریکہ دیورڈپ اور مصر و غیرہ سے منگائے ہیں آئے گئے ہیں اور یہ سچہ ہم اپنی کوششوں اور ارادوں کا نقش ثانی آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

روانہ تفویج و حقیقت بہت معیاری پر چڑھا۔ پہلی ہی شمارہ بھاری بھر کم تھا۔

اس کے پہلے نمبر کے مضامین بہ تھے۔

تذکرۃ الدیار (بابا فرید) از مولوی رحمت اللہ بلبل شہری، زمانہ قدیم
 میں امرائے حق و غیا پر، از آغا رفیع بلبل شہری، سیاحتات ہند
 از شہری بی اس علیک، کوکلی، مردہ رعوں سے زندہ رعوں کی بات
 حقیقت، خاطر اسناد، دوسرے سانب، جو تھ کی صدی میں امریکہ کی
 شرفی و دانشمندی، یہ پانچوں مطعون آغا رفیع بلبل شہری کے تھے، لہذا
 تھوں از مولوی رحمت اللہ بلبل شہری، سیاحتات ہند، از ابرار، نگاہ
 از مرزا عرونی علی بیگ، ڈچی کلکڑا، اسباب مشک (آفند) مرزا
 نے علی حشر تھدی،

یہ زمانہ حریت پسند تھا، ہندوستان کی آزادی کا حامی تھا۔ نذرعت

میں ہندوستانوں کو انگریز پیچھے رکھنا چاہتا تھا اور ان کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتا تھا۔ اس کی حقیقت اس نے جنوری سلسلہ کے شمارہ میں کھولی ہے۔

”ہندوستان کی اقتصادی حیثیت ہمیشہ سے قابلِ قدر رہی ہے اور آج سے اگرچہ آج وہ دنیا کا نفس ترقی یافتہ ملک ہے جس کے باشندوں کو عام طور پر دو وقت تکمیل ہو کر رہی ہے لیکن اس میں مشتبہ نہیں کہ اس ملک میں ان تمام دولتوں کے حوالے بد فہم ہیں۔ جو آج امریکہ، یورپ، جاپان اور روس میں نظر آتے ہیں فراغتی پیداوار کی فراوانی، معاشیات کی اعلیٰ دولت، مسابقت اور حرکت کی صحت، مغرب ترقی پسند ملک میں نظر آتی ہے، خدا کے فضل سے ہماری دولت یہی دنیا کے کسی ملک کے کم نہیں ہے۔ ہمارے آج دنیا کے بہترین رہائش گاہ ہندوستان ہی میں نظر آتے ہیں لیکن باوجود ان اعلائیات الہی کے دنیا والوں نے ہندوستان کو مغلوب الحال اور اس کے باشندوں کو وحشی اور غیر فہم بنا دیا ہے۔ کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی اور رفتہ رفتہ یہ خیال تمام عالم میں پھیلا دیا کہ ہندوستان ہمیشہ سے زرعی ملک ہے اور اس کی دولت اور ترقی کا انحصار محض عام زراعتی پیداوار ہی ہو سکتا ہے اس کو صنعت و حرکت اور تجارت سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ شاید اسی پر خود غلط اصول کے ماتحت اس سال صنعتی جدیداتی جدیداتی کمپنی کو جو بعض جہت کے مشہور رہا اور رسالے بنائی ہے اس کی اجازت نہیں دی۔ کہ وہ قیمتی اور آرام دہ بڑے جہاز خریدیں اور سفروں کی ڈاک کا انتظام کریں۔ اس طرح ایسی

کی بعض مشیخہ کمیٹیوں کو محکمہ تعمیرات کے نظم ناجائز اور ممنوع الامتعات
 قرار دینے کے وہ اس ذریعہ سے یورپ اور امریکہ کی عجاہت کا
 مقابلہ کر سکیں۔

اس حوالہ کی کتابت، طباعت، بہت عمدہ نسخی کردہ کاغذ بھی نہیں
 اور عمدہ لگایا جاتا تھا۔

جنوری ۱۹۱۲ء کو یہ طبی ماہانہ پیرچر ریلوے
 روڈ لاہور سے نمودار ہوا ۴۴ صفحات
 پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر امان اللہ صاحب بی اے
 ایم بی ایچ کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔
 اخبارچند روپی نے اپنے شمارے ۲۴ نومبر ۱۹۱۲ء میں
 اس پر یہ رپورٹ کیا تھا۔

یہ ماہوار طبی رسالہ زیر صدارت ڈاکٹر امان اللہ صاحب بی اے
 ایم بی ایچ (ریلوے روڈ لاہور) سے شائع ہوتا ہے اس کا رسول
 نمبر اس وقت ہائے پیش نظر ہے، بے لوثی کے مفادات پر مفید اور
 دل چسپ مضامین کے علاوہ طبی معلومات کے متعلق مضامین ہوتے ہیں
 لیکن اس طبی رسالہ میں جیتاں بالطائف و طرافت کے متعلق عنوانات
 بالمشاہد عام مذاق کے لحاظ سے اور توسیع اشاعت کے مقصد کو پیش
 نظر رکھ کر قارئین کے لئے ہر روز ایک طبی رسالہ کو جس کا مقصد خاص جملہ
 مذاہب و طبیبہ پر کسی نقطہ نگاہ سے آزادانہ بحث و غیرہ ہو۔ اس
 قسم کے عنوانات سے کیا تعلق ہے۔

زبان

پیرسالہ شکر دلی کا شہادہ سے جنوری ۱۹۱۴ء کو وجود
میں آیا۔ ۶۴ صفحات پر لکھتا تھا اس کے ایڈیٹر
عبدالرحمن خوشتر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

کا شہادہ سے اس رسالہ کے جاری ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے
کہ اردو بلندستان کے ہر کوئی میں بھولی ہے اور بولی جاتی ہے۔
اسی انداز کا ریویو اس رسالہ پر اخبار مہمند دہلی مورخہ ۳۱ فروری
۱۹۱۴ء میں شائع ہوا ہے۔

• شکر دلی کا شہادہ سے لکھنا شروع ہوا ہے اب تک اردو رسائل
کا اجراء زیادہ بد پنجاب تک محدود تھا۔ اس ایک رسالہ کے دوران
میں لاہور سے معلوم کئے گئے رسالے لکھے ہیں جو تقریباً سب ایک طرف
کئے ہیں اور بقول مصارف کے اگر ان میں سے ایک کا سر دوق دوسرے
پر لگا دیا جائے تو فرق نہ ہوگا۔ پھر حال پنجاب سے اردو رسالوں کا اس
کثرت سے لکھنا عجوب خیز ہو یا نہ ہو، لیکن کا شہادہ اڑھسی جگہ سے اردو
زبان میں ادبی رسالہ شائع کرنا یقیناً قابلِ قدر ہے ایسی صورت میں
جبکہ کا شہادہ اڑھ کے مسلمانوں کو اپنی اردو دانی کا کوئی دعویٰ نہیں ہے
وہاں سے ایک علمی و ادبی رسالے کے اجراء سے اردو ان کا شہادہ اڑھ
کے ذوق کا پتہ چلتا ہے، رسالہ کے ایڈیٹر عبدالرحمن خوشتر کا انتخاب
مصنفین سے ان کے علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے ترتیب مصنفین کے بہت
درباحت کی طرف ذرا اور توجہ کر دی جائے تو یقیناً زبان بہت سے
تجارتی رسالوں سے اچھا ہو جائے گا، ہم دعا کرتے ہیں کہ خوشتر
صاحب زبان کے ذریعے اپنے صوبہ میں اردو زبان کی خاطر خواہ

خدمت کر سکیں۔

الامین

بہار شریف سے جنوری ۱۳۱۷ء کو پہلی رسالہ
گلور پذیر ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا، سید
محمد شفیع صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ

چھ مہینے تک چلتا تھا۔

یہ رسالہ اصول پرست تھا۔ عام رسالہ کے کارکنان اختیارات
کے لئے میں خواہ حزب اخلاق ہی کیوں نہ ہوں کوئی پس و پیش نہیں
کرتے تھے اخلاقی پراقرضائے دالے والے اختیارات بھی مانتے کرہیت
تھے لیکن الامین کے ذمہ دار لوگوں نے حزب اخلاقی اختیارات چھاپنے
پر پابندی لگا دی تھی اور وہ ایسے اختیارات اپنے رسالہ میں

نہیں چھاپتے تھے، یہ بات کو لانا محمد علی جوہر کو بہت پسند آئی جیسا سچا سچوں نے
اپنے اخبار مہر دہلی کو برخلاف ۳۱ مارچ ۱۳۱۷ء میں اس پالیسی کو اس کے
رپورٹ میں سراہا ہے۔ الامین سید شاہ محمد شفیع صاحب کی ایڈیٹری میں
بہار شریف سے گزشتہ ماہ جنوری سے نکلنا شروع ہوا ہے، ایڈیٹر صاحب
کو اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ بہار شریف جہاں کا تمدن قدیم، جہاں کے
علوم و فنون، عقل و کمال ظاہری باطنی کے چشموں سے مدت تک افکار، علم
کو سیراب کیا ہوا ہے اب اس پر گھٹا ٹوپ تاریکی چھا جائے کہ یہاں سے
علمی دادی رسالہ نکلا کر قوم و ملک کی خدمت نہ کر سکے۔

چنانچہ انہوں نے رسالہ جاری کر کے اس کمی کو پورا کیا ہے، جہاں تک
معنا میں کا تعلق ہے اچھے اور دل چاہے خواہ مخواہ فعل و خیر میں
کو قائم کر کے لغو بات سے رسالہ کو دور کر دینی نہیں کیا گیا ہے اگر یہ ہی

اللہ از قلم رکھا گیا تو رسالہ اچھا ہو جائے گا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مالکانِ رسالہ نے خلافِ قہدیب اشتہار نہ لینے کی پابندی کرتے ہوئے دوسرے رسالوں کے لئے نیک اچھی مثال پیش کی ہے۔

مرقع ادب

انہاں سے بہ ماہانہ ادبی رس جنوری ۱۹۳۷ء کو
نکودار ہوا۔ اس مہینے پر شش نگار، ایک طرح سے
اسماعیل بی، اسے ابن ابن کی دکن فیروز گنگوڑا پری
کی تھے اسلار حمزہ تین روپے تھے۔

تورشید خاور

کراچی سے یہ سیفیت : اخبار جنوری ۱۹۲۸ء
کو جلوہ انگن سوا - ۵ صفحہ پر لکھا تھا
محمد رفیع اس کے ایڈیٹر تھے - سارا جیندہ

ساتھ رہے سنا۔

رسالہ لیرنگ خیالی موضوعہ فروری ۱۹۲۹ء نے اس رسالہ پر۔

بہارِ یو کو کیا شکار۔

یہ کراچی کا جدید صنعتی دارالخبرہ ہے جو جناب محمد عاں حسرت کی زیرِ ادارت شائع ہو رہا ہے۔ کراچی سے اور وہاں میں ایک اچھے صنعتی دارالخبرہ کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی جو غور و تشفی کے اجاز سے پوری ہو گئی ہے۔ جناب محمد عاں صاحب ایڈیٹر ادارہ سے یہ جہنمیت محنت سے مرتب کیا ہے۔

پہلے ہی منہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حشر شدہ فادر ترقی کرے گا
آراوی، حشر شدہ اور حق گوئی کا شرف ہے امید ہے کہ افکار، بیانی
اور سندھ میں بہت مقبول ہوگا۔

جدید مخزن

یہ رسالہ لاہور سے مارچ ۱۹۱۷ء کو نمودار
ہوا، ۱۴ صفحات پر لکھا تھا، ایڈیٹر
ابوالخیر جالندھری، جو اسٹنڈ ایڈیٹر نئی دہلی

ہری چند اختر ایم اے تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔
اس رسالہ کے سفون نگار سر مہالقا دور، پروفیسر محمود شبر دانی
امبیان علی تاج، پروفیسر اکبر حیدری، پروفیسر مبسم ایم اے ایم اسلم
بلال بوزی، پروفیسر تاج محمد خاں، تلوک چند مردم جی اے اور
نصیر حسن خاں جو شریع آبادی قسطنطنیہ تھے۔

علی نگر گورکھپور سے یہ مانیٹر صنعتی صالحہ یکم مارچ
۱۹۱۷ء کو وجود میں آیا۔ جو اردو، ہندی اور

موسٹر کار

انگریزی میں لکھا تھا۔ اس کے ایڈیٹر
عبدالرحمن صاحب تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا، رفا و عام
پریس گورکھپور میں چھپا تھا۔

پہلے شمارہ میں یکم مارچ ۱۹۱۷ء میں رسالہ کے اجراء کے بارے
میں حسب ذیل ادارتی مقالے شائع ہوئے تھے۔

یورپ نے اپنے علم و فضل اور عقل و دماغ سے جو کام لیا
جو نو و شہرت اور دوسری قوموں پر فوقیت حاصل کی وہ علم و دنیا
پر مدین ہوتے۔ آج جلدستان میں یورپ کی بدولت برابر باضم کی
مستزکی اور عجائب چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔

ہم سبھی ان ہی کی طرح کان، ناک، آنکھیں رکھنے والے انسان
ہیں اور خدا نے ہم کو ویسی ہی صورت و عقل اور اسی صورت کا دماغ

مفروضہ ہے مگر اب تو ہم ان سے بہت پیچھے ہیں اور بالکل ہی شکست
 خوردہ ہو گئے ہیں۔ یہ بھی سوا اس کے نہیں بنا سکتے کہ جب ادب امرتا
 ہے تو ان کی عقل لیت اور دماغ بے کار ہو جاتا ہے، بکلی برے کی
 تیز بائی نہیں رہتی بلکہ اگر کوئی شخص اس ناسف خیز حال پر رحم کھا کر فلاح
 کی کوئی فکر نہ کر رہتا ہے تو اس کو الٹی پا سکتے ہیں اور کسی دوسرے کی
 مدد برادر داری قوم کے لئے مفید نہیں ہوئی، نہ ایسی قوم خود اپنے فلاح
 و بہبود کی فکر کر سکتی ہے، دولت و آزادی نے حسب ہم سے منہ پھیر لیا
 تو غم و ہنر اور صنعت و حرفت کے ہم سے چار نظر کرتے، ہاتھ ملانے کی امید
 کیونکر کی جائے، ہمارے لئے صنعت و حرفت میں ترقی کرنا تو وہ کمنار
 ہم ان کی بنائی ہوئی چیزوں کو سمجھنا اور انہیں کام میں لانا سبھی نہیں جانتے
 یورپ میں آج کل مشنری کی تعلیمات جس قدر وسیع اور عام ہے کوئی اور
 تعلیم نہیں، روز بروز طرح طرح کی بہتر سے بہتر مشینیں اور جدید قسم کے
 اٹمن تیار کئے جاتے ہیں اور دنیا کی ہر ہزارت کو پورا کرنے والی مشینیں
 بنانے کا تہیہ کر لیا ہے، اب تک یورپ کے جس قدر ایجادات نئے
 ہو چکے ہیں واقعہ یہ ہے کہ جدید سائنسوں میں ان کے سمجھنے کی صلاحیت
 اور ان سے بطور اسلوبی کام لینے کی کئی قابلیت پیدا نہیں ہوئی، موزوں
 کی کثرت اور اس کا عام استعمال ہم کو مجبور کرتا ہے کہ اس سے پوری واقفیت
 پیدا کی جائے اس لئے جدید سائنسی موزوں ٹیکنیک اسکولوں کے ساتھ
 ساتھ موزوں کی تعلیمات کے لئے رسائل اور کتب شائع کرنا بھی ضروری
 ہے۔ جدید رستان میں اردو یا ہندی زبان کا کوئی ایسا رسالہ نہیں ہے
 جو اس ہزارت کو پوری کر سکے اور موزوں مشین یا دیگر مشنری کے متعلق

معلومات بہم پہنچائے اس کی وجہ۔ غالباً ملک کی بے توجہی ہے
 یا جیسا کہ اوپر ہوا۔ یا دونوں کے علاوہ یہ کہ اس قسم کا رسالہ شائع کرنا
 اور اس کو مفید و مردی عزیز بنانا ایک اہم کام ہے خصوصاً اس پر اثر
 زمانہ میں جبکہ بے شمار اخبارات و رسائل طریداران کی بے توجہی، اہل
 ملک کی نا قدری کی وجہ سے صرف ایک ماہ یا دو ماہ ایک ہفتہ یا دو
 ہفتہ چین کی خوش خلیاں دکھا کر ملک عدم کی راہ لیتے رہتے ہیں۔
 اس ضرورت کو میں برسوں سے محسوس کر رہا ہوں لیکن ساتھ ہی یہ بھی
 محسوس ہوتا ہے کہ اس کام کی سبقت کرنا اور خود کو میدان عمل میں لانا
 ایک بہت اہم کام ہے اس کے باوجود اپنی کم علمی اور بے بصیرتی
 اجازت نہیں دیتی تھی کہ اپنے خیالات ایک ماہوار رسالہ کی صورت
 میں ملک کے سامنے پیش کر دوں مجھے اس کی خواہش صرف اس لئے
 تھی کہ موٹر یورپ کی ایک قابلِ فخر اور آرام دہ چیز ہے اور ہر ملک میں
 اس کی بے حد قدر و منزلت ہے۔ میرا صاحب ضرورت و عزت اسے اپنے
 کام میں لانے کے لئے گویا جبر ہو رہا ہے، موٹر کے متعلق انگریزی
 میں صد ہا کتابیں رسائل و اخبارات موجود ہیں جو یورپ کی ضرورتوں اور
 انگلش دلوں کی سلوہات کے لئے بہت کافی ہیں مگر اردو زبان
 میں کوئی ایسا رسالہ تصنیف نہیں ہے جو بار بار ضرورتوں کو یورپی کر کے
 خصوصاً جبکہ ہمارا ملک بھی یورپ کی طرح موٹر شپ جوگیا ہے لیکن اس
 کے باوجود ملک کے ماہرین فن اور اساتذہ کرام غامض ہیں اور ضرورتوں
 کا احساس کرتے ہوئے اس کی تدبیر نہیں پیش کرتے ہیں اس قسم
 کے رسالہ کی ضرورت کو محسوس کر رہا تھا لیکن کم علمی اور بے بصیرتی

کی وجہ سے مجبوراً خاموش تھا مگر ضرورت برسوں سے دیکھتے دیکھتے آخر
 پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور علم و لغات کا چھوٹا لڑکا چھلکنے لگا۔
 تو فیروز آخودہا اس بار کو اپنے سر لے لیا۔ اور مضبوط دھڑلے لگا دہ
 کے ساتھ اس کام کو شروع کیا، ان دنوں کو ضعیف البیان ہے
 مگر دنیا میں جو کچھ کام کرتا ہے تو یہی کام کرتا ہے کہ فرشتے نہ
 جانور سمجھ سکتے ہیں اور اس کا کرنا بھی پسینہ کی پستل ارادہ ہو
 اور انتہک کو شش ہو، جیسا کہ قرآن پاک بھی بتاتا ہے کہ ان کا کام
 کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور وہ عنقریب اپنی کوشش کا نتیجہ دیکھ
 لے گا۔ پس میری کوشش ہے اور انجام کی امید اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 ہے، پیر حال یہ پہلا پرچہ ادب کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش
 کرتا ہوں امید ہے کہ آپ ادل سے آخر تک ایک مرتبہ ضرور بنگاہ قبول
 ملاحظہ فرمائیں گے اور جو غائی یا نقص خواہ ترک ضروری یا اشتغال ہے جا۔
 آپ کو معلوم ہے اس سے مجھے مطلع فرمائیں تاکہ ان کو دور کرنے کی ترکیب
 ہو سکے لی الحال یہ پرچہ آپ کی خدمت میں حسب ذیل اطرائن و مقاصد
 لے کر حاضر ہونا ہے اور آپ کی ہمدردی و قدر شناسی کا اہم دار ہے
 کہ آپ بھی اس کے چلنے اور کامیاب بنانے میں ہماری معاونت
 فرمائیں گے۔

اعوامن و عفا بعد:-

- ۱۔ یہ سالہ ہر انگریزی مہینے کی دس تاریخ کو شائع ہو گا۔
- ۲۔ ہر قسم کی شغری سے متعلق عموماً اور موثر مضمین کے متعلق خصوصاً
 مضامین ہوں گے۔

۳۔ یورپ کی جدید ایجادات، بہترین مصاحات کے متعلق معلومات
 شائع ہوا کریں گے۔

۴۔ مضامین صحت مندی کے متعلق شائع ہوں گے یا کا یاد رہی
 یا اس قسم کے اور مضامین شائع نہ ہوں گے نامہ نگار حضرات
 اس کا خیال رکھیں۔

۵۔ ہر مہینے انگریزی رسائل سے موشن کے متعلق معلومات نقل
 ہوں گے۔

اس رسالہ کے عنوانات یہ ہیں۔

سفر عبید، موٹر کے راستے، بہترین تجارت، موٹر کے آثار کی
 درازی عمر، موٹر کار مشین پر ایک سرسری نظر، موٹر ڈرائیور صاحبان کے
 لئے ہاتھ کے اشارات، خبریں، لندن میں موٹروں کی سالانہ نمائش،
 باہمی تعلقات از مولانا مولوی محمد نصیر خان صاحب مدنی بعد غازی
 مدرس فارسی انجمن اسلامیہ گدگپور، خادمہ محمد دم!

یہ مہینہ دار اخبار یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو امرتسر

سے جاری ہوا۔ آئندہ صفحات پر نکلتا تھا،
 مولانا سید محمود غزنوی اس کے ایڈیٹر تھے ملازم

توحید

چند پانچ روپے تھا۔

اس اخبار میں ادبی و علمی مضامین کے علاوہ سماجی خبریں اور
 انقلابی مضامین بھی شائع ہوتے تھے، خلافت کمیٹی کا پرہیزگار
 کیا جاتا تھا۔ سائنس کیشن بائیکاٹ پر تبصرے بھی لکھے جاتے تھے
 اس اخبار کی عمر زیادہ نہیں ہوئی۔ ایک سال کے بعد بند ہو گیا۔

مولانا سید داؤد غزنوی

مولانا سید داؤد غزنوی کے
دادا حضرت مولانا عبدالمجید
غزنوی غزنی سے پنجاب

تشریف لائے، آپ کا شہد غزنی کے مشہور روایات خاندان سے
تھا۔ غزنی کے مشہور علماء سے تحصیل علم کرنے کے بعد شیخ حبیب اللہ
قندھاری سے قندھار پہنچ کر علم کی پیاس بجھائی اور سلسلہ نقشبندیہ
میں بیعت ہوئے۔ حدیث کی تعلیم آپ نے یہاں زید حسین دہلوی
سے پائی، سید رستان میں آنے کے بعد پھر عرصے پہنچے اور میں
مقیم ہوئے اس کے بعد امرتسر میں تشریف لائے اور کتاب و سنت
کی تبلیغ میں سہمک ہو گئے، اگرچہ اتباع سنت، عقائد صحیحہ پر
بہت سی کتابوں اور رسالوں کا فارسی اور اردو زبان میں ترجمہ کرانے
اور چھپوانے کے تقسیم کرتے رہے۔ آپ سلسلہ صوفیہ میں فوت ہوئے
آپ کے فرزندوں میں مولانا عبد اللہ، مولانا محمد احمد اور مولانا عبدالمجید
غزنوی تھے، آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالمجید غزنوی
مصب خلافت یرفائز ہوئے آپ کے مدد میں روحانی فیوض و
برکات حاصل کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔

مولانا عبدالمجید صاحب نے تعلیم کے وقت کی اہم ترین ضرورت
کو محسوس کرتے ہوئے دارالعلوم تقویۃ الاسلام اسلام آباد میں
۱۹۰۱ء میں مسجد غزنویہ امرتسر میں ایک ایسی درس گاہ قائم کی جو
پنجاب میں علمی اور روحانی فیوض کے سماع سے محروم افراد اور بے مثال
تھی، دارالعلوم کی بنیاد کچھ ایسے بابرک وقت اور ایسے اعلاہی کھاتہ

رکھی گئی کہ بہت جلد اس کو قبرِ بیت عوام و خواص کا درجہ حاصل ہو گیا
مولانا عبد الجبار صاحب ^{رحمۃ اللہ علیہ} کو فوت ہوئے اٹھان کی وفات کے
بعد آپ کے سہجائی مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی سندِ خلافت
و درس و تدریس پر متمکن ہوئے تو آپ نے علوم نبویہ کی خدمت
اور توحید و سنت کی اشاعت کی۔ آپ کے انتقال کے بعد
مولانا سید داؤد غزنوی دارالعلوم نقویۃ الاسلام کے مقیم مقرر ہوئے
مولانا سید محمد داؤد غزنوی اگست ۱۸۹۵ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے
ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا عبد الجبار اور مولانا عبد الاول غزنوی
سے حاصل کی، مولانا گل محمد سے اردو اور حساب کی تعلیم حاصل کی سپردہ پٹی
میں حضرت مولانا تدریس دہلوی کی درگاہ میں مولانا عبدالقادر غازی
پوری سے علم حدیث حاصل کیا۔ علوم عقلی میں مولانا سید الرحمن
کابلی سے استفادہ کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد امرتسر واپس آئے
اور اپنے آبا کی مدرسہ غزنویہ میں تفسیر و حدیث کی تدریس کا کام اہتمام
دیتے رہے اسی زمانہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغِ دین و علم
اسلام و تحریک آزادی اور خطابت کے کمال کی وجہ سے امرتسر میں
ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔

مولانا کی سڑکِ خلافت میں بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا
۱۹۱۲ء میں جمعیتِ علماء ہند کی تائیس میں حصہ لیا ابتداء میں مجلسِ عاملہ
کے رکن اور پھر وہیں نائب صدر رہے اسی سال برطانوی سامراج
کے خلاف آواز بلند کی جس کی یادداشتیں تین سال کی سراسر ہوئی اور
مہاتما جی جی بھبھے نے سچے رہا ہونے کے بعد اعلاءِ کلمۃ الحق

بلند کی سطح ۱۵۰۰ م میں دوبارہ گرفتار ہوئے اور نظر بند کر دیا گیا۔
 سطح ۱۵۰۰ م میں سائنس ٹیمیں ہائیکاسٹ کی ترکیب میں حصہ لیا، انیسویں بار
 سزا ہوئی اور قید و بند کی رسمیں چھینیں، حکیم ابراہیل ۱۹۲۷ء کو ہفتہ وار
 اعضاء کو حید جاری کیا۔ سطح ۱۵۰۰ م میں ٹمپس اجڑا رہی بنیاد ڈالی اس
 کے پیلے ٹکڑی آپ منتخب ہوئے سطح ۱۵۰۰ م کی ترکیب میں سبھی گرفتار
 ہوئے۔ آپ کو پنجاب کانگریس کا صدر منتخب کیا، پھر عت نے پنجاب
 آہلی کے تے ٹکٹ دیا۔ رکن منتخب ہوئے بعد میں مسلم لیگ میں شامل
 ہوئے مسلم لیگ کی سول ناظمی کے پیلے روزی کو اب مدد اور
 مولانا داؤد کے علاوہ ورنگ کیٹی کے تمام اراکین گرفتار کر لئے گئے
 پھر کو اب مدد سبھی گرفتار ہوئے ان سے بعد ترکیب چلانے کی
 ذمہ داری مولانا کے کندھوں پر آڑی سخی جس کو بڑی کامیابی کے
 ساتھ چلایا۔

سطح ۱۵۰۰ م میں پاکستان کے قیام کے بعد دارالعلوم نعوتہ الاسلام
 کے دوبارہ اجراء کا سہ بہت پر لپٹا لیکن مالداروں کی ماسعی
 سے دارالعلوم کو شش کی موجودہ عمارت میں رہی اس وقت
 درس و تدریس کے شروع کرنے کے لئے ایک کتاب بھی موجود نہ تھی
 دسویں کتابیں خریدی گئیں، تھوڑے عرصہ میں دارالعلوم کا قتب خانہ
 پھر علی ذخائر سے مالامال ہو گیا، مولانا نے جامعہ سندھی
 اصطلاح نصاب، عرصہ تعلیم کا تعین ایسے امور پر وجہ فرمائی قرآن
 وحدیث اور فقہ کے علاوہ صرف و نحو، منطق و فلسفہ اور بلاغت
 و ادب کے نصاب میں ہر درجہ تعلیم میں ملائی گئیں۔ یہ کہنا

ہے جانہ ہو گا کہ ان کے زمانہ میں دارالعلوم ازسیر لودھوہ میں آیا۔
مولانا داؤد غزنوی کی وفات ۱۶ دسمبر ۱۹۶۳ء کے بعد دارالعلوم
جلالہ کی لاء داری ان کے ہزاروں پرانی سیریاں اب بکری غزنوی
کو سونپی گئی تھیں

یہ مکتبہ دارالاحد تھی ۱۹۶۴ء سے دہلی میں ظہور
پذیر ہوا۔ بارہ مکتبوں پر مشتمل تھا۔
حکیم محمد علی خان ماہر کی اذیت میں لکھتا تھا۔

ماہر

سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس احبد کی پالیسی مستدل اور سنجیدہ تھی۔ ملکی معاملات پر
خیال آرائی کم کی جاتی ہے۔ دہلی کی خبریں اچھی خاصی تعداد میں
شائع ہوتی تھیں۔

دہلی کے مشہور اخبار سہ ماہی نور ۵ ارجون ۱۹۶۲ء
میں اس اخبار کا خیر مقدم کرنے پورے یہ رپورٹ شائع کیا تھا۔
"جس طرح لاہور میں پھر اس خیال کے کس قدر مفید
اور کس قدر بہتر ہوں تھے کثیر تعداد میں اخبارات درمائل
لکھائے ہیں اور یہ تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے دہلی
میں سہ ماہی حکیم محمد علی خان ماہر نے نام نہاد ایک مکتبہ دار
اخبار لکھا ہے اس وقت اس کے چھ نمونے لکھ چکے ہیں اور
ہم اخبار نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ ہر نعت

گزشتہ اشاعت سے بہتر ہو، اگر اس امر کا برابر خیال رکھا گیا تو اخبار مفید ثابت ہوگا۔ اخبار کی پالیسی مستقل اور بنیید ہے نفاذ میں کا امتحان برائیں اثر نسیب بھی محمول ہے۔

دہلی سے جون ۱۹۲۷ء کو کچول کا پندرہ روزہ اخبار جاری ہوا۔ ۱۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب کیف مراد کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا۔

آخر

سالانہ چنڈہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ کے اجراء کا اشتہار علی گڑھ میگزین اور ضارب، اپریل ۱۹۲۷ء میں جب ذیل شائع ہوا تھا۔

بچوں کو اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی کی بہترین تعلیم دینے والا بنیاد بعد ہا قعیر اخبار ہندوستان کے ناپہ نما ادیبوں کی سرپرستی میں اور ادارت جناب کیف مراد آبادی جون ۱۹۲۷ء کی پہلی تاریخ سے بڑی آب تاب کے ساتھ دہلی ضلع دہلی سے شائع ہوگا۔ چنڈہ سالانہ چار روپے نمونہ کا پرچہ چار آنے ٹکٹ بیکر طلب کیجئے۔

استقلال ہند

چاندنی چوک دہلی سے یہ سیاسی و ادبی سہ ماہی اخبار ۲۲ جون ۱۹۲۷ء کو جاری ہوا اس کے صفحات میں تھے، مولانا ابوالحسن علی

کھٹاڈیٹر تھے۔ سالانہ چنڈہ چار روپے تھا۔

نمائش حیدر آباد سورہ ستر ۱۹۲۷ء نے اس رسالہ کا سب ذیل اشتہار شائع کیا تھا۔

استقلالی منہ دنیا کے صفا ذلت کا روشن سندہ ۲۵ جون ۱۹۲۷ء
 کو طلوع ہوگا۔ آپ کو کہیں استقلالی منہ ضرور ملے گا جیسا ہے
 اس نے کر

- ۱۔ استقلالی منہ، منہ رستان کو پیام اتحاد داتے گا۔
- ۲۔ استقلالی منہ خلائی کی زیریں کی کو ترڑے گا۔
- ۳۔ استقلالی منہ میں ملیند پاپ سیاسی داد بی مضامین شائع ہوں گے
- ۴۔ استقلالی منہ غریبوں کو سرمایہ داروں کے دام تزدیر سے رمانی دلائیگا
- ۵۔ استقلالی منہ منہ رستانی رہائشوں کو طبر علی اقتدار سے جھانٹے گا۔
- ۶۔ استقلالی منہ سے بہتر انسان آپ کو دیگر اخبارات میں نہ مل سکیں گے
- ۷۔ استقلالی منہ میں ہر صفت غیر ملکی و قاتلے زکاروں کے مضامین ہونگے
- ۸۔ استقلالی منہ میں ظرفیت مضامین کا خاص اہتمام ہوگا۔
- ۹۔ استقلالی منہ میں واقعاتی حصرہ کے پر لطف کاروں شائع ہوں گے۔

- ۱۰۔ استقلالی منہ نامور شہر کا تارہ ترین کلام پیش کرے گا۔
- ۱۱۔ استقلالی منہ کے دائرہ ادارت میں اکثر خوب وطن انٹریوڈر
 ملک ہیں۔

۱۲۔ استقلالی منہ بہترین کاغذیہ دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ
 شائع ہوگا۔

ان تمام محسن کے باوجود قیمت سالانہ چار روپے ہشتاد ہی لکھی
 روپے فی پرچہ قیمت ایک آنہ ہے۔

طاقت یہ بیفتہ دہ اخبار دہلی سے جون ۱۲۷۱ء کو جاری
 ہوا تھا۔ میں مصلحت پر منتقل تھا، مفتی شریعت تھی
 اس کا پڑ بڑ گئے۔ سالانہ چمنہ پانچ روپے تھا۔

الاشرف عجبکہ سادھوان لاہور سے اکثر برس ۱۲۷۱ء کو یہ اسلامی
 تاریخی افلاکی اور صفیانہ رسالہ کو دارالعلوم ۶ مصلحت
 پر منتقل تھا۔ میر محمد اشرف سجادہ نشین درگاہ پیر عبدالغفار
 شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چمنہ ایک روپے ۲۰۰ نے تھا
 لاہور پرنٹنگ پریس میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے سرکاری پر یہ دو ٹو درجہ ہوتے تھے ۷

از منطق و حکمت جز مشق نہ فہمیدم

اسے ہندی میں از قرب چہ ی پرسی

چند افکار نظر کردم شبیب باکتلب اندر

ادھم سن، سن حد سے بڑھ گلاب اندر

اس رسالہ میں کوہیاد صفویا نے کرام کے حالات کے علاوہ ہندوستان
 کے مسلمان بادشاہوں کے تاریخی واقعات بھی درج ہوتے تھے علمیات
 کے طریقے بھی بتاتے تھے، علم قیادہ پرسی روشنی ڈالی جاتی تھی۔
 باغیا پور ضلع لاہور سے برہانہ رسالہ اکثر برس ۱۲۷۱ء

صلاح کو وجود میں آیا۔ ۸۰۰ مصلحتوں پر لکھا تھا جو بحری
 محمد حسین صاحب اس کا ایڈیٹر تھے، سالانہ چمنہ

تین روپے تھا۔

۱۲۷۱ء برس ۱۲۷۱ء کے ہندو دہلی کے شہدے میں اس رسالہ پر

ریور شائع ہوا تھا۔

اس نام کا ایک ماسوار رسالہ افغانستان پر قلعے لاہور سے اصلاح
دہشتی کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر چودھوی محمد حسین کی ادارت میں گذشتہ
ماہ سے لکنا شروع ہوا ہے، پہلے نمبر کے مضامین و طباعت کا جہاں
تک تعلق ہے اسید کے رسالہ اپنے مقصد میں کامیاب ثابت ہو گا۔

ترب بازار حیدر آباد دکن سے یہ صفحہ درجیدہ
نمبر ۱۹۱۱ء کو روئی اخذ ہوا، بارہ صفحات
پر لکنا تھا۔ اس کے ایڈیٹر زنگ رادہ تھے

رعیت

سالانہ حیدر چھپو پے تھا۔

یہ اخبار قوم پرست تھا۔ خدا سلم اتحاد کا زبردست حامی تھا، رئیس
الاحرار حضرت برائے محمد علی جوہر نے اس اخبار پر حیدر دہلی کے ۲۶ مہر
نمبر ۱۹۱۱ء کے شمارے میں، ریور کیا تھا۔

یہ بھی ایک صفحہ درجیدہ ہے جو ایم زنگ رادہ کی ادارت میں
نمبر ۱۹۱۱ء سے حیدر آباد دکن سے جاری ہوا ہے۔ بلحاظ حسن طباعت
اور سائز کے یہ جریدہ اپنے دوسرے صحافتی تمام ٹکڑے کے مماثل ہے
بلا گرفتی، مذہب، دین، علمی، اخلاقی، معاشرتی، مدنی مملکت میں
اضافہ کرنے والے مضامین شائع کرنا مقصد بنا یا گیا ہے اس جریدہ
کے تین نمبروں کے مطالعہ کرنے کا میں موقع حاصل ہوا ہے سب
سے پہلے نمبر میں سرد جی نائیڈو کا پیغام اپنے وطن کے اسی اردو
کے صفحہ درجیدہ کے نام شائع ہوئے ہیں وہ اپنے اس یقین
کا اظہار کرتی ہیں کہ جریدہ کی نام کو ششوں کا سطح نظر بند و مسلم

اتحاد ہم آہنگی کے اس گہرے ادب ابدی روایات کی حفاظت اور
استحکام ہو گا، جس کو حیدر آباد کی تاریخ کے ہر مہتمم باستان کا نانا
مکے منجد تصور کرتی ہیں۔

ان تین خبروں میں زیادہ حیدر آباد ایجوکیشنل کانفرنس کے
آٹھویں اجلاس کی کارروائیوں کے حالات ادب اہل ریاست کی دلچسپی
کے مضامین لکھتے ہوئے ہیں، ہیں لکھتے ہیں کہ یہ جریدہ سچی ادب ریاست
کے لئے مفید ثابت ہو گا۔ لیکن ہم کہہ گئے کہ رعیت کی ترجمہ اس امر
کی جانب مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اردو زبان کے بعض محاوروں
کے استعمال کرنے میں آئندہ محنت و تامل کا خیال رکھیں، مثلاً ہم نے
”کمر بستہ باندھا۔“ ”بنائے وطن کے لئے آئندہ ایسی“ ”گورنمنٹ کے پاس رعایا
کے خیالات کی ترجمانی وغیرہ

یہ اخبار پہلے جیتہ واد ہو ورنہ اس کے بعد سب سے وار ہوا اب
بند ہو چکا ہے۔

زرنگ راو سر زنگ راو ضلع محبوب نگر کے وطن دار تھے
قلب تاجی دور اور اس کے بعد عالمگیری نامہ میں
آپ کے فائدہ ان کے افراد اس خدمت کو

انجام دیتے رہے، چنانچہ عالمگیری استاد آپ کے فائدہ ان میں موجود
ہیں۔ آصفی عہد میں بھی وطن داری کی خدمت انجام دیئے گئے۔

زرنگ راو صاحب ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ دارالعلوم میں شریک
ہوئے اور فارسی کے امتحانات منشی اور دبیر میں کامیابی حاصل کی۔

انجمن ترقی الادب کے کاموں میں حصہ لیا۔ اور بڑی دلچسپی سے

علی و ادبی خدمات انجام دیتے رہے، جامہ عثمانیہ کے لئے جوائنگری
 تعلیمی، صافنیں قائم ہوئیں ان سے کچھ امتیاز دیا گیا اس کے بعد کالٹ
 کا امتحان دے کر کالٹ شروع کی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کو اپنی
 طبیعت کے مطابق عینا کر صافنہ کے میدان میں آگئے اور اخبار
 رعیت نومبر ۱۹۱۲ء میں جاری کیا۔ رعیت کے مضامین تعلیم یافتہ
 طبقہ میں پسند کئے جاتے تھے لیکن وہ حکومت کی پالیسی کے خلاف
 تھے، اس لئے چند سال کے لئے اخبار بند کر دیا گیا اس کے بعد سپر
 روزانہ کی شکل میں شائع ہونے لگا۔ ملک کے عوام کو بیدار کرنے،
 افلاس اور دیہات کی رہائیاں تعلیمی ذوق و ترقی کو زیادہ کرنے میں
 رعیت نے بڑا حصہ لیا ہے۔

حیدر آباد دکن میں پولس انکیشن کے بعد کچھ عرصہ تک سفید واد
 کی صورت میں رعیت شائع ہوا۔

سٹریٹنگ رائٹ نے وطن اور الیہ وطن کی جو خدمت اپنے اخبار
 کے ذریعے کی ہے وہ ہمیشہ یاد رہے گی۔ آندھرا پردیش کی وزارت
 میں پانچ سال تک منسٹر کی خدمت انجام دیتے رہے۔

نظام گزٹ

چار میاں حیدر آباد دکن سے یہ ریلوے اور اخبار
 نومبر ۱۹۱۲ء سے نکلتا شروع ہوا، بارہ
 صفحات پر نکلتا تھا۔ سید قار احمد ایم اے اور محمد حبیب اللہ صاحب

رشدی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ محدود چھوڑ دیا تھا۔
 یہ اخبار اپنے دور کا ایک مبارکی اخبار تھا۔ اپنے ملک ہندوستان
 کی اس کو ہر چیز پسند تھی، اس کے قلم، اس طرز و لہجہ کا دلدادہ
 تھا۔ اس کی حمایت کرنا یہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔
 ۹ نومبر ۱۹۰۷ء کے اخبار میں دو دہلی کے شخصوں کے میں اس اخبار
 پر یہ تبصرہ چھپا تھا۔

”یہ ایک ہفتہ وار جریدہ ہے جو جدید و قدامت کا صحابہ ایم اے اور
 محمد حبیب اللہ صاحب رشدی ایم اے کی مشترکہ ادارت میں کولبر کے
 دوسرے ہفتے سے حیدرآباد دکن سے نکلنا شروع ہوا ہے اس کا پہلا
 نمبر ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ لکھنا کافی نفاست، حسن طبعیت، کاغذ کی
 عمدگی اور ضخامت کے لحاظ سے نظام حضرت الملائک کے ہم پیکر ہے کسی
 خاص مسلک کا یہ جریدہ دعویٰ نہیں، البتہ اس کے اطراف میں دفاع
 کی تشریح کرتے ہوئے یہ لکھا گیا ہے کہ

”ہندوستان کو اپنے طرز زندگی سے لے کر ایک نئی شرفیت کی ضرورت
 ہے خواہ وہ سیاست میں ہو یا معاشرت میں یا تعلیم میں اس نئی شرفیت
 کی حمایت کرنا اس جریدہ کا فرض اولین ہے“

پہلے نمبر میں اعلیٰ حضرت خیر مدائن کی شبیہ کے علاوہ ریاست
 حیدرآباد دکن کے موجودہ وزیراعظم بہادر شاہ نشن پیر حیدرآباد دکن
 کی مشہور عمارت چار منیارات کی تصاویر پیش کی گئی ہیں یہ لکھنا شروع مہامین
 کو قے ہے کہ یہ جریدہ ملک کے اور جرائد میں ایک قابل قدر اہم قدم ہے۔
 یہ وہ اخبار ہے جو حکومت کا لہجہ کے دور میں جاری ہوا،

دہلوی پالیسی کی وجہ سے پولس بجٹ میں بند تھیں کر دیا گیا۔ حکومت
میدر آباد کے در میں لٹاتے چوتارہ اور اب اندھرا حکومت کے زمانہ
میں برابر روزانہ شائع ہوتا ہے۔ البتہ اس کے پہلے ایڈیٹر قادر احمد
صاحب کا اسی دور میں انتقال ہو گیا ان کے عہد سید حامد علی احمد
صاحب اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

اس اخبار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو رنگ کوٹھی نذر باغ
یہی نواب میر عثمان علی خان کی سرنگار سے تعلق رہا اور اکثر دبلیئر ورائٹ
نذر باغ کی خبریں جو نواب میر عثمان علی خان کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں
شائع ہوتی تھیں اس اخبار میں ہفتہ میں ایک دن ادبی صفحہ میں
اور غزلیات و غزل سبھی لکھتے ہوا کرتی تھیں۔ اب یہ اخبار بند
ہو چکا ہے۔

رشدی صاحب جدید آباد دکن
کے قدیم اور عریف محمد خان کے
چشم و چراغ تھے اور جامع عثمانیہ

حبیب اللہ رشدی

کے قابل طلباء ہیں سے ایک شخص جامع عثمانیہ سے ایم اے کیا تھا
اسی اسکول میں بیڈا سڑی بھی کی تھی۔ نظام گزٹ آپ نے ہی جاری
کیا تھا۔ شہر دہلی کا سب سے ذوق تھا۔ شعر خوب کہتے تھے شہ
رتیب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

شوق کی آگ تیرے دل کی بھادھی گس نے کس نے تو نے کیا ترک محبت کا اخیال

تیری آشتی خراجی وہ حیراوی کس نے
 کس طرح چو گیا با یوس تماشا نے خیال
 تیری بندگی سے ہے دل میں شش سی پیدا
 چل کے مد چار قدم بیٹھ تھک کے نہیں
 بال بتا عشق تری بڑا ہوسی تھی کہ نہیں

یہ اردو کا اخبار اولہ جیل روڈ کراچی سے دسمبر ۱۹۲۲ء
 کو جاری ہوا۔ لم صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ سطر
 چھ اخباری کی ادارت میں نکلتا تھا۔ چھ ماہ نہ
 بارہ آنے تھا۔ بنیادی لیتھو پریس کراچی میں طبع ہوتا تھا۔

یہ اخبار حریت پسند تھا۔ اس میں اسلامی مالک کی خبریں زیادہ
 اور ملکی خبریں کم چھپتی تھیں اس کے ایڈیٹر قریب لیسہ خیالات رکھتے تھے۔
 مولانا محمد علی جوہر نے اس اخبار کے جاری ہونے پر اپنے اخبار
 ہمدرد دہلی کو رقم ہار دسمبر ۱۹۲۲ء میں یہ تبصرہ کیا تھا۔

اردو کا ہذا اخبار جو اس مہینے سے کراچی سے سطر چھ اخباری کی
 ادارت میں نکلتا شروع ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے اس وقت
 دس پرچے ہیں جو اعلیٰ حضرت کشاہ امان اللہ خان غازی کے مدد و مسود
 پر کراچی کے عارف سے سسر تا سر ملو ہیں، کراچی کے اخبار سے اس
 اخبار کی عمدہ و معنوی حیثیت قابل توصیف ہے۔

یہ علمی و ادبی رسالہ نگر دی کا ٹیچا دار سے نکلتا تھا جس
 جاری ہوا۔ لم صفحات پر مشتمل تھا عبدالرحمن غوث ستر اس
 کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چند چار روپے تھا، کوئی کاپی

آزادی

زبان

چھ آئے کا تھا۔

رسالہ زبان پر علی گڑھ میگزین علی گڑھ کالج دار پچہ اپریل کی مجلس
میں حسب ذیل تبصرہ چھپا تھا۔

زبان کا سٹیا دار کا پہلا علمی و ادبی رسالہ جناب خشتہ حب کی زیر اہانت
منگروں سے لکھتا ہے زبان ایک ایسی جگہ سے نکلتا ہے جہاں اردو کا بہت
چرچا ہے اور اس لحاظ سے خوشتر صاحب نے اردو کی ایک بڑی خدمت اپنے
ذمہ لی ہے۔ خدا کرے وہ اپنے ارادہ نامی کا باب میں لکھائی بھائی کی
بہت اچھی بے مضامین مفید اور بلند ہوتے ہیں ترتیب کی خوب ہے
غرض کہ سبھی کو اسے رسالہ دیکھنے کے قابل ہے جو خوش اردو زبان کی
توسیع و ترقی چاہتے ہیں وہ اس رسالہ کی طرف سبھی خاص کو جہاد کریں۔
ایک دوسرا دلچسپ نیک خیال دار ہر روزہ فردوسی کے نام میں اس سال
پر نکلتے ہوا تھا۔

جناب عبدالرحمن خوشتر منگروں نے کاٹھیا دار کے مرکز منگروں سے
نکلتے کیا ہے لکھائی، چھپائی کاغذ بہتر ہے عبدالرحمن صاحب رسالہ
کو نہایت قابلیت سے مرتب کرتے ہیں رسالہ میں عام پسند مضامین کے
علاوہ علمی اور معتقد مضامین بھی شائع ہوتے ہیں امید ہے کہ دوسرا
منگروں کی رسالہ کی سرپرستہ اختیار کر لیں گے تاکہ کاٹھیا دار سے اردو
کا یہ رسالہ ہمیشہ شائع ہوتا رہے۔

یہ سب سے دار پرچہ ہرگز گاندھراجو مینی یو بازار لکھتے
سے غلط نام کو وجود میں آیا، ۶ صفحات پر مشتمل
تھا۔ جناب چراغ حسن حسرت اس کے ایڈیٹر بنے

آفتاب

سالانہ چھ سو روپے چار روپے تھا۔

بملاؤں لاپس کے شمارہ دسمبر ۱۹۲۱ء میں آفتاب پر تنقید کی گئی۔

زیر تبصرہ آفتاب کے دہ دہید کا چوتھا پرچہ ہے جس کا مصنف سید
جناب چراغ حسن حسرت کی ادارت میں نکلتے ہوئے ہے چونکہ محض دس

نمبر آئے ہیں اس وقت المہلک کے بعد بیفتہ دارا خاندان میں یہی

ایک ہے جو ادبی حیثیت سے طبعہ پایہ کثافت ہے اس میں ہر پہلے بیگور کا

ادب ایڈیٹر امین یو کے بہترین انٹون کے تراجم عمدہ علمی مضامین اور

دل کش تسکین شاعری کی جگہ ہیں اور نغیریل کا انتخاب بھی اچھا ہوتا ہے

یہ ماہنامہ سالانہ امرتسر کا قلم سے جلوہ افروز ہوا دہ

مضامین پر تنقید تھا اس سے سچاں ڈاکٹر سید الدین

کھلو اور قرضی صاحب ایڈیٹر تھے سالانہ چھ سو روپے

تنظیم

تھا۔

سالانہ سود مند بدایوں اور دارا خاندان نے اس سال پرچہ ڈیل

تبصرہ شائع کیا تھا۔

گزشتہ ماہ سے ایک ماہ وار سال تنظیم ڈاکٹر سید الدین کھلو کی

زیر نگرانی قرضی صاحب کی ایڈیٹری میں امرتسر سے شائع ہوتا شروع ہوا

ہے پہلے نمبر میں آفرنا مورال قلم کے مضامین نظر آتے ہیں علامہ عبدالقد

وسیف علی صاحب زادہ آفتاب احمد خاں مولوی ابوالفتح صاحب سید

سلطان ہادی دو گھنٹہ میر نے علمی، ملی مضامین پر خوب قلم فرمائی کی ہے

تذرات کا ایک صفحہ خود ڈاکٹر کھلو کا لکھا ہوا ہوتا ہے، نظم میں مولانا

وحید الدین بن سلیم ادب ڈاکٹر اقبال جیسے نامور شعرا کا کلام نظر آتا ہے

اکھاڑے میں پھلانگیں اترتا رہا۔ اس کے بعد وہ بہار اور بیٹالہ کی طرف دوڑے
 اس کے بعد زلیکو بھی بہار اور بیٹالہ کی پاس گیا۔ اور اس نے کہا کہ اسے
 کامل خشکت نصیب ہوئی۔ اس میں کچھ تنگ نہیں۔ کہ گھاٹوں نے اسے
 اچانک ٹپک دیا۔ اور اسے پاؤں جالے کا مٹھے بھی نہ ملا۔ زلیکو نے گھاٹوں کو
 مبارک باد دیا، اور کہا کہ تم نے بہترین طریقے سے کشتہ کی۔
 سستہ جوڑے کی وجہ سے اس رسالہ کی کافی اشاعت بھی دوسرے
 سال ۱۹۲۵ء میں اس کی اشاعت یا پچہ ہزار ہو گئی تھی۔

انبالہ سے یہ نیدرہ روزہ اخبار سال ۱۹۲۵ء کو جیلہ افند
 ہوا۔ بارہ صفحات پر لکھنا تھا۔ مگر اس سید غلام علی سیک
 ٹیرنگ اور سید معظم علی خاں جمیب آبادی اس کے ادیتر
 تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اخبار یہ سبوز لے اپنے شمارے ۳۱ اگست ۱۹۲۵ء میں اس اخبار
 پر یہ ایڈیو کیا تھا۔

انبالہ سے یہ نیدرہ روزہ تبلیغی رسالہ جو جمعیت تبلیغ اسلام کی دعوت کی
 اشاعت کے لئے جاری ہوا ہے، سید غلام علی سیک ٹیرنگ اس کے
 مگروں ہیں اور یہاں کے فاضل دست معظم علی جمیب آبادی فرائض ادارت
 انجام دیتے ہیں، سفاحین عام طور پر اخلاقی و مذہبی تبلیغی امور سے متعلق
 ہوتے ہیں، مذہب غیر کی بھی ترویج ہوتی ہے۔

برما سے یہ ماہانہ رسالہ سال ۱۹۲۵ء کو وجود میں آیا
 ۶ صفحات پر مشتمل تھا، عبد معظم علی صاحب
 کی ادارت میں لکھنا تھا، سالانہ چندہ چار روپے تھا

تحفہ

اس پرچے میں مولوی صفی الدین خاں نے جو تھے، طبی معلومات
 بھی دی گئی تھی۔ تاریخی واقعات سے باخبر کیا جاتا تھا اس نے
 بھی چھپتے تھے، مجموعہ اعتدال سے بہت عمدہ پرچہ تھا۔
 چنانچہ باریک بینی سے اخبار سید زولفی نے اپنے شمارہ ۵ مارچ ۱۹۲۴ء
 میں لکھا ہے اور یہ تبصرہ کیا تھا۔

یہ دیکھ کر سرت پرستوں کو برسہا برسے ہو رہے ہیں اور ان کی ترقی
 کی طرف خیال تو رہا ہی ہے، چنانچہ حالی میں عبد الغفار صاحب
 شریعت اعظم گڑھ نے اردو کا پہلی، ادبی ماہوار رسالہ لکھنا شروع کیا
 ہے۔ یہ رسالہ اردو زبان کی جو حالت ہے اس کے اعتبار سے یہ رسالہ
 حسیا کہ کچھ بھی ہے بہت افسوس ہے۔

رسالہ میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ مرقم کے آسان اور
 دل چسپ مضامین ہوں علاوہ ایڈیٹریل نوک و نکتہ کے و نیات، تذکرہ
 علمی، تاریخ، طبی معلومات، ان کے اردو قواعد اردو کے ماتحت ایسے
 مضامین ہیں جو کم اور دو جاننے والوں کے لئے مفید اور دل چسپ ہوں
 رسالہ نقل انجمن کی چوتھی تقطیع پر ۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

مستقبل

علی گڑھ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۴ء کو جاری
 ہوا۔ ۸ صفحات پر لکھا تھا۔ اس کے
 ایڈیٹر صاحب تھے۔

سالانہ چند صورت چار روپے تھا۔
 مارچ اپریل ۱۹۲۴ء کے بزرگ خیال لاہور میں اس رسالہ پر

یہ ریویو شائع ہوا تھا۔

”اپنے طرز کے مخصوص حیرت کش غم خانہ ادب
جناب ساغر نے اپنے مستقبل کو مد نظر رکھتے ہوئے
ایک نیا جریہ پر کیف مرسوم مستقبل علی گڑھ سے
اجرا فرمایا ہے جس کا عمالہ ادبی زیر تبصرہ ہے مضامین
علمیہ و ادبیہ مختلف مباحث پر مشتمل ہیں رسالہ حر بات
ادب سے منظر کشوں ہے، عکاس خانہ سے ماخوذ
ایک ڈرامہ عمر خیام زینت وہ قراطیس رسالہ ہے رمضان
کی ایک پر جلال تمثال بھی شائع کی گئی ہے اسید دلتی ہے
کہ صحیفہ سنجذب قلوب ثابت ہوگا۔“

سیما

دسمبر ۱۹۲۸ء

مہینہ
یہ ماہانہ رسالہ جنوری ۱۹۲۸ء کو حویلی کابلی لی لاء
بیسے ٹھکانہ پر پورا مہینہ ۲۴ صفحات کی نئی
تجربہ عجیب الہی بی اے ایل ایل بی پلیدر اس کے
اعزاز کی ایڈیٹر تھے، سالانہ چند تین روپے تھا۔

یہ رسالہ تجارت صنعت و حرفت اور زراعت کو فروغ دینے کے
لئے جاری کیا گیا تھا۔ یہ صورت تھا۔ اس میں لاہور کے مشہور اہل قلم کے نمبر
اور کارآمد مضامین شائع ہوتے تھے۔

اخبار پھر دہلی مورخہ ۹ جنوری ۱۹۲۸ء میں اس رسالہ پر
یہ رپورٹ لکھتے ہوئے تھا۔

یہ ایک ماہانہ رسالہ ہے جو اسی جنوری کے مہینے سے لاہور سے نکلا
نشر و طبع ہوا، شیخ مسعود الہی صاحب بی اے ایل ایل بی پلیدر اس
کے اعزاز کی ایڈیٹر ہیں، صنعت، زراعت، حرفت اور تجارت

کی تعلیم کے ذریعے مسلمانوں کی قومی ترقی و ادوار کو دہرے خوشحال اور با عزت زندگی کے اصول بتاتا تھا۔ اس رسالہ کی یہ خصوصیات بیان کی گئی ہیں، ہمارے یقین نظر اس کا صرف پہلا ہی نمبر ہے جس میں رسالہ کے مفاد کے لحاظ سے مفید معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس نمبر میں سربراہِ محنت کے عنوان سے ایک دل چسپ اور سبق آموز تصویر کشی کی گئی ہے جس میں دکھا گیا ہے کہ مرموزِ نبی قوت اور توانائی کی بدولت دنیا میں کسی کا محتاج نہیں ہے سربراہِ دارِ اثر و نفوذ کی تعبیلی تصویر کشی کی گئی ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا اپنا حکم بنائے، اگر رسالہ کی ضمانت میں اور امانت دیا جائے، تجارت میں کامیابی کا راز، دولت پیدا کرنے کے عمل و وسائل کی حوصلہ افزا معلومات و جزئیات کے تحت برعینہ مفید کلام و معلومات اور مضامین کا ذخیرہ فراہم کرنے کی کوشش کی جائے تو رسالہ ہمارے مقصد کے انجام دینے کا موجب بنے گا۔

رسالہ نمبرمند پر رسالہ ہائیوں لاہور ہرار چ شمس ۱۳۹۷ء میں بھی تبصرہ شائع ہوا تھا۔
اس رسالہ کا سطحِ نظر مسلمانوں کو ذراعت و تجارت، صنعت و حرفت کی تعلیم دینا ہے اس کے دونوں مددِ اس رسالہ کو بڑی محنت اور قابلیت سے مرتب کر رہے ہیں سالانہ چند نمبر روپے سے۔

سرتاج

لاہور سے برطانوی رسالہ دوبارہ شائع ہوا۔ اس میں جہاز
پرست کی سر
محمد شفیع صاحبہ اور دیگر سیدہ امتیاز فاطمہ بیگم شعیب

سازہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس رسالہ پر سارن اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۱۱ء میں حب
ذیل رپورٹ لکھے ہوئے تھے۔

سرتاج سہ سے پہلے ۱۹۰۹ء میں ملتان سے نکلا اور ملتان
میں طبع کی رفتوں کی وجہ سے بند ہو گیا اس کے بعد اس کا دوبارہ
اجرا ہوا۔ اس کا دفتر ملتان سے لاہور آیا سر محمد شفیع صاحبہ کی بیگم
صاحبہ نے اس کی سرپرستی قبول فرمائی۔ اور اس طرح اس کی منتقلی
زندگی کا سہارا بن گیا ہے اس طرح سرتاج کے چندہ نظر سے غزے مقرر
سیدہ امتیاز فاطمہ بیگم طبعہ نسواں کی مفید خدمات انجام دینے والی تھیں
ہیں اور سرتاج ہے کہ کہ موقوفہ کا اپنا خدمات کی انجام دہی میں جو طبع نظر
یہ وہ جادہ اعتدال بر قائم ہے، ان کے پیش نظر ملتان رکھوں میں
جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کی مکمل زندگی تعلیم سے ان میں پیدا
ہو جائے۔ کردہ اسلامی اخلاق و تربیت کا صحیح آئینہ ہو، آپ نے ان
نفاذ کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے اور انہیں خیالات کی اشاعت
کے لیے زیر تجربہ رسالہ سرتاج کو جاری کیا ہے چنانچہ ان کا یہی
مطلوبہ سرتاج سے بڑھتا ہے میں جھلکتا ہے مغربین کا تعمیر بلند ہے
جو اپنے موضوع کے لیے مختلف ذرائع سے ہوتے ہیں۔
کامیاب مقرر ہوتا ہے جس میں شریف بہو بیٹیوں اور کنواری راکھیوں

کے پڑھنے کے بعد لائقِ تظہیر اور غرض پس پوتی ہیں رسالہ عمومی میلہ میں
نئے تھیں اور دل چاہیے امید ہے کہ دولہا والی طبقہ میں قبولیت کی
کا نام دیکھا جائے گا۔

افغان

پٹ ورے جنوری ۱۹۲۹ء کو یہ صفتہ وادِ اخوند
نمودہ ہوا۔ آخر صفتہ پر مستقل شا اس کے
ایڈیٹر خان میر بلالی اور عبدالحمید خان لندھوی نے
بالانہ جہد چار روپے تھا۔ اس پر بے سہارا صفتہ میں مسلمانوں کے حقوق
کا ذکر سے مذہبی گردنوں کے ہاتھوں سے اور زہنیوں کے حقوق کا
خاص طبع کے ہاتھوں سے بیان کیا گیا ہے یہ اخبار حکومت سرحد کی
میں سے منع کیا گیا اور اس کی اشاعت اور سے متعلق حکومت کی غیر جانبدار اشتعال
کا مخالف تھا۔ یہ اخبار حکومت کے افسروں کے وسیع اختیارات پر شدید شک
پیدا کرتا تھا۔ اخوند کے دربار میں خان میر بلالی کو ایک دارلنگ کے بعد
۱۹۲۹ء کو پٹور سے جلا وطن کر دیا گیا۔ چنانچہ اخبار جون ۱۹۲۹ء
کو بند ہو گیا۔

خان میر بلالی

بلالی صاحب ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے
پاسی کادکن کے علاوہ صفا پور کے
اعت خیرت پانی۔ انقلاب افغانستان
میں انگریزی مداخلت کے خلاف کھینے کئے جرم میں آپ کو اسیٹ آباد
میں نظر بند کر دیا گیا آپ کئی پتہ کن یوں کے مصنف تھے اور پانچ
صفتہ دار اخبارات کے ڈائریکٹرز ان کے پاس موجود تھے۔

ادیب

یہ ماہنامہ رسالہ پندرہ سے سترہ سالوں سے جاری ہے۔
۲۴ صفحات پر لکھا تھا۔ جس کو آغا جی اے جی نے
جاری کیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر حضرت مولانا
عبد الحمید سالک تھے، سالانہ چند تین روپے تھا۔

یہ رسالہ لاہور میں ترتیب پاتا دین اس کی کتابت مولانا
طہات کے مراحل طے پاتا، اس کے کھنے والوں میں ملک کے مشہور
دعوت الہیہ قلم تھے ادیب اگرچہ سحر علی بدت زندہ رہا لیکن اس
نے ادبی بیروں کے لئے ایک نئی راہ پیدا کر دی تھی۔

تعلیم و تربیت

یہ سہ ماہی رسالہ علی گڑھ سے جاری
۱۹۲۵ء کو جاری ہوا۔ ۹۶ صفحات
پر مشتمل تھا، جو ڈاکٹر ظفر الحسن نے جاری کیا

سید عابد حسین اور خواجہ غلام السیدین کی ادارت میں لکھا تھا۔
چند روپے تھا۔

مؤرخ لاہور محمد رفیع مارچ ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر پہلا
طبع ہوا تھا۔

یہ سہ ماہی رسالہ حالی میں کئی ماہرین تعلیم آئی ایڈیٹر
کاؤنسل مل گڑھ کی طرف سے جاری ہوا ہے مگر بعد نام ہی ہے
ہے فی الواقع ایسے رسالے کی سنت ضرورت تھی اور میں کوئی شک
کہ ایک ذمہ دار جماعت کے ہاتھوں اس کا اجراء ہوا ہے، یہ رسالہ

یہ اخبار اردو لٹریچر ورکس راولوں میں نکلتا تھا۔ یہ اخبار ہر ہسرد
کے عوام کی تہذیبی، سماجی، سیاسی اور ذہنی ترقی کا دھڑکا تھا
بہر حال کارپورٹ کے مطابق

فرانٹیر ایڈوکیٹ ہر ہسرد کے بندوں اور ان کے حقوق کا
بر دست علیہ دار تھا۔ اس نے ہندوؤں اور سکھوں کا سرکاری ملازمت
بے بنیاد طور پر منسوخ دینے پر حکومت کی پالیسی پر سخت چینی جاری
تھی، بعد میں یہ اخبار پنجاب کے اخباروں سے ایسی خبریں منظرے اور
مناہنہ کرکٹ کر کے لگاتا تھا۔ جن میں آزادی وطن کا مطالبہ ہوتا
تھا۔ سرگت سنگھ دت اور دوسرے سوک ہڑتالیوں کی حمایت ہوتی
تھی، آزادی اور اس سے متعلق معانی اور اخبار میں نکلیں بھی تھیں
جہاں تھیں۔

فرانٹیر ایڈوکیٹ ایک کامیاب پرچہ تھا۔ جو خاصا کاروباری انداز
رکھتا تھا۔ اس کی مالی پوزیشن کافی مضبوط تھی۔ اور ہر دن
ہر ہسرد میں سبھی بہت مشہور تھا۔ پڈت بھوالی بھائی شریہ کار بھائی
تھے اور انھیں معنی مالی منفعت سے غرض تھی۔ سیاسی پارٹی بازی
جو پڑے بغیر اس پرچے کو کامیابی سے چلاتے تھے تقسیم ملک کے
بعد دیرہ دون جیلے گئے۔ اور وہاں سے بھی (فرانٹیر ایڈوکیٹ کو جاری
تھا۔

اسلام کی ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق فرانٹیر گزٹ کو اس
پر بیان کیا گیا ہے، اردو لٹریچر، صنعت دارپن، اشاعت پانچ ہند
(انہ چندہ پانچ روپے) پالیسی حق میں کانگریس کے۔

یہ ہفتہ دار اخبار لٹ در سے آئندہ ۱۲۸ء
کو خلیفہ الزور ہوا۔ ہارہ صفحات پر مشتمل

اصلاح سرحد

تھا۔ اس کے مالک دہلی پٹر فضل کریم
صدقہ تھے اس کے سرپرست ادھر محکمہ کالی کے نواب دوست محمد خان
تھے بعد میں اس کے ایڈیٹر انعام الد خان مقرر ہوئے سالانہ چھ ہفتہ
جمدہ رہے تھا۔

یہ اخبار انھوں نے کے حقوق کا علمبردار احمد خان طبیب کا حامی تھا،
سرکاری ملازمتوں میں منہدوں کی اجارہ داری کے باعث انھوں نے حقوق
غصب ہونے پر شکستہ جینی کرتا تھا۔ ادھر آزادی میسر ٹیوں کا حامی نہیں
ایڈیٹر بادات، قوم پرستی سے متعلق ادارے کے دعوامین اور ادارتی نوٹ
دیگرہ شائع کرتا رہتا تھا۔ تاہم مجموعی طور پر یہ اخبار حکومت کا حامی تھا۔
اداری محلے میں بدعنوانیت علی شاہ اور شاہ خلیل الرحمن کے نام بھی شامل تھے
نواب دوست محمد خان کی وفات کے بعد فروری ۱۹۳۳ء میں یہ
پیرچہ بند ہو گیا۔ تاہم سال ۱۹۳۶ء میں مرتبہ رشید گائیڈ آف جوبز پیر
میں اس اخبار کے متعلق مسند بہ سلکوات درج ہیں۔

اصلاح سرحد لٹ در، اردو سبقت روزہ اشاعت پانچ سو
سالانہ چھ ہفتہ چھ روپے ایڈیٹر انعام الد خان۔

۱۹۳۸ء کی فہرست اخبارات میں بھی اس اخبار کا نام درج
ہے جس کا مطلب صحافت کا رہے کہ یہ پیرچہ ۱۹۳۸ء تک نکلتا تھا۔
فارغ بخاری کے مطابق یہ پیرچہ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا
اور تقسیم ملک تک جاری رہا۔ اس اخبار میں نامور صحافیوں مثلاً - بید

منیا جعفری، مرزا خیم بیگ چغتائی اور باری ملک نے کام کیا۔ شہلاہ میں محمد ادرخان اللہ، اخبار کے ادارے میں شامل تھے اور اس کے اخروی دن تک ساتھ رہے، آپ ایک تجربہ کار اور پڑھے لکھے صحافی تھے اخبار کی پالیسی صلیحہ کل تھی۔ اللہ تعالیٰ کی سنی اپنے مخالف اخبارات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں

حکومت نے سرحد کی پالیسی کا حائرہ لینے کے بعد جواب درست محمد ادرخان آف تہکال کے توسط سے سرحد کے بالمشابہ "اصلاح سرحد" نامی ایک رسالہ جاری کیا اور حکومت نے دل کھول کر اس کی مدد کی مگر اس کی اشاعت سرحد کی اشاعت کو نہ پہنچ سکی۔

ڈاکٹر مس معل کے مطابق سرحد معاشرے کی ترقی پسند حلقوں کی ترجمانی کرتا تھا۔ اور اس کی مخالفت میں وہ اخبار تھے ایک طرف وزیر ایڈوکیٹ سخا، مسندوں کا ترجمان تھا۔ اور دوسری طرف اصلاح سرحد جو امراء اور خان طبقے کی نمائندگی کرتا تھا۔

یہ صفت مدثرہ اخبار سری پور سے شہلاہ
کو خود اور ہوا، اس طرح صفت پر لکھتا تھا
بانی دالک دایڈیٹ قاضی عزیز الرحمن تھے

پیام سرحد

سالانہ جہدہ چار روپے تھا۔

اس اخبار کا شمار صوبہ سرحد کے قدیم ترین صفت مدثرہ اخبارات میں کیا جاسکتا ہے جو ابھی تک جاری تھا۔ یہ اخبار قاضی عزیز الرحمن نے جاری کیا تھا۔ جو تحریک خلافت کے سرگرم کارکن، ستمبر کارکنان اخبارات انڈیا پرائس تھے، قاضی عزیز الرحمن نے علی برادران اور بی ایم کیساتھ

کام کیا تھا۔ مسئلہ ۴ میں اس اخبار کی ادارت تاج محمد خاں کاہر خیل
نے سنبھالی، اس اخبار کی پیشانی پر یہ مشورہ درج ہوتا تھا۔
الہیہ چارسا آفاق میں گونجے صدا اس کی
کہ مسلم کا حقیقہ تر جان پینا سرحد ہے

ممتاز صوفائی مولانا غلام ربانی لودھی بھی اس اخبار سے منسلک رہے
اس اخبار سے متعلق مسئلہ ۴ کی سرکاری رپورٹ میں یہ معلومات فراہم
کی گئی ہیں۔

پیغام سرحد، ہری پور، راولپنڈی، سالانہ جہدہ چار روپے
الکھ و مدیر قاضی عزیز الرحمن، پالیسی کا نگاہیں کی حیثیت
قاری عزیز الرحمن کی وفات کے بعد ان کے پوتے قاضی عیسیٰ الرحمن
نے اخبار کو زندہ رکھنے کی کوشش کی لیکن ان کی مصروفیت اور مصافحت
سبب انفعیت کی نایابی نے ان کی کوششوں کا دم ٹھم توڑ کر رکھ دیا۔
اور یہ اخبار بند ہو گیا۔

۱۱۔ اس سے یہ سہ ماہی رسالہ مسئلہ ۴ کو جاری ہوا
تو ۷ صفحات پر لکھا تھا۔ مولانا عبدالحق صاحب نے اسی
اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ جہدہ تین روپے آٹھ

سفینہ

آنے لگا۔

حسب ذیل تبصرہ اس رسالہ پر اخبار ہمدرد دہلی نے اپنے شمارے
۳۱ جولائی ۱۹۴۷ء میں کیا ہے۔

”گر فٹ محمد بن کالج ہمدرد اس کی ایک اردو رسائی کا یہ سہ ماہی
رسالہ ہے، اردو کی جو حالت ہے وہ سب پر حاوی ہے خصوصاً

کالہوں اور اسکولوں میں توار و دو کو کوئی پوجتا ہی نہیں، اس لحاظ سے محمدؐ ان
 کا بلج کی اردو رسوائی مستحق مبارک باد ہے کہ اس نے اردو کا ایک سہا
 رسالہ لکھ کر اپنے صوبہ میں اردو کی خدمت فراع کی ہے۔ رسالہ کی
 ادیت کا کام ایک مجلس کے سپرد ہے جو مولوی عبدالمنع صاحب ایم اے
 پرنسپل عربی فارسی اردو کی شگوانی میں کام کر رہے تھے، مولوی صاحب کی
 ذات سے امید ہے کہ سفینہ احاطہ عار میں اردو کی مفید خدمات
 انجام دے گا۔ اردو محمدؐ ان کا بلج کے طلباء میں صحیح ادبی ذوق پیدا کرے گا
 پہلے پرچے میں مولوی عبدالمنع صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو
 انگلہ آباد کا ایک مفید معنون کالہوں کے رسالے کے عنوان سے شائع
 ہوا ہے، عرب و ہند کے قدیم تعلق، پر مولوی سید ابوالفضل صاحب ندوی
 پرنسپل مدرسہ عالیہ فہرں کا بھی ایک دل چسپ معنون ہے۔
 رسالہ سعادت اعظم گراہ کوثر فارچسٹنگلہ میں اس رسالہ
 پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

سفینہ مداس کے اعظم باہی مدرسہ، لاہور فٹ محمدؐ ان کا بلج کی مجلس
 اردو کا سہ ماہی رسالہ ہے اس کی ترتیب السنہ اسلامی کے اسناد اور
 چار طلبہ کے ہاتھوں میں ہے اس کا مقصد کا بلج کے طلبہ میں خصوصیت
 اور جنونی فہم میں عموماً اردو کا صحیح ذوق پیدا کرنا ہے اور اس وقت تک
 اس کے جو پرچے شائع ہوئے ہیں وہ ترتیب مضامین اور تنوع
 مباحث کے لحاظ سے مفید اردو دل چسپ ہیں۔

یہ روزنامہ بنگلور
 یہ روزنامہ اخبار بنگلور سے منسلک ہے اور کوئی دوسرا
 چار صفحات پر مشتمل تھا۔ تحقیق ملک خان بہادر
 محمد عباس خان صاحب جرنل سکرٹری انجمن
 سہ ماہی ملک بنگلور کی آمد کی اکثر محمد حسین صاحب اس کے ایڈیٹر
 تھے چار روپے سالانہ حیفہ تھا۔

آزاد
 یہ باقاعدہ رسالہ ہجرہ سے ۱۳۱۰ء کو رونق افروز
 ہوا۔ ۸۰۰ صفحات پر لکھا تھا۔ اس کے ایڈیٹر خواجہ
 محمد امیر صاحب اکبر آبادی تھے، مین پے سالانہ
 حیفہ تھا۔

خواجہ محمد امیر صاحب اکبر آبادی
 صاحب صاحب کے والد ماجد خواجہ
 علی محمد بن خواجہ قاسم اکبر آبادی
 تھے۔ نواب عابد علی خان امیر
 الہ آباد بھائی کی اولاد میں سے آپ کے نانا تھے۔ صاحب صاحب نے انٹرنس
 تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے بعد ملازمت شروع کر دی تھی۔ ان کو
 پچھن سے ہی کہنے پڑ جانے کا شوق تھا۔ حیفہ کتب زندہ نقش اور
 دیوان غالب آپ کی تصانیف ہیں، رسالہ آزاد اس کے بعد مشورہ آپ
 کی ادارت میں لکھا رہا۔ شروعاتی کبھی ذوق تھا، مثنوی فارم علی خان
 انظر اکبر آبادی سے مشورہ سن کر تھے تشریف دہنوں پر فدا ہو گئی۔

قرآن پڑھنے کا اہتمام بر ملا کر دے
 امیر خان کو مستقبل آستانہ کر دے

ضمیمہ القریش

یہ ماہنامہ اترسے انجن قریب ان مہند
کا آخری شمارہ ۱۲۵۸ء کو نکلا گیا ، مدیر قاضی
عنایت علی خیر قاضی افتخار حسین تھے ۳۲

صفحات پر لکھا تھا ۔ سالانہ چھ روزہ پڑھتا تھا ۔ آفتاب نوری پریس
اتر میں چھپتا تھا ۔ اس رسالہ نے ایک عثمانی ممبر بھی بنی مذہب طور پر
لگایا تھا ۔ اس رسالہ میں تاریخی ، تمدنی ، شہادت کی ، تعلیمی ، اعلیٰ ادبی
اور طبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے ۔
رسالہ معارف اعظم گذرہ مورخہ جدیدی ۱۳۱۸ء میں اس رسالہ پر

تبصرہ شائع ہوا تھا ۔
ضمیمہ القریش انجن قریب ان مہند کا ماہنامہ آہرگن ہے ۔ یہ انجن
قریب ان مہند کی ماہی تعلیم کے لئے عالم وجود میں آئی ہے کہ وہ مہندگان
کی اس طور کے حالات درست کر کے اور ان کے تعلیمی ، شہادت کی ، تعلیمی
اور طبی مضامین معاشرہ کی حالات کو مدد دے یہ رسالہ انھیں مقاصد کی
تعلیمی دانش گاہ کرتا ہے علاوہ ازیں مختلف مذہبی موضوع پر مختلف
شائع ہوتے ہیں ، امید ہے کہ یہ رسالہ اپنے دائرہ میں ترقی کی نگاہ سے
دیکھا جائے گا ۔

خرمینیہ تاریخ

بزم تاریخ مکیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے
یہ ماہنامہ رسالہ ۱۲۵۸ء کو وجود میں آیا ۱۷۷
مضامین پر مشتمل تھا ۔ جناب یوسف الدین صاحب

معلم کلیہ جامعہ عثمانیہ اس کے مدیر تھے ، سالانہ چھ روزہ پڑھتا تھا ،
تبصرہ ۔ ۔ ۔

مسارف اعظم گڑھ مرادہ جزری شہادۃ میں اس رسالہ پر یو یو کیا تھا۔
 یہ کلیہ جامع عثمانیہ کے طلبہ کی بزم تاریخ کا رسالہ ہے۔ اس
 بزم تاریخ میں تاریخ کے مختلف موضوع خطبات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور
 حیدرآباد مختلف اطراف ملک کے ممتاز فاضل خطبات کے سنی لکھتے ہیں
 انھیں خطبات کو مجلس کا مہینہ بزم ترتیب دے کر ملتے کرتے ہیں اور اب اس سلسلہ
 کا دوسرا نمبر شائع ہوا ہے جو اس وقت میں نظر ہے اس میں سات اٹھ مضامین
 اسلامی حلوں سے بہتر زندگی عام حالت "خوارج" کو اب ارشد علی خاں
 کے کارنامے ملک عزیز امام ابن فرم امام "تاریخی نوشتہ" اور تاریخ بچہ بچہ کے
 فوائد وغیرہ ہیں سچا اس طرح حیدرآباد تاریخی خطبات "احیاء علوم" ہمایوں کا
 انتقال اور میر انیسار وغیرہ میں آخر میں بزم کے حالات و کوائف درج
 ہیں۔ رسالہ دل چسپ اور مفصل تاریخ کے طلباء کے لئے سودمند ہے

آواز

طائفہ ضلع انبالہ سے یہ رسالہ شہادۃ کو ٹوڈا اور سوا
 ۱۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس رسالہ کے بانی و ایڈیٹر
 جناب صاحب ملاوی سننے، سالانہ چندہ دور دے رہے تھے۔

ہمایوں لاچور محمد جولا کی شہادۃ میں اس پر چھ پریرہ بریلو
 چھپا تھا۔

اس میں معاشقہ، اسلامی تمدنی اور ذرا امتی مضامین شائع ہوئے
 ہیں، رسالہ کا خاص مقصد ذرا امتی تمدنی اصلاح ہے۔ آواز کے چھ
 پرچے شائع ہو چکے ہیں۔

ہر پرچہ سابق کی نسبت اچھا ہوتا ہے۔۔

یہ رسالہ دیہاتی جنگ سے شعلہ ۱۲۷۸ء کو جاری ہوا
۸۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب محمد منظم صاحب
قریشی بی، اے ایل ایل بی دکن جنگ اس کے
ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چھہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ دیہاتی پریسوں لاہور و مدینہ کی شعلہ ۸
میں یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

دیہاتی غریب باشندگان دیہات کی ترجمانی اور معاونت کی
غرض سے جاری کیا گیا ہے محمد منظم قریشی اس کے ایڈیٹر ہیں، جو
نہایت قابلیت سے اسے مقرب کرتے ہیں زمیندار طبقہ کی فحاشی
و بے ہودہ کے لئے ایسے پریسوں کی اس قدر ضرورت ہے باشندگان دیہات
کو اسے ضرور کامیاب بنانا چاہیے۔

یہ رسالہ کمرشل بنک کمپنی، جو کہ برائڈر شو روڈ
ریلوے روڈ لاہور سے شعلہ ۱۲۷۸ء کو جاری ہوا
۶۶ صفحوں پر نکلتا تھا۔ ڈاکٹر دیکھن چند اس
کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چھہ تین روپے تھا۔

پایوں لاہور و مدینہ کی شعلہ ۸ میں اس کا شمار یہ ریلو
جیسا تھا۔

اس رسالہ کی اشاعت کا مدعا یہ بتایا گیا ہے کہ انجیر حلقہ میں
کام کرنے والوں کے درمیان میں جوں کا سہہ پیدا کر کے اس پیشہ
کی ترقی و بہتری کے اسباب سوچے جائیں، ڈاکٹر محمد منظم
ڈاکٹر چینیسی انسٹی ٹیوٹ لاہور اس کے سرپرست و ایڈیٹر ہیں۔

نظامِ کالج اُردو میگزین
حیدر آباد دکن سے یہ علمی رسالہ
شمارہ ۱۷ کو وجود میں آیا۔
صفحات پر نکلتا تھا۔ علام حیدر

صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ بین روپے تھا۔
اس میگزین پر علی گڑھ میگزین علی گڑھ مورخ مارچ اپریل
مئی شمارہ ۱۷ میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔
علام حیدر صاحب کی ادارت میں نظام کالج حیدر آباد دکن سے
اس علمی و ادبی رسالہ کا شروع ہوا ہے جس کے خاص طور پر سیرت و
سے معائنہ اور حصہ نظر کا انتخاب پسندیدہ ہے کالج کے طلبہ
کی ذہنی کاوشوں کا انحصار کم معلوم ہوتا ہے۔
رسالہ نکلتا ہے اس کا مقصد طلبہ کے دوش ادب کی تربیت اور
اصلاح ہونا چاہیے۔ امید ہے کہ مدیر میگزین اپنے کالج کے
طلبہ میں بھی اس رسالہ کے ذریعہ سے علمی ذوق پیدا کر سکیں
گئے اور ان کے رشحاتِ قلم کو بھی نمایاں کریں گے۔

کیفِ احمیر
احمیر شریف سے یہ علمی رسالہ ۱۹۲۸ء کو
نمودار ہوا۔ ۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ ندیم
علیگ کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس کا سالانہ

چندہ چار روپے تھا۔
اس رسالہ پر علی گڑھ میگزین مورخ مارچ اپریل مئی ۱۹۲۸ء
میں حسب ذیل ریویو چھپا تھا۔

احمیر حصری ردھا نیست

کھنڈ وستان کا مشہور مرکز ہے۔ تعجب ہے کہ اس مرکزِ روحانی سے اب تک کوئی علمی رسالہ نہیں نکلا تھا۔ کیف کے رئیس الکلیف ندیم صاحب علیگ نے اس کمی کو پورا کرنے کا ارادہ کیا ہے، جو نمبر بابائے سامنے ہے اس کے کم از کم ان کے عوشِ کواہت کا ضرور ترشح ہوتا ہے۔

امید ہے کہ ندیم صاحب اس رسالہ کو برصیت سے ترقی دینے میں سعی ہوں گے۔ یہ کیف کے نئے اور بہتر مستقبل کی توقع کرتے ہیں۔

س ۱۹۲۹ء

سفینہ نسواں یہ نوالی رسالہ ستمبر ۱۹۲۹ء کو حیدر آباد دکن سے جاری ہوا۔ ۱۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ حادثہ قریشی اور اختر قریشی کی ادارت میں لکھنا تھا۔ سالانہ چھہ دورے پے تھا۔

یہ نواتین کارسار خوجا مین کے سائل پر مبنی تھا۔ پردہ کا زبردست حامی تھا۔ عورتوں کی تعلیم زور دیتا تھا۔ کئی سال تک نکلتے چرتا رہا۔

اختر قریشی قریشی صاحب حیدر آباد کے معلم لافٹ اور پیر جوش نوجوانوں میں سے تھے ان کو فنون لطیفہ سے بڑی دل چسپی تھی

تلم و تثر میں کمال حاصل تھا، غزل، نظم اور سلام در باغی اچھا کہتے تھے تقریبات آٹھ سال تک رسالہ سفینہ نسواں کا میاں بی کے ساتھ نکالتے رہے زندہ دل، مخلص، غیر اور جفاکش ان کے تھے

کیجئے شق تم ہاں بندہ پرور کیجئے
 کب میں کہتا ہوں کہ کبھی دم کے کاہل بنے
 پیر کر پوچھوں وہاں تک آہ یہ کھن نہیں،

تک رہا ہوں یاس سے سائل کو میں سائل بنے
 بچ رہا اور داکے حصہ سے یہ دروغ دغم
 سب انکسار کے لئے ڈالا بجائے دل بنے
 چوں کہ دے مٹی مری اور سوز الفت چوں کہ دے

تا ابدی ان سے اب کسنگی غافل بنے
 پاؤں تھک جائیں تو سر کھلی سے جاتے کا حقوق
 کیا ڈاں سکتا ہے آخر دور کا منزل بنے
 لطف تو حیب ہے کہ قلب نگہ سے لے لے لے
 نالہ دلیوں میں بلب یہ اثر پیدا تو کر دے

یہ ایک نیم مذہبی رسالہ حیدر آباد دکن سے نمبر ۱۹۲۹ء
 کو ظہور پذیر ہوا۔ ۸۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ امام
 بیگ رافقی اس کے ایڈیٹر تھے ساکنہ حیدر آباد دکن

خلیق

روپے تھا۔

اس رسالہ نے کافی زندگی پائی تھی عرصہ تک جاری رہا اردو کی
 اس نے بڑی خدمت کی، بڑے معیاری مضامین اس میں شائع
 ہوتے تھے۔

حیدر آباد اور دوسرے شہروں کے اہل قلم حضرات کے مضامین
 اس میں چھپتے تھے۔

مرزا امام بیگ رونق
آپ اردو فارسی دونوں زبانوں کے
ماہر تھے، شہر شامی کا ذاتی تھا
حضرت محسن کے مت گرد تھے دکن نیز

امینی کے بانی تھے رسالہ طلیق کے مدیر تھے۔
ایک شوکر مری مرتد یہ بھی ادست خرام
ہاں آدم بھی تو کچھ احسان مسیحائی کا
بے محابانہ قیامت ہوئی بے ساختگی
جاگ اٹھے فتنے بہانہ ہوا انگڑائی کا
یہ روزانہ اخبار لکھنے سے ۱۹۲۹ء کو جلوہ افروز
ہوا۔ چار بڑے اخباری صفحات پر نکلتا تھا
حضرت جالب دہلوی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ
چند پندرہ روپے تھا۔

مارچ ۱۹۲۹ء کے سمارت اعظم گڑھ میں اس اخبار پر یہ
تبصرو شائع ہوا تھا۔

”یہ افوس ناک خبر سب کو معلوم ہے کہ جناب سید جالب صاحب
جو ہمدم کے مشہور ایڈیٹر تھے اخبار کے مالکوں، ستم خیزوں سے
جبر پو کر اس سے ملکہ ہو گئے ہیں اور اب اسلوی نے یہ محبت کی
ہے کہ محبت کے نام پر لکھنؤ کی سب سے ایک نیا روزانہ اخبار جاری کیا ہے
جو وطنی وفاداری کے ساتھ اسلامی اخلاقیات کی ادا کرے گا، حقیقت یہ ہے
کہ ہمارے پورے صوبہ میں اگر ہمدم قائم بھی ہے تو تنہا ایک روزانہ اخبار
کا ہی نہیں ہے اس لئے صوبہ کے باشندوں کو اس نئے اخبار کی
لحہ سخن مان ڈکھو ۳۶

طوت خاص تو جو کرنی چاہیے ہماری طرح بہت سے لوگوں کو یقین ہے کہ اس وقت ہندوستان کی اردو دنیا میں یہ جانب سے بہتر کوئی دوسرا ایڈیٹر نہیں ہے وہ اپنی مواد اور پالیسی رنجناں رنج طبیعت پہلے سادہ انٹریڈری کثرت مکتوبات اور خوبی ترتیب کی وجہ سے سید ممتاز اور ہرول عزیز ہے میں ہم کو امید ہے کہ ان کے قدروالہ ان کی اس بہت کی قدر فرمائیں گے۔

نومبر ۱۹۲۹ء کو دیرہ گلاں دہلی سے یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر پروفیسر فخر تالپا صاحب تھے۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چند ایک روپے آٹھ آنے تھا۔

رسالہ ساتھی دہلی کے شمارہ اپریل ۱۹۳۰ء میں اس پر حسب ذیل تبصرہ لکھتے ہوئے تھا۔

پروفیسر تالپا صاحب اس کے مدیر ہیں۔ چند نمبر شائع ہو چکے ہیں فوری اور ماریج قلم دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب کوشش میں بدعنوانی اور نظم بھی خوب لکھتے ہیں مضامین اور ترتیب دیکھ کر کیا جاسکتا ہے کہ کوثر ضرور قریب ہوگا۔ ایم مدھی پریچ ہے اس نے اس کے مطالعہ سے دینی اور دنیوی فلاح دیہودی حاصل ہو سکتی ہے کتا بن اور طاعت اچھی ہے تحت سادہ آئینہ روپہ آٹھ آنے ہے جو کوثر کی طبعیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت کم ہے اس پر

تصادف کسی شائع کرنا ہمت کا کام ہے پتہ دفتر رسالہ کوثر درجہ کمال
دہلی۔

محلہ جوڑ بوالان دہلی سے یہ ادبی علمی اور تاریخی رسالہ
نومبر ۱۹۲۰ء کو جاری ہوا۔ ۱۰۰ صفحات پر

ارمغان

منسل تھا۔ ایڈیٹر یہ دہلی اشرف صہوجی صاحب
تھے، سالانہ چندہ دیکے کر دیا تھا۔ دہلی برٹشک پریس میں طباعت
ہوتی تھی۔

اس رسالہ میں ہندوستان کے مشہور مودت معون نگار خواجہ
حسن نظامی، مولوی محمد شفیع الدین، میر تقی میر، مولانا سید قہر راجہ
صاحب رحمتی، مولانا محمد ستیق احمد، مولوی آدر محمد میاں، جاذب بلوی وغیرہ نے
معارف اعظم گڑھ ورڈہ جبرائی سلسلہ میں اس رسالہ پر حسب
ذیل تبصرہ لکھے ہوئے تھا۔

ایک اہوار رسالہ تصور دہلی رسالہ بہت مضامین میں زیادہ تر افسانے
یا افسانہ پر مضامین میں نیز اردو شاعری بھی اس کا خاص موضوع ہے رسالہ
اپنے ارتقا میں قیمت کے لحاظ سے بیش قیمت ہے امید ہے کہ ادبی
مضامین کے شائق اس کی ہمت افزائی کریں گے۔

اس رسالہ پر رسالہ ساتی دہلی نے بھی اپریل ۱۹۲۱ء کے
نمائے میں حسب ذیل تبصرہ لکھا تھا۔

ارمغان دہلی جناب اشرف صہوجی کی وزارت میں ڈیڑھ سال
سے لکھا جا رہا ہے چھ ماہ سے ساتی کے ساز پر شائع ہونے لگا
ہے ارمغان کی ایک بڑی خوبی و خصوصیت یہ ہے کہ ڈیڑھ سہ ماہ

مالانہ حندہ میں ۱۰ صفحات کے بہترین مضامین نظم وثر کے علاوہ
 نندہ خاک کی تصاویر بھی براہ راست تھے ہوتی ہیں جناب اشرف صبری
 خود ایک خوش رقم قلم کے مالک ہیں اور مضامین کے نثر اور ان کے
 پاکیزہ مذاق اور میسج استباب کا پتہ چلتا ہے، اس نے کا پتہ گم تخت الی
 محمد جواد ایلان رہی۔

صحیفہ محمد عثمانی
 انجمن ہائی اسکول کھام گادول سے یہ مجلہ دسمبر ۱۹۶۹ء
 میں نمودار ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا
 ادارہ شریلیں خطیب سید بشیر حسین صاحب
 جناب محمد ایوب مبارک سید افسر محمد قمر الدین خاں اور مرزا غلام دست گیر
 بیگ صاحبان سے اہمیت و رنج ہمیں ہے اس رسالہ پر معاف اعظم
 گزرم سرگرم جنوری ۱۹۷۰ء کے حسب ذیل تبصرہ شائع کیا ہے۔

یہ انجمن ہائی اسکول کھام گادول کے شعبہ بزم ادب کا ایک ماہوار
 علمی و ادبی رسالہ ہے رسالہ کی طباعت لاہور میں ہوتی ہے اور
 اشاعت کام گادول سے بارے میں نظر اس وقت دوسرا نمبر ہے جو
 دیکر سے پورے نمبر تک تعین تعین پر مشتمل ہے اور اس کا مجموعی حجم ۹۰
 صفحے ہیں رسالہ کے علمی معاونین میں شاقی اہل قلم حضرات اور کوشش
 طلبہ دونوں ہیں مضامین کا عام سیار بلند ہے اگرچہ مضامین میں
 زیادہ حصہ تراجم کا ہے لیکن انتخاب اچھا ہے زیر تبصرہ پر ہے میں
 یاد نکالوں "جس میں صوبہ سرسٹ کے اخبار درسا کی کتاب ہے"
 خواجہ محمد گداں شہید اور ثاقبان اسلام بہ حیثیت ادیب و نثر
 مضامین ال حسب معلومات سے پورا اور میرا کے بلند ہیں کہیں رسالہ

خاص نقص یہ ہے کہ اکثر مضامین نامکمل ہیں مذکورہ مضامین کے نامکمل ہونے کے علاوہ جو حقائق ان کے میں وہ مکمل نہیں ہیں ادبیات کے حوزہ میں انگریزی فنون کا ترجمہ لیا وہ ہے اردو اکثر کی زبان صاف سلیس اور طرز ادا دلکش ہے اور بعض فنون کی اصل بھی انگریزی ٹائپ میں چھاپی گئی ہے۔

مسلم یونیورسٹی اسکول انگریزین
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے
اردو انگریزی میں ماہنامہ
۱۹۲۹ء کو وجود میں آیا

اردو کے سیاسی مضمون اور دس مضمون انگریزی کے اس کے مدیر جناب سید محمد صاحب تھے اس کا بھی سالانہ چندہ درج نہیں ہے۔
معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۳۱ء میں اس رسالہ پر ریلیو ہوا ہے۔

”یہ مسلم یونیورسٹی کے اسکول کے طلبہ کا میگزین ہے اس وقت اس کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے مضامین تقریباً سب اسکول کے طلبہ کے ہیں اور بے شبہ سب سے اچھے ہیں اور طلبہ کے لئے مفید ہیں۔ جن میں چھوٹے چھوٹے اخلاقی انشائیہ کے معاشقہ اصدافِ ساحل تحقیقاتِ جدیدہ یہاں وہی مضامین اور چند مضامین شعروں کی شاعری سے متعلق ہیں اور یہ تصور قائم ہوتا ہے اور تقریباً مضامین سے متعلق ہوتی ہیں زیر تبصرہ رسالہ میں انگریزوں کے گیارہ ورق میں جو اچھے کاغذ پر صاف ستھری چھپی ہیں امید ہے کہ یہ رسالہ ملک کے عام اسلامی مدارس میں بھی مقبول ہوگا۔“

حضرات تھے۔ ایک تھے عبداللہ خاں جو کتب خانہ مصفیہ میں رہتے تھے۔ امی مصفیہ تھے جو شخص ملتا اس سے کتاب بڑھوا کر لیتے تھے۔ مصنفہ پوچھ لیتے اور جو حافظہ میں محفوظ ہو جاتا۔ اگر ان سے کوئی آکر پوچھتا تو کتاب کا نام بتا دیتے کہ فلاں مصنفہ پر یہ عبارت ہے ویکبر کو، شبلی، عالی وغیرہ ابی عبداللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے عبداللہ خاں کے بعد حکیم صاحب کامی نیر نظاما مگر عبداللہ خاں امی تھے اور حکیم صاحب پرکھے کھسے۔ مگر علیت کا ملاحظہ سے کم اور حافظہ غصہ کا تھا۔

حکیم صاحب نے اپنے اس طراد اور حافظہ سے بڑا کام لیا، اور نصیف و نالیف، حقیقی و نقیض کے میدان میں وہ ناموری حاصل کی، جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے وہ گھوڑو اور بکتی نعیم کے ساختہ پرداختہ تھے، ہاں رابطہ اسٹوں نے تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن کثرت مطالعہ اور تحقیقی روح نے ان میں وہ شگفتگی، بصیرت اور گہرائی پیدا کر دی تھی جو ہاں رابطہ نعیم کے بغیر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے عنقریب کتاب میں انھیں طب سے بھی دل چسپی پیدا ہو گئی تھی وہ باقاعدہ مطب کرتے تھے لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا سارے زندگی آزاد رہے سرکاری یا غیر سرکاری کسی ملازمت کے کبھی پابند نہ ہوئے یا بیگاہ خورد نشید چاہی سے وابستگی تھی۔ جو مصنفہ وہاں سے ملتا اس میں گزیر بسر کرتے تھے۔

قداری صاحب پرانے کلمے والوں میں اس حیثیت سے بھی ممتاز تھے کہ اسٹوں نے اپنے آپ کو حیدر آباد کی علمی دنیا تک محدود نہیں

دکھا بلکہ حمید آباد کے باہر رسالے کے لئے بھی لکھا اور بہت جلد وہ
ہندوستان بھر میں شہید ہو گئے۔ لکھنؤ کا ناخبر بھی سلسلہ ۱۹۲۹ء میں
لگا لا تھا جو علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔

مدرسہ اور محقق کی حیثیت سے بحکم صاحب کا مقام بہت بلند
تھا۔ ناخبر آثار قدیمہ اور اس کے علاوہ اردو فارسی زبان و ادب
پر جو تحقیقی مقالے انہوں نے لکھے تھے وہ بڑی قدر کی نگاہوں
سے دیکھے گئے ان میں جس مقالہ کو سب سے زیادہ شہرت حاصل
ہوئی وہ اردو کے قدیم بے جو کتابی صورت میں چھپ چکا ہے اسلوب
نے بعض قدیم تاریخوں کو کسی مرتبہ کر کے شائع کیا تھا۔ "اردو زبان
کے قدیم دور اور دکنی ادب" منظر عام پر لانے کے سلسلہ میں حکیم
صاحب نے جو خدمات انجام دی ہیں۔ انھیں فراموش نہیں کیا جاتا
آپ کا انتقال ۱۹۵۳ء میں ہوا۔

یہ نواتین کا رسالہ حمید آباد میں سے سلسلہ ۱۹۲۹ء کو
وجود میں آیا۔ اہم صفحات پر لکھتا تھا اس
کا ایڈیٹر بیگم ابوبکر خوشیگی عین سالانہ چندہ ڈھائی

بمبئی

رو پے تھا۔

اس رسالہ نے تھوڑے عرصہ میں بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔
حمید آباد کے چوٹی کے رسالوں میں اس کا سہ پہر نے لگا تھا۔ اس
نے اردو ادب کی بڑی خدمت کی۔

۱۹۵۳ء حمید آباد کے ادیب

غالب

آگرہ سے ماہنامہ ادبی رسالہ مسئلہ ۱۹۲۲ء کو جاری ہوا
۸۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب مقبول حسین قابل
اکبر آبادی کی ادارت میں نکلتا تھا مگر ان کا شفیق
کاشف اکبر آبادی تھے۔ سالانہ چند اداکاری رہے تھے۔

مقبول حسین قابل اکبر آبادی
قابل صاحب کا آگرہ کے
علی خاندان سے تعلق تھا
ان کو عین سے ہی شہر ذرا

سے ذوق تھا۔ آگرہ کے شہر سے قریبی فقی رکھتے تھے، عزت و
وقت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ تقریباً ہر سال وہ میں ان کا
کلام پسند کیا جاتا تھا۔

ہرین موسیٰ سے نکلنے کے بعد
موجود بنایا ہے مجھے متعدد شہر دار نے

محمد شفیق کاشف
کاشف صاحب آگرہ کے بنے والے
تھے، میٹرک تک تعلیم پائی کتب بینی کا

شوق تھا۔ اساتذہ سے دیوانوں کا
سطح نہ تھا، شہر ذرا عری کے ذوق نے شہر سچنے پر مجبور کیا۔ اچھا شاعر
بجئے تھے

میرے سجدوں کا نہیں ملتا مزاج
عرش ہے یا آستانِ ناز ہے

مجلہ مکتبہ

یہ رسالہ مکتبہ ابراہیم کی طرف سے حیدر آباد دکن
سے ۱۹۱۹ء کو وجود میں آیا۔ ۸ صفحات پر
نشان تھا۔ اور عبدالقادر سروری کی ادارت میں

نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ کو جامع عثمانیہ کے طلباء اہل ملک کے دیگر مہتمم
اہل قلم حضرات کا تعاون حاصل تھا اس میں بھی میٹری اور سٹوڈنٹس
شعبہ میں لکھے ہوتے تھے۔

عبدالقادر سروری صاحب آپ ایسے فائدہ مند
سے خلق رچنے تھے جس کو تصرف
سے نکلتا تھا اور صاحب باطن تھے

حیدر آباد دکن آپ کا وطن تھا۔ ۱۹۱۲ء کو آپ کی ولادت ہوئی
مختلف مدارس میں آپ کی تعلیم ہوئی جامع عثمانیہ سے بڑے اعزاز
اور امتیاز کے ساتھ ایم اے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی اور جامعہ
میں ہی ۱۹۱۶ء میں بدھ گاریر فیئر اردو کی خدمت پر مامور ہوئے
چند سال کے بعد ۱۹۱۹ء میں میٹری بورڈ سٹی نے آپ کو ریڈیو
اردو کی حیثیت سے طلب کیا، وہاں زیادہ عرصہ ٹھہر نہ سکے
اور پھر جامع عثمانیہ واپس آکر پڑھا۔ اور بعد فقہ اردو کی خدمت
انجام دی وہیں سے ریٹائرڈ ہوئے۔

سروری صاحب کو چین سے سفار میں کھینے کا موقع تھا انجا مدنی
اور سالوں میں سفار میں کھینے رہے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد
تصنیف و تالیف پر توجہ دی، تاریخ ادب، تنقید اور افسانہ نگاری پر

آپ کے فاضل موصوع تھے آپ کی تصانیف یہ تھیں۔
 حیدر اردو رشاعی اس کے تکی اڈیفن صحیفہ کے ہیں دنیا کے
 انسانہ کردار انسانہ حیدر آباد کی ۵۵ سالہ تعمیر نئی اردو کمزوات
 حضرت سراج اور ان کی رشاعی اب موسعتا نیہ کے اردو مخطوطات
 اس کے علاوہ اور بھی آپ کی تصانیف ہیں معانی کی تعداد بھی کافی

ہے۔
 جامع عثمانیہ کے قیام کے بعد حیدر آباد کے جن فوجوالوں نے
 تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا ادا اپنے سلجھ ہوئے
 مذاق اور غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت کم عرصہ میں ہندوستانی
 غیر شہرت حاصل کی وہ جامع عثمانیہ کے ان پیروں میں سے ہیں
 جو اپنے بن پور سے پر آپ کوڑے ہوئے اور محض اپنے
 ذاتی حقوق اور محنت کے سہارے نئی کرتے گئے۔

ان کو ان نیاات نے غیر معمولی دل چسپی پیدا ہو گئی تھی، اس موضوع
 پر اسوں نے تحقیقی کام شروع کیا۔ اور اسی موضوع پر ایک کتاب
 زبان اور علم زبان تالیف کی جو تھے سر جی کے۔
 ان دنوں جدید رشاعی کے ثقہ کی حیثیت سے سرور کی وجہ
 نے اپنے تے اب مقام پیدا کیا ہے۔

دارالافتاء علیہ السلام ۱۳۱۱ یو آر پیو کلکتہ سے ملائے
 کوئٹہ اردو ہوا۔ ۱۰ صفحات پر نکلتا تھا اس کے
فہرست

ایڈیٹروائی کے طرقت تھے، سالانہ حتمہ دور دے آٹھ آنے تھا۔
اس سال پر خزان لاہور کوڑھ نومبر ۱۹۱۲ء میں حب ذیل
رپو لیو کیا تھا۔

یہ رسالہ کلکتہ سے وائی کے طاق صاحب کی ادارت میں شائع
ہوتا ہے علم کی نو بنو تقرات و ترمیمات سے عامہ ان س کو آگاہ کرنا
غالب اس کا مقصد ادلیں ہے یہ رسالہ بھی اپنے ابتدا کی مراحل سے
گزر رہا ہے اپنے اعتبار سے اچھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایسے
مسائل کو کامیاب بنانے کے لئے جس کا موضوع علم لکھ ایسیج ہو،
ایک رقم خطیر کی ضرورت ہے اس میں آٹھ کی بہترین تصویریں اور
سناٹ کی سرنگی اور دور کی تصویریں اور ایسے اہل قلم کی امداد حاصل
کرنا یا بیج جو اس موضوع سے دل چسپی رکھتے ہیں قلم رپو کی قیمت
صرف دور دے آٹھ آنے ہے۔

سعارف اعظم گڑھ کوڑھ جنوری ۱۹۱۲ء میں بھی اس رسالہ
پر تبصرہ کیا تھا۔

قلم رپو میں دوستانی قلم سانک کا ترجمان ہے کلکتہ سے شائع
ہوتا ہے ابتدا میں چند صفحہ تذرات کے ہیں جن میں ہندوستان
کی علمی دنیا پر آئیں ہیں سیرضہ میں شروع ہوتے ہیں جو قلم سازی
علمی ساکر کی تفصیل و تشریح دے کر کی تاریخ علم ایگز اور ایگز اس کے
سوانح حیات اور کارناموں پر تفصیل روشنی ڈالی گئی ہے اس کے بعد معلومات کا
حصہ ان ہے۔ رسالہ میں علمی مناظر قلم ایگز اور ایگز اس کی تصویریں آرٹ
پر پریشان کن کی ملاتی ہیں،

مونس

یہ رسالہ سالانہ ۱۹۲۹ء کو گوجرانوالہ سے وجود میں آیا
۸۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ لادگر دھاری اس کے
ایڈیٹر تھے سالانہ چند سوانحیں مد پے تھا۔

نیرنگ خیال لادگر کے سالانہ ۱۹۲۹ء میں رسالہ مونس کا جب
ذیل اشتہار نکلتے سوا تھا۔

غور و تفکر کی گھڑیوں میں رسالہ مونس آپ کا حقیقی مددگار اور
معاوضہ ثابت ہو گا۔ آپ کا دل پہلاتے گا اور دل چسپ فسانے
سناتے گا۔ اس رسالہ میں صرف انسانی اور ذرا سے اُدھنادل درج
ہوتے ہیں، پہلا نمبر شائع ہو گیا ہے جس میں گیارہ افسانے اور
دو آرٹ کی تصاویر ہیں۔

قیمت سالانہ سوانحیں دو پے پے۔

دہلی سے یہ سالانہ ۱۹۲۹ء کو وجود میں آیا ۶۴
صفحوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر ڈاکٹر سید احمد صاحب
تھے سالانہ چند سوانحیں مد پے مع معمول ڈاک

تھا۔

اس سال پر سالہ سانی دہلی نے حسب ذیل رپورٹ کیا تھا۔
ڈاکٹر سید احمد صاحب کی ادارت میں سوانحیں سے جاری ہے مقصد
نہایت اعلیٰ ہیں، یعنی سوانح کی عملی ایجاد اور اجتہادی کوششوں کو بیرو
کرنے والا اور ان کو نئی دیکھا بھری سے بہترین طریقے بتانے والا
ہو کہ رسالہ ہے سوانح کو پتی سے نکالتے کے ایک ایسے رسالہ کی
ضرورت بھی تھی ڈاکٹر صاحب ان صحافتی میاںوں کا عزم سے علا

رہے ہیں جو جاری ترقی کے لئے ہلکے ثابت ہو رہی ہیں۔
 خدا وہ رومن سید جلد دکھائے کہ ان کا صاحب کو پوری کامیابی حاصل
 ہو، ناقص بہت خوشحالہ سترسیں کے آڈٹ کا اچھا نمونہ ہے قیمت
 سالانہ تین روپے جمعہ ڈاک نمونہ دفتر رسالہ کامیابی دہلی سے
 طلب کیجئے۔ ۱۰/۱۱

البلاغ
 نظیر آباد گھنٹہ سے پیمانہ علمی رسالہ سلسلہ ۱۱ میں
 جاری ہوا۔ ۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی سید
 محمد افضل صاحب ناقد مددی بھرا بھائی اس کے
 پڑ پڑتے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔
 معارف اعظم گڑھ نور محمدی سلسلہ ۱۱ میں اس صاحب
 پر پڑ چھا تھا۔

مولوی سید محمد افضل صاحب ناقد مددی اردو میں مصافحت
 کے ایسے خدمت گزار ہیں جس کو اپنے طریقوں پر کچھ نہ کچھ ہمتیہ کرتے
 ہوتے ہیں، آپ کے زیر اہدات البلاغ نام سے ایک ہفتہ وار پرچہ
 ہفتے سے نکلتا تھا۔ وہ اب پانچ رسالہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے
 البلاغ کا اصل طرح نظر تبلیغی اثرات ہے لیکن چونکہ ایک ہفتہ وار
 جاری ہے نہ اس کی شکل میں بدل کر آیا ہے اس لئے ہدایات قدیرہ کے
 اس سے کچھ نہ کچھ سیاسی نفاذ بھی سامنے ہیں اور اس وقت اس
 دائرہ بحث و تبلیغ دائرہ ملت اسلامیہ بات اور انشیا
 بدعالی اسلامی کے درمیان رابطہ اسی در تفتاح ہے اس لئے معانی
 با بیشتر حصہ ہی اسلامی مسائل پر چلتا ہے نیز دعوت اصلاح اوقات
 ۱۰/۱۱ سالانہ دسمبر ۱۹۴۲ء

دو مختلف کاغذ پر بھی لکھی گئی ہے۔ رسالہ میں معروضات کے اچھے اخبار و رسائل کے اقتدارات و تراجم خصوصیت سے ہوتے ہیں اور میں اخبار عالم کے عنوان سے عین چار صفحوں میں ایسی خبریں ہوتی ہیں جو آئندہ زمانہ کے تاریخی واقعات ہو جائیں گے۔

ان علت معلوم فرمائی گئی کہ جس سے یہ نام نہ جریہ
قیام الدین
رسالہ کو وجود میں آیا۔ ہم صفحات پر
لکھتا تھا۔ اس کے مدیر حسن انصاری صاحب
تھے سالانہ چھ بار روپے تھا۔

اس رسالہ پر محارف اعظم مرحوم مورخہ جنوری ۱۹۲۹ء میں یہ
تبصروں لکھے ہوئے ہیں۔

قیام الدین مولانا عبد الباقی صاحب فرنگی محل کی یادگار مجلس اعلیٰ
العلوم کا ماہوار ترجمان ہے رسالہ مختلف قسم کے مذہبی علمی ادبی مضامین
پر مشتمل ہوتا ہے۔ مضامین کے پہلو بہ پہلو نظمیں اور غزلیں بھی درج ہوتی
ہیں فرنگی محل کو جو مرکزیت حاصل ہے اس کے علاوہ سے کبھی کبھی رسالہ کے
فنی معاونین میں ملک کے مشہور نام بھی نظر آتے ہیں لیکن سیر بھی یہ
فرمان کرنا ضروری ہے کہ ان ہی مضامین کے پہلو بہ پہلو محضاد بہا حسرت
مضامین ایسے درج ہوتے ہیں جن سے ایک طرف رسالہ کے معیار کو
حد نہ نہیں ہے اور دوسری طرف مضامین میں باہمی توازن قائم نہیں
رہتا ہے رسالہ کو کثرت انتساب حاصل ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کے
تالیف کنندگان رسالہ ترتیب پائے لیکن مضامین کی نوعیت میں جو عام
تذریبی ترقی کہے اور لائق مدیر حسن انصاری سے رسالہ کی ترتیب

تدوین میں مصروف ہیں اس سے کوئی ہے کہ اس کو ایسے بیاد پرست
جلد و بیکہ نہیں ہے جو زرنگی محل کی مرکزیت اور مولانا عبدالباقی مرحوم
کی ذات غزالی کے شان و شان بکہ اہل اسلامی علوم و آداب کا سینے خدمت
مزار ہوگا۔

زیدی مسئلہ سے یہ ابن انوار الصفا کا آرگن
کھنڈے نمودار ہوا، اہل مضمون پر لکھتا تھا
جناب ابو اعلیٰ ناطق اور جناب حکیم کیفیت اس کے
ایڈیٹر تھے سالانہ جلد چار روپے تھا۔
مدحت اعظم گڑھ کرمہ جنوری ۱۹۷۱ء میں اس رسالہ پر ریویو
چھپا تھا۔

غوب و شری کے علاوہ اردو کے مرکز کھنڈے کے گزشتہ ماہ سے
جناب ابو اعلیٰ اور جناب حکیم کیفیت کے زیر ادارت مہر نام کا ایک رسالہ
ابن انوار الصفا کا ترجمان ہے اس کا مقصد ادبیات پر غیر جانبدارانہ
بے لوث اور مختلفانہ تبصرہ بنا گیا ہے، امداد میں محترم مدیر نے
لکھا ہے کہ

اگر چند علمی و تاریخی مضامین ایک مختصر اضافہ اور چند غزلوں کی
اشاعت کا نام خدمتِ ادب ہے تو یقین کرنا چاہیے کہ سبائے ترقی
زبان کے تزلزل ہو رہی ہے۔

اس تنقید کے بعد ہم کو امید ہے کہ اس رسالہ میں ہم کو کوئی بہتر
حیز ملے گی لیکن اتنا تو ہے کہ سب سے بھی اس کو سودہ لبریت کا تجربہ ہے
اور اس کے ادارتی مضامین کے بین السطور میں بہ مدد کھنڈے نظر

آتا ہے کہ اس کا وجود بعض خاص جذبات کا نتیجہ ہے خدا کرے وہ
جن بلند کونجک دعووں سے عالم وجود میں آیا ہے ان کو سچ دکھائے
اللہ ان کا دامن فارہ میں الجھ کر نہ رہ جائے ۶

لاہور سے یہ رسالہ ۱۹۲۹ء کو وجود میں
آیا۔ ۶۴ صفحہ پر مشتمل تھا۔ جناب محمد عنایت
اللہ خاں صاحب قیرت اس کے ایڈیٹر تھے

سروش

سالانہ چندہ عین رو پے تھا۔
اس رسالہ پر سارف اعظم گڑھ مورخہ مارچ ۱۹۲۹ء میں یہ
دیو کی تھا۔

یہ رسالہ جناب محمد عنایت اللہ خاں صاحب کی ادارت میں نکلنا
شروع ہوا ہے پہلے نمبر کے صفحہ ۱۰ سے اس رسالہ کے مستحق کے
منتقل اگر اس نے اپنا یہی سید قائم رکھا تو بہت کچھ امیدیں وابستہ کی
جاسکتی ہیں اس کے معزز نگاہوں کی فہرست میں جناب مولوی ظفر علی
خال صاحب پر و فیر غلام مصطفیٰ صاحب اور جناب پر و فیر مظفر الدین
صاحب وغیرہ کے نام نظر آتے ہیں۔

تا دیانہ پنجاب سے ۱۹۲۹ء کو یہ رسالہ نمودار
ہوا، مجلس داعیانِ سابلہ کا ترجمان تھا ۳۲
صفحہ پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ درود پے

مکمل

آٹھ آنے تھا۔
یہ رسالہ احمدی جماعت سے دل چسپی رکھنے والے روافقیں اور
مخالفین دونوں کے لئے دل چسپ تھا۔

اسلام
اگر تیرے یہاں مذہبی رسالہ منظرِ عام میں
جاری ہوا۔ تو صفحہ نمبر پر نکلتا تھا جنابِ مولانا
صاحب اس کے ایڈیٹر سے سالانہ چندہ وصول فرماتے
تھا۔ سائنس اعظم گرام مارچ سنہ ۱۹۶۷ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا
تھا۔

ادب
اس میں عام نظم مفید مذہبی مضامین اور مذہبی اشعار ہوتے تھے
عوام میں مذہبی دلچسپی کو سیرتِ قدوسہ سے واقفیت پیدا کرنے کا یہ
اچھا طریقہ ہے۔ اس کے ایڈیٹر جناب محمد میرا دیں صاحب ہیں
یہاں ہمارے پرچہ نمبر سے سنہ ۱۹۶۷ء میں بطور ایڈیٹر
ہوا۔ ۱۹۶۷ء صفحہ نمبر پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر
سید اعظم حسین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ وصول فرماتے
اس رسالہ پر رسالہ سالانہ اپریل سنہ ۱۹۶۷ء میں صاحبِ ذیل
رہنمائی کیا تھا۔

چھ ماہ ہر گز کہ ادب نے عالمِ صفحات میں قدم رکھا ہے
تین پرچے جاری نظر سے گزرتے اور ہم دلتوں سے کہہ سکتے ہیں کہ ادب
اسم کا سکا نام بتا رہا ہے سید اعظم حسین صاحب مدبرِ ادب کے بطور
میں ایک خاموشی دل کشی ہے جو علاوہ ان کے ادیبِ فاضل ہونے
کے صاحبِ الہام ہونے پر بھی دال ہے۔
مضامین علمی و ادبی نکات پر تھے ہیں فاضل رنگیں کتابت
طباعت بہت اچھی ہے۔

حیدر سالانہ چار روپے سے وصول ہوگا۔

حکمت لاہور سے یہاں ۱۹۲۶ء کو طبع ہوا ۵۰ صفحت پر مشتمل تھا۔ زبدۃ الفقار زبدۃ کوازش علی کی ادارت میں لکھنؤ شہر سالانہ حیدر ایک روپے آٹھ آنے تھا۔

رسالہ ساقی دہلی کے شمارے اپریل ۱۹۲۷ء میں اس جریدہ پر شجرہ ہوا تھا۔

زبدۃ الفقار زبدۃ کوازش علی صاحب کی ادارت میں ۱۹۲۶ء لاہور سے نکلتے ہوئے اس کے ایک ہفتہ دس نمبر نکلتے ہو چکے ہیں۔ دسواں نمبر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب مضامین بہت قابلہ ہے کیا گیا ہے ایسے مفید علمی معلومات بہم پہنچانے والے رسالے بہت کم ہیں اس رسالہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ معمولی قابلیت کا آدمی بھی جو اصطلاحات طب سے کلی بے بہرہ ہو مستفید ہو سکتا ہے ذیل کے منقول عنوانات پاری معلومات میں کثیر اہمیت رکھتے ہیں۔

- ۱۔ جعدہ صحت ۲۶ نتائج تجربات (۳) تجربات (۴) عطریات
- ۵۔ مفید معلومات (۶) منقرعات (۷) سوالات و جوابات (۸) ولوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حکمت اپنی گراہوں خوشیوں اور مصائب کے لحاظ سے قابل ستائش ہے اور بزور سفارش کرتے ہیں کہ حکمت کی سرپرستی کی جائے

لکھنؤ کی چھاپا کی اچھی ہے ۵۰ صفحہ حیدر سالانہ ایک روپے آٹھ آنے نمونہ دفتر حکمت موچی دہلاڑہ لاہور سے مفت ملتا ہے۔

حیدر آباد ٹیچر
 سالانہ امتحان کو پہلی جگہ پر آیا۔
 سے وجود میں آیا۔ ۲۲ صفحات پر لکھا
 تھا۔ ارباب غنیم کی وجہ سے لکھا
 ہوتا تھا۔ درود پے سالانہ حیدر آباد کن

ارشاد
 یہ دیکھی دیکھی سالانہ حیدر آباد کن
 سے وجود میں آیا۔ ۲۲ صفحات پر
 لکھا تھا۔ جناب یوسف الدین صاحب
 کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ حیدر آباد کن

سائنس
 انجینئرنگ اور دکن کی ہندوستانی
 سے سالانہ امتحان کو پہلی جگہ پر آیا۔
 پر لکھا تھا۔ لکھا تھا اور دکن کی ہندوستانی

یہی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ حیدر آباد کن
 کے ایڈیٹر تبدیل ہوتے رہتے تھے اس کا دفتر اورنگ آباد سے
 بنی تبدیل ہوا۔ سالانہ امتحان کو پہلی جگہ پر آیا۔
 بنی سے پاکستان ہجرت کرنی پڑی کراچی سے لکھا ہونے لگا۔

زر زش جسمانی
 سالانہ امتحان میں پہلی جگہ پر آیا۔
 دکن سے وجود میں آیا۔ ۲۲ صفحات پر
 لکھا تھا۔

اس سال کے ایڈیٹر محمد صاحب تھے اس سال کا سالانہ
 حیدر آباد کن پے تھا۔

معاون گوجرانوالہ سے مسئلہ ۱۹۲۹ء کو یہ ماہانہ رسالہ
نمودار ہوا۔ ہم مضمون پر نکلتا تھا اس
کے ایڈیٹر مولوی محمد ابراہیم سادون چودھری
فلام مصطفیٰ صاحب بی اے ایل ایل بی بیرسٹر تھے۔ سالانہ
چندہ سارے نمبر دے پتے تھا۔

ارمغان، بی سرفہ جون مسئلہ ۱۹۲۹ء میں رسالہ سادون گوجرانوالہ
پر بریل پوزیشن تھے ہوا تھا۔

.. جناب چودھری فلام مصطفیٰ صاحب بی اے ایل ایل بی ،
بیرسٹر کی سادنت اور مولوی محمد ابراہیم کی ادارت میں نکلتے ہوتا
ہے، حمی میں علمی و ادبی، زرعی امداد ہاسپی، تعلیمی، اخلاقی اقتصادی
معاہت انسانے اور نفسی وغیرہ سے ہوتی ہیں جناب غور کت
تھا کہی کا مضمون سر دیسی بدلتی بہت خوب ہے نقادیر بھی ہوتی
ہیں غرضیکہ رسالہ ہوتا ہے، کتابت طہاعت قابل اطمینان ہے
با اجمود اتنی خوبیوں کے چندہ سالانہ نمبر دے پتے آٹھ آنے ہے۔

شبستان دہر الاثنت پنہاب لاہور سے یہ علمی رسالہ
۱۹۲۹ء کو وجود میں آیا ۶۴ صفحات پر مشتمل
تھا۔ سرفہر اس کے باقی اور ایڈیٹر تھے چندہ

سالانہ چار دے پتے تھا۔

رسالہ صحافت اعظم گڑھ سرفہ مارچ ۱۹۳۰ء میں اس رسالہ
پر بریل پوزیشن تھے ہوا تھا۔

"خبرستان میں کوئی نقادیر کی مقبولیت اس حد تک بڑھ گئی ہے

یہاں کے سوا یہ داروں نے غریبوں کی فلاح پر توجہ نہ کر خود
 شہرستان میں ان کی تباہی کے لئے متعدد کمپنی قائم کیں یہی اند
 شاید ہندوستان کے ملکہ و عرصہ میں کوئی بڑا شہر نہیں جہاں یہ تصور
 خانے - پیکر ہاؤس - نہروں ، ان حالات میں اس بڑا درجہ کے مسائل
 و اخبارات کا نکلنا ایک لازمی چیز تھی اس سلسلہ میں محبت ان کے ذریعہ
 جو پہلا قدم اس طرف بڑھا گیا ہے وہ بہت امید افزا اور اس دنیا
 کے مسائل پر نشان ہے ایک ایسی تصویر کے علاوہ بارہ صفحات پر متعدد
 تقادیر میں کارٹون بھی ہیں مضامین کے لحاظ سے بھی اپنے موضوعات
 کے مطابق مفید معلومات کا حلقہ ہے اور ہم سرشار کو ان کی ادلیں
 کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں ۔

دلی سے یہ علمی رسالہ مفتہ دارا فیروز خانہ ۱۹۲۶ء کو
 جلد اولہ اورد ہوا ۔ ۸ صفحات پر نکلتا تھا اس
 کے ایڈیٹر ایم اے مفتی صاحب تھے ۔ سالانہ چندہ
 چار روپے تھا ۔

یہ رسالہ اسم بائیں نہیں تھا ۔ بلکہ اس میں سیاست و کایت
 ادنیٰ کی دیرہ تمام بحث کو جگہ دی تھی ۔

الحراق
 محمد کچھ سے یہ رسالہ ۱۹۲۶ء کو جاری ہوا ۸
 صفحات پر نکلتا تھا ۔ عبد الرحمن عراقی اس کے ایڈیٹر
 تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا ۔

صوبہ آگرہ کے اصلاح شرتی میں ایک تجارت پیشہ مسلمان قوم آباد ہے
 اس کا دعویٰ ہے کہ وہ عراق سے یہاں آئے تھے اور ۱۰ اعلیٰ نے

اپنے اس دعویٰ کے محبت اور اپنی برادری کی حتمی تحریکیں کے لئے یہ رسالہ لکھا تھا۔

بیدار
مولا علی علیہ السلام کے بارے میں یہ فریض برادری کا ترجمان ہے جو موجودہ مکتبہ ۱۷ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب غفور حسین فریض تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

مخالفونِ مشرق
یہ ماہانہ علمی ادبی رسالہ ۱۹۴۹ء میں بیڑی سے جاری ہوا۔ ۱۰۰ صفحات پر نکلتا تھا ڈاکٹر حسرت آوار حجاب اس کی ایڈیٹر تھیں سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

ڈاکٹر حسرت آوار حجاب
حجاب صاحبہ ہندوئی میں پیدا ہوئیں، مادری بنگالی ہیں آپ کا خاندان اسلامی روایات

کا تابندہ نشانی سمجھا جاتا تھا۔ اسفون نے اپنے حید عالم باب کے زیر تربیت قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کیا اور مذہبی علوم حاصل کئے۔ شاعری کا انداز تقریباً گیارہ سال کی عمر سے جوئی اور اس کا محرک دالہ کے اشتغال کا ساتھ تھا۔ اس کے بعد زندگی شغور ادب سے وابستہ ہو کر رہ گئیں۔

سرگرم زندگی کا آغاز نون مشرق بیڑی کی ایڈیٹری سے ہوا

۱۳۹۷ء یونیورسٹی میں پروفیسر کا بچہ رہنا شروع ہوا۔ ان کی زندگی میں ان کا رشتہ پرانی پروفیسر کی بیٹی سے ہو گیا۔

۱۳۹۸ء میں بنیاب یونیورسٹی سے ادب عالم کا امتحان پاس کیا۔ مذہبی ماحول میں پرورش پانے کے باعث ان کے کلام میں مذہبی خیالات اور فطرتی جذبات و احساس کی گہری جھپ ہے اور نظریات میں ان کا یہ رنگ بہت نمایاں ہوتا ہے غالب اور جگر مراد آبادی سے بہت متاثر ہیں اور اسکا وجہ سے ان کا زیادہ رجحان غزل کی طرف ہے ان کے اشعار میں گہرائی بسی ہوتی ہے۔

ان دور حادثات میں ہوں مہازن حجاب
 بال برائیم سوز را عزم جواں ہے اب
 باعقد فن تو بہ یا نثر نہیں حجاب
 ہر شخص میں ہے خون کے اعلان کی تڑپ
 ان زبان کے جوہر مسلسل سے لے حجاب
 گہرائی تو بے سود ماں گھیا چٹ
 حجاب ہم تو نہ پہنچے کسی نتیجہ پر
 یہاں نغزل ہے ایثار و اعتبار کی سمیت

سنہ ۱۹۳۰ء

ساقی

کھاری باؤلی دہلی سے یہ علمی و ادبی رسالہ جنوری
سنہ ۱۹۳۰ء کو جلوسہ آؤرز ہوا۔ ۴ صفحات پر مشتمل
تھا۔ ایڈیٹر جناب شاہد احمد دہلوی کی لے آؤرز،
نائب مدیر سید انصاری علی دہلوی اور قلمی اساتذہ عظیم احمد حسینی دہلوی
تھے۔ سالانہ چندہ پین روپے تھا۔ ڈبلی پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپ
تھا۔ سرمدی پرائیڈل گائیڈ سرمدی جوتانا تھا۔

اس دور میں سے اور بے جام اور بے رحم اور
ساقی نے باسکی روش لطیف و نرم اور
پیلے شہر سے جنوری سنہ ۱۹۳۰ء میں مختصر طور پر دور سے منظر پر
حسب ذیلی اغوا امن و مقاصد شائع ہوئے ہیں۔
اس ادب اور ادبی فنکارانہ اشاعت اور تحقیقات کے جدید
و ندرت کا نقشہ "ساقی" کا مقصد حقیقی ہے۔

۲۔ سائی کی اشاعت سے بڑی غرض یہ ہے کہ ملک میں پاکیزہ ادب کا مذاق پیدا کیا جائے اور زمان و ادب کی تبدیلی کی طرف انہماک دینا چاہئے۔

۳۔ سائی کو پیش کرے گا کہ اردو میں نثر شاعری ادب لطیف کے نمونے پیش کر سکے۔

۴۔ سائی خاص ادبی و علمی رسالہ ہے یا بیات اور مذہبی مآخذ سے اسے مطلق سردکار نہ ہوگا۔

۵۔ اخلاق، تہذیب اور ذاتیات پر مبنی صفائے سائی میں مدح نہ ہوں گے۔

۶۔ سائی کے ذریعے کوشش کی جائے گی کہ ادبی محاسن و کمالات کی پوری پوری داد دی جائے۔ لیکن یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب ملک کے اچھے لکھنے والے سائی کے طبع و فکر کی تحصیل کئے کافی توجہ فرمائیں اور جن کی باقاعدہ اور مسلسل جہش نظم سائی کو اس کی حدود و یوں سے سبکدوش کرتی ہے۔

اسی پہلے شمارے طبعی سلسلہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ پورے چھ مہینوں پر آخر امن و اتفاق پر روشنی ڈالی جس میں سے ہر فرد کی اقتباس مل سکتی ہیں۔

تمام ہندوستان کے لوگ جو اردو بولتے ہیں ان زبان اور تمام ہندوستان کے وہ لوگ جو اردو کی خدمت کرتے ہیں زبانوں میں کہیں ان سب کا سرچہ دہلی اور لکھنؤ ایک ایسا گانچ ہے جہاں سے زبان کا سند ملتی ہے ان میں اولیت کا تاج دہلی کے سر پہ

(خواجہ عبدالغنی مشیرت گیسوی) گریس یہ دیکھ کر انہیں ہوتا ہے کہ اہل دہلی
 اپنے اس کرہی و قار کردن بدن کو کئے جا رہے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ
 ہے کہ ہمارے بیاں کے اہل قلم حضرات کو بکروہات دنیا نے کچھ ایسا گھیل رہا ہے
 کہ وہ یا تو غم ہی غم پورٹ بیٹھے ہیں اور یا اس کا ذریعہ نہ بننے کی وجہ سے
 فاقہ کش ہیں۔ لکھنؤ میں زبان کا چرچا ہے کہ بی انجمن میں جو تحفظ
 ادب کے لئے قائم کی گئی ہے شورش سن کی گرم بازاری ہے آگے دن شمار
 ہوتے رہتے ہیں اور زبان کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے
 اور اہل لکھنؤ کو اپنے ارادوں میں خاطر خواہ کامیابی ہو رہی ہے دہلی
 میں اہل قلم کا حال نہیں ہے اردو وگ بڑی محفل پر ہیں جو یہ کہتے
 ہیں کہ دہلی اب برائے نام رہ گئی ہے وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے
 زبان زبان کا ہیبت کم چرچہ ہے ایک انجمن بھی ایسی نظر نہیں آتی
 جس کا قصہ زبان اردو کی ترقی ہو، شورش سن کا بازار بھی سرد ہے
 کبھی برس در برس میں سن لیتے ہیں کہ کلاں وکے محفل شورا قائم ہوتی ہے
 ان فاسدوں کی وجہ سے تباہ خیالات تو مطلق ہوتا ہی نہیں اور چونکہ
 زبان کی ترقی کی کوشش نہیں کی جاتی اس لئے اہل دہلی کی تنہائی زبان
 سبھی کس سپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے ہمارے محفل بیت ہو گئے
 ہیں اور ہمارے ہم کو ایک اجڑی ہوئی محفل سمجھتے ہیں یہاں
 ہم یہ دماغ نہ دیا جاتے ہیں کہ اس میں زبان دہلی کا کوئی قصہ نہیں
 ملکہ یہ اہل دہلی کی بڑی ہمدانی ہے کہ وہ اس قدر بے التفاتی برت
 رہے ہیں دہلی اب بھی اسی خواہاؤں کی چوکھٹ ہے جو پہلے تھی اور
 ان ہی بزرگوں دین کی برکت ہے جو یہاں کی خاک میں آسودہ

ہیں کہ آج ہماری کم تو جہی اور بجا عسکر کے بھڑوہلی کی فصاحت و شکست
 عظمت زبان کا نام اب سب زبان زد طلانی ہے اور ایک عالم میں
 دہلی کی شکست زبان کا سکھ جاری ہے۔

ثبت است بر جریۃ عالم دوام ما
 اور جب کوئی سکھ زبان در یافت کر رہا ہوتا ہے تو دہلی کا کشتہ ہی
 کے ساتھ اساتذہ سے رجوع کیا جاتا ہے ہیں آج کی دہلی کی فخر
 حاصل ہے جو کہ نصف صدی پیشتر تھا یعنی

اردو ہے جس کا نام ہیں جانتے ہیں داغ

میدرستان میں دھوم ہماری زبان کی ہے

تائید یہ ہے کہ سر چیز کا ترقی کئے گئے ایک تو جدید ضروری کر
 اردو دوسرے اس کی قدردانی، ہمارے ہاں زبان کی جدید
 کچھ رہی بھی مانتی ہے مگر قدردانی بالکل مفقود ہے پنجاب نے زبان
 اردو کی ترقی کئے گئے جدید بھی کی اور قدردانی بھی، ہم دیکھتے
 ہیں کہ آج ترقی اردو کا سہرا پنجاب ہی کے سر ہے دکن میں قدردانی
 پہلے ہوئی اور جدید نہیں، ہند کے مشہور اہل علم کی قدردانی دکن
 ہی میں ہوئی اور چونکہ علم بدست اصحاب کی قدردانی اور یردش
 اب بھی دیاں ہوتی ہے اس لئے اچھے کلمے والوں کی بڑی تعداد
 دکن میں ہے، اردو کا چرچا دکن میں سب سے زیادہ ہے اس
 لئے دباں کا بر شرف ذاتی صبح رکھتا ہے ۲

ہر کجا حشیش بود مشیر میں
 مردم در مرغ و مور گردانید

برہمناظرمفت و ترقی اردو لکچر دہلی سے بڑھا ہوا ہے اور لکچر کو بڑھا
 سوار سنا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ لکچر کے اہل قلم میں ایک بڑی تعداد ان
 لوگوں کی ہے جن کے آباء و اجداد دہلی کے تھے اور وہی سنا جانے پر
 لکچر چلے گئے تھے، دہلی کے چھپے رہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے
 کہ یہاں کے اچھے لکھنے والے دکن چلے گئے اور کچھ لکچر، کیونکہ ان کی
 دور نما لوں میں ان کی پرورش ہوئی اور دہلی ان کے جانے سے تقریباً
 خالی ہی رہ گئی، اور جو اس قدر ادبی نقصان کے فدا کا شکر ہے کہ وہ دہلی
 اب بھی اردو کا مرکز ہے اور باوازنہ کمیتی ہے۔

لکچر دہلی میں غزنوی باب فصاحت میں
 کوئی اردو کو کیا سمجھے کہ جب ہم سمجھتے ہیں

کسی زبان کو ترقی دینے کے لئے رسالوں کا جاری کرنا ایک عمدہ طریقہ
 ہے اس میں جہاں ہر وجہ ضروری ہے وہاں قدر دانی بھی لازمی ہے
 ملک کے گوشہ گوشہ سے جہاں کہ درساں جاری ہیں، نیویارک کی آبادی
 کے باسے میں کہا جاتا ہے کہ برمنٹھ میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور برمنٹھ
 میں ایک موت ہوتی ہے۔ کم دیش ہاؤس ملک کے رسالوں اور اخباروں
 کے باسے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہر روز ایک اخبار یا رسالہ جاری ہوتا
 ہے اور ہر روز ایک ہند ہوتا ہے کسی اخبار یا رسالہ کا جاری رہنا یا بند
 ہو جانا اس کے حسن و قبح پر موقوف ہے یہاں حسن و قبح کی تفسیر
 نشر و تحریک کو دینی مناسب ہے جو کہ اردو دلوں نے والے افراد کی بڑے حصہ
 کی نظروں میں حسن ہے قبح سمجھنا بظاہر القیاس، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ
 ہمارے ہاں کی ادبی مذاق کا معیار اس قدر گرا ہوا ہے کہ ہمارے دیکھتے ہی

دیکھتے، العصر، ادب، نقد، جیسے پایہ کے پرچے منور ہستی سے حرف
 غلط کی طرح مٹ گئے۔ اور جو بقیہ حیات ہیں ان کی تھلیل ان اٹل
 کا دونا سننے سننے ہائے کان یکہ گئے۔ پرانے رسالوں کی بے قد مائیں
 نیا رسالہ نکالنا عالم مصنفت کی ترقی کے عجیب سامانوں میں بڑے پرچے
 ہی اچھے پرچے کے محک ہوتے ہیں اور جب اچھا پرچہ نکل آتا ہے
 تو پڑے پرچے داغِ غارتگی دے جاتے ہیں اس کی مثال یوں کیجئے
 کہ چاند کے چڑھتے ہی تارے ماند پڑ جاتے ہیں اس کی کش مکش باہکی میں
 میدان اسی کے ہاتھ رہتا ہے جو کہ ہر طرح اس سے لڑتی ہوتا ہے
 یا یوں کیجئے کہ جو مذاق عامہ کے کو افق ہوتا ہے وہ ہار لے جاتا ہے
 دہلی سے کتنے رسالے جاری ہیں جن میں اچھے بھی ہیں اور
 برے بھی ان کی مزید وضاحت کر لی نہیں جانتا کیونکہ علم دوست اصحاب کے
 یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ ان میں سے کون اچھا ہے نہ کون بُرا
 ہاں اتنا ضرور ہم کہیں گے کہ یہاں کا اچھا اور پنجاب بالخصوص کا اوسط درجہ
 کا برا بر ہے اور اسی لئے ہمارے بے انتہائی کا اندازہ لگا یا جاسکتا ہے
 دہلی کی ہندو اتی اور اس شہر کی کو پڑا کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ
 ایک علمی و ادبی رسالہ مناسب حالات و ضروریات وقت کے تحت نکالا
 جائے جو اگرچہ ہمارے پرچوں سے بیس نہیں تو اندیشہ بھی رہے ہے اور
 دہلی کے ان اچھے کہنے والوں کے مضامین ان میں شائع ہوں اور
 ایک اچھا ذریعہ ہونے کی وجہ سے خاموش میں، حنا خیر ساقی کو ان
 خدمت کی انجام دہی کے لئے پیش کیا جاتا ہے کہ تنگ زبان سن کی
 کیف اندوزی کے لئے نظم و اثر کے جرعد ہائے لطیف فراہم کرنا ہے

ابن نامہ کہ بود طبع ابن مرشد
 سن می بر من به کنگرہ عرش
 ابن صل کہ داشت پائے درگی
 سن می بخش یہ کر سے دل
 ابن جرد کہ رختہ بر خاک
 سن می بخش سجام افلاک

ہم اپنی بے نصیحتی کے باوجود اپنی ناچیز طبیعت کے موافق زبان اردو
 کی قدرت کرنے کے لئے کر سکتے ہیں، بہر اہلضبط المعین یہ ہے
 کہ ساقی ایک ایسا جامع ہو کہ ہر شخص اس کے مطابق سے محفوظ ہو
 کلیہ ہے کہ کمال کا حال ایک ہی دفتہ معلوم نہیں ہو سکتا اس پر یہ میں
 بھی ہماری مرضی کے موافق ساری خوبیاں سننے نہ ہو سکیں اچھے لکھنے
 والے اس بات کے منتظر ہیں کہ پہلے پر یہ کو دیکھ لیں تب لکھیں
 ہمیں بھی منظور ہو اگر پر یہ کامیاب و شیکر لکھیں غرض پہلے پر یہ میں
 یہ فیض نہیں کی گئی مگر ساری خوبیاں ختم کر دی جائیں اس لئے ہم چاہتے ہیں
 کہ ساقی طے ہو سکیں اس کی سلی خوشی سے اس کے غایت اتمام کا تہا میں
 نہ کر لیں، اس کی خوبیاں ہم آئندہ معلوم ہوتی جائیں گی اس وقت تشہ
 از خردارے آپ کے دروہ ہے ہار کی طرف سے تو یہ اقرار ہے
 کہ جس قدر اس پر یہ کی قدر کی جائے گی اس قدر اس کی خوبیاں بڑھیں
 جائیں گی۔ اب انتظار ہے تو آپ کے اظہارِ کرم کا۔

از جوش و خروش خود پر گویم
 اب بادِ قوی دس بلبوبم

پہلے دو مہینے شمار دل کے رفقا میں دیکھیں۔

فلسفہ راز و نیاز از قاری سر فراز حسین صاحب غری دہلوی
 علیگ، انتقام از جناب قاری عباس حسین صاحب دہلوی مصلی اوشاہ دہلوی
 نفس اقماعی از جناب مرزا محمود بیگ صاحب بی اے آنرز، دامپ
 از جناب سراج الدین احمد صاحب دہلوی نمونین کار از جناب آغا
 محمد اشرف صاحب دہلوی ولی کامل۔ از جناب تھانی عباس حسین صاحب
 لائے علیہ کی ایک جملک از حکیم خواجہ سیدنا ہرند برزاقی دہلوی مالشین
 خواجہ میر درد، الشرق والنوب از جناب مرزا محمود بیگ صاحب دہلوی
 سراج نمونین از جناب سید دلایت حسین صاحب دہلوی رسول نمونین اخوان
 الشیاطین از جناب فضل حسین حسینی دہلوی، ادبیاتے معادۃ از جناب ہند
 احمد صاحب دہلوی، احسن کی امالی، از جناب شاہ دہلوی منسکرت کے
 خواجہ میرد سے از مسٹر ایم سی اسروتی بی اے آنرز، تاج محل میں
 ایک نمونین شام۔ از جناب حافظ محازی پوری خواجہ بیداری از جناب
 آغا محمد باقر علی بی اے، انتقام از جناب محمد محمد حامد الحق صاحب دہلوی
 ایک ایم محمد شرقی خیالی از جناب عبدالمجید، انونٹی عید از جناب بی بی دہلوی
 در جہانہ مدجہ از علامہ مصحک دہلوی، شوارخان امین الحق فی غر
 غزلی، بہد قرآن حسن قریشی فاضل سہیال، کیف حبیبی دہلوی، ان
 الملک فیضیت، ریاض خیر آبادی احمد ضیا ایم اے بدایونی، فرخ ناری
 دزیرم آبادی مال سندھوی، صمد بزم ادب سہیال، مرزا قطب عالم
 صاحب فرحت دہلوی، مولوی نجم الدین احسن بگڑمی بی اے ایم اے ایل ایل
 بی، حضرت علی الدین صاحب حیدر دہلوی، منظور صدیقی، فراق

دہلوی، حضرت نواب سراج الدین احمد سائل دہلوی ہاشمی داغ دہلوی
 پروفیسر علیہ لیب لٹرائی ایم اے اور اہل، منظر انصاری دہلوی،
 جوش ملیح آبادی، سید لکین، تھاکر حیدر آباد کن دیوہ دیوہ
 ساقی مسکے دوسرے تھاکر سردری ۱۳۱۷ء میں حضرت نامہ
 نذیر زان دہلوی کاساتی کے اجراء پر حسب ذیل تاریخی نقطہ ثانی
 ہوا تھا۔

لکال مایواری اک رسالہ ثانی ہوا جس نے
 یہ شردہ آج لے کر آئی باد صبا اچھا
 سخن سنی ہے کام اس کا کراتی نام ہے اس کا
 وہ اپنی ذات سے اچھا ہے اس کا مدعا اچھا
 گرا ہے نا، جہاں آباد میں ہی مانی اردو کا
 یہ اردو نے سنی کا ہے گا دہن اچھا۔
 جسے مانی کے گراہتے ہوئے جوین کو دیکھئے گا
 مجھو جاتے گا دل کو شام کر اک پار سا اچھا
 بہ سائی بھی ہے مینا بھی، مے گلنگ بھی یہی
 بہت اچھا، بہت اچھا، بڑا اچھا بڑا اچھا
 عجب طرح مریض ہے عجب سن مسج سے
 بنائے گا بھلا بنزاد اس سے اور کیا اچھا
 جنم نکال میں اردو کی اب اس کا ہوا اچھا
 بنادے اس کو اردو کا الملی مقصد اچھا
 جو دل کش ہے تو سانی ہے جو دہرے تو سانی ہے

نہ کوئی ماہر و اچھا ، نہ کوئی مددگار
فراق دہلوی اگر آپ کو تاریخی مکتبی ہے
تو مکملہ جیسے عداوت ہے مافی الدربا اچھا
۳۴۴

سید ظفر گنجی مدیر مہستان نے رسالہ مافی الدربا پر حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

مافی نے جو چند ہینروں میں اختصار کی حیثیت پیدا کر لی ہے اس کی
حیرت انگیز مقبولیت کو اس حقیقت کو مہمون سنت نہیں کہ وہ دہلی کا
ایک ممتاز رسالہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کئی زندگی ہدایت کی فطرت
ہاتھ نے اس کو فیضانِ علمی کے اعتبار سے کعبہ گلِ فردوس بنا دیا ہے
کہ اس کا قدیم کامل مافی کھلائے اور اس کا جرعہ نصیب بے فردوس
کا خطاب پائے۔ اگر الطافِ بر دانی کا کاغذی پیرس میں شہرازہ
بند ہونا ممکناتِ عالم میں شمار ہوتا ہے تو وہ مافی کی ایک ہی نظر
میں سیر آئے نگار میر کی عادت تھی کہ جب کسی نے صحیفہ کو منصفانہ
شہود پر آتے دیکھا تو ایک توح انہماک میر سے تمام وارداتِ قلبیہ
پریشتری ہو کر خندہ زیر لب پر مجبور کر دیتا اور آئندہ ہم کی لاکھ کوکشوں
کے بعد ایک رقعہ ہم میر سے جبرے پر مویدا ہو جاتا اور زمان سے بے افتخار
نکل جاتا ہے کہ یہ بے جا رہ گئی خندہ روزہ نہاں ہے "ادب حقیقت یہ ہے
کہ میر کے الفاظ کبھی جوئے ثابت نہیں ہو سکے مگر مافی نے میری پہلی
ہی نظر کو اس عقیدہ راسخ پر مجبور کر دیا کہ یہ ملاقات کسی فراق سے
گمان پر غالب نہ ہو سکے گی۔ مافی کی مہری اور معنوی غویوں کا

نکھرے دلی اور دماغ میں ان سے علمہ ہو کر نائی کے جذبہ و کمال کا
معترف ہوں۔

حسن صورت، خوش مزاج، حسن سیرت، مستقل
اس سے خوش ہوئے ہیں آنکھیں اس سے خوش ہوئی ہیں
دعا کرتا ہوں کہ خدا اس کو عمر خضر نصیب کرے کہ اردد کو ایلے
یہ چند صفت کی ضرورت ہے۔

نشاہد احمد دہلوی
شاہد صاحب کے دادا ڈپٹی نذیر احمد
صاحب، سردار الدار، جرنیل، شہید، شہسوار، شہسوار
تھے یہ فائدان کٹرہ، براہاں، دہلی میں
سکونت رکھتا ہے اس مکان میں آج کل محمد مسلم صاحب برادر شاہ
دہلوی رہتے ہیں۔

شاہد صاحب نے دہلی میں ہی تعلیم پائی اور بی لے آنر کا امتحان
بھی دہلی سے پاس کیا۔ دنیا کا ایک طبقہ البہا بھی ہے جو دولت مند
ہونے ہوئے الی کو بنجور بول میں جھپکا کر رکھتا ہے اور عمر بھر سرت
کی زندگی بسر کر کے اپنی دولت و رشاہت کو عیش و عشرت کی زندگی گزارنے
کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور وہ اپنی زندگی میں دولت سے نہ خود
فائدہ اٹھاتا ہے۔ کہیں اس طبقہ میں ایسے عظیم و سخی انسان دولت
ازاد بھی پائے جاتے ہیں جو خود کو انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے
ہیں کہیں اپنی دولت سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور
دائے اور سے اسنے مستحق لوگوں کو مدد کرتے کے لئے ہر وقت
نیار رہتے ہیں، شاہد صاحب بھی ایسے ہی افراد کے زمرے میں

میل تھے جس کا اس کا دنیا میں کمال سے ساحلوں نے اپنے دہلی
کے قیام میں جب اسٹینس مرطوح کا آسودگی حاصل تھی، خود بڑی
سادہ اور دھندلاری کا لڑکھائی لبر کی مولیٰ لباس زیب تن کرنے
تھے، صوفے، فالین ادھ گدوں کے بجائے مولیٰ فرش پر بیٹھ
کام کرنا، کار پر سوار کرنے کے بجائے ڈرام پر سوار کو ترجیح دینا
اور عمدہ سنگار اور سگریٹ کے بیڑی پینے میں سب کی محو رہ کر نا
ادب انگیزی ادب میں بی اے آرزو ہونے کے باوجود غیر ملکی زبان
میں گفتگو کرنے سے احتراز کرتے ہوئے اپنی زبان میں ہنس
چیت کرنے پر فخر کرنا ان سب صفات سے ملتا ہوا جب تصف
تھے۔

ساتی جاری کیا، ساتی کا شمار ان راولی میں ہوتا ہے جنہوں نے
اپنے عہد میں ادیبوں کی ایک پوری نسل کی تربیت کی کرشن چندر
سودت حسن منو، عصمت حینت فی - اختر حسین رائے پوری اور
بہت سے ادیب اس انقی سے علوم ہوئے جن ادیبوں کی
تتمیت اور تحریروں سے عصمت حینت فی متاثر ہیں ان میں ٹاٹہ
احمد بھی ہیں، ساتی بکڈ پور نے بھی اور ادب کی بڑی خدمت کی اور
ڈیڑھ سو سے قریب غن میں ٹاٹہ بھی ملے۔

کین جب سکول میں ملک تقسم کے بعد دہلی آئیں بار
اڑی نو ساتی اور ساتی بکڈ پور اور ٹاٹہ دہلی نے بھی دہلی کو خیر باد

کیا۔ اور یہ دہلی کراچی میں جاسی، جہاں اتفاق سے ساتی اور شاہد احمدؒ کو وہ فراغت نصیب نہ ہو سکی جو دہلی میں تھی۔ یوں شاہد احمدؒ ملوکارا کیل میں بھی اعزاز ملا۔ اودادیوں کی تنظیم میں اعلیٰ مقام بھی کمین ساتی اپنی بھیلی اہمیت کھو چکا تھا۔ شاید اسی دور نے شاہد احمدؒ کے بیان خودی کی سنی تلخی پیدا کر دی تھی۔

شاہد احمد صاحب بہت حساس تھے ایک بار جوٹن ملیح آبادی نے ڈپٹی نذیر احمدؒ کی زبان پر اعتراض کر دیا اور ان بد کہیں کہیں نعتیں بھی کر دکھا، اس پر شاہد صاحب اتنے ناراض ہوئے اور خدا ہونے کا ان کو حق بھی تھا۔ بزرگوں کی توہین، وہ کبے رواشت کر لیتے اگر نظرائد از کر جاتے تو مبالغہ نہراتے جاتے اس نے اسوں نے خوش کا شخصیت اور ان کی شاعری کے خلاف ساتی کا ایک ضخیم نمبر شائع کر دیا یہ انکار کراچی کے جوٹن نمبر کے بعد شائع ہوا تھا۔ اور اس اعتبار سے ایک اہم دستاویز ہے کہ آنے والی نسلیوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس ٹھنڈ کے ایک شاعر کے خلاف کیا کیا جاتا تھا۔

خواجہ عیسیٰ احمد صاحب حبیب پاکستان میں ریٹائر ہو چکے تھے اطلاعات میں پریس آفیسر تھے اس وقت شاہد صاحب کے ان سے بہترین تعلقات تھے اس زمانہ میں ان کی ترجمہ کرنے کی صلاحیت پر اپنی تالیف "حیدر یادیں" میں روشنی ڈالی ہے۔

شاہد صاحب کو یوں تو میں بہت پہلے سے جانتا تھا ادا ایک بار ان سے رسمی ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ لیکن انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع مجھے جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد ملا حبیب میں پاکستانی

محکمہ اطلاعات کی ملازمت ترک کر کے برطانوی محکمہ اطلاعات میں
پریس آفسر مقرر ہوا۔ مجھے کہاں ٹاڈ سبھائی کی خدمت کرنے اور
اسٹیشن قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ برطانوی محکمہ اطلاعات
میں براہِ پانچ چھوٹا انگریزی سے اردو میں تراجم کرنے کے محلوں
کے ہائے لندن میں محکمہ اطلاعات نے کرنلی دفتر سے ہر سہفتہ
مختلف سوالات پر درجنوں نمبر موصول ہوتے تھے ان میں سے سائنس
تعلیم، معاشرتی بہبود اور دروہی زندگی سے متعلق بہت خوبصورت
ادرا علیٰ قسم کے فیچر مل جاتے تھے جن کا اردو تراجم کر کے پاکستان
کے مختلف اردو اخباروں اور جرائد کو بموجب تقادیر ارسال کرتا تھا
جو بہت پسند کئے جاتے تھے ادرا اخبارات و جرائد کے معتمد ظاہری
لیچروں سے میرے ہوتے تھے ایسے دقیق سائنسی اور تکنیکی فیچر مل
کاتلیں اور با محاورہ اردو میں ترجمہ کرنا ٹاڈ سبھائی ایسے مشق
اور نامور مترجم کا یہی کام تھا۔ ٹاڈ سبھائی کے تراجم کو پڑھ کر یہ
حسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ تراجم میں بلکہ ان پر اصل کا محسوس ہوتا تھا
وہ قلم بردار منتظر ترجمہ کرتے اور لکھتے ہیں کوئی کاٹ بیٹ نہیں کرتے
تھے۔ برطانوی محکمہ اطلاعات میں کام بہت سہا سہا اٹھانے کی
فرصت نہیں ملتی تھی۔ لیکن ٹاڈ سبھائی حبِ شریف لاتے تو سارے
ازاد اپنے اپنے کام چھوڑ کر ان کی جانب متوجہ ہو جاتے ان کی
گنجینہ گوہرِ حبشہ کے ہوتے تو اس کی ایک جلد اسٹوں نے جمع کر لی دی
جس کو میں نے کئی بار شروع سے آخر تک پڑھا اور ہر بار نیا لطف
پا یا، حالانکہ کوئی کتاب میں دوبارہ پڑھنے کا عادی نہ تھا (۱۹۵۴)

شاہد صاحب دھندلاری اور شرافت کا سیکر تھے، انہوں نے زندگی میں کبھی سوٹ بٹل نہیں دیکھا وہی شیردازی اور کھڑا ہوتا رہا، جناح کیپ اور ٹیکٹ جوتا۔ ٹکڑے سے بچے بڑی سے کوئی فرما کے تھے جب کبھی سامنے سوتا تو بڑی خندہ پیشانی سے ملے،

مولوی بشیر احمد صاحب کے صاحبزادے مونس کی وجہ سے انھیں ادب کے ساتھ مال و دولت بھی بہت کچھ دہرائے میں ملا تھا۔ لیکن دولت کی فراوانی اور روپے کی ریل ریل کے باوجود انہوں نے دلی میں بہت سادہ زندگی بسر کی اور دولت کو غرور و غنہ ادیبوں پر یا کسی طرح بچایا۔

شاہد صاحب نے سینکڑوں نذرین عروں اور ادیبوں، فنکاروں کی دوائے، درے، سٹے، مروت کی امداد کر کے انھیں زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔ ان میں سے ایک راہ گاہی علی خان بھی تھے جن کی ڈوائی تھیں۔

محمد سینکڑوں ادیبوں کے لئے شاہد احمد کا دربار سب سے بڑا درحتم بن گیا، وہی شاہد احمد آج ریڈیو میں انٹرفونکشن سے اور صرف ساڑھے چار سو روپے ماہوار پارہا ہے ہمارے لیے ایسے کئی ساڑھے چار سو لوگ اس سے جھین لیا کرتے تھے زندہ باد شاہد احمد جو کبھی دلی کی بدلتی تھا دلی کے ادب کا گہوارہ تھا۔ دلی کا دربار تھا دلی کا ہارٹ تھا۔ میرٹھ اور ہرادیب کے لیبر پر اس کا نام تھا اس طرح رہتا تھا کہ نام لینے والے یہ کچے جیر نہیں رہتے۔

نہاں پر بار خدا یا یہ کس کا نام آیا
 کہ میرے غنق نے جو سے لڑا نہاں لے
 ہم لوگوں کی بڑی بدستیا ہے کہ دونوں ملکوں کا یہ صاحب طرائف
 پرداز، داحد زماں داں آج اس طرح گوسٹہ نشینی کی زندگی بسر
 کر رہا ہے اور ہم لوگوں کے کان پر جو تک نہیں رنگیتا، جسے سچا آتی
 ہے اور دہنا سچی۔ کہ کت بد احمد کہ شہد روز کار و شہیق کا قیام ہے
 تجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے بر باد شاہ ریوڑاں سچ رہا ہے
 اور شکسیر نے نان دکھا بکلی دکان کھولی ہے تھ
 شاہ صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں خدا کو پیارے
 بوجھے ہیں۔

دہلی سے یہ سچوں کا رسالہ خبری سلسلہ ۱۷ کو طبع پذیر
 ہوا۔ اہم صفحات پر لکھتا تھا، لیامین حسین صاحب
 نسیم اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چند سو اربعہ تھے
 تھا۔

رسالہ نیرنگ خیال لاہور مورخہ اپریل سلسلہ ۱۷ میں اس رسالہ
 پر بہ رویہ لکھا تھا۔
 دہلی سے سچوں کے ایک نمائندہ اچھا جو نہاں لے پورا ہے
 اس کا تمیز انبر ہائے سائے ہے فائیل دلالتی چکنے کا غز پر سہنگ
 چھپا ہے صفائیں کے پیاس صفات میں لکھائی چھپائی کا غلو ب ہے

آرٹ سیر پر پانچ تھارہ بی جی ہیں جو کون کے مذاق کی ہیں، ایک بچے کا دعا۔ پیارا دین اُمت کا بھیر، بندوں کے غمزدگ کو کُترس، عہد الفا در جرات کی، پرندے اور فالوں جیسے موتے میں خوراک اور جسم، نبی زادوں کی عبید، سوسید احمد فال ثبت اچھے اور مفید صفائیں ہیں اس کے بعد بچوں کے صفائیں لطیفے اور دیکھو رسا کی کا انتخاب ہے ہمارے خیال میں اپنی میں اس سے بہتر اور اس سے مفید رسا بچوں کے لئے آج تک نہ تھے ہیں بھوا، اس کے ایڈیٹر جناب فیاض حسین صاحب نے میں جو کچھ حصہ ہمارے پاس ایڈیٹر میں اسات میں نام کر چکے ہیں گو رسا اردنی سے شائع ہوئے ہیں لیکن رسا کی سرپرستی کی ذمہ داری خاکسار کے سر حیاں کی گئی ہے اور پر پر پر سرپرستی حکیم محمد یوسف حسن ایڈیٹر برنگ خیال رکھا ہوتا ہے۔

فرخ آباد سے یہ ماہانہ گلہ سنہ فردی شملہ
کو دہود میں آیا۔ ۳۲ صفحت پر نکلتا تھا

مشعرہ

کاغذ، چھپائی اوسط درجہ کی ہے، ایڈیٹر

جناب سید ظہیر الدین علوی ایم اے ایل ایل بی دکن میں پوری،
جوانے ایڈیٹر پتہ لاں شیدا فرخ آبادی تھے سالانہ چندہ ڈرامہ
روپے تھا۔ فرخ سیر پریس میں طبع ہوتا تھا۔

اسا گلہ سنہ میں مختلف مقامات کے مشاعروں کے شہوار کا
کلام چھپتا تھا۔ کچھ حصہ میں ادبی صفائیں بھی تھے ہوتے تھے امتداد
کی اصلاحیں بھی جو اپنے نگرانوں کے کلام میں دیتے تھے وہ

بھی شائع ہوئی تھیں، اصلاحات داغ مٹی، جون سنہ ۱۹۱۷ء کے
 شمارے میں شائع ہوئی یہ مضمون محمد عبداللطیف خاں کشتہ داری
 مدرس السنہ شرقیہ گورنمنٹ ہائی اسکول میں پوری کا تھا نومبر سنہ ۱۹۳۷ء
 کے شمارے میں جناب صفد مرزا پوری صاحب نے اس تذکرے کی اصلاح
 شائع ہوئی تھیں یہ دونوں مضمون دل حب میں
 فردری سنہ ۱۹۳۷ء کے شمارے شتار کی غزلوں کے منتخب
 اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

پیر دی چرچا لکلا بلبس دھیاد کا
 فضل گل میں نکل کھلا کر کی ان سے سیکھ جائے
 بحر خبر لیتے نہیں، آتے نہیں، ملتے نہیں
 دل چرا کر جی چرانا کوئی ان سے سیکھ جائے

حضرت جگر رلو آبادی سے

کرتے جاتے ہیں عات عذر کرم

ادر پھر رسیس لال لکی ہے

لاکھ رسوا سہی فکر نشیں

نوش نگر تھی ہے خوش خیال لکی ہے

جناب سید رفیع حسن صاحب دعا دبا شیری میٹھ کلرک حوالیہ لائٹ پورے

مقبور ہیں دل کی فطرت، سے سند در میں ہم رسم الفت سے

وہ چا پیہ نہ چاہیں ان کی خوشی، ہم ان کو نہ چاہیں شکر ہیں

اسد تصور رکھے، در بالوں کی خاطر کوں ستر سے

حبیب یاد ان کو دیکھ لیا سند یہ راہیں مشکل ہیں

وہ ایک ہی سوہلو دے رہے ہیں وہ جسے ہم سب پر دے رہے ہیں
الفت وہ بنا رہے ہیں کسی سے دنیا سے باہر ہیں مشکل میں
رہیں اشرار جناب ہادی محفل ٹھہری ہے

کیوں پوچھتے ہیں ملت مجھ سے دل حُزوں کی
سب کچھ مرے قبر پر لکھا نظر آتا ہے
کچھ نقشِ تنہا کے، کچھ باس کی نظریں
اک دردِ سحرے دل میں کیا کیا نظر آتا ہے
یہ بھی کوئی منت ہے گلزار میں بھی رہ کر
ہر چھوٹے بے ہادی کاٹ نظر آتا ہے

آپ میں یوں پیدا ہوئے
وہیں پردہ نش پائی ابتدا کی
تعلیم بھی وہیں پائی، وکالت

سید ظہیر الدین علوی

کی پریکٹس بھی وہیں شروع کی اور سفقت کے عہدہ پر بھی وہیں
ماہور ہیں۔ عاجزی و انکاری کے پیلے تھے، اشرار اور اہل علم کی
قدر کرتے تھے، شعورِ نیا کا بھی کوئی تھا۔

فکرِ شخص کرتے تھے ان کے اشرار بھی دل چپ ہوئے ہیں

بے جا بے ناز دوسرے کے عزادار پر

کیا غرورِ سستی بنا پاسدار پر

پیدائش سے موت تک نفس میں جو چادر پر

وہ بھی کئے تھے جٹوں میں بہادر پر

وہ آج بھی ہیں پرستیِ غم کے تھے ظہیر
قرباں سو کون سرے انتشار پر

لذا ایجاب پر بھی ان چوں کا پابانی ہے
 ملت آمیں دیاں سے بھی دعاں چلتا ہو کر
 ہجوم یاس ہے ہم میں باری تیرو بختی ہے
 طیار اب اور کیا بر کا شب غم کی سر ہو کر

آپ فرست آباد کے ہاتھ سے تھے
 شردی عری کا دوش خوار
 منشی بنو لال شیدا کی خدمت میں رہتے تھے اس وجہ

سے شوار کے طے میں ایک ہزار درجہ رہتے تھے ان کو مصلحت نظر نہ
 میں شوار بتاتے تھے۔ اور ان کی صدارت میں شاہ فرہ موئے تھے
 اگست ۱۹۰۷ء میں سرکاری اجن شیرالادب کا پورے اپنے
 یہاں کے سہ ہاں جلسہ میں شرکت کے لئے میران گلہ ستہ شاہ فرہ
 جناب پید پھر پوری صاحب اور منشی صاحب کو بھی مدعو کیا تھا اور آپ
 سے اپنے سہ ہاں شاہ فرہ کی صدارت پر آئی تھی چنانچہ اس شاہ فرہ کی
 غزلیں شہر شہر کے شاہ فرہ میں لکھے ہوئی تھیں جناب شہیدا
 کی حسب ذیل غزلیں کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں گے

اے ہم صغیر تجھ کو بہار کھلوں کی سیر
 ہم تو اسیر کج قفس ہیں بہار میں
 رنے کے بعد علقہ سستی عبث نکھلا
 راز حیات کسی کو سناؤں زلزلہ میں
 لہجہ دور فلک شب وعدہ کو دیکھتا
 وہ محو خواب تازہ ہیں ہم انتظار میں

ہوتا تو داغ و خواہ سر حشر کیا کر دے
 رحم آگیا مجھے بچو شرمسار پر
 ہر سان حال کوئی نہیں اپنا بدمرغ
 غارتش شمع بھی ہے بجائے غبار پر
 چھتا ہے کہ بتوں کی محبت میں آدمی
 بڑی نہیں نگاہ جب انجام کلا پر
 سینے کو کھات کیجئے آئینہ کی طرح
 لٹکے خاک ڈالے دل کے غبار پر
 نیدا چمن میں گرم فغاں ہے جو غنہ لبیب
 زردی کی چھٹی چلی ہے گلہ در گلہ دہار پر

جام جمشید نور شاہ مدد کو گنگا پور سے مارچ سنہ ۱۹۳۱ء کو یہ
 ماہانہ رسالہ ظہور پذیر ہوا، ہم صفحات پر
 فتنل تنہا احسان الحق احسان کا مذہبی آئینہ کوئی فاضل دیوبند
 مولانا علیم الدین مالک سعادتی تھے سالانہ چندہ دور دے آئے تھے
 تھا۔ منظور عام انکراکس ریس میں اخبار اشرف لاہور میں قیام ہوتا تھا۔
 اس رسالہ کے معنون نگار محمد دین تاثیر فاضل محمد رسوا مولانا
 حفص الرحمن ابھگر مراد آبادی اور مرزا نعیم بیگ چغتائی تھے۔

جامع العلوم یہ تعلیمی رسالہ مہتمم صاحب مدرسہ جامع العلوم جیسے سجد
 کانپور نے مارچ سنہ ۱۹۳۱ء کو جاری کیا۔

۳۲ صفحات پر مشتمل تھاجیم مولوی محمد فاضل صاحب ہوا سچی اس کے
ایڈیٹر تھے سالانہ جلد پانچ جلدیں تھیں۔
اس رسالہ پر اخبار کے دریا باد نوروزہ، سمری مسئلہ ام میں یہ دیو
چھپا تھا۔

جاسم العلوم کانپور کے مشہور مذہبی مدرسہ بہ ماہوار رسالہ
حالی میں لکھنا شروع ہوا ہے، یہ غیر انگریز ہے اس میں اچھے اچھے
معاہدین ہیں حضور مہاشیخ اکبر ابن عربی کا مقرب امام ہانڈی کے نام
لقبور مہاشیخ حقیقت مرکز دعوہ پر فہم اس قلمبر سے رسالہ شریعت
و طریقت کا جاسم معلوم ہوتا ہے۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ نوروزہ جنوری مسئلہ ۱۱ میں بھی اس
رسالہ جاسم العلوم پر تبصرہ کیا ہے۔

ہندوستان کے مشہور شہروں میں کانپور کو یہ شرف اولیت
حاصل ہے کہ کسٹم کے سنگم انقلاب کے بعد سب سے پہلے اس
شہر میں علوم عربیہ کی ترویج کے لئے ایک مدرسہ مفین قائم کے نام سے
مولانا فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس ہاتھوں سے قائم ہوا
جس نے اسے ہندوستان میں ایک مرکزی حیثیت حاصل کر لی پھر ابتدا
زمانہ سے جب اس کی بنیادیں منزل لال ہونٹیں تو اسی کا نتیجہ نکلتا ہے معلوم
نے اس کے بار کو بھائی لیا۔ اند مسئلہ تواتر مدرسہ اپنی اس شان
میں مدغم کر دیا گیا اور اس وقت سے آج تک اس نے علوم عربیہ کی
قابل قدر خدمت انجام دی اور اس وقت قدیم وضع کے عربی مدرسوں
میں انکیازی حیثیت رکھتا ہے زیر تبصرہ رسالہ اس مدرسہ کا ایک جلیبی

رسالہ ہے معنائیں تمام تر مذہبی ہیں، نیز دوسرے کے حالات و کوائف بھی درج ہوئے ہیں۔ لیکن انہوں نے کہ معنائیں میں کوئی خاص ترتیب نہیں، یہاں تک کہ فہرست معنائیں بھی منسلک نہیں، ضرورت ہے کہ رسالہ کی ترتیب و تدوین پر خاص توجہ کی جائے۔

جامعہ قادیان ضلع گورداسپور سے یہ سہ ماہی رسالہ مئی ۱۹۳۷ء کو دہلی میں آیا۔ مضمون پریشکشا، سالانہ چند ڈیرہ روپیہ تھا، اس کے ایڈیٹر مرزا محمد صادق تھے۔ رسالہ جامعہ پر سالہ نیرنگ خیالی لاہور نے اپنے شمارے مئی ۱۹۳۷ء میں حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

جامعہ کے نام سے قادیان سے ایک علمی سہ ماہی رسالہ نکلے ہوا ہے جس کے ایڈیٹر مرزا محمد صادق ہیں۔ پہلے نمبر میں حقیقت، اعتقاد، پناہ، ادھم، صلیب پر ایک نظر اللہ تعالیٰ کا عرش اوردنہ ہیں ہیں بعض معنائیں عربی زبان میں ہیں۔

بصیرت احمدیہ بلڈنگ لاہور سے یہ رسالہ مئی ۱۹۳۷ء میں جاری ہوا۔ مضمون پریشکشا، سالانہ چار روپیہ تھا۔ عبدالحق وہاب دہلی اور محمد مصطفیٰ اللہ اس کے ایڈیٹر تھے۔ چند سالانہ سارے چار روپیہ تھا۔

اس رسالہ پر نیرنگ خیالی لاہور نے مئی ۱۹۳۷ء میں یہ تبصیر کیا تھا۔

بصیرت کے نام سے ایک علمی افغانی اوردنہ ہی رسالہ جناب عبدالحق

دوبارہ سی اور محرمیت اللہ کی زیر اداوت ملتا ہے اس کے
معا میں غلبی را غلاتی ہیں اندا ہب عالم کو دعوت اتحاد و یوتا
سر وہ کی تاریخ والی، سیدستان قدیم میں برقعہ کا مداح، سید
بندگون میں مہر سنی کی لٹا دی سام دید کا اردو ترجمہ و غیرہ قابل
مطالعہ ہیں چند سالانہ چار روپے۔

سے مسئلہ کو ۸۰ غلبہ مدلل کے پر سالہ
تجدید پذیر ہوا۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا باختر شیرانی
اس کے ایڈیٹر تھے۔ چند سالانہ پانچ روپے تھا
رسالہ نیرنگ خیال لاہور کے شمارے سے ہی مسئلہ ۸ میں اس سال پر
حب دلی شہرہ ملتا ہے سوا تھا۔

خیالستان کے ایڈیٹر کا رے درست جیسا خضر خردانی میں
جو اپنی اقبیلی اور سوزنوں کے تے بہت شہور میں اور آپ نے
اس وقت تک جو ادبی خدمات انجام دی ہیں وہ آپ کے تقاریر میں
سے کہ صورت بھی کم نہیں، خیالستان کے پہلے نمبر کے مطالعہ سے
معلوم ہو سکتا ہے کہ راولپنڈی کے بہترین رسائل سے صفت ادلی میں جگہ
حاصل کر رہا ہے رسالہ کے مدیر خداداد لطیفی بی اے ایک جو نبار
لو جو ان میں جو جزم سے عشق ترکتے ہیں اندا اس فن کے حصول
کے لئے سید انگستان کا سفر بھی کر نے والے ہیں، چند سالانہ
پانچ روپے ہے جو رسالہ کی عربیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت ہی
کم ہے۔

پہلی ادبی ادبیات کی مجلس دارالخبرہ راجستہ ۱۹۳۳ء
صلح کو کھینچ کر، نکل ہوا، اسے صفحات پر منتقل تھا، قاضی
 محمد علی اختر نے قاضی پوری اس کے ساتھ میرٹھ سے سالانہ
 چنڈہ چار روپے تھا۔

معارف اعظم گرامر دردی سالہ ۶ میں اس اخبار پر یہ ریلوے چھا

تھا۔ قطعاً بڑی، لکھا کی چھائی معمولی کاغذ اور سادہ رنگ کا تھا
 صفحے ستر کے نمبر میں گورکھ پور سے جاری ہوا۔ اس کی حکمت عملی اسلامی
 حقوق کی حمایت کا تھریس کی موجودہ سرکس آزادی کی مخالفت و غم
 ہے ایک مسلم قلمی ادبی صفحہ میں کسے نے وقف ہے صلح گورکھ پور
 کا اشاعت کا ایک افادہ پہلو ہیں یہ نہ آ یا کہ حکیم برہم رحوم کے
 شرق میں بھی کبھی چھپے چھپے تھنوں میں ملک کی موجودہ سرکس آزادی
 کی حمایت نظر آئی ہے۔

یہ مجلس دارالخبرہ امرتسر سے ۵ ابریل ۱۹۳۳ء
سیف کو جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر نکلتا تھا جناب
 محمد عبد اللہ صاحب لوق اس کے ایڈیٹر تھے

سالانہ چنڈہ چار روپے تھا۔
 اس اخبار پر معارف اعظم گرامر دردی سالہ ۶ میں
 تبصرہ شائع ہوا تھا۔

یہ ۵ ابریل ۱۹۳۳ء سے جاری ہوا اس کے صفحہ فتنہ میں
 مختلف موضوعوں اور حلقوں کے درمیان اتحاد اتفاق پیدا کرنا

ظاہر کیا گیا ہے لیکن نہیں کیا جا سکتا کچاں تک اس میں وہ پابند ہے کہ بعض سفایں پہلے ہی تبصر میں اس دعویٰ کے خلاف موجود ہیں کانگریس کی مخالفت بھی اس کا موضوع ہے بیانات کی بابت بھی اس کے دائرہ بحث میں داخل ہے "اسرار گاہ انکشافات" کے عنوان میں حمادہ اعتدال سے خوف لوگوں کو اور راست پرانے کے لئے ان کے مشترک حالات نشانے کئے جاتے ہیں جسے ایک قسط پہلے پرچہ میں بھی موجود ہے۔

یہ پندرہ روزہ اخبار کرنل گنج الہ آباد سے دسمبر ۱۹۳۳ء کو جاری ہوا۔ ۱۶ صفحات پر لکھا تھا جناب سید یوسف ہاشمی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چھ روپے تھا۔

ساعت اعظم گڑھ مورخہ فروری ۱۹۳۴ء میں اس اخبار پر حسب ذیل ریلوے چھاپا تھا۔

یہ ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء سے جاری ہوا ہے اس کے چھ پرچے دیکھے اس کی حکمت عملی اسلامی حقوق و سیاسیات کی حمایت، مزدور تحریک آزادی اور کانگریس کی مخالفت اور مسیحیت کی اسلامی ریاستوں کے دفاع کی حفاظت وغیرہ ہے اخبار کے پہلے ہی تبصر میں موجودہ تحریک کے سچے میں پولس کے نشاندار کارناموں کو سراہا گیا تھا اور اسی قسم کی حکمت عملی اس کا ہر اثناء میں نظر آتی ہے اچھی کانگریس کے لیڈروں پر زانی حملے بھی کئے جاتے ہیں پر یہی ترتیب اچھی ہے اس وقت یکم جنوری کا پرچہ سامنے ہے سفایں مختلف

عنوان، تذکرات، سردلبران، مقالات، سہ ماہی عالم، پولس
عادات اور مصنف و حرکت و طرز میں منقسم ہیں۔

الکشاف ہوائے اسکاٹلینڈ کوئٹرس سفید آباد حیدر آباد
دکن سے دسمبر ۱۸۹۱ء میں نمودار ہوا مہ ماہ مصنفات
پریسنگ تھا۔ جناب ضیاء الدین احمد فتح پوری
اور غلام علی صاحبان اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا
ممبروں کیلئے اسے صرف اعظم گڑھ میں اس رسالہ پر یہ
تبصرہ شائع ہوا تھا۔

یہ حیدر آباد اور اسکاٹلینڈ کوئٹرس روپ کا ماہوار فنی
رسالہ ہے اس کا موضوع بحث اسکاٹلینڈ ہے جس کا حیدر آباد میں
کئی مترجمہ کیا گیا ہے سالہ کی اہم خصوصیت یہ تائی گئی ہے کہ اس کے
تمام مضامین صحافت دے کر حاصل کئے جاتے ہیں اس کا دوسرا
نمبر مین نظر ہے تمام مضامین سمرن سے مستحق ہیں جس میں اسکاٹل
کے کرائی اسکاٹل کے ابتدائی معلومات، اسکاٹل کا نصاب تعلیم
اور اسکاٹل کے نئے اسلامی تاریخ میں بتائے گئے ہیں، حیدر آباد
کی یہ اسکاٹل سرائیکی کی ایک مفید کام یہ انجام دیا جی سٹی سے نہ کوئٹرس
سسٹم کے بجائے عربی حروف مصنفات میں اتنا زور کی گفتگو کے
طریقے ایسا ذکر ہے اور اس کا ابتدائی کوڈ ترتیب پاچکا ہے
اور اس دوسرے نمبر میں اور حروف کے عنوان سے ایک مختصر مضمون
بھی درج ہے امید ہے کہ حیدر آباد کے علاوہ دیگر مقامات
کے وہ سائن طلبہ جو کہ اسکاٹل کے نظام میں شامل ہیں اس

رسالہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

مسند مائی تھان آگرہ سے یہ ماہانہ رسالہ دسمبر ۱۹۳۳ء
کو طبع پذیر ہوا۔ ۱۰ صفحات پر لکھا تھا۔ ایڈیٹر
فانی بدایونی، معاون ایڈیٹر جناب ملک جاسی و
محور اکبر آبادی تھے جسٹہ سالانہ پانچ روپے تھا۔
سارن اعظم گڑھ، مددہ جنبدی مسک ۱۹۳۴ء میں اس حالہ پر
تبصرہ کیا ہے۔

فانی نے شاید پہلی مرتبہ دنیا سے مصافحت میں قدم رکھا ہے اور
اس وقت تنہم کا پہلا پرچہ بارے سامنے ہے رسالہ کو دنیا کے
ادب کی حس ذات غرائی کے شرف انتساب حاصل ہے وہ اس کا
کامیابی اور اس کے مسیح بشار اور مسیح ذوق کا سب سے بڑا ثبوت
ہے اس لیے منبر میں بھی بعض مفاہین "توار و خیالات" وغیرہ
ایسے طبعہ مقیار ہیں جن پر ہمارے نقطہ نظر سے تنہم کا سب سے
اہم افادی لکچر برقیہ یا بندی سے کلام فانی کی انتہا ہے اگرچہ
فانی کی غیر فانی غری تہے ساتھ ان کی غیر متصل مزاجی کی شہرہ آفاق
ہے اس نے باری صرف یہی دعا ہے کہ ہمیں آئندہ کسی نو متحر
اس کے چند تبروں پر بھی کڑے کا روقد ملے۔ آخر میں معاون
مدبروں کو مبارک باد دیتے ہوئے ہمیں کسی قدر تامل ہے کہ
پہلے ہی پرچہ میں غیظ و غضب کے بجائے عین و غضب خارج
ہوا اور وہ منتخب مفاہین پر نظر ثانی کرتے ہوئے اصلاح نہ کر سکیں
بات سمجھتی ہے لیکن ایک قابل قدر رسالہ میں اس کی تذکرہ ضروری تھا۔

مشیر سلطنت

زرد باغ دہلی سے یہ سیفۂ دارا خبار
سنہ ۱۹۳۰ء میں جاری ہوا ۲۶۱ صفحت
پر لکھت تھا۔ مرزا غلام محمد یار جنگ

اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ حیفہ آشہ رو دیے تھے۔
یہ اخبار منظر تھا۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ آسٹریا
پر تھا۔ انگریزوں کے دربار اور مین کا کونسل مارگین کو لایا بھی تھا۔
یہ اخبار منظر تھا۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ سرورقی آسٹریا
پر تھا۔ فردری سلطنت کے مسافت اعظم گڑھ میں اس
اخبار پر تبصرہ چھپا تھا۔

”مشیر سلطنت دہلی کے اخبار ریاست کے اہتمام میں اسی شکل و
صورت کے ساتھ شائع ہوا ہے اس کا سرکار ریاست ہائے ہند
کے حقوق کا سب سے پہلا علمبردار ہے، اور چرچہ سلطنت کے ساتھ رجب
ہوتا ہے مضامین میں تنوع ہے اس کی حکمت عملی میں سب سے
نمایاں و البیان ریاست اور اسلامی حقوق ریاست کی حمایت ہے
لیکن سرت ہے کہ جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ تنبیہ کی اور عقلیت
سے اچھے لب و لہجہ میں دلائل کے ساتھ ہوتا ہے عام قاریوں کو کسی
موقوفہ پر وہ دلائل اپنی جگہ صحیح نہ ہوں حکومت پر اعتماد ال کے
ساتھ شک و شبہ چینی کرتے ہیں بھی غلو نہیں ہے، واقعات سے
حق الامکان دامن پکارتا ہے اور اس طریقہ پر حتی المقدور اپنے
نقطہ نظر سے اپنی طرفت میں مصروف ہے۔“

میسور کے بہ منقہ دار اخبار سلسلہ ۴ کو ملے گئے
 ہوا۔ ۱۲ صفحات پر نکلتا تھا فاضل محکم محمد قاسم
 صاحب قیصر اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ

قولِ میسور

چار روپے تھا۔

اس رسالہ میں علمی و ادبی مضامین کے علاوہ شعراء کے کلام
 پر تنقید بھی کی جاتی تھی اور سادہ سادہ جھٹکیں بھی جاری رہتی تھیں۔

محمد قاسم انصاری قسیم قسیم صاحب شہر میسور کے قاضی تھے
 ملائے سید میسور کی طرف سے ۱۶

روپے وظیفہ ملتا تھا۔ ایک مدرسہ نظامیہ کی شہر میسور میں بنیاد
 رکھی تھی حضرت پر جماعت علی شاہ سے بیعت تھے آپ کے پاس
 ایک گران بہا کتب خانہ تھا جس میں مایاب قلمی کتابیں بھی تھیں
 فوت ہو چکے ہیں۔

قسیم صاحب لغت کلام کے بڑے شائق تھے اس میدان میں
 اسٹون نے اپنی جولاہی طبع کے خوب جوہر دکھائے ہیں صاحب
 دیوان تھے ان کا دیوان الکلام پریس بنگلور میں چھپا تھا
 مکتوب کلام ملاحظہ ہو

دعا حضرت نے یہ کیا درجہ محبت پایا
 حق سے خواجہ کی شب اکرانِ شفا عتد پایا

عسکری دوسکا بھی پہلے سے تھے اس مشہ کے نقیب
حق کے دربار سے حب تاج رسالت پایا
علوہ مصوف رو، خواب میں موسیٰ کو نصیب
نیز جنت جنگا، شیخ ہدایت پایا
رکے اگر کچھ پوشش مرقد کا سیر ہو قسم
میں سیکو ہاؤں گا سرکار سے خلعت پایا

ممدن اگرہ سے مسلمان کو یہ مفتہ دار اخبار جاری ہوا
آٹھ صفحات پر مشتمل تھا، سید شفاعت حسین
شفاعہ اکبر آبادی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چہزہ چار روپے تھا۔
سید شفاعت حسین شفاعہ اکبر آبادی
سید سید الدین بن سہری لہین
علیری تھے۔ سید الدین
اعتماد پور میں بخشی تھے شفاعہ صاحب کو سترگوئی کا شوق تھا جناب نثر
کے تلمذ تھا۔ ممدن اخبار عرصہ تک لکھا، اس سفر مشہ ۱۲۵۳ھ کو نو عمری
میں فوت ہوئے، مجموعہ کلام یادگار چھوڑا۔
تو ہی بتا کرے علوہ کے دیکھئے والے
نظر اٹھا کے سوئے آفتاب دیکھیں گے

یہ مفتہ دار جلد و مشہ ۱۲۳۵ھ کو اگرہ سے جلد افزہ
ہوا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر
حکیم مبارک علی صاحب تھے سالانہ چہزہ ساڑھے

ناصر

نہیں رو پے تھا۔

آگرہ سے یہ سب سے داراجہار مسئلہ کو نو دار
ہوا۔ چھ صفحات پر مشتمل تھا مفتی حامد
اکبر آبادی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ تین

النَّاقِد

رو پے سالانہ چندہ تھا۔

لاہور سے یہ ماہانہ جریدہ مسئلہ ۶
کو نو دار ہوا۔ ہم صفحات پر مشتمل تھا
محمد نصیر حسین مرزا نصیر اور مرزا محمد تقی

روحِ ادب

لکھنؤ کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو رو پے تھا۔

اس رسالہ پر رسالہ حزن لاہور سورہ لاہور مسئلہ ۸ میں
حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

لاہور سے جانا۔ محمد نصیر حسین، مرزا نصیر اور مرزا محمد تقی
لکھنؤ کی ادارت میں لاہور سے نکلتا ہے اس رسالہ کے صفحات
کا معیار بلند ہے زبان بھی اچھی ہے فلسفہ حیات پر اسرار ہوا
قسم کے اتمام شوق آتے ہیں اسی انسان میں ایک جگہ شایات
کا انتہا کر دیا گیا ہے۔

طبیعت میں ایک غرور آمیز احساس اور جسم میں ایک غیر فطری
تعلک رکھ کر کرتی تھی جس سے تھے وہ جانتی تھی کہ کوئی اسے
سل ڈالے۔

پھر حال میں روحِ ادب کی ترقی کے خواہاں ہیں اور اپنے جدید
معاصر کا خیر مقدم کرتے ہیں میں روحِ ادب کی سالانہ قیمت دو روپے ہے

نئی روشنی
کوچہ جیلان دہلی سے برآمد مسئلہ ۴ کو نمودار
ہوا۔ یہ نہ صرف تصانیف پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر
مولانا ابوالقادی صاحب تھے سالانہ چندہ
تین روپے تھا۔

اس سال پر اپریل مسئلہ ۴ کے رسالہ ساقی دہلی کے شمارے
میں حسب ذیل تبصرہ چھپا ہے۔

مولانا ابوالقادی کی ادارت میں دہلی سے شائع ہوا ہے
تین نمبر موصول ہوتے ہیں معانی کا بیشتر حصہ مذہبی ہے مقصد
اعلا اور قابل تنقید ہے یعنی اسلام کا صحیح فہم کا تبلیغ، بعض معانی
ادبی حصار سے گزرتے ہیں اور ان میں اس قدر عریانی ہے
کہ ردوں کو بھی پڑھتے ہوئے غم آتی ہے اور عورتوں کا تو
ذکر ہی کیا۔

میں مولانا کو مفہاد مندرجہ میں سمجھے کہ ان معانی کا سلسلہ منقطع
کر دیا جائے۔ نہ صرف اس خیال سے کہ وہ ادبی نقطہ نظر سے
محض بے کار ہیں بلکہ ایک مذہبی پرچہ میں ان کا شائع ہونا ایسا
بھی ہے جیسا کہ تنزیہ میں ثابت کا پیرہ لگا دیا جائے، کئی بیت
اچھی ہے، چند سالانہ نمبر بد ہے، نمونہ کا پرچہ دفتر رسالت کی مدد
کوچہ میمن دہلی سے طلب کیجئے۔

کالفرنس گزٹ
سلم ایجوکیشن کالفرنس کا نمونہ کا پرچہ سندھ روضہ
میں ۱۹۱۷ء کو علیہ الخروز ہوا ۱۶
صفحات پر مشتمل تھا، مولانا اکرام اللہ خاں

نبرد کی ادارت میں لگتا تھا۔ سالانہ حیفہ ڈھکے بچے تھا
 آل انڈیا مسلم یونیورسٹی کا فزکس علی گڑھ کا یہ سبزہ روزِ جہا
 تھا جو نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شہزادہ کی زیر
 نگرانی شائع ہوتا تھا۔ یہ ایک خائن تعلیمی اخبار تھا اور اسی
 سے متعلق اس میں سنجیدہ اور قیمتی مضامین شائع ہوتے تھے
 اخبارِ سلیقہ سے مرتب ہوتا تھا اور سلاؤں کے سائے صحیح فنی اور
 افلاقی لقب امین کو پیش کرتا تھا۔

پیام لکنتہ سے یہ مہفتہ وار اخبار سلسلہء کو جاری ہوا
 ۱۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ ملا جان محمد رفی
 اس کے ایڈیٹر تھے، مصور پرچہ تھا سالانہ
 حیفہ چار روپیہ تھا۔

فروری ۱۹۴۷ء کے سالِ مہمانِ اعظم گرام میں اس اخبار
 پر تبصروں نے سوائے۔

”نہیں کیا جانتا کہ لکنتہ کے اس جدید مہفتہ وار مصور اخبار
 پرچہ اٹھاتے ہوئے لکنتہ کی استواری صاف کی یاد
 اب کیوں تازہ ہو گئی۔ اس کا جواب بجز اس کے کہ کہہ نہیں دے سکتے
 کہ یہ جدید پیام اپنی بظاہر کی شکل و صورت اور اپنی حقیقی روح میں
 پیغام کے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ سردرق پر ملا جان محمد کا نام
 نظر نہ آتا تو زیادہ حیرت سے اس کو پیام کے بجائے پیغام ہی
 کے نام سے یاد کرتے اور کہہ سکتے کہ اس کا ماضی اس قدر

ثانہ ہے کہ اس کے مستقبل کے درخشاں ہونے میں کوئی کلام نہیں، پیام کے پرچے پوری دل چسپی سے دیکھے دسی آواز سے جو پیغام کی تھم دسی روح ہے جو پیغام میں تھم اور دسی کی مری شکل وصفت ہے۔ جو پیغام کی تھم اس نے اس کا ذہنی سلک ہے ذہنی ترتیب ہے اور دسی تمدن ہے جو پیغام یا الہلال کے دور جدید کی نشی اس نے اس کا یقیناً خیر مقدم بھی دسی ہوگا جو الہلال (دور جدید) اور پیغام کا اس سے پیتر ہو چکا ہے

تذکرہ دفتر اشاعت دارالطالعہ دارالتعقیف سوا عظم گڑھ

سے یہ ماہانہ رسالہ سلسلہ ۱ کو جلوہ افروز ہوا
۲۴ صفحات پر لکھا، جناب ابوالیٰ شرافت علی اس کے ایڈیٹر
تھے سالانہ چھ دوروں پر چار آنہ تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ نمبر ۱۹۳۱ء میں اس سال
پر یہ رپورٹ ہوئی تھی۔

یہ سب سے پہلے سوا عظم گڑھ سے یہ جدید رسالہ شائع ہوا تھا
ہوا ہے اس وقت اس کا پہلا پرچہ پیش نظر ہے مرتب نے
تذکرات میں تذکرہ ابواب یہ قرار دتے ہیں، حقائق قرآن، نکات
مدنیہ کے ذیل میں "الدین والکیم" پر چند قلمی لکھے گئے ہیں
دو دو تین غزلیں، غزلیں۔

دعا ہے کہ رسالہ اپنے مقاصد میں آئندہ کامیاب ثابت

طو

دلی احمدیوں جامع مسجد درگاہ امام شریف
 نے برائے نام علیہ السلام دلی احمدیوں کی رسالہ سلا
 میں علیہ السلام اور جو اس نے تصنیف پر لکھا تھا
 ایڈیٹر صاحب نے تصدیق کی، اسے ایڈیٹر صاحب نے یہ مقبول حسن
 صاحب نے سالانہ چھ ماہ میں دو چھ ماہ پر لیس دیکھا جس پر
 تھا۔

یہ رسالہ بڑے ادبی معیار میں لکھا گیا تھا۔ اور نگہ آباد
 ادب ان کے ذریعہ پر ایک نظر کے عنوان کے تحت اور نگہ آباد
 کے علماء اور دانش کے حالات سے دارالافتاء کے لئے، اور
 دہلی کے بڑے بڑے میں "ادب" کے دو مجلے، جن میں
 دلی صاحب دہلی، بدھو اسی از سید قطب الدین احمد انشا دہلی
 بیلا حضرت کامل اور مجھے البحرین از جناب مولیٰ محمد صلیف
 صاحب دہلی و غیرہ کے معائنہ کیے گئے تھے۔

جنوری ۱۹۷۷ء کے سارے اعظم گڑھ میں اس رسالہ پر
 یہ رپورٹ لکھی ہوئی تھی۔

یہ ایک مذہبی، ادبی اور سیاسی رسالہ ہے اور اسے عام ادبی
 رسالوں سے اس کے سطح بلند ہے۔ علم و ادب کا دائرہ اچھا ہے۔
 یہ اس وقت تک دیر چھ نظر کے لئے اس پر کہ دفعہ رفتہ اچھی لڑکی
 کے گا۔ رسالہ محنت و محنت کی ہے۔ سب سے ارد کے ادبی
 رسالوں میں تانت و تانت کی عام کی ہے۔ اس کی یہ مفاد رکھ
 تو یہ بہت جلد اس کو کسی بلند معیار پر دیکھ سکیں گے۔

عزیز
مگر کھجور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۳۲ء کو جاری ہو
۶۴ صفحہ تک پہنچتا تھا، جناب بدیع از
صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چھ ایک
روپے آٹھ آنے تھا۔

صاف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۳۷ء میں اس سال
پر حسب ذیل رد و جواب ہوا تھا۔
مگر کھجور کے خلیفہ دوستا دوزین کی سرپرستی میں کم سن بچوں
بچوں کے لیے یہ رسالہ بارہ اسلامیہ ہائی اسکول سے لکھنا شروع
ہوا ہے۔ مضافین تعلیمی و اخلاقی ہوتے ہیں۔ جو اسکول کے کھجور
اور بڑے درجہ کے طلبہ کے کام آئیں۔ مضافین کا مختصر حصہ ہفت روزہ
صاحب اعظمی پور جاریہ اسلامیہ ہائی اسکول کے نام سے ہوتا ہے۔
مضافین اسلامی مدارس کے طلبہ میں مقبول ہوگی۔ کا ذاتی میدان بھی
اس کا سطح نظر ہے اور خلیفہ غریبوں میں فوٹیشن طلبہ کے مضافین درجہ
میں ہیں ضرورت ہے کہ اسکول کے سالانہ صاحب اس رسالہ کے
خریدار بنیں اور اپنے مضافین کو ایسی کی سہولت پیدا کریں۔

مخبر کے رد و جواب۔ یہ ہفتہ وار اخبار

ہفت روزہ ۶۴ صفحات پر آج ۱۹۳۷ء کی صفحات ۶۴
تسل تھا۔ جناب اکرام صاحب بی اس کے اس

کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چھ روپے تھا۔ جنوری ۱۹۳۷ء
اس رسالہ پر سالانہ صاف اعظم گڑھ مورخہ جنوری
میں یہ تبصرہ دیا گئے ہوا تھا۔

یہ کم سن بچوں کے لئے ایک مفید، دل کش اور خوبصورت مفتہ کا
 قلم سالہ ہے۔ اس کے خیر پرچے نظر سے گزریے ادا کا وقت
 دسمبر ۱۹۳۳ء کا پرچہ سامنے ہے یہاں تک بچوں کی فنی و علمی ضروریات کا
 ذکر کیا جاتا ہے اور ان کے پیار کے مطابق ہر قسم کاواد فراہم کیا جاتا
 ہے بعض مضامین فائن علمی ہوتے ہیں جن میں بچوں کو مفید معلومات
 پیش انداز میں سمجھاتے جاتے ہیں۔ بعض مضامین تاریخی ہوتے ہیں
 ان کا انداز بیان سہی دل چسپ اور سبق آموز ہوتا ہے کہ پھر
 وصیت سے کوئی نہ کوئی اصلاحی اثر نہ کہانی کے طرز بیان میں سر
 امت میں دیا جاتا ہے اور آخر میں ایک صنفی خبروں کا ہے جس میں
 ان کی حسن قدر سامنے لکھ چکے ہیں ان میں حریت، تنوع مضامین
 بحث کی افادیت، افزائش معلومات، لکھائی، چھپائی اور کاغذ
 پیچیدہ سے ایک اچھے رسالہ کا اضافہ ہوا ہے رسالہ کی زبان اور
 لکھی سلاست، اردو کی بچوں کے لافنی ہوتی ہے امید ہے کہ
 میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

لیٹ ۱۹۳۳ء سے بروز نامہ سنہ ۱۳۵۲ء میں طبع و نذر
 ہوا۔ چار صفحات پر اردو اور پشتو زبانوں میں
 لکھا تھا۔ سید ضیاء حفیظی اردو کے اور
 نواز جلیا پشتو حصہ کے مدیر تھے۔ سید عبد اللہ و دیگر مدیر
 دن کے طور پر کام کرتے تھے اور اخبار کا مزاحیہ کالم لکھا کرتے
 تھے۔ ۱۳۵۲ء میں قصہ خوانی بازار، فائرنگ، ساخہ ہاسٹی خیل اور ۱۳۵۳ء

لکھارہ

میں کوہاٹ کی فائرنگ نے برطانوی سامراج کی سلطنت میں واضح طور پر شکاف ڈال دئے تھے۔ ان سانحوں نے مردوں میں آزادی کی شمع روشن کر ڈالی تھی۔ بعد زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح صنعت بھی اس سے کہیے لائق رہکتی تھی۔ ۱۹۱۷ء کے دوسال ملت کے آزادی کے سال قرار دئے جا سکتے ہیں۔ انہی انجمنات میں اسی مقصد کی خاطر نئے سوئے انھوں نے آزادی کا لہرہ لگایا اور حکومت نے ان کا گلا گھونٹ دیا۔ جب تحریک آزاد کا اپنے مردانہ سر پہ ترمذ مارا لگا رہا۔ ۱۹۲۲ء میں یٹھور سے اپنے کٹھن سفر کا آغاز کیا۔ یہ اخبار خان عبدالغفار خان کی سرخ پوش تحریک کا حامی تھا۔ حکومت کا شدید فرس مخالف تھا۔ اور اپنے انقلابی بن کا جوئی ٹھنڈا نہ ہونے دیتا تھا۔

یہ اخبار بڑے راسخ انداز میں چھپتا تھا۔ اور تقسیم ہوا کرتا تھا۔ اس پر ہمیشہ کسی ڈپٹی ایڈیٹر کا نام ہوتا تھا۔ تقریباً ہر چھ ماہ ہوتا اور مردوں کی طرح ایڈیٹر کی گرفتاری عمل میں آتی تھی۔ کا نام ایڈیٹر کے طور پر چھپتا تھا۔ ایسے لوگ عموماً قومی کارکن ہوتے جو آزادی وطن کے لئے قربانی دیتے۔ اصل دیر گھروں میں رہتا اور سبک دھڑلے کا رن کرنا ہی کے لئے اپنے آپ کو باری باری پیش کرتے رہتے تھے۔ انگریز دشمنی اور حکومت دشمنی کے اثرات میں یرتم کی مصوبتیں برداشت کرتے رہتے تھے۔ سرکار کنوں نے اسی طرح گرفتاریاں پیش کیں، متعدد بار ضمانت طلب کی تھی یہ پرچہ تبیل مدت تک جاری رہا۔ لیکن اتنا ہنگامہ خیز پرچہ سو برس بعد

کا تو کیا ہندوستان سحر میں کم ہی نکلا ہو گا۔

سیلاب

یہ ہفت روزہ اخبار لٹ دورے سنہ ۱۹۳۰ء کو جاری ہوا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا صنوبر حسین مہند اس اخبار کے ایڈیٹر تھے۔

یہ اخبار لوہان سجا کا ترجمان تھا اس کے تین پرچے ہی نکلے ہوں تھے نہ خانت طلب کر لی گئی۔ اور اس کا رشتہ حیات منقطع ہو گیا، سیلاب بڑا ہی طوفانی پرچہ تھا۔ اور اس کے مدیر کی تحریریں بلا کا درد اور روانی تھی اسی نے اس کا ہر پرچہ ضبط ہوتا رہا۔

صنوبر حسین مہمند

آپ سنہ ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے ان کا تعلق مہمند قبیلے سے تھا بڑی اس کرنے کے بعد تعلیمی کا پیشہ اختیار کیا

لیکن جلد ہی صنعتی ہو کر ملک سیاست میں مصروف ہو کر دیا شروع کر دیا سنہ ۱۹۲۷ء میں اپنے گاؤں میں زمیندارہ انجمن بنائی، پھر عبدالرحمن نے عبدالغفور خوش باغ کی سمیت میں جمعیت لوہان سرحد کی داغ بیل ڈالی، جسے بعد میں لوہان سجا کا نام دیا گیا سنہ ۱۹۳۰ء کی تحریک آزادی میں چھ ماہ کے لئے جیل گئے۔ رہا ہو کر سیلاب جاری کیا یہیں پرچے ہی نکلے تھے کہ خانت طلب کر لی گئی

آپ کے وارنٹ جاری ہوئے الا امانت نگین تھے اس لئے ساتھ ل
کے مٹورہ قبائلی علاقہ کو ہجرت کر گئے جہاں حاجی زنگ نہ کی کی صحبت
میں انگریزوں سے برسرِ بیکار رہے۔ قیام پاکستان کے بعد وطن
والیں آکر ادبی پتھر اٹھانے اسلام آباد کیا۔ اپنے زادہا کی عوامی ادبی
جماعت بھی نکلیں گی۔ مسئلہ کہ میں بھی اس کے تحت گرفتار
ہوئے مسئلہ ۱۹۷۱ء میں ڈیڑھ سال کی نظر بندی کے بعد رہا ہو کر آئے
تو ان کی عدم موجودگی میں سیلاب کا ڈکھلین منوے ہو چکا تھا۔

پیغام جنگ یہ سفتہ وار اخبار شاد رس سے منسلک ہوا کوئٹہ دار ہوا
سرد مضامین پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر سید
میر عالم شاہ صاحب تھے۔

ڈاکٹر لال بہاء کے لکھنے کے مطابق یہ اخبار اشاعت کے بعد فوراً
مشرقی پاکستان میں پھنس گیا کیونکہ اس اخبار نے اپنے مقاصد
لئے داخلہ عمل کے بارے میں یہ اقتہار ثانی کیا تھا۔
اس اخبار کی پالیسی حکومت کے مخالف ہوگی اور اتنی شدید
کہ شاید ہی اب تک کوئی ثانی شدہ اخبار اپنا سا ہوگا۔

اس صورت حال سے بچنے کے لئے انتظامیہ نے مزید اختیارات
کا مطالبہ کیا۔ یہ بات ہجرت انگیز ہے کہ اپریل ۱۹۷۳ء کی ایک
سرکاری رپورٹ میں ایڈیٹر کو ۱۰ سالہ نو جوان بنایا گیا ہے
اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کل طور پر ناخواندہ ہے۔
اس اخبار کی زندگی بھی بہت ہی مختصر رہی اس کے ہی مین

پرچے شائع ہوئے اور تیزی کو بھی سرکھ ضبط کیا، ساتھ ہی اس کے آڈیٹر سید ہر عالم شاہ کو تین سال قید و سختی کی سزا دی۔

نوجوان سرفروش یہ مہینہ دہلا اخبار سن ۱۹۳۱ء کو نکلا۔ دوسرے جلوزہ آؤد ہوا، عیدالحد فخر اس کے مدیر تھے بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔

یہ اخبار سات سبھار کا ترجمان اور انتہا پسند پالیسی کا حامل تھا اس کے بھی چند پرچے لکھے گئے تھے کہ اس کے ایڈیٹر عباد اللہ فخر گرفتار کر کے جیل بھیج دیے گئے۔ فخر اللہ قادیان لو جو رہے تھے تمام عمر قید و بند میں گزری تھی۔

اس پرچہ میں مولانا عبدالرحیم یونانی نے بھی جہت پیچیدہ لکھی تھی۔ ایک سال بعد اس کے اخبار کا تمام پرچہ پولیس نے پھانسی دے ضبط کر لیا۔ کیونکہ اس میں ایک مضبوط شدہ انتہا کوئی نہ عن شائع کیا گیا تھا۔

منظوم راولپنڈی پر مبنی دہلا اخبار سن ۱۹۳۱ء کو چھپی ہوا۔ بارہ صفحات پر لکھا تھا مگر تمام سال اس کے پالی ڈائیٹریٹ تھے۔

اس کے بانی ریاست آب کے نواب کے وزیر تھے، کسی بات پر نواب صاحب کے اختلاف ہو گیا تو وزیر قتل آ گئے، اس اظہار کا

مقصود ریاست اسب کے نظم و نسق پر تنقید کرنا تھی۔
 جب ایڈیٹر دہالی اخبار سے نواب اسب سے ملے ہو گئے تو
 ان کو واپس ان کے عہدہ بلا لیا۔ اس کے بعد بہ اخبار بند ہو گیا۔
 یہ مفت لکڑہ اخبار کو دے مسئلہ کا ٹھکانہ
 ہوا، چار صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کا ایڈیٹر ایک
 انتہائی بدکردار شخص فقیر حسد سرحدی تھے۔
 اس پرچے کا نام پون آج بھی رکھا ہے۔ لیکن وہ ایک غلط
 سے کم نہ تھا۔ یہ پرچہ اپنی تیز فہمی کی وجہ سے چند ماہ زندہ رہا
 آپ مسئلہ کو کوٹ در میں
 ہونے مبارک کا امتحان پاس
 کرنے کے بعد ریاست میں

چنگاری

بخشی فقیر حسد سرحدی

پڑے
 بخشی جی نے کچھ عرصہ کانگریس میں کام کیا ضلع اور صوبہ کانگریس
 کمیٹی کے صدر اور جرنل سکریٹری منتخب ہوئے اور مسئلہ ۱ میں غلط
 ہلاک میں شمولیت اختیار کر لی اور اسی زمانہ میں آپ نے راتے عام
 لٹ در سے جاری کیا، اسی دوران ان سے رانم انکروت ادا دھار
 سے خط و کتابت شروع ہو گئی آپ نے جی سبھاں حسد بوس کے
 ساتھی بننے کو منع فرمایا۔
 مسئلہ ۲ میں ملک تقیم ہوا تو آپ بھی لٹ در سے دہلی لکڑ

مے مجھ سے ملاقات کی، جلسوں میں اکثر آپ کے ساتھ ہوا۔
اتفاق ہوا۔ کانگریسوں سے آپ کی کسی بھی نہیں جلسوں میں
کانگریسوں کی انگریز پرستی کا پالیسی کے خلاف نظر کرتے کرتے تھے
ماہریت ہمدرد میں مقیم تھے، بڑی خوددارانہ زندگی بسر کرتے عرصہ ہوا آپ
نہ بوجھے ہیں

ملتان سے یہ ماہر سالہ ۱۹۳۳ء کو جلوہ افروز ہوا
۸۴ صفحات پر نکلتا تھا، دین محمد صاحب عالمی
نظامی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے
عاش

ارمغان دہلی کے شمارے جون ۱۹۳۲ء میں رسالہ دیہاتی پر
نقد و ثناء کے پہلے ٹکے۔

ملتان کے جناب دین محمد صاحب عالمی نظامی کی ادارت
ماہوار نکلتا ہے سرورق پر دیہات کے مختلف مسائل دکھائے
یہ۔ ذراعت سے دلچسپی رکھتے ڈالے اصحاب کے لئے ذریعہ
میدانین ادبی ذوق و اگوشی کے لئے ادبی مضامین بھی شائع
کرتے ہیں طریب دیہاتی جو نام علم و سرور کے لئے پارہ سیتے ہیں
نہ کے لئے عالمی کا براہ راست قابل غور ہے چوں کہ نئے نسلی
میدانین پیچھے ہیں۔

ظہیر آباد کوئٹہ سے یہ ماہر سالہ ۱۹۳۳ء کو نمودار ہوا
۷۴ صفحات پر مشتمل تھا، ایڈیٹر ناز محمد ری تھے دو
روپے آٹھ آنے سالانہ چندہ تھا، نگار مشین پریس

نظیر آراء و گفتوگو میں مصیبتا تھا۔
اس کے معنوں کا ترجمہ ہمیں ماں کو کب اور نظر قریشی وغیرہ
تھے۔

طور جامع مسجد دہلی سے یہ ہفتامہ رسالہ سنہ ۱۳۱۷ء میں جلوہ
آزاد ہوا۔ ۳۷ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر
جناب منظر حسین صاحب بی اے تھے سالانہ چندہ
تین روپے تھا۔

رسالہ سالانہ دہلی کے شمارے اپریل سنہ ۱۳۱۷ء میں رسالہ طور پر
حسب ذیل ریویو لکھے ہوئے تھا۔
طور دہلی مسطور حسین صاحب بی اے کی ادارت میں چھ ماہ
سے شمارے ہو رہا ہے مفید اند پر از معلومات مفاہین شمارے ہوتے ہیں
کتابت و طباعت ویدہ زیب ہے چند سالانہ تین روپے ہے
لکھنے کا پتہ رسالہ طور جامع مسجد دہلی۔

بانگ درا امرتسر سے یہ ماہانہ رسالہ سنہ ۱۳۱۷ء کو جاری
ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا، جناب مالک
صہبائی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ چندہ سالانہ
دھائی روپے تھا۔

نیرنگ خیال لاہور، سرمدی سنہ ۱۳۱۷ء میں اس رسالہ پر
بہ تبصرہ کیا تھا۔
امرتسر رانگی کے اجراء کے لئے کوئی اچھی زمین نہیں ہے

کچھ رسائل جاری ہوئے مگر چند ہی نمبروں کے بعد اس کا سفر رقت ہو گئے
 تھے، ہانگ دیا گیا۔ ساکنہ صاحبہ کی ادارت میں لکھنے پڑھنے کا کام ہے
 نام محبوب ہے۔ طوا کر کے کامیاب ہو،
 پہلے پرچہ میں جناب مولیٰ غلام مصطفیٰ، سردار خواجہ فاضل
 بی اے، جناب فیروز الحسن صاحب بی اے اور اسے دیگر اہل علم
 مدد میں بھیجیں۔



حرف آخر

میرا پہلے یہ خیال تھا کہ تاریخ مصنفت اردو جلد نهم سلسلہ ۱۹۱۱ء و سلسلہ ۱۹۱۲ء تک کے اخبارات و رسائل پر مشتمل ہو۔ لیکن میں نے جب یہ دیکھا کہ سیری صحت روز بروز بگڑ رہی ہے تو یہ طے کیا کہ اس تاریخ کو جلد ختم کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ اس جلد نهم میں دس سال کا اضافہ کیا گیا اور اس کو سلسلہ ۱۹۱۲ء تک رکھا گیا اور سہ ماہی جلد سلسلہ ۱۹۱۳ء سے سلسلہ ۱۹۱۴ء تک کے اخبارات و رسائل پر تالیف کرنے کا فیصلہ کیا جو آخری جلد ہوگی، جس میں کم سے کم پانچ سال صرف ہوں گے۔ خداوند کریم کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس کو ضرور مکمل کرائے گا۔

تحقیقی میدان بہت وسیع ہے جس کو سمجھنا سمجھنا اور پوری دنیا مالو، عمر سرگھونج، گارڈلے، نوآسی، نیوٹر، پینچوسکی، کراسی، پیلے، ریلے پر ہیں، تحقیقی کام کا تکمیل کے رول تک پہنچنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس جلد میں جس دور کے اخبارات و رسائل کا ذکر آیا ہے کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان اخبارات کا ذکر ہے۔ ہرگز نہیں، اگر عشر عشر اخبارات و رسائل کا بھی اس میں ذکر آگیا ہے تو بڑا اکمال جائیے اور بہت

علمت سمجھے۔

اس جلد میں جن اخبارات و رسائی کا ذکر ہے ان کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی انتہاء سے زیادہ کوشش کی گئی لیکن اس کے باوجود ان میں ایسے اخبارات و رسائی مثلاً پرتاب لاہور، دہلی، اخبار النجیۃ دہلی، اخبار منادی، دہلی، اخبار سچ دہلی، اخبار سچ، امدادی، مکتبہ اور رسالہ دین و دنیا دہلی وغیرہ وغیرہ ہیں جن کے متعلق بہت مختصر لکھا گیا اس میں ان کے متعلقین کی کوتاہی کا بھی دخل ہے اور حالات کا بھی نقصان ہے۔

میں بذات خود اخبار پرتاب کے دفتر پہنچی ان کے ایڈیٹر زبیر صاحب سے ملا، مقصد کا اظہار کرنے کے بعد پرتاب اور اس کے ایڈیٹر مہاشیہ کرشن چند کے حالات معلوم کئے تو لاٹھی کا اظہار کیا، محترم دھرم داس دھرم داس برادر لالہ دیش بندھو ایڈیٹر اخبار سچ دہلی کو شیلٹون راکے اخبار سچ اور اس کے ایڈیٹر لالہ دیش بندھو گیت سے متعلق معلومات حاصل کرنی چاہی یہ بھی معلوم کیا کہ کسی سچ کے پرچے یا کسی کتاب میں ان دونوں کے بارے میں لکھا بھی ہو ان کے نام یا تاریخ بتا دیں، یہ سبھی بے خبر نظر آئے، دس بارہ روز ہوئے ارادہ بازار جاسے مسجد دہلی میں جناب مولانا حفیظ الرحمن دارمستی فرزند حضرت مفتی اعظم علی گڑھ کفایت اللہ رہتے ہیں، ان کے گھر پر گیا ان سے عرض کیا کہ اخبار النجیۃ دہلی کے پیلے مال کا فائل چند روز کے لئے متعلقہ جناب سے فرما دیں اسٹریٹ نے جواب دیا گھر پر دیکھ لیں جواب تو اسٹریٹوں نے حالات کے مطابق جمع دیا۔ چونکہ ملک کے تمام رسائل و اخبارات کی کتابت ختم

ہوئے والی سخی اور آٹا وقت نہیں تھا کہ گھر پر جا کر لکھتا مجھدا اخبار
 اجمیعہ دلی کے بہت مختصر حالات لکھے اور حضرت مولانا محمد عثمان صاحب
 ناز قبیلہ ٹٹے حالات زندگی میرے پاس پہلے سے موجود تھے ان کو
 ترتیب دے کر کتاب کے حوالے کیا۔

جناب شوکت بھی صاحب ایڈیٹر دین دنیا سے میرے والدین کے
 تعلقات میں میرا ان کے دفتر میں کافی آنا جانا رہتا آج کل کئی سالوں
 سے ممبری کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آنا جانا نہیں ہو رہا ہے ان سے
 میں نے بڑے نفاذ منوں کے بعد ان کے حالات زندگی حاصل کئے
 آج کل اس کی ضرورت پڑی اس لئے کہ دین دنیا کے ذکر کے ساتھ
 ان کے حالات زندگی بھی چھپ جائیں گے کئی سالوں کے بعد
 نہیں ملے اور تاریخ صفت اردو جلد پنجم میں بھی نہیں ہو سکے یہ صہرت
 اخبار سنا دی دلی اخبار سچ دھندنی لکھنے کی ہوئی۔

رسالہ نیرنگ خیال لاہور یقین بڑا وسیع اور بے مثل جریدہ تھا اس نے
 منہ درستان بھر میں تھکے بچا دیا تھا اس سے پہلے یا اس کے عہد میں یا اس
 بعد اس جیسا لاثانی بڑھ نہیں سکا۔ اس رسالہ کی غلطی ان خدمات
 نے اپنے میں عرصہ بڑھ گیا دیا تھا اور دائرہ تحسین و صوفی کی حق اس رسالہ کے
 زمین و نہیں ایڈیٹر حکیم یوسف حسن صاحب اپنے زمانہ کی مصافحت کے
 میدان میں ایک مجتہد کا درجہ رکھتے تھے، میں اس مجتہد کے حالات
 زندگی رسالہ نیرنگ خیال کے ذکر کے ساتھ ساتھ لکھنا چاہتا تھا نیرنگ خیالی کے
 بارے میں تو میرے پاس کچھ معلومات تھیں حکیم صاحب نے حالات زندگی میرے
 پاس کچھ نہیں تھے ان کے حالات زندگی حاصل کرنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا

کہ لاسمہ کے مجدد معروف بہادرتغوش نے حکیم صاحب کا سولہ علی گڑھی
 نسخہ میں قسری کے نام سے شائع کی علی گڑھی کتب خانہ میں صاحب نے
 نیز نگہ خیال کا ایک گولڈن جوبلی برقی نے کیا تھا۔ اس میں حکیم صاحب کے
 حالات زندگی طبع ہوئے تھے۔ نیز اخبار خیال لاہور کے ہر گز علی گڑھی
 کے شمارے میں مجدد صاحب کا ایک صفحہ حکیم صاحب کے حالات زندگی
 پر چھاپا گیا تھا جس نے محمد طیف صاحب ایڈیٹر تقوش لاہور اور جناب
 مسعود اختر صاحب ایڈیٹر خیال لاہور اور عبدالعزیز صاحب کو لاہور کے پتہ پر
 مکہ منظر سے ابراہیم بخشہ کو ان صفحہ کے حصول کے لئے خطوط
 لکھے پہلی جا کر بھی کئی مرتبہ خطوط کے ذریعے یاد دہانی کرائی جب ان خطرات
 سے ناامید ہو گیا تو جناب طیف صاحب اور ان صاحب وادوی کو لاہور کے پتہ پر اس
 سلسلہ میں خطوط روانہ کئے۔ ان سے پہلی ملاقات دفتر مدرسہ مولانا محمد منظر
 میں ہوئی تھی یہ اسی اثنا میں میرا پتہ بھی رکھیں میں نے ان کو حکم لکھنا
 بند نہیں کیا۔ اس علم دوست انسان نے کچھ گلدستوں کے لوگوں کو اسٹوٹ
 کرانے مجھے کو راہ کئے اور نیز نگہ خیال لاہور کے گولڈن جوبلی قسری
 سے حکیم صاحب کی آپ بیتی اور نیز نگہ خیال کے بند بولنے کی غنائت
 داستان فولادیںٹ کرانے روانہ کیا۔ جس کا میں بے حد ممنون اور مشکور ہوں
 ہوں اس جستجو میں کافی سال صرف ہوئے اگر اردو کے ایسے حسن
 صفائی کے حالات زندگی نیز نگہ خیال لاہور کے ذکر کے ساتھ ہی نہ
 ہوئے تو یہ بڑی احسان فراموشی ہوگی، زندہ رہا تو انشاء اللہ حکیم صاحب
 کے حالات زندگی پر ایک مبرور کتاب ہی تھی کہ اسے ایک ایام میں بھی لکھ کر
 ادا کروں گا۔ فقیر سییلنگ لاہور رہی میں اس دور کے اچھی ماہی قمار

میں جہاں ہیں حمائمے میں نے اس جلد کے لئے کافی اخذ کیا ہے
 نذیر یہ کاتر رکھا میں اس دور کے اخبارات انقلاب لاہور وغیرہ کے
 خاک میں کئی مرقعہ آئی کو دیکھنے کے لئے تھی لیکن انیسویں وہاں کوئی
 دکھانے والا ہی نہیں ملا۔ واپس آنا پڑا۔

اس دور میں تاریخ صحافت اردو پر نہیں کتابیں جنوبی ہند کی
 اردو صحافت مولفہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین اقبال، صحافت مولفہ سرحد
 میں مولفہ اہل ملک اردو مولفہ آباد میں اردو صحافت مولفہ طیب انصاری
 صاحب طبعی پوٹس، یہ تینوں کتابیں بڑی طاقت کی، کاوش اور جستجو
 اور محنت کے تالیف ہوئیں، جنوبی ہند کی اردو صحافت میں یہ اس
 کے قدیم اخبارات مطالبے کا ذکر ہے جو ۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ صحافت
 مولفہ سرحد میں، سب سے سرحد کے قدیم جدید اخبارات کا تاریخ درج
 ہے جو ۱۲۷ صفحات کی ہے۔ حیدر آباد میں اردو صحافت میں حیدر آباد
 دکن کے قدیم جدید اخبارات رسائل کا ذکر ہے اور اخبارات کی پانچویں
 پر سب سے دلچسپی کو دلی گا ہے یہ کتاب ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔
 میں اس مصنف کو جو محنت و محنت سے اخبارات در رسائل پر اپنا
 وقت صرف کر کے کوئی تالیف مرتب کرتا ہے اور طبع کرتا ہے اس
 کو صحافت اردو، فقوت اور مورخوں کا حسن سمجھتا ہوں کاش اس طرح
 دوسرے مولفوں کے اہل علم حضرات بھی توجہ فرمائیں اور اپنے مولفوں
 کی اردو صحافت کی تاریخ لکھنے پر توجہ دیں، جن سے اہل علم حضرات
 کو اخبارات در رسائل کی اہمیت کا اندازہ ہو کر یہ اخبارات کس قدر
 نادر معلومات کا خزانہ ہیں۔

میں نے تاریخ صیانت اردو جلد پنجم میں صیانت صوبہ سرحد میں
 اور حیدر آباد میں اردو صیانت سے کافی اخذ کیا ہے اور ان دونوں
 کتابوں سے تصحیح کو اچھی خاصی مدد ملی ہے۔ میں جناب محمد افضل الدین
 اقبال صاحب، اہل ملک صاحب اور جناب طیب الفاری صاحب کو ان
 کے ان کارناموں پر مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کے
 آئندہ نتائج ہونے والے ایڈیشنوں میں ان کتابوں میں جو غلطی
 خالی رہ گئے ہیں انہیں برطرف کیا جائے گا۔

درسہ صوفیہ مکہ معظمہ کی لاہنبری کے اخبارات و رسائل سے
 بھی میں نے استفادہ کیا ہے، انہیں اخبارات و رسائل کے نام نہیں
 لکھ سکا۔ اس لاہنبری میں کافی تاریخی کتابیں اور خطوط ہیں اس
 لاہنبری میں اخبارات اہللال کلکتہ کے ابتدائی کتاب شدہ شمار
 ہیں۔ اور سہدم کلکتہ کے بھی پرچے ہیں۔

میرا خیالی تھا کہ پانچویں جلد چھ سو صفحات پر مشتمل ہوگی اس
 لئے اس کی قسم اول کی ۳۵ روپے اور قسم دوم ۲۵ روپے رکھی تھی
 اب بارہ سو صفحات سے زائد ہو گئے اس لئے اس کی قیمت ساٹھ
 روپے مقرر کی ہے۔

امداد صابری محلہ چڑیوالان۔ دہلی

۲۰ مارچ ۱۹۸۷ء

سالہ ۱۹۲۸ء کے کچھ اخبار اور سائل

سہولت کی وجہ سے ملک کے کچھ اخبارات و رسائل
کتابت ہونے سے رہ گئے ہیں۔ ان کو آخر میں ہمیں کے طور
پر درج کیا جاتا ہے۔

سرحد پنجاب سے یہ مذہبی رسالہ سالہ ۱۹۲۸ء کو
مجدد اعظم جاری ہوا۔ یہ مضمون پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر
تھے سالانہ چند تین روپے تھا۔

معارف اعظم گڑم سرفہارچ سالانہ میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع
ہوا تھا۔

سرحد پنجاب سے نامور مجدد اعظم گذشتہ سال سے شائع
ہونا شروع ہوا ہے۔ حضرت مخدوم جہانگیر دستار میں ادیس
صوفی مبلغ اسلام تھے اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ السلام کی طرف
بند اثرات سے شریک تہم پہنچ چکے تھے۔ پھر صحیح اسلام کی طرف
لانے میں کامیاب ہوئے۔ اس پرچہ کی اشاعت تبلیغ اسلام اور
اصلاح بدعت کے لئے اہم ترین ذرائع میں بہت کار آمد ثابت ہوگی

نامور نے مولانا کو یہ سچی رسالہ خود اسوا ۳۲
مضمون پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر پابندی احمد
پرچہ تھے سالانہ چند سچی برادری سے ایک روپیہ

انوت

اور نام خریداروں سے آٹھ آنے تھا۔ اس رسالہ کا مقصد
علی کی مذہب پر جو اعتراضات ہوتے تھے اس کا جواب دینا تھا
یہ روزانہ اخبار دہلی سے ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا
پہلی نمبر
جناب شفاعت الشرفا صاحب بی اے تھے۔
سالانہ چندہ بندہ رہے تھے۔

نور اف اعظم گڑھ جوڑہ مارچ ۱۹۲۵ء میں اس اخبار پر
حسب ذیل رپورٹ چھپائی گئی۔

اس اخبار کی عنوان ادارت پنجاب کے دیرینہ تجربہ کار اخبار
نور انصاف شہناخت الشرفا صاحب بی اے کے ہاتھ میں ہے اور
اس وقت تک اس کے چنے پرچے نکلے ہیں وہ مضامین، مباحث، خبریں
درجہ اول کے لحاظ سے کسی اور دے روزنامہ سے کم نہیں ہیں اور اس
کی قلم بردارین مختلف ممالک کی آزادی رائے اور صحیح طریقہ پر مشتمل
ہیں اس کا سائز، شہادہ اور انقذاب کا سائز ہے ہم اردو اخبار میں اس
نے اس کی فریاد پر در سفارش کریں گے۔

یہ رسالہ اگر ۱۹۲۵ء کو طبع ہوا۔ ہم صفحات
تین تھیں تھا، جناب تہاب اکبر آبادی اس کے ایڈیٹر تھے اس
کا سالانہ چندہ بین روپے تھے۔

یہ رسالہ ایک طرف ہمایہ کا جائیں اور دوسری طرف رسالت کا
مقابلہ ایڈیٹر کے منظوم بیانیات بعض اوقات دلی چپ ہو گئے تھے

یہ عشرہ دارالخبرہ مجربات سے ۱۹۲۸ء کو نمودار ہوا
القصاص سرور صفحات پر لکھنا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا
 حکیم عارف صاحب تھے سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔

اس اخبار کے مطالعہ کی پرزور سفارش کرنے میں تبلیغ دین و اخلاق
 اسلام، اصلاح المسلمین کے نئے جدوجہد اور امداد بانی کے رشتہ
 کی حمایت فن زراعت و تجارت میں رہنمائی اور دیہاتی زندگی میں انصاف
 لانا اس اخبار کا فرض تھے اس کے علاوہ یہ ادبی و تربیتی خصوصیات
 کے اعتبار سے بھی ممتاز حیثیت رکھتا ہے ملک کے شہر و اہل قلم و لانا
 حکیم عارف صاحب کے زیر ادارت یہ دس روزہ اخبار اپنے خاص
 ساتھ خدمت قوم میں مصروف ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت کا
 اعازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ ایک خاصہ تک اسیر فرنگہ چلے گئے

پیام حق
 یہ ماہانہ رسالہ کانپور سے ۱۹۲۸ء کو جلوہ
 لگتا ہوا ہے یہ صفحات پر لکھنا تھا مولوی
 محمد فاضل اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ
 چندہ تین روپے تھا۔

۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء کے اخبار ہمدرد دہلی کے شمارے میں اس
 رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

”چھوٹی لقیطیہ کا یہ رسالہ مولوی محمد فاروق مدرس جامع العلوم
 کانپور نے اشاعت و تبلیغ مذہب کے سلسلہ میں شائع کیا ہے حجم
 ۶۴ صفحات ہے اور اس رسالہ میں مذہب اسلام کے ثنائیہ
 مذہب حقہ اور قابل قبول ہونے پر مختلف طریقوں سے استدلال

کیا گیا ہے اور اسلامی تعلیمات کا اجمالی خاکہ بھی مختصر طور سے پیش کیا گیا ہے

اہم نکتہ کیا گیا ہے کہ اسلام تمام نبی نوع انسان کے لئے ہے اسلام میں ذات پات نہیں ہے بلکہ شریعت کا معیار تقویٰ ہے تزکیہ نفس و تہذیب و اصلاح و عادات، عالم آخرت و طرز عنوانات میں تعلیم الاسلام کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس حقیقت مجموعی رسالہ نادائقوں کے لئے مفید ہو گا۔

یہ ماہانہ رسالہ انجمن آباد بابھی کتبہ ابراہیمی حبیب آباد دکن مکتبہ سے شائع ہوا۔ موجود میں آیا صفحات ۶۴ صفحات تھی اس کے مدیر جناب محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ویل ایل بی تھے۔ سالانہ حینہ چارہویہ تھا۔ نئی شائع ہونے والے رسالہ سعادت اعظم گرام میں اس رسالہ پر حسب ذیل رپورٹ لکھ کر ہوا تھا۔

اس وقت حیدر آباد دکن کی ریاست اردو ساکن کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے خاص اہمیت کی مالک ہے، زیر تنقید رسالہ تقریباً ایک سال سے شائع ہو رہا ہے اس کے مضامین نے اس کو رہائے کے ساکن میں خاص درجہ دے رکھا ہے۔ مکتبہ ابراہیمیہ جس خاصگی سے وسیع علمی خدمات انجام دے رہا ہے اس میں اس رسالہ کی اشاعت بھی قابل ذکر ہے

یہ رسالہ ماہانہ ملتان سے نکلتا ہے شائع ہوا میں جلوہ ساقی افزود ہوا۔ اہم معنوں پر لکھتا تھا۔ قادر بخش اس کے

ایڈیٹر تھے۔ سلاطین چند نہیں روئے تھے۔
 اس رسالہ پر پکا پون لاپسہ سوزہ جو لاکھ شش لاکھ میں پتہ ہو
 چھپا تھا۔

اس وقت تک اس رسالہ کے دو نمبر جاری نظر سے گزائے
 میں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب دہندہین جو لہجہ ہاتھوں
 میں ہے لیکن رنگ کا مقصد صرف نامہ امتی ترقی و اصلاح
 ہے کہ کڑی کرے گا نہادیرے امتحان سے بھی مذاق سلیم کا اظہار
 ہوتا ہے۔

فہرست مضامین تاریخ صحافت اردو جلد پنجم

۱	حضرت مولانا ظفر علی خان	۵	۱۵۲	بہارِ بزمِ سہ ماہیور ماہانہ
۲	تالیف کی روشنی	۹۳	۱۸	غرض خیالی مداس
	۱۹		۱۵۲	ایڈورڈز گزٹ ایبٹ آباد
۳	احمدی (ماہانہ) دہلی	۱۳۳	۲۰	پرنسپل گزٹ لاہور
۴	وقت لاہور ہفتہ وار	۱۳۶	۲۱	نہال سنگھ پچوئی
۵	تمدن دہلی	۱۳۸	۲۲	تاجر میرٹھ ہفتہ وار
۶	تاریخ اسلام یا نکلوت	۱۴۶	۲۳	ریڈیکل ڈائریکٹر اسٹریٹیز دہلی
۷	ادیب الاطفال حیدر آباد	۱۴۶	۲۴	المبشر مراد آباد ہفتہ وار
۸	پینل لاہور ہفتہ وار	۱۴۶	۲۵	آفتاب اردو لاہور ماہانہ
۹	طالب دیار میرٹھ ہفتہ وار	۱۴۶	۲۶	مولانا احسان اللہ خان تاج پور
۱۰	نارنگ لاہور ماہانہ	۱۴۸	۲۷	سوداگر میرٹھ
۱۱	غلام قادر فیضی			۱۵۷
۱۲	اڈورڈ کاسپر ماہانہ	۱۴۹	۲۸	المعین ادرتہ ہفتہ وار
۱۳	اردو جانشین	۱۵۰	۲۹	سرور محمد مسلم خان صاحب
۱۴	دربار لکھنؤ	۱۵۰	۳۰	اشاعت الحکمت شیراز ماہانہ
۱۵	المحباب سحر پال پندرہ روزہ	۱۵۱	۳۱	افان امرتسر ماہانہ
۱۶	افتخار جامعد ماہانہ	۱۵۲	۳۲	الہلال کلکتہ ہفتہ وار

۲۶۸	مثنوی نیرازا بدینیت دار	۵۴	۲۶۳	مصع آگره بابانه	۳۲
۲۶۸	ناله طبل کد حیات بابانه	۵۵	۲۶۴	ربیع دیال شریا	۳۳
✓ ۲۶۹	خند و بهانگی دلی بنیت دار	۵۶	۲۵۱	خند و خیر اندیش بگوهر	۳۵
۲۶۹	الدبر با نگی بدنه	۵۷	۲۵۲	سریع شایع حیات پور بابانه	۳۶
۲۷۰	احمدی ناکون قادیان بابانه	۵۸	۲۵۳	رفیق دلی صدف دار	۳۷
۲۷۱	رودیش بصره بابانه	۵۹	۲۵۴	مرتی شهنشاهی بابانه	۳۸
۲۷۲	انوار انوارین بابانه	۶۰	۲۵۷	مهر حسن حسن	۳۹
۲۷۷	گشتی لال قر	۶۱	۲۵۷	سورخ مدراس	۴۰
۲۷۷	انوار انوارین بابانه	۶۲	۲۵۸	آزاد کاخ پور بنیت دار	۴۱
۲۷۷	ملم گزین کنگور بنیت دار	۶۳	۲۶۰	ناج حیدر آباد بابانه	۴۲
۲۷۷	انوار عالم دیو بدین بنیت دار	۶۴	۲۶۱	خادم محمد دقا انصاری	۴۳
۲۸۳	لسان المنیر انجم حیدر آباد بابانه	۶۵	۲۶۳	معارف حیدر آبادین	۴۴
۲۸۴	ادب پیشانی بابانه	۶۶	۲۶۳	بنیت دانی کنیز اسفند آگره	۴۵
۲۸۵	شاید بن حیدر آباد بابانه	۶۷	۲۶۳	المعروف در اس	۴۶
۲۸۵	اعلم کاخ حیدر بابانه	۶۸	۲۶۴	محمد المیزان احمد بنیر	۴۷
۲۸۵	عشقان زلف حیدر آباد	۶۹	۲۶۵	قومی اوریت مدراس بابانه	۴۸
۲۸۷	نقاد آگره بابانه	۷۰	۲۶۵	قبیله حریف آگره بابانه	۴۹
۲۹۰	نقد دلی در بنیت دار	۷۱	۲۶۶	انقلاب فرانس بنیت دار	۵۰
۲۹۶	نفاذ الاسرار جالبه بابانه	۷۲	۲۶۷	ادب دلی بابانه	۵۱
۲۹۶	ترجید میراث بنیت دار	۷۳	۲۶۷	عند لیب دلی بابانه	۵۲
۳۲۱	بصیا احسان الحق بنیت دار	۷۴	۲۶۷	ناصر الاخبار میراث بنیت دار	۵۳

- ۷۵ خلاصہ جدید ہندو مت ۹۷ ۲۲۷۷ اکیال لدھیانہ ہانہ ۲۲۹
 ۷۶ نقلی اللہ تعالیٰ مجرمانہ ہانہ ۹۸ ۲۲۷۸ راتین مختصر لاسعد ہانہ ۲۵۰
 ۷۷ تنویر انبانہ ہانہ ۹۹ ۲۲۷۹ دھرم بیرہ ہانہ ۲۵۰
 ۷۸ اردو لاسعد ہانہ ۱۰۰ ۲۲۸۰ کلام اردو ہندو مت ۲۵۱
 ۷۹ اخبار غفر کیلیغورینا ہانہ ۱۰۱ ۲۲۸۱ اشہادہ دہلی ہفتہ وار ۲۵۱
 ۸۰ افادہ آگرہ ہانہ ۱۰۲ ۲۲۸۲ صحیفہ انقصر دہلی ہانہ ۲۵۲
 ۸۱ شمس العلوم بدایوں ہانہ ۱۰۳ ۲۲۸۳ سلسلہ ۲۵۲
 ۸۲ کلاما عباسی جدید دہلی ہانہ ۱۰۴ ۲۲۸۴ جوامع سنن جے پور ہانہ ۲۵۳
 ۸۳ معارف سیملاوی شریف ۱۰۵ ۲۲۸۵ مولیٰ سید فخر حسن سنا ۲۵۴
 ۸۴ شاہ محمد قاسم صاحب ۱۰۶ ۲۲۸۶ استاد مرگہ فیض لیرہ پور ہانہ ۲۵۷
 ۸۵ نظام لدھیانہ ہانہ ۱۰۷ ۲۲۸۷ ارشاد سہا ریدہ ہانہ ۲۵۷
 ۸۷ دیپک لاسعد ہانہ ۱۰۸ ۲۲۸۸ مولانا عاشق الہی صاحب ۲۵۸
 ۸۸ مایہ پریو لیرہ پور ہانہ ۱۰۹ ۲۲۸۹ شوق لاسعد ہانہ ۲۶۲
 ۸۹ سلطنت دہلی ہفتہ وار ۱۱۰ ۲۲۹۰ فانوس خیالی شہر کوٹ لہانہ ۲۶۳
 ۹۰ صدق لاسعد ہانہ ۱۱۱ ۲۲۹۱ کلام عبدالمجید سالک ۲۶۴
 ۹۱ جناب مفتی محمد صدق ۱۱۲ ۲۲۹۲ ارضیہ دیوبند ہانہ ۲۶۵
 ۹۲ طبیب دہلی ہفتہ وار ۱۱۳ ۲۲۹۳ تذکرۃ انوار علی شہرہ صاحب ۳۸۷
 ۹۳ عریف لاسعد ہانہ ۱۱۴ ۲۲۹۴ سلوات لاسعد ہانہ ۳۸۸
 ۹۴ جین پریو دیوبند ۱۱۵ ۲۲۹۵ رسالت گلکنت ہانہ ۳۹۰
 ۹۵ کبیر شہرہ گلکنت ۱۱۶ ۲۲۹۶ انتقام دیوبند ہانہ ۳۹۱
 ۹۶ سعادت الدہلی ۱۱۷ ۲۲۹۷ اشاعت اسلام لاسعد ۳۹۱

- ۱۱۸ خواجه کمال الدین ۳۹۲
 ۱۱۹ اسرار حسنیه سر شهابیاز ۳۹۳
 ۱۲۰ پند و اندرز سعید بنی تال دوزان
 ۱۲۱ الفبا راجه سعید دلد ۳۹۴
 ۱۲۲ بزم سخن لکنه فطوح گیاره ۳۹۵
 ۱۲۳ جلد عشق بر شام فطوح ۳۹۶
 ۱۲۴ مفتاح احکمت لاجور ۳۹۷
 ۱۲۵ قطب الکعبه نمایی ۳۹۸
 ۱۲۶ خطیب دینی سعید دلد ۳۹۹
 ۱۲۷ مرتب نقد عقیده ۴۰۰
 ۱۲۸ جهان اسلام اقتبوس ۴۰۱
 ۱۲۹ طریقت لاجور ۴۰۲
 ۱۳۰ المسلم لرحمانه ۴۰۳
 ۱۳۱ البلاغ امرت ۴۰۴
 ۱۳۲ ترجمان لاجور ۴۰۵
 ۱۳۳ الفضل قدیان سعید بنی تال دوزان
 ۱۳۴ خان بیدار مجتهد لاجور ۴۰۶
 ۱۳۵ حکیم بلال ۴۰۷
 ۱۳۶ حلاله ۴۰۸
 ۱۳۷ تجارب شجیه پورنیزه ۴۰۹
 ۱۳۸ آریه پیر دلی ۴۱۰
 ۱۴۰ انیزان عیسیه دوزان ۴۱۱
 ۱۴۱ لیل و نهار فی سیرت لاجور ۴۱۲
 ۱۴۲ فطوح لاجور ۴۱۳
 ۱۴۳ الفبا دوزان ۴۱۴
 ۱۴۴ خیال لاجور ۴۱۵
 ۱۴۵ دوزان لاجور ۴۱۶
 ۱۴۶ نقد لاجور ۴۱۷
 ۱۴۷ عبد الحمید سعید لاجور ۴۱۸
 ۱۴۸ دوزان لاجور ۴۱۹
 ۱۴۹ سیدنا لاجور ۴۲۰
 ۱۵۰ الحکیم لاجور ۴۲۱
 ۱۵۱ البلاغ لکنه ۴۲۲
 ۱۵۲ پیام امید محمد لاجور ۴۲۳
 ۱۵۳ نقد دلی ۴۲۴
 ۱۵۴ کلان ناصر فطوح ۴۲۵
 ۱۵۵ سیل - دلی ۴۲۶
 ۱۵۶ اقدام - لکنه دوزان ۴۲۷
 ۱۵۷ دوزان لاجور ۴۲۸
 ۱۵۸ فرید میرت ۴۲۹
 ۱۵۹ الفکر ۴۳۰
 ۱۶۰ الفکر لاجور ۴۳۱

۱۸۲ نشانه صبح کرم آباد و سده ۵۱۲

۱۸۳ پنجاب لایحه لایحه ۵۱۶

۱۸۴ صداقت کلمه سده ۵۱۴

۱۸۵ سیاه لایحه سیده ۵۲۵

۱۸۶ پیام یار لایحه سیده ۵۲۵

۱۸۷ البرهه کانیچه ۵۲۶

۱۸۸ سفید سده کانیچه سیده ۵۲۶

۱۸۹ کانیچه سیده سیده ۵۲۶

۱۹۰ کانیچه سیده سیده ۵۲۶

۱۹۱ انادو جبره کانیچه ۵۲۶

۱۹۲ مرزا نظام الدین سیده ۵۲۶

۱۹۳ کرشیل انادو کانیچه ۵۲۶

۱۹۴ شایسته سیده ۵۲۶

۱۹۵ انادو سیده ۵۲۶

۱۹۶ اتحاد انادو ۵۲۶

۱۹۷ ابل السنت الحی عتار ۵۲۶

۱۹۸ انی رشتی انادو ۵۲۶

۱۹۹ سیده ۵۲۶

۲۰۰ رفیق انیم لایحه ۵۲۶

۲۰۱ سفید سیده ۵۲۶

۲۰۲ گلشن لایحه ۵۲۶

۱۹۱ کانی لایحه سیده ۵۲۶

۱۹۲ انیم لایحه سیده ۵۲۶

۱۹۳ پریم انیم سیده ۵۲۶

۱۹۴ کانی سیده سیده ۵۲۶

۱۹۵ خدا جان سیده ۵۲۶

۱۹۶ دلش لایحه سیده ۵۲۶

۱۹۷ نور الاسلام کانیچه ۵۲۶

۱۹۸ حکیم نور الحسن کانیچه ۵۲۶

۱۹۹ ترجمان کانیچه ۵۲۶

۲۰۰ قاضی عبد الله سیده ۵۲۶

۲۰۱ سیده ۵۲۶

۲۰۲ تصویر سیده ۵۲۶

۲۰۳ محمدایوب سیده ۵۲۶

۲۰۴ ناسخ انادو سیده ۵۲۶

۲۰۵ عبرت سیده ۵۲۶

۲۰۶ آب حیات سیده ۵۲۶

۲۰۷ لحات لایحه سیده ۵۲۶

۲۰۸ زراعت سیده ۵۲۶

۲۰۹ سارف انادو ۵۲۶

۲۱۰ سیده سیده ۵۲۶

۲۱۱ سیده سیده ۵۲۶

۲۲۳	حیات دارد و را با نام ۵۴۴	۲۲۳	منظر کشف فایده ۵۶۳
۲۰۴	فون افکار لایحه بنفشه ۵۴۲	۲۲۵	غشی محمد علی صاحب ۵۶۵
۲۰۵	شیخ انجن مراد آبادی ۵۴۲	۲۲۶	حمود کفایت ۵۶۶
۲۰۶	الصباح لایحه مدینه ۵۴۵	۲۲۷	سرشته دلی ماهانه ۵۶۸
۲۰۷	عبدالعزیز الحادی ۵۴۵	۲۲۸	سید کانی ۵۷۱
۲۰۸	بها نیر علی عشره ۵۴۳	۲۲۹	دشکری دلی ماهانه ۵۷۲
۲۰۹	مدح کشف فایده ۵۴۳	۲۳۰	هفت لایحه ۵۷۳
۲۱۰	ساده کشف روضه ۵۴۲	۲۳۱	مجمع امید ۵۷۷
۲۱۱	عمر سید کشف روضه ۵۴۸	۲۳۲	مجمع فاران حکایت ۵۷۸
۲۱۲	سخن شیخ کشف روضه ۵۴۹	۲۳۳	روشنی لایحه ماهانه ۵۸۲
۲۱۳	الحاج عسکری ادرکی ۵۴۹	۲۳۴	رنگ مراد آبادی ۵۸۳
۲۱۴	آبائیت حیدر آبادی ۵۵۱	۲۳۵	غشی اصفی سین مراد آبادی ۶۰۴
۲۱۵	سیرتین روبرو کانی ۵۶۰	۲۳۶	ملایه الاسلام دلی ۶۰۵
۲۱۶	پیکر خیال بنگلور ۵۶۰	۲۳۷	کافور من گزشت علیک ۶۰۶
۲۱۷	سوغ بنگلور ۵۶۰	۲۳۸	شرکت الاسلام حیدر آباد ۶۰۷
۲۱۸	انجیل سیرتین ۵۶۰	۲۳۹	الحاج امرتسر ۶۰۸
۲۱۹	نرم تجارت دلی ماهانه ۵۶۱	۲۴۰	طبی گزشت علیک ۶۰۸
۲۲۰	مدان مردوخ بنگلور ۵۶۱	۲۴۱	حق لایحه بنفشه ۶۰۸
۲۲۱	نعمت تربیت لایحه ۵۶۲	۲۴۲	نیرب مجبور نیل مدینه ۶۰۹
۲۲۲	گل چین نیل فایده ۵۶۲	۲۴۳	نیل حیدر آباد ماهانه ۶۱۰
۲۲۳	سید لایحه ۵۶۲	۲۴۴	سید لایحه علی لایحه ۶۱۰

- ۲۲۵ روبرو زمین حبیب و صاحبان ۲۲۱ کنگر دی ۲۲۶
 ۲۲۶ کنگر آداب ۲۲۷ دقت و تحریک ۲۲۷
 ۲۲۷ حرکت غنائیه بنگر ۲۲۸ سلسله نظریات حبیب ۲۲۸
 ۲۲۸ الفقه اشرار بنگر ۲۲۹ انتخاب جادو با ۲۲۹
 ۲۲۹ سلسله ۲۳۰ یادگار دلی ۲۳۰
 ۲۳۰ فتح کنگر بنگر ۲۳۱ سید کاظمی بنگر ۲۳۱
 ۲۳۱ ضرورت اشرار بنگر ۲۳۲ انشائی دلی ۲۳۲
 ۲۳۲ نظم لایحه ۲۳۳ حقیقت کنگر بنگر ۲۳۳
 ۲۳۳ تعجب بنگر ۲۳۴ المذنبین ۲۳۴
 ۲۳۴ دالی دلی ۲۳۵ دقت و تحریک ۲۳۵
 ۲۳۵ تا جردی بنگر ۲۳۶ الحیات بنگر ۲۳۶
 ۲۳۶ انقلاب بنگر ۲۳۷ رفیع بنگر ۲۳۷
 ۲۳۷ سلسله بنگر ۲۳۸ النظر بنگر ۲۳۸
 ۲۳۸ اخوت بنگر ۲۳۹ الصانع حبیب ۲۳۹
 ۲۳۹ اخبار القوان بنگر ۲۴۰ صغری بنگر ۲۴۰
 ۲۴۰ الواظ حبیب ۲۴۱ انتخاب بنگر ۲۴۱
 ۲۴۱ محقق دلی ۲۴۲ جرات بنگر ۲۴۲
 ۲۴۲ بنگر ۲۴۳ قوم دلی ۲۴۳
 ۲۴۳ سیاست بنگر ۲۴۴ نالی دلی ۲۴۴
 ۲۴۴ سلسله حبیب ۲۴۵ لطف بنگر ۲۴۵
 ۲۴۵ اقبال بنگر ۲۴۶ رعیت دلی ۲۴۶

۲۸۷	جناب نیاز فطیری	۲۹۳	۲۸۷	سلسلہ
۲۸۸	سلسلہ	۲۹۴	۲۸۸	اردو لوگ آباد
۲۸۹	خزائن دہلی آباد	۲۹۵	۲۸۹	الاسول میرٹھ آباد
۲۹۰	علی گڑھ یگانہ	۲۹۶	۲۹۰	تحریک دہلی آباد
۲۹۱	برقی سن آسمان	۲۹۷	۲۹۱	مکتبہ کتب
۲۹۲	دلکش سرائے آباد	۲۹۸	۲۹۲	انجمن جعفری
۲۹۳	انجمن ازاد دہلی آباد	۲۹۹	۲۹۳	جوت خیمہ آباد
۲۹۴	مہینہ اوقات آباد	۳۰۰	۲۹۴	سلسلہ انجمن دہلی آباد
۲۹۵	تہاریلہ افلاکی لکھنؤ	۳۰۱	۲۹۵	آئینہ ارکان آباد
۲۹۶	لوہنول میرٹھ	۳۰۲	۲۹۶	مکتبہ خوشتر گنج
۲۹۷	سورجی دہلی آباد	۳۰۳	۲۹۷	پہلے دہلی آباد
۲۹۸	غلاب اردو لاہور	۳۰۴	۲۹۸	نیلہ داستان لاہور
۲۹۹	ادب لکھنؤ	۳۰۵	۲۹۹	دہلی لکھنؤ
۳۰۰	انجمن لکھنؤ	۳۰۶	۳۰۰	ترجمہ نثر لکھنؤ
۳۰۱	روزنامہ زمانہ لکھنؤ	۳۰۷	۳۰۱	سوان گجرات آباد
۳۰۲	نقیب سچواری شریف	۳۰۸	۳۰۲	الام لکھنؤ دہلی
۳۰۳	رسم دکن حیدر آباد	۳۰۹	۳۰۳	پیغام لکھنؤ دہلی
۳۰۴	تکلیف کاظمی	۳۱۰	۳۰۴	کیری دہلی دہلی
۳۰۵	نندے ماترم لاہور	۳۱۱	۳۰۵	دین و دنیا دہلی آباد
۳۰۶	ضیافت سچ دہلی	۳۱۲	۳۰۶	ارتقا رحیم آباد دہلی
۳۰۷	جواہر دہلی آباد	۳۱۳	۳۰۷	سلسلہ

۳۲۹	نگار سحر پال کشتی دایه ۴۵۴	۲۵۰	سلمانا صلاح الدین محمد ۴۵۸
۳۳۰	بیابان لایحه ۴۵۵	۳۵۱	سلمانا صلاح الدین محمد ۴۵۸
۳۳۱	بیابان بشیر احمد زار ۴۵۵	۳۵۲	جواد - دوحا کمانه ۸۰۲
۳۳۲	منصور احمد ندیم ۴۵۶	۳۵۳	خواجہ محمد علی ۸۳۴
۳۳۳	سلمانا صلاح الدین ۴۵۷	۳۵۴	سعیار سخن مایکادو ۸۳۴
۳۳۴	تصوف لایحه ۴۵۸	۳۵۵	المن کلکیت منہد ۸۴۲
۳۳۵	لیس دینہ شیخ آباد ۴۵۹	۳۵۶	الہلال دہلی نامہ ۸۴۲
۳۳۶	قاصد دہلی زندانہ ۴۶۰	۳۵۷	سلم اعلیٰ حیدر آباد ۸۴۳
۳۳۷	درین لایحه ۴۶۱	۳۵۸	خواجہ محمد الدین جدت ۸۴۳
۳۳۸	ترقی حیدر آباد کن ۴۶۲	۳۵۹	گلہ پست نامہ ۸۴۴
۳۳۹	نیل اللک " نامہ ۴۶۳	۳۶۰	لارہ محمدنا محمد سہائے ۸۴۴
۳۴۰	اختر منہد لکنت ۴۶۴	۳۶۱	ملک لایحه ۹۴۵
۳۴۱	نکست حیدر آباد ۴۶۵	۳۶۲	خوشن لایحه خورشید ۸۵۹
۳۴۲	خاورہ ۴۶۶	۳۶۳	زبیر ۸۶۲
۳۴۳	جنابہ مریم بیگم صاحبہ ۴۶۷	۳۶۴	چودھری محمد علی محمد ساگر ۸۶۹
۳۴۴	راگ لایحه ۴۶۸	۳۶۵	الصالح دہلی ۸۷۱
۳۴۵	السیح دہلی ۴۶۹	۳۶۶	بہار نیم بیابان ۸۷۲
۳۴۶	حسن ادب قلعہ ۴۷۰	۳۶۷	حور ملکیت ۸۷۵
۳۴۷	نادر علی خانی لایحه ۴۷۱	۳۶۸	پیمانہ آگرہ ۸۷۵
۳۴۸	ادبی دنیا لایحه ۴۷۲	۳۶۹	الغزیرہ منہد ۸۷۵
۳۴۹	علازہ محمد قیس آبادی ۴۷۳	۳۷۰	عبداللہ ہاتف اگر آبادی ۸۷۶

۳۹۲ محمد حسن صاحب	۷۸۴	۳۷۱ ✓ الزام دلی بمانه	۸۷۶
۳۹۳ تبلیغ لایسره	۷۸۴	۳۷۲ انور حسین آبادکن	۸۷۷
۳۹۴ خورشید سیرت	۷۸۵	۳۷۳ محرم سیرت	۸۷۷
✓ ۳۹۵ ریح البرق دلی	۷۸۶	✓ ۳۷۴ سوز سوز دلی	۸۷۷
۳۹۶ طبیب حیرت	۷۸۷	۳۷۵ لطیف حسن پور	۸۷۷
✓ ۳۹۷ تیج دلی دزدان	۷۸۷	۳۷۶ عالمگیر سیرت	۸۷۸
۳۹۸ سلسلہ ۱۹۲ ع	۷۸۹	۳۷۷ الہد در جنت	۸۷۸
۳۹۹ دلفگار	۷۸۹	۳۷۸ ست سیرت دلی	۸۷۸
۴۰۰ بنای لایسره	۸۹۰	۳۷۹ سلطان سیرت دلی	۸۷۸
۴۰۱ دیبائی جنت	۸۹۱	۳۸۰ ترجمہ نواکشتہ	۸۷۹
۴۰۲ جماعت لایسره	۸۹۱	۳۸۱ نظریہ سیرت دلی	۸۷۹
✓ ۴۰۳ خورشید دلی	۸۹۲	۳۸۲ آئینہ سیرت	۸۷۹
۴۰۴ الکلام سیرت	۸۹۳	۳۸۳ کتب سیرت دلی	۸۸۰
۴۰۵ سراج الکلام اردو	۸۹۳	۳۸۴ تحفہ حیدر آبادکن	۸۸۰
۴۰۶ محمد قیاض علی خان قیاض	۸۹۴	۳۸۵ محبہ الہی عالی	۸۸۰
۴۰۷ نیرنگ خیال لایسره	۸۹۵	۳۸۶ المصدق حیدر آبادکن	۸۸۱
۴۰۸ حساب حکیم محمد یوسف صاحب	۸۹۸	۳۸۷ سید محمد صاحب	۸۸۱
✓ ۴۰۹ ریاست دلی	۸۹۹	۳۸۸ المصطفیٰ حیدر آبادکن	۸۸۲
۴۱۰ سرمد بلبل سنگه خنوں	۹۰۰	۳۸۹ عظمت انور	۸۸۲
۹۰۱ الفیض ارتغر	۹۰۱	۳۹۰ کاتکاران پند سیرت	۸۸۲
۹۰۲ تلک لایسره	۹۰۲	۳۹۱ مشیران طباطبائی	۸۸۲

۹۶۶	۴۴۴	ماتقین بین پشید	۹۵۲	۴۱۳	الم البشیرین
۹۶۷	۴۴۵	ماتقین بین پشید	۹۵۳	۴۱۴	الم الاکرام بالشریف
۹۶۸	۴۴۶	ماتقین بین پشید	۹۵۴	۴۱۵	الم فیض فی الدین و الدن
۹۶۹	۴۴۷	ماتقین بین پشید	۹۵۵	۴۱۶	الم تبصیر الی قیام الدین
۹۷۰	۴۴۸	ماتقین بین پشید	۹۵۶	۴۱۷	الم حکیم احمد بن حبیب
۹۷۱	۴۴۹	ماتقین بین پشید	۹۵۷	۴۱۸	الم تنظیم کمالیہ
۹۷۲	۴۵۰	ماتقین بین پشید	۹۵۸	۴۱۹	الم زینتہ المکررہ
۹۷۳	۴۵۱	ماتقین بین پشید	۹۵۹	۴۲۰	الم بلاغ امرتہ
۹۷۴	۴۵۲	ماتقین بین پشید	۹۶۰	۴۲۱	الم کشف امرتہ
۹۷۵	۴۵۳	ماتقین بین پشید	۹۶۱	۴۲۲	الم غریبہ از حیلہ الی حریفہ
۹۷۶	۴۵۴	ماتقین بین پشید	۹۶۲	۴۲۳	الم فتحہ عن غریبہ کا پند
۹۷۷	۴۵۵	ماتقین بین پشید	۹۶۳	۴۲۴	الم بدیع حدیث انور
۹۷۸	۴۵۶	ماتقین بین پشید	۹۶۴	۴۲۵	الم ہلال آبادیہ
۹۷۹	۴۵۷	ماتقین بین پشید	۹۶۵	۴۲۶	الم حقیقہ لودہانہ
۹۸۰	۴۵۸	ماتقین بین پشید	۹۶۶	۴۲۷	الم بینہ مصلح لایمہ
۹۸۱	۴۵۹	ماتقین بین پشید	۹۶۷	۴۲۸	الم حسن الملک جویال
۹۸۲	۴۶۰	ماتقین بین پشید	۹۶۸	۴۲۹	الم کوہ پشید
۹۸۳	۴۶۱	ماتقین بین پشید	۹۶۹	۴۳۰	الم العبد حیدر ادری
۹۸۴	۴۶۲	ماتقین بین پشید	۹۷۰	۴۳۱	الم سفیر حیدر ادری
۹۸۵	۴۶۳	ماتقین بین پشید	۹۷۱	۴۳۲	الم فکحہ لایمہ
۹۸۶	۴۶۴	ماتقین بین پشید	۹۷۲	۴۳۳	الم ہاتھ پتہ در

- ۲۵۵ کائنات یانی بیت بنامہ ۹۹۶
 ۲۵۶ مسیحی سچواری شریف ۹۹۸
 ۲۵۷ شاد زور سچواری ۹۹۹
 ۲۵۸ دل آگرہ نامہ ۹۹۹
 ۲۵۹ کوکب گونڈا ۱۰۰۰
 ۲۶۰ سرتاج ملتان نامہ ۱۰۰۰
 ۲۶۱ نشتر احمد آباد ۱۰۰۰
 ۲۶۲ ساتیں کی صدا حیدرآباد ۱۰۰۱
 ۲۶۳ سلم گڑھ کلکتہ رند ۱۰۰۱
 ۲۶۴ یردین آگرہ نامہ ۱۰۰۱
 ۲۶۵ فرشتہ ۱۰۰۳
 ۲۶۶ خواجہ تارا حسن شاہ جیس ۱۰۰۳
 ۲۶۷ دربار آگرہ نامہ ۱۰۰۴
 ۲۶۸ سرحدت درہند ۱۰۰۴
 ۲۶۹ اشتر بخش یوسلی ۱۰۰۶
 ۲۷۰ افغانی بٹ درہند ۱۰۰۸
 ۲۷۱ سندھو آئین نامہ ۱۰۰۹
 ۲۷۲ الہادار تھانہ سچواری ۱۰۰۹
 ۲۷۳ ارکو سلی نامہ آگرہ ۱۰۰۹
 ۲۷۴ گلہ ستہ لاہور نامہ ۱۰۱۰
 ۲۷۵ اسرار تصوف لاہور ۱۰۱۲
- ۲۷۶ گئے زنی گورنامہ الہ آباد ۱۰۱۳
 ۲۷۷ انوار القدس بٹی پنج ۱۰۱۳
 ۲۷۸ الطبیبہ اسلام آباد ۱۰۱۴
 ۲۷۹ طلبہ پنجاب نامہ ۱۰۱۴
 ۲۸۰ حفاظت بنامہ ۱۰۱۵
 ۲۸۱ فقہ دار سحر ۱۰۱۵
 ۲۸۲ فیرس اورنگ آباد دہلی ۱۰۱۶
 ۲۸۳ قوس قزح لاہور ۱۰۱۶
 ۲۸۴ اثبوتہ دلی روزنامہ ۱۰۱۶
 ۲۸۵ مولانا محمد عثمان صاحب لاہور ۱۰۱۶
 ۲۸۶ سلاطین ۱۰۲۶
 ۲۸۷ نجفی دلی نامہ ۱۰۳۶
 ۲۸۸ مولوی شہید محمد احمد دہلی ۱۰۳۶
 ۲۸۹ پریم لاہور شیفہ دار ۱۰۳۶
 ۲۹۰ شہرستان لاہور ۱۰۳۶
 ۲۹۱ سردار شہان گورنامہ ۱۰۳۶
 ۲۹۲ نور جمالی امرتسر نامہ ۱۰۳۶
 ۲۹۳ افغانی قریہ ۱۰۴۹
 ۲۹۴ سیل علی گڑھ سڑی ۱۰۵۰
 ۲۹۵ آفتاب سبکی ۱۰۵۱
 ۲۹۶ یاران قیام دلی ۱۰۵۱

- ۱۰۵۸ ستونجستان نامہ ۱۰۵۲ چاند لاپورا نامہ
 ۱۰۵۹ ستونجستان نامہ ۱۰۵۲ رام جی داس گاجریہ ۱۰۵۲
 ۱۰۶۰ خواجہ حسن لکھی ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ چغت بن کانپور ۱۰۵۲
 ۱۰۶۱ پیسانہ لاپور ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ افق کانپور ۱۰۵۲
 ۱۰۶۲ علی دریا بک آباد ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ حریت الاسلام لاپور ۱۰۵۲
 ۱۰۶۳ سارنگی می ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ رولی احمد بابا خدی ۱۰۵۲
 ۱۰۶۴ اولت بن بی ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ عدالت لاپور ۱۰۵۲
 ۱۰۶۵ آبن دکن حیدر آباد ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ حکیم عثمان علی خاں ۱۰۵۲
 ۱۰۶۶ حضرت پٹنہ نامہ ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ قلیع نواں دہلی ۱۰۵۲
 ۱۰۶۷ محلی حیدر آباد ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ صادق دیر لدن ۱۰۵۲
 ۱۰۶۸ راز دیناز دہلی نامہ ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ محمد صادق ۱۰۵۲
 ۱۰۶۹ نظامہ کانپور ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ الہادی در بیکان ۱۰۵۲
 ۱۰۷۰ سلم سیکر آثارہ بنقہ دور ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ سرولی محمد عثمان ۱۰۵۲
 ۱۰۷۱ حسن ضیاء بھوپال ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ اسو حسنہ لاپور ۱۰۵۲
 ۱۰۷۲ محلہ علی شہید آباد ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ مولانا محمد درخت ۱۰۵۲
 ۱۰۷۳ معین الدین زرنجی ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ سیدرتان لاپور ۱۰۵۲
 ۱۰۷۴ میر حسن ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ اختر نیر دالی ۱۰۵۲
 ۱۰۷۵ جلال الدین شہ ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ معین نواں علی گڑھ ۱۰۵۲
 ۱۰۷۶ سید محمد اکبر ناول ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ علیہ حکیم فتح علی لاپور ۱۰۵۲
 ۱۰۷۷ عبد القیوم خان بانی ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ حرام علیہ صیت ۱۰۵۲
 ۱۰۷۸ بنی الحسن سکیم ۱۰۵۲ ۱۰۵۲ یگم عبد القدر ۱۰۵۲

۵۳۹	آفتاب	۱۰۶۵	۵۶۰	شیر رحمت المومنین	۱۰۶۲
۵۴۰	پرواز حسن حضرت کاشغری	۱۰۶۶	۵۶۱	زبان حکیمانی	۱۰۶۳
۵۴۱	ساده میرد	۱۱۸۰	۵۶۲	الامین بهائین	۱۰۶۴
۵۴۲	محمد بن علی بن محمد	۱۱۸۱	۵۶۳	مرکز ادب انبیا	۱۰۶۵
۵۴۳	حکیم بیدوی حسن کتاب کبریا	۱۰۸۱	۵۶۴	خود بنده خدا	۱۰۶۵
۵۴۴	نریا - آگره	۱۰۸۲	۵۶۵	عبد مؤمنان	۱۰۶۶
۵۴۵	سرمه صاحبزاده	۱۰۸۲	۵۶۶	مؤثر فارسی	۱۰۶۶
۵۴۶	فرطانی اردبیل	۱۰۸۳	۵۶۷	توحید انور	۱۱۰۰
۵۴۷	سیدین کلمه	۱۰۸۳	۵۶۸	رسانا سید داود غزنوی	۱۱۰۰
۵۴۸	چون عزیز	۱۰۸۳	۵۶۹	ماهر دلی سینه دار	۱۱۰۰
۵۴۹	شف کلمه	۱۰۸۴	۵۷۰	اختر دلی	۱۱۰۰
۵۵۰	انجالی پنجاب	۱۰۸۴	۵۷۱	انتقالی سینه سینه	۱۱۰۰
۵۵۱	الاکام مبارک	۱۰۸۵	۵۷۲	طفت دلی	۱۱۰۰
۵۵۲	فردوس فیض آباد	۱۰۸۵	۵۷۳	الارشاد دلی	۱۱۰۰
۵۵۳	روزگار اندیشه	۱۰۸۵	۵۷۴	اصلاح لاهور	۱۱۰۰
۵۵۴	پیشانی درخشان	۱۰۸۶	۵۷۵	رعیت حیدر آباد	۱۱۰۸
۵۵۵	تعبیر خیال پند	۱۰۸۶	۵۷۶	زنگنه ارد	۱۱۰۹
۵۵۶	گلزار کون لاهور	۱۰۸۶	۵۷۷	نظام گزشت حیدر آباد	۱۱۱۱
۵۵۷	انقلاب لاهور	۱۰۸۷	۵۷۸	حبیب الله رشیدی	۱۱۱۲
۵۵۸	تفریح	۱۰۸۷	۵۷۹	آزادگی کرمی	۱۱۱۳
۵۵۹	سلاطین	۱۰۸۹	۵۸۰	زبان کاشغری	۱۱۱۳

۶۰۲	خواجہ محمد امیر مبارک آبادی	۱۱۱۱	آفتاب گلست
۶۰۳	ضیاء القریں اثر سر	۱۱۱۲	مطعم اثر سر
۶۰۴	خزینہ تالیخ حیدر آباد	۱۱۱۳	پہلو در ملی ماہنامہ
۶۰۵	آواز امرتسر	۱۱۱۴	حلیخ انبالہ
۶۰۶	دیوانی حبیب	۱۱۱۵	تنقید برما
۶۰۷	انجیرنگ لاہور	۱۱۱۸	مستقل
۶۰۸	نظم کالج اردو بکریہ	۱۱۱۹	نظم ۱۹۲۸ء
۶۰۹	کیف اجیر ۱۹۲۹ء	۱۱۲۱	خبرمند لاہور
۶۱۰	سفینہ لہران حیدر آباد	۱۱۲۳	سرتاج لاہور
۶۱۱	اختر زلشی	۱۱۲۴	افغان بٹ در
۶۱۲	خلیق حیدر آباد	۱۱۲۴	خان میرٹھی
۶۱۳	سرزا امام بیگہ دتی	۱۱۲۵	ادیب آیت در
۶۱۴	صحت کلکتہ	۱۱۲۵	تجربہ در سیت
۶۱۵	کوثر دہلی	۱۱۲۶	کیمییا کلکتہ
۶۱۶	ارمغان ادبی	۱۱۲۶	نوریا لاہور
۶۱۷	صحیفہ شنائی	۱۱۲۷	فرنگی آبادیت
۶۱۸	مسل بر شیدر اسکویٹ	۱۱۲۹	امجد خسرو دہلی
۶۱۹	تاریخ حیدر آباد	۱۱۳۰	پیام سرحد میرٹھ
۶۲۰	حکیم شمس الدین دہلی	۱۱۳۱	سفینہ مایس
۶۲۱	یحوی حیدر آباد	۱۱۳۳	روزنامہ جنگور
۶۲۲	غالب آگرہ	۱۱۳۳	آزاد آگرہ

۱۱۶۱	۶۸۸	باجیکوب دہلی	۱۱۶۱	۶۹۳	مقبول حسین قابل کراچی
۱۱۶۲	۶۸۵	الوانی گورکھپور	۱۱۶۲	۶۹۴	محمد علی صاحب شاہ
۱۱۶۳	۶۸۶	بیلارجم لالہ	۱۱۶۳	۶۹۵	عبدالحق حیدر آباد
۱۱۶۴	۶۸۷	فیاض شرقی میرٹھ	۱۱۶۴	۶۹۶	عبدالقادر مسوری
۱۱۶۵	۶۸۸	ڈاکٹر حسنت آرا صاحب	۱۱۶۵	۶۹۷	ظہیر الدین یوکانکتہ
۱۱۶۶	۶۸۹	سلسلہ ۱۱۶۶	۱۱۶۶	۶۹۸	نور محمد گوجرانوالہ
✓ ۱۱۶۷	۶۹۰	ساتی ادبی	✓ ۱۱۶۷	۶۹۹	کامیابی دہلی
۱۱۶۸	۶۹۱	شاہد احمد ملوئی	۱۱۶۸	۷۰۰	البلاغ علی گڑھ
✓ ۱۱۶۹	۶۹۲	میر نثار دہلی	✓ ۱۱۶۹	۷۰۱	قیام الدین لکھنؤ
۱۱۷۰	۶۹۳	نور محمد آباد	۱۱۷۰	۷۰۲	میرزا محمد
۱۱۷۱	۶۹۴	سید ظہیر الدین ملوئی	۱۱۷۱	۷۰۳	سرور علی لاہور
۱۱۷۲	۶۹۵	نور محمد آباد	۱۱۷۲	۷۰۴	میاں علی قادیان
۱۱۷۳	۶۹۶	جامعہ تہذیب لاہور	۱۱۷۳	۷۰۵	اسلام امرتسر
۱۱۷۴	۶۹۷	جامعہ العلوم	۱۱۷۴	۷۰۶	ادب لکھنؤ
۱۱۷۵	۶۹۸	جامعہ تارکین	۱۱۷۵	۷۰۷	حکمت لاہور
۱۱۷۶	۶۹۹	بصیرت لاہور	۱۱۷۶	۷۰۸	حیدر آباد نیکو
۱۱۷۷	۷۰۰	خیانتان	۱۱۷۷	۷۰۹	ارشاد حیدر آباد
۱۱۷۸	۷۰۱	میرزا محمد	۱۱۷۸	۷۱۰	سائنس لکھنؤ
۱۱۷۹	۷۰۲	سید امیر	۱۱۷۹	۷۱۱	دانش جہان لکھنؤ
۱۱۸۰	۷۰۳	جامعہ تہذیب لاہور	۱۱۸۰	۷۱۲	سازند گوجرانوالہ
۱۱۸۱	۷۰۴	الکاف حیدر آباد	۱۱۸۱	۷۱۳	نور محمد لاہور

۱۱۹۶	تنبیه اگره دانه	۷۳	مکرم دادلندی	۱۱۹۶
۷۴	شیرسعادت دلی	۷۴	جنگاری پنهان	۱۱۹۷
۷۵	نوازل میسر	۷۵	جیش فیض حد سوری	۱۱۹۸
۷۶	نظم قاسم حبیب احمدی	۷۶	دربانی مشایخ	۱۲۰۰
۷۷	تمدن اگره	۷۷	حرف - نکتہ ایچ	۱۲۰۱
۷۸	سیدت علی حسین شفا	۷۸	ظهور دلی دانه	۱۲۰۲
۷۹	انشاء اگره	۷۹	بانگ دادر آفرین	۱۲۰۳
۸۰	روح ادب لایحه	۸۰	حرف آخر	۱۲۱۱
۸۱	نئی روشنی دلی	۸۱	شکستہ کجیا فدا دلی	۱۲۱۲
۸۲	کائنات گزشتہ	۸۲	مجدد اعظم سید	۱۲۱۳
۸۳	پیام کلکتہ	۸۳	افوت لایحه دانه	۱۲۱۴
۸۴	تذکرہ اعظم گزشتہ	۸۴	پیغام دلی روزانہ	۱۲۱۵
۸۵	ظہور دلی	۸۵	سماج اگره دانه	۱۲۱۶
۸۶	عزیز گوکچید	۸۶	القصاص مگررات	۱۲۱۷
۸۷	النگارہ پند	۸۷	پیغام حق کانپور	۱۲۱۸
۸۸	عنبر حسین ہند	۸۸	نکتہ حیدر آباد	۱۲۱۹
۸۹	بینام جنتی	۸۹	ساقی بلستان	۱۲۲۰
۹۰	نوجوان سرزنی	۹۰	نہرست کتب	۱۲۲۱

سند کردہ حضرت حافظ ضامن شہید فرنگ

حضرت حافظ ضامن شہید فرنگ اُن علماء و مشائخ میں سے ہیں جن کا شمار حضرت سیاحی نور محمد بھٹی انوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی اور حضرت شیخ محمد محبت کے ساتھ گزرا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء شاملی میں آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا مظہر نانوتوی وغیرہ کے ساتھ حصہ لیا اور انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مظہر نانوتوی اس موکر میں زخمی ہوئے۔ اس موکر کی شہادت کے الزام میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی چھ مہینے حوالات میں رہے اور حضرت حافظ ضامن صاحب نے اسی موکر میں جام شہادت نوش فرمایا۔

علیم ضیاء الدین صاحب لاہوری حضرت حافظ ضامن شہید فرنگ کے جان نثار خلیفہ تھے۔ آپ نے حضرت حافظ ضامن صاحب کے حالات لکھ کر قلمی صورت میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں مکہ معظمہ بھجوائے جس کا نام مونس محبوب راں حافظ صاحب مدد بھانٹا۔ یہ قلمی نادر مخطوط مدد رس مولتیہ کے کتب خانہ میں پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ اس کا کاپیہ تھا۔ حضرت مولانا محمد نسیم صاحب ہتھمد مدد رس مولتیہ نے اس کا نوٹو اسٹیٹ کرا کر منجھو غایت کیا جس کو میں نے اس تذکرہ کو ”سردار شہیدان“ میں شامل کر دیا ہے۔ اس تذکرہ کے مؤلف مولانا امداد صابری دہلوی ہیں۔ قیمت پندرہ روپے۔

لئے کاپیہ: صاحبہ کتاب گھر ۲۶۔ محلہ چوڑی لان۔ دہلی



۱۲۲۰

103378

25/10/2019

تذکرہ قاری عبد اللہ مکی وقاری عبد الرحمن الہ آبادی

جبکہ ہندوستان میں علم تجوید و قرأت ناپید ہونے کے برابر ہو گئے تھے اور حجاز مقدس کے لوگ ہندوستانی قراء کی تلاوت نہیں سنتے تھے اور الزام لگاتے تھے کہ یہ قرآن مجید غلط پڑھتے ہیں اس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ کیراوی نے مدرسہ مولتیہ مکہ معظمہ میں قائم کیا تو سب سے پہلے تجوید و قرأت کی تعلیم شروع کر دی۔

اس وقت حجاز مقدس میں قاری عبد اللہ مکی اور قاری عبد الرحمن الہ آبادی موجود تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے مدرسہ مولتیہ میں تعلیم پائی تعلیم سے فارغ ہوئے تو قاری عبد اللہ مکی کو مدرسہ مولتیہ کے شعبہ تجوید و قرأت کا مدرسہ اول مقرر کیا اور۔۔۔ قاری عبد الرحمن الہ آبادی کو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے حکم دیا تم ہندوستان جاؤ اور وہاں تجوید و قرأت کو پھیلادو۔ قاری عبد اللہ مکی نے پوری زندگی مدرسہ مولتیہ میں تجوید و قرأت کی تعلیم دی اور قاری عبد الرحمن الہ آبادی نے پورے ہندوستان میں اس علم کو فروغ دیا۔

ان دونوں بھائیوں کے شاگرد در شاگردوں نے حجاز مقدس اور ہندوستان کے علاوہ افریقہ اور ممالک اسلامیہ میں اس فن کی فروغ دیکر یام عروج پر پہنچایا جس کی وجہ سے علی الاعلان کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیراوی کی دور اندیشی اور ان دونوں بھائیوں کی محنت قابل ستائش ہے۔ آج جتنا فروغ تجوید و قرأت کا دنیا میں ہوا ہے اس کا ہر زیادہ تر ان بیٹوں حضرات کے ہے۔ اس تذکرہ کا نام "فیضانِ رحمت" ہے جسکے مؤلف مولانا امداد صابری صاحب ہیں۔ قیمت بیس روپے۔

ملنے کا پتہ: صاحبزادہ کتاب گھر۔ ۲۶۷۔ محلہ جواہر اللہ۔ دہلی

